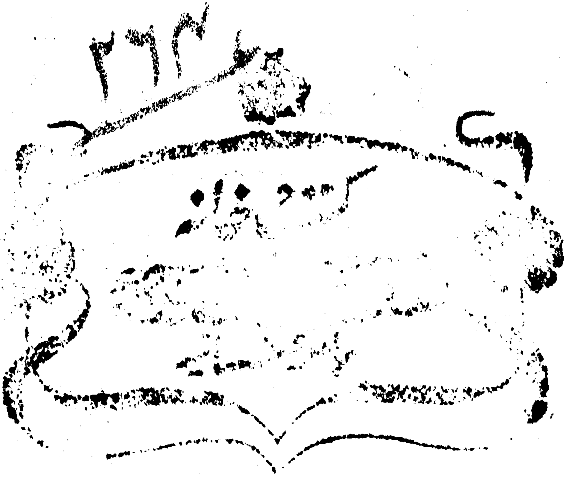
تہذیب الاخلاق

تہذیب الاخلاق

مضامین

سید احمد خاں [illegible]



دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہذیب الاخلاق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیرالدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کیا کتاب ہے اور حکمائے کرام و علمائے عظام کی مجلس میں وہ کس عزّت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم اُن کو بتائے دیتے ہیں کہ آج سے قریباً نوسو برس (۹۰۰) پیشتر ترکستان کے شہر رے میں جو ایک حکیم فاضل اور استاد کامل ابوعلی مسکویہ خازن رازی گزرا ہے یہ اُسکی تصنیف ہے۔ اس کتاب نے مضامین کی عمدگی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی اسلوبی کی وجہ سے ایسا حسن قبول حاصل کیا تھا کہ خواجہ نصیر جیسے شخص نے جو اپنے زمانہ کا ایک نامور عالم اور مشہور فاضل تھا جب قہستان کے حاکم امیر ناصرالدین عبدالرحیم کی پاس خاطر کتاب اخلاق ناصری مرتب کی تو فن اخلاق کے متعلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا اور کسی جدید کتاب کے تصنیف

کرنے کی ضرورت نہ سمجھی ؛

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی اسلامی سلطنت کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ گھر گھر علم و فضل کا چرچا تھا۔ رعایا اُسکو ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ حکام اپنی سلطنت کی زیب و زینت کا باعث تصور کرتے تھے۔ اَور تو اَور صرف ابو علی سینا اور ابو ریحان بیرونی اِس حکیم کے ہمعصروں میں دو ایسے باکمال ہو گزرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی اسلامی قوموں میں عموماً اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں میں خصوصاً نہایت عزت اور توقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان۔ تمدن۔ معاشرت۔ علوم و فنون۔ حرفت و صنعت میں کسی قسم کی مغائرت نہ تھی۔ اِس واسطے حکیم مذکور نے اِس امر کو کافی سمجھا کہ وہ اپنی کتاب میں صرف نفس ناطقہ کی صفات سے بحث کرے اور اُس کے فضائل اور رذائل کے بیان سے اُسکو مکمل کرے۔ لیکن اگر ابو علی ہمارے زمانہ میں ہوتا اور دیکھتا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان میں اختلاف۔ دونوں قوموں کے تمدن اور معاشرت کا طریق جُدا۔ ایک قوم کے علوم و فنون دوسری قوم کے علوم و فنون کے مقابلہ میں مثل تقویم پارینہ۔ حرفت اور صنعت کا یہ حال کہ تکلفات کی چیزیں تو بجائے خود رہیں چاقو۔ قینچی بلکہ سُوئی دھاگہ تک جو ہمارے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہیں ہم اُس میں غیر قوموں کے محتاج۔ تو کیا اِن حالات پر یہ ممکن تھا کہ وہ علاوہ مضامین مذکورہ بالا کے ایسے مضامین درج نہ کرتا جو قوم کو تاریکی جہالت کے تنگ گڑھے سے نکلنے اور ترقی کے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے ؛

خدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے زمانہ کے مناسب حال ایک اَور ابو علی کو پیدا کر دیا جو رسائی عقل اور صفائی ذہن کے باعث قوم کی ضروریات سے۔ زمانہ کی رفتار سے۔ ترقی کے موانعات اور اُسکے اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی آگاہ ہے جو ایک مصلح قوم اور بہی خواہ مُلک کو ہونا چاہیئے۔ وہ کون؟ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل ایل۔ ڈی۔ اس خدا نے جب سے دُنیاوی زندگانی میں قدم رکھا اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھکر معلوم کیا کہ یہی قوم ہے کہ ایک زمانہ میں علم و فضل۔ حرفت و صنعت۔ تجارت و حکمرانی میں ترقی کے اعلے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی یا اب وہی قوم ہے کہ ترقیات کو اُس سے ایسی مغائرت ہے جو ایمان کو کفر سے۔ یا ظلمت سے۔ یا آبادی کو ویرانہ سے۔ تو اِن حالات سے اُس کا جی بھر آیا۔ اور ہمہ تن اُسکی

حلِ مشکلات میں مصروف ہوگیا۔ اور جو کچھ ہوسکتا تھا برسوں اُس پر سوچا کیا۔ دل اور دماغ سے۔ قلم اور زبان سے۔ مال اور جان سے جو مدد مِل سکتی تھی وہ ساری اُس پر صرف کردی۔ اور آخر کو ایک سوسٹی قایم کی۔ اخبار جاری کیا۔ علمی کتابوں کے ترجمے کرا کر شائع کیئے۔ مگر جب تھوڑے عرصہ کے تجربہ سے اُسکو معلوم ہوگیا کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش اور ناکافی ہیں تو فاتح قوم کے عروج اور اقبال مندی کا زندہ نمونہ دیکھنے کے واسطے لندن تک کا سفر اختیار کیا۔ اُس کے حالات کو نظرِ عبرت سے دیکھا۔ اُسکی ترقی کے اسباب کو جانچا۔ پھر اِن سب اسباب کا موازنہ اپنی قوم کے حالات سے کیا۔ اور اِس تمامتر سفر کا نتیجہ یہ نکالا کہ **جو قوم دوسری قوم کے ماتحت رہکر ترقی کرنا چاہے۔ عزت اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہو۔ غیر قوموں کے سامنے اولوالعزمی کا پھریرا بلند کرنا اُس کے مدنظر ہو۔ اُس کو لازم ہے کہ فاتح قوم کی زبان اور اُن علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور بکار آمد ہوں اور ایک قومی دارالعلوم قائم کرے جو اِس ضرورت کے انصرام کا کفیل ہو**۔

اَب اِس بزرگوار نے ہندوستان میں واپس آکر چاہا کہ جو تجارب عظیمہ اِس لمبے چوڑے سفر میں حاصل کیئے ہیں قوم کو اُن سے آگاہ کرے۔ مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا سایہ اُٹھ جانے سے۔ علوم و فنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اُس پر اِدبار چھاگیا ہے۔ خواب غفلت میں پڑی اینڈ رہی ہے۔ نہ سرسری پکار سے اُسکی آنکھ کھلتی ہے۔ اور نہ معمولی جھنجوڑ سے کروٹ بدلتی ہے تب ایک شیریں کلام۔ بُلند آواز۔ آن تھک طبیعت کو اُسپر متعین کیا۔ اُسکی سریلی آواز میں وہ غضب کی طاقت تھی کہ جس دل میں گئی جادو کی طرح اتر گئی۔ جس گھر میں پہونچی مقناطیس کا کام کر دکھایا۔ سوتوں کو جگا دیا۔ مستوں کو ہوشیار کر دیا۔ مُردہ تنوں میں روح پھونک دی۔ زندہ دلوں کو رُوح القدس کا اثر عطا کیا۔ وہ شیریں کلام کون تھا؟ **مقدس تہذیب الاخلاق**۔ جسکی اشاعت کا انتظام درپیش ہے۔

آہا!! یہ وُہی تہذیب الاخلاق ہے۔

جس نے مُسلمانوں کی حُسن معاشرت کا بیڑا اُٹھایا۔

جس نے اسلامیوں کے اصلاح تمدن کا بارگراں اپنے ذمہ لیا۔

جس نے پاک مذہب سے رسم و رواج کے اوہام باطلہ کو دور کر دیا +

جس نے دنیا کو بتا دیا کہ سچا اسلام ہر قسم کی دینی و دنیاوی ترقیات کرنے کو بہمہ وجوہ آمادہ ہے +

جس نے غیر مذہب والوں پر ثابت کر دیا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے +

جس نے عام و خاص پر ظاہر کر دیا کہ مصلحان بنی آدم میں سے جسکی شریعت دنیا کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے وہ نبی عرب محمدؐ صلعم کی ذات بابرکات ہے +

ہاں کتاب تو ایسی ہی ہے مگر اب کہاں کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا کرتے تھے۔ اور اب بتیس برس کی مدت نے اسکو اور نایاب کر دیا۔ اگر کہیں اتفاقیہ بکتی ہوئی مل بھی جائے تو بہ عام کو اسکی خریداری اور نفیس طبائع کو اسکی گرانباری متعذر۔ غریب آدمی ۱۵ﷲ کہاں سے لائے اور امیر آدمی اُس کی سات جلدوں کی ورق گردانی کا کس طرح متحمل ہو۔ پس سہولت اسکی مقتضی ہوئی ہے کہ کل اولڈ اڈیشن (عہد عتیق) چار حصوں میں شائع کیا جائے۔ اور ہر حصہ کی قیمت دو روپے قرار پاوے ترتیب مضامین کے لحاظ سے تفصیل حصص یوں ہے :-

پہلے حصہ میں نواب محسن الملک محسن الدولہ مولوی سید مہدی علی خاں صاحب بہادر منیر نواز جنگ کے مضامین قیمت دو روپیہ +

دوسرے حصہ میں عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے سی ایس آئی کے کل مضامین قیمت تین روپے +

تیسرے حصہ میں نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب بہادر مرحوم کے مضامین قیمت عہ +

چوتھے حصہ میں نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین۔ مولوی الطاف حسین حالی۔ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ۔ مولوی مہدی حسن۔ سید محمود وغیرہ صاحبان کے مضامین۔ قیمت عہ +

خادم قوم

خاکسار **فضل الدین** تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت
لاہور بازار کشمیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصہ اوّل

مضامین اخلاقی و تمدّنی

تمہید

اِس پرچہ کے اجرا سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مُسلمانوں کو کامل درجہ کی سِولیزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جاوے تاکہ جس حقارت سے سولیزڈ یعنی مہذّب قومیں اُن کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزّز و مہذّب قوم کہلاویں ؛

سِولیزیشن انگریزی لفظ ہے جس کا تہذیب ہمنے ترجمہ کیا ہے مگر اِس کے معنی نہایت وسیع ہیں اُس سے مُراد ہے انسان کے تمام افعال ارادی اور اخلاق اور معاملات اور معاشرت تمدّن اور طریقہ تمدّن اور صَرفِ اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلیٰ درجہ کی عُمدگی پر پُہنچانا اور اُن کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی ہوتی ہے اور تمکین اور وقار اور قدر و منزلت حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے ؛

یہ بات نہایت سچ ہے کہ کسی قوم کے مہذب ہونے میں اُس قوم کے مذہب کو بھی بڑا دخل ہے بے شک بعضے مذہب ایسے ہیں کہ وہ تہذیب قومی کے بڑے مانع ہیں۔ پس اَب دیکھنا چاہیئے کہ کیا مُسلمانی مذہب بھی ایسا ہی ہے *

اِس باب میں مختلف رائیں ہیں۔ ایک عیسائی متعصب مؤرخ نے ٹرکی یعنی روم کی سیر کے بعد اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ ترک جبتک مذہب اسلام کو نہ چھوڑینگے مہذب نہ ہونگے کیونکہ مذہب اسلام انسان کی تہذیب کا مانع قوی ہے *

سُلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کو جو بالفعل بادشاہ ہے اِس بات کی تحقیقات منظور ہوئی کہ درحقیقت مذہب اسلام مانع تہذیب ہے یا نہیں اور چند علماء اور عقلاء اور وزراء کی کونسل اِس امر کی نسبت رائے لکھنے کو مقرر کی جس کا افسر فواد پاشا تھا اُس کونسل نے جو رپورٹ لکھی اُس کے دو فقروں کا ترجمہ اِس مقام پر لکھا جاتا ہے *

"اسلام میں وہ سب سچی باتیں ہیں جو کہ دنیا کی ترقی کو حاصل کرنیوالی اور انسانیت اور تہذیب اور رحمدلی کو کمال کے درجہ پر پہونچانیوالی ہیں مگر ہمکو اپنی بہت سی رسوم و عادات کو جو اگلے زمانہ میں مفید تھیں مگر حال کے زمانہ میں نہایت مضر ہوگئی ہیں چھوڑنا چاہیئے" *

اَب دونوں رایوں میں سے کسی ایک رائے کا سچ کر کر دکھا دینا مُسلمانوں کے اختیار میں ہے اگر وہ اپنے عملی کاموں سے مثل اَور دنیا کی مہذب قوموں کے اپنے تئیں بھی مہذب کر دکھاویں گے تو فواد پاشا کی رائے کی تصدیق کریں گے ورنہ از خود اُس پہلی رائے کی تصدیق ہوگی *

ایک اَور انگریزی مؤرخ ہندوستان کے مُسلمانوں کی موجودہ حالت کی نسبت یہ لکھتا ہے۔ کہ "ہندوستان کے مسلمان ذلیل ترین اُمت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے ہیں اور قرآن کے مسئلوں اور ہندوستان کی بُت پرستی سے مِل مِلا کر اُن کا مذہب ایک عجیب مجموعہ ہوگیا ہے" *

ہماری سمجھ میں فواد پاشا کی رائے اور اِس پچھلے انگریزی مورخ کا بیان بالکل درست ہے ہم مُسلمانوں میں بہت سے پرانے قصہ یہودیوں کے اور بہت سی باتیں اور خیالات اور اعتقادات رومن کیتھلک کے جو ایک قدیم عیسائی فرقہ ہے اور جو مدت سے عرب میں بھی موجود تھا اور بے انتہا رسمیں اور عادتیں ہندوؤں کی ملگئی ہیں اور علاوہ براں بہت سی باتیں خود ہماری طبیعتوں یا ہماری غلط فہمیوں نے پیدا کی ہیں جو درحقیقت مذہب اسلام میں نہیں ہیں اور اسی سبب سے مُسلمانوں کی

عجیب حالت ہوگئی ہے اور یہی باعث ہے کہ غیر قومیں ہماری اِس ہیئت مجموعی پر خیال کر کر اُس مجموعہ کو مذہب اسلام قرار دیتی ہیں اور اُسکی نسبت نہایت حقارت کی رائے دیتی ہیں جیسیکہ ایک انگریزی مورخ نے مفصلہ ذیل رائے لکھی ہے ✣

"عیسائیت اُس بڑی سے بڑی خوشی کے جو قادر مطلق نے انسان کو دی ہے صرف موافق اور مطابق ہی نہیں ہے بلکہ اُسکو ترقی دینے والی ہے اور برخلاف اِسکے اسلام اُسکو خراب کرنے والا اور ذلت میں ڈالنے والا ہے" ✣ لہ

پس اب کیا یہ غیرت کی بات نہیں ہے کہ ہم غیر قوموں سے ایسی حقارت کے الفاظ اپنی نسبت اور اپنے روشن اور سچے مذہب کی نسبت سُنیں اور اپنی تہذیب و تربیت اور شائستگی کی طرف متوجہ نہوں ✣

یہ جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ہم فوادپاشا کی رائے کو جو بڑے بڑے عقلاء اور علماء کے اتفاق سے لکھی گئی ہے اختیار کریں اور بخوبی ہوشیار ہو کر نیک دلی اور غور سے اپنی حالت پر خیال کریں اور جو رسوم و عادات اب ہم میں موجود ہیں اور جو مانع تہذیب ہیں اُن کو دیکھیں کہ وہ کہاں سے آئیں۔ اور کیونکر ہم میں مل گئیں اور یا کیونکر خود ہم میں پیدا ہو گئیں اور اُن میں جون جون سی ناقص اور خراب اور مانع تہذیب ہوں اُن کو ترک کریں اور جو قابل اصلاح ہوں اُن کی اصلاح کریں اور ہر ایک بات کو اپنے مذہبی مسایل کے ساتھ مقابلہ کرتے جاویں کہ وہ ترک یا اصلاح موافق احکام شریعت بیضا کے ہے یا نہیں تاکہ ہم اور ہمارا مذہب دونوں غیر قوموں کی حقارت اور اُن کی نظروں کی ذلت سے بچے کہ اِس سے زیادہ ثواب کا کوئی کام اِس زمانہ میں نہیں ہے ✣

یہی ہمارا مطلب اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں سے ہے اور اسی مقصد کے لیئے یہ پرچہ جاری کرتے ہیں تاکہ بذریعہ اِس پرچہ کے جہاں تک ہم سے ہو سکے اُن کے دین و دنیا کی بھلائی میں کوشش کریں اور جو نقصان ہم میں ہیں گو ہمکو نہ دکھائی دیتے ہوں مگر غیر قومیں اُن کو بخوبی دیکھتی ہیں اُن سے اُن کو مطلع کریں اور جو عمدہ باتیں اُن میں ہیں اُن میں ترقی کرنے کی اُن کو رغبت

لہ یہ مت سمجھو کہ اِس مصنف کا صرف یہ قول ہی قول ہے بلکہ حالات اور اطوار و عادات موجودہ اہل اسلام سے اِس کا ثبوت بھی ہے اور جب اُن سب کو لکھا جاوے تو بجز رونے کے اَور کچھ چارہ نہیں۔ اپنی ٹانگ کھولیئے اور آپ ہی لاجوں مریئے ✣

دلاویں۔ واللہ ولی التوفیق ✦

السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ۔ اللھم امین ثم امین ✦

رسم و رواج

جو لوگ کہ حسن معاشرت اور تہذیب اخلاق و شائستگی عادات پر بحث کرتے ہیں اُن کے لیئے کسی مُلک یا قوم کے کسی رسم و رواج کو اچھا اور کسی کو بُرا ٹھہرانا نہایت مشکل کام ہے۔ ہر ایک قوم اپنے مُلک کے رسم و رواج کو پسند کرتی ہے اور اُسی میں خوش رہتی ہے کیونکہ جن باتوں کی چھٹپن سے عادت اور موانست ہو جاتی ہے وہی دل کو بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر ہم اسی پر اکتفا کریں تو اِسکے معنی یہ ہو جاویں گے کہ بھلائی اور بُرائی حقیقت میں کوئی چیز نہیں ہے بلکہ صرف عادت پر موقوف ہے جس چیز کا رواج ہو گیا عادت پڑ گئی وہی اچھی ہے اور جس کا رواج نہ ہوا اور عادت نہ پڑی وُہی بُری ہے ✦

مگر یہ بات صحیح نہیں۔ بھلائی اور بُرائی فی نفسہ مستقل چیز ہے رسم و رواج سے البتہ یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ کوئی اُس کے کرنے پر نام نہیں دھرتا۔ عیب نہیں لگاتا کیونکہ سب کے سب اُس کو کرتے ہیں مگر ایسا کرنے سے وہ چیز اگر فی نفسہ بُری ہے تو اچھی نہیں ہو جاتی۔ پس ہمکو صرف اپنے مُلک یا اپنی قوم کی رسومات کے اچھے ہونے پر بھروسہ کر لینا نہ چاہیئے بلکہ نہایت آزادی اور نیک دلی سے اُسکی اصلیت کا امتحان کرنا چاہیئے تاکہ اگر ہم میں کوئی ایسی بات ہو جو حقیقت میں بد ہو اور بسبب رسم و رواج کے ہمکو اُسکی بدی خیال میں نہ آتی ہو تو معلوم ہو جاوے اور وہ بدی ہمارے ملک یا قوم سے جاتی رہے ✦

البتہ یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر گاہ معیوب اور غیر معیوب ہونا کسی بات کا زیادہ تر اُس کے رواج و عدم رواج پر منحصر ہو گیا ہے تو ہم کس طرح کسی امر کے رسم و رواج کو اچھا یا بُرا قرار دے سکینگے۔ بلاشبہ یہ بات کسیقدر مشکل ہے مگر جبکہ یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ بھلائی یا بُرائی فی نفسہٖ بھی کوئی چیز ہے تو ضرور ہر بات کی فی الحقیقت بھلائی یا بُرائی قرار دینے کے لیئے کوئی نہ کوئی طریقہ ہوگا پس ہمکو اُس طریقہ کے تلاش کرنے اور اُسی کے مطابق اپنی رسوم و عادات کی بھلائی یا بُرائی قرار دینے کی پیروی کرنی چاہیئے ✦

سب سے مقدم اور سب سے ضروری امر اس کام کے لیئے یہ ہے کہ ہم اپنے دل کو تعصبات سے

اور اُن تاریک خیالوں سے جو انسان کو سچی بات کے سُننے اور کرنے سے روکتے ہیں خالی کریں اور اُس دلی نیکی سے جو خدا تعالے نے انسان کے دل میں رکھی ہے ہر ایک بات کی بھلائی یا بُرائی دریافت کرنے پر متوجہ ہوں ٭

یہ بات ہمکو اپنی قوم اور اپنے ملک اور دوسری قوم اور دوسرے مُلک دونوں کے رسم و رواج کے ساتھ برتنی چاہیئے تاکہ جو رسم و عادت ہم میں بھلی ہے اُسپر مستحکم رہیں اور جو ہم میں بُری ہے اُس کے چھوڑنے پر کوشش کریں۔ اور جو رسم و عادت دوسروں میں اچھی ہے اُسکو بلا تعصب اختیار کریں اور جو اُن میں بُری ہے اُس کے اختیار کرنے سے بچتے رہیں ٭

جب کہ ہم غور کرتے ہیں کہ تمام دنیا کی قوموں میں جو رسوم و عادات مروج ہیں اُنہوں نے کس طرح اُن قوموں میں رواج پایا ہے تو باوجود مختلف ہونے اُن رسوم و عادات کے اُن کا مبداء اور منشاء متحد معلوم ہوتا ہے ٭

کُچھ شُبہ نہیں ہے کہ جو عادتیں اور رسمیں قوموں میں مروج ہیں اُن کا رواج یا تو مُلک کی آب و ہوا کی خاصیت سے ہوا ہے یا اُن اتفاقیہ امور سے جن کی ضرورت وقتاً فوقتاً بضرورت تمدن و معاشرت کے پیش آتی گئی ہے یا دوسری قوم کی تقلید و اختلاط سے مروج ہو گئی ہیں یا انسان کی حالت ترقی یا تنزل نے اُسکو پیدا کر دیا ہے۔ پس ظاہرا یہی چار سبب ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک میں رسوم و عادات کے مروج ہونے کا مبداء و منشاء معلوم ہوتے ہیں ٭

جو رسوم و عادات کہ بمقتضائے آب و ہوا کسی مُلک میں رائج ہوئی ہیں اُن کے صحیح اور درست ہونے میں کُچھ شُبہ نہیں کیونکہ وہ عادتیں قدرت اور فطرت نے اُن کو سکھلائی ہیں جسکے سچ ہونے میں کُچھ شُبہ نہیں مگر صرف اُن کے برتاؤ کا طریقہ غور طلب باقی رہتا ہے ٭

مثلاً ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ کشمیر میں اور لندن میں سردی کے سبب انسان کو آگ سے گرم ہونے کی ضرورت ہے۔ پس آگ کا استعمال ایک نہایت سچی اور صحیح عادت دونوں ملکوں کی قوموں میں ہے مگر اب ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ آگ کے استعمال کے لیئے یہ بات بہتر ہے کہ مکانات میں ہندسی قواعد سے آتشخانہ بنا کر آگ کی گرمی سے فایدہ اُٹھاویں یا مٹی کی کانگڑیوں میں آگ جلا کر گردن میں لٹکائے پھریں جس سے گورا گورا پیٹ اور سینہ کالا اور بھونڈا ہو جاوے ٭

طریق تمدن و معاشرت روز بروز انسانوں میں ترقی پاتا جاتا ہے اور اِس لیئے ضرور ہے کہ ہماری رسمیں و عادتیں جو بضرورت تمدن و معاشرت مروج ہوئی تھیں اُن میں بھی روز بروز ترقی ہوتی جاوے اور اگر ہم

اپنی اُن پہلی ہی رسموں اور عادتوں کے پابند رہیں اور کچھ ترقی نہ کریں تو بلاشبہ بمقابل اُن قوموں کے جنھوں نے ترقی کی ہے ہم ذلیل اور خوار رہوں گے اور مثل جانوروں کے خیال کیئے جاویں گے سپھر خواہ اس نام سے ہم بُرا مانیں یا نہ مانیں انصاف کا مقام ہے کہ جب ہم اپنے سے کمتر اور ناتربیت یافتہ قوموں کو ذلیل و حقیر مثل جانوروں کے خیال کرتے ہیں تو جو قومیں کہ ہم سے زیادہ شایستہ و تربیت یافتہ ہیں اگر وہ بھی ہمکو اُسی طرح حقیر اور ذلیل مثل جانوروں کے سمجھیں تو ہمکو کیا مقام شکایت ہے ہاں اگر ہمکو غیرت ہے تو ہمکو اُس حالت سے نکلنا اور اپنی قوم کو نکالنا چاہیئے ◆

دوسری قوموں کی رسومات کا اختیار کرنا اگرچہ بے تعصبی اور دانائی کی دلیل ہے مگر جب وہ رسمیں اندھے پنے سے صرف تقلیداً بغیر سمجھے بوجھے اختیار کی جاتی ہیں تو کافی ثبوت نادانی اور حماقت کا ہوتی ہیں دوسری قوموں کی رسومات اختیار کرنے میں اگر ہم دانائی اور ہوشیاری سے کام کریں تو اُس قوم سے زیادہ فایدہ اُٹھا سکتے ہیں اس لیئے کہ ہمکو اُس رسم سے تو موانست نہیں ہوتی اور اس سبب سے اُسکی حقیقی بھلائی یا بُرائی پر غور کرنے کا بشرطیکہ ہم تعصب کو کام میں نہ لاویں بہت اچھا موقع ملتا ہے اُس قوم کے حالات دیکھنے سے جس میں وہ رسم جاری ہے ہمکو بہت عُمدہ مثالیں سینکڑوں برس کے تجربہ کی ملتی ہیں جو اُس رسم کے اچھے یا بُرے ہونے کا قطعی تصفیہ کر دیتی ہیں ◆

مگر یہ بات اکثر جگہ موجود ہے کہ ایک قوم کی رسمیں دوسری قوم میں بسبب اختلاط اور ملاپ کے اور بغیر قصد و ارادہ کے اور اُن کی بھلائی اور بُرائی پر غور و فکر کرنے کے بغیر داخل ہوگئی ہیں جیسیکہ ہندوستان کے مسلمانوں کا بالتخصیص حال ہے کہ تمام معاملات زندگی بلکہ بعض امورات مذہبی میں بھی ہزاروں رسمیں غیر قوموں کی بلا غور و فکر اختیار کرلی ہیں یا کوئی نئی رسم مشابہ اُس قوم کی رسم کے ایجاد کرلی ہے مگر جب ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے طریق معاشرت اور تمدن کو اعلیٰ درجہ کی تہذیب پر پہونچاویں تاکہ جو قومیں ہم سے زیادہ مہذب ہیں وہ ہمکو بنظر حقارت نہ دیکھیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی تمام رسوم و عادات کو بنظر تحقیق دیکھیں اور جو بُری ہوں اُن کو چھوڑیں اور جو قابل اصلاح ہوں اُن میں اصلاح کریں ◆

جو رسومات کہ بسبب حالت ترقی یا تنزل کسی قوم کے پیدا ہوتی ہیں وہ رسمیں ٹھیک ٹھیک اُس قوم کی ترقی اور تنزل یا عزت اور ذلت کی نشانی ہوتی ہیں ◆

اس مقام پر ہمنے لفظ ترقی یا تنزل کو نہایت وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے اور تمام قسم کے حالات ترقی و تنزل مراد لیئے ہیں خواہ وہ ترقی و تنزل اخلاق سے متعلق ہو خواہ علوم و فنون اور طریق معاشرت و تمدن سے اور خواہ مُلک و دولت و جاہ و حشمت سے ◆

بلاشبہ یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلنے کی جسکی تمام رسمیں اور عادتیں عیب اور نقصان سے خالی ہوں مگر اتنا فرق بے شک ہے کہ بعضی قوموں میں ایسی رسوات اور عادات جو درحقیقت نفس الامر میں بُری ہوں کم ہیں اور بعضی میں زیادہ اور اِسی وجہ سے وہ پہلی قوم پچھلی قوم سے اعلےٰ اور معزز ہے اور بعضی ایسی بھی قومیں ہیں جنہوں نے انسان کی حالتِ ترقی کو نہایت اعلےٰ درجہ تک پہونچایا ہے اور اس حالت انسانی کی ترقی نے اُن کے نقصانوں کو چھپا لیا ہے جیسے ایک نہایت عُمدہ ونفیس شیریں دریا تھوڑے سے گدلے اور کھاری پانی کو چھپا لیتا ہے یا ایک نہایت لطیف شربت کا بھرا ہوا پیالہ نیبو کی کھٹی دو بوندوں سے زیادہ تر لطیف اور خوشگوار ہوجاتا ہے اور یہی قومیں ہیں جو اب دنیا میں سویلیزڈ یعنی مہذب گنی جاتی ہیں اور درحقیقت اس لقب کی مستحق بھی ہیں ؂

میری دلسوزی اپنے ہم مذہب بھائیوں کے ساتھ اسی وجہ سے ہے کہ میری دانست میں ہم مسلمانوں میں بہت سی رسمیں جو درحقیقت نفس الامر میں بُری ہیں مروّج ہوگئی ہیں جن میں سے ہزاروں ہمارے پاک مذہب کے بھی برخلاف ہیں اور انسانیت کے بھی مخالف ہیں اور تہذیب و تربیت وشائستگی کے بھی برعکس ہیں اوراس لئے میں ضرور سمجھتا ہوں کہ ہم سب لوگ تعصب اور ضد اور نفسانیت کو چھوڑکر اُن بُری رسموں اور بد عادتوں کے چھوڑنے پر مائل ہوں اور جیسا کہ اُن کا پاک اور روشن ہزاروں حکمتوں سے بھرا ہوا مذہب ہے اُسی طرح اپنی رسومات معاشرت وتمدن کو بھی عُمدہ اور پاک صاف کریں اور جو کچھ نقصانات اُس میں ہیں گو وہ کسی وجہ سے ہوں اُن کو دور کریں ؂

اِس تحریر سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ میں اپنے تئیں اُن بدعادتوں سے پاک ومبرا سمجھتا ہوں یا اپنے تئیں نمونہ عادات حسنہ جتاتا ہوں یا خود ان امور میں مقتدا بننا چاہتا ہوں۔ حاشا وکلا۔ بلکہ میں بھی ایک فرد اُنھیں افراد میں سے ہوں جن کی اصلاح دلی مقصود ہے بلکہ میرا مقصد صرف متوجہ کرنا اپنے بھائیوں کا اپنی اصلاح حال پر ہے اور خدا سے اُمید ہے کہ جو لوگ اصلاح حال پر متوجہ ہونگے سب سے اول اُن کا چیلہ اور اُن کی پیروی کرنے والا میں ہوں گا البتہ مثل مخمور کے خراب حالت میں چلا جانا اور روز بروز بدتر درجہ کو پہونچتا جانا اور نہ اپنی عزت کا اور نہ قومی عزت کا خیال و پاس رکھنا اور جھوٹی شیخی اور بیجا غرور میں پڑے رہنا مجھ کو پسند نہیں ہے ؂

ہماری قوم کے نیک اور مقدس لوگوں کو کبھی کبھی یہ غلط خیال آتا ہے کہ تہذیب اور حسن معاشرت و

تمدن صرف دُنیاوی امور ہیں جو صرف چند روزہ ہیں اگر اُن میں ناقص ہوئے تو کیا اور کامل ہوئے تو کیا اور اُس میں عزت حاصل کی تو کیا اور ذلیل رہے تو کیا۔ مگر اُن کی اس رائے میں قصور ہے اور اُن کی نیک دلی اور سادہ مزاجی اور تقدس نے اُن کو اس عام فریب غلطی میں ڈالا ہے جو اُنکے خیالات ہیں اُن کی صحت اور اصلیت میں کچھ شبہ نہیں مگر انسان امور متعلق تمدن و معاشرت سے کسی طرح علیحدہ نہیں ہو سکتا اور نہ شارع کا مقصود اُن تمام امور کو چھوڑنے کا تھا کیونکہ قواعد قدرت سے یہ امر غیر ممکن ہے پس اگر ہماری حالت تمدن و معاشرت ذلیل او معیوب حالت پر ہوگی تو اُس سے مسلمانوں کی قوم پر عیب اور ذلت عائد ہوگی اور وہ ذلت صرف اُن افراد اور اشخاص پر منحصر نہیں رہتی بلکہ اُن کے مذہب پر منجر ہوتی ہے کیونکہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ مسلمان یعنی وہ گروہ جو مذہب اسلام کا پیرو ہے نہایت ذلیل و خوار ہے پس اس میں درحقیقت ہمارے افعال و عادات قبیحہ سے اسلام کو اور مسلمانی کو ذلت ہوتی ہے پس ہماری دانست میں مسلمانوں کی حسن معاشرت اور خوبی تمدن اور تہذیب اخلاق اور تربیت و شایستگی میں کوشش کرنا حقیقت میں ایک ایسا کام ہے جو دنیاوی امور سے جس قدر متعلق ہے اُس سے بہت زیادہ معاد سے علاقہ رکھتا ہے اور جس قدر فائدہ کی اُس سے ہمکو اس دنیا میں توقع ہے اُس سے بہت بڑھکر اُس دنیا میں ہے جس کو کبھی فنا نہیں ÷

تعصّب

انسان کی بدترین خصلتوں میں سے تعصّب بھی ایک بدترین خصلت ہے۔ یہ ایسی بدخصلت ہے کہ انسان کی تمام نیکیوں اور اُس کی تمام خوبیوں کو غارت اور برباد کرتی ہے متعصب گو اپنی زبان سے نکہے مگر اُس کا طریقہ یہ بات جتلاتا ہے کہ عدل و انصاف کی خصلت جو عمدہ ترین خصائل انسانی سے ہے اُس میں نہیں ہے۔ متعصّب اگر کسی غلطی میں پڑتا ہے تو اپنے تعصّب کے سبب اُس غلطی سے نکل نہیں سکتا کیونکہ اُسکا تعصب اُس کے برخلاف بات کے سُننے اور سمجھنے اور اُسپر غور کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر وہ کسی غلطی میں نہیں ہے بلکہ سچی اور سیدھی راہ پر ہے تو اُس کے فایدے اور اُسکی نیکی کو پھیلنے اور عام ہونے نہیں دیتا کیونکہ اُس کے مخالفوں کو اپنی غلطی پر متنبہ ہونیکا موقع نہیں ملتا ÷

تعصب انسان کو ہزار طرح کی نیکیوں کے حاصل کرنے سے باز رکھتا ہے اکثر دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ

انسان کسی کام کو نہایت عمدہ اور مفید سمجھتا ہے مگر صرف تعصب سے اُسکو اختیار نہیں کرتا اور دیدہ و دانستہ بُرائی میں گرفتار اور بھلائی سے بیزار رہتا ہے ؛

مذہبی تعصبات کی نسبت بھی ہم کچھ تھوڑا سا بیان کریں گے ۔ مگر اول امور تمدن و معاشرت میں جو نقصان تعصب سے پیدا ہوتے ہیں اُن کا ذکر کرتے ہیں +

انسان قواعد قدرت کے مطابق مدنی الطبع پیدا ہوا ہے وہ تنہا اپنی حوائج ضروری کو مہیا نہیں کرسکتا اُس کو ہمیشہ مددگاروں اور معاونوں کی جو دوستی اور محبت سے ہاتھ آتے ہیں ضرورت ہوتی ہے مگر متعصب بسبب اپنے تعصب کے تمام لوگوں سے منحرف اور بیزار رہتا ہے اور کسی کی دوستی اور محبت کی طرف بجز اُن چند لوگوں کے جو اُس کے ہم رائے ہیں مائل نہیں ہوتا +

عقل اور قواعد قدرت کا مقتضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ امور متعلق تمدن و معاشرت میں جو باتیں زیادہ منفعت اور زیادہ آرام اور زیادہ لیاقت اور زیادہ عزت کی ہیں اُن کو انسان اختیار کرے مگر متعصب اُن سب نعمتوں سے محروم رہتا ہے +

ہُنر اور فن اور علم ایسی عمدہ چیزیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک چیز کو نہایت اعلےٰ درجہ تک حاصل کرنا چاہیئے مگر متعصب اپنی بدخصلت سے ہر ایک ہُنر اور فن اور علم کے اعلےٰ درجہ تک پہونچنے سے محروم رہتا ہے ؛

وہ اُن تمام دلچسپ اور مفید باتوں سے جو نئی تحقیقات سے اور نئے علوم اور فنون سے حاصل ہوتی ہیں محض جاہل اور ناواقف رہتا ہے اُس کی عقل اور اُس کے دماغ کی قوت محض بیکار ہو جاتی ہے اور جو کچھ اُس میں سمائی ہوئی ہے اُس کے سوا اَور کسی بات کے سمجھنے کی اُسمیں طاقت اور قوت نہیں رہتی ۔ وہ ایک ایسے جانور کی مانند ہو جاتا ہے کہ اُسکو جو کچھ بالطبع آتا ہے اُس کے سوا اَور کسی چیز کی تعلیم و تربیت کے قابل نہیں ہوتا ؛

بہت سی قومیں ہیں جو اپنے تعصب کے باعث سے تمام باتوں میں کیا اخلاق میں اور کیا علم و ہُنر میں اور کیا فضل و دانش میں اور کیا تہذیب و شایستگی میں اور کیا جاہ و حشمت اور مال و دولت میں اعلےٰ درجہ سے نہایت پست درجہ مذلت اور خواری کو پہونچ گئی ہیں ۔ اور بہت سی قومیں ہیں جنھوں نے اپنی بے تعصبی سے ہر جگہ اور ہر قوم سے اچھی اچھی باتیں اخذ کیں اور ادنیٰ درجہ سے ترقی کے اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ پر پہنچ گئیں ؛

مجھ کو اپنے مُلک کے بھائیوں پر اِس بات کی بدگمانی ہے کہ وہ بھی تعصب کی بدخصلت میں گرفتار ہیں اور اِس سبب سے ہزاروں قسم کی بھلائیوں کے حاصل کرنے سے اور دنیا میں اپنے تئیں ایک معزز قوم کو دکھانے سے محروم اور ذلت اور خواری اور بے علمی اور بے ہُنری کی مصیبت میں گرفتار ہیں اور اسی لیئے میری خواہش ہے کہ وہ اِس بدخصلت سے نکلیں اور علم وفضل اور ہُنر وکمال کے اعلےٰ درجہ کی عزت تک پہونچیں ÷

ہم مُسلمانوں میں ایک غلطی یہ پڑی ہے کہ بعضی دفعہ ایک غلط نما نیکی کے جذبہ سے تعصب کو اچھا سمجھتے ہیں اور جو شخص اپنے مذہب میں بڑا متعصب ہو اور تمام شخصوں کو جو اُس مذہب کے نہیں ہیں اور تمام اُن علوم اور فنون کو جو اُس مذہب کے لوگوں میں نہیں ہیں نہایت حقارت سے دیکھے اور بُرا سمجھے اُس شخص کو نہایت قابل تعریف اور توصیف کے اور بڑا پختہ اور پکا اپنے مذہب میں سمجھتے ہیں مگر ایسا سمجھنا سب سے بڑی غلطی ہے جس نے حقیقت میں مسلمانوں کو برباد کردیا ہے ÷

ہمارا مذہب اور مذہبی علوم اور دنیا اور دنیاوی علوم بالکل علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ پس بڑی نادانی ہے جو دنیاوی علوم اور فنون کے سیکھنے میں کسی قسم کے تعصب مذہبی کو کام میں لاویں ÷ اگر یہ خیال ہو کہ اُن دُنیاوی علوم کے سیکھنے سے ہمارے عقاید مذہبی میں سُستی آتی ہے کیونکہ مذہبی مسایل اُن دنیاوی علوم کے پڑھنے سے مشتبہ یا غلط معلوم ہوتے ہیں تو نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ مُسلمان اپنے ایسے روشن اور مستحکم سچے مذہب کو ایسا ضعیف اور کمزور سمجھتے ہیں کہ دنیاوی علوم کی ترقی سے اُس کی برہمی کا خیال کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔ مذہب اسلام ایسا مستحکم اور سچا مذہب ہے کہ جس قدر دینی اور دنیاوی علوم کی ترقی ہوتی جاوے گی اُسی قدر اُس کی سچائی زیادہ تر ثابت ہوگی ÷

اَب ہم یہ بات بتاتے ہیں کہ اپنے مذہب میں پختہ ہونا جُدا بات ہے اور یہ ایک نہایت عُمدہ صفت ہے جو کسی اہل مذہب کے لیئے ہو سکتی ہے اور تعصب گو کہ وہ مذہبی باتوں میں کیوں نہو نہایت بُرا اور خود مذہب کو نہایت نقصان پہونچانیوالا ہے ÷

غیر متعصب مگر اپنے مذہب میں پختہ ہمیشہ سچا اور دوست اپنے مذہب کا ہوتا ہے اُس کی خوبیاں اور نیکیوں کو پھیلاتا ہے اُس کے اصول کو دلایل و براہین سے ثابت کرتا ہے مخالفوں اور معترضوں اور بُرا کہنے والوں کی باتوں کو ٹھنڈے دل سے سُنتا ہے اور خود بھی اُس کے دفعیہ پر مستعد ہوتا ہے اور اَور لوگوں کو بھی اُس کے دفعیہ کا موقع دیتا ہے ÷

برخلاف اس کے متعصب نادان دوست اپنے مذہب کا ہوتا ہے وہ سراسر اپنی نادانی سے اپنے مذہب کو نقصان پہونچاتا ہے۔ پہلی الجملہ ایسی بدخصلت اختیار کرنے سے جو ہر عقلمند کے نزدیک نفرت کے قابل ہے اپنے مذہب کے حسن اخلاق اور اس کے نتیجوں کی خوبی پر داغ لگاتا ہے۔ اپنے مذہب کی خوبیوں کے پھیلنے اور لوگوں کو اس کی طرف راغب کرنے کے بدلے اُلٹا اُس کا مانع قوی ہوتا ہے۔ اپنے تعصب کے سبب بداخلاق اور مغرور اور متقشف سخت دل ہوجاتا ہے۔ اور ٹھیک ٹھیک اس آیت کریمہ لو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولك سے مخالفت صریح کرتا ہے ؀

مذہب میں متعصب شخص دوسروں کے اعتراضوں کو جو اس کے مذہب پر ہیں سُننا یا مشہور ہونا پسند نہیں کرتا اور اس سبب سے ضمناً وہ اس بات کا باعث ہوتا ہے کہ مخالفوں کے اعتراض بلا تحقیقات کیئے اور بلا جواب دیئے باقی رہ جاویں وہ اپنی نادانی سے تمام دنیا پر گویا یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ اُسکے مذہب کو مخالفوں کے اعتراضوں سے نہایت اندیشہ اور اس کے برہم ہوجانے کا خوف ہے پس یہ تمام باتیں مذہب کی دوستی کی نہیں ہیں بلکہ مخالفوں کی فتح یابی اور میدان جیت لینے کی ہیں ؀

غرضکہ تعصب خواہ دینی باتوں میں ہو یا دنیاوی باتوں میں۔ نہایت بُرا اور بہت سی خرابیوں کا پیدا کرنے والا ہے ؀

مغرور و متکبر ہوجانا اور اپنے ہمجنسوں کو سوائے چند کے نہایت حقیر و ذلیل سمجھنا متعصب کا خاصہ ہوتا ہے ؀

اُس کے اصول کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ تمام دُنیا کے لوگوں سے سوائے چند کے کنارہ گزین ہو مگر ایسا کر نہیں سکتا اور بمجبوری ہر ایک سے ملتا ہے اور اوپرے دل سے اُن کا ادب اور اپنی جھوٹی نیازمندی بھی ظاہر کرتا ہے اور ایسا کرنے سے ایک اَور بدخصلت نفاق اور کذب اور دغابازی اور فریب و مکاری کی اپنے میں پیدا کرتا ہے ؀

دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے خود ہی تمام کمالات اور تمام خوبیاں اور خوشیاں حاصل کی ہوں بلکہ ہمیشہ ایک قوم نے دوسری قوم سے فائدہ اُٹھایا ہے مگر متعصب شخص ان نعمتوں سے بدنصیب رہتا ہے ؀

علم میں اُسکو ترقی نہیں ہوتی۔ ہنر و فن میں اُس کو دستگاہ نہیں ہوتی۔ دنیا کے حالات سے

وہ ناواقف رہتا ہے۔ عجائبات قدرت کے دیکھنے سے محروم ہوتا ہے۔ حصول معاش اور دنیاوی عزت اور تموّل مثل تجارت وغیرہ کے وسیلے جاتے رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ تمام دنیا کے انسانوں میں روز بروز ذلیل اور خوار اور حقیر و ناچیز ہوتا جاتا ہے ÷

اُس کی مثال ایک ایسے جانور کی ہوتی ہے جو اپنے ریوڑ میں ملا رہتا ہے اور نہیں جانتا کہ اُس کے اَور ہمجنس کیا کرتے ہیں۔ بلبل کیا چہچہاتی ہے اور قمری کیا غل مچاتی ہے۔ بیا کیا بن رہا ہے اور مکھی کیا چن رہی ہے ÷

وہ بجز کُوڑے پر کی گھانس چرنے کے اَور کچھ نہیں جانتا کہ باغ کیوں بنا ہے اور پھول کیوں کھلا ہے۔ نرگس کیا دیکھتی ہے اور انگور کی تاک کیا تاکتی ہے ÷

تعصب میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جب تک وہ نہیں جاتا کوئی ہنر و کمال اُس میں نہیں آتا۔ تربیت و شایستگی۔ تہذیب و انسانیت کا مطلق نشان نہیں پایا جاتا اور جبکہ وہ مذہبی غلط نمانیکی کے پردہ میں ظہور کرتا ہے تو اَور بھی سم قاتل ہوتا ہے کیونکہ مذہب سے اور تعصب سے کچھ تعلق نہیں ہے انسان کے خراب و برباد کرنے کے لیئے شیطان کا سب سے بڑا داؤں تعصب کو مذہبی رنگت سے دل میں ڈالنا اور اس تاریکی کے فرشتہ کو روشنی کا فرشتہ کر کر دکھلاتا ہے ÷

پس میری التجا اپنے بھائیوں سے یہ ہے کہ ہمارا خدا نہایت مہربان اور بہت بڑا منصف ہے اور سچّا سچائی کا پسند کرنے والا ہے وہ ہمارے دلوں کے بھید جانتا ہے وہ ہماری نیتوں کو پہچانتا ہے۔ پس ہمکو اپنے مذہب میں نہایت سچائی سے پُختہ رہنا مگر تعصب کو جو ایک بُری خصلت ہے چھوڑنا چاہیئے۔ تمام بنی نوع انسان ہمارے بھائی ہیں۔ ہمکو سب سے محبت اور سچّا معاملہ رکھنا اور سب سے سچی دوستی اور سب کی سچّی خیرخواہی کرنا ہمارا قدرتی فرض ہے۔ پس اسی کی ہمکو پیروی چاہیئے ÷

تکمیل

ایک فارسی مثل مشہور ہے کہ "ہر کمالے را زوالے" مگر اِس کے معنی اور اسکی وجہ بخوبی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ایک اور بڑے حکیم نے اسی مطلب کو نہایت عمدگی اور وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اُس کا یہ قول ہے کہ "ہمکو اپنے تئیں درجہ کمال پر پہونچا ہوا سمجھنا ہی زوال کی نشانی ہے"

اور بلاشبہ ایسا ہی ہوتا ہے اس لیئے کہ جب کوئی شخص یا قوم کسی بات میں اپنے تئیں کامل سمجھ لیتی ہے تو اُس میں سعی اور کوشش اور زیادہ تحقیقات اور نئی انئی باتوں کے ایجاد سے باز رہتی ہے اور رفتہ رفتہ اُس چیز میں جس کو کامل سمجھا تھا زوال آجاتا ہے ٭

کامل مطلق بجز ذات باری کے اَور کوئی نہیں ہے پس جو کچھ کہ خدا نے کیا یا کہا وہ تو اپنی قسم میں کامل ہے اور اُس کے سوا اور کوئی چیز جو انسان سے بنی ہو یا کہی ہو کامل نہیں ہے کیونکہ قابل سہو خطا ہونا انسان کی شان سے ہے۔ اگر یہ بات اس طرح پر نہ ہوتی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہونے کی ضرورت نہ رہتی۔ پس اُن تمام چیزوں کو جو انسان سے ایجاد ہوئی ہیں یا نتائج عقل انسانی ہیں اُن کو کامل سمجھ لینا ہماری ٹھیٹ غلطی اور ہمارے تنزل و ادبار کی ٹھیک نشانی ہے ٭

کسی شخص یا کسی قوم کو کسی چیز میں کامل سمجھ لینا بہت سی خرابیوں اور نقصانوں کا باعث ہوتا ہے ٭

جو چیز کہ حقیقت میں کامل نہیں ہے ہم اسکو غلطی سے کامل سمجھ لیتے ہیں ٭

ہم میں ایک استغنا پیدا ہوتا ہے جس سے سوائے اُسکے اَور کسی بات یا تحقیقات کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور اُس بات کے فائدہ سے محروم رہتے ہیں ٭

لوگوں کے اعتراضوں کے سُننے کو گوارا نہیں کرتے اور اس سببسے اپنی غلطیوں پر متنبہ نہیں ہوتے اور جہل مرکب میں پھنسے رہتے ہیں کوشش سے جو ایک ترقی کا فائدہ ہے اُسکو ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں ٭

خدا نے جو ہمکو عقل دی ہے اور جس کا یہ فائدہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم اُسکو کام میں لاویں اَوروں پر بھروسا کرکے اُسکو بیکار کر دیتے ہیں ٭

ایسا کرنے میں ہم صرف اپنا ہی نقصان نہیں کرتے بلکہ آیندہ نسلوں کو بھی بہت بڑا نقصان پہونچاتے ہیں کیونکہ ہماری اور ہماری آیندہ نسلوں کی عقل اور جودت طبع اور تیزیٔ ذہن اور طاقت انتقال ذہنی اور قوت ایجاد سب مٹ جاتی ہے اور صرف اَوروں کی ٹکاری پر ہماری چال ہوجاتی ہے اور ہم ٹھیک اِس مثل کے مصداق ہوجاتے ہیں۔ ”چارپائے بروکتابے چند“ ٭

ہم مسلمانوں نے اپنے میں اِس نقص کو نہایت درجہ پر پہونچا دیا ہے اور جو نقصان دینی اور دُنیوی اُس سے ہم نے اُٹھائے ہیں اُن کی کچھ انتہا نہیں۔ بھلا دینی باتوں کو اِس وقت رہنے دو اور صرف

اِس بات پر غور کرو کہ دنیوی علوم اور دنیوی کاروبار اور دنیا کی باہمی معاشرت اور مجالست اور رسوم و عادات اور طریقہ تعلیم اور تربیت اور ترقی علم مجلس میں کیوں ہم نہ کوشش کریں اور جس طرح اَور قوموں نے اِن باتوں میں ترقی کی ہے ہم بھی اُسی طرح کیوں نہ ترقی کریں ؛

ارسطو کچھ ہمارا مذہبی پیشوا نہ تھا جو ہم اُس کے علوم اور اُس کے فلسفہ اور اُس کے الٰہیات کو ناقابل غلطی کے سمجھیں۔ بوعلی کچھ صاحب وحی نہ تھا کہ اُس کی طب کے سوا اَور کسی کو نہ مانیں۔ جو علوم دنیوی ہم مدت دراز سے پڑھتے آتے تھے اور جو اپنے زمانہ میں ایسے تھے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اُنہی پر پابند رہنے کے لیئے ہم پر کوئی خدا کا حکم نہیں آیا تھا۔ پھر کیوں ہم اپنی آنکھ نہ کھولیں اور نئے نئے علوم اور نئی نئی چیزیں جو خدا تعالیٰ کی عجایب قدرت کے نمونے ہیں اور جو روز بروز انسان پر ظاہر ہوتی جاتی ہیں اُن کو کیوں نہ دیکھیں ؛

یہ جو کچھ ہم نے کہا یہ صرف خیالی ہی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اِس وقت دنیا میں ہمارے سامنے اِسکی مثالیں بھی موجود ہیں ؛

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی قومیں ہیں جن میں سے ایک نے اپنے باپ دادا کو درجہ کمال پر پہونچا ہوا اور ناقابل سہو و خطا سمجھ کر اُن کے علوم و فنون اور طریق معاشرت کو کامل سمجھا اور اُسی کی پیروی پر جمتے رہے اور اُسکی ترقی اور بہتری پر اور نئی چیزوں کے اختراع و ایجاد پر کچھ کوشش نہیں کی اور دوسری نے کسی کو کامل نہیں سمجھا اور ہمیشہ ترقی میں اور نئے نئے علوم و فنون و طریقہ معاشرت کے ایجاد میں کوشش کرتے رہے۔ اب دیکھو کہ اِن دونوں میں کیا فرق ہے اور کون تنزل اور کون ترقی کی حالت میں ہے +

ہندو اور مسلمان وہ قومیں ہیں جو پچھلی لکیر کو کامل سمجھ کر اُسی کو پیٹتے آتے ہیں۔ انگریز۔ فرنچ اور جرمن ایسی قومیں ہیں جو ہمیشہ ترقی کی کوشش میں ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ پہلی قومیں علم و ہنر و تربیت و شائستگی میں اپنے دَور میں اپنی ہمعصر قوموں سے مقدم اور اعلیٰ تھیں اور شاید مسلمانوں کو یہ بھی عزت تھی کہ وہ یورپ کی بعض قوموں کے لیئے بمنزلہ اُستاد کے گنے جاتے تھے مگر اُسی عیب نے جو اُن قوموں میں تھا اور اب بھی ہے اور اُسی خوبی نے جو پچھلی قوموں میں تھی اور اب بھی ہے ٹھیک ٹھیک معاملہ بالعکس کر دیا ہے۔ اب یورپ کی قومیں ایشیائی قوموں سے علم و ہنر۔ تربیت و شائستگی میں اعلےٰ ہیں۔ پس میرا مطلب صرف یہی ہے کہ ہماری قوم کو بھی چاہیئے کہ اپنے دماغ کو اُن بیہودہ اور لغو خیالات سے جنہوں نے اُن کی عقل اور سمجھ کو بالکل خراب کر رکھا ہے اور اَور اُن کی تمام خوبیوں کو

خیالات فاسدہ کے کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ کر دیا ہے خالی کریں اور علوم اور فنون اور تہذیب و شائستگی میں ترقی کرنے کی کوشش کریں اور انصاف سے دیکھیں کہ ان کی تہذیب اور شائستگی میں نقصان ہونے کے سبب سے اُن کی قوم کی کیسی بدنامی ہے اور اُن عمدہ اخلاق اور قواعد کو جو خدا تعالیٰ نے مذہب اسلام کی بدولت اُن کو دیئے تھے بُری طرح سے استعمال میں لانے اور اُن کو بدصورت کر دینے سے غیر قومیں اسلام کو ہماری نالائقی کی بدولت کیسی حقارت اور نفرت سے دیکھتی ہیں۔ کیسے خندہ زن اشارات اور کنایات اُس پر کرتی ہیں اور ہماری شامت اعمال کو نتیجہ مذہب اسلام ٹھہراتی ہیں اُن کا ایسا کہنا اور خیال کرنا کچھ بیجا نہیں ہے۔ اسلام کوئی مٹی کا پُتلا نہیں ہے جس کو کوئی دیکھ سکے مسلمانوں کی حالت اور اُن کے چال چلن سے اسلام کی صورت دکھائی دیتی ہے سو اُنہوں نے اُسکو ایسا بدصورت بنایا ہے کہ جو کوئی نفرت کرے کچھ تعجب نہیں۔ پس اب میری یہ خواہش ہے کہ مسلمان اپنے اخلاق اور تہذیب و شائستگی کی درستی میں کوشش کر کر اور اپنے حال اور چال چلن کو درست اور عمدہ کر کر اسلام کی جو اصلی صورت ہے وہ دنیا کو دکھاویں ۔

انسان کے خیالات

جہاں اَور بہت سے عجائبات قدرت الٰہی ہیں اُنہی میں سے انسان کے خیالات بھی نہایت عجیب ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قسم کی مخلوقات ایک ہی سا خیال رکھتی ہے۔ جانوروں کی وہ حرکات اور افعال جو جاندار ہونے کے سبب سے ہیں اور وہ چیز جو محرک اُن افعال یا حرکات کی بواسطہ یا بلاواسطہ ہے اُس کا کچھ ہی نام رکھو مگر وہ وُہی چیز ہے جس کو انسانی حالت میں خیال کہتے ہیں ؛

تمام افعال اور حرکات جانوروں کی بلاشبہ ارادی ہیں اور کچھ شک نہیں کہ وہ متحرک بالارادہ ہیں۔ اُن کی تمام حرکتوں کا باعث بواسطہ یا بلاواسطہ ایک خیال جلب منفعت مادی جیسے غذا و مسکن وغیرہ یا غیر مادی جیسے فرحت و انبساط اور بشاشت یا خیال دفع مضرت مادی و غیر مادی کا ہوتا ہے ہم نہیں پاتے کہ انسان میں اَور کوئی چیز اِس سے زیادہ ہے بلاشبہ اتنا فرق پاتے ہیں کہ جانوروں میں وہ خیالات محدود اور انسان میں نامحدود ہیں ؛

مگر تعجب تو ہمکو اس بات سے ہوتا ہے کہ ہر گاہ ایک قسم کے جانداروں میں ایک ہی سے خیالات ہیں اور اُن پر وہ سب ایک ہی سا یقین کامل رکھتے ہیں تو تمام انسان بھی باوجودیکہ ایک قسم کے جاندار ہیں

ایک ہی سے خیالات اور ایک ہی سا یقین کیوں نہیں رکھتے ہیں +

کبھی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جانوروں کے خیالات محدود ہونے کے سبب متفق ہیں اور انسان کے خیالات میں نامحدود ہونے کے سبب وہ صفت نہیں ہے مگر یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی اس لیئے کہ نامحدود ہونے کے لیئے مختلف ہونا ضرور نہیں ہے پس انسانوں کے خیالات سے جہاں تک ہمکو واقفیت ہو اُسیقدر عجائبات قدرت الٰہی سے ہمکو زیادہ واقفیت ہوتی ہے اور اُن خیالات کا صحیح ہونا یا غیر صحیح ہونا ہمارے اس فائدہ میں کچھ نقصان نہیں پہونچاتا بلکہ درصورت مختلف ہونے کے اَور بھی زیادہ فائدہ دیتا ہے اس لیئے ہم اپنے اس آرٹکل میں ایک انسان کے خیالات بیان کرتے ہیں جن کو وہ اسطرح پر کہتا ہے :

مجھ کو خیال آیا کہ جس قدر اَور جانداروں کو کرنا ہے اُتنا ہی مجھ کو بھی کرنا ہے یا اُس سے زیادہ +

مگر میرے خیال میں یہ آیا کہ انسان کے سوا تمام جاندار مخلوقات کے لیئے جن چیزوں کی ضرورت ہے اُن کے بنانے والے کاریگر نے سب کچھ اُن کے ساتھ بنادی ہیں۔ اُن کو اُن چیزوں کے بہم پہونچانے یا پیدا کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ تمام جانوروں کی خوراک بغیر اُن کی سعی و تدبیر کے پیدا ہوتی ہے۔ سرد ملک کے جانوروں کے لیئے نہایت عُمدہ پشمینہ کا گرم لباس اُن کے بدنوں پر پیدا کیا ہے۔ پرند جانوروں کے لیئے مینہ سے بچنے کا باران کوٹ اُنہی کے بدنوں پر سیا ہے گرم ملک کے جانوروں کے لیئے اُسی آب و ہوا کے مناسب اُن کا جامہ قطع کیا ہے مگر انسان کے لیئے کچھ نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکو یہ سب کچھ خود کرنا ہے +

پھر میں نے خیال کیا کہ حیوان اپنے کاموں کے کرنے کے لیئے کسی سے کچھ سیکھنے یا تعلیم پانے کے محتاج نہیں ہوتے خود بے سیکھے سکھلائے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ شہد کی مکھی کو رس چوسنے کے لیئے عُمدہ قسم ماخذوں کی شناخت کوئی نہیں بتاتا اور اپنے گھروں کو ایسی عُمدہ تقسیم سے نکالنا جسمیں ایک بڑا مہندس بھی حیران ہو جاوے کوئی نہیں پڑھاتا۔ بیٹے کو ایسا عمدہ اور محفوظ کاشانہ بنانا کوئی نہیں سکھاتا۔ مگر انسان کو بغیر سیکھے کچھ بھی نہیں آتا :

پھر مینے خیال کیا کہ حیوان کے کام خواہ وہ افعال جوارح سے ہوں یا دوسری قسم سے اور وہ از خود اُن کو آئے ہوں یا تعلیم سے نہایت محدود ہیں مگر انسان کے ہر قسم کے کام نامحدود ہیں۔ اِن سب باتوں سے مینے خیال کیا کہ انسان کو اَور جانوروں سے بہت کچھ زیادہ کرنا ہے +

پھر مَیں نے خیال کیا کہ ایسے بڑے کاریگر نے جو انسان کو اَور جانوروں سے بھی زیادہ درماندہ بنایا ہے اور طرح طرح کی مشکلات میں ڈالا ہے تو کیا چیز اُسکو دی ہے جس سے وہ یہ سب چیزیں کر سکتا ہے اور تمام مشکلوں پر فتح پا سکتا ہے۔ اتنے میں میرا دل بول اُٹھا کہ عقل ؛

مَیں یہ بات سُنکر سوچ میں گیا کہ کیا یہ بات سچ ہے مگر مَیں نے خیال کیا کہ عقل سے تو یہ کام نہیں نکل سکتا۔ نہ تو وہ خود یہ کام نکال سکتی ہے اور نہ اُس کے بغیر یہ مشکل حل ہو سکتی ہے۔ یہ تو کسی دوسری چیز کے حاصل کرنے کو بطور آلہ کے ہے جیسے کہ سونا چاندی ہماری بھوک نہیں کھو سکتا مگر اُس چیز کو ہم پہونچا دیتا ہے جو ہماری بھوک کھو دیتی ہے ؛

بہت سی تلاش اور جستجو مَیں نے کی اور خیال دوڑایا کہ وہ کیا چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے لیئے عقل بھی صرف آلہ ہے تو خیال میں آیا کہ وہ چیز علم ہے جس کے معنی دانستن ہیں۔ تب مَیں سمجھا کہ مجھ کو اَور جانوروں سے زیادہ جو کچھ کرنا ہے وہ صرف تمام باتوں کی اصلیت دریافت کرنا ہے ؛

مَیں نے خیال کیا کہ علم اور یقین یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں جس چیز کا مجھ کو علم ہوگا بیشک اُس کا یقین بھی ہوگا۔ اور جس کا یقین ہوگا اُس کا علم بھی ہوگا۔ پس مَیں نے خیال کیا کہ یقین بغیر علم کے اور علم بغیر یقین کے سچّا اور پورا نہیں ہے ؛

مَیں نے اِس بات کو بالکل سچ سمجھا اور خیال کیا کہ مثلاً مجھ کو اعداد کے حساب میں تین ۳ کا اور دس کا علم ہے اور اِس لیئے یقین ہے کہ دس بہ نسبت تین ۳ کے زیادہ ہوتے ہیں۔ تو اگر کوئی شخص اِس کے برخلاف کہے اور اپنے بیان کے ثبوت کے لیئے یہ بات کہے کہ مَیں اِس لکڑی کو سانپ بنا دیتا ہوں اور وہ اِسکو سانپ بنا بھی دے تو کچھ عجب نہیں کہ اُس کا ایسا کرنا مجھ کو حیرت میں ڈال دے مگر کسی طرح اِس بات کے یقین میں کہ دس بہ نسبت تین ۳ کے زیادہ ہوتے ہیں شک نہیں لانے کا ؛

میں نے یہ خیال کیا کہ مسلمانوں کے مذہب کا یہ ایمانی مسئلہ کہ اقرارٌ باللسان و تصدیقٌ بالقلب بے شک سچّا مسئلہ ہے۔ اُس کا پہلا جزو تو دنیاوی باتوں سے متعلق ہے مگر جو اصل مطلب ہے وہ دوسرے جزو میں ہے۔ تصدیق قلبی اور یقین اگرچہ ایک ہی چیز ہے مگر الفاظ تصدیق قلبی زیادہ شان دار اور مطلب کو زیادہ تر دل پر نقش کرنے والے ہیں۔ اِس لیئے مَیں نے خیال کیا کہ ایمان بے یقین کے اور یقین بغیر علم کے نہیں ہو سکتا ؛

میں نے یہ بھی خیال کیا کہ علم یا یقین جس کے بغیر ایمان نہیں حاصل ہو سکتا ایسا ہی ہونا چاہئیے جیسے کہ دس اور تین کی زیادتی وکمی کا یقین ہے تاکہ کسی طرح زایل نہ ہوسکے کیونکہ اگر وہ کسی طرح زایل ہو گیا تو وہ حقیقت میں علم یا یقین نہ تھا بلکہ محض ایک دھوکا تھا ؞

اِن تمام خیالات نے مجھ کو گھبرا لیا اور مَیں چاروں طرف ڈھونڈنے لگا کہ علم یا یقین بلکہ یوں کہو کہ ایمان حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے ؞

مَیں نے دیکھا کہ ہزاروں۔ لاکھوں۔ کروڑوں آدمی بہت سی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اُنکو کُچھ بھی مشکل نہیں ہوتی۔ مَیں کیوں ایسی مشکلات میں پڑا ہوں۔ بہتر ہے کہ اُن لوگوں سے پوچھوں کہ تم نے اُن سب باتوں پر کس طرح سے یقین حاصل کیا ؞

یہودی نے کہا کہ مجھے اِس بات پر یقین کامل ہے کہ خدا ایک ہے اِس لیئے کہ موسٰی نے کہا ہے ؞

عیسائی بولا کہ غلط۔ خدا تین ہیں۔ اور مُجھ کو اِس پر کامل یقین ہے۔ اِس لیئے کہ یوحنا نے یوں ہی بتایا ہے ؞

ایسے اختلاف سے مَیں اَور بھی گھبرایا۔ مَیں نے خیال کیا کہ ایک شئے کے علم یا یقین میں اختلاف ہے تو وہ یقین ہی نہیں۔ پھر کیونکر اُن کو ایسا مختلف یقین ہوا۔ جب مَیں نے غور کیا تو سمجھا کہ اُنکو تو نہ خدا کے ایک ہونے پر یقین ہے نہ خدا کے تین ہونے پر۔ بلکہ اُن کو تو اِس بات پر یقین ہے کہ موسٰی اور یوحنا نے ایسا کہا ہے ؞

یہودی بولا کہ موسٰی نے خدا سے باتیں کیں۔ لکڑی کو سانپ بنایا۔ پھر اُس نے جو کہا اُسمیں کیا شک ہے ؞

عیسائی بولا کہ عیسٰے نے مردوں کو جِلایا۔ مارنے سے بھی نہ مرا بلکہ قبر میں اُٹھکر آسمان پر چلا گیا پھر اُس کے خدا ہونے میں کیا شک ہے ؞

پہلے تو مَیں شک میں پڑا کہ دلیلیں تو اچھی ہیں۔ مگر پھر مجھے خیال ہوا کہ اُن کو تو خدا سے موسٰی کے باتیں کرنے پر اور لکڑی کو سانپ بنانے پر اور عیسٰی کے مردوں کے جِلانے پر اور خود بھی اُٹھنے پر یقین ہے خدا کے ایک یا تین ہونے پر یقین نہیں ؞

اِن سب باتوں کے بعد مَیں نے یقین کیا کہ علم یا یقین یا ایمان حاصل کرنے کا وسیلہ صرف عقل ہے جو اُن چیزوں کے حاصل کرنے کے لیئے آلہ اور نہایت عُمدہ رہنما ہے ؞

پھر میں نے خیال کیا کہ عقل بر غلطی سے محفوظ رہنے کا کیونکر یقین ہو میں نے اقرار کیا کہ حقیقت میں اسپر یقین نہیں ہو سکتا۔ مگر جب عقل ہمیشہ کام میں لائی جاتی ہے تو ایک شخص کی عقل کی غلطی دوسرے شخص کی عقل سے۔ اور ایک زمانہ کی عقلوں کی غلطی دوسرے زمانہ کی عقلوں سے صحیح ہو جاتی ہے۔ مگر جب کہ علم یا یقین یا ایمان کا مدار عقل پر نہ رکھا جاوے تو اُس کا حاصل ہونا کسی زمانہ اور کسی وقت میں بھی ممکن نہیں ؛

میرے دل میں شبہ اُٹھا کہ عقل کو جو میں نے سب سے بڑا رہنما سمجھا کیوں سمجھا۔ کیا ممکن نہیں ہے کہ عقل سے بڑا کوئی اور رہنما ہو جو عقل کو بھی شکست دیدے۔ ہمکو اُس سے واقفیت نہونی اُسکے معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہے ؛

مگر میں نے خیال کیا کہ ایسے رہنما کے موجود ہونے کے احتمال سے ہمارا کام نہیں چلتا اُسکے موجود ہونے کا ہمکو علم اور یقین چاہیئے جب یہ نہیں ہے تو عقل کے سوا اور کوئی رہنما بھی نہیں ہے ؛

مجھے خواب کا خیال آیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ سونے کے وقت ہم خواب دیکھتے ہیں اور اُس حالت میں ہم اسکو واقعی اور اصلی سمجھتے ہیں۔ اور اُس کے سچے ہونے میں ہمکو کچھ شبہ بھی نہیں ہوتا۔ مگر جب جاگتے ہیں تو جانتے ہیں کہ وہ اصلی نہ تھا۔ بلکہ صرف خواب و خیال تھا تو کس وجہ سے ہمکو یقین ہے کہ جو کچھ ہم حالت بیداری میں جانتے اور سمجھتے ہیں وہ درحقیقت صحیح اور واقعی ہے ممکن ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے اس وقت کی حالت کے مطابق صحیح ہو مگر ایک دوسری حالت پیش آوے جو ہماری بیداری کی حالت کے ساتھ ایسی ہی مناسبت رکھتی ہو جیسیکہ ہماری بیداری کی حالت خواب کے ساتھ ہے اور اُس وقت ہمکو معلوم ہو کہ ہماری حالت بیداری کی درحقیقت خواب کی حالت تھی ؛

مگر پھر مجھے خیال آیا کہ ایسی حالت کا احتمال ہمارے یقین کو کافی نہیں۔ ہمکو یقین ہونا چاہیئے کہ درحقیقت ایسی بھی کوئی حالت ہے اور احتمال اور یقین میں بڑا فرق ہے۔ پھر عقل کے سوا کوئی ذریعہ نہیں رہا ؛

میں نے خیال کیا کہ ممکن ہے کہ ورائے عقل کے اور کوئی طریقہ بھی ہو جس سے صورت یا کیفیت روح کی تبدیل ہو جاوے اور وہی تبدیل یا ترقی آلہ حصول علم یا یقین یا ایمان کی ہو اور اس کیفیت میں اور اُس پہلی کیفیت میں ایسا ہی فرق ہو جیسا کہ ایک تندرست شخص میں اور اُس شخص میں جو صرف

تندرستی کے حال سے واقف ہو فرق ہے ٭

پھر مجھ کو خیال آیا کہ تندرستی کے حال سے واقف ہونا بغیر تندرست رہے ممکن نہیں اور صورت یا کیفیت روح کی تبدیل کی حالت میں اس بات کی تمیز کرنے کے لیئے کہ دونوں حالتوں میں سے بیماری کی حالت کون سی ہے۔ کیا چیز ہے۔ جو وہی تبدیل صورت یا کیفیت روح تو اُسکی ممیز ہو نہیں سکتی لامحالہ دوسری چیز چاہیئے اور وہ دوسری چیز بجز عقل کے اَور کوئی نہیں ہے اس لیئے کسی طرف جاؤ اور کہیں سے پھیر کھا کر آؤ علم یا یقین یا ایمان کا مدار صرف عقل ہی پر رہتا ہے ٭

اِن تمام خیالوں نے مجھے یہ ہدایت کی کہ عام لوگوں میں جو یہ مسئلہ ہے کہ ایمان اور مذہب کو عقل سے کُچھ علاقہ نہیں ہے یقینی غلط ہے اور جب مَیں نے مذہب اسلام کو بالکل عقل کے مطابق پایا۔ تو اُسکی سچائی پر اور اُس مسئلہ کی غلطی پر اَور بھی کامل یقین ہوا ٭

ہمدردی

ہر کوئی اپنی آپ ہمدردی کرتا ہے

کیا دھوکہ کی چیز ہے۔ کیا بھلاوے میں پڑے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں کہ دوسروں کی مصیبت میں مدد کرنا ہمدردی کرنا ہے۔ کیا قدرت کا کوئی کام بیفایدہ ہے؟ نہیں۔ گو ہم ہنوں کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔ کیا ہم اُس فایدے میں شریک نہیں؟ نہیں۔ بیشک واسطہ یا بلا واسطہ یا واسطہ در واسطہ شریک ہیں۔ پھر دوسرے کی مدد کرنا کہاں رہا۔ بلکہ اپنی آسایش کے کسی وسیلہ سے اپنی آپ مدد کرنا ہوا۔ اس لیئے جو لوگ ہمدردی کرتے ہیں وہ حقیقت میں اپنی آپ مدد کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ خود اپنی آسائش کے وسیلہ کو نقصان پہنچاتے ہیں ٭

ہمدردی کا لفظ ہمارے خیال کو ایسی امداد کی طرف لیجاتا ہے جو رنج و مصیبت کی حالت میں ہو لیکن اگر ہم مصیبت کے لفظ کی اصلی مراد پر غور کریں تو ضرور غلطی میں پڑیں ٭

عام مفہوم مصیبت کا جو اس لفظ سے ہماری سمجھ میں آتا ہے کوئی مستقل مفہوم نہیں ہے بلکہ ایک نسبتی مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ جو چیز کہ ایک کے لیئے مصیبت ہو ممکن ہے کہ دوسرے کے لیئے نہ ہو۔ وہ عادت اور استعمال سے ایسی مختلف ہو جاتی ہے کہ مصیبت نہیں معلوم ہوتی۔ وہ کسی جوش کے

سبب سے ایسی بدل جاتی ہے کہ بالکل راحت سمجھ میں آتی ہے۔ بیشک یہ تمام مفہوم نسبتی ہیں اور جو اصلی مفہوم ہے وہ ایسی حالت کا ہونا یا واقع ہونا ہے جو قدرتی فرحت اور راحت کے برخلاف ہو ؛

اُس حالت کا ہونا غیر اختیاری حالتوں کا ہونا ہے اور واقع ہونا اختیاری حالتوں کا۔ مگر پچھلی حالت اگر نتیجہ کی لاعلمی یا نقصانات غیر متعدی کے سبب سے ہے تو مجازاً وہ پہلی ہی سی ہے ورنہ حقیقت میں وہ مصیبت نہیں بلکہ سزا ہے اور اس لیئے اس میں ہمدردی نہیں پس اصلی یا اصلی سی مصیبت میں کسی کی مدد کرنا البتہ سچی ہمدردی ہے ؛

رحم اور موانست اور ہمدردی شاید نتیجہ میں متحد ہوں مگر ہر ایک کا منشا مختلف ہے۔ رحم ایک فطرتی نیکی ہے جو ہمجنس اور غیر ہمجنس دونوں کے ساتھ برتی جاتی ہے۔ موانست کا اثر صرف ہمجنسوں ہی میں پایا جاتا ہے۔ ہمدردی جو عقل کے نتیجوں میں سے ہے ذی عقل ہی میں ہوسکتی ہے۔ اور اس لیئے صرف انسان ہی میں منحصر ہے۔ پس جس میں ہمدردی نہیں اُسکی انسانیت میں نقصان ہے ؛

قدرتی قاعدے کے مطابق ہمدردی کے بقدر تفاوت اپنی آسایش کے وسیلوں کے متفاوت درجے ہیں۔ جس طرح کہ باپ۔ بھائی۔ جورو۔ بچے۔ پھر اَور درجہ بدرجہ کے رشتہ مند پھر اپنے ملک کے۔ پھر اپنے ہمسایہ ملک کے۔ پھر اس سے دُور کے ملک کے باشندے درجہ بدرجہ ہماری آسایش کے وسیلے ہیں۔ اسیطرح اُس قادر مطلق کی کامل قدرت نے ہمدردی کے رشتہ کی مضبوطی اور استواری کو بھی درجہ بدرجہ بنایا ہے۔ باپ کو بیٹے سے جو جوش ہمدردی ہے وہ پوتے سے نہیں۔ اور جو پوتے سے ہے وہ پڑوتے سے نہیں۔ اسی طرح یہ رشتہ جتنا کہ بڑھتا جاتا ہے اُتنا ہی گھٹتا جاتا ہے۔ اور جب وہ اپنے ملک یا اپنے ہمسایہ ملک یا اُس سے دُور کے ملک تک پہونچتا ہے تو اَور بھی پتلا ہو جاتا ہے ؛

بعضے کہتے ہیں کہ "یہ ایک دھوکہ ہے اور اگر یہ دھوکہ نہیں ہے اور یہ متفاوت درجہ قدرتی ہیں تو انجان بیٹے اور ان پہچان باپ میں کیوں وہ ہمدردی نہیں۔ حقیقت میں یہ صرف ایک خیال ہے جس سے موانست پیدا ہوتی ہے اور وہی باعث ہمدردی ہے۔ نفرت جو اسکی ضد ہے اِس کا بخوبی ثبوت کرتی ہے کہ جب وہ پیدا ہوتی ہے تو باوجود موجود ہونے قدرتی رشتہ کے کچھ بھی ہمدردی نہیں رہتی"

بیشک ایسا یا ایسا سا ہوتا ہے مگر اسمیں کچھ غلطی بھی ہے - قریب رشتہ والا بنسبت دُور کے رشتہ والے کے بلاشبہ بہت زیادہ تر جزئیت رکھتا ہے اور اسیطرح بعید بنسبت ابعد کے پھر اگر وہ جزئیت قدرتی ہے تو وہ ہمدردی بھی قدرتی ہے - ہاں ہوا نست اُسکو نہایت تیز کر دیتی ہے اور کبھی ایسی جو قدرتی سی معلوم ہوتی ہے نفرت اُسکی تیزی کو دباتی ہے اور کبھی ایسا کر دیتی ہے جو بجھی ہوئی سی معلوم ہوتی ہے - انجان بیٹے اور ان پچھان باپ ہیں جو وہ چمکتی نہیں نہ اس لیئے کہ وہ نہیں ہے بلکہ اس لیئے کہ اُن میں انسانیت کا ایک بڑا جزو جو علم یعنی دانستن ہے وہ نہیں ہے - مگر تعجب یہ ہے کہ جو ہمدردی اعلیٰ ہے وہ مذمت میں اعلےٰ اور صفت میں ادنیٰ ہے اور جو ادنیٰ ہے وہ مذمت میں ادنیٰ اور صفت میں اعلےٰ ہے - اس لیئے کہ ایک میں کہونا قدرتی صفت کا اور دوسری میں ضعف ہونا قدرتی صفت میں ہے ؛

قریبوں سے ہمدردی نکرنی نہایت بدخصلت قابل سزا کے ہے اس لیئے کہ قدرت کے نہایت مستحکم قاعدہ کو توڑنا ہے اور کرنی کچھ بڑی صفت نہیں کیونکہ قدرت نے اُسکے کرنے پر مجبور کر رکھا ہے بعیدوں سے ویسی کرنی کچھ سخت مذمت نہیں اس لیئے کہ قدرت کے کسی مستحکم قاعدہ کی برخلافی نہیں اور کرنی نہایت عُمدہ صفت ہے کیونکہ قدرت کے منشا کو بدرجہ اتم کامل کرنا ہے ؛

افسوس ہے کہ یہ عُمدہ صفت کبھی دھوکہ کھا کر معیوب بھی کر دی جاتی ہے جبکہ پہلی کو ادنےٰ صفت سمجھکر چھوڑتے ہیں اور دوسری کو اعلےٰ صفت سمجھکر پکڑتے ہیں - مگر پہلی کے چھوڑنے کی بُرائی دوسری کی بھلائی کو بھی لے ڈوبتی ہے - پس سچی ہمدردی وُہی ہے جو قدرت کے قانون کے مطابق اور قدرت کے منشا کی تکمیل کے لیئے ہو ؛

کیا عُمدہ اور سہل طور پر عام عملدرآمد کے لائق کر دیا ہے - اِس مضمون کو بڑی قدرت والے اور معاشرت و تمدن کے زبردست قانون جاننے والے نے جبکہ ہم سے یوں کہا - لیس البر[۵] ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ

---

۵ نیکی یہی نہیں کہ مُنہ کرو اپنے مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف - لیکن نیکی وہ ہے جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دیوے مال اُس کی محبت پر قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور راہ کے مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں ؛

والکتاب والنبیین واتی المال علیٰ حبہٖ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب"۔ جو عمدہ ترغیب ہمدردی کی اسمیں بتائی ہے وہ بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ جس نے قدرت کے قانون کو بنایا ہے اُسی نے یہ علمی قانون ہمکو دیا ہے۔ بے شک دونوں کا بانی ایک ہی ہے جس کے فعل اور قول دونوں کا ایک ہی مقصد ہے ؛

رسم و رواج کی پابندی کے نقصانات

ہم اپنے اس آرٹیکل کو بعض بڑے بڑے حکیموں کی تحریروں سے اخذ کر کر لکھتے ہیں۔ کیا عمدہ قول ایک بڑے دانا کا ہے کہ "انسان کی زندگی کا منشا یہ ہے کہ اُس کے تمام قویٰ اور جذبات نہایت روشن اور شگفتہ ہوں اور اُن میں باہم نامناسبت اور تناقض واقع نہ ہو بلکہ سب کا ملکر ایک کامل اور نہایت متناسب مجموعہ ہو" مگر جس قوم میں کہ پورانی رسم و رواج کی پابندی ہوتی ہے یعنی اُن رسموں پر نہ چلنے والا مطعون اور حقیر سمجھا جاتا ہے۔ وہاں زندگی کا منشا معلوم ہو جاتا ہے ؛

ایک اَور بڑے دانا شخص کی رائے کا یہ نتیجہ ہے کہ آزادی اور اپنی خوشی پر چلنا جہاں تک کہ دوسروں کو ضرر نہ پہونچے ہر انسان کی خوشی اور اُس کا حق ہے۔ پس جہاں کہیں معاشرت کا قاعدہ جسپر کوئی چلتا ہے خاص اُسکی خصلت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اگلی روایتوں پر یا پورانی رسم و رواج پر مبنی ہے تو وہاں انسانوں کی خوشحالی کا ایک بڑا جزو موجود نہیں ہے اور جو کہ خوشحالی ہر فرد بشر کی اور نیز کُل لوگوں کی ترقی کا بہت بڑا جزو ہے تو اُسملک میں جہاں رسموں کی پابندی ہے وہ جزو بھی ناپید ہوتا ہے ؛

کسی شخص کی یہ رائے نہ ہوگی کہ آدمیوں کو بجز ایک دوسرے کی تقلید کے اَور کچھ مطلق نہ کرنا چاہیئے اور نہ کوئی شخص یہ کہیگا کہ آدمیوں کو اپنی اوقات بسری کے طریقے اور اپنے کاروبار کی کارروائی میں اپنی خوشی اور اپنی رائے کے مطابق کوئی بات بھی کرنی نہ چاہیئے۔ سیدھا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کو اُسکی جوانی میں اس طرح سے تعلیم ہونی چاہیئے کہ اَور لوگوں کے تجربوں سے جو نتیجے تحقیق ہو چکے ہیں اُن کے فوائد سے مستفید ہو اور پھر جب اُسکی عقل پختگی پر پہونچے تو خود اُن کی بھلائی اور بُرائی کو جانچے ؛

بے سوچے اور بے سمجھے رسومات کی پابندی کرنے سے گو وہ رسمیں اچھی ہی کیوں نہ ہوں آدمی

کی اُن صفتوں کی ترقی اور شگفتگی نہیں ہوتی جو خدا تعالیٰ نے ہر آدمی کو جدا جدا عنایت کی ہیں۔ اُن قوتوں کا برتاؤ جو کسی چیز کی بھلائی بُرائی دریافت کرنے اور کسی بات پر رائے دینے اور دو باتوں میں امتیاز کرنے اور عقل و فہم کو تیز رکھنے بلکہ اخلاقی باتوں کی بھلائی اور بُرائی تمیز کرنے میں مستعمل ہوتی ہیں صرف ایسی ہی صورت میں ممکن ہے جبکہ ہمکو ہر بات کے پسند یا ناپسند کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ جو شخص کوئی بات رسم کی پابندی سے اختیار کرتا ہے وہ شخص اُس بات کو پسند یا ناپسند نہیں کرتا اور نہ ایسے شخص کو اُس بات کی تمیز یا خواہش میں کچھ تجربہ حاصل ہوتا ہے اخلاقی اور عقلی قوتوں کی ترقی اُس صورت میں حاصل ہوتی ہے جبکہ وہ استعمال میں لائی جاویں اُن قوتوں کو اوروں کی تقلید کرنے سے کسی بات کی مشق حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایسے شخص کے لیئے بجز ایسی قوت تقلید کے جو بندر میں ہوتی ہے اور کسی قوت کی حاجت نہیں ◆

البتہ جو شخص اپنا طریقہ خود پسند کرتا ہے وہ اپنی تمام قوتوں سے کام لیتا ہے زمانہ حال پر نظر کرنے کے لیئے اُسکو قوت تحقیق درکار ہوتی ہے اور انجام کار پر غور کرنے کے لیئے قوت تجویز اور اُس کا تصفیہ کرنے کو قوت استقرار اور بھلا بُرا ٹھہرانے کو قوت امتیاز اور سب باتوں کے تصفیہ کے بعد اُسپر قایم رہنے کے لیئے قوت استقلال اور یہی سب کام ہیں جو انسان کے کرنے کے لائق ہیں آدمی مثل ایک کل کے نہیں ہے کہ جو اُس کے واسطے مقرر کر دیا ہے اُسی کو انجام دیا کرے بلکہ وہ ایک ایسا درخت ہے جو اُن اندرونی قوتوں سے جو خدا نے اُس میں رکھی ہیں اور جن کے سبب سے وہ زندہ مخلوق کہلاتا ہے ہر چہار طرف پھیلے اور بڑھے۔ پھولے اور پھلے ◆

جو امر کہ پسندیدہ اور تسلیم کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ لوگ اپنی فہم اور اپنی عقل سے کام لیں اور رسم و رواج کی پابندی بھی ایک معقول طور پر رکھیں یعنی جو عمدہ و مفید ہیں اُن کو اختیار کریں جو قابل اصلاح ہوں اُن میں ترمیم کریں اور جو بُری اور خراب ہوں اُن کی پابندی چھوڑ دیں نہ یہ کہ اندھوں کی طرح یا ایک کل کی مانند ہمیشہ اُسی سے لپٹے رہیں ◆

یہ بات خیال کی جاتی ہے کہ رسومات کی پابندی نہ کرنے سے آدمی خراب کاموں اور بُری باتوں میں مُبتلا ہو جاتا ہے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے اس لیئے کہ انسان کی ذات میں جیسے کہ خراب کام کرنے کی قوتیں اور جذبے ہیں ویسے ہی اُن کے روکنے کی بھی قوتیں اور جذبے ہیں۔ مثلاً ایمان یا نیکی جو ہر انسان کے دل میں ہے۔ پس خراب کام ہونے کا یہ باعث نہیں ہے کہ اُس نے رسومات کی پابندی نہیں کی بلکہ یہ باعث ہے کہ اُس نے ایک قسم کی قوتوں اور جذبوں کو شگفتہ اور

شاداب اور قوی کیا ہے۔ اور دوسری قسم کی قوتوں اور جذبوں کو پژمردہ اور ضعیف۔ اگر
رسومات کی پابندی نہ رکھنے کے ساتھ انسان کا ایمان ضعیف نہ ہو یا وہ دلی نیکی جو ہر انسان
کے دل میں ہے پژمردہ نہو تو بجز عمدہ اور پسندیدہ باتوں کے اور کسی بات کا ارتکاب نہو +

ہمارے زمانہ میں ہر شخص اعلےٰ سے لیکر ادنیٰ تک رسم و رواج کا ایسا پابند ہے جیسے کوئی
شخص ایک بڑے زبردست حاکم کے نیچے اپنی زندگی بسر کرتا ہو کوئی شخص یا کوئی خاندان
اپنے دل سے یہ بات نہیں پوچھتا کہ ہمکو کیا کرنا چاہیئے اور ہمارے مناسب یا ہماری پسند او
اور ہماری پسند کے لایق کیا بات ہے یا جو عمدہ صفتیں مجھ میں ہیں اُن کا ظہور نہایت عمدگی
سے کس طرح پر ممکن ہے اور کونسی بات اُن کی ترقی اور شگفتگی کی معاون ہے بلکہ وہ اپنے دل سے
یہ پوچھتے ہیں کہ میری حالت اور رتبہ کے کونسی چیز مناسب ہے۔ میرے رتبہ اور مقدور کے
آدمی کس رسم و رواج کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی اس سے بھی زیادہ بیوقوف ہوا تو
وہ اپنے دل سے اس سے بھی زیادہ بدتر سوال کرتا ہے اور یوں پوچھتا ہے کہ جو لوگ مجھ سے
بہتر ہیں اور رتبہ اور مقدور میں زیادہ ہیں وہ کن رسموں کو بجالاتے ہیں تاکہ یہ شخص بھی ویسا ہی
کر کر انہی کی سی شان میں شامل ہو +

اس بات سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جو لوگ اس طرح پر رسومات کو بجالاتے ہیں وہ اپنی خواہش
اور مرضی سے اُن رسومات کو اور چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں اور ترجیح دیکر پسند کرتے ہیں۔ نہیں بلکہ
حقیقت یہ ہے کہ اُن لوگوں کو بجز ایسی بات کے جو رسمی ہوتی ہے اور کسی بات کی خواہش کرنے کا
موقع یا اتفاق نہیں ہوتا اور اس لیئے طبیعت خود متحمل و مطیع رسموں کی پابندی کی ہو جاتی ہے
یہاں تک کہ جو باتیں دل کی خوشی کی کرنی ہوتی ہیں اُن میں بھی اوروں کے مطابق کام کرنے کا
خیال اول دل میں آتا ہے۔ غرض کہ اُن کی پسند وہی ہوتی ہے جو بہت سے لوگوں کی ہے
وہ صرف ایسی باتوں کے پسند کرنے پر راغب ہوتے ہیں جو عام پسند ہوں اور مذاق اور رائے کی علیحدگی
جو رسم و رواج کے مطابق نہ ہو اُس سے ایسی ہی گریز کی جاتی ہے جیسا کہ جرموں سے یہانتک
کہ اپنی خاص طبیعت کی پیروی نکرتے نکرتے اُن میں اپنی طبیعت ہی باقی نہیں رہتی کہ جس کی
پیروی کریں اور اُن کی ذاتی قوتیں بالکل پژمردہ اور بیکار رہنے کے سبب بالکلیہ ضایع ہو جاتی
ہیں اور وہ شخص اپنی دلی خواہش کرنے اور ذاتی خوشی اُٹھانے کے قابل نہیں رہتے اور
عموماً ایسی طبعزاد رائیں یا خیالات نہیں رکھتے جو خاص اُن کی اصلی خوشی سے مخصوص ہوں اب

غور کرنا چاہیئے کہ انسان کی ایسی حالت پسندیدہ ہو سکتی ہے یا نہیں ؛

رسومات جو مقرر ہوئی ہیں غالباً اُس زمانہ میں جبکہ وہ مقرر ہوئیں مفید تصور کی گئیں ہوں گا اس بات پر بھروسہ کرنا کہ درحقیقت وہ ایسی ہی ہیں محض غلطی ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے اُن کو مقرر کیا اُن کی رائے میں غلطی ہو اُن کا تجربہ صحیح نہو یا اُن کا تجربہ نہایت محدود اور صرف چند اشخاص سے متعلق ہو یا اُس تجربہ کا حال صحیح صحیح بیان نہ ہوا ہو۔ یا وہ رسم اُس وقت اور اُس زمانہ میں مفید ہو الا حال کے زمانہ میں مفید نہ رہی ہو بلکہ مضر ہو یا وہ رسم جن حالات پر قائم کی گئی تھی کسی شخص کی وہ حالت نہو غرض کہ رسموں کی پابندی میں مبتلا رہنا ہر طرح پر نقصان کا باعث ہے اگر کوئی نقصان نہ ہو تو یہ نقصان تو ضرور ہے کہ آدمی کی عقل اور دانش اور جودت طبع اور قوت ایجاد باطل ہو جاتی ہے ؛

یہ بات بے شک ہے کہ کسی عمدہ بات کی ایجاد کی لیاقت ہر ایک شخص کو نہیں ہوتی بلکہ چند دانا شخصوں کو ہوتی ہے جن کی پیروی اَور سب لوگ کرتے ہیں لیکن رسم کی پابندی اور اس قسم کی پیروی میں بہت بڑا فرق ہے۔ رسومات کی پابندی میں اُسکی بھلائی و بُرائی و مفید و غیر مفید و مناسب حال و مطابق طبع ہونے یا نہ ہونے کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا اور بغیر سوچے سمجھے اُسکی پابندی کی جاتی ہے اور دوسری حالت میں بوجہ پسندیدہ ہونے کے اور اس لیئے دوسری حالتمیں جو قوتیں ترقی کی انسان میں ہیں وہ معدوم و مفقود نہیں ہوتیں الا پہلی حالت میں معدوم نابود ہو جاتی ہیں ؛

رسم کی پابندی ہر جگہ انسان کی ترقی کی مانع و مزاحم ہے چنانچہ وہ پابندی ایسی قوت طبعی کے جس کے ذریعہ سے بہ نسبت معمولی باتوں کے کوئی بہتر بات کرنے کا قصد کیا جاوے برابر مخالف رہتی ہے اور انسان کی تنزل حالت کا اصلی باعث ہوتی ہے ؛

اب اس رائے کو دُنیا کی موجود قوموں کے حال سے مقابلہ کرو۔ تمام مشرقی یا ایشیائی مُلکوں کا حال دیکھو کہ اُن مُلکوں میں تمام باتوں کے تصفیہ کا مدار رسم و رواج پر ہے۔ اُن مُلکوں میں حب اور استحقاق اور انصاف کے لفظوں سے رسموں کی پابندی مراد ہوتی ہے۔ پس اب دیکھو کہ مشرقی یا ایشیائی قوموں کا جن میں مسلمان بھی داخل ہیں کیسا ابتر اور خراب اور ذلیل حال ہے ؛

ان مشرقی یا ایشیائی قوموں میں بھی کسی زمانہ میں قوت عقل اور جودت طبع اور مادہ ایجاد ضرور

موجود ہوگا جس کی بدولت وہ باتیں ایجاد ہوئیں جو اب رسمیں ہیں اس لیئے کہ اُن کے بزرگ ماں کے پیٹ سے تربیت یافتہ اور حسن معاشرت کے فنون سے واقف پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ سب باتیں اُنھوں نے اپنی محنت اور علم اور عقل اور جودت طبع سے ایجاد کی تھیں اور انہی وجوہات سے دنیا کی نہایت بڑی اور قوی اور مشہور قوموں سے ہوگئے تھے مگر اب اُن کا حال دیکھو کہ کیا ہے اسی رسومات کی پابندی سے اُن کا مآل یہ ہوا ہے کہ اب وہ ایسی قوموں کے محکوم ہیں اور ایسے لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل ہیں جن کے آبا و اجداد اُس وقت جنگلوں میں آوارہ پڑے پھرتے تھے جس وقت اُن قوموں کے آبا و اجداد عالی شان محلوں میں رہتے تھے اور بڑے بڑے عبادت خانے اور مکانات شاہی اور شہنشاہی محل بنواتے تھے اسکا سبب یہی تھا کہ اُس زمانہ میں اُن قوموں میں رسم کی پابندی قطعی نہ تھی اور جو کسی قدر تھی تو اُس کے ساتھ ہی آزادی اور ترقی کا جوش اُن میں قایم تھا ؛

تواریخ سے ثابت ہے کہ ایک قوم کسی قدر عرصہ تک ترقی کی حالت پر رہتی ہے اور اُس کے بعد ترقی مسدود ہو جاتی ہے مگر یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ ترقی کب مسدود ہوتی ہے - یہ اسیوقت مسدود ہوتی ہے جبکہ اُس قوم میں سے وہ قوت اُٹھ جاتی ہے جس کے سبب سے نئی نئی باتیں پیدا ہوتی ہیں اور ٹھیک ٹھیک مسلمانوں کا اس زمانہ میں یہی حال ہے بلکہ میں نے غلطی کی کیونکہ ترقی مسدود ہونے کا زمانہ بھی گذر گیا اور تنزل اور ذلت و خواری کا زمانہ بھی انتہا درجہ کو پہنچ گیا ہے ؛

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ بات کہے کہ یورپ کی قوموں میں بھی جو اس زمانہ میں ہر قسم کی ترقی کی حالت میں شمار ہوتی ہیں بہت سی رسمیں ہیں اور اُن رسموں کی نہایت درجہ پر پابندی ہے تو وہ قومیں کیوں ترقی پر ہیں ؛

یہ اعتراض سچ ہے اور درحقیقت یورپ میں رسموں کی پابندی کا نہایت نقصان ہے اور اگر اُس کی اصلاح نہ ہوتی رہیگی جیسیکہ اب تک ہوتی رہی ہے تو اُن کو بھی بدنصیبی کا دن پیش آویگا مگر یورپ میں اور مشرقی مُلکوں کی پابندی رسومات میں ایک بڑا فرق ہے - یورپ میں رسومات کی پابندی ایک عجیب اور نئی بات ہونے کو تو مانع ہے مگر رسومات کی تبدیلی کا کوئی مانع نہیں - اگر کوئی شخص عمدہ رسم نکالے اور سب لوگ پسند کریں فی الفور پرانی رسم چھوڑ دی جاویگی اور نئی رسم اختیار کر لیجاوے گی اور اس سبب سے اُن لوگوں کے قوائے عقلی اور حالت تمیز اور قوت ایجاد

ضایع نہیں ہوتی ؎

تم دیکھو کہ یہ پوشاک جو اب انگریزوں کی ہے اُن کے باپ دادا کی نہیں ہے بالکل اپنی پوشاک بدل دی ہے - ہر درجہ کے لوگوں کا جو مختلف لباس تھا اُس رسم کو چھوڑ دیا گیا ہے اور ضرور سمجھا گیا ہے کہ ہر شخص ایک سا مثل اوروں کی لباس پہنے - اس وقت کوئی رسم یورپ میں ایسے درجہ پر نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی رسم اُس کے برخلاف مگر اُس سے عمدہ ایجاد کرے اور لوگ اُسپر اتفاق کریں اُسیوقت تبدیل نہ ہو سکے اور اسی تبدیلی کے ساتھ ان کی ترقی بھی ہوتی جاتی ہے - چنانچہ نئی نئی کلیں ہمیشہ ایجاد ہوتی رہتی ہیں اور تا وقتیکہ اُن کی جگہ بہتر کلیں ایجاد نہ ہو جاویں وہ بدستور رہتی ہیں - ملکی معاملات اور تعلیم میں بلکہ اخلاق میں بلکہ مذہب میں ہمیشہ ترقی کے خواہاں ہیں پس یہ تصور کرنا کہ یورپ بھی مثل ہمارے مگر دوسری قسم کی رسموں میں مبتلا ہے محض نادانی اور ناواقفیت کا سبب ہے ؎

البتہ یورپ میں اور بالتخصیص انگریزوں میں جو بات نہایت عمدہ اور قابل تعریف اور لایق خواہش کے ہے اور در حقیقت بغیر اس کے کوئی قوم مہذب اور تربیت یافتہ نہیں ہو سکتی وہی بات اُسکی تنزل کا باعث ہو گی بشرطیکہ اُسکی اصلاح نہ ہوتی رہیگی اور وہ یہ ہے کہ تمام انگریز جو محب وطن مین نامی ہیں اس بات پر نہایت کوشش اور جانفشانی کر رہے ہیں کہ کل قوم کے لوگ یکساں ہو جاویں اور سب اپنے خیالات اور طریقے یکساں مسایل اور قواعد کے تحت حکومت کر دیں اور ان کوششوں کا نتیجہ انگلستان میں روز بروز ظاہر ہوتا جاتا ہے جو حالات کہ اب خاص خاص لوگوں اور فرقوں کے پائے جاتے ہیں اور جن کے سبب ان کی خاص خاص عادتیں قایم ہوئی ہیں وہ اب روز بروز ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی جاتی ہیں - انگلستان میں اس زمانہ سے پہلے مختلف درجوں کے لوگ اور مختلف ہمسایوں کے لوگ اور مختلف پیشہ والے گویا جُدی ہی جُدی دنیا میں رہتے تھے یہ ہی سبب کا طریقہ اور عادت جُدا جُدا تھی - اب وہ سب طریقے اور عادتیں ہر ایک کی ایسی مشابہ ہو گئی ہیں کہ گویا سب کے سب ایک محلہ کے رہنے والے ہیں - انگلستان میں بہ نسبت سابق کے اب بہت زیادہ رواج ہو گیا ہے کہ لوگ ایک ہی قسم کی تصنیفات کو پڑھتے ہیں اور ایک ہی سی باتیں سُنتے ہیں اور ایک ہی سی چیزیں دیکھتے ہیں اور ایک ہی سے مقاموں میں جاتے ہیں اور یکساں باتوں کی خواہش رکھتے ہیں اور یکساں ہی چیزوں کا خوف کرتے ہیں اور ایک ہی سے حقوق اور آزادی سب کو حاصل ہے اور اُن حقوق اور آزادیوں کے قایم رکھنے کے ذریعے بھی یکساں ہیں

اور یہ مشابہت اور مساوات روز بروز ترقی پاتی جاتی ہے - اور تعلیم و تربیت کی مشابہت اور مساوات سے اسکو اور زیادہ وسعت ہوتی ہے - تعلیم کے اثر سے تمام لوگ عام خیالات کے اور غلبہ اور رائے کے پابند ہوتے جاتے ہیں - اور جو عام ذخیرہ حقایق اور مسایل اور رایوں کا موجود ہے اُس پر سب کو رسائی ہوتی ہے - آمد و رفت کے ذریعوں کی ترقی سے مختلف مقاموں کے لوگ مجتمع اور شامل ہوتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں اور اس سبب سے بھی مشابہت مذکور ترقی پاتی ہے - کارخانوں اور تجارت کی ترقی سے آسایش اور آرام کے وسیلے اور فائدے زیادہ شایع ہوتے ہیں اور ہر قسم کی عالی ہمتی بلکہ بڑی سے بڑی اولوالعزمی کے کام ایسی حالت کو پہونچ گئے ہیں کہ ہر شخص اُن کے کرنے کو موجود و مستعد ہوتا ہے یعنی خاص شخص یا گروہ پر منحصر نہیں رہتا ہے بلکہ اولوالعزمی تمام لوگوں کی خاصیت ہوتی جاتی ہے اور ان سب پر آزادی اور عام رائے کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے اور یہ تمام امور ایسے ہیں جیسے انگلستان کے تمام لوگوں کی رائیں اور عادتیں اور طریق زندگی اور قواعد معاشرت اور امورات رنج و راحت یکساں ہوتے جاتے ہیں اور بلا شبہ مُلک اور قوم کے مہذب ہونے کا اور ترقی پر پہونچنے کا یہی نتیجہ ہے اور ایسا عُمدہ نتیجہ ہے کہ اُس سے عُمدہ نہیں ہو سکتا +

مگر باوصف اسکے ہم اس نتیجہ کو بشرطیکہ اُسکی اصلاح نہ ہوتی رہے باعث تنزل قرار دیتے ہیں تو ضرور ہمکو کہنا پڑے گا کہ کیوں یہ عُمدہ نتیجہ باعث تنزل ہوگا - سبب اس کا یہ ہے کہ جب سب لوگ ایک سی طبیعت اور عادت اور خیال کے ہو جاتے ہیں تو اُن کی طبیعتوں میں سے وہ قوتیں جو نئی باتوں کے ایجاد کرنے اور عُمدہ عُمدہ خیالات کے پیدا کرنے اور قواعد حسن معاشرت کو ترقی دینے کی ہیں زایل اور کمزور ہو جاتی ہیں اور ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ ترقی ٹھہر جاتی ہے اور پھر ایسا زمانہ ہوتا ہے کہ تنزل شروع ہو جاتا ہے +

اس مُعاملہ میں ہمکو مُلک چین کے حالات پر غور کرنے سے عبرت ہوتی ہے چینی بہت لئیق آدمی ہیں بلکہ اگر بعض باتوں پر لحاظ کیا جاوے تو عقلمند بھی ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ اُن کی خوش قسمتی سے ابتدا ہی میں ان کی قوم میں بہت اچھی اچھی رسمیں قایم ہو گئیں - اور یہ کام اُن لوگوں کا تھا جو اس قوم میں نہایت دانا اور بڑے حکیم تھے +

چین کے لوگ اس باب میں مشہور و معروف ہیں کہ جو عُمدہ سے عُمدہ دانش اور عقل کی باتیں اُن کو حاصل ہیں اُن کو ہر شخص کی طبیعت پر بخوبی منقش کرنے کے واسطے اور اس بات کے لئے کہ

جن شخصوں کو وہ دانشمندی کی باتیں حاصل ہیں اُن کو بڑے بڑے عہدے ملیں نہایت عمدہ
طریقے اُن میں رائج ہیں۔ اور وہ طریقے حقیقت میں بہت ہی عمدہ ہیں بے شک جن لوگوں نے
اپنا ایسا دستور قایم رکھا اُنھوں نے انسان کی ترقی کے اسرار کو پالیا اور اِس لیئے چاہیئے
تھا کہ وہ قوم تمام دنیا میں ہمیشہ افضل رہتی مگر برخلاف اِس کے اُن کی حالت سکون پذیر ہو گئی
ہے اور ہزاروں برس سے ساکن ہے اور اگر اُن کی کبھی کچھ اَور ترقی ہوگی تو بے شک غیر ملکوں
کے لوگوں کی بدولت ہوگی۔ اِس خرابی کا سبب یہی ہوا کہ اُس تمام قوم کی حالت یکساں اور
مشابہ ہو گئی اور سب کے خیالات اور طریق معاشرت ایک سے ہو گئے اور سب کے سب یکساں
قواعد اور مسائل کی پابندی میں پڑ گئے اور اِس سبب سے وہ قوتیں جن سے انسان کو روز بروز
ترقی ہوتی ہے اُن میں سے معدوم ہو گئیں ❊

پس جبکہ ہم مسلمان ہندوستان کے رہنے والے جن کی رسومات بھی عمدہ اصول و قواعد
پر مبنی نہیں ہیں بلکہ کوئی رسم اتفاقیہ اور کوئی رسم بلا خیال اَور قوموں کے اختلاط سے آگئی ہے
جس میں ہزاروں نقص اور بُرائیاں ہیں اور پھر ہم اُن رسوموں کے پابند ہوں اور نہ اُن کی
بھلائی بُرائی پر غور کریں اور نہ خود کچھ اصلاح اور درستی کی فکر میں ہوں بلکہ اندھا دھوندی میں
اُنھی کی پیروی کرتے چلے جاویں۔ تو سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا حال کیا ہو گیا ہے اور آیندہ کیا
ہونیوالا ہے ❊

ہماری نوبت چینیوں کے حال سے بھی رسومات کی پابندی کے سبب بدتر ہو گئی ہے اور
اَب ہم میں خود اتنی طاقت نہیں رہی کہ ہم اپنی ترقی کر سکیں اِس لیئے بجز اِس کے کہ دوسری قوم
ہماری ترقی اور ہمارے قوائے عقلی کی تحریک کا باعث ہو اَور کچھ چارہ نہیں بعد اِس کے کہ
ہمارے قوائے عقلیہ تحریک میں آجاویں اور پھر قوت ایجاد ہم میں شگفتہ ہو۔ تب ہم پھر اِس قابل
ہوں گے کہ خود اپنی ترقی کے لیئے کچھ کر سکیں ❊

مگر جبکہ ہم دوسری قوموں سے از راہ تعصب نفرت رکھیں اور کوئی نیا طریقہ زندگی کا گو وہ کیسا
ہی بے عیب ہو اختیار کرنا صرف بسبب اپنے تعصب یا رسم و رواج کی پابندی کے معیوب سمجھیں تو
پھر ہمکو اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کی کیا توقع ہے ❊

مگر جو کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور ایک مذہب رکھتے ہیں جس کو ہم دل سے سچ جانتے ہیں اِس لیئے
ہمکو مذہبی پابندی ضرور ہے اور وہ اسی قدر ہے کہ جو بات معاشرت اور تمدن اور زندگی بسر

کرنے اور دنیاوی ترقی کی اختیار کرتے ہیں اُس کی نسبت اتنا دیکھ لیں کہ وہ مباحات شرعیہ میں سے ہے یا محرمات شرعیہ میں سے ۔ درصورت ثانی بلاشبہ ہمکو احتراز کرنا چاہیئے اور درصورت اوّل بلالحاظ پابندی رسوم کے اور بلالحاظ اِس بات کے کہ لوگ ہمکو بُرا گنتے ہیں یا بھلا اُس کو اختیار کرنا ضرور بلکہ واسطے ترقی قومی کے فرض ہے ؂

خدا ہمہ مسلمانان را بریں کار توفیق دہد ۔ آمین ؂

آزادی رائے

ہم اپنے اِس آرٹکل کو ایک بڑے لائق اور قابل زمانہ حال کے فیلسوف کی تحریر سے اخذ کرتے ہیں ۔ رائے کی آزادی ایک ایسی چیز ہے کہ ہر ایک انسان اُسپر پورا پورا حق رکھتا ہے ۔ فرض کرو کہ تمام آدمی بجز ایک شخص کے کسی بات پر متفق الرائے ہیں مگر صرف وہی ایک شخص اُن کے برخلاف رائے رکھتا ہے تو اُن تمام آدمیوں کو اُس ایک شخص کی رائے کو غلط ٹھہرانے کے لیئے اُس سے زیادہ کچھ استحقاق نہیں ہے جتنا کہ اُس ایک شخص کو اُن تمام آدمیوں کی رائے کے غلط ثابت کرنے کا (اگر وہ ثابت کر سکے) استحقاق حاصل ہے کوئی وجہ اِس بات کی نہیں ہے کہ پانچ آدمیوں کو تو بمقابلہ پانچ آدمیوں کی رایوں کے غلط ٹھہرانے کا استحقاق ہو اور ایک آدمی کو بمقابل نو آدمیوں کے یہ استحقاق نہ ہو رائے کی غلطی آدمیوں کی تعداد کی کمی بیشی پر منحصر نہیں ہے بلکہ قوت استدلال پر منحصر ہے جیسے یہ بات ممکن ہے کہ نو آدمیوں کی رائے بمقابلہ ایک شخص کے صحیح ہو ویسے ہی یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص کی رائے بمقابل نو کے صحیح ہو ؂

رایوں کا بند رہنا خواہ بسبب کسی مذہبی خوف کے اور خواہ بسبب اندیشہ برادری و قوم کے اور خواہ بدنامی کے ڈر سے اور یا گورنمنٹ کے ظلم سے نہایت ہی بُری چیز ہے ۔ اگر رائے اِس قسم کی کوئی چیز ہوتی جس کی قدر و قیمت صرف اُس رائے والے کی ذات ہی سے متعلق اور اُسی میں محصور رہتی تو رایوں کے بند رہنے سے ایک خاص شخص کا یا معدودے چند کا نقصان متصور ہوتا مگر رایوں کے بند رہنے سے تمام انسانوں کی حق تلفی ہوتی ہے اور کل انسانوں کو نقصان پہونچتا ہے اور نہ صرف موجودہ انسانوں کو بلکہ اُن کو بھی جو آیندہ پیدا ہونگے ؂

اگرچہ رسم و رواج بھی اُس کے برخلاف رایوں کے اظہار کے لیئے ایک بہت قوی مزاحم کار گنا جاتا ہے لیکن مذہبی خیالات مخالف مذہب رائے کے اظہار اور مشتہر ہونے کے لیئے نہایت

اقوے مزاحم کار ہوتے ہیں - اِس قسم کے لوگ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ اُس مخالف رائے کا ظاہر ہونا اُن کو ناپسند ہوا ہے بلکہ اُسی کے ساتھ جوش مذہبی اُمنڈ آتا ہے اور عقل کو سلیم نہیں رکھتا - اور اُس حالت میں اُن سے ایسے افعال و اقوال سرزد ہوتے ہیں جو اُنھیں کے مذہب کو جس کے وہ طرفدار ہیں مضرت پہونچاتے ہیں - وہ خود اِس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ مخالفوں کے اعتراض لا معلوم رہیں - وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ بسبب پوشیدہ رہنے اُن اعتراضوں کے اُنھیں کے مذہب کے لوگ اُن کے حل پر متوجہ نہ ہوں اور مخالفوں کے اعتراض بلا تحقیق کیئے اور بلا دفع کیئے باقی رہ جاویں - وہ خود اِس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ اُن کی آیندہ نسلیں بسبب نا تحقیق باقی رہ جانے اُن اعتراضوں کے جس وقت اُن اعتراضوں سے واقف ہوں اُسیوقت مذہب سے منحرف ہو جاویں - وہ خود اِس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ وہ اپنی نادانی سے تمام دنیا پر گویا یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ اُس مذہب کو جس کے وہ پیرو ہیں مخالفوں کے اعتراضوں سے نہایت ہی اندیشہ ہے اگر اُنہی کے مذہب کا کوئی شخص بغرض حصول اغراض مذکورہ اُن کا پھیلانا چاہیئے تو خود اُسکو معترض کی جگہ تصور کرتے ہیں اور اپنی نادانی سے دوست کو دشمن قرار دیتے ہیں ؛

کیا عمدہ رائے اُس فیلسوف کی ہے کہ "کسی رائے کے حامیوں کا اُس رائے کے برخلاف رائے کے مشتہر ہونے میں مزاحمت کرنے سے خود اُن حامیوں کا بہ نسبت اُن کے مخالفوں کے زیادہ تر نقصان ہے اس لیئے کہ اگر وہ رائے صحیح و درست ہو تو اُسکی مزاحمت سے غلطی کے بدلے صحیح بات حاصل کرنے کا موقع اُن کے ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر وہ غلط ہے تو اِس بات کا موقع باقی نہیں رہتا کہ غلطی او صحت کے مقابلہ سے جو صحت کو زیادہ استحکام اور اُسکی سچائی زیادہ تر دلوں پر مشتہر ہوتی ہے اور اُسکی روشنی دلوں میں بیٹھ جاتی ہے اِس نتیجہ کو حاصل کریں جو فی الحقیقت نہایت عمدہ فایدہ ہے" ؛

کچھ شبہ نہیں ہے کہ عموماً مخالف اور موافق رایوں کا پھیلنا اور منتشر ہونا خواہ وہ دینی معاملہ سے علاقہ رکھتی ہوں یا دنیوی معاملے سے نہایت ہی عمدہ اور مفید ہے دونوں قسم کی رایوں پر جدا جدا غور کرنے کا موقع ملتا ہے کہ اُن میں سے کونسی بہتر ہے یا اُن دونوں کی تائید ایسے دلائل سے ہوتی ہے جو جدا گانہ ہر ایک کے مناسب ہیں - ہمکو اِس بات کا کبھی یقین کامل نہیں ہو سکتا کہ جس رائے کی مزاحمت میں پابند رہنے میں ہم کوشش کرتے

ہیں وہ غلط ہی ہے اور اگر یقین بھی ہو کہ وہ غلط ہے تو بھی اُسکی مزاحمت اور اُس کا انسداد بُرائی سے خالی نہیں ÷

فرض کرو کہ جس رائے کا بند کرنا ہم چاہتے ہیں حقیقت میں وہ رائے صحیح و درست ہے اور جو لوگ اُس کا انسداد چاہتے ہیں وہ اُسکی درستی اور صحت سے مُنکر ہیں مگر غور کرنا چاہیئے کہ وہ لوگ یعنی اُس رائے کے بند کرنیوالے ایسے نہیں ہیں جن سے غلطی اور خطا ہونی ممکن نہ ہو تو اُن کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ اُس خاص معاملہ کو تمام انسانوں کے لیئے خود فیصل کریں اور اَور شخصوں کو اپنی رائے کام میں لانے سے محروم کردیں کسی مخالف رائے کی سماعت سے اس وجہ سے انکار کرنا کہ ہمکو اُس کے غلط ہونے کا یقین ہے گویا یہ کہنا ہے کہ ہمارا یقین یقین کامل کا رُتبہ رکھتا ہے اور اُسپر بحث و گفتگو کی ممانعت کرنا انبیاء سے بھی بڑھ کر اپنا رُتبہ ٹھہرانا ہے اور اپنے تئیں ایسا سمجھنا ہے کہ ہم سے سہو و خطا کا ہونا ناممکن ہے ÷

انسانوں کی سمجھ پر بڑا افسوس ہے کہ جس قدر کہ وہ اپنے خیال و قیاس میں اپنے سے اس مشہور مقولہ کی سند پر کہ "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان" سہو و خطا کا ہونا ممکن سمجھتے ہیں اُس قدر اپنی رایوں اور اپنی باتوں کے عملدرآمد میں نہیں سمجھتے اُن کی عملی باتوں سے اُسکی قدر و منزلت نہایت ہی خفیف معلوم ہوتی ہے۔ گو خیال و قیاس میں اُسکی کیسی ہی بڑی قدر و منزلت سمجھتے ہوں۔ اگرچہ سب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم سے سہو و خطا ہونی ممکن ہے مگر بہت ہی کم آدمی ایسے ہوں گے جو اُس کا خیال رکھنا اور از روئے عمل کے بھی اُسکی احتیاط کرنا ضرور سمجھتے ہوں اور عملی طور پر اس بات کو تسلیم کرتے ہوں کہ جس رائے کی صحت کا اُن کو خوب یقین ہے شاید وہ اُسی سہو و خطا کی مثال ہو جس کا ہونا وہ اپنے سے ممکن سمجھتے ہیں ÷

جو لوگ کہ دولت یا منصب اور حکومت یا علم کے سبب غیر محدود تعظیم و ادب کے عادی ہوتے ہیں وہ تمام معاملات میں اپنی رایوں کے صحیح ہونے پر یقین کامل رکھتے ہیں اور اپنے میں سہو و خطا ہونے کا احتمال بھی نہیں کرتے اور جو لوگ اُن سے کسی قدر زیادہ خوش نصیب ہیں یعنی وہ کبھی کبھی اپنی رایوں پر اعتراض اور حجت اور تکرار ہوتے ہوئے سُنتے ہیں اور کچھ کچھ اس بات کے عادی ہوتے ہیں کہ جب غلطی پر ہوں تو متنبہ ہونے پر اُسکو چھوڑ دیں اور درست بات کو مان لیں اگرچہ اُن کو اپنی ہر ایک رائے کی درستی پر یقین کامل تو نہیں ہوتا مگر اُن

رایوں کی درستی پر ضرور یقین ہوتا ہے جن کو وہ لوگ جو اُن کے اِردگرد رہتے ہیں یا ایسے
لوگ جن کی بات کو وہ نہایت ادب و تعظیم کے قابل سمجھتے ہیں اُن رایوں کو تسلیم کرتے ہیں - یہ
ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جو شخص جس قدر اپنی ذاتی رائے پر اعتماد نہیں رکھتا وہ شخص اُسی قدر دنیا
کی رائے پر عموماً زیادہ تر اعتماد رکھتا ہے جس کو بعضی اصطلاحوں میں جمہور کی رائے یا جمہور کا
مذہب کہا جاتا ہے ؛

مگر یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک دنیا سے یا جمہور سے کیا مراد ہوتی ہے
ہر ایسے شخص کے نزدیک دنیا سے اور جمہور سے وہ چند اشخاص معدود مراد ہوتے ہیں جن سے
وہ اعتقاد رکھتا ہے یا جن سے وہ ملتا جلتا ہے مثلاً اُسکے دوستوں یا ہم رایوں کا فریق یا
اُسکی ذات برادری کے لوگ یا اُس کے درجہ و رتبہ کے لوگ - پس اُس کے نزدیک تمام دنیا اور
جمہور کے معنی انہی میں ختم ہو جاتے ہیں - اور اِس لیئے وہ شخص اس رائے کو دنیا کی یا جمہور کی
رائے سمجھکر اُس کی درستی پر زیادہ تر یقین کرتا ہے - اس ہیئت مجموعی رائے کا جو اعتماد اور
یقین اُسکو زیادہ ہوتا ہے اور ذرا بھی اُسمیں لغزش نہیں آتی - اُس کا سبب یہ ہی ہوتا ہے کہ
وہ اِس بات سے واقف نہیں ہوتا کہ اُسکے زمانہ سے پہلے اَور زمانوں کے اور ملکوں کے -
اور فرقوں کے اور مذہبوں کے لوگ اُس میں کیا رائے رکھتے تھے اَور اب بھی اَور ملکوں
اور فرقوں اور مذہبوں کے لوگ کیا رائے رکھتے ہیں - ایسے شخص کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اِس
بات کی جوابدہی کو کہ درحقیقت وہ راہ راست پر چلتا ہے اپنی فرضی دنیا یا جمہور کے ذمہ ڈالتا
ہے پس جو کچھ اُسکی رائے یا اُس کا حال ہو کچھ بھی اعتبار او ر یقین کے لایق نہیں ہے اسلیئے
کہ جن وجوہات سے وہ شخص بسبب مسلمان خاندان میں پیدا ہونے کے اِس وقت بڑا اقدس
مسلمان ہے اُنہی وجوہات سے اگر وہ عیسائی خاندان یا مُلک یا بُت پرست خاندان یا ملک
میں پیدا ہوتا تو وہ بھلا چنگا عیسائی یا بُت پرست ہوتا وہ مطلق اِس بات کا خیال نہیں
کرتا کہ جس طرح کسی خاص شخص کا خطا میں پڑنا ممکن ہے اُسی طرح اُسکی فرضی دنیا اور خیالی جمہور
کی تو کیا حقیقت ہے زمانہ کے زمانہ کا اور اُس سے بھی بہت بڑی دنیا کا خطا میں پڑنا ممکن
ہے - تاریخ سے اور علوم موجودہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں ایسی ایسی رائیں قایم ہوئیں اور
مسلّم قرار پائیں جو اُس کے بعد کے زمانہ میں صرف غلط ہی نہیں بلکہ سراسر لغو و مہمل سمجھی گئیں اور
یقیناً اِس زمانہ میں بھی بہت سی ایسی رائیں مروّج ہوں گی جو کسی آیندہ زمانہ میں اسی طرح مردود اور

نامعقول ٹھہریں گی جیسیکہ بہت سی وہ رائیں جو اگلے زمانہ میں عام طور پر مروج تھیں اور اب مردود ہو گئی ہیں ؛

اس تقریر پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جو لوگ مخالف رائے کو غلط اور مضر سمجھکر اُسکی مزاحمت کرتے ہیں اُس سے اُن کا مطلب اس بات کا دعویٰ کرنا کہ وہ غلطی سے آزاد و بری ہیں نہیں ہوتا بلکہ اُس سے اُس فرض کا ادا کرنا مقصود ہوتا ہے جو اُن پر باوصف قابل سہو و خطا ہونے کے اپنے ایمان اور اپنے یقین کے مطابق عمل کرنے کا ہے اگر لوگ اس وجہ سے اپنی رایوں کے موافق کاربند نہوں کہ شاید وہ غلط ہوں تو کوئی شخص اپنا کوئی کام بھی نہیں کر سکتا - لوگوں کا یہ فرض ہے کہ حتی المقدور اپنی نہایت درست رائیں قایم کریں اور بغور اُن کو قرار دیں اور جب اُن کی درستی کا بخوبی یقین ہو جاوے تو اُس کے مخالف رایوں کے بند کرنے اور مزاحمت کرنے میں کوشش کریں - آدمیوں کو اپنی استعداد و قابلیت کو نہایت عمدہ طور سے برتنا چاہیئے یقین کامل کسی امر میں نہیں ہو سکتا مگر ایسا یقین ہو سکتا ہے جو انسان کے مطالب کے لیئے کافی ہو - انسان اپنی کارروائی کے لیئے اپنی رائے کو درست و صحیح سمجھ سکتے ہیں اور اُن کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے اور وہ اس سے زیادہ اَور کوئی بات اُس صورت میں اختیار نہیں کرتے جبکہ وہ خراب آدمیوں کو ممانعت کرتے ہیں کہ ایسی رایوں کے شایع کرنے سے جو اُن کے نزدیک فاسد اور مضر ہیں لوگوں کو خراب یا بداخلاق یا بدمذہب نہ کریں ؛

مگر مخالف رائے کے بند کرنے میں صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ اُنھوں نے اپنے تئیں قابل سہو و خطا سمجھ کر اپنے ایمان اور اپنے یقین کے موافق عمل کیا ہے بلکہ اُس سے بہت زیادہ کیا جاتا ہے اس بات میں کہ ایک رائے کو اس وجہ سے صحیح سمجھا جاوے کہ اُسپر اعتراض و حجت کرنے کا ہر طرح پر لوگوں کو موقع دیا گیا اور اُس کی تردید نہ ہو سکی اور اس بات میں کہ ایک رائے کو اس وجہ سے مان لیا گیا کہ اُس کی تردید کی کسی کو اجازت نہیں ہوئی زمین اور آسمان کا فرق ہے - پس مخالف رایوں کی مزاحمت کرنے والے اپنی رائے کو اس وجہ سے صحیح نہیں سمجھتے کہ اُسکی تردید نہیں ہو سکی بلکہ اس لیئے صحیح ٹھہراتے ہیں کہ اُس کی تردید کی اجازت نہیں ہوئی حالانکہ جس شرط سے ہم بطور جایز اپنی رائے کو عملدرآمد ہونے کے لیئے درست قرار دے سکتے ہیں وہ صرف یہی ہے کہ لوگوں کو اس بات کی کامل آزادی ہو کہ وہ اُس رائے کے برخلاف کہیں اور اُسکو غلط ثابت کریں اس کے سوا اَور کوئی صورت نہیں ہے کہ انسان

جس کے قوائے عقلی اور اَور قوی کامل نہیں ہیں - اپنے آپ کو راہ راست ہونے کا یقین کر سکے اہل مذاہب جو صرف اپنے معتقد فیہ کی پیروی ہی کو راہ راست سمجھتے ہیں جب تک کہ وہ بھی اس بات پر مباحثہ اور اظہار رائے کی اجازت نہ دیں کہ جس طرح پر اُن کا عملدرآمد اور چال چلن یا اعتقاد اور خیال ہے وہ صحیح طور سے اُن کے معتقد فیہ کی پیروی ہے یا نہیں اُس وقت تک وہ بھی اپنے آپ کو راہ راست پر ہونے کا یقین نہیں کر سکتے ؛

انسان کی پچھلی حالتوں کو موجودہ حالتوں سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں انسانوں کا یہی حال ہے کہ سو میں سے ایک ہی شخص اس قابل ہوتا ہے کہ کسی دقیق معاملہ پر رائے دے اور ننانوے ۹۹ شخص اس میں رائے دینے کی لیاقت نہیں رکھتے مگر اس ایک آدمی کی رائے کی عمدگی بھی صرف اضافی ہوتی ہے اس لیئے کہ اگلے زمانہ کے لوگوں میں اکثر آدمی جو سمجھ بوجھ اور لیاقت میں مشہور تھے ایسی رائیں رکھتے تھے کہ جن کی غلطی اب بخوبی روشن ہو گئی ہے - بہت سی ایسی باتیں اُن کو پسندیدہ اور اُن کے عملدرآمد تھیں جن کو اب کوئی بھی ٹھیک اور درست نہیں سمجھتا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں میں ہمیشہ معقول رایوں اور پسندیدہ رایوں کو غلبہ رہتا ہے مگر اس کا سبب بجز انسان کی عقل و فہم کی ایک عمدہ صفت کے جو نہایت ہی پسندیدہ ہے اَور کوئی نہیں - اور وہ صفت یہ ہے کہ انسان کی غلطیاں اصلاح کی اصلاحیت رکھتی ہیں یعنی انسان اپنی غلطیوں کو مباحثہ اور تجربہ کے ذریعہ سے درست کر لینے کی قابلیت رکھتا ہے پس انسان کی رائے کی تمام قوت اور قدر و منزلت کا حصر اس ایک بات پر ہے کہ جب وہ غلط ہو تو صحیح کی جا سکتی ہے مگر اُسپر اعتماد اُسی وقت کیا جا سکتا ہے جبکہ اُس کے صحیح کرنے کے ذریعے ہمیشہ برتاؤ میں رکھے جاویں - خیال کرنا چاہیئے کہ جس آدمی کی رائے حقیقت میں اعتماد کے قابل ہے اُسکی وہ رائے اس قدر و منزلت کو کس وجہ سے پہونچی ہے - اسی وجہ سے پہونچی ہے کہ اُس نے ہمیشہ اپنی طبیعت پر اس بات کو گوارا رکھا ہے کہ اُس کی رائے پر نکتہ چینیاں کی جاویں اور اُس نے اپنا طریقہ یہ ٹھہرایا ہے کہ اپنے مخالف کی رائے کو ٹھنڈے دل سے سُننا اور اُسمیں جو کچھ درست اور واجب تھا اُس سے خود مستفید ہونا اور جو کچھ اُسمیں غلط اور ناواجب تھا اُسکو سمجھ لینا اور موقع پر اُس غلطی سے اَوروں کو بھی آگاہ کر دینا ایسا شخص گویا اس بات کو عملی طور پر تسلیم کرتا ہے کہ جس طریقہ سے انسان کسی معاملہ کے کل مدارج کو جان سکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اُسکی بابت ہر قسم کی رائے کے

لوگوں کی گفتگو کو سُننے اور جن جن طریقوں سے ہر سمجھ اور طریقہ اور طبیعت کے آدمی اُس معاملہ پر نظر کریں اُن سب طریقوں کو سوچے اور سمجھے۔ کسی دانا آدمی نے اپنی دانائی بجز اس طریقہ کے اَور کسی طرح پر حاصل نہیں کی۔ انسان کی عقل وفہم کا خاصہ یہی ہے کہ وہ اس طور کے سوا اَور کسی طور سے مہذب اور معقول ہو ہی نہیں سکتی اور صرف اس بات کی مستقل عادت کے سوا کہ اپنی رائے کو اَوروں کی رایوں سے مقابلہ کرکے اُس کی اصلاح وتکمیل کیا کرے اور کوئی بات اُسپر اعتماد کرنے کی وجہ متصور نہیں ہوسکتی اس لیئے کہ اس صورت میں اُس شخص نے لوگوں کی اُن تمام باتوں کو جو اُس کے برخلاف کہہ سکتے تھے بخوبی سُنا اور تمام معترضوں کے سامنے اپنی رائے کو ڈالا اور بعوض اس کے کہ مشکلاتوں اور اعتراضوں کو چھپاوے خود اُسنے جُستجو کی اور ہر طرف سے جو کچھ روشنی پہونچی اُسکو بند نہیں کیا تو ایسا شخص البتہ اس بات کے خیال کرنے کا استحقاق رکھتا ہے کہ میری رائے ایسے شخص یا اشخاص سے جنھوں نے اپنی رائے کو اس طرح پر پُختہ نہیں کیا بہتر وفایق ہے ؛

جس شخص کو اپنی رائے پر کسی قدر بھروسا کرنے کی خواہش ہو یا یہ خواہش رکھتا ہو کہ عام لوگ بھی اُسکو تسلیم کریں اُس کا طریقہ بجز اس کے اَور کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے کو عام مباحثہ اور ہر قسم لوگوں کو اعتراضوں کے لیئے حاضر کرے اگر نیوٹن صاحب کی حکمت اور ہئیت اور مسئلہ نقل پر بھی اعتراض اور حجت کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو دنیا اُسکی صحت اور صداقت پر ایسا پختہ یقین نہ کرسکتی جیسا کہ اب کرتی ہے کیا کچھ مخالفت ہے جو لوگوں نے اُس دانا حکیم کے ساتھ نہیں کی اور کونسی مذہبی لعن وطعن ہے جو اُس سچے اور سچی رائے رکھنے والے حکیم کو نہیں دیگئی مگر غور کرنا چاہیئے کہ اُس کا نتیجہ کیا ہوا۔ یہ ہوا کہ آج تمام دنیا کیا دانا اور کیا نادان کیا حکیم اور کیا متعصب اہل مذہب سب اُسی کو تسلیم کرتے ہیں اور اُسی کو سچ جانتے ہیں اور مذہبی عقائد سے بھی زیادہ اُسکی سچائی دلوں میں بیٹھی ہے بغیر آزادی رائے کے کسی چیز کی سچائی جہاں تک کہ اُسکی سچائی دریافت ہونی ممکن ہے دریافت نہیں ہوسکتی۔ جن اعتقادوں کو ہم نہایت جائز ودرست سمجھتے ہیں اُن کے جواز ودرستی کی اَور کوئی سند اور بنیاد بجز اس کے نہیں ہوسکتی کہ تمام دنیا کو اختیار دیا جاوے کہ وہ اُن کو بے بنیاد ثابت کریں۔ اگر وہ لوگ ایسا قصد نہ کریں یا کریں اور کامیاب نہ ہوں تو بھی ہم اُن پر یقین کامل رکھنے کے مجاز نہیں ہیں البتہ ایسی اجازت دینے سے ہمنے ایک ایسا نہایت عمدہ ثبوت اُن کی صحت کا حاصل کیا ہے

جو انسانوں کی عقل کی حالت موجودہ سے ممکن تھا کیونکہ ایسی حالت میں ہمنے کسی ایسی بات سے غفلت نہیں کی جس سے صحیح صحیح بات ہم تک نہ پہونچ سکتی ہو۔ اور اگر امر مذکورہ پر مباحثہ کی اجازت جاری رہے تو ہم اُمید کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی بات اُس سے بہتر اور سچ اور صحیح ہے تو وہ اُس وقت ہمکو حاصل ہو جاوے گی جبکہ انسانوں کی عقل و فہم اُس کے دریافت کرنے کے قابل ہوگی۔ اور اس اثنا میں ہم اس بات کا یقین کر سکتے ہیں کہ ہم راستی اور صداقت کے اس قدر قریب پہونچ گئے ہیں جس قدر کہ ہمارے زمانہ میں ممکن تھا۔ غرضکہ ایک خطا وار وجود جس کو انسان کہتے ہیں اگر کسی امر کی نسبت کسی قدر یقین حاصل کر سکتا ہے تو اُس کا یہی طریقہ ہے جو بیان ہوا اور مسلمانی مذہب کا جو ایک مشہور مسئلہ ہے کہ الحق یعلو ولا یعلی یہ اُسکی ایک ادنٰے تفسیر ہے ٭

مگر ایک بہت بڑا دھوکہ ہے جو انسانوں کو اور بعضی نیک گورنمنٹوں کو بھی آزادی رائے کے بند کرنے پر مائل کرتا ہے اور وہ مسئلہ سودمندی کا ہے جس کو غلط اور جھوٹا نام مصلحت عام کا دیا گیا ہے واللہ درمن قال۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔ اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ کسی رائے یا مسئلہ یا عقیدہ کی سچائی اور صحت پر بحث کرنے سے اس لئے ممانعت کی جاتی ہے کہ گو وہ فی نفسہ کیسا ہی ہو مگر اُس سے عام لوگوں کا پابند رہنا نہایت مفید اور باعث صلاح و فلاح عام لوگوں کا ہے اور فی زمانا ہندوستان میں اور خصوصاً مسلمانوں میں یہ رائے بکثرت رائج ہے بلکہ اس گناہ کے کام کو ایک نیک کام تصور کیا جاتا ہے اس رائے کا نتیجہ یہ ہے کہ مباحثہ اور رایوں کی آزادی کا بند کرنا اُس مسئلہ یا عقیدہ کی صحت اور سچائی پر منحصر نہیں ہے بلکہ زیادہ تر مفید عام ہونے پر منحصر ہے مگر افسوس ہے کہ ایسی رائے رکھنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ وہی دعوائے سابق یعنی اپنے آپ کو ناقابل سہو و خطا سمجھنے کا جس سے اُنھوں نے توبہ کی تھی پھر پھرا کر پھر قایم ہو جاتا ہے۔ صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ پہلے وہ دعوے ایک بات پر تھا اب وہی دعوے دوسری بات پر ہے۔ یعنی پہلے اُس اصل مسئلہ یا عقیدہ کے سچ ہونے پر تھا اور اب اُسکے مفید عام ہونے پر ہے حالانکہ یہ بات بھی کہ وہ مسئلہ یا عقیدہ مفید عام ہے اسی قدر بحث و مباحثہ کا محتاج ہے جس قدر کہ وہ اصل مسئلہ یا عقیدہ محتاج ہے ٭

ایسی رائے رکھنے والے اس غلطی پر ایک اور دوسری غلطی یہ کرتے ہیں جبکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمنے صرف اُسکی اصلیت اور سچائی پر بحث کی ممانعت کی ہے اُس کے مفید عام

ہونے کی بحث پر ممانعت نہیں کی اور یہ نہیں سمجھتے کہ رائے کی صداقت خود اُس کے مفید عام ہونے کا ایک جزو ہے ممکن نہیں کہ ہم کسی رائے کے مفید عام ہونے پر بغیر اُسکی صحت اور سچائی ثابت کیئے بحث کرسکیں - اگر ہم یہ بات جاننی چاہتے ہیں کہ آیا فلاں بات لوگوں کے حق میں مفید ہے یا نہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ اِس بات پر توجہ نہ کریں کہ آیا وہ بات سچ اور صحیح و درست بھی ہے یا نہیں - ادنیٰ اور اعلےٰ سب اِس بات کو قبول کریں گے کہ کوئی رائے یا مسئلہ یا اعتقاد جو صداقت اور راستی کے برخلاف ہے درحقیقت کسی کے لیئے مفید نہیں ہوسکتا ؛

یہ تمام مباحثہ جو ہم نے کیا ایسی صورت سے متعلق تھا کہ رائے مروجہ اور تسلیم شدہ کو ہم نے غلط اور اُس کے برخلاف رائے کو جس کا بند رکھنا لوگ چاہتے تھے صحیح و درست فرض کیا تھا - اب اِس کے برخلاف شق کو اختیار کرتے ہیں یعنی یہ فرض کرتے ہیں کہ رائے مروجہ اور تسلیم شدہ صحیح ہے اور اُس کے برخلاف رائے جس کا بند کرنا چاہتے ہیں غلط اور نادرست ہے اور اِس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اُس غلط رائے کا بھی بند کرنا خالی بُرائی اور نقصان سے نہیں ؛

ہر ایک شخص کو گو اُسکی رائے کیسی ہی زبردست اور مضبوط ہو اور وہ کیسی ہی مشکل اور نارضامندی سے اپنی رائے کے غلط ہونے کے امکان کو تسلیم کرے یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر اُس رائے پر بخوبی تمام اور نہایت بے باکی سے بے دھڑک مباحثہ نہیں ہوسکتا تو وہ ایک مردہ اور مردار رائے قرار دی جاوے گی نہ ایک زندہ اور سچی حقیقت اور وہ کبھی ایسی حق اور سچ بات قرار نہیں پاسکتی جس کا اثر ہمیشہ لوگوں کی طبیعتوں پر رہے ؛

گذشتہ اور حال کے زمانہ کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضی ظالم گورنمنٹوں نے بھی نہایت سچی اور صحیح بات کی رواج پر کوشش کی - الا اُن کے ظلم نے اُسپر آزادی سے مباحثہ کی اجازت نہیں دی - اور بہت سی ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ نیک اور تربیت یافتہ گورنمنٹ نے نہایت سچی اور صحیح بات کا رواج دینا چاہا اور لوگوں نے یا تو اِس خیال سے کہ ہمارے مباحثہ اور دلایل کو اُس رائے میں کچھ مداخلت نہیں ہے یا کوئی التفات نہیں کرتا از خود مباحثہ کو نہیں اُٹھایا یا اپنے وہمی خوف سے یا ارکین گورنمنٹ کی بدمزاجی کے ڈر سے یا انکی خلاف رائے کے کوئی بات نہ کہنی مصلحت وقت سمجھ کر یا یہ خیال کر کر کہ گورنمنٹ کسی کسی کے

برخلاف بحث کرنا خیرخواہی نہیں ہے مباحثہ کو ترک کردیا تو اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوا کہ اُس تجویز نے کسی کے دلوں میں مطلق اثر نہیں کیا اور ایک مردہ رائے سے زیادہ اور کچھ رتبہ لوگوں کے دلوں میں نہیں پایا ؛

یہ بات کہ سچی اور درست رائے بے مباحثہ و دلیل کے بھی طبیعتوں میں بیٹھ جاتی ہے اور گھر کرلیتی ہے ایک خوش اینند مگر غلط آواز ہے - دنیا کو دیکھو کہ گروہ کے گروہ ایک دوسرے کی متناقض رائے پر جمے ہوئے ہیں اور وہ متناقض رائیں اُن کے دلوں میں گھر کیئے ہوئے ہیں - پھر کیا وہ دونوں متناقض رائیں سچی اور صحیح ہیں - ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت سی باتیں بے سمجھے اور بغیر دلیل کے اور بغیر مباحثہ کے لوگوں کے دلوں میں گھر کرجاتی ہیں مگر اُن کا صحیح و درست ہونا ضرور نہیں سچ میں کوئی ایسی اعجازی کرامات نہیں ہے کہ وہ از خود دلوں میں بیٹھ جاوے - اُس میں جو کچھ کرامات ہے وہ صرف اسیقدر ہے کہ مباحثہ کا اُسکو خوف نہیں - سچ رائے بھی اگر بلا دلیل و مباحثہ دل میں گھر کرلے تو وہ سچی رائے نہیں کہلاویگی بلکہ تعصب اور جہل مرکب اُس کا مناسب نام ہوگا مگر ایسا طریقہ حق اور سچ بات کے قبول کرنے کا ایک ذیعقل مخلوق کے لیئے جیسا کہ انسان ہے شایاں نہیں اور نہ یہ طریقہ راستی و حق کے پہچاننے کا ہے بلکہ جو حق بات اس طرح پر قبول کی جاتی ہے وہ ایک خیال فاسد اور باطل ہے اور جن باتوں کو حق فرض کرلیا ہے اُن کا اتفاقیہ قبول کرلینا ہے ؛

نہایت سچ اور بالکل سچ تو یہ بات ہے کہ جس شخص نے جو رائے یا مذہب اختیار کیا ہے وُہی شخص اُس کا جوابدہ ہے - اُس رائے کے موجد یا اُس مذہب کے پیشوا اور معلم اور مجتہد کچھ اُس کے ذمہ دار نہیں ہیں مگر مسلمانوں نے اس آفتاب سے بھی زیادہ روشن مسئلہ سے آنکھ بند کرلی ہے اور رومن کیتھلک یعنی بت پرست عیسائیوں کا مسئلہ اختیار کیا ہے رومن کیتھلک مذہب میں اُن لوگوں کی جو اُس مذہب پر ایمان رکھتے ہیں دو فرقے قرار دیئے گئے ہیں - ایک تو وہ جو اُس مذہب کے مسائل کو بعد دلیل و ثبوت کے قبول کرنے کے مجاز ہیں اور دوسرے وہ جن کو صرف اعتماد اور بھروسے یعنی تقلید سے اُن کا قبول کرلینا چاہیئے - اسی قاعدہ کی پیروی سے مسلمانوں نے بھی اپنے مذہب میں دو فریق قائم کیئے ہیں - ایک وہ جنہوں نے مسئلہ مسلمہ کو بعد ثبوت و تحقیقات اور اقامت دلیل تسلیم کیا ہے اور اُن کا نام باختلاف درجات مجتہد مطلق اور مجتہد فی المذہب اور مرجح قرار دیا ہے - دوسرا وہ جن کو بے سمجھے بوجھے آنکھ بند کرکے اُن کی

پیروی کرنی چاہیئے اور اُن کا نام مقلد اور اُس فعل کا نام تقلید قرار دیا ہے اور اِس سبب سے مخالف رائے کی مزاحمت مسلمانوں میں بہت زیادہ پھیل گئی ہے اور وہ اسکی نسبت ایک نہایت عمدہ مگر ابلہ فریب تقریر کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ تمام انسانوں کو اُن تمام باتوں کا جاننا نہ ضرور ہے اور نہ ممکن ہے جن کو بڑے بڑے حکیم یا اہل معرفت اور عالم علوم دین جانتے اور سمجھتے ہیں اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہر ایک عام آدمی ایک ذکی اور دانشمند مخالف کی تمام غلط بیانیوں کو جاننے اور اُن کو غلط ثابت کرنے یا تردید کرنے اور غلط ثابت کرنے کے قابل ہو بلکہ صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اُن کے جواب دینے کے لائق ہمیشہ کوئی نہ کوئی موجود ہونگے جن کی بدولت مخالف کی کوئی بات بھی بلا تردید باقی نہ رہی ہوگی پس سیدھی سادی عقل کے آدمیوں کے لیئے یہی کافی ہے کہ اُن باتوں کی اصلیت سکھلا دی جاوے اور باقی وجوہات کی بابت وہ اَوروں کی سند پر بھروسا کریں اور جبکہ وہ خود اِس بات سے واقف ہیں کہ ہم اُن تمام مشکلات کے رفع دفع کرنے کے واسطے کافی علم اور پوری لیاقت نہیں رکھتے ہیں تو اِس بات کا یقین کر کر مطمئن ہوسکتے ہیں کہ جو جو مشکلات اور اعتراض برپا کیئے گئے ہیں وہ لوگ اُن سب کا جواب دے چکے ہیں یا آیندہ دیں گے جو بڑے بڑے عالم ہیں؛

اِس تقریر کو تسلیم کرنے کے بعد بھی رائے کی آزادی اور مخالف رائے کی مزاحمت سے جو نقصان ہیں اُس میں کچھ نقصان نہیں لازم آتا کیونکہ اِس تقریر کے بموجب بھی یہ بات قرار پاتی ہے کہ آدمیوں کو اِس بات کا معقول یقین ہونا چاہیئے کہ تمام اعتراضوں کا جواب حسب اطمینان دیا گیا ہے اور یہ یقین جب ہی ہوسکتا ہے جب کہ اُسپر بحث و مباحثہ کرنے کی آزادی ہو اور مخالفوں کو اجازت ہو کہ تمام اپنی وجوہات کو جو اُس کے مخالف رکھتے ہیں بیان کریں اور اُس مسئلہ کو غلط ثابت کرنے میں کوئی کوشش باقی نہ چھوڑیں؛

اگر تقلید کی گرم بازاری کا جیسیکہ آجکل ہے اور آزادانہ مباحثہ کی مزاحمت و عدم موجودگی کا نقصان اور بد اثر درصورتیکہ تسلیم شدہ مسئلہ یا قرار دادہ رائیں صحیح ہوں اسی قدر ہو تا کہ اُس مسئلہ یا اُن رایوں کی وجوہات معلوم نہیں ہیں تو یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ گو وہ مزاحمت عقل و فہم کے حق میں مضر ہے مگر اخلاق کو تو اُس سے کچھ مضرت نہیں پہونچتی اور نہ اُس مسئلہ کی یا رایوں کی اُس قدر و منزلت میں کہ اُن سے نہایت عمدہ اثر لوگوں کی خصلتوں پر ہوتا ہے کچھ نقصان ہے مگر یہ بات نہیں ہے بلکہ اُس سے بہت بڑھ کر نقصان پہونچتا ہے حقیقت یہ ہے کہ مباحثہ اور

آزادی رائے کی عدم موجودگی میں صرف مسئلہ یا رایوں کی وجوہات ہی کو لوگ نہیں بھول جاتے
بلکہ اکثر اُس مسئلہ یا رائے کے معنی اور مقصود کو بھی بھول جاتے ہیں چنانچہ جن لفظوں میں
وہ مسئلہ یا رائے بیان کی گئی ہے اُن سے کسی رائے یا خیال کا قایم کرنا تک موقوف ہوجاتا
ہے یا جو جو باتیں اُن لفظوں سے ابتدا میں مراد رکھی گئیں تھیں اُن میں سے بہت تھوڑی
ہی معلوم رہجاتی ہیں اور بعوض اس کے کہ اُس مسئلہ یا رائے کا اعتقاد ہر دم تروتازہ اور زندہ
یعنی موثر رہے اُس کے صرف چند ادھورے کلمے حافظ کی بدولت باقی رہجاتے ہیں اور
اگر اُس کی مراد اور معنی بھی کچھ باقی رہتے ہیں تو صرف اُن کا پوست ہی باقی رہتا ہے
اور مغز و اصلیت نابود ہوجاتی ہے۔ اب ذرا انصاف سے مسلمانوں کو اپنا حال دیکھنا چاہیے
کہ تمام علوم معقول و منقول میں اسی مزاحمت رائے یا تقلید کی بدولت اُن کا درحقیقت
ایسا ہی حال ہوگیا ہے یا نہیں ؛

اس زمانہ تک جس قدر کہ انسانوں کو تمام مذہبی عقاید اور اخلاقی امور اور علمی مسائل میں تجربہ
ہوا ہے اُس سے امر مذکورہ بالا کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ کسی
مذہب یا علم یا رائے کے موجد تھے اُن کے زمانہ میں اور اُن کے خاص مریدوں یا شاگردوں
کے دلوں میں تو وہ عقاید یا مسایل طرح طرح کے معنیوں اور مرادوں اور خوبیوں سے بھرپور
تھے اور اُس کا سبب یہی تھا کہ اُن میں اور اُن کے مخالف رائے والوں میں اس غرض سے
بحث و حجت رہتی تھی کہ ایک کو دوسرے کے عقیدہ اور مسئلہ پر غلبہ اور فوقیت حاصل ہو
مگر جب اُسکو کامیابی ہوئی اور بہت لوگوں نے اُس کو مان لیا اور بحث اور حجت بند ہوگئی
تو اُس کی ترقی بھی ٹھہر گئی اور وہ اثر جو دلوں میں تھا اُس میں بھی جان یعنی حرکت اور جنبش
نہیں رہی ایسی حالت میں خود اُس کے حامیوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ مثل سابق کے اپنے
مخالفوں کے مقابلہ پر آمادہ نہیں رہتے اور جیسے کہ اُس عقیدہ یا مسئلہ کی پہلے حفاظت کرتے
تھے ویسی اب نہیں کرتے بلکہ نہایت جھوٹے غرور اور بیجا استغنا سے سکون اختیار کرتے
ہیں اور حتی الامکان اُس عقیدہ اور مسئلہ کے برخلاف کوئی دلیل نہیں سُنتے اور اپنے گروہ کے
لوگوں کو بھی کُفر کے فتووں کے ڈراوے سے اور جہنم میں جانے کی جھوٹی دہشت دکھانے
سے سُننے سے اور اُسپر بحث کرنے سے جہاں تک ہوسکتا ہے باز رکھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ
کہیں علموں کی روشنی جو آفتاب کی روشنی کی طرح پھیلتی ہے اور اعتراضوں کی ہوا اگر وہ

صحیح ہوں توکیا اُن کے روکے رُک سکتی ہے اور جب یہ نوبت پہونچ جاتی ہے تو اُس عقیدہ
یا مسئلہ کا جن کو اُن کے پیشواؤں نے نہایت محنتوں سے قایم کیا تھا زوال شروع ہوتا ہے
اُس وقت تمام معلم اور مقدس لوگ جو اُس کمبخت زمانہ کے پیشوا گنے جاتے ہیں اِس بات کی
شکایت کرتے ہیں کہ معتقدوں کے دلوں میں اُن عقیدوں کا جن کو اُنھوں نے برائے نام
قبول کیا ہے کُچھ بھی اثر نہیں پاتے اور باوجودیکہ وہ ظاہر میں اُن عقیدوں اور مسئلوں کو قبول
کرتے ہیں مگر اُن کا ایسا اثر کہ اُن کے معتقدوں کا چال چلن اور اخلاق اور عادت اور معاشرت
بھی اُن عقیدوں اور مسئلوں کے مطابق ہو مطلق نہیں پاتے۔ مگر افسوس اور نہایت
افسوس کہ وہ معلم اور مقدس لوگ اتنا خیال نہیں فرماتے کہ یہ حال جو ہوا ہے جس کی وہ شکایت
کرتے ہیں اُنہی کی عنایت و مہربانی کا تو نتیجہ ہے اب میں صاف کہتا ہوں اور نہایت بے دھڑک
کہتا ہوں کہ یہ جو کچھ میں نے بیان کیا اس زمانہ کے مُسلمانوں کے حال کا ٹھیک ٹھیک
آئینہ ہے ؛

اب اِس حالت کے برخلاف حالت کو خیال کرو یعنی جبکہ آزادی رائے کی قایم رہتی
ہے جس کے ساتھ مباحثہ کا بھی قایم رہنا لازم و ملزوم ہوتا ہے اور ہر ایک حامی کسی عقیدہ
یا علمی مسئلہ کا اپنے عقیدہ یا مسئلہ کی وجوہ کو قایم اور غالب رہنے پر بحث کرتا رہتا ہے۔ تو
اُس وقت عام لوگ بھی اور سست عقیدہ والے بھی اِس بات کو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ
ہم کس بات پر لڑ بھڑ رہے ہیں اور ہمارے عقیدہ اور مسئلہ میں اور دوسروں کے عقیدہ اور مسئلہ
میں کیا تفاوت ہے اور ایسی حالت میں ہزاروں ایسے آدمی پائے جاویں گے جنھوں نے اُس
عقیدہ یا مسئلہ کے اصول کو بخوبی خیال کیا ہوگا اور ہر ڈھنگ و طریقہ سے اُسکو خوب سمجھ بوجھ
لیا ہوگا اور اُس کے عُمدہ عُمدہ پہلوؤں کو بخوبی جانچ اور تول لیا ہوگا اور اُن کے اخلاق اور
اُن کی عادت اور خصلت پر اُس کا ایسا پورا پورا اثر ہوگا کہ جیسا کہ ایسے شخص کی طبیعت پر ہونا
ممکن ہے جس میں وہ عقیدہ یا مسئلہ بخوبی رچ بس گیا ہو۔ مگر جبکہ وہ عقیدہ ایک موروثی اعتقاد
ہوجاتا ہے اور لوگ باپ دادا یا اُستاد پیر کی رسم متبرک کے طور پر قبول کرتے ہیں تو وہ تصدیق
قلبی نہیں ہوتی طبیعت اُسکو مردہ دلی سے قبول کرتی ہے اور اِس لیئے طبیعت کا میلان
اُس عقیدہ اور مسئلہ کے بھلادینے پر ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ عقیدہ یا مسئلہ انسان کے
باطن سے بے تعلق ہوجاتا ہے اور صرف اوپر ہی اوپر رہ جاتا ہے اور تمام اخلاق اور عادات

اُس کے برخلاف ہوتے ہیں اور ایسے ایسے حالات پیش آتے ہیں جیسے کہ اس زمانہ میں اکثر پیش ہوتے رہتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عقیدہ یا مسئلہ طبیعت کے باہر باہر رہتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ دل میں گھر کرے باہر ہی باہر ایسے خراب اور کانٹے دار پوست کی مانند لپٹا ہوا ہے جس کے سبب وہ باتیں ظہور میں نہیں آتیں جو انسان کے عُمدہ عُمدہ اوصاف روحانی سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ اُس سے اس قسم کی قوت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے کانٹے دار جھوڑ کے درخت کی باڑ سے ہوتی ہے کہ وہ نہ خود اُس گھیری ہوئی زمین کو کچھ فائدہ دیتا ہے اور نہ اَوروں کو گُل پھول لیجاکر اُسمیں لگانے دیتا ہے اور بجز اس کے کہ دل کی زمین کو ہمیشہ خالی اور ویران اور بیکار پڑا رہنے دے اَور کچھ نہیں کرتا۔

جو بات بیان ہوئی اُس کی صحت ہر ایک مذہب والا اپنے حال پر غور کرنے سے بخوبی جان سکتا ہے ہر ایک مذہب والا اپنے مذہب میں کسی نہ کسی کتاب کو مقدس سمجھتا ہے اور بطور قانون مذہب کے تسلیم کرتا ہے مگر با اینہمہ یہ بات کہتی کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ شاید ہزاروں میں سے ایک اپنی چال چلن کی جانچ اور اس کے بُرے بھلے ہونے کی آزمایش اُس مقدس تسلیم شُدہ قانون کے بموجب کرتا ہو بلکہ جس چیز کی سند اور پابندی پر وہ کام کرتے ہیں وہ صرف اپنی قوم یا فرقے یا مذہبی گروہ کا رسم و رواج ہوتا ہے نہ اَور کچھ۔ پس حقیقت میں یہ حال ہوتا ہے کہ اکثر وقت تو وہ اخلاقی مسائل کا مجموعہ ہوتا ہے جس کی نسبت وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اُن کی زندگی کے عملدرآمد کے لئے خدا نے بنایا ہے یا کم سے کم کسی نہایت نیک اور دانا عاقل ناقابل سہو خطا شخص نے بنایا ہے اور دوسری طرف اُن رسم و رواج اور معتقد رایوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو اُس قوم یا فرقہ یا گروہ میں مروج ہوتی ہیں اور اس پچھلے مجموعہ کی بعض باتیں اُس پہلے مجموعہ کے بالکل مطابق ہوتی ہیں اور بعض کچھ مطابق اور بعض بالکل برخلاف اور مذہب پر اعتقاد رکھنے والے اُس پہلے مجموعہ کی زبانی تصدیق تو بلاشبہ کرتے ہیں اِلّا اصلی اطاعت اور رفاقت اور پابندی اُس پچھلے مجموعہ کی کرتے ہیں جس پر روزمرہ اُن کا عمل ہوتا ہے اور جس کا ترک کرنا یا اسکے برخلاف کوئی کام کرنا نہایت ننگ و عار جانتے ہیں۔ پس یہ بیقدری جو اُس پہلے مجموعہ کے مسائل کی ہوگئی جس کو وہ خدا کا بتایا ہوا جانتے تھے اسی بات سے ہوگئی کہ اُس کے مسائل اور اصول پر مباحثہ برپا ہوگیا اور اس سبب انسان کے چال چلن سے بے تعلق ہوگیا اور بجائے زندہ عقیدہ کے بے صرف بطور مُردہ عقیدہ کے لوگوں کے خیال میں رہ گیا۔

اس تعبیر پر جو بہت بڑا اور نہایت سخت اعتراض وارد ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ صحیح اور درست علم یا تجربہ حاصل کرنے کے لیئے کیا یہ بات ضرور ہے کہ کبھی رایوں میں اتفاق نہ ہو بلکہ ضرور ہے کہ چند آدمی غلطی پر مصر رہیں تاکہ مباحثہ قایم رہے اور اَور لوگ اُن کی بدولت حق بات حاصل کر سکیں کیا دنیا میں غلطیوں کا موجود رہنا صحیح رایوں کے حاصل کرنے کے لیئے لابُد ہے جبکہ کسی عقیدہ یا علمی مسئلہ کو عموماً تسلیم کر لیا جاوے تو کیا اُسکی حقیقت بدل جاتی ہے اور اُسکی تاثیر جاتی رہتی ہے اور کیا کسی مسئلہ یا عقیدہ کا اُس وقت تک اثر نہیں ہوتا یا لوگ اُسکو بخوبی نہیں سمجھتے جب تک کہ کوئی اُسپر شبہ نہ کرتا رہے جبکہ انسان کسی حق بات کو بالاتفاق قبول کر لیتے ہیں تو کیا اسکی حقانیت معلوم ہو جاتی ہے - اب تک یہ خیال کیا گیا ہے کہ علم اور عقل کی ترقی کا عمدہ مقصد اور اعلےٰ نتیجہ یہ ہے کہ تمام انسان اچھی اچھی اور عمدہ عمدہ باتوں میں متفق الرائے ہو ویں اور وہ اتفاق رائے روز بروز زیادہ بڑھتا جاوے پھر کیا علم اور عقل اُس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ اُس کا مقصد اور اُس کا نتیجہ حاصل نہ ہو یہ تو سُنا گیا تھا کہ ہر بات کا کمال اُس کے مقصد اور نتیجہ کا حاصل ہونا ہے مگر یہ نہیں سُنا تھا کہ مقصد اور نتیجہ کا حاصل ہونا ہی اُسکا زوال ہے +

مگر میرا مقصد یہ نہیں ہے جو اس اعتراض میں بیان ہوا - میں قبول کرتا ہوں کہ بلا شبہ جس قدر انسانوں کی ترقی اور تہذیب ہوگی اُسی قدر مختلف فیہ رایئں اور مسئلے اور عقیدے گھٹتے جاویں گے بلکہ آدمیوں کی بہبودی اور بھلائی کا اندازہ بالتخصیص اُنہی حقایق کی تعداد اور مقدار سے ہو سکتا ہے جو غیر متنازعہ فیہ یا حقایق محققہ کے مرتبہ کو پہونچ جاتی ہیں اور اُس کے استحکام کے لیئے انسانوں کی رایوں کا اجماع اور اتفاق ضروری شرطوں میں سے ہے اور وہ اجماع اور اتفاق جیسا کہ غلط رائے پر ہونا نہایت مضر ہے ویسا ہی صحیح رائے پر ہونا نہایت مفید ہے مگر جبکہ ہمکو غلط رایوں پر بھی اجماع اور اتفاق ہو جانے کا اندیشہ ہے تو ہمکو اُس سے بچنے کی فکر و تدبیر سے غافل رہنا نہیں چاہیئے اور وہ تدبیر یہی ہے کہ آزادی رائے اور مباحثہ جاری رہے اگر اس تدبیر کے قایم رہنے کا بسبب عموماً تسلیم ہو جانے اُس مسئلہ یا عقیدہ کے موقع نہ رہے تو ہمکو اُسکی جگہ کوئی اَور تدبیر قایم کرنی چاہیئے - سقراط نے اسی تدبیر کے لیئے فرضی مباحثہ کا طریقہ ایجاد کیا تھا جسکو افلاطون نے نہایت خوبی سے اپنے سوال و جواب میں بیان کیا ہے +

مگر افسوس ہاور ہزار افسوس کہ اس زمانہ کے مسلمانوں نے بجائے اس کے کہ اس تدبیر کے قایم رکھنے کا کوئی طریقہ ایجاد کریں اُن تدبیروں کو بھی ضایع کر دیا جو سابق میں ایجاد ہوئی تھیں۔ مسلمانوں میں ہر ایک علم کی تحصیل کا مدت سے یہ حال رہ گیا ہے کہ سب کے سب کیا قصہ اور کہانی کی کتابوں کو اور کیا تاریخ اور واقعات گذشتہ کے روزنامچوں کو اور کیا ٹوٹے پھوٹے اگلے زمانہ کے جغرافیہ کو اور کیا لولی لنجی انسان کے بدن کی تشریح کو اور کیا دقیانوسی بطلیموسی ہیئت اور قدیم ریاضی کو اور کیا انسانوں کے اجتہادیات مسایل دینی کو جس کو علم فقہ کہا جاتا ہے اور کیا علم حدیث اور تفسیر کو اس ارادہ سے مطلق نہیں پڑھتے کہ ہمکو اُسکی اصلیت اور حقیقت معلوم ہو بلکہ صرف یہ ارادہ ہوتا ہے کہ جو کچھ اُس کتاب میں لکھا ہے خواہ غلط خواہ صحیح وہ ہم جان لیں۔ اگر مباحثہ کیا جاوے تو نہ اس بات پر کہ وہ اصول جو اُس کتاب میں لکھے ہیں صحیح ہیں یا غلط۔ بلکہ اس بات پر کہ اس کتاب میں یہی بات لکھی ہے یا نہیں۔ اس طریقہ اور عادت نے آزادی رائے کو کھو دیا اور اُس سپر کو جس سے غلطی میں پڑنے سے حفاظت تھی توڑ دیا۔ اُن کے تمام علم و فضل غارت ہو گئے۔ اُن کے باپ دادا کی کمائی جس سے توقع تھی کہ اُن کی اولاد فایدہ اُٹھاوے گی سب ڈوب گئی۔ اب جو بڑے بڑے عالم فقیہ اور دانا رہ گئے ہیں اُن کا یہ حال ہے کہ کسی چیز کی حقیقت سے کیا مسائل علمی اور کیا عقاید مذہبی میں کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتے۔ جس شخص سے کسی بات کی حقیقت پوچھو اگر وہ بڑا ہی عالم ہے تو بجز اسکے کہ فلاں شخص نے یہ لکھا ہے اور کچھ نہیں بتا سکتا۔ تمام علوم کا مزہ اور تمام عقیدوں کا اثر دل سے جاتا رہا۔ پس آزادی رائے کے قایم نہ رہنے کے یہ عمدہ اثر ہیں جن کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ؛

آزادی رائے کے غیر مفید ہونے کے ثبوت میں یہ بات اکثر پیش کی جاتی ہے کہ آزادی رائے سے جس کے ساتھ مباحثہ لازم و ملزوم ہے کسی رائے کے حق یا ہیچ ہونیکا فیصلہ ممکن نہیں بلکہ ہر ایک فریق کو اپنی اپنی رائے پر اَور زیادہ پختگی اور اصرار ہو جاتا ہے۔ مَیں بھی اس بات کا اقرار کرتا ہوں اور اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ درحقیقت تمام رایوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہ خاص خاص فرقوں کی رائیں ہو جاتی ہیں۔ بحث و مباحثہ کی کمال آزادی سے بھی اُس کا کچھ تدارک نہیں ہو سکتا بلکہ اُس سے اَور زیادتی ہوتی جاتی ہے اور حق کی کیفیت ہو جاتی ہے کہ بعوض اس کے کہ لوگ اُسکو سمجھیں اور بوجھیں اس وجہ سے اُسکو نہیں سوچتے سمجھتے بلکہ بے سوچے اور سمجھے

نہایت زور شور سے رد کرتے ہیں کہ وہ ایسے لوگوں کا قول ہے جن کو وہ اپنا مخالف جانتے ہیں یا اُن سے نفرت رکھتے ہیں۔ مگر یہ بھی خوب جان لینا چاہیئے کہ آپس میں رایوں کے اختلاف اور مباحثہ سے اُنہی متعصب گروہوں کو جن کے باہم بحث ہوتی ہے چنداں فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اُسکا عُمدہ اور مفید اثر اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو اُس کے دیکھنے سُننے والے ہیں اور جن کی طبیعتوں میں وہ جذبہ و حرارت اور خود غرضی اور طرفداری نہیں ہوتی جیسیکہ اُن مخالف فرقوں کے حامیوں میں ہوتی ہے اور جبکہ رفتہ رفتہ اُن متعصبوں کی بھی حرارت کم ہوجاتی ہے تو جو حق بات ہے وہ اُس کے صحیح ہونے کا اقرار اپنے دل میں یا اپنے خاص دوستوں میں چُپکے چُپکے کرنے لگتے ہیں گو کہ علانیہ کبھی اُس کا اقرار نہ کریں ؛

سچ بات پر سخت سے سخت نزاع کا ہونا کچھ بُرائی یا نقصان کی بات نہیں بلکہ اُس کا انسداد بہت بڑے نقصان کی بات ہے جبکہ لوگ طرفین کے دلائل سُننے پر مجبور رہتے ہیں تو ہمیشہ انصاف کی اُمید ہوتی ہے۔ مگر جبکہ وہ صرف یکطرفہ بات سُنتے ہیں تو اُس صورت میں غلطیاں سختی پکڑ کر تعصب بن جاتی ہیں اور سچ میں بھی سچ کا اثر اس لیئے باقی نہیں رہتا کہ اُس میں مبالغہ ہوتے ہوتے وہ خود ایک جھوٹ بن جاتا ہے۔ انصاف کی قوت جو انسان میں ہے وہ اُسی وقت بخوبی کام میں آتی ہے کہ ہر ایک معاملہ کے دونوں پہلوؤں کے حامی اور معاون تصفیہ کے وقت روبرو موجود ہوں اور وہ دونوں ایسے زبردست ہوں کہ اپنے اپنے دلائل اور وجوہات کی سماعت پر لوگوں کو گویا مجبور کر دیں اور سوائے اِسکے اَور کوئی صورت حق کے حاصل کرنے کی نہیں ہے ؛

رائے کی آزادی پر ایک اَور چیز جسکو لوگ سند کہتے ہیں کبھی کبھی مزاحمت پہونچاتی ہے۔ یہ اکثر ہوتا ہے کہ بحث کرنیوالے اپنی اپنی تقریر کی تائید میں کسی مشہور شخص کے قول کی سند لاتے ہیں حالانکہ کسی شخص کی سند پر اپنی رائے کو منحصر رکھنا خود آزادی رائے کے برخلاف چلنا ہے۔ اگر ہم کسی کے قول کو صحیح اور سچ سمجھتے ہیں تو اُس کے قول کو پیش کرنا کچھ مفید نہیں ہے بلکہ ہمکو وہ دلیلیں پیش کرنی چاہئیں جن سے اُس قول کو ہمنے صحیح مانا ہے۔ اگر سقراط و بقراط نے کوئی ایسی بات کہی ہے جو درحقیقت صحیح نہیں ہے تو وہ اُن کے کہنے سے صحیح نہیں ہو جانے کی اور اگر کسی جاہل نے کوئی صحیح بات کہی ہے تو وہ اِس لیئے کہ کسی جاہل نے کہی ہے غلط نہیں ہو جانے کی کیا عُمدہ مسئلہ ہے جس پر ہر انسان کو عمل کرنا چاہیئے مگر افسوس کہ اُس پر نہایت کم عمل ہوتا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے

فانظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال

ولله در من قال

مرد باید کہ گیرد اندر گوش

ور نوشت است پند بر دیوار

خیر دایم

غالباً تمام دنیا اِس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ نیکی بلاشبہ نیک ہے اور اِس لیئے اِس بات کا ماننا بھی لازم آتا ہے کہ ہمیشہ رہنے والی نیکی سب نیکیوں سے افضل و اعلےٰ نیکی ہو۔ انسانوں میں نیک وُہی ہوگا جس نے بہت سی نیکیاں کی ہوں گی۔ مگر سب سے زیادہ نیک وُہی ہوگا جس نے ایسی نیکیاں کی ہوں جو سب نیکیوں سے افضل اور اعلےٰ ہوں۔

مُسلمانوں کے عقاید کے مطابق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نیک ترین بندگان خدا ہیں اور اِس لیئے ضرور ہے کہ وہ ایسی نیکیوں کے منبع یا مخزن ہوں جو تمام نیکیوں سے اعلےٰ اور افضل ہوں ورنہ ترجیح بلا مرجح ہوگی۔ اِس لیئے ہر ایک انسان کو ایسی نیکی کی جو ہمیشہ رہنے والی ہے تلاش اور تجسس لازم ہے۔

بعضوں نے پُل اور مسجد۔ چاہ و مہمان سرائے چند روزہ رہنے والی چیزوں کو خیر دایم سمجھا مگر بہت بڑی غلطی کی کیونکہ یہ تمام چیزیں ادنیٰ حوادث سے فنا اور معدوم ہونے والی ہیں اب کہاں ہے وہ چاہ یوسفؑ اور کہاں ہے وہ مسجد اقصیٰ۔ سب معدوم ہوگئیں اور اسی طرح ہزاروں بنیں گی اور معدوم ہونگی۔

نہایت فہمیدہ اور دقیقہ رس لوگوں نے خیر و خیرات میں زہد و تقوےٰ اور عبادت کو خیر دایم خیال کیا۔ مگر اسکی صحت بھی مُشتبہ ہے۔ تمام اعمال حسنہ آنکھ موندی اور منقطع ہوئے۔ جبکہ انسان موت کی خواب راحت میں استراحت فرماتا ہے تو تمام اعمال حسنہ کا انقطاع ہو جاتا ہے۔ زاہد کی تسبیح ہمہ تن دانہ اشک بن کر روتی ہے کہ وہ کیا ہوا جو مجھ کو شمار وظائف سے زندہ رکھتا تھا مصلےٰ محراب مسجد میں چپت پڑا ہائے ہائے کرتا ہے کہ وہ کہاں ہے جو اپنی پیشانی سے مجھ میں جان تازہ بخشتا تھا۔ منبر فراق واعظ سے دل شکستہ ہے کہ میرا واعظ کہاں ہے۔ ملائکہ مقربین جو اُس کے ذکر و شغل کی مجلس کی خیر و برکت لینے کو آتے تھے اُس کی تلاش میں سرگردان ہیں اور

بیکشت خاک ہزاروں میں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں نہ اپنی کچھ کہتے ہیں اور نہ کسی کی سُنتے ہیں صرف زبان حال اُن میں باقی ہے سو وہ یہ کہتی ہے کہ جو ہونا تھا سو ہولیا اور جو کرنا تھا سو کرلیا؞

غرضکہ ہر ایک قسم کی نیکی کو جب خیال کروگے تو وہ اُسی شخص کی ذات پر منحصر ہوگی اور اُسکی فنا کے ساتھ ہی منقطع ہوگی اِس لیئے زہد و تقویٰ ۔عبادت و سخاوت خیر دایم نہیں ہوسکتی؞

اگر غور سے دیکھا جاوے اور ٹھیک ٹھیک سمجھا جاوے تو بجز رفاہ عام اور انسان کی بھلائی چاہنے کے اَور کوئی نیکی خیر دایم نہیں ہے انسان کی بھلائی نہ نیکی کرنے والے کی موت سے ختم ہوتی ہے اور نہ اُس زمانہ کے انسانوں کے فنا ہونے سے فنا ہوتی ہے بلکہ نسل در نسل اور پشت در پشت آیندہ انسانوں میں چلی آتی ہے اور قیام دنیا تک دایم رہتی ہے اور اِس لیئے صرف وہی ایک نیکی ہے جسکو خیر دایم کہہ سکتے ہیں؞

یہی نکتہ تھا جس کے سبب خدا تعالےٰ نے انسان کی بھلائی چاہنے کی خدمت انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دی تاکہ بزرگترین بندگان خدا نیک ترین نیکیوں کے منبع اور مخزن ہوں اور خیر دایم اُن سے باقی رہے پس انسان کی بھلائی میں سعی کرنا انبیا کا ورثہ لینا ہے اور تمام نیکیوں میں سے افضل اور اعلےٰ نیکی کا اختیار کرنا۔پس فلاح عام کے کاموں کو عبادات دینی میں سے نہ سمجھنا اور صرف نوافل اور مندوبات اور تسبیح اور تہلیل ہی کو عبادت سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے؞

یہ خیر دایم جس کا مَیں نے ابھی ذکر کیا اَور بھی زیادہ نیک تو اُسوقت ہو جاتی ہے جبکہ اُسکی ضرورت ہو اور مَیں سمجھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں اور بالتخصیص مُسلمانوں کے لیئے اِسکی بہت ضرورت ہے اور اِس لیئے میری خواہش مُسلمانوں سے یہ ہے کہ وہ صرف تسبیح و تہلیل و زہد و تقویٰ ہی پر تکیہ نفرماویں اور صرف ادائے زکوٰۃ و قضائے دیون ہی پر اقتصار نہ کریں بلکہ تھوڑا سا وقت اور دو چار درم رفاہ و فلاح حال مُسلمانان کے لیئے بھی نکالیں اور خیر دائم کی نیکی کو بھی حاصل کریں کہ صرف یہی ایک نیکی ہے جو ہمیشہ رہے گی؞

کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیئے

جب کہ ہم کسی قوم کو تہذیب کی طرف مائل کرتے ہیں تو ہمکو ضرور ہے کہ ہم یہ بھی بتادیں کہ اُس قوم کو کن کن چیزوں میں تہذیب کرنی چاہیئے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے جو حالات ہیں اُن کے لحاظ سے ہمارے خیال میں آتا ہے کہ مفصلہ ذیل چیزیں ہیں جن کی تہذیب پر اُن کو متوجہ ہونا چاہیئے ۰

اوّل۔ آزادی رائے۔ مسلمانوں کی رائے اور اُن کے خیالات ہر ایک امر میں تقلید کرتے کرتے اور رسومات کے پابند رہتے رہتے ایسے پست اور پامال ہوگئے ہیں جس کے سبب کسی قسم کی ترقی کی تحریک اُن میں نہیں ہوتی۔ پس جب تک کہ رائے کی آزادی اُن میں پیدا نہ ہوگی اُس وقت تک اُن میں تہذیب نہیں آنے کی ۰

دوم۔ درستی عقاید مذہبی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے عقاید مذہبی جو اُن کی کتابوں میں لکھے ہیں وہ اَور ہیں اور جو اُن کے دلوں میں ہیں اور جن کا اُن کو یقین بیٹھا ہوا ہے وہ اَور ہیں ہزاروں عقاید شرکیہ اُن کے دلوں میں ہیں پس اُن کی تہذیب کرنا اور اپنے عقائد کو ہیئت اسلام کے مطابق کرنا اور اسی پر یقین رکھنا تہذیب و شایستگی حاصل کرنے کی اصل جڑ ہے ۰

سوئم۔ خیالات و افعال مذہبی۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں صدہا خیال اور توہمات ایسے موجود ہیں جن کو وہ عمدہ افعال مذہبی سمجھ کر ادا کرتے ہیں حالانکہ اُن کو مذہب اسلام سے کچھ علاقہ نہیں ہے یا تو وہ خود بدعت ہیں یا رسومات و خیالات کفر و شرک ہیں جو باعث ہمارے نامہذب ہونے کے ہیں۔ پس ہمکو مہذب ہونے کے لیئے اُن کی تہذیب درکار ہے ۰

چہارم۔ تدقیق بعض مسایل مذہبی۔ ہمارے مذہب کے بعض صحیح اور اصلی مسایل ایسے ہیں جن کی پوری پوری تحقیق و تدقیق اب تک نہیں ہوئی اور اگرچہ وہ مسایل فی نفسہ صحیح و درست ہیں الا بیان واضح اور تحقیق کامل نہ ہونے کے سبب علوم عقلیہ کے برخلاف اور تہذیب و شایستگی کے مخالف معلوم ہوتے ہیں پس ہمکو اُن کی تشریح و تفسیر میں تہذیب کرنی چاہیئے ۰

پنجم۔ تصحیح بعض مسایل مذہبی ۔ ہم کچھ شک نہیں کرتے کہ بعض مسایل ایسے بھی ہیں یا یوں کہو کہ بعض ایسے مسایل کا ہونا ممکن ہے جن میں متقدمین نے غلطی کی ہو پس اُن کو بحث میں لانا اور ایک امر منقح ٹھہرانا ہمارے لیئے ضرور ہے ؛

اِن تمام چیزوں کو جو مذہب سے متعلق ہیں ہمنے تہذیب وشایستگی میں اِس لیئے داخل کیا ہے کہ قوم کے مہذب ہونے پر مذہب کا بڑا اثر ہوتا ہے پس جس قدر جس قوم کے مذہب میں نقص ہے اُتنا ہی اُسکی پوری تہذیب میں نقصان ہے ؛

ششم۔ تعلیم اطفال ۔ مذہب کے بعد جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے وہ تعلیم ہے۔ ہمکو زمانہ گزشتہ اور حال پر نظر کر کر ایک ایسا طریقہ تعلیم معین کرنا چاہیئے جس سے علوم دینی اور دنیوی دونوں قسم کی تعلیم کا اعلےٰ درجہ تک ہمکو قابو ملے ؛

ہفتم۔ سامان تعلیم ۔ ہمارے لیئے صرف طریقہ تعلیم معین کرنا ہی کافی نہوگا بلکہ اُسکی مدد اور مجموعی ہمت اور فیاضی سے اُس کا سامان بھی مہیا کر دینا ضرور ہوگا ؛

ہشتم۔ عورتوں کی تعلیم کچھ شبہ نہیں ہے کہ قومی تہذیب وشایستگی کے لیئے عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضرور ہے۔ پس ہمکو لڑکیوں کی تعلیم کے لیئے اور اُن کو دستکاری سکھلانے کے لیئے کوئی عُمدہ بندوبست کرنا چاہیئے ؛

نہم۔ ہنر وفن وحرفہ ۔ اپنی قوم میں ہر قسم کے ہُنر اور صنعت اور فن وحرفہ کو پھیلانا و ترقی دینا قومی تہذیب کے لیئے ایک بہت بڑا جزو ہے ؛

یہ تمام باتیں وہ تھیں جو مجموعاً و منفرداً ہر شخص سے اور کل قوم سے علاقہ رکھتی تھیں اب اُن باتوں کا ذکر کرتے ہیں جو ہر ایک شخص کی ذات سے علاقہ رکھتی ہیں۔ مگر اُن کا اثر کُل قوم پر ہوتا ہے اور ہر ایک میں اُن باتوں کے ہونے سے قومی تہذیب وشایستگی قرار پاتی ہے ؛

دہم۔ خودغرضی ۔ سب سے بڑا عیب ہم میں خودغرضی کا ہے اور یہی مقدم سبب قومی ذلت اور نامہذب ہونے کا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو ضرور ہے کہ رفاہ عام کا جوش دل میں پیدا کریں اور یقین جانیں کہ خودغرضی سے تمام قوم کی اور اُس کے ساتھ اپنی بھی بربادی ہوگی ؛

اِس مقام پر ہمکو ایک کہانی یاد آئی۔ انسان کے اعضا میں تکرار ہوئی اور ہر ایک عضو نے

خودغرضی اختیار کی۔ تھوڑی دیر بعد معدہ بھوک کے مارے بے چین ہوا۔ پانوں نے کہاکہ
مَیں کیوں چلکر غذا ہم پہونچاؤں۔ ہاتوں نے کہاکہ ہم کیوں غذا کو موںھ تک پہونچا دیں۔
آنکھوں نے کہاکہ ہم اُس میں کی بال لکھی کیوں دیکھیں۔ ناک نے کہاکہ غذا کا سڑا بسانڈا
ہونا مَیں کیوں سونگھوں۔ مُنہ نے کہاکہ مَیں کیوں چباکر حلق میں نگلوں۔ سب آپ آپ
چُپکے ہو رہے دو ایک دن تو جوں توں گذر گئے پھر تو پانوں لڑکھڑانے لگے۔ ہاتھ کانپنے
لگے۔ موںھ ہلانے کی طاقت نہ رہی۔ آنکھوں میں اندھیرا آنے لگا۔ تب تو سب گھبرائے کہ
یہ کیا ہوا۔ اُس وقت عقل کے پاس گئے۔ اُس نے کہاکہ خودغرضی نے تمہارا یہ حال کیا ہے
تم نے جاناکہ دوسرے کے کام سے ہمکو کیا مطلب ہے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ تمھارا ہی
کام تھا۔ اور اُس کا نقصان تمھارا ہی نقصان تھا۔ پس جس قوم کے لوگوں میں خودغرضی ہوتی
ہے جیسیکہ ہندوستان کے مُسلمانوں میں ہے تو وہ اب آپ اپنے تئیں برباد کرتی ہے ؛

یازدھم۔ عزت اور غیرت۔ غیرت اور عزت یہ دونوں آپس میں ایسی ملی ہوئی
ہیں کہ کبھی جدا نہیں ہوتیں۔ جس کو عزت ہے اُسکو غیرت ہے جس کو غیرت ہے اُس کو
عزت ہے۔ اب مُسلمانوں میں اِن دونوں چیزوں کی کمی کیا بلکہ وہ معدوم ہوگئی ہیں۔ اگرچہ
میری اِس بات سے لوگ متعجب ہوں گے کہ مسلمان کیونکر ایسے ہیں۔ اگر ابھی اُن کو کوئی گالی
دے جان نکال لیں۔ مرجائیں۔ پر اپنی شان نہ جانے دیں۔ شادی بیاہ میں ہرگز ناک کٹائی
نہ ہونے دیں۔ روپیہ قرض لیں اور شادی دھوم سے کریں۔ اگر باوا مر گیا ہے تو اُسکی فاتحہ
اور چہلم کی تو دہ بندی میں کبھی دریغ نہ کریں۔ پھر کیونکر اُن کو اپنی عزت یا غیرت کا خیال
نہیں ہے ؛

یہ سب باتیں سچ ہیں مگر یہ سب شیطانی اور جھوٹی عزت اور غیرت ہے جو اصلی اور اخلاقی
عزت ہے۔ ہم اُس کا ذکر کرتے ہیں کس کو اس بات کی غیرت ہے کہ ہمکو کوئی جھوٹا خیال
نکرے۔ کس کو اِس بات کا خیال ہے کہ ہم آپس میں اور معمولی باتوں میں بھی سچ کی عزت پر بٹہ
نہ لگائیں۔ کون ہے جو بلحاظ اپنی اخلاقی عزت کے کسی بُرائی کے فعل سے بشرطیکہ اُسمیں
سزائے دنیاوی کا اندیشہ نہ ہو بچکر اپنے تئیں معزز رکھنا چاہتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اَور
قوموں میں یہ نقص نہیں ہے مگر بلاشبہ اتنا کہتے ہیں کہ مہذب و شایستہ قوموں میں نہ خدا کے ڈر
سے بلکہ اپنی عزت کے ڈر سے اِن باتوں کا بہت خیال ہے ؛

دوازدہم۔ ضبط اوقات۔ ہماری قومی تہذیب و شایستگی میں اوقات کے منضبط نہ ہونے سے بڑا نقصان پہونچا ہے۔ ہر ایک کو اپنے خاص کاموں میں اپنی خاص اوقات کا اور جو کام عام قوم سے متعلق ہیں اُن میں تمام قوم کو یکساں اوقات منضبط کرنا چاہیئے کہ یہ بھی ایک اصل اصول قومی تہذیب و شایستگی کا ہے:

سیزدہم۔ اخلاق۔ بالفعل ہمارا اخلاق ہم لوگوں میں اس پر رہ گیا ہے کہ جس کسی سے ملے کچھ ہنس کر سلام کیا کچھ محبت کی جھوٹی باتیں بنائیں دو چار میٹھی میٹھی باتیں سُنائیں کچھ اپنی جھوٹی نیازمندی کا اظہار کیا کچھ اُن کی جھوٹی تعریف کی آؤ بھگت کی اور دل میں کہا کہ خوب اُلّو بنایا۔ جب وہ چلا گیا تو یا تو بُرا کہنے لگے یا جو باتیں کی تھیں اُن کا نقش بر آب کا سا بھی نشان نہ تھا:

یہ سب باتیں انسان کے دل کو اور اُس کے اخلاق کو خراب کر دیتی ہیں بلاشبہ ہم کو سب سے جھک کر اور خندہ پیشانی سے ملنا چاہیئے۔ مگر وہیں تک جہاں تک کہ انسانیت کا مقتضا ہے مگر اُسکو مکاری کی حد تک نہ پہونچنا چاہیئے +

چہاردہم۔ صدق مقال۔ یہ تو وہ صفت ہے کہ جو انسان کو قطب و ابدال کے درجہ سے بھی بڑھا دیتی ہے مگر یہاں ہمارا مطلب دُنیاوی باتوں میں سچے پن کا ہے ضرور ہے کہ سب لوگ سچ میں عزت سمجھیں ایک شخص دوسرے کی بات کو سچ سمجھے تاکہ قایل کو قبل کلام اس بات کی غیرت ہو کہ سامع میرے اس قول کو جھوٹ نہ سمجھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے لڑکوں سے خوش طبعی میں کہتے ہیں کہ کیوں جھوٹ بولتا ہے آپس میں ایک دوست دوسرے کو کہتا ہے کہ میاں کیوں جھوٹ بولتے ہو ان باتوں سے جھوٹ کے عیب اور جھوٹ کے طعنہ کی غیرت دل سے جاتی رہتی ہے جو بڑا سبب ذلت قومی اور نامہذب اور ناشایستہ ہونے قوم کا ہوتی ہے +

پانزدہم۔ دوستوں سے راہ و رسم۔ ہماری راہ و رسم جو دوستوں سے ہے اُس میں بھی نہایت نقص ہیں۔ ہم آپس میں اس طرح پر نہیں ملتے جیسے انسان انسان سے ملتے ہیں بلکہ اس طرح پر ملتے ہیں جیسے حیوان آپس میں ملتے ہیں اُن تمام طریقوں اور قاعدوں میں تہذیب کرنی ایک بڑا امر ضروری ہے +

شانزدہم۔ کلام۔ طرز گفتگو اور سیاق کلام بھی جزو اعظم تہذیب و شایستگی کا ہے

جس کی ہم میں بہت کسر ہے ہمارے کلام میں وہ الفاظ جو تہذیب یافتہ گفتگو میں ہوتے ہیں نہایت کم مستعمل ہیں اور اس لیئے اُس کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے *

ہفتدہم۔ لہجہ ۔اسکو بھی تہذیب میں بڑا دخل ہے۔ اکثر لہجہ یا اس قسم کی آواز جس سے شُبہ ہو کہ آدمی بولتے ہیں یا جانور لڑتے ہیں ناشایستہ ہونے کی نشانی ہے کسی قدر اسپر بھی ہمکو توجہ درکار ہے *

ہیژدھم۔ طریق زندگی ۔یہ تو ہمارا ایسا ابتر و خراب ہے کہ ہم بے مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے جانور ایسے ہیں جن کا طریق زندگی ہمارے طریقہ زندگی سے نہایت عمدہ اور اچھا ہے *

نوزدھم۔ صفائی ۔بدن اور گھر اور لباس سب کی صفائی تہذیب میں داخل ہے۔ انگریزی مثل ہے کہ خدا اور خدا کے بعد صفائی مسلمانوں کے ہاں بھی حدیث ہے کہ "الطھور شطر الایمان" مگر ہم مسلمان بہت کم اس کی طرف متوجہ ہیں۔ صورت دیکھو تو واہ واہ۔ گھر دیکھو تو سبحان اللہ۔ اس لیئے ہمکو صفائی پر توجہ کرنے کی بھی بڑی ضرورت ہے *

بستم۔ طرز لباس ۔لباس کی قطع اور وضع درست ہونی بہت بڑی نشانی تربیت یافتہ ہونے کی ہے۔ دیکھ لو کہ تمام دنیا میں جس قدر وحشیانہ پن کم ہوتا گیا اُسی قدر لباس کی درستی ہوتی گئی۔ پس ہمکو اپنے لباس کی طرف متوجہ ہو کر دیکھنا چاہیئے کہ کس قسم کی ترمیم کے لائق ہے *

بست و یکم۔ طریق اکل و شرب ۔اگر ہم تعصب نہ کریں اور انصاف سے دیکھیں تو ہمارا طریقہ اکل و شرب ایسا ہے کہ جو قومیں ہم سے زیادہ صفائی سے کھاتی ہیں جب وہ ہمکو کھاتے ہوئے دیکھتی ہیں تو اُن کو قے آتی ہے *

بست و دوم۔ تدبیر منزل ۔ہماری تدبیر منزل یعنی انتظام خانہ داری ایسا ابتر و خراب ہے جس میں نہایت درجہ کی اصلاح و ترقی کی حاجت ہے *

بست و سوم۔ رفاہ عورتوں کی حالت میں ۔غیر قوموں نے ہمارا برتاؤ عورتوں کے ساتھ جیسا کچھ خیال کیا ہے اور لکھا ہے اُس میں یقینی بہت سی غلطیاں اور غلط فہمیاں ہیں مگر جو اصلی حالت عورتوں کی بلاشبہ ترقی کے لایق ہے اور ہمارا برتاؤ عورتوں کے ساتھ بہت سی اصلاح اور تہذیب کا محتاج ہے *

بست وچہارم۔ کثرت ازدواج۔ اگرچہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کم ہے مگر پھر بھی زیادہ ہے اور نہایت نالایقی سے اور خدا وخدا کے رسول کے حکم کے برخلاف برتا جاتا ہے یہ ایسی بدخصلت مسلمانوں میں جاری ہے جس کی بدولت اسلام کو شرمندگی و بدنامی ہے ؛

بست وپنجم۔ غلامی۔ اگرچہ ہندوستان میں انگریزوں کی بدولت غلامی کی بدرسم موقوف ہوگئی ہے مگر ہمارے مہذب وشایستہ ہونے کے لیئے صرف اُس کا موقوف ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہمارے دل میں اِس بات کا یقین ہونا چاہیئے کہ درحقیقت یہ رسم خلاف مسلمانی مذہب کی تھی اور فی نفسہ خراب ونالایق تھی اس لیئے ہمکو اُسپر توجہ کرنے کی ضرورت باقی ہے ؛

بست وششم۔ رسومات شادی۔ جو رسومات شادی کی ہم مسلمانوں میں رائج ہیں ایک بھی اُن میں سے مذہب اسلام کی رسم نہیں ہے اور جیسی نالایق اور نامہذب وہ رسمیں ہیں شاید ہی اَور کوئی رسم اُس سے زیادہ ناشایستہ اور نامہذب ہوگی ؛

بست وہفتم۔ رسومات غمی۔ اسیطرح رسومات غمی کا حال ہے کہ برخلاف مذہب اسلام کے ہمنے نامہذب وناشایستہ رسمیں اختیار کرلی ہیں ؛

خدا رحمت کرے مولوی اسمٰعیل پر جن کی بدولت بہت سی نامہذب وناشایستہ رسمیں شادی غمی کی ہم میں سے چھوٹ گئی ہیں مگر اس پر بھی بہت کچھ باقی ہیں جن کی تہذیب پر ہمکو متوجہ ہونا چاہیئے ؛

بست وہشتم۔ ترقی زراعت۔ زراعت کی ترقی اور کاشتکاروں کے حالت کی بہتری قومی ترقی اور تہذیب میں بڑا اثر رکھتی ہے اور اسمیں ہمکو بہت کچھ کرنا ہے ؛

بست ونہم۔ تجارت۔ یہ سب سے آخر جزو ہے قومی ترقی اور تہذیب وشایستگی حاصل کرنے کا۔ اور ہم مسلمانوں میں سے یہ امر بالکل متروک ہوگیا ہے پس ہمکو اپنی قوم میں اُس کا رواج دینا اور عمدہ اصول پر اُسکو قایم کرنا ایک بہت بڑا امر واسطے تہذیب وشایستگی حاصل کرنے کے ہوگا ؛

یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ یہ تمام دنیا کی چیزوں کی ترقی ہم سے کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس لیئے کہ اگر ہم متوجہ ہوں گے اور تہذیب وشایستگی حاصل کرنے پر دل لگا دینگے تو سب کچھ ہمسے ہو سکیگا

یہ باتیں ظاہر میں بہت سی معلوم ہوتی ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے سے ایسا علاقہ رکھتی ہیں کہ جب ایک بات میں ترقی شروع ہوتی ہے تو ہر ایک بات میں ازخود ترقی ہوتی جاتی ہے پر کوشش شرط ہے۔ السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ ؎

تربیت اطفال

اگر ہم اس بات پر خیال کریں کہ انسانوں کے عیوب مثل کالے بادلوں کے جمع ہو کر ہم ہی پر برستے ہیں تو دنیا سے انسانوں کے عیوب بہت ہی کم ہو جاویں۔ اور اگر ہم مرے ہوئے لوگوں کی آواز پر کان دھریں اور سمجھیں کہ وہ قبروں میں پڑے ہوئے زبان حال سے کیا کہہ رہے ہیں تو شاید ایک بھی برائی دنیا میں نہ رہے۔ مگر افسوس کہ ہماری آنکھیں اندھی اور ہمارے کان بہرے ہیں ؎

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جب وقت گذر جاتا ہے تو بہت سی باتوں کا پچھتاوا آتا ہے کہ افسوس ہم نے یہ نہ کیا اور وہ نہ کیا اور اس وقت پچھتانے سے کیا ہوتا ہے کیونکہ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا اور لاعلاج رنج کا نہایت ہی جانکاہ رنج ہوتا ہے۔ پس اگر ہم ایسے سخت رنج سے بچنا چاہیں تو اس کا علاج صرف یہی ہے کہ موجودہ وقت کو غنیمت جانیں۔

غنیمت داں ہمیں دم راکہ حالست

یہ بات جو ہمنے کہی ٹھیک ٹھیک انسان کی طفولیت کی حالت سے نہایت ہی مناسبت رکھتی ہے اس لیئے کہ جو عمر اور وقت تربیت کا ہے جب وہ گذر جاتا ہے تو بجز لاعلاج رنج رہجانے کے اَور کچھ نہیں ہوتا اور پھر اُن کا ناتربیت یافتہ رہنا مثل کالی گھٹا کے ہمپر کڑکتا ہے اور ہمپر برستا ہے اور کسی کے گھر کو بہا دیتا ہے اور کسی کے خانمان کو جلا دیتا ہے ؎

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی تمام چیزوں میں قدرتی تبادلہ ہوتا رہتا ہے اور بجز انسان کے ایسی اَور کوئی چیز نہیں ہے جسکو اُس تبادلہ میں کچھ دخل ہو اگرچہ انسان کو کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے مگر اُس میں اتنی قدرت ہے کہ بہت سی چیزوں کو اپنے اختیار اور قابو میں کر کر اُس قدرتی تبادلہ میں شریک ہو انسان ہی ایک ایسا وجود ہے جو تھوڑا بہت کارخانہ قدرت کے بگاڑنے یا سنوارنے میں دخل رکھتا ہے وہی ایسا ذی عقل اور ذی شعور مخلوق ہے کہ دنیا کی آیندہ کی رفتار کو روک سکتا ہے یا ترقی کر سکتا ہے یا ابتر و خراب

حالت میں ڈھال سکتا ہے ؛

یہ تقدم اس ناکامل اور فانی وجود کا جیسا کہ لڑکوں کے تربیت یا نا تربیت رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے ایسا اور کسی حیثیت سے ظاہر نہیں ہوتا جبکہ ہم لڑکوں کی حالت پر غور کرتے ہیں اور اُن کی بھولی بھالی اور سیدھی سادی طبیعتوں کو ہر ایک قسم کے گناہ سے پاک پاتے ہیں اور ہر قسم کی تربیت کی استعداد اُن میں دیکھتے ہیں تو ہمکو خدا کی کامل قدرت کا نمونہ دکھائی دیتا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ وہ اُس ذات کامل کی دلی بخشش کی ہوئی چیزیں ہیں اُس کے بعد ایک زمانہ تک وہ ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ ہمارے سامنے اُن کی عقل و فہم کی ترقی ہوتی ہے اور ہماری تعلیم اور تربیت اُن میں اثر کرتی ہے اور یا تو اچھی اچھی مثالوں کے دیکھنے سے اُن میں عُمدہ عُمدہ عادتیں اور خصلتیں بیٹھ جاتی ہیں اور یا بُری بُری نظیروں کے دیکھنے سے شروع ہی سے اُن میں بدعادتیں اور خراب خصلتیں پڑ جاتی ہیں بہرحال لڑکپن کا موسم نکل جاتا ہے اور جو کچھ کہ لڑکوں نے ہماری صحبت اور تربیت سے نیک یا بد حاصل کیا ہو اُس کا اثر دنیا میں رہ جاتا ہے ؛

لڑکپن کے زمانہ میں جو عُمر کہ سات برس سے پندرہ برس تک ہے وہی ایسا زمانہ زندگی کا ہے جس میں آیندہ کی بہبودی کے لیئے زیادہ تر کوشش ہو سکتی ہے اُس زمانہ میں لڑکوں کا دل ہر چیز کا متلاشی رہتا ہے حافظہ تیز ہوتا ہے قوت غور مضبوط ہوتی ہے اچھی عادتوں کا دیکھنا اور عُمدہ عُمدہ نظیروں سے تربیت پانا جسکو عموماً نیک صحبت کہتے ہیں نہایت ہی موثر ہوتا ہے۔ یہ زمانہ لڑکوں کے لیئے ذہنی و عقلی اور اخلاقی تخم ریزی کا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت تعلیم کو دل نہایت جلد قبول کرتا ہے اور اُس کے تخم کو جس میں آیندہ نہایت عُمدہ عُمدہ پھل پھول پیدا ہوں گے بہت جلد اُگا دیتا ہے لیکن اگر اُس زمانہ میں تربیت نہیں ہوتی تو پھر بہت ہی کم فایدہ ہوتا ہے کیونکہ جوں جوں دن گذرتے جاتے ہیں عادت میں مضبوطی آتی جاتی ہے یہاں تک کہ آخرکار عادت طبیعت سے مل جاتی ہے اور طبیعت ثانی کہلاتی ہے جس کا بدلنا نہایت ہی دشوار ہوتا ہے ؛

ایک نہایت لایق شخص کا حکیمانہ قول ہے کہ " لڑکپن کی طبیعت کتنی بڑے امر اہم کی چیز ہے کہ آیندہ کی بھلائی یا بُرائی اُسی کی احتیاط و غیر احتیاط پر منحصر ہے جو لڑکوں کے مربیوں کی طرف سے ہوتی ہے " پس جو لوگ کہ قومی تربیت یا قومی ترقی کے خواہاں ہیں اُن کا سب سے

بڑا کام یہی ہے کہ لڑکوں کی تربیت کے لیئے عمدہ انتظام کریں جن سے ہمکو آیندہ کی بہبودی کی توقع ہے ورنہ ہمپر یہی مثل صادق آوے گی کہ "میاں کہیں بوڑھے طوطے بھی پڑھتے ہیں"۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں تربیت اطفال کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے اور بڑا سبب اُن کی حالت کے تباہ ہونے اور اولاد کے نالایق رہنے یا آوارہ ہوجانے کا یہی ہے۔ ہم اُن حالتوں کا ذکر نہیں کرتے جن میں اطفال آوارہ اور خراب ہوجاتے ہیں کیونکہ اُسکو تو سب بُرا جانتے ہیں بلکہ ہم اُس حالت کا ذکر کرتے ہیں جس میں غلطی سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری اولاد نے خوب تربیت پائی ہے غلطی اس لیئے ہے کہ حقیقت میں وہ تربیت عمدہ تربیت نہیں ہے اور یہی سبب ہے کہ اُن کو کچھ لیاقت نہیں آتی اور اُن کے دل میں اخلاقی فیاضی اور طبیعت کی آزادگی اور دل کی کشادگی نہیں ہوتی۔ تمام قوا جو اُن میں خدا تعالی نے رکھے ہیں سب پژمردہ اور ناکارہ رہ جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ اُن میں وہ قوا جن سے انسان اپنے کسی زمانہ عمر میں نام آور اور دل چلا اور عالی حوصلہ غیرت والا ہوتا ہے باقی نہیں رہتے۔

مسلمانوں میں اگر کسی شخص کی اولاد عوام الناس کے لونڈوں میں کھیل کود سے بچے اور اپنے ہی ہمجولیوں میں رہے اور اپنے یا اپنے ہمسر خاندان کی صحبت اُٹھائے اور دوزانو بیٹھنا اور جھک کر سلام کرنا یا عین کو ٹھیک اُس کے مخرج سے نکال کر سلام وعلیک کرنا اور ہاتھ جوڑ کر مزاج شریف پوچھنا سیکھ جاوے تو نہایت سعادتمند اور تربیت یافتہ گنا جاتا ہے اور جب اُسکے ساتھ اُسکو کچھ لکھنا پڑھنا بھی آتا ہو اور کسی میاں جی یا مُلا سے پڑھتا بھی ہو تو وہ تو تربیت کے کنگورہ پر پہونچا ہوا سمجھا جاتا ہے اور اگر بخت واتفاق سے اُس نے دو چار کتابیں زیادہ پڑھ لیں اور صدرہ شمس بازغہ پڑھنے لگے تو پھر تو باوا جان پھولے بھی نہیں سماتے اور لڑکے کا میاں مولوی اور میاں فاضل محمد کے سوا اور کوئی نام ہی نہیں لیتے اور اگر ایسا اتفاق ہوا کہ چند تعصبات مذہبی نے اُن کا گلا گھونٹا اور نماز پڑھ پڑھ کر ماتھے پر سیاہ گٹا ڈال لیا اور دو چار فقہ حدیث کی کتابیں پڑھ لیں اور مسئلہ مسایل بھگارنے لگے پھر تو وہ عرش سے بھی آگے بڑھ گئے اور شبلی و جنید کو بھی بڑھانے لگے۔

مگر صرف اتنا ہی جتنا کہ بیان ہوا کافی نہیں ہے بلکہ مفید تربیت ہونے کے لیئے اور بہت کچھ ہونا چاہیئے پس اگر غور سے دیکھا جاوے اور انصاف کیا جاوے تو یہ تربیت کچھ تربیت نہیں ہے ایسی تربیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکوں کے خیالات مثل جانوروں کے خیالات کے محدود

ہوجاتے ہیں اور کسی قسم کی ترقی کا مادہ اُن میں نہیں رہتا اُن کی حرکات مؤدبانہ صرف ایسے بندر کی سی حرکات ہوتی ہیں جس کو سلام کہنا اور ادب سے بیٹھنا اور کھڑے رہنا سکھایا ہو اُن حرکات میں اُن اخلاقی اوصاف کا جن سے از خود حرکات انسانی بلا تصنع قدرتی ادب و اخلاق کے مقتضی پر ہوتی ہیں کچھ بھی اثر نہیں پایا جاتا بلکہ انسان میں جو ایک مہذب دلیری اور مؤدب بہادری اور ممدوح خودداری ہونی چاہیئے جسکو مختصر لفظ غیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے ایسے ادب سکھانے سے باقی نہیں رہتی اُسکی طبیعت بعوض اِس کے کہ بلند ہونے پر مائل ہو پست ہونے پر رجوع کرتی ہے جس کا بد اثر اُسکی آیندہ عمر میں ظاہر ہوتا ہے پڑھنا لکھنا آجانے سے اور منطقی یا فلسفی ہوجانے سے کامل تربیت خیال نہ کرلینی چاہیئے قطع نظر اسکے کہ علوم غیر مفیدہ کچھ بھی مفید نہیں ہوسکتے صرف پڑھ لکھ لینے سے تربیت کامل نہیں ہوجاتی بہت سے پڑھے لکھے ایسے موجود ہیں جو بلحاظ تربیت کے محض ایک کندہ ناتراش ہونے سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتے پس تربیت کامل کے لیئے جیسا کہ علوم مفیدہ کا پڑھنا شرط ہے ویسا ہی اُسکے ساتھ لڑکے کی زندگی کا ایسے طور پر اور ایسی حالت پر بسر ہونا ضرور ہے جس سے روز بروز اُسکے خیالات کو وسعت ہوتی جاوے اُس کی اُمنگ بڑھتی جاوے اُس کے قوا شگفتہ و شاداب رہیں غیرت جو ایک بڑا جوہر انسان کا ہے اور بُرائیوں سے بچانے کے لیئے نہایت عمدہ اور سچا محافظ ہے ہمیشہ ترقی پر رہے۔ ظاہری خلاق اور مؤدبانہ حرکات اوپر اوپر مثل روغن قاز کے نہ لگائے جاویں بلکہ مثل چشمہ شیریں کے خود اندر سے نکلیں۔ نماز و روزہ اور کتب مذہبی کا پڑھنا فی نفسہ نہایت عمدہ چیز ہے مگر جب اُس کی تعلیم ایسے بد طریقہ سے ہوتی ہے جیسے کہ اب مسلمانوں میں مروج ہے اُس سے بجز اسکے کہ بد تعصبات بڑھ جاویں اور بعوض نیکی اور نیک دلی کے صفات ذمیمہ ترقی پکڑیں اور مثل کانٹے دار سخت پوست کے دل کو گھیر لیں جس میں نیکی اور رحم اور رقت اور ہمدردی سچائی اور راست بازی مطلق اثر کرنے نہ پائے اور کچھ نتیجہ نہیں ہوتا ایسا تربیت یافتہ شخص بجائے اسکے کہ فخر اسلام ہو ننگ اسلام ہوتا ہے۔ اس لیئے مسلمانوں کو جہاں اپنی اولاد کی تعلیم کی فکر ہونی چاہیئے اُسی کے ساتھ اِس بات کی بھی بہت بڑی فکر لازم ہے کہ زمانہ تربیت اور تحصیل علم میں لڑکوں کی زندگی بسر کرنے کی کیا تدبیر کرنی چاہیئے جس سے مقاصد مذکورہ بخوبی ترین وجوہ حاصل ہوں +

کچھ خفا ہونے کی بات نہیں ہے ٹھنڈے دل سے سمجھنا چاہیئے کہ مذہبی تعلیم اور پند و نصایح کا

اثر صرف دل پر ہوتا ہے یہ ضرور نہیں ہے کہ خواہش پر بھی اُس کا اثر ہو اور اس لیئے راست باز راستباز راست گفتار اور پرہیزگار عالی ہمت مستقل مزاج اور رنج و مصیبت میں ثابت قدم ہونے کے لیئے یہ بات ضرور ہے کہ لڑکوں کا دل اور اُن کی طبیعت ان صفات پر بخوبی حاوی ہو جانے ورنہ تمام پند و نصایح اور نماز روزہ نقش برآب ہوتا ہے اور نہایت جلد سب میں فتور آجاتا ہے اور تمام زندگی کی اُمیدیں اور بہبودیاں جاتی رہتی ہیں اور اس کا سبب صرف یہی ہے کہ اُن سے کہا گیا پر سمجھنے نہیں دیا کہ فلانی چیز درحقیقت عمدہ ہے اور ہر چیز کی قدر صرف اُسکی عمدگی ہی پر منحصر ہے ✦

اگرچہ لڑکوں کی تعلیم کا فرض مقدم اُن کے ماں باپ پر ہے مگر جیسی تعلیم کہ مطلوب ہے وہ بغیر اس کے کہ تمام قوم آپس میں متفق ہو کر اُسکو قایم کرے ممکن نہیں ہے اور اس لیئے وہ فرض تمام قوم سے متعلق ہوتا ہے اور کچھ شک نہیں ہے کہ ایسے سامان تعلیم کے موجود نہونے سے تمام قوم گنہکار اور شرمسار ہے اور اس لیئے مَیں امید کرتا ہوں کہ اب لوگ ہوشیار ہوں گے اور اس فرض کفایہ کے پورا کرنے پر جو بسبب ضرورت و حاجت شدید کے رتبہ میں فرض عین سے زیادہ بڑھ گیا ہے توجہ فرماوینگے۔ واللہ ولي التوفيق وهو حسبي ونعم الرفيق ✦

غلامی

آزادی اور غلامی آپس میں ایسی نقیض ہیں کہ نہ دونوں کا اجتماع ہو سکتا ہے نہ دونوں کا ارتفاع اور اس لیئے یہ دونوں داخل مرضی پروردگار نہیں ہو سکتیں ورنہ خود پروردگار کی مرضی میں تناقض لازم آویگا جو اُسکی حکمت بالغہ کے شایاں نہیں ہے پس کچھ شبہ نہیں ہے کہ ان دونوں میں سے صرف ایک ہی پروردگار کی مرضی کے مطابق ہوگی یا یوں کہو کہ قانون قدرت دو نقیضوں کا متقاضی نہیں ہو سکتا اور اس لیئے اُن میں سے ایک ہی مقتضائے قانون قدرت ہوگی ✦

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ایک ایسی ہستی بنایا گیا ہے جس کی فطرت میں آزادی اور خود مختاری رکھی گئی ہے وہ ذی عقل اور ذی شعور ہے اُسکو تمام قوائے ظاہری و باطنی دیئے گئے ہیں۔ اُن کے استعمال پر جس طرح کہ وہ چاہے قادر ہے۔ تمام کاموں کے شروع کرنے کی سمجھ اور اُن کے انجام کی سوچ اُسکو دی گئی ہے تاکہ ہر کام کا آغاز اور انجام سوچ لے اُسکی فطرت

ایسی ہے کہ اپنے لیئے آپ تمام چیزیں مہیا کرنے کے لیئے حاجتمند ہے پس یہ تمام چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس پُتلے کے صانع کی مرضی یہی تھی کہ یہ پتلا خود اپنا آپ مالک رہے ؀

صانع نے یہ تمام قوے جو انسان کو عطا فرمائے ہیں اُن سے اُس کی مرضی یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ تمام قوی انسان میں اس طرح پر شگفتہ و شاداب رہیں کہ اعتدال سے خارج نہونے پاویں اور ایک دوسرے کی نقیض نہ ہو جاویں۔ انسان کی ذاتی محنت اُسی کے لیئے سودمند ہو۔ غلامی کی حالت میں انسان کے بہت سے قوائے بعوض شگفتہ و تروتازہ رہنے کے پژمردہ بلکہ محض معطل و بیکار ہو جاتے ہیں اُسکی محنت اُسکی سودمندی کے لیئے نہیں رہتی۔ پس کسی طرح ایسی حالت صانع کی مرضی نہیں ہوسکتی ؀

انسان کی وہ چیز جس سے انسان انسان کہلاتا ہے اور جس کا نام لوگ روح لیتے ہیں مگر اُس کی حقیقت کچھ نہیں بتلا سکتے ایسی شریف چیز ہے کہ کسی کی مملوک ہونے کی لیاقت ہی نہیں رکھتی کیا نتایج قانون قدرت یا خدا کی روح یا امر ربکسی کی ملکیت ہوسکتی ہے؟ کیا ہم سی ہی ایک مخلوق ہماری ملکیت میں آسکتی ہے؟ حاشا و کلا۔ پس صاف عیاں ہے کہ غلامی اُس قادر مطلق کی مرضی اور قانون قدرت دونوں کے برخلاف ہے۔ تمام انسان آزاد اور یکساں پیدا ہوئے ہیں اور کچھ شبہ نہیں کہ زندگی اور آزادی اور خوشی حاصل کرنے میں یکساں اور غیر قابل انتقال استحقاق رکھتے ہیں ؀

مگر انسان کی بدبختی سے کوئی نسل اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ غلامی کی مصیبت انسانوں میں نہ رہی ہو۔ بہت عقلمند اور دانا اور حکیم گذرے۔ بہت سے صاحب شریعت گذرے مگر بجز ایک کے اَور کسی نے اس قانون قدرت کے مخالف کا کچھ تدارک نہ کیا۔ موسیٰ صلواۃ اللہ علیہ نے اسکو جایز ہی رکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُس کی نسبت ایک حرف بھی نہیں کہا۔ یونانی حکیموں نے ازروئے اصول اخلاق کے حالت غلامی کی نسبت کوئی اعتراض ہی نہیں سمجھا۔ ارسطو باوصف اِس دانائی کے یہ سمجھا کہ خود خدا نے انسان کو آزادی اور غلامی میں تقسیم کیا ہے وہ یہ سمجھتا تھا کہ جن لوگوں کو غلام بنایا جاتا ہے وہ ایک قسم ہی جدا ہے۔ اوّل تو یہ سمجھ ہی اُس بڑے حکیم کی جو ہر طرح ہمارے ادب کے لایق ہے غلط تھی اور سوائے اسکے اُس نے یہ خیال نہ کیا کہ غلامی کسی خاص قوم پر مخصوص نہیں رہ سکتی فلاطون

اُس سے بھی زیادہ غلطی میں گرا۔ جب اُس نے یہ کہا کہ صرف یونانی غلام نہ ہونے چاہئیں زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اُس ایک فیاض شخص کا اصول مقررہ جس نے آیندہ کی غلامی کی جڑ کو کاٹا اور غلاموں کی حالت کو سنوارا اور جہاں تک ممکن ہوا اُن کو آزادی کا خلعت پہنایا۔ ایسا غفلت میں پڑا رہا کہ بہت ہی کم اُسپر خیال ہوا۔ پس ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اِس مضمون کی اصلیت پر بموجب مذہب اسلام کے کچھ تحقیق و تدقیق کریں مگر قبل اِس کے ہم چاہتے ہیں کہ اِس آرٹیکل میں غلامی کا کچھ مختصر حال بیان کریں کہ کس کس طرح پر اور کن کن قوموں میں رائج تھی اور کیسی کیسی بے رحمیاں اُن کی نسبت ہوتی تھیں ؛

غلامی کا رواج ایسا پرانا معلوم ہوتا ہے جس کا زمانہ انسان کی یاد سے باہر ہے۔ غالباً تواریخ دنیا کے شروع ہی سے غلامی پیدا ہوئی تھی۔ اصلیت شروع غلامی کی صرف یہی پائی جاتی ہے کہ وحشی قوموں نے اپنے قیدیوں کو بجائے مار ڈالنے کے غلامی کی حالت میں رکھنا زیادہ مفید سمجھا اور اِس سبب سے دو طریق غلامی کے رائج ہوئے۔ ایک وہ جو لڑائی میں لوگ قیدی ہوتے تھے اور یہ طریقہ طریق جایز اور بے عیب اور گویا قانوناً جائز سمجھا جاتا تھا اور تمام قوموں نے اپنی تہذیب و شایستگی کے زمانہ میں بھی اُسکو صحیح سمجھا تھا۔ دوسرے وہ قیدی جو دغا و فریب سے یا دزدی سے قید کیے جاتے تھے اور اُن کے ساتھ بھی ویسا ہی طریقہ برتا جاتا تھا جیسا کہ جایز غلاموں کے ساتھ۔ اُس کے بعد رفتہ رفتہ اَور متعدد طریقے غلامی کے مختلف قوموں میں پیدا ہوتے گئے ؛

تمام مشرقی قومیں جن کا حال ہمکو معلوم ہے غلام رکھتی تھیں۔ یہودیوں کے ہاں غلامی قانوناً جائز تھی۔ ایرانی بھی بموجب اپنے قانون کے غلام رکھتے تھے۔ اُن کے ہاں صرف دوسری ہی قوم کے لوگوں کو غلام بنانے کی اجازت نہ تھی بلکہ اپنی قوم کے لوگوں کو بھی غلام بناتے تھے۔ اُن کے ہاں دستور تھا کہ مفلس مقروض اپنے تئیں بطور غلام کے بیچ ڈالتا تھا۔ چور بطور غلام کے رہتے تھے۔ البتہ بہ نسبت غیر قوم کے غلاموں کے اُن کی نسبت قانون فی الجملہ نرم تھا سات برس بعد ہمقوم غلام آزاد ہو جاتے تھے اور ہر پچاسویں برس عام طور پر ہمقوم غلام آزاد کیے جاتے تھے ؛

یونانیوں میں بھی غلامی کی رسم جاری تھی۔ وہاں ایک قوم وہاں کے قدیم باشندوں کی نسل سے تھی جو اپنے آقا کی زمین کاشت کر کر اُس کو لگان دیتی تھی اور لڑائی کے وقت اپنے

آقا کے ساتھ ہوتی تھی - ایک قسم غلاموں کی یونان میں ایسی تھی کہ وہ یونان سے باہر دوسرے
ملک میں فروخت نہیں ہو سکتی تھی اور نہ اپنے عیال و اطفال سے جدا کی جاتی تھی بلکہ قطع
جائداد پیدا کرنے کے بھی قابل سمجھی جاتی تھی اور وحشی غلام جو بذریعہ خرید حاصل ہوتے تھے وہ
تو قتل اور جائداد کے تھے کہ جب اور جہاں چاہو بیچ ڈالو - ان سے محنت مزدوری کرائی
جاتی تھی - کانیں کھدوائی جاتی تھیں اور ان کی اجرت اور منفعت ان کے آقا لیتے تھے - ان
غلاموں کی جو اولاد ہوتی تھی وہ بھی غلام ہوتی تھی - تھریشیا کے لوگوں کی ایسی بدبختی تھی کہ وہ
خود اپنی اولاد کو بیچتے تھے - ایتھنز میں غلاموں کی حالت اور ملکوں سے اچھی تھی ڈیماستھنیز
کا قول ہے کہ بمقابلہ اور ملکوں کی آزادیوں کے ایتھنز کی غلامی کی حالت اچھی ہے ؎

رومیوں میں بھی غلامی تھی - مگر ان کی سمجھ سب سے عمدہ تھی - رومی سمجھتے تھے کہ خدا تعالے
نے سب کو آزاد بنایا ہے اور غلامی قانون خالق کے برخلاف ہے مگر صرف ملکی قانون کے مطابق
وہ غلامی کو جائز رکھتے تھے اور اس لیے ان لوگوں کو جو لڑائی میں قید ہوتے تھے اور ان آزاد
شخصوں کو جو خود اپنے آپ کو بیچ ڈالتے تھے غلام سمجھتے تھے - آقا کا اختیار غلام کو سزا دینے یا
قتل کرنے کا نامحدود تھا ضعیف و ناکارہ غلام ٹائبر کے جزیرہ میں فاقہ کشی کرتے کرتے مر جانے
کے لیے چھوڑ دیئے جاتے تھے - سلطنت کے قوانین نے ان بیرحمیوں کی کسی قدر روک
تھام کی تھی - یہ قانون تھا کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو بلا سبب قتل کر ڈالے تو اس کے ساتھ اسطرح
پیش آیا جاوے کہ گویا اس نے دوسرے شخص کے غلام کو مار ڈالا ہے - اگر کوئی آقا اپنے غلام پر
بہت سخت بے رحمیاں کیا کرتا تھا تو آقا اس بات پر مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اسکو بیچ ڈالے - گلاڈیس
کے قانون کے مطابق غلام کا مار ڈالنا بمنزلہ قتل کے متصور ہوتا تھا - غلام جب بیچے جاتے تھے
تو ماں باپ - لڑکے - بھائی بہن جدا نہ کیئے جاتے تھے - غلاموں کو شادی کرنے کا اختیار
نہ تھا اور ان کے اور ان کی اولاد میں کوئی قانونی رشتہ نہ سمجھا جاتا تھا - بھاگے ہوئے غلام
کو پناہ دینا جرم تھا - ان کے آزاد کرنے کے بھی بہت سے طریقے تھے جو از روئے قانون کے
معین اور محدود کیئے گئے تھے ؎

رومیوں کے ہاں ابتدا میں غلام بہت کم تھے لیکن رفتہ رفتہ ان کی بہت کثرت ہو گئی یہانتک
کہ کل کاشتکاری غلاموں کے ذریعہ سے ہوتی تھی - سلطنت جمہوری کے زمانہ میں جو روم میں تھی
ذی مقدور لوگ نہایت کثرت سے غلام رکھتے تھے اور جس قدر زیادہ غلام ہوں اسی قدر شان و شوکت

زیادہ متصور ہوتی تھی - ایک شخص کے پاس دو سو غلاموں کا ہونا ایسی بات نہ تھی کہ لوگ اُسکو معمولی بات سے کچھ زیادہ سمجھیں ؛

ابتدا میں غلام کوئی جائیداد پیدا نہیں کرسکتا تھا - جو کچھ وہ پیدا کرتا تھا سب کچھ اُس کے آقا کی ملک ہوتا تھا لیکن جب غلام تجارت کے کاموں میں مصروف ہونے لگے تو کچھ حصہ منافع میں سے اُن کا خاص سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور بعضی دفعہ یہ شرط ہوتی تھی کہ جب وہ سرمایہ اس قدر روپیہ تک پہنچ جاوے گا تو غلام آزاد ہو جاویگا ؛

ہندوؤں میں بھی دھرم شاستر کے بموجب غلامی جائز تھی اور مفصلہ ذیل صورتوں میں ایک انسان دوسرے انسان کا غلام ہو جاتا تھا - لڑائی میں قید ہونے سے - خود اپنے تئیں کسی کا غلام بعوض روپیہ کے یا قحط سالی میں بعوض نان و نفقہ دینے کے یا اَور کسی سبب بنا دینے سے ؛ بعوض زر قرضہ یا کسی جرم کی سزا میں غلام ہو جانے سے - ماں باپ کا اپنی اولاد کو بیچ ڈالنے سے - اولاد غلاموں کی بھی غلام ہوتی تھی - غلاموں کا بیع اور ہبہ کے ذریعہ سے انتقال ہوتا تھا اور روز انتقال سے منتقل الیہ کی غلامی میں آ جاتا تھا ؛

دھرم شاستر کی رو سے غلام مثل مویشی کے اپنے آقا کی ملکیت ہوتا ہے اور اُسکو حقیر نام یعنی دوپائی مویشی دیا گیا ہے - دھرم شاستر میں کوئی حکم غلام کی نسبت ایسا نہیں ہے جسکے ذریعہ سے وہ بیرحم آقا کے تشدد و بدسلوکی سے محفوظ رہے اور نہ اُس میں آقا کے اختیار کی جو اُسکو غلام پر ہو کچھ تصریح ہے ؛

کوئی حق ملکیت دھرم شاستر کی رو سے غلام کو حاصل نہیں ہے - اُس کا مال مکسوبہ بھی اُس کا حق نہیں ہے - دھرم شاستر میں بجز آقا کی خوشی کے اَور کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جس کے ذریعہ سے غلام کو آزادی حاصل ہو سکے - الّا اگر اُس نے آقا کی جان بچائی ہو تو وہ اپنی اور اپنے بیٹے کی آزادی کی درخواست کرنے کا استحقاق رکھتا ہے - اگر آقا سے لونڈی کے اولاد پیدا ہو اور کوئی صحیح النسب اولاد نہو تو دونوں آزاد ہو جاتے ہیں یا جو سبب غلامی کا ہے وہ نہ رہے تو غلام آزاد ہوتا ہے ؛

ایک دوسری قسم غلاموں کی دھرم شاستر کے بموجب عبید الارض ہیں یعنی غلام جو کاشت اراضی سے تعلق حق موروثی کا رکھتے ہیں اِس قسم کے غلاموں سے احکام جائیداد غیر منقولہ کے متعلق ہیں یعنی اُن غلاموں پر جو کاشتکاری کے کام کے لیئے ہوں باپ اور بیٹے کو یکساں

اختیار حاصل ہے۔

مذہب اسلام کے پیروؤں کا بلاشبہ حق تھا کہ وہ غلامی کا نام نشان دنیا میں باقی نہ رکھتے اور غلاموں کی آزادی کا فرمان جیسا کہ اصول مذہب اسلام سے پایا جاتا ہے دنیا میں جاری کرتے مگر افسوس ہے کہ وہ سب سے زیادہ اندھیرے میں پڑے رہے اور باوجودیکہ اس زمانہ میں تمام ملک روشن ہوگئے ہیں مگر اسلامی عملداریاں اب تک اسی تاریکی اور اندھیرے میں ہیں۔

اگرچہ عیسائی مذہب نے کچھ بھلائی غلاموں کے حق میں نہیں کی تھی مگر بلاشبہ عیسائیوں نے اُن کے حال پر رحم کیا اور یہ نیکی اور بلند نامی اُنھوں ہی نے حاصل کی جنھوں نے غلاموں کے رفتہ رفتہ آزاد ہوجانے میں بڑی کوشش کی۔ عیسائیوں ہی نے اُن آقاؤں کو جو اپنے غلاموں کو بے اطلاع حاکم مار ڈالتے تھے ملعون قرار دیا مگر اُس زمانہ میں یہ آفت رُک نہ سکی اور وحشی حملہ کرنے والے بہت سے غلام اپنے ساتھ لائے جو اکثر سلیوین قیدی تھے اور جن سے انگریزی لفظ سلیو معنی غلام نکلا ہے۔ تھوڑے زمانہ بعد تمام یورپ میں ایک قسم کی غلامی مروج تھی جو سرف کے نام سے کہلاتی تھی۔ سلیو اور سرف میں یہ فرق تھا کہ سلیو کو آقا فروخت بھی کرسکتا تھا مگر سرف سے صرف معین کام لینے کا حق رکھتا تھا۔

جبکہ نئی دنیا یعنی امریکہ دریافت ہوئی تو عیسائی قوموں میں غلامی کے معاملہ کی بڑی گرم بازاری ہوئی۔ امریکہ کے قدیم باشندے کمزور تھے اور جن مشکل اور محنت کے کاموں کی وہاں حاجت تھی اُس کے قابل نہ تھے۔ اس لیئے پورچگیز والوں نے جن کے قبضہ میں بہت بڑا حصہ افریقہ کا تھا وہاں سے حبشیوں کو لیجانا شروع کیا۔ لاس کیسس صاحب چیپا کے بشپ نے امریکہ کے باشندوں کو لایق محنت کانوں کے کھودنے کے نہ دیکھکر کنگ چارلس بادشاہ انگلنڈ سے درخواست کی کہ اُن کے بدلے حبشی غلام کام کرنے کو دیئے جاویں کیونکہ وہ مضبوط اور توانا ہیں چنانچہ اُس بادشاہ نے سنہ ۱۵۱۷ء میں حبشی غلاموں کے لائے جانے کا حکم دیا انگریزوں میں سب سے پہلے جس نے غلاموں کی تجارت شروع کی وہ سرجان ہاکنس تھے جن کا نام غلامی کے ساتھ ہمیشہ یاد کیا جاویگا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں اور بہت سے لوگ اُن کے ساتھ غلاموں کی تجارت میں شریک ہوگئے۔ انگلستان نے سنہ ۱۶۸۰ء سے لغایت سنہ ۱۷۸۶ء کے تین لاکھ غلام افریقہ سے حاصل کیئے اور اُس کے بعد لغایت سنہ ۱۷۸۶ء صرف جمایکہ میں چھ لاکھ دس ہزار غلام

میں تجارت غلاموں کی ایسی بے رحمی سے ہوتی تھی جس کا حال سُنکر تعجب آتا ہے۔ جہاز
میں نہایت بے حقیقی سے مثل بکریوں اور بھیڑوں کے بھرے جاتے تھے اور امریکہ پہنچنے
کے بعد بھی کچھ اُن کی حفاظت نہ ہوتی تھی مگر جہاں انگریزوں کی عملداری تھی وہاں اُن غلاموں
کی حالت کسی قدر بہتر تھی اُن کی فریادرسی کے لیئے عدالتیں مقرر تھیں عورتوں کو کوڑے
مارنے کی بالکل ممانعت تھی مگر یہ بات پوچھنے کے قابل ہے کہ جس زمانہ میں امریکہ میں جہاں
انگریزی عملداری تھی تو انین مذکورہ بالا غلاموں کی نسبت جاری تھے۔ اُس زمانہ میں انگلنڈ میں
نسبت غلامی کے کیا قانون تھا۔ اُسی زمانہ یعنی ۱۷۷۲ء میں مقدمہ غلامی مسمی سمرسٹ حبشی
ہوس لارڈس میں مرافعہ پیش ہوا۔ اُس میں یہ تجویز ہوئی کہ انگریزی زمین پر قدم رکھنے کے ساتھ
ہی غلام آزاد ہوجاتا ہے گو کہ بعد واپس جانے اُس غلام کے غلامی کے ملک میں اُس کا آقا پھر
اسپر قبضہ کر سکتا ہے ؂

ولایت میں ایک میرے انگریز دوست نے مجھ سے کہا کہ صرف ہماری قوم ہی کو آزادی کا
فخر نہیں ہے بلکہ ہماری زمین کو بھی یہ افتخار ہے اس لیئے کہ جو شخص ہماری زمین پر قدم رکھتا
ہے گو وہ کسی کا غلام ہی کیوں نہ ہو اُسی وقت سے آزاد ہے۔ اُس کے اس کہنے نے میرے
دل پر نہایت اثر کیا اور میں نے کہا کہ بلاشُبہ تمکو اور تمہاری زمین کو یہ بڑی عزت ہے جو
خدا نے دی ہے ؂

اُسی زمانہ میں رحیم اور نیک دل اور انسان کی بھلائی چاہنے والے لوگوں کے دل میں
خیال آیا کہ غلاموں کی تجارت کی موقوفی پر کوشش کرنی چاہیئے چنانچہ ۱۷۸۷ء میں ایک
سوسائٹی واسطے موقوفی غلاموں کی تجارت کے لنڈن میں قایم ہوئی۔ اُس کے ابتدائی ممبر
ڈبلیو ڈلون صاحب اور طامس کلارکسن صاحب اور گرینول شارپ صاحب تھے جنکی نیکنامی
ہمیشہ یادگار رہیگی۔ اس معاملہ میں سب سے زیادہ پُرجوش اور نہایت مستعدی سے رائے دینے والے
اور گفتگو کرنے والے ولیم ولبرفورس صاحب تھے جن کی تائید ولیم پٹ وزیر سلطنت کی جانب سے
ہمیشہ ہوتی تھی۔ غرضکہ شدہ شدہ ان انسان کی بھلائی چاہنے والوں کی بدولت فروری ۱۷۸۸ء
میں سلطنت انگلستان نے حکم دیا کہ بذریعہ کمیٹی پریوی کونسل نسبت تجارت غلاموں کے تحقیقات
کیجاوے اور ایک قانون بنایا گیا جس سے جہاز میں بے انتہا غلاموں کے بھر لینے کی کچھ اصلاح
ہوئی بڑی بدقسمتی یہ ہوئی کہ ولبرفورس صاحب نے جو مسودہ قانون کا اس مطلب سے بنایا تھا کہ

آیندہ سے تجارت غلاموں کی موقوف ہو وہ مسودہ سنہ ۱۷۹۱ء میں گم ہوگیا - اسی اثنا میں انگریزوں نے وچ پر فتح پائی اور غلاموں کی تجارت نے پھر افزایش پکڑی - مگر سنہ ۱۸۰۵ء میں کونسل سے ایک حکم مشعر امتناع تجارت اُن مفتوحہ نوآبادیوں میں جاری ہوا اور پھر سنہ ۱۸۰۶ء میں ایک قانون بنایا گیا کہ انگریزی رعایا کسی طرح غلاموں کی تجارت میں شریک نہ ہو اور اُسی سال مسٹر فاکس صاحب نے ایک رزولیوشن ہوس آف کامنز میں پیش کیا اور وہ جاری بھی ہوگیا کہ آیندہ سے کلیتہً غلاموں کی تجارت موقوف ہو - لارڈ گرینول صاحب کی تحریک سے ہوس آف لارڈ نے اُس رزولیوشن کو منظور کیا اور انگلنڈ نے اس فیاضانہ اور حیا نہ بلکہ انسانیت کے کام میں ابتدا ہی حاصل کی ؟

اُس کے بعد دوسرے ہی سال میں یعنی سنہ ۱۸۰۷ء میں لارڈ ہاک صاحب نے جو بعد کو ارل گرے ہوئے ایک مسودہ قانون ہوس آف کامنز میں پیش کیا کہ یکم جنوری سنہ ۱۸۰۸ء کے بعد غلاموں کی تجارت عموماً اور قطعاً موقوف ہو - دونوں ہوس یعنی ہوس آف کامنز اور ہوس آف لارڈز نے اس قانون کو پسند کیا اور پچیسویں مارچ سنہ ۱۸۰۷ء کو اُس قانون کی نسبت شاہی منظوری حاصل ہوئی ؟

لیکن تعجب کی بات ہے کہ جس ٹکڑہ زمین پر ایسے فیاض اور عالی ہمت لوگ رہتے تھے جنہوں نے اس رسم بد کی موقوفی پر بے انتہا کوششیں کیں وہاں کمینہ طبیعت کے لوگ بھی موجود تھے وہ اُنھوں نے غلاموں کی تجارت کو نہ چھوڑا اور اسپین اور پورچگیز کے جھنڈوں کی آڑ میں اُن کی تجارت کرتے تھے اور بکثرت غلام جہازوں میں بھرنے لگے اور جب کوئی جہاز اُن کی تلاشی کو جاتا تو حبشی غلاموں کو جہاز پر سے دریا میں پھینک دیتے تھے اور جو حکم کہ اُس قانون میں غلاموں کی خرید فروخت کرنے پر تھا وہ اس رسم بد کے بند کرنے کو کافی نہ تھا اس لیئے فیاض دل اور انسان دوست بلکہ انسانیت مجسم مسٹر بروہم صاحب نے سنہ ۱۸۱۱ء میں ایک مسودہ قانون پیش کیا جو بالاتفاق سب کے منظور ہوگیا اور جس میں یہ بات قرار پائی کہ تجارت غلاموں کی جرم کبیرہ ہے جس کی سزا چودہ ۱۴ برس کی قید مع جلا وطنی یا تین برس سے پانچ برس تک کی قید مع مشقت شاقہ دی جاوے گی ؟

سنہ ۱۸۲۴ء میں ایک اور ایکٹ جاری ہوا جس میں غلاموں کی تجارت جرم بحری ڈکیتی قرار پایا - جو نہایت سنگین جرم ہے اور پھر سنہ ۱۸۳۷ء میں اُسکی ترمیم ایک ضابطہ فوجداری کے نفاذ سے ہوئی

اور تجارت غلامی کی سزا حبس دوام مع جلاوطنی قرار دی گئی ✦

ان بڑی کوششوں کے بعد انگریزوں کی عملداری میں سے غلاموں کی تجارت اُٹھ گئی اور اُسی کے ساتھ امریکہ کے یونیٹیڈ اسٹیٹ سے بھی موقوف ہوئی اور رفتہ رفتہ جنوبی امریکہ کی جمہوری سلطنت مقام وِنزیلہ و چلی و بونس ایرز اور سوئیڈن اور ڈنمارک اور ہالنڈ سے بھی موقوف ہوئی - انگریزوں کی اِس فیاضی کو دیکھکر یورپ کی اَور سلطنتوں کو بھی اِس بد تجارت کے اُٹھا دینے کی ترغیب ہوئی اور اُس کے لیئے قانون بنائے گئے اور عہد نامے کیئے گئے چنانچہ سنہ ۱۸۱۵ء و سنہ ۱۸۱۷ء میں پورچگیز اور اسپین کی سلطنت نے بھی اسپر اپنی رضامندی ظاہر کی اور سنہ ۱۸۲۶ء میں برزیل نے قبول کیا کہ بعد سنہ ۱۸۳۰ء کے اگر غلاموں کی تجارت اُس مُلک میں ہو تو ڈکیتی بحری کا جرم سمجھا جاوے اور سنہ ۱۸۳۱ء و سنہ ۱۸۳۳ء میں جو عہد نامہ فرانس سے ہوا اور جس کو قریباً کُل یورپ کی بحری سلطنتوں نے منظور کر لیا اُس سے استحقاق سمندر میں جہازوں کی تلاشی کا واسطے بند کرنے غلامی کی تجارت کے حاصل ہوا - پھر کنسٹنٹینوپل عہد نامہ کے مطابق جو سنہ ۱۸۴۱ء میں ہوا اُس عہد نامہ کو یورپ کی پانچ اعلیٰ سلطنتوں میں وسعت دی گئی پھر آشبرٹن کے عہد نامہ سے جو سنہ ۱۸۴۲ء میں یونیٹیڈ اسٹیٹ سے ہوا کچھ فوج مشترکہ افریقہ کے کنارہ پر واسطے موقوفی تجارت غلاموں کے قایم ہوئی پھر سنہ ۱۸۴۵ء میں فوج مشترکہ انگلستان اور فرانس کو استحقاق تلاشی غلامان حاصل ہوا ✦

فیاض اور عالیحوصلہ اور ریڈیکل انگریزوں کو یہ خیال بھی تھا کہ موجودہ غلام بھی آزاد کیئے جاویں - اِس بابت کے لیئے سوسیٹیاں بھی بنیں اور ہوس آف کامنز میں بحث بھی ہوا کی - آخرکار سنہ ۱۸۳۳ء میں مسٹر اسٹینلی صاحب نے جو اُس زمانہ میں نوآبادیوں کے وزیر تھے غلاموں کی آزادی کے لیئے قانون کا مسودہ پیش کیا اور ہوس آف کامنز اور ہوس آف لارڈ میں منظور ہوا اور ۲۸ - اگست سنہ ۱۸۳۳ء کو بادشاہی منظوری حاصل ہوئی اور بیس کروڑ پونڈ یعنی دو پدم روپیہ غلاموں کے مالکوں کو بطور معاوضہ نقصان دیا گیا - مگر خیال کرنا چاہیئے کہ یہ روپیہ کہاں سے آیا تھا یہ روپیہ اُسی مُلک کی رعایا نے دیا تھا جس مُلک کو ہم کہتے ہیں کہ تہذیب و شایستگی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا سنہ ۱۸۴۸ء میں فرنچ نے بھی اپنے حبشی غلاموں کو آزاد کر دیا اور سنہ ۱۸۶۳ء میں ڈچ کے غلام آزاد ہوئے اور شمالی و جنوبی امریکہ میں جو لڑائی غلاموں کی آزادی کے لیئے ہوئی وہ ابھی تک دنیا کی آنکھوں سے محو نہیں ہوئی ہے ✦

انگریزوں کی کوششیں جو غلامی کے بند کرنے میں ہوئیں اُن کے ہم دل سے ثنا خواں ہیں اور اس بات کو بھی قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی انگلش گورنمنٹ نے غلاموں کی تجارت بالکل موقوف کردی اور بردہ فروشی بھی بند ہوئی مگر ہم دل سے گورنمنٹ کی کارروائی کی جو ہندوستان میں غلامی کی نسبت ہوئی ہے ثنا خواں نہیں ہیں - ہمکو ظن غالب ہے کہ ہندوستان میں درمیان ہندوستانی عملداریوں کے بردہ فروشی جاری ہے اور گورنمنٹ کچھ کافی تدبیر اُس کے لیئے نہیں کرتی بعضی دفعہ ہمکو خود انگریزی عملداری میں بردہ فروشی ہونے یا لونڈی اور غلام لانے کا شُبہ پیدا ہوتا ہے جبکہ ہم کسبیوں کے ہاں نئی نئی نوچیوں کا اور ہیجڑوں کے ہاں نئے نئے چیلوں کا اور نوابوں کے ہاں نئے نئے خواجہ سراؤں کا آنا سُنتے ہیں ہم دل سے کہتے ہیں کہ ان سب باتوں کا گناہ اِنٹ تک انگریزی گورنمنٹ کے سر پر ہے موجودہ قانون ان امورات کے تدارک کے لیئے کافی نہیں ہیں مگر اُمید ہے کہ کسی دن یہ رسم بد ہندوستان سے بالکل موقوف ہوگی ٭

یہ سب تو ہمنے کہا مگر ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ مسلمان گورنمنٹوں نے اس باب میں کیا عزت کمائی ہے - ہماری رائے یہ ہے کہ اس معاملہ میں دین و دنیا دونوں کا خسران مسلمان گورنمنٹوں کو نصیب ہے - اب بجز مسلمان گورنمنٹوں کے اور کہیں غلاموں کی تجارت جاری نہیں ہے ہم نے جو دین و دنیا دونوں کا خسران مسلمان گورنمنٹوں کی نسبت منسوب کیا اسکی وجہ یہ ہے کہ مذہب اسلام کے مطابق غلاموں کی تجارت اور بردہ فروشی جائز نہیں ہے - ایک تو یہ گناہ ہے اور دوسرا گناہ عظیم یہ ہے کہ غیر قومیں اسلام پر طعنہ مارتی ہیں اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں کیونکہ وہ ان مسلمان گورنمنٹوں کے افعال سے یہ غلط نتیجہ نکالتی ہیں کہ مسلمانی مذہب میں یہ باتیں جائز ہیں - سلطان روم نے درباب بند کرنے تجارت غلاموں کے کوشش کی ہے اور جہاں تک کہ اُن کی عملداری یورپ کے ٹکڑے میں ہے وہاں کسی قدر وہ کوشش مؤثر بھی ہوئی ہے مگر اُس کے سوا کچھ کارگر نہیں ہوئی - کیا افسوس اور شرمندگی کی بات ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ عرب میں گائے بیل کی مانند نہایت بے رحمی سے لونڈی غلام بازار میں بکتے ہیں سو دیکھو غلط اوہام مذہبی میں پڑنا اور بیجا رسم کی تقلید کرنا انسان کو ایسا اندھا کردیتا ہے کہ سلطان سے ایسی رسم قبیح کا جس کے ناجائز اور خلاف شرع ہونے پر علماء اور قضات پایہ تخت نے فتویٰ بھی دیا ہے کچھ انتظام نہیں ہوسکتا اور اس فعل ناشایستہ سے دنیا میں جو ذلت اور

حقارت اور وحشی اور نصف وحشی کا لقب ہے۔ وہ تو خود ہی ظاہر ہے۔ پس مسلمان گورنمنٹوں کو اس فعل کے سبب ہماری ملامت کرنا اور خسر الدنیا والآخرۃ کہنا کچھ خلاف نہیں ہے۔

مگر مصر کا حال سُن کر ہمارا دل تھوڑا سا خوش ہوتا ہے۔ ولیم ہورڈ رسل صاحب جو نہایت نامی گرامی ہیں اپنے روزنامچہ میں اسمٰعیل پاشا خدیو مصر کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اُس نے اس نیکی کے حاصل کرنے اور رسم بد کے موقوف کرنے میں بڑی کوشش کی ہے اور کسی قدر کامیاب بھی ہوا ہے اگر یہ بات سچ ہے تو ہم بھی دل سے اسمٰعیل پاشا کی خیر مناتے ہیں اور دُعا دیتے ہیں اور شکر کرتے ہیں مگر ہم نے جو ٹھنڈے دل سے یہ دُعا دی اُس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے خود مصر میں دیکھا ہے کہ حبشی غلام خواجہ سرا نہایت کثرت سے ہیں اور خود اسمٰعیل پاشا کے محل میں موجود ہیں۔ پس یہ کیا خدا کی دوہری لعنت یعنی ایک غلامی اور دوسرے خوجہ کرنا مصر والوں کی سیاہ روئی اور پورے وحشی ہونے کے لیئے کم ہے۔ افسوس کہ ان ناخدا ترس مسلمانوں نے اپنے افعال قبیحہ سے کیسے روشن مذہب اسلام کو بدنام کیا ہے اور دھبہ لگایا ہے۔ سبحان اللہ۔ جو فعل مبغوض رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تھا اُسی قسم کے لوگ یعنی خواجہ سرا روضہ متبرکہ رسالت مآب علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام پر اور خانہ کعبہ پر متعین کیئے گئے ہیں اور یہ ہیئے کے پھوٹے مسلمان اُس کو باعث افتخار جانتے ہیں اور اُس کے مخالف کو لامذہب یا کرسٹان بتاتے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَار۔

اگرچہ مسٹر رسل صاحب کی کتاب متعلق غلامی مصر پڑھ کر ہمارا دل خوش ہوا مگر جس لفظ نے ہمارے دل کو نہایت رنجیدہ کیا اُس کا بیان کرنا بھی ہمکو ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں اُنھوں نے اسمٰعیل پاشا کے اس نیک کام کی تعریف لکھی ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اُس نے برخلاف اپنے مذہب و ایمان کے یہ نیک کام کیا ہے۔ اس تحریر پر ہم کچھ مسٹر رسل صاحب سے ناراض نہیں ہوئے اُنھوں نے ٹھیک لکھا ہے مگر اُن کافر مسلمانوں سے ناراض ہوئے جنھوں نے اپنے افعال ناشایستہ کو ایسے طور پر رواج دیا ہے جس کے سبب غیر قومیں اُن افعال کو مذہبی اور ایمانی افعال سمجھتی ہیں اور مذہب اسلام کو حقارت سے دیکھتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ تہذیب اور شایستگی اور انسانیت مذہب اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ پس ہم نے یہ مضمون اسی لیئے اختیار کیا ہے تاکہ ہم دکھائیں کہ مذہب اسلام نے غلاموں اور غلامی کی نسبت کیا کیا ہے اور کس طرح رحم اور انسانیت اور تہذیب کو اعلےٰ درجہ تک پہونچایا ہے۔ چنانچہ انشاء اللہ تعالےٰ ہم دوسرے

آرٹیکل میں جو غلامی لکھینگے اُس میں مذہب اسلام کے مطابق مضمون غلامی پر بحث کرینگے اور اسلام کی روشنی (مگر نہ زید و عمر کی) دنیا کی آنکھ میں دکھادیں گے۔ من اوراد وست مسیدارم و دیگراں زید و عمرورا +

عورتوں کے حقوق

تربیت یافتہ ملک اس بات پر بہت غل مچاتے ہیں کہ عورت اور مرد دونوں باعتبار آفرینش کے مساوی ہیں اور دونوں برابر حق رکھتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ عورتوں کو مردوں سے کم اور حقیر سمجھا جاوے۔ اگر تمثیلاً کہا جاوے کہ عورت انسان کے لیئے بمنزلہ بائیں ہاتھ کے ہے اور مرد بمنزلہ دائیں ہاتھ کے۔ یا قدر و قیمت میں عورت بمنزلہ سونے کے ہے اور مرد بمنزلہ روپیہ کے۔ تو بھی اس پر راضی نہیں ہوتے۔ باایں ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر قدر و منزلت عورتوں کی مذہب اسلام میں کی گئی ہے اور اُن کے حقوق اور اُن کے اختیارات کو مردوں کے برابر کیا گیا ہے اُس قدر آج تک کسی تربیت یافتہ ملک میں نہیں ہے۔ انگلنڈ جو عورتوں کی آزادی کی بڑی حامی کار ہے جب اُس کے قانون پر جو عورتوں کے باب میں ہے نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں نے عورتوں کو نہایت حقیر اور لایعقل اور لاشئے سمجھا ہے +

انگلنڈ کے قانون کے بموجب عورت شادی کرنے کے بعد معدوم الوجود متصور ہوتی ہے اور ذات شوہر سے مبدل ہو جاتی ہے +

وہ کسی قسم کے معاہدہ کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اس لیئے وہ کسی دستاویز کی جو اُس نے خود اپنی مرضی سے بلا شوہر کی رضی کے لکھی ہو ذمہ دار نہیں ہوسکتی +

جو ذاتی اسباب اور مال و نقد و جائداد قبل شادی عورت کی ملک ہو وہ سب بعد شادی کے بقبضہ شوہر آجاتی ہے +

جو جائداد کہ عورت کو وراثتاً قبل شادی کے یا بعد شادی کے ملی ہو اُس سب پر اُس کا شوہر تاحین حیات قابض ہو جاتا ہے اور وُہی اُس کا محاصل لیتا ہے +

وہ مثل لایعقل شخص کے نہ کسی پر دعویٰ کرسکتی ہے اور نہ اُس پر کوئی دعویٰ رجوع کرسکتا ہے +

وہ بلا اجازت شوہر کے کوئی اسباب نہیں خرید سکتی اور کوئی چیز بیع نہیں کرسکتی +

وہ بجز روٹی کھانے اور کپڑا پہننے اور ایک مکان میں رہنے کے خرچ کے جو ضروریات زندگی کے لیئے درکار ہے اور کوئی خرچ بغیر مرضی شوہر کے نہیں کر سکتی ✤

سنہ ۱۸۸۰ء میں پارلیمنٹ میں منکوحہ عورتوں کی جایداد کا ایک بل پیش ہوا تھا اُسمیں صرف یہ بات چاہی گئی تھی کہ وہ قانون جس کے ذریعہ سے بعد شادی کے عورت اپنی جایداد سے محروم ہوجاتی ہے منسوخ کیا جاوے ✤

آنریبل مسٹر رسل گرنی ممبر پارلیمنٹ نے یہ مسودہ قانون کا پیش کیا تھا اُس وقت اُنھوں نے نہایت لطیف بات یہ کہی تھی کہ حال کے قانون کے بموجب جو کچھ جایداد عورت کے پاس قبل شادی ہوتی ہے اور بعد شادی ملتی ہے اور جو کچھ کہ وہ اپنی محنت ولیاقت سے کماتی ہے بعد شادی کے وہ اُس کا نہیں رہتا سب پر شوہر مالک ہوجاتا ہے۔ پس شادی کا اثر اُس عورت پر ایسا ہوتا ہے جیسا کہ کسی جرم قابل ضبطی جایداد کا اثر ہوتا ہے ✤

اس گفتگو پر تمام ہوس آف کامنز ہنس پڑا۔ اور بہت ممبروں نے آنریبل مسٹر رسل گرنے کی تائید کی پس انگلستان کے قانون کا عورتوں کی نسبت یہ حال ہے اور غالباً کوئی قانون اس سے زیادہ خراب اور ضرر رساں اور ناانصاف نہ ہوگا ✤

ذکر مسلمانی قانون کا نسبت عورتوں کے

اب خیال کرو کہ مسلمانی قانون میں عورتوں کو کس طرح عزت دی گئی ہے اور مردوں کے برابر اُن کے حقوق اور اختیار تسلیم کیئے گئے ہیں ✤

حالت نابالغی میں جس طرح مرد اُسی طرح عورت بے اختیار اور ناقابل معاہدہ متصور ہے الّا بعد بلوغ وہ بالکل مثل مرد کے مختار اور ہر ایک معاہدہ کے لائق ہے ✤

جس طرح مرد اُسی طرح عورت اپنی شادی کرنے میں مختار ہے جس طرح کہ مرد کی بے رضامندی نکاح نہیں ہوسکتا اسی طرح عورت کی بلا رضامندی نکاح نہیں ہوسکتا ✤

وہ اپنی تمام ذاتی جایداد کی خود مالک اور مختار ہے اور ہر طرح اُس میں تصرف کرنیکا اُسکو اختیار کامل حاصل ہے ✤

وہ مثل مرد کے ہر قسم کے معاہدہ کی صلاحیت رکھتی ہے اور اُسکی ذات اور اُسکی جایداد اُن معاہدوں اور دستاویزوں کی بابت جوابدہ ہے جو اُس نے تحریر کی ہوں ✤

جو جایداد قبل شادی اور بعد شادی اُس کی ملکیت میں آئی ہو وہ خود اُسکی مالک ہے
اور خود اُس کے محاصل کی لینے والی ہے ؛
وہ مثل مرد کے دعویٰ بھی کرسکتی ہے اور اُسپر بھی دعویٰ ہوسکتا ہے ؛
وہ اپنے مال سے ہر ایک چیز خرید سکتی ہے اور جو چاہے اُسکو بیع کرتی ہے وہ مثل مرد کے
ہر قسم کی جائیداد کو ہبہ اور وصیت اور وقف کرسکتی ہے ؛
وہ رشتہ داروں اور شوہر کی جائیداد میں سے بہ ترتیب وراثت ورثہ پاسکتی ہے ؛
وہ تمام مذہبی نیکیوں کو جو مرد حاصل کرسکتا ہے حاصل کرسکتی ہے ؛
وہ تمام گناہوں کے عوض میں دنیا اور آخرت میں وہی سزائیں پاسکتی ہے جو مرد
پاسکتا ہے ؛
کوئی قید خاص عورت پر بجز اُس کے جو خود اُس نے بسبب معاہدہ نکاح کے اپنے پر
قبول کی ہیں یا اُس تفاوت سے عورت میں جو نیچر یعنی قدرت نے دونوں میں مختلف طور سے
بنا لیا ہے ایسی نہیں ہے جو مرد پر نہ ہو۔ پس حقیقت میں مذہب اسلام میں جس طرح کہ عورت و مرد
کو برابر سمجھا ہے ویسا ہی نہ کسی مذہب میں ہے اور نہ کسی قوم کے قانون میں ہے ؛
مگر تعجب اور کمال تعجب اس بات میں ہے کہ تمام تربیت یافتہ ملک مسلمانوں کی عورتوں
کی جو حالت ہے اُسپر بہت کچھ نام رکھتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ تربیت یافتہ ملک
کی عورتوں کی حالت مسلمانوں اور مسلمان ملک کی عورتوں کی حالت سے بدرجہا بہتر ہے
حالانکہ معاملہ بالعکس ہونا چاہیئے تھا ؛
عورتوں کی حالت کی بہتری جو تربیت یافتہ ملکوں میں ہمنے تسلیم کی ہے اُس میں کچھ بھی
خیال ہمنے بے پردگی کی آزادی کا نہیں کیا ہے کیونکہ ہماری رائے میں ہندوستان میں اس
باب میں جس قدر کہ تفریط ہے اُسیقدر تربیت یافتہ ملکوں میں افراط ہے اور جو حد کہ شرع نے
مقرر کی ہے اور جہاں تک کہ انسان اُس پر غور کرسکتا ہے اور اپنی عقل کو کام میں لاسکتا
ہے بلاشبہ وہی حد نہایت درست اور ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ اس مقام پر جو ہمکو بحث ہے
وہ صرف مردوں کے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت اور تواضع اور خاطرداری
اور محبت اور پاس خاطر اور اُن کی آسایش اور آرام اور خوشی اور فرحت کی طرف متوجہ ہونا اور اُنکو
ہر طرح پر خوش رکھنا اور بعوض اس کے کہ عورتوں کو اپنا خدمت گذار تصور کریں اُن کو اپنا

انہیں اور جلیس اور رنج وراحت کا شریک اور اپنے کو اُن کی اور اُن کو اپنی باعث مسرت اور تفویت کے سمجھنے پر بحث ہے - بلاشبہ جہاں تک کہ ہمکو معلوم ہے تربیت یافتہ ملکوں میں عورتوں کے ساتھ یہ تمام مراتب بخوبی برتے جاتے ہیں اور مسلمان ملکوں میں ویسے نہیں برتے جاتے اور ہندوستان میں تو ایسی نالایقی اور خاک اڑتی ہے کہ نعوذ باللہ منہا +

جو لوگ کہ ان خرابیوں کو مذہب اسلام کی طرف نسبت کرتے ہیں یقینی اُن کی غلطی ہے بلکہ ہندوستان میں جس قدر کہ عورتوں کی حالت میں تنزل ہے صرف اُسکا باعث احکام مذہب اسلام کی بخوبی پابندی نہ کرنا ہے - اگر اُن کی پابندی کیجاوے تو بلاشبہ یہ تمام خرابیاں دُور ہو جاویں - معہذا بڑا باعث اس کا اُن سویلیزڈ یعنی نامہذب ہونا مسلمانوں کا ہے - مہذب قوموں نے باوجودیکہ اُن کے ہاں کا قانون نسبت عورتوں کے نہایت ہی ناقص اور خراب تھا اپنی عورتوں کی حالت کو نہایت اعلے درجہ کی ترقی پر پہونچایا ہے اور مسلمانوں نے باوجودیکہ اُن کا مذہبی قانون نسبت عورتوں کے اور اُن کی حالت کی بہتری کے تمام دنیا کے قانون سے بہتر اور عمدہ تھا مگر اُنھوں نے اپنے نامہذب ہونے سے ایسا خراب برتاؤ عورتوں کے ساتھ اختیار کیا ہے جس کے سبب تمام قومیں اُن کی حالت پر ہنستی ہیں اور ہماری ذاتی بُرائیوں کے سبب اس وجہ سے کہ قوم کی قوم ایک حالت پر ہے الا ماشاء اللہ اُس قوم کے مذہب پر عیب لگاتی ہیں پس اب یہ زمانہ نہیں ہے کہ ہم ان باتوں کی غیرت نہ کریں اور اپنے چال چلن کو درست نہ کریں اور جیسا کہ مذہب اسلام روشن ہے خود اپنے چال چلن سے اُسکی روشنی کا ثبوت لوگوں کو نہ دکھاویں +

طریقہ زندگی

قوموں کی عزت یا ذلت اُن کی رسم و رواج اور اُن کے طریقہ زندگی اور کبھی کبھی اُن کے مذہب سے بھی علاقہ رکھتی ہے - تمام قوموں میں بہت سی رسمیں وحشیانہ اور ناتربیت یافتہ زمانہ کی ابتک چلی آتی ہیں - مگر تربیت یافتہ قوموں نے اُن رسموں کو تراش خراش کر ایسا کر لیا ہے کہ اُنمیں وحشیانہ پن مطلق نہیں رہا بلکہ نہایت فرحت بخش اور دلکش ہو گئی ہیں اور ناتربیت یافتہ قومیں ابتک بدستور وحشیانہ طور سے اُن کو برتتی آتی ہیں اور اسی لیئے پہلی قومیں پچھلی کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں +

اکثر قوموں نے قدیم زمانہ میں طریقہ زندگی بمقتضائے آب و ہوا ہر ایک ملک کے اختیار کیا تھا جو اکثر نہایت سادہ وحقارت آمیز تھا مگر تربیت یافتہ قوموں نے اُس میں اصلاح کرتے کرتے اعلےٰ درجہ کی ترقی اور شائستگی پر پہونچا دیا اور ناتربیت یافتہ قومیں اُسی جہالت میں پڑی رہیں اور اس لئیے پہلی قوموں کی آنکھ میں ذلیل و خوار ہیں ؛

یہ امر بھی بہت واقع ہوا ہے کہ بسبب نہ ہونے فن و ہنر کے ہر ایک قوم نے جو طریقہ زندگی بسر کرنے کا اختیار کیا تھا وہ اُس زمانہ میں حقیر نہ تھا مگر حال کے زمانہ میں ذلیل ہوگیا ہے چنانچہ جس قدر فن و ہنر وصنعت کاری نکلتی آئی اُسی قدر تربیت یافتہ قوموں نے ساز و سامان سے اپنے طریقہ زندگی کو آراستہ کرلیا اور جنھوں نے ایسا نہ کیا وہ ویسے ہی حقیر و ذلیل ناتربیت یافتہ رہیں ؛

طریقہ زندگی سے قوموں کی ذلت اور عزت کا ہونا ایک ایسا امر ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر ہم چند مثالوں سے اُسکو اَور زیادہ واضح کرتے ہیں - ہندوستان میں کنجروں کی قوم کو دیکھو جو ایک لنگوٹی باندھے رہتی ہے اور نہایت میلا بدن اور نجس ہاتھ پاؤں رکھتی ہے اور نہایت میلے بدبودار برتن استعمال میں لاتی ہے - غذا بھی اُن کی نہایت کثیف ہے اور طرز کھانے کا بھی ایسا بُرا ہے جیسے دیکھ کر گھن آتی ہے - پس وہ قوم صرف اپنے طریقہ زندگی کے ذلیل ہونے کے سبب ہماری آنکھ میں کیسی ذلیل و خوار معلوم ہوتی ہے ؛

اب اُن قوموں کو دیکھو جو اُن سے درجہ بدرجہ طریقہ زندگی کی اصلاح میں ترقی کرتی گئی ہیں مثلاً چمار جن کا لباس اور طریق زندگی کنجروں سے بدرجہا اچھا ہے وہ ہماری آنکھ میں ویسے ذلیل نہیں ہیں چماروں کی بہ نسبت عام غریب گنواروں کا لباس اور طریقہ زندگی بدرجہا نہایت عمدہ اور اچھا ہے وہ ہماری آنکھ میں چنداں ذلیل نہیں ہم کبھی اُن کے گھر بھی جاتے ہیں - اُن کے ہاں کا پانی بھی پیتے ہیں - اُن کے گھر کی پکی ہوئی روٹی بھی کھاتے ہیں - اور کچھ نفرت نہیں کرتے ؛

علاوہ اِن کے تین قومیں اَور ہندوستان میں ہیں جو اپنے تئیں مؤدب و مہذب تربیت یافتہ و شائستہ سمجھتی ہیں ؛

ہندو - مسلمان - انگریز اِن تینوں قوموں کا جو طریق لباس اور طرز زندگی اور کھانے پینے کی رسم اور اُٹھنے بیٹھنے کی عادت ہے اُس سے تمام لوگ ہندوستان کے بخوبی واقف ہیں - مگر

اس میں کچھ شک نہیں کہ ان تینوں قوموں میں سے جس قوم کا طریقہ اعلےٰ ہے وہ قوم باقی دو
قوموں کو ایسا ہی ذلیل اور ناتربیت یافتہ اور قابل نفرت کے سمجھتی ہے جیسیکہ ہم اپنے سے
ادنیٰ قوموں کو سمجھتے ہیں ؛

مسلمان اپنی دانست میں اپنے لباس اور اپنی مجلس میں نہایت آراستگی اور شان و شوکت
کرتے ہیں اور اپنے دستر خوانوں کو انواع انواع طرح کے لذیذ کھانوں سے اور خوبصورت خوبصورت
سونے اور چاندی اور چینی اور بلوریں برتنوں سے آراستہ کرتے ہیں مگر جو قوم کہ اُن سے بھی
زیادہ لباس میں اور کھانے پینے کے طریق میں زیادہ صفائی رکھتی ہے وہ اُن کو اسی حقارت
اور ذلت سے دیکھتی ہے ؛

جو لوگ کہ چمچے اور کانٹوں سے کھاتے ہیں اور ہر دفعہ رکابیاں اور چھری کانٹے چمچے بدلتے
جاتے ہیں جب وہ ہم مسلمانوں کو ہاتھ سے کھاتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اُن کو نہایت نفرت
اور کراہیت آتی ہے ؛

ترکوں نے اگرچہ اپنا طریقہ بدل دیا ہے مگر مصر میں عورتیں اب تک نیچی میز پر کھانا رکھکر اور
ہاتھ سے کھاتی ہیں تھوڑے دن ہوئے کہ پرنس آف ویلز یعنی ولیعہد سلطنت انگلستان
مع پرنسس آف ویلز یعنی ولیعہد بیگم کے مصر میں سیر کو تشریف لے گئے تھے - اسمٰعیل پاشا
خدیو مصر کی ماں نے پرنسس آف ویلز یعنی ولیعہد بیگم کی محلسرائے زنانہ میں دعوت کی اور
اپنے ساتھ کھانا کھلایا - پرنسس آف ویلز کے ساتھ آنریبل مسس ولیم گری صاحبہ بھی بطور
مصاحب کے تھیں اور دعوت میں بھی شریک تھیں - اُنھوں نے وہاں سے واپس آکر
سفر کا حال لکھا ہے چنانچہ جو کچھ اُنھوں نے طریق کھانا کھانے کی نسبت لکھا ہے اسکا انتخاب
ہم اس مقام پر لکھتے ہیں تا کہ یہ بات معلوم ہو کہ دوسری قوم جو ہم سے زیادہ صفائی سے کھاتی ہے ہمارے
کھانا کھانے کے طریق کو کیسا خیال کرتی ہے ؛

مسس صاحبہ ممدوحہ اس طرح پر لکھتی ہیں کہ " کھانے کے کمرے کے اندر چاندی کی ایک
گول میز بچھی ہوئی تھی - فرش سے ایک فٹ اونچی اور ایک بڑا خوان معلوم ہوتی تھی اُس کے
گرد گدیلے بچھے ہوئے تھے - ہم سب آلتی پالتی مار کو میز کے گرد گدیلوں پر جا بیٹھے - خدیو مصر
کی ماں کی داہنی طرف پرنسس آف ویلز بیٹھیں اور پھر سب بیگمات درجہ بدرجہ بیٹھیں ؛
سب سے پہلے ایک قاب میں مرغ کا شوربا اور چانول یعنی خشکہ آیا اور سیپی کے چمچے ملے - مگر نہ

چھُری بھی نہ کانٹا تھا۔ اُس کے بعد بڑا مٹن آیا اور دفعہ دفعہ بہیں قسم کے کھانے آئے جو ہاتوں سے اور اُنگلیوں سے توڑ توڑ کر کھائے جاتے تھے ٭

جس قدر مجھ کو اِس سے نفرت ہوئی اور پھر یری آ آکر قے ہونے کی نوبت ہوئی ایسی کبھی نہیں ہوئی۔ کھانے میں اُنگلیوں کا ڈبویا جانا دیکھ کر اور اُنگلیوں سے توڑ کر کھانے سے ایسی نفرت اور گھن آتی تھی کہ مَیں نے ایک آدھ دفعہ تو کھانے سے انکار کر دیا مگر جو بیگم کہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اُنھوں نے جانا کہ مَیں شرماتی ہوں تو ہر دفعہ کھانا اپنے ہاتھ سے لیکر میری رکابی میں رکھ دیتی تھیں اور ایک دفعہ شوروے میں سے پیاز نکال کر میرے آگے رکھدی اور میرا جی متلاتا جاتا تھا کھانے پر شراب مطلق نہ تھی۔ انتہی مخلصاً ٭

مسس گرے صاحبہ کا جو یہ حال ہوا بلاشبہ زیادہ اُس کا سبب یہ تھا کہ اِس طرح پر کھانیکی اُن کو عادت نہ تھی مگر انصاف سے ہمکو اِس بات کا بھی اقرار کرنا چاہیئے کہ چھُری اور چمچہ سے کھانا اور ہر قسم کے کھانے کے لیئے جُدا برتنوں کا ہونا بہ نسبت ہاتھ سے کھانا کھانے کے زیادہ عمدگی و صفائی اور نفاست رکھتا ہے ٭

یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہاتھ سے کھانا مسنون ہے اور اُسکو حقیر سمجھنا کُفر تک نوبت پہونچا دیتا ہے۔ ہم اِس رائے کی صحت و سقم کی بحث سے قطع نظر کر کر اُسکو تسلیم کرتے ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ اُن بزرگوں کی ادھی پیروی کرنا باعث ذلت ہے اگر مسلمان یہ بھی گوارا کریں کہ مرغن کھانے جس سے ہاتھ اور موُنہ بھر جاتا ہے اور یہی امر باعث نفرت اور گھن آنے کا ہوتا ہے چھوڑ دیں اور جو کے بِن چھنے آٹے کی سوکھی روٹی لکڑی یا کھجور سے کھا لیا کریں تو اُن بزرگوں کی پوری پیروی ہوگی اور اُس وقت میں کوئی بھی ہاتھ سے کھانے پر نفرت نہ کریگا مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ کھانے تو ہوویں فرعونی اور طریق کھانے کا ہو مسنونی ٭

ہمکو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اُس نے ہمکو اپنی نعمتیں عطا کی ہیں ہم اُن کو استعمال کریں اور عملی طور پر اُس کا شکر بجا لاویں اور جبکہ ہم یہ خیال کریں کہ ان شان کی چیزوں کا ہم بنظر تکبر و غرور استعمال نہیں کرتے بلکہ بطور ادائے شکر ولی النعم استعمال کرتے ہیں اور مسلمانوں کی قوم کو غیر قوموں کی نگاہ میں جو ذلت ہے اُس سے نکالتے ہیں جس میں اسلام کی بھی عزت ہے تو اُس وقت تو ہم چمچہ اور چھُری کانٹے سے کھانا مندوبات اور مستحبات سے کم نہیں سمجھتے کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام انما الاعمال بالنیات ٭

تعلیم و تربیت

ایک مصنف کی ایک بات کو ہم اپنی طرز پر اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں ؛
تعلیم اور تربیت کو ہم معنی سمجھنا بڑی غلطی ہے بلکہ وہ جُدا جُدا دو چیزیں ہیں - جو کچھ کہ انسان میں ہے اُسکو باہر نکالنا انسان کو تعلیم دینا ہے - اور اُسکو کسی کام کے لائق کرنا اُس کا تربیت کرنا ہے - مثلاً جو قوتیں کہ خدا تعالیٰ نے انسان میں رکھی ہیں اُن کو تحریک دینا اور شگفتہ و شاداب کرنا انسان کی تعلیم ہے اور اُسکو کسی بات کا مخزن اور مجمع بنانا اُسکی تربیت ہے ؛

انسان کو تعلیم دینا درحقیقت کسی چیز کا باہر سے اُس میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ اُس کے دل کی سوتوں کا کھولنا اور اندر کے سرچشمہ کے پانی کو باہر نکالنا ہے جو صرف اندرونی قویٰ کو حرکت میں لانے اور شگفتہ و شاداب کرنے سے نکلتا ہے - اور انسان کو تربیت کرنا اُسکے لئیے سامان کا مہیا کرنا اور اُس سے کام کا لینا ہے جیسے جہاز طیار ہونے کے بعد اُسپر بوجھ لادنا اور حوض بنانے کے بعد اُس میں پانی کا بھرنا - پس تربیت پانے سے تعلیم کا بھی پانا ضرور نہیں ہے - تربیت جتنی چاہو کرو اور اُس کے دل کو تربیت کرتے کرتے مونھہ تک بھر دو - مگر اُس سے دل کی سرچی سوتیں نہیں کھلتیں بلکہ بالکل بند ہو جاتی ہیں - اندرونی قویٰ کو حرکت دئیے بغیر تربیت تو ہو جاتی ہے مگر تعلیم کبھی نہیں ہوتی اِس لئیے ممکن ہے کہ ایک شخص کی تربیت تو بہت اچھی ہو اور تعلیم بہت بری - یہی ٹھیک ٹھیک حال ہم مسلمانوں کے عالموں اور تربیت یافتہ لوگوں کا ہے کہ تربیت تو نہایت اچھی ہے اور تعلیم کچھ نہیں - ظاہر میں دیکھو تو طمطراق بہت کچھ مگر جب اصلیت ڈھونڈو تو کچھ نہیں - بھاری بھرکم تو عمامہ و دستار جبہ اور کُرتہ سے بہت کچھ مگر دل کی اور اندرونی قویٰ کی شگفتگی دیکھو تو کچھ بھی نہیں - نہایت عمدہ قول ہے کہ کتابوں کا پڑھا دینا تو تعلیم کا نہایت ادنے اور سب سے زیادہ حقیر جزو ہے بلکہ اِس قسم کے بہت سے پڑھنے سے جس میں اندرونی قویٰ کی تحریک اور شگفتگی نہ ہو جس قدر دل کے قوے کمزور اور ناکارہ ہو جاتے ہیں ایسے اَور کسی چیز سے نہیں ہوتے - ہم اپنے ہاں کے عالموں کا حال بالکل یہی دیکھتے ہیں کہ اُن کے روحانی قویٰ بالکل نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور صرف زبانی ٹکبک یا تکبّر و غرور اور اپنے آپ کو بے مثل و نظیر قابل ادب سمجھنے کے اَور کچھ باقی نہیں رہتا - زندہ ہوتے ہیں مگر دلی اور روحانی قویٰ کی شگفتگی کے

اعتبار سے بالکل مردار ہوتے ہیں۔ کتابیں پڑھتے ہیں اور جس قدر عمدہ کتابیں افراط سے بہم پہونچیں اُن کو اَور زیادہ پڑھتے ہیں اور اُن سے تربیت حاصل کرتے ہیں اور ایسے بیل کی مانند ہوجاتے ہیں جو برابر چرتا ہے اور پھر بھی چراگاہ ہی میں رہنے کی خواہش کرتا ہے پس کتابیں پڑھ لینے سے انسانیت نہیں آجاتی بلکہ وہ کتابی علم خود اُن پر بوجھ ہوتا ہے ❊

اس تقریر سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ تمام خرابیوں کی جڑ جو ہم پر نازل ہیں یہی ہے کہ ہمنے اپنے دل کو اور اپنے اندرونی قویٰ کو بالکل خراب کردیا ہے۔ علم جو حاصل کرتے ہیں وہ بھی بعوض اسکے کہ روحانی قویٰ کو شگفتہ و شاداب کرے اُن کو پژمردہ بلکہ مردہ کردیتا ہے اور ہمارے قوے کو جو درحقیقت سرچشمے تمام نیکیوں کے ہیں بالکل کمزور اور ناکارہ کردیتا ہے اور ہماری حالت تمام معاملات میں کیا دین کے اور کیا دنیا کے خراب ہوتی چلی جاتی ہے۔ پس ہمکو اپنے پر رحم کرنا چاہیئے اور ایسی تعلیم کو اختیار کرنا چاہیئے جو اندرونی قویٰ کو شگفتہ و شاداب کرے اور دل کی سوتوں کو کھول کر سرچشمے سے پانی باہر نکالے جس سے ہماری زندگی سرسبز و شاداب ہو ❊

کاہلی

یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں سے محنت نہ کرنا کام کاج محنت مزدوری میں چستی نہ کرنا اُٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں سستی کرنا کاہلی ہے مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ دلی قوے کو بیکار چھوڑ دینا سب سے بڑی کاہلی ہے ❊

ہاتھ پاؤں کی محنت اوقات بسر کرنے اور روٹی کما کر کھانے کے لیئے نہایت ضروری ہے اور روٹی پیدا کرنا اور پیٹ بھرنا ایک ایسی چیز ہے کہ بمجبوری اُس کے لیئے محنت کی جاتی ہے اور ہاتھ پاؤں کی کاہلی چھوڑی جاتی ہے اور اسی لیئے ہم دیکھتے ہیں کہ محنت مزدوری کرنیوالے لوگ اور وہ جو کہ اپنی روزانہ محنت سے اپنی بسر اوقات کا سامان مہیا کرتے ہیں بہت کم کاہل ہوتے ہیں۔ محنت کرنا اور سخت سخت کاموں میں ہر روز لگے رہنا گویا اُن کی طبیعت ثانی ہوجاتی ہے مگر جن لوگوں کو اِن باتوں کی حاجت نہیں ہے وہ اپنے دلی قویٰ کو بیکار چھوڑ کر بڑے کاہل اور بالکل حیوان صفت ہوجاتے ہیں ❊

یہ سچ ہے کہ لوگ پڑھتے ہیں اور پڑھنے میں ترقی بھی کرتے ہیں اور ہزار پڑھے لکھوں میں سے شاید ایک کو ایسا موقع ملتا ہوگا کہ اپنی تعلیم کو اور اپنی عقل کو ضرورتاً کام میں لاوے لیکن اگر

انسان اُن عارضی ضرورتوں کا منتظر رہے اور اپنے دلی قویٰ کو بیکار ڈال دے تو وہ نہایت محنت کاہل اور وحشی ہو جاتا ہے۔ انسان بھی مثل اَور حیوانوں کے ایک حیوان ہے اور جبکہ اُس کے دلی قویٰ کی تحریک سُست ہو جاتی ہے اور کام میں نہیں لائی جاتی تو وہ اپنی حیوانی خصلت میں پڑ جاتا ہے اور جسمانی باتوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور انسانی صفت کو کھو کر پورا حیوان بن جاتا ہے پس ہر ایک انسان پر لازم ہے کہ اپنے اندرونی قویٰ کو زندہ رکھنے کی کوشش میں رہے اور اُن کو بیکار نہ چھوڑے۔

ایک ایسے شخص کی حالت کو خیال کرو جس کی آمدنی اُس کے اخراجات کو مناسب ہو اور اُسکے حاصل کرنے میں اُسکو چنداں محنت و مشقت کرنی نہ پڑے جیسیکہ ہمارے ہندوستان میں ملکیوں اور لاخراج داروں کا حال تھا اور وہ اپنے دلی قویٰ کو بھی بیکار ڈالدے تو اُس کا حال کیا ہوگا۔ یہی ہوگا کہ اُسکے عام شوق وحشیانہ باتوں کی طرف مائل ہوتے جاوینگے۔ شراب پینا اور مزیدار کھانا اُسکو پسند ہوگا۔ قماربازی اور تماش بینی کا عادی ہوگا اور یہی سب باتیں اُس کے وحشی بھائیوں میں بھی ہوتی ہیں البتہ اتنا فرق ہوتا ہے کہ وہ بیہوار بدسلیقہ وحشی ہوتے ہیں اور یہ ایک وضعدار وحشی ہوتا ہے۔ شراب پی کر پلنگ پر پڑے رہنا اور پیچوان کے دھوئیں اُڑانا اُسکو پسند ہوتا ہے اور جنگل کے ریت پر پڑے رہنا اور ناریل میں تمباکو کے دھوئیں اُڑانا اُسکو پسند ہوتا ہے۔ پس پیچوان اور ناریل اور بچھونے اور ریت کے فرق سے کچھ مشابہت میں جو ان دونوں میں ہے کمی نہیں ہوتی۔

ہم قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ہندوستانیوں کے لیئے ایسے کام بہت کم ہیں جن میں اُن کو قوائے دلی اور قوت عقلی کو کام میں لانے کا موقع ملے اور برخلاف اس کے اَور ولایتوں میں اور خصوصاً انگلستان میں وہاں کے لوگوں کے لیئے ایسے موقع بہت ہیں اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اگر انگریزوں کو بھی کوشش اور محنت کی ضرورت اور اُس کا شوق نہ رہے جیسا کہ اب ہے تو وہ بھی بہت جلد وحشت پنے کی حالت کو پہونچ جاوینگے مگر ہم اپنے ہموطنوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے مُلک میں جو ہمکو اپنے قوائے دلی اور قوت عقلی کو کام میں لانیکا موقع نہیں رہا ہے۔ اِس کا بھی سبب یہی ہے کہ ہمنے کاہلی اختیار کی ہے یعنی اپنے دلی قویٰ کو بیکار چھوڑ دیا ہے۔ اگر ہمکو قوائے قلبی اور قوت عقلی کے کام میں لانے کا موقع نہیں ہے تو ہمکو اسی کی فکر اور کوشش چاہیئے کہ وہ موقع کیونکر حاصل ہو اگر اُس کے حاصل کرنے میں ہمارا کچھ قصور ہے

تو اسی کی فکر اور کوشش چاہیئے کہ وہ قصور کیونکر رفع ہو۔ غرضکہ کسی شخص کے دل کو بیکار پڑا رہنا نہ چاہیئے کسی نہ کسی بات کی فکر و کوشش میں مصروف رہنا لازم ہے تاکہ ہمکو اپنی تمام ضروریات کے انجام کرنے کی فکر اور ستعدی رہے اور جب تک کہ ہماری قوم سے کاہلی یعنی دل کو بیکار پڑا رکھنا نہ چھوٹے گا اُس وقت تک ہمکو اپنی قوم کی بہتری کی توقع کچھ نہیں ہے نہایت حکیمانہ قول ہے کہ۔

بیکار مباش کچھ کیا کر ٭ گر کر نہ سکے تو کچھ کھا کر

طریقہ تناول طعام

ضد اور نفسانیت انسان کے بہت بڑے دشمن ہیں کسی اچھی بات کو ضد سے نہ ماننا اور اُسکی نیک و بد پر غور نہ کرنا درحقیقت انسان کا کام نہیں ہے ٭

اس وقت ہمکو نہ انگریزوں کی طرح چھری کانٹے سے میز کرسی لگاکر کھانے پر بحث ہے اور نہ ہمکو ترکوں کی تقلید کی ہوس ہے بلکہ ہمکو نہایت سیدھی طرح سے کھانے کے طریق پر غور کرنی ہے اور بلا تبدیل وضع جس قدر کہ اُس کے نقصان رفع ہو سکتے ہیں اُسی پر بحث کرنے سے غرض ہے ٭

ہندو چوکے میں چھوٹی چھوٹی پیالیوں یا تشتریوں یا پتلوں میں تھوڑا تھوڑا سب قسم کا کھانا چُن کر آگے رکھ لیتے ہیں اور ہر ایک میں سے کچھ کچھ کھاتے جاتے ہیں اور جو بچتا ہے۔ وہ اُسی برتن میں دھرا رہتا ہے جس میں اُنھوں نے کھایا تھا اور اس سبب سے کھانے کے وقت اُن کے سامنے جھوٹے برتن اور نیم خوردہ کھانا سب دھرا رہتا ہے اور کھا چکنے کے بعد وہ سب اُٹھ جاتا ہے ٭

ہندوستان میں مسلمانوں کے کھانا کھانے کا بھی یہی طریق ہے جو ہندوؤں کا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ ہندو چوکے میں بیٹھتے ہیں مسلمان دسترخوان بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ جس طرح ہندو سب طرح کا کھانا ایک ساتھ اپنے آگے رکھ لیتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی قابوں اور رکابیوں اور غوریوں اور تشتریوں اور پیالوں میں سب طرح کا کھانا اور سب قسم کی روٹی اور ہر طرح کے کباب اور فیرنی کے خوانچے اور بورانی کے پیالے اور اچار مربہ کی پیالیاں سیتلا کے پوجاپے کی طرح سب اپنے آگے رکھ لیتے ہیں اور اُس ایک دسترخوان پر کوئی تو فیرنی کلمہ شہادت کی انگلی سے اور

کوئی دست بخیر چاروں اُنگلیوں سے چاٹ رہا ہے۔ کوئی پلاؤ میں اُردی کا سالن ملا ملا کر کھا رہا ہے۔ کسی نے سالن ملا ہوا پلاؤ کھا کر نان ابی سے لتھڑا ہوا پنجہ مبارک پونچھ کر روٹی کو سالن میں ڈبو ڈبو کر کھانا شروع کیا ہے۔ کسی نے بورانی کے پیالے کو مونھ سے لگا سڑ پا بڑا اور یہ کہکر واللہ بڑی تیز ہے اُوہ اُوہ کرنا شروع کیا ہے۔ تمام جھوٹے برتن اور نیم خوردہ کھانا اور چچوڑی ہوئی ہڈیاں اور روٹی کے ٹکڑے اور سالن میں کی نکالی ہوئی مکھیاں سب آگے رکھی ہوئی ہیں۔ اس عرصہ میں جو شخص پہلے کھا چکا ہے اُس نے ہاتھ دھوتا کھنکار کھنکار کر گلا صاف کرنا اور بیسن سے دانت رگڑ لینے اور زبان پر دو انگلیاں رگڑ رگڑ کر زبان صاف کرنا شروع کیا ہے اور اُور بے تکلف بیٹھے کھانا نوش فرماتے ہیں نہ اُن ہاتھ مونھ دھونے والوں کو خیال ہے کہ ہم کھانا کھانے والوں کے قریب کیسی حرکات ناشایستہ کرتے ہیں اور نہ کھانا کھانیوالوں کو اُن لوگوں کی کریہہ آواز سُننے اور زرد زرد ہلدی کے ملے ہوئے رنگ کا لعاب نکلنے اور بلغم کے لوتھڑے تھوہ کر کر چلمچی یا تاش میں تھوک دینے اور بتاسے کی طرح اُس کے پانی پر تیرنے پھرنے کی پرواہ ہے۔ نعوذ باللہ منہا ۔

انگریز جس طرح کھانا کھاتے ہیں وہ سب پر روشن ہے اور اُس کا بیان بھی کچھ ضرور نہیں ہے کیونکہ ہمارے نیکسں متبع سنت ہوطن اُسپر تو حدیث من تشبہ بقوم فہو منہم کا ٹھپا ماریںگے ۔

عرب میں کھانا کھلانے کا یہ دستور ہے کہ ایک چوکی پر چھوٹا سا خوان بچھایا جاتا ہے اور ایک برتن میں ایک قسم کا کھانا آتا ہے اور جو لوگ چوکی کے گرد بیٹھتے ہیں وہ سب اُسمیں کھانا شروع کرتے ہیں۔ چند لقمہ کھانے پر وہ برتن اُٹھ جاتا ہے اور دوسری قسم کا کھانا دوسرے میں آتا ہے اور چند لقمہ کے بعد وہ بھی اُٹھ جاتا ہے اور اسی طرح آتا جاتا رہتا ہے۔ اس طرح پر کھانے میں یہ فائدہ ہے کہ جھوٹے برتن اور جھوٹا کھانا سامنے نہیں رہتا ۔

مگر جو پھوہڑ پن ہندوستان کے مسلمانوں میں کھانے کی مجلس میں ہوتا ہے نعوذ باللہ منہا کسی ملک کے کھانے کی مجلس میں نہیں ہوتا پس نہایت شرم اور افسوس کی بات ہے کہ ہم اپنی ضد و نفسانیت سے اس پھوہڑ پن میں پڑے رہیں اور اُسکی درستی و تہذیب پر متوجہ نہوں ۔

ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ میز کرسی پر بیٹھکر چھری کانٹے سے کھانا کھاؤ یا عرب کی طرح چھوٹی چوکی پر ایک خوان بچھاؤ بلکہ شوق سے بسم اللہ دستر خوان پر کھانا تناول فرماؤ

گو بہت سی صحن وہی کے ادا کی فکر نہ ہو زمین پر میٹھکر کھانا کھانے ہی کی سُنت عادی کی پیروی کرو مگر برائے خدا یہ غلیظ پن چھوڑ دو اور سب طرح وضع پر کھانا کھانے میں جہاں تک اصلاح و صفائی ہو سکے اُسکو اختیار کرو۔ صفائی و پاکیزگی اختیار کرنا تو شریعت میں ممنوع نہیں ہے ۔

مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جب تک کسی کام کے لیئے کوئی قاعدہ اور طریقہ مقرر نہیں ہوتا اور بخوبی اُسکی پابندی نہیں کی جاتی اُس وقت تک وہ چلتا نہیں۔ اور جب وہ قاعدہ عمدہ ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ از خود اُس کا رواج ہو جاتا ہے اور سب لوگ اُسکو کرنے لگتے ہیں اور چند عرصہ بعد اُسی کی ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ طبیعت ثانی گنی جاتی ہے ۔

پس ہمارا مقصد یہ ہے کہ طریقہ تناول طعام کے کچھ قواعد سوچے جاویں اور یہی طریقہ جو دسترخوان پر میٹھکر کھانا کھانے کا ہے اسی میں ایسی اصلاح کیجاوے جسکو لوگ مورد طعن من تشبہ بقوم بھی نہ کریں اور اس غلیظ پنے سے نجات پاویں۔ چنانچہ ہمنے اس باب میں کچھ قواعد تجویز کیئے ہیں اور ہم اُن کو آیندہ کسی پرچہ میں لکھینگے ۔

سمجھ

یعنی تمیز جس سے بھلائی برائی میں امتیاز کیا جاتا ہے

میرا یہ خیال ہے کہ اگر انسانوں کے دلوں کو چیر کر اُن کا حال دیکھا جاوے تو دانا اور نادان دونوں کے دلوں میں کچھ تھوڑا ہی سا فرق نکلیگا دونوں کے دلوں میں ہمیشہ بہت سے لغو اور بیہودہ خیال آتے ہیں۔ بے شمار وسوسے دونوں کے دلوں میں اُٹھتے ہیں مگر اُن دونوں میں یہی فرق ہوتا ہے کہ دانا آدمی اُن میں سے انتخاب کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کون سے خیالات ایسے ہیں جن کو گفتگو میں لانا چاہیئے اور کون سے ایسے ہیں جن کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ نادان آدمی ایسا نہیں کرتا۔ اور جو خیال اُس کے دل میں آتا ہے بے سوچے سمجھے مونھ سے بکتا جاتا ہے دانشمند آدمی بھی دوستوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں نادان کی مانند ہوتا ہے۔ جو اُسکے دل میں آتا ہے بے تردد دوست سے کہتا ہے گویا اُسکو خیالات ہی ایک بلند آواز میں

آتے ہیں ۰

بشپ بٹلر صاحب کا یہ قول ہے کہ انسان کو دشمن کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ رکھنا چاہیئے کہ اُسکو دوست بنا لینے کا موقع رہے اور دوست سے اس طرح برتاؤ کرنا چاہیئے کہ اگر کبھی وہ دشمن ہو جاوے تو اُسکے شر سے بچنے کی جگہ رہے - اس قول کی پہلی بات جو دشمن کے ساتھ برتاؤ کی ہے وہ تو نہایت عمدہ ہے - مگر پچھلی بات جو دوست کے ساتھ برتاؤ کی ہے وہ کچھ اچھی نہیں - اُسمیں سمجھ کی کچھ بھی بات نہیں ہے بلکہ نری مکاری ہے - ایسے برتاؤ سے انسان زندگی کی بہت بڑی خوشی سے محروم رہتا ہے اپنے دلی دوستوں سے بھی دل کی بات نہیں کہہ سکتا - یہ سچ ہے کہ بعضے دوست دشمن ہو جاتے ہیں اور دوست کے بھید کو کھول دیتے ہیں مگر دُنیا اُنہی کو دغا باز اور بُرا کہتی ہے اور دوست پر بھروسا کرنیوالے کو نا سمجھ نہیں کہتی - ہاں البتہ دوستوں کے منتخب کرنے میں بڑی سمجھ چاہیئے ۰

سمجھ صرف باتوں ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے کاموں سے بھی متعلق ہے اور گویا ہماری زندگی میں ہمارے تمام کاموں کی رہنما اور ہمارے لیئے ہمارے قادر مطلق خدا کی نایب ہے - انسان میں بہت سی بڑی عُمدہ عُمدہ صفتیں ہیں مگر سمجھ سب سے زیادہ مفید ہے - سمجھ ہی کے سبب سے اور تمام صفتوں کی قدر ہوتی ہے سمجھ ہی کے سبب سے وہ تمام صفتیں اپنے اپنے موقع پر کام آتی ہیں - سمجھ ہی کے سبب سے وہ شخص جس میں وہ صفتیں ہیں اُن صفتوں سے فایدہ اُٹھاتا ہے - سمجھ بغیر علم اور عقل دونوں ناچیز ہیں - بھلائی برائی دکھائی دیتی ہے باوجودیکہ انسان میں نہایت عُمدہ عُمدہ خصلتیں ہوتی ہیں مگر سمجھ بغیر اُن کے برتاؤ میں غلطیاں کرتا ہے اور نقصان پر نقصان اُٹھاتا ہے - سمجھ ہونے سے صرف اُنہی خوبیوں کا جو اُس میں ہیں مالک نہیں ہوتا بلکہ دوسروں میں جو خوبیاں ہیں اُن کا بھی مالک بن جاتا ہے - سمجھ دار آدمی جس سے گفتگو کرتا ہے اُس کی لیاقت کو بھی جان لیتا ہے اور اُسی کی لیاقت کے موافق گفتگو کرتا ہے - اگر ہم انسانوں کے مختلف فرقوں اور گروہوں اور جماعتوں کی مجلسوں کے حالات پر غور کریں تو ہمکو صاف معلوم ہوگا کہ ہر ایک مجلس میں نہ کسی عقلمند کی گفتگو کو غلبہ ہوتا ہے اور نہ کسی بہادر اور دلیر کی گفتگو کو - بلکہ اُسی شخص کی گفتگو سب پر غالب رہتی ہے جس کو سمجھ ہے اور جو اہل مجلس کی لیاقتوں کو اور جو بات کہنی ہے اور جو کہنی ہے اُس میں تمیز کر سکتا ہے جس شخص کو بڑی سی بڑی لیاقت حاصل ہو پر سمجھ نہ ہو وہ ایک نہایت قوی اور زبردست

پر اندھے آدمی کی مانند ہے جو بسبب اپنے اندھے پن کے اپنے زور و قوت سے کچھ کام نہیں لے سکتا ہے۔ گو ایسے شخص کو دنیا میں اَور سب طرح کے کمال حاصل ہوں۔ مگر سمجھ نہ ہو تو وہ دنیا میں کسی کام کا نہیں۔ برخلاف اُسکے اگر اُسکی سمجھ پوری ہو اور صرف اسی ایک صفت میں اُسکو کمال ہو اور باقی اوصاف متوسط درجہ کے رکھتا ہو تو وہ اپنی زندگی میں جو کچھ چاہے کر سکتا ہے ٭

سمجھ جس طرح کہ انسان کے لیئے ایک بہت بڑا کمال ہے اُسی طرح مکر اُس کے حق میں بہت بڑا وبال ہے۔ نیک دل کی منتہائے خوبی سمجھ ہے اور بد دل کی منتہائے بدی۔ مکر یا یوں کہو کہ وہ نیک دل کے لیئے معراج ہے اور یہ بد دل کے لیئے کمال۔ سمجھ نہایت عمدہ اور نیک مقصد پیدا کرتی ہے اور اُن کے حاصل ہونے کو نہایت عُمدہ عمدہ اور تعریف کے قابل ذریعے قایم کرتی ہے مگر مکر میں صرف خودغرضی ہوتی ہے۔ سمجھ مثل ایک روشن آنکھ کے ہے جس میں بے انتہا وسعت ہے اور تمام دنیا کو اور دور دور کی چیزوں کو۔ آسمانوں کو اور آسمانوں کے ستاروں کو بخوبی دیکھ سکتی ہے۔ مکر مثل ایک کوتاہ نظر آنکھ کے ہے جو پاس پاس کی ناچیز چیزوں کو دیکھ سکتی ہے اور دور کی چیزیں گو وہ کیسی ہی عُمدہ اور روشن ہوں اُسے نظر نہیں آتیں۔ سمجھ جس قدر ظاہر ہوتی جاتی ہے اُسیقدر انسان کا اختیار اور اعتبار بڑھتا جاتا ہے مگر مکر کاٹھ کی ہنڈیا کی مانند ہے کہ جب ایک دفعہ کھل گیا تو پھر اُسکی قوت اور عزت بالکل جاتی رہتی ہے۔ پھر انسان کسی کام کا نہیں رہتا۔ جو کام کہ وہ ایسی حالت میں کرسکتا جبکہ لوگ اُسکو ایک سیدھا سادھا بھولا بھالا آدمی سمجھتے۔ اب وہ کام بھی وہ نہیں کر سکتا۔ سمجھ عقل کے لیئے کمال ہے اور ہمارے کاموں کے لیئے رہنما۔ مکر ایک قوت ہے جو صرف حال ہی کے فائدوں کو دیکھتی ہے۔ سمجھ نہایت عقلمند اور نیک آدمیوں میں پائی جاتی ہے۔ مکر اکثر جانوروں میں اور اُن لوگوں میں جو جانوروں کی مانند یا اُن سے کچھ بہتر ہوتے ہیں پایا جاتا ہے۔ سمجھ نفس الامر میں ایک نہایت خوبصورت دلکش چیز ہے اور مکر گویا اُسکی بگاڑی ہوئی نقل ہے۔ سمجھ والے آدمی کی طبیعت ہمیشہ زمانہ حال اور استقبال دونوں پر لگی رہتی جو باتیں کہ زمانہ دراز کے بعد ہونیوالی ہیں اور جو اب ہو رہی ہیں دونوں کو دیکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ رنج و خوشی جو دوسری زندگی یعنی قیامت میں ہونیوالی ہے وہ بیشک ہوگی۔ گو اُس کا زمانہ ابھی بہت دور ہے۔ وہ اُس کے دُور ہونے کے سبب سے اس لیئے اُسکو حقیر نہیں سمجھتا کہ دوسری زندگی یعنی قیامت کی

تکلیف و راحت لمحہ پاس آتی جاتی ہے اور اسی طرح سے رنج و خوشی دیوینگی جیسے کہ زمانہ حال میں رنج و خوشی ہوتی ہے۔ اس لیئے وہ نہایت غور و فکر سے اُن خوشیوں کے ہاتھ آنے کے لیئے کوشش کرتا ہے جو قدرت نے اُسکے لیئے بنائی ہیں اور جن کے لیئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اپنے خیال کو ہر کام کے انجام تک دوڑاتا ہے اور اُس کے حال و مآل کے نتیجوں پر غور کرتا ہے اور اِس فانی دنیا کے تھوڑے سے نفع اور فائدہ کو اگر درحقیقت وہ نفع اور فائدہ اُس کی سچی عاقبت کے خیال کے مخالف ہو چھوڑ دیتا ہے۔ غرضکہ اُسکی تمام تدبیریں عُمدہ ہوتی ہیں اُس کا رویہ ایسے شخص کی مانند ہوتا ہے جو اپنا فائدہ بھی سمجھتا ہے اور اُس کے حاصل کرنے کا مناسب طریقہ بھی جانتا ہے۔ سمجھ جسکو مَیں نے اِس مضمون میں بطور ایک نیکی اور کمال کے بیان کیا ہے وہ صرف دنیا ہی کے کاموں کے لیئے مفید نہیں ہے بلکہ ہماری ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لیئے بھی فائدہ مند ہے۔ وہ صرف اِس فانی انسان کے لیئے ہی رہنما نہیں ہے بلکہ اُس اصلی نافانی انسان کے لیئے بھی جو ہم میں بولتا ہے رہنما ہے۔ بعض مصنف اسی کو عقل کہتے ہیں اور بعض سمجھ یعنی تمیز جس سے اچھی و بُری اور بھلائی و بُرائی میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ حقیقت میں یہی چیز سب سے بڑی ہے اس کے فائدے بے انتہا ہیں اور پھر اس کا ہاتھ نہایت ہی آسان ہے۔

ایک مصنف کا قول ہے کہ سمجھ ہی ایسی رونق کی چیز ہے جسکو کبھی زوال نہیں جو اُسکو چاہتے ہیں آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں۔ جو اُسکو ڈھونڈتے ہیں وہ آسانی سے پاتے ہیں۔ اسکی تلاش میں اُن کو بہت دُور جانا نہیں پڑتا کیونکہ وہ اُسکو اپنے ہی دروازہ پر پاتے ہیں اُس کا خیال رکھنا ہی اُس میں کمال حاصل کرنا ہے۔ جو کوئی اُسپر خیال رکھتا ہے اُسی دم جست و جُو سے چھوٹ جاتا ہے کیونکہ وہ خود ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتی ہے اور جو اُسکے لائق ہیں اُن کو رستہ ہی میں ملتی ہے اور پھر کبھی اُن کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔

افسوس کہ ہماری قوم میں سب کچھ ہے پر یہی نہیں۔

تعلیم

مَیں سمجھتا ہوں کہ انسان کی روح بغیر تعلیم کے ایسی بے سنگ مرمر کے پہاڑ کی مانند ہے کہ جب تک سنگ تراش اُس میں ہاتھ نہیں لگاتا اُس کا دھوندلا اور کھردرا پن دُور نہیں کرتا

اُسکو خراش تراش کر سڈول نہیں بناتا اُسکو پالش اور جلا سے آراستہ نہیں کرتا۔ اُس وقت تک اُس کے جوہر اُسی میں چھپے رہتے ہیں اور اُس کی خوش نما نسیں اور دلربا رنگتیں اور خوبصورت خوبصورت بیل بُوٹے ظاہر نہیں ہوتے۔ یہی حال انسان کی روح کا ہے۔ انسان کا دل کیسا ہی نیک ہو مگر جب تک اُسپر عمدہ تعلیم کا اثر نہیں ہوتا اُس وقت تک ہر ایک نیکی اور ہر ایک قسم کے کمال کی خوبیاں جو اُس میں چھپی ہوئی ہیں اور جو بغیر اِس قسم کی مدد کے نمود نہیں ہو سکتیں ظاہر نہیں ہوتیں ؛

ارسطو نے تعلیم کے اثر کو مجسم مورتوں کے بنانے کی تشبیہ میں نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ موہنی مورت ایک پتھر کے ڈھوکے میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ مگر مورت بنانے کا ہُنر صرف فضول چیزوں کو اُس میں سے گھڑ دیتا ہے۔ مورت تو پتھر ہی میں ہوتی ہے مگر آذر صرف اُسکو نمود کر دیتا ہے۔ جو نسبت کہ مورت گھڑنے والے کو اُس پتھر کے ڈھوکے سے ہے وُہی نسبت تعلیم کو انسان کی روح سے ہے۔ بڑے بڑے حکیم اور عالم۔ ولی وابدال۔ نیک و عقلمند۔ بہادر و نامور ایک گنوار آدمی کی سی صورت میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں مگر اُن کی یہ تمام خوبیاں عمدہ تعلیم کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ جب میں جاہل اور وحشی قوموں کے حالات پڑھتا ہوں تو اُن نیکیوں سے جو اُن میں ہیں مگر ناشایستہ اور اُس دلیری اور جرأت سے جو اُن میں ہے مگر خوفناک اور اُس استقلال سے جو اُن میں ہے مگر بیڈھنگا اور اُس دانائی اور عقلمندی سے جو اُن میں ہے مگر جانوروں کے سے مکر و فریب سے ملی ہوئی اور اُس صبر و قناعت سے جو اُن میں ہے اور گویا ناامیدیاں ہی اُن کی اُمیدیں ہیں نہایت خوش ہوتا ہوں۔ سچ ہے کہ انسان کے دل کے جوش مختلف طرح پر کام کرتے ہیں اور جس قدر کم و بیش عقل کی ہدایت اُن کو ہوتی ہے اور جس قدر کہ عقل اُن جوشوں کو درست کرتی ہے اُسی قدر مختلف طور پر اُن سے کام ہوتے ہیں۔ امریکا کے حبشی غلاموں کا جب ہم یہ حال سُنتے ہیں۔ کہ اپنے آقا کے مرنے پر یا ایک کام پر سے چھڑا کر دوسرے کام میں لگانے پر جنگلوں کے درختوں میں لٹک کر اپنی جان دیدیتے ہیں یا ایک ہندو عورت اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلکر ستی ہو جاتی ہے تو کون شخص ہے جو اُن کی وفاداری اور محبت کی تعریف نہ کرے گا گو کہ کیسے ہی ناشایستہ اور نامہذب طور سے ظاہر ہوتی ہے۔ اِس قسم کی جاہل اور وحشی قوموں کے دلوں میں بھی نہایت عمدہ عمدہ باتیں پائی جاتی ہیں گو وہ وحشیانہ

ہی کی حالت میں کیوں نہ ہوں لیکن اگر اُن کی مناسب طور سے اور عمدہ تعلیم سے درستی کیجاوے تو وہی وحشیانہ نیکیاں کس قدر ترقی پا سکتی ہیں اور کیسے کیسے عُمدہ کام اور مہذب و شایستہ نیکیاں اُن سے پیدا ہو سکتی ہیں +

مجھ کو اسی بات کا رنج ہے کہ میں اپنی قوم میں ہزاروں نیکیاں دیکھتا ہوں پر ناشایستہ اُن میں نہایت دلیری اور جُرأت پاتا ہوں ۔ پر خوفناک ۔ اُن میں نہایت قوی استقلال دیکھتا ہوں پر بے ڈھنگا ۔ اُن کو نہایت دانا اور عقلمند پاتا ہوں پر اکثر مکر و فریب اور زور سے ملے ہوئے ۔ اُن میں صبر و قناعت بھی اعلےٰ درجہ کی ہے مگر غیر مفید اور بے موقع ۔ پس میرا دل جلتا ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ اگر یہی اُن کی عُمدہ صفتیں عُمدہ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو جاویں تو دین اور دنیا دونوں کے لیئے کیسی کچھ مفید ہوں +

میری یہی خواہش ہے کہ اس قسم کی تحریرات سے نیکی کو ترقی دوں گو میری یہ خواہش پوری نہ ہو ۔ مگر میں اِس خیال سے تو بہت خوش ہوں کہ میں ہر پندرہ روز میں انسان کے دل کی درستی میں کچھ کچھ مدد کرتا رہتا ہوں +

وحشیانہ نیکی

انسان وحشیانہ طور پر ایک نیک کام کرتا ہے اور جو کہ وہ اصل میں نیک ہوتا ہے لوگوں کے دل میں بیٹھ جاتا ہے اور اُس وحشیانہ پنے کی بُرائی جس وحشیانہ پن سے وہ کام ہوا آنکھوں سے چھپ جاتی ہے ۔ مگر عُمدہ تعلیم میں یہ اثر ہے کہ اُن وحشیانہ حرکتوں کو چھوڑا دیتی ہے اور صرف نیکی ہی نیکی رہ جاتی ہے +

نقل ہے کہ ایک شخص کے پاس دو حبشی لڑکے تھے جوان نوعمر ۔ اور اپنی قسم کے لوگوں میں نہایت حسین اور خوبصورت اور آپس میں اُن دونوں کے جانی دوستی اور دلی محبت تھی ۔ اُسی شخص کے پاس ایک حبشن نوعمر لڑکی بھی تھی جو اُس قوم میں نہایت ہی خوبصورت سمجھی جاتی تھی ۔ اتفاقاً وہ دونوں جوان لڑکے اُس پر عاشق ہو گئے اور دونوں نے اُسکو شادی کا پیغام دیا جو کہ وہ دونوں نہایت خوبصورت بھی تھے اور دونوں کا مزاج بھی اچھا تھا اور ہم عمر بھی تھے ۔ وہ لڑکی دونوں میں سے جس کے ساتھ شادی ہو راضی تھی مگر اُس نے یہ کہا کہ تم دونوں دوست آپس میں اس بات کا تصفیہ کر لو کہ دونوں میں سے کس کے ساتھ

شادی ہو۔ دونوں لڑکے دل و جان سے اُس پر عاشق تھے۔ عشق اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ ایک تو اُس سے شادی کر لے اور دوسرا محروم رہے اور دوستی بھی اُن میں ایسی سچی تھی کہ ایک کو دوسرے کا رنج اور بغیر آپس کی صلاح اور بغیر آپس کی خوشی کے دونوں میں کسی کو شادی کر لینا پسند نہ تھا۔ آخر کار عشق اور دوستی میں جھگڑا ہوا وہ چاہتا تھا کہ مَیں غالب آؤں اور وہ چاہتی تھی کہ مَیں فتح پاؤں مگر کوئی جیت نہ سکا۔ دونوں برابر رہے تب دونوں لڑکے اپنی معشوقہ کو ایک دن جنگل میں لیگئے اور دونوں نے اُسکو چھری مار کر مار ڈالا اور جب اُس کا خون بہنے لگا تو دونوں اُسے چاٹنے لگے۔ دونوں نے مُردہ لاش کو خوب گلے لگایا اور دلی محبت سے اُس کے دلفریب گالوں کا بے گناہ بوسہ لیا اور پھر اُس کی لاش کے گرد بیٹھکر رونے اور پیٹنے لگے خوب ماتم کیا۔ خوب چھاتی پیٹی اور پھر دونوں نے اپنے تئیں بھی مار ڈالا۔

اس عجیب واقعہ سے انسان کے دل کے جوشوں کی جو تعلیم و تربیت سے شایستہ نہیں ہوئیں عجیب و غریب حالتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جو واقعہ کہ مَیں نے ابھی بیان کیا وہ حیرت اور گناہ سے بالکل بھرا ہوا ہے تو بھی ایسے نیک دل اور دلی ایمانداری سے سرزد ہوا ہے کہ اگر اُس کی عُمدہ طور سے تعلیم و تربیت ہوتی تو اُس سے نہایت عُمدہ عُمدہ نتیجے حاصل ہوتے۔

انسان کا ایسے ملک میں پیدا ہونا یا وہاں جا کر رہنا اور تربیت پانا جہاں تعلیم و تربیت کا چرچا ہو اور علم و شایستگی پھیلی ہوئی ہو نہایت خوش قسمتی کی بات ہے۔ گو اُن ملکوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اُن حبشی لڑکوں سے کچھ بہتر نہیں ہوتے مگر ایسے بھی ضرور ہوتے ہیں جن کو تعلیم و تربیت کے بے شمار فایدے حاصل ہوتے ہیں اور مختلف درجہ کا اُس میں کمال رکھتے ہیں۔

شایستہ ملک کی مثال مورت بنانے والے سنگ تراش کے کارخانہ کی سی ہے کہ جب آدمی وہاں جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ابھی تو کوئی پتھر اُسی طرح ڈھونکے کا ڈھوا ہی رکھا ہوا ہے اور کسی میں صرف ابھی ٹانگیں ہی بنی ہیں اور کسی میں ہاتھ پانوں مونھ سب کٹ چکا مگر ابھی اَن گھڑ ہے اور کسی میں انسان کے تمام اعضا درستی سے بن چکے ہیں مگر صاف ہونے اور جلا ہونے باقی ہیں۔ اور کوئی مورت نہایت خوبصورت اور دلربا بالکل بن کر تیار ہو چکی ہے۔ اُس وقت انسان کے دل میں ضرور یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پتھر کا ڈھوا کہاں تک ترقی پا سکتا ہے اور ہر ایک اَن گھڑ صورت سوائے شاذ و نادر کے آذر سے بت تراش کے ہاتھ سے نہایت

خوبصورت یا قریب قریب خوبصورت کے ہو سکتی ہے ؛

نامہذب مُلک کی مثال منڈے پہاڑوں کی سی ہے جہاں بجز پتھر کے ڈھوؤں کے اَور کچھ نظر نہیں آتا۔ کوئی مثال ایسی نظر نہیں آتی جس سے انسان کو یہ خیال ہو کہ وہ کہاں تک ترقی کر سکتا ہے اور اُس میں کیا چیز نہیں ہے جو وہ اب تک اَنگھڑ پتھر کی مانند ہے ؛ جو نیکیاں خود اُس میں ہیں اُن سے بھی وہ ناواقف ہے کیونکہ وہ نیکیاں مثل پتھر کے ڈھوئے کے اُس کے جگر میں چھپی ہوئی ہیں اور بے تعلیم و تربیت کے وہ ظاہر نہیں ہو سکتیں ؛

یہی خیالات مجھ کو اس بات پر برانگیختہ کرتے ہیں کہ مَیں اپنی قوم کو مہذب قوم سے ملنے اور شایستہ مُلک میں جانے کی ترغیب کرتا ہوں اور اس خیال سے ہمیشہ رنج میں رہتا ہوں کہ ہماری قوم میں جس قدر نیکیاں ہیں وہ بھی نامہذب ہیں۔ دنیاوی برتاؤ آپس کا ملاپ۔ دوستوں کی دوستی۔ دینداروں کی دینداری۔ امیروں کی امیری نہایت ناشایستہ اور نامہذب طور سے واقع ہوئی ہے اگر وہ عمدہ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو جاوے تو انسان کے لیئے اس زندگی میں اور آنیوالی زندگی میں دونوں میں نہایت ہی مفید ہو ؛

اُمید

دُنیا باُمید قایم ہے

موجودہ حالت گو وہ کیسی ہی اچھی یا بُری ہو انسان کے دل کے شغلہ کو کافی نہیں ہوتی۔ موجودہ رنج و خوشی۔ محبت و دوستی کی چیزیں اتنی نہیں ہوتیں کہ انسان کے دل کی قوتوں کو ہمیشہ مشغول رکھیں اس لیئے اُس بڑے کاریگر نے جس نے انسان کے پتلے کو اپنے ہاتھ سے اور اپنی ہی مانند بنایا۔ اُس میں چند اَور قوتیں دی ہیں جن کے سبب سے دل کے لیئے کاموں کی کبھی کمی نہیں ہوتی اور ہمیشہ و ہر وقت دل کے مشغول رہنے کا سامان مہیا اور موجود رہتا ہے۔ اُنھیں قوتوں کے ذریعہ سے گذری ہوئی باتیں پھر دل میں آتی ہیں اور آیندہ کی باتوں کا اُن کے ہونے سے پیشتر خیال ہوتا ہے ؛

وہ عجیب قوت جس کو ہم یاد کہتے ہیں ہمیشہ پیچھے دیکھتی رہتی ہے۔ جب کوئی موجودہ چیز ہمکو شغل کے لیئے نہیں ملتی تو وہ قوت پچھلی باتوں کو بُلا لاتی ہے اور اُسی کے ذکر یا خیال سے

ہمارے دل کو بہلائے رکھتی ہے اُس کی مثال جگالی کرنے والے جانوروں کی ہے کہ وہ پہلے تو گھانس دانہ سب کھا لیتے ہیں اور جب ہو چکتا ہے تو ایک کونے میں بیٹھکر پھر اُسی کو پیٹ میں نکال کر چبائے جاتے ہیں ؛

جس طرح کہ یاد پچھلی باتوں کو خالی وقت میں ہمارے دل کے مشغلہ کو بلا لاتی ہے اسی طرح ایک اَور قوت ہے جو آیندہ ہونیوالی باتوں کے خیال میں دل کو مشغول کر دیتی ہے اور جس کا نام اُمید و بیم یا خوف و رجا ہے۔ انہی دونوں قسم کے خیالوں سے ہم آیندہ زمانہ تک پہنچ جاتے ہیں اور جو باتیں کہ دور زمانہ میں شاید ہونیوالی ہیں اور ظلمات کے پردوں میں چھپی ہوئی ہیں اور بڑے گہرے اندھیرے گڑھوں میں پڑی ہوئی ہیں اُن کو ایسا سمجھتی ہیں کہ ابھی ہو رہی ہیں اُن کے ہونے سے پہلے اُن کی خوشی یا رنج اُٹھانے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُس زمانہ کا بھی جب نہ یہ زمین ہوگی نہ آسمان۔ اور ہر چہار طرف سے لمن الملک الیوم کی آواز آتی ہوگی ابھی خیال کر لیتے ہیں۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ انسان کی زندگی صرف موجودہ وقت پر محدود ہے ؛

میرا ارادہ ہے کہ مَیں اِس تحریر میں صرف اُسی کا کچھ بیان کروں جس کو اُمید کہتے ہیں۔ ہماری خوشیاں اِس قدر کم و چند روزہ ہیں کہ اگر وہ قوت ہم میں نہ ہوتی جس سے انسان اُن عُمدہ اور دل خوش کُن چیزوں کا اُن کے ہونے سے پہلے مزہ اُٹھاتا ہے جن کا کبھی ہو جانا ممکن ہے تو ہماری زندگی نہایت ہی خراب اور بدمزہ ہوتی۔ ایک شاعر کا قول ہے کہ "ہمکو تمام عمدہ چیزوں کے حاصل ہونے کی اُمید رکھنی چاہیئے کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی اُمید نہ ہو سکے اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو خدا ہمکو دے نسکے" ؛

فارسی زبان میں مشہور مقولہ ہے کہ "تمنا را عیبے نیست" ایک ظریف نے کہا کہ دُنیا میں مجھے کسی چیز کا رنج نہیں ہے کیونکہ اُمید مجھے ہمیشہ خوش رکھتی ہے۔ دوستوں نے پوچھا کہ کیا ہمکو مرنے کا بھی رنج نہیں ہے اُس نے کہا کہ کیا عجب ہے کہ میں کبھی نہ مروں کیونکہ خدا اسپر بھی قادر ہے کہ ایک ایسا شخص پیدا کرے جس کو موت نہو اور مجھ کو اُمید ہے کہ شاید وہ شخص مَیں ہی ہوں۔ یہ قول تو ایک ظرافت کا تھا۔ مگر سچ یہ ہے کہ زندگی کی اُمید ہی موت کا رنج ہم سے مٹاتی ہے۔ اگر ہمکو زندگی کی اُمید نہ ہوتی تو ہم سے زیادہ بدتر حالت کسی کی نہ ہوتی۔ زندگی ایک بیجان چیز کی مانند ہے جس میں کچھ حرکت نہیں ہوتی۔ اُمید اُسمیں حرکت پیدا

کرتی ہے۔ اُمید ہی کے سبب انسان میں سنجیدگی اور بردباری اور خوش مزاجی کی عادت ہو جاتی ہے۔ گویا اُمید انسان کی روح کی جان ہے۔ ہمیشہ روح کو خوش رکھتی ہے اور تمام تکلیفوں کو آسان کر دیتی ہے۔ محنت پر رغبت دلاتی ہے اور انسان کو نہایت سخت اور مشکل کاموں کے کرنے پر آمادہ رکھتی ہے۔ اُمید سے ایک اور بھی فائدہ ہے جو کچھ کم نہیں ہے کہ ہم موجودہ خوشیوں کی کچھ بہت قدر نہیں کرتے۔ اور اُسی میں محو نہیں ہو جاتے۔ سیزر نے جب اپنا تمام مال اسباب اپنے دوستوں کو بانٹ دیا تو اُس سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے لیے کیا رکھا۔ اُس نے کہا کہ اُمید۔ اُس کی عالی طبیعت اُن چیزوں کی کچھ قدر نہیں کرتی تھی جو اُس کے پاس تھیں بلکہ ہمیشہ اُس کا خیال کسی بہتر چیز کی طرف رہتا تھا۔

اگلے زمانہ کے لوگ بغیر اُمید کے زندگی کو نہایت ہی بُرا سمجھتے تھے۔ نقل ہے کہ خدا نے انسان کے پاس ایک صندوقچہ بھجوایا۔ جب اُسکو کھولا تو اُس میں سے ہر ایک قسم کی بلائیں اور مصیبتیں اور بیماریاں جو انسان کو ہوتی ہیں سب نکل پڑیں۔ اُمید بھی اُسی صندوقچہ میں تھی وہ نہ نکلی بلکہ ڈھکنے میں چمٹ رہی اور صندوقچہ ہی میں بند ہو گئی تاکہ مصیبت کے وقت انسان کو تسلی دے۔ پس جس زندگی میں اُمید ہے اُس سے بڑھ کر کوئی خوش زندگی نہیں ہے خصوصًا جبکہ اُمید ایک عُمدہ چیز کی اور اچھی بنا پر ہو۔ اور ایسی چیز کی ہو جو اُمید کرنیوالے کو حقیقت میں خوش کر سکتی ہو۔ اس بات کی حقیقت وہی لوگ خوب جانتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ خوش حال آدمی کے لیئے بھی زمانہ موجودہ میں کافی خوشی نہیں ہے۔

مَیں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ مذہبی زندگی میں عُمدہ عُمدہ چیزوں کی بہت سی اُمیدیں ہوتی ہیں اور ایسی چیزوں کی ہوتی ہیں جو ہمکو پورا پورا خوش کر سکتی ہیں۔ دینی چیزوں کی اُمیدیں دنیوی چیزوں کی اُمیدوں سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہیں کیونکہ اُن میں عقل کے علاوہ مذہبی اعتقاد کی بھی نہایت قوت ہوتی ہے۔ اس قسم کی اُمیدوں کا خیال ہی ہمکو پورا پورا خوش رکھتا ہے۔ بلاشبہ اُمید کے اثر سے انسان کی زندگی نہایت شیریں ہو جاتی ہے۔ اگر وہ موجودہ حالت سے خوش نہیں رہتا تو اُسپر صبر تو ضرور آجاتا ہے۔ مگر مذہبی اُمیدیں اس سے بھی زیادہ فائدہ مند ہیں تکلیف کی حالت میں دل کو سنبھال لیتی ہیں بلکہ اُسکو اس خیال سے خوش رکھتی ہیں کہ شاید یہی تکلیف اُس اُمید کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو۔ مذہبی اُمید گویا مُردہ کو زندہ کر دیتی ہے اور اُس کے دل کو نہایت درجہ کی خوشی بخشتی ہے۔ انسان اپنی تکلیفوں میں خوش رہتا ہے اور

روح اُس بڑی چیز کے لپک لینے کو اُچھلتی ہے جو ہمیشہ اُس کی نظر میں رہتی ہے اور آخر کار اِس اُمید کی خوشی میں اس فانی جسم کو چھوڑ دیتی ہے کہ قیامت کے دن اُس سے مل جاویگی ۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے نہایت مصیبت اور تکلیف کے وقت میں خدا کی مناجات میں اس مضمون کا گیت گایا تھا ۔

"میں ہمیشہ خدا کو اپنے سامنے رکھتا ہوں ۔ وہ میری دائیں طرف ہے اسی لیئے میں گھبراتا نہیں ۔ میرا دل خوش ہے ۔ میرا گوشت بھی اسی اُمید میں رہیگا کہ تو میری روح کو جہنم میں نہ ڈالے تو اپنی چیز کو خراب ہوتے ہوئے نہ دیکھیگا ۔ تو ہی مجھ کو زندگی کے طریق دکھلائیگا ۔ تیری ہی حضور میں خوشی کا کمال ہے ۔ تیری ہی دائیں طرف ہمیشہ کی خوشی ہے ۔ آمین" ۔

اخلاق

مسٹر اڈیسن کا قول ہے کہ مذہب کے دو حصہ ہو سکتے ہیں ۔ ایک اعتقادیات ۔ دوسرا عملیات ۔ مسٹر اڈیسن کی غرض اعتقادیات سے صرف وہ مسائل ہیں جو وحی سے معلوم ہوئے ہیں اور جو عقل سے یا کارخانہ قدرت پر غور کرنے سے معلوم نہیں ہو سکتے ۔ مگر ہمکو اُن کے اس بیان سے کسی قدر اختلاف ہے ۔ ہم اعتقادیات اُن مسائل کو کہتے ہیں جن کا ہونا عقل و نیچر یعنی کارخانہ قدرت کے اصول پر ناممکن نہیں ہے ۔ الا ہم اُن دونوں کی بنا پر اُن کے ہونے کا یقین نہیں کر سکتے تھے ۔ وحی نے صرف اُن کے ہونے پر جب وہ ہوں ہمکو یقین دلایا ہے یا اُن کا ہونا بتلایا ہے ۔ ہم نے اس مقام پر حرف تردید کو اس لیئے استعمال کیا ہے کہ ہمکو اس بات میں شُبہ ہے کہ اُن مسایل پر جن کو ہمنے اعتقادیات میں داخل کیا ہے یقین لانا جزو ایمان ہے یا نہیں ۔ عملیات میں مسٹر اڈیسن نے اُن مسائل کو داخل کیا ہے جن کو عقل و نیچر کے مطابق مذہب نے بھی ہدایت کی ہے ۔ پس وہ پہلے حصہ کا نام عقاید رکھتے ہیں اور دوسرے حصہ کا نام اخلاق ۔

پھر وہ لکھتے ہیں کہ ہم اکثر لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اعتقادیات پر اس قدر خیال کرتے ہیں کہ اخلاق کو بالکل بھول جاتے ہیں اور بعضے اخلاق پر ایسے متوجہ ہوتے ہیں کہ اعتقادیات کا کچھ خیال نہیں کرتے ۔ صاحب کمال آدمی کو ان دونوں میں سے کسی بات میں ناقص رہنا چاہیئے ۔ جو لوگ اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ہر ایک سے کیا کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ دل سے ہمارے اس

بیان کی تصدیق کرینگے ؛

افسوس ہے کہ اس مقام پر بھی مجھ کو مسٹر اڈویسن سے کچھ تھوڑا سا اختلاف ہے - پچھلا حصہ اُن کے اس مضمون کا نہایت صحیح ہے مگر پہلے حصہ میں کچھ غلطی ہے - میں سمجھتا ہوں کہ اعتقادیات میں اور عملیات میں جس کو مسٹر اڈویسن اخلاق کہتے ہیں کچھ علاقہ نہیں ہے - انسان اعتقادیات پر کتنا ہی زیادہ خیال کرے اُس کے اخلاق میں کچھ تفاوت نہیں ہو سکتا - اسی طرح اخلاق پر کیسا ہی متوجہ ہو اُس کے اعتقادیات میں کچھ نقصان نہیں آسکتا کیونکہ یہ دونوں کام دو جُدا جُدا آلوں اور دو جُدا جُدا شخصوں سے متعلق ہیں - پہلا ہمارے دل یا ہماری روح اور خدا سے - دوسرا ہماری ظاہری حرکات اور جذبات اور انسان سے ؛

پھر وہ لکھتے ہیں کہ گو مذہب اخلاق اور اعتقاد پر منقسم ہے اور اُن دونوں میں خاص خاص خوبیاں ہیں مگر اخلاق کو اعتقاد پر اکثر باتوں میں ترجیح ہے ؛

(۱) کیونکہ اخلاق کی اکثر باتیں نہایت صحیح اور بہت مضبوط ہیں یہاں تک کہ اگر اعتقاد بالکل قایم نہ رہے تب بھی وہ باتیں (یعنی اخلاق کے مسایل) بدستور قایم رہتی ہیں ؛

(۲) جس شخص میں اخلاق ہے اور اعتقاد نہیں وہ شخص بہ نسبت اُس شخص کے جسمیں اعتقاد ہے اور اخلاق نہیں انسان کے لیئے دنیا میں بہت زیادہ بہتری کر سکتا ہے - اور مَیں اس قدر اَور زیادہ کہتا ہوں کہ انسان کے لیئے دین اور دنیا دونوں میں بہت زیادہ بھلائی کر سکتا ہے ؛

(۳) اخلاق انسان کی فطرت کو زیادہ کمال بخشتا ہے کیونکہ اُس سے دل کو قرار و آسودگی ہوتی ہے - دل کے جذبات اعتدال پر رہتے ہیں اور ہر ایک انسان کی خوشی کو ترقی ہوتی ہے ؛

(۴) اخلاق میں ایک نہایت زیادہ فایدہ اعتقاد سے یہ ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہوں تو تمام دنیا کی مہذب قومیں اخلاق کے بڑے بڑے اصولوں میں متفق ہوتی ہیں گو کہ عقاید میں وہ کیسی ہی مختلف ہوں ؛

(۵) کفر سے بھی بداخلاقی زیادہ بدتر ہے یا اس مطلب کو یوں کہو کہ اکثر لوگوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ایک نیک چلن نپٹ جاہل وحشی جس کو خدا کی باتوں کی کچھ خبر بھی نہیں ہوپہنچی نجات پا سکتا ہے مگر بد چلن معتقد آدمی نجات نہیں پا سکتا ؛

(۶) اعتقاد کی خوبی ایسی ہی ہے کہ اُس کا اثر اخلاق پر ہوتا ہے - اگر ہم اِس بات پر غور کریں کہ اعتقاد کی یعنی خدا کے دیئے ہوئے مذہب پر ایمان رکھنے کی خوبیاں کیا ہیں تو کیا ہمکو اِس بات کی صحت - جو ہمنے ابھی بیان کی بخوبی معلوم ہوجاوے گی - مَیں سمجھتا ہوں کہ مذہب کی خوبیاں اِن باتوں میں ہیں جن کو مَیں بیان کرتا ہوں ◆

۱ - اخلاق کی باتوں کو سمجھنا اور اُن کو اعلےٰ درجہ پر پہونچانا ◆

۲ - نیک اخلاق پر عمل کرنے کے لیئے نئے نئے اور قوی اغراض کو بہم پہنچانا ◆

۳ - خدا کی نسبت عمدہ خیالات پیدا کرنا اور اپنے مجلسوں میں چھا برتاؤ کرنا جس سے آپس میں محبت زیادہ ہو اور خود انسان اپنی سچی حالت کو کیا بلحاظ اپنے نیچر کی خوبی کے اور کیا بلحاظ اسکی بدی کے بخوبی سمجھے ◆

۴ - بُرائی کی بُرائیوں کو ظاہر کرنا ◆

۵ - نجات کے لیئے نیک اخلاق کو عام ذریعہ ٹھہرانا ◆

مذہب کی خوبیوں کا یہ ایک مختصر بیان ہے مگر جو لوگ اِس قسم کے مباحثوں میں مشغول رہتے ہیں وہ نہایت آسانی سے اِن خیالوں میں ترقی دے سکتے ہیں اور مفید نتیجے اِن سے نکال سکتے ہیں - مگر مَیں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ ان سب باتوں کا ظاہر نتیجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اخلاق میں کمال حاصل نہیں کر سکتا جب تک اخلاق کو عیسائی مذہب کا سہارا نہ ہو - یہ قول مسٹر اڈیسن کا ہے - مگر میں یہ کہتا ہوں کہ کوئی اعتقاد یا کوئی مذہب سچا ہو ہی نہیں سکتا جس کا نتیجہ اخلاق کی عمدگی نہ ہو - پس اخلاق کو کسی مذہب کا کچھ سہارا درکار نہیں ہے بلکہ مذہب یا اعتقاد کے سچ سمجھنے کو اخلاق کا سہارا درکار ہے ◆

مسٹر اڈیسن اَور بھی دو ایک اصول قایم کرتے ہیں جو اِس گفتگو سے علاقہ رکھتے ہیں ◆

(۱) وہ کہتے ہیں کہ ہمکو ایسی بات کو اعتقاد کی جڑ نہ قرار دینا چاہیئے جس سے اخلاق کو استحکام اور ترقی نہ ہوتی ہو ◆

(۲) کوئی اعتقاد صحیح بنیاد پر ہو ہی نہیں سکتا جس سے اخلاق خراب یا اُن میں تنزل ہوتا ہو ◆

یہ دونوں اصول مسٹر اڈیسن کے ایسے عمدہ ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص جس کے دل کی آنکھ خدا نے اندھی نہ کی ہو اُن سے انکار نہیں ہو سکتا ◆

اس کے بعد مسٹر اڈیسن انہیں اصلوں پر ایک اور مسئلہ متفرع کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام مشتبہ مقاموں میں ہمکو نہایت غور کرنی چاہیئے کہ اگر بالفرض وہ غلط ہو تو اُس سے کیا کیا بدنتیجے پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اپنے ایمان کے مضبوط کرنے اور خیالی ثواب حاصل کرنے کی اُمنگ میں لوگوں کو تکلیف دینا۔ لوگوں کے دلوں میں رنج اور نفرت۔ غصہ اور سخت عداوت پیدا کرنا اور جس چیز پر اُن کو اعتقاد نہیں ہے بزبردستی اُن سے قبول کروانا۔ ایسے جذبات میں ہم اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ ان سب باتوں کے سوا ہم اُن کو دُنیا کے فائدہ اور خوشی سے بھی محروم کرتے ہیں۔ اُن کے جسم کو تکلیف دیتے ہیں۔ اُن کی دولت کو خراب کرتے ہیں۔ اُن کی ناموریوں کو خاک میں ملاتے ہیں۔ اُن کے خاندانوں کو برباد کرتے ہیں۔ اُن کی زندگیوں کو تلخ کر ڈالتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخر کار اُن کو مار ڈالتے ہیں۔ پس جب کسی مسئلہ سے ایسے بدنتیجے نکلیں تو مجھ کو اُس مسئلہ کے مشکوک ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہتا جیسیکہ علم حساب میں دو اور دو چار ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہوتا پس ایسے مسئلہ کو اپنے مذہب کی بنیاد نہیں ٹھہرا سکتا اور نہ اُسپر عمل کر سکتا ہوں +

اس قسم کے معاملات میں ہم صریح اپنے ہمجنسوں کو ضرر پہنچاتے ہیں اور جس مسئلہ سے ہم ایسا کرتے ہیں بلا شبہ وہ مشکوک اور قابل اعتراض ہے۔ اخلاق اُس سے بالکل خراب ہو جاتے ہیں +

یہ مضمون مسٹر اڈیسن کا غالباً عیسائی مذہب کے اُس زمانہ پر اشارہ ہے جبکہ رومن کیتھلک اور پروٹسٹنٹ فرقہ میں دشمنی کی آگ بھڑک رہی تھی اور مرد اور عورت و بچے مذہب نہ ماننے پر آگ میں جلائے جاتے تھے اور نہایت بدبخت خوں ریزیاں جو درحقیقت کرسچانیٹی کے بالکل برخلاف تھیں ہو رہی تھیں +

لوگ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب میں بھی ایسا ہی خونخوار امن اور اخلاق کے برخلاف جہاد کا مسئلہ ہے۔ اگر وہ مسئلہ درحقیقت ایسا ہی ہو جیسا کہ بعض یا اکثر حقیقت تک نہ پہونچنے والے یا خود غرض لوگوں نے سمجھا ہے یا اکثر ظالم و مکار مسلمان حکمرانوں نے برتا ہے تو اُسکے اخلاق کے برخلاف ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ مگر ہمارا اعتقاد یہ نہیں ہے بلکہ جو حقیقت جہاد کی درحقیقت مذہب اسلام کی رو سے ہے وہ اخلاق کے برخلاف نہیں ہے اس میں کسی قسم کا جبر یا کسی کے مذہب کو بجبر چھوڑانا یا مذہب کے لیے کسی کا خون بہانا مطلق نہیں ہے وہ صرف نیشنل لا پر یعنی اُس قانون پر جو مختلف قوموں کو آپس میں برتنا

چاہیے مبنی ہے اور جو آج کل مہذب سے مہذب قوموں میں جاری ہے ♦

اس مسئلہ کا ذکر ہمنے اپنی متعدد تصنیفات میں کیا ہے اور اُمید ہے کہ کبھی اس مضمون پر کوئی تحریر اس پرچہ میں بھی چھاپینگے ♦

مسٹر اڈیسن اپنے اس مضمون کو کسی مصنف کے نہایت عمدہ اور دل میں اثر کرنے والے کلام پر ختم کرتے ہیں۔ اور وہ کلام یہ ہے "آپس میں نفرت پیدا کرنے کو تو ہمارے لیئے مذہب کافی ہے۔ مگر ایک دوسرے میں محبت پیدا کرنے کے لیئے کافی نہیں" ♦

میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ جو برتاؤ مذہبوں کا اس زمانہ میں ہے وہ ایسا ہی ہے اور مسلمانوں کا برتاؤ سب سے زیادہ برا ہے۔ مگر سچے مذہب کا یعنی اسلام کا سچا مسئلہ یہ ہے کہ "خدا کو ایک جاننا اور انسان کو اپنا بھائی سمجھنا" پس جو کوئی اِس مسئلہ کے برخلاف ہے وہ غلطی پر ہے ♦

ریا

دنیا میں ایسے لوگ بھی بہت ہیں جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوتا ہے۔ دنیا دار اور رند مشرب آدمی جس قدر کہ درحقیقت وہ بد ہیں اُس سے زیادہ اپنے تئیں بد بناتے ہیں۔ دینداری کی بناوٹ کرنے والے جس قدر کہ ہوتے ہیں اُس سے زیادہ نیک اپنے آپ کو جتلاتے ہیں۔ وہ تو دینداری کی ذرا ذرا سی باتوں سے بھی بھاگتے ہیں اور دن رات عشق و تماشہ بینی اور لچ پنے کی باتوں کی جن کو درحقیقت اُنہوں نے کیا بھی نہیں گپیں اوڑاتے ہیں۔ اور یہ حضرت بے شمار گناہوں اور بدیوں کو ایک ظاہری دینداری کے پردہ میں چھپاتے ہیں اور ٹٹی کی اوجھل شکار کھیلتے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں قسم کے آدمی چنداں بُرے نہیں ہیں مگر ایک اَور تیسری قسم کے لوگ ہیں جو ان دونوں قسموں سے علیحدہ ہیں اور اُنہیں کا کچھ ذکر مَیں اِس تحریر میں کرنا چاہتا ہوں۔ اُن کی بناوٹ ایک اَور ہی عجب قسم کی ہے۔ وہ اپنی بناوٹ سے دنیا کے لوگوں ہی کو فریب نہیں دیتے بلکہ اکثر خود آپ بھی دھوکے میں پڑتے ہیں۔ وہ بناوٹ خود اُن سے اُنہیں کے دل کے حال کو چھپاتی ہے جس قدر کہ درحقیقت وہ نیک ہیں اُس سے زیادہ اُن کو نیک جتلاتی ہے۔ پھر تو وہ لوگ یا اپنی بدیوں پر خیال ہی نہیں کرتے یا اُن بدیوں کو نیکیاں سمجھتے ہیں۔ مقدس داؤدؑ نے نہایت دلچسپ لفظوں میں اس غلطی سے

پناہ مانگی ہے اور اس طرح پر خدا کی مناجات کی ہے ؛ کون اپنی غلطیوں کو سمجھ سکتا ہے تو ہی مجھ کو میرے پوشیدہ عیبوں سے پاک کر ؛ جو لوگ علانیہ بدی کرتے ہیں اگر اُن کو بدیوں اور گناہوں سے بچانے کے لیئے نصیحت کی ضرورت ہے تو وہ لوگ جو در حقیقت موت کی راہ چلتے ہیں اور اپنے تئیں نیکی اور زندگی کے رستہ پر سمجھتے ہیں کس قدر رحم کے لائق ہیں اور کس قدر نصیحت کے محتاج ہیں ۔ پس میں چند قاعدے بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے وہ بدیاں جو دل کے کونوں میں چھپی ہوتی ہیں اور جن کے چھپے رہنے سے انسان خود اپنے دل کا سچا حال آپ نہیں جان سکتا معلوم ہو سکیں ؛

عام قاعدہ تو اس کے لیئے یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو اُن مذہبی اصلوں سے جو ہماری ہدایت کے لیئے مقدس کتاب اللہ میں لکھے ہیں جانچیں اور اپنی زندگی کو اُس پاک شخص کی زندگی سے مقابلہ کریں ۔ جس نے یہ فرمایا کہ " انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد " اور جو اُس درجہ کمال تک پہونچا جہاں تک انسان کا پہونچنا ممکن ہے ۔ اور جسکی زندگی ہماری زندگی کے لیئے نمونہ ہے اور جو اپنی پیروی کرنیوالوں کے لیئے بلکہ تمام دنیا کے لیئے بڑا ہادی اور بہت بڑا دانا اُستاد ہے ۔ ان دونوں قاعدوں کے برتنے میں بڑی بڑی غلطیاں پڑتی ہیں ۔ کچھ تو لوگوں کی سمجھ میں غلطیاں ہوتی ہیں اور کچھ آپس میں اختلاف رائے ہوتا ہے جو بن ہوئے رہ نہیں سکتا ۔ اور کچھ زمانہ کے گذرنے سے ٹھیک ٹھیک حالت اور کیفیت اُن واقعات کی جو گذرے معلوم نہیں ہو سکتی ۔ اس لیئے برخلاف اگلے مسلمان مصنفوں کے صرف انہی قاعدوں کے بیان کرنے پر میں اکتفا نہیں کرتا بلکہ اور بھی قاعدے بیان کرتا ہوں جو انسان کو ٹھیک ٹھیک مطلب پر راہ پر لے آتے ہیں ؛

اپنے پوشیدہ عیبوں کے معلوم کرنے کا ایک عمدہ قاعدہ یہ ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ ہمارے دشمن ہمکو کیا کہتے ہیں ۔ ہمارے دوست اکثر ہمارے دل کے موافق ہماری تعریف کرتے ہیں ۔ یا تو ہمارے عیب اُن کو عیب ہی نہیں معلوم ہوتے اور یا ہماری خاطر کو ایسا عزیز رکھتے ہیں کہ اُسکو رنجیدہ نہ کرنے کے خیال سے اُن کو چھپاتے ہیں یا ایسی نرمی سے کہتے ہیں کہ ہم اُن کو نہایت ہی خفیف سمجھتے ہیں ۔ برخلاف اسکے دشمن ہمکو خوب ٹٹولتا ہے اور کونے کونے سے ڈھونڈ کر ہمارے عیب نکالتا ہے ۔ گو وہ دشمنی سے چھوٹی بات کو بہت بڑا کر دیتا ہے مگر اکثر اس کی کچھ نہ کچھ اصلیت ہوتی ہے ؛

تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا

دوست ہمیشہ اپنے دوست کی نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور دشمن عیبوں کو۔ اس لیئے ہمکو اپنے
دشمن کا زیادہ احسانمند ہونا چاہیئے کہ وہ ہمکو ہمارے عیبوں سے مطلع کرتا ہے۔ اگر ہم نے اُس کے
طعنوں کے سبب اُن عیبوں کو چھوڑ دیا تو دشمن سے ہمکو وہی نتیجہ ملا جو ایک شفیق اُستاد سے
ملنا چاہیئے تھا۔

دشمن جو عیب صحیح یا غلط ہم میں لگاتا ہے ہمارے فائدہ سے خالی نہیں۔ اگر وہ ہم میں ہوتا
ہے تو ہم اپنے عیب سے مطلع ہوتے ہیں۔ اور اگر نہیں ہوتا تو خدا کا شکر کرتے ہیں کہ وہ عیب ہم میں
نہیں۔ سچ ہے کہ "دشمن از دوست ناصح تراست ایں جز نکوئی نہ گوید و ایں جز بدی نجوید"
پلوٹارک کا دشمنی کے فائدوں پر جو مضمون ہے اُس میں اُس نے یہ بات لکھی ہے کہ
"دشمن جو ہمکو بدنام کرتے ہیں اُس سے ہمکو ہماری بُرائیاں معلوم ہوتی ہیں اور ہماری گفتگو میں
اور ہمارے چال چلن میں اور ہماری تحریروں میں جو نقص ہیں وہ بغیر ایسے دشمن کی مدد کے کبھی
معلوم نہیں ہوتے"۔

علیٰ ہٰذا القیاس اگر ہم خود اپنے آپ کو سمجھنا چاہیں کہ ہم کیا ہیں تو ہمکو اس بات پر غور کرنی
چاہیئے کہ جو لوگ ہماری تعریف کرتے ہیں اُس میں سے ہم کس قدر کے مستحق ہیں اور پھر یہ سوچنا
چاہیئے کہ جن کاموں کے سبب سے وہ تعریف کرتے ہیں وہ کام ہم عُمدہ غرض سے اور نیک
نیتی سے دنیا کو فائدہ پہونچانے کے لیئے کرتے ہیں یا نہیں اور پھر ہمکو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ
وہ نیکیاں جن کے سبب ہماری تعریف کرنیوالے ہماری تعریف کرتے ہیں درحقیقت ہم میں کہاں
تک ہیں۔ ان باتوں پر انسان کو بخوبی غور کرنا نہایت ضرور ہے کیونکہ ہمارا چال ہے کہ کبھی
تو ہم لوگوں کی رایوں کو جو ہماری نسبت ہیں پسند کرکر اپنے تئیں بہت بڑا سمجھنے لگتے ہیں اور کبھی
اُن کو ناپسند کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دل کہتا ہے اُس کے مقابلہ میں اُن تمام رایوں کو نہیں
مانتے۔

ہمکو ایسی نیکی پر بھی جس کو ہم نے اپنے خیال میں نیک سمجھا ہے مگر درحقیقت اُس کی نیکی
مشتبہ ہے زیادہ اصرار کرنا نہیں چاہیئے بلکہ اُن لوگوں کی رایوں کی بھی نہایت قدر و منزلت
کرنی چاہیئے جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں اور جو عقلمند اور نیک دل ہیں اور جس طرح ہم نیک دلی
سے بات کہتے ہیں اُسی طرح وہ بھی نیک دلی سے ہم سے مخالفت کرتے ہیں۔ مگر یہ سمجھنا چاہیئے

کہ اُن اختلاف کرنے والوں نے صرف آزادی رائے اور اُس دلی نیکی سے جس کے سرچشمہ کی سوت قدرت نے ہر ایک انسان کے دل میں کھولی ہے اختلاف کیا ہے یا کسی بیرونی دباؤ یا پابندی رسم و رواج اور تعصب اور تقلید نے اُن کے دل کو پھیرا ہے کیونکہ اگر یہ پچھلی بات اختلاف رائے کا سبب ہو تو وہ نہایت بیقدر ہو جاتی ہے *

جہاں دھوکا کھانے کا احتمال ہے وہاں ہمکو نہایت ہوشیاری اور بہت خبرداری سے کام کرنا چاہیئے - حد سے زیادہ سرگرمی اور تعصب اور کسی خاص فرقہ کو یا کسی خاص رائے کے لوگوں کو بُرا اور حقیر سمجھنا ایسی باتیں ہیں جن سے ہزاروں آفتیں پیدا ہوتی ہیں - وہ فی نفسہ نہایت ہی بُری ہیں گو کہ وہ ہم سے کمزور دل آدمیوں کو اچھی معلوم ہوتی ہوں مگر اس پر بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ایسے لوگ بھی دنیا میں ہیں جو دینداری اور نیکی کے لیئے نہایت مشہور ہیں مگر نہایت لغو اور نرے شیطانی اصولوں کو نیکی سمجھکر اپنے دلوں میں اُسکی جڑ گاڑ دی ہے مَیں اِس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ مَیں نے آج تک کوئی ایسا عقلمند اور انصاف پسند شخص نہیں دیکھا جس میں پوری پوری یہ سب باتیں ہوں اور پھر بھی وہ گناہ سے پاک ہو *

اِسی طرح ہمکو اُن کاموں سے بھی ڈرنا چاہیئے جو انسان کے کمزور دل کی قدرتی بناوٹ سے یا کسی خاص شوق سے یا کسی خاص تعلیم کے اثر سے یا کسی اور سبب سے ہوتی ہیں جس میں ہمارا دنیوی فائدہ ہے - ایسی حالت میں انسان کی سمجھ نہایت آسانی سے حق بات کی طرف سے پھر جاتی ہے اور اُس کا دل غلطی کی طرف مائل ہو جاتا ہے - اور یہی باتیں ہیں جن کے سبب تعصب اور ہزاروں غلطیاں اور پوشیدہ بُرائیاں اور لامعلوم عیب انسان کے دل میں گھس جاتے ہیں - جس کام کے کرنے میں عقل کے سوا اور جذبوں کی بھی ترغیب ہو اُس کے کرنے میں عقلمند آدمی کو ہمیشہ ڈرنا اور ہمیشہ اُس پر شبہ کرنا چاہیئے کہ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی برائی چھپی ہوئی ہوگی *

ان اصولوں پر اپنے خیالوں کو جانچنا اور اپنے دل کو ٹٹولنا اور دل کے تاریک حصوں کو ڈھونڈھنا ہمارے لیئے اُس سے بڑھکر کوئی چیز مفید نہیں ہے - اگر ہم اپنے دل میں ایسی مضبوط نیکی بٹھانی چاہیں جو قیامت کے دن ہمارے کام آوے - جس دن کہ ہمارے بھیدوں کا جاننے والا ہمارے دل کو جانچے گا جس کی عقل اور انصاف کی کچھ انتہا نہیں - تو ان اصولوں پر چلنے سے بہتر ہمارے لیئے کوئی راہ نہیں ہمارے بانی اسلام نے جب ہمکو یہ سکھلایا ہے کہ خدا ہر جگہ

اوّل اوّل یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی آپ خوشامد کرتے ہیں اور اپنی ہر ایک چیز کو اچھا سمجھتے ہیں
اور آپ ہی آپ اپنی خوشامد کر کر اپنے دل کو خوش کرتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اَوروں کی خوشامد
ہم میں اثر کرنے لگتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اوّل تو خود ہمکو اپنی محبت پیدا ہوتی ہے
پھر یہی محبت ہم سے باغی ہو جاتی ہے اور ہمارے بیرونی دشمنوں سے جا ملتی ہے اور جو محبت
و مہربانی ہم خود اپنے ساتھ کرتے تھے وہ ہم خوشامدیوں کے ساتھ کرنے لگتے ہیں اور وہی ہماری
محبت ہمکو یہ بتلاتی ہے کہ اُن خوشامدیوں پر مہربانی کرنا نہایت حق اور انصاف ہے جو ہماری
باتوں کو ایسا سمجھتے ہیں اور اُن کی اس قدر قدر کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارا دل ایسا نرم ہو جاتا ہے اور
اس قسم کے پھسلاوے اور فریب میں آجاتا ہے تو ہماری عقل خوشامدیوں کے مکر و فریب سے
اندھی ہو جاتی ہے اور وہ مکر و فریب ہماری بیمار طبیعت پر بالکل غالب آجاتا ہے۔

لیکن اگر ہر شخص کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ خوشامد کا شوق کیسے نالایق اور کمینہ سببوں سے
پیدا ہوتا ہے تو یقینی خوشامد کی خواہش کرنے والا شخص بھی ویسا ہی نالایق اور کمینہ متصوّر
ہونے لگیگا۔ جبکہ ہمکو کسی ایسے وصف کا شوق پیدا ہوتا ہے جو ہم میں نہیں ہے یا ہم ایسے
بنا چاہتے ہیں جیسیکہ درحقیقت ہم نہیں ہیں تب ہم اپنے تئیں خوشامدیوں کے حوالہ کرتے
ہیں جو اَوروں کے اوصاف اور اَوروں کی خوبیاں ہم میں لگانے لگتے ہیں۔ گو بسبب اُس
کمینہ شوق کے اُس خوشامد کی باتیں ہمکو اچھی لگتی ہوں مگر درحقیقت وہ ہمکو ایسی ہی نازیب
ہیں جیسیکہ دوسروں کے کپڑے جو ہمارے بدن پر کسی طرح ٹھیک نہیں۔ اس بات سے کہ
ہم اپنی حقیقت کو چھوڑ کر دوسرے کے اوصاف اپنے میں سمجھنے لگیں۔ یہ بات نہایت عمدہ ہے
کہ ہم خود اپنی حقیقت کو درست کریں اور سچ مچ وہ اوصاف خود اپنے میں پیدا کریں اور بعوض
جھوٹی نقل بننے کے خود ایک اچھی اصل ہو جاویں کیونکہ ہر قسم کی طبیعتیں جو انسان رکھتے ہیں
اپنے اپنے موقع پر مفید ہو سکتی ہیں۔ ایک تیز مزاج اور چٹ چالاک آدمی اپنے موقع پر ایسا
ہی مفید ہوتا ہے جیسے کہ ایک روتی صورت کا چپ چاپ آدمی اپنے موقع پر۔

خود ہی جو انسان کو برباد کرنے والی چیز ہے جب چپ چاپ سوئی ہوئی ہوتی ہے تو خوشامد
اُسکو جگاتی اور اُبھارتی ہے اور جس کی خوشامد کی جاتی ہے اُس میں چھچھورے پن کی کافی لیاقت
پیدا کر دیتی ہے۔ مگر یہ بات بخوبی یاد رکھنی چاہیئے کہ جس طرح خوشامد ایک بدتر چیز ہے اسی طرح
مناسب اور سچی تعریف کرنا نہایت عمدہ اور بہت ہی خوب چیز ہے جس طرح کہ لایق شاعر

دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کہ ان اشعار سے اُن لوگوں کا نام باقی رہتا ہے جن کی وہ تعریف کرتے ہیں اور شاعری کی خوبی سے خود اُن شاعروں کا نام بھی دنیا میں باقی رہتا ہے دونوں شخص مشہور ہوتے ہیں۔ ایک اپنی لیاقت کے سبب سے اور دوسرا اُس لیاقت کو تمیز کرنے کے سبب سے۔ مگر لیاقت شاعری کی یہ ہے کہ وہ نہایت بڑے اُستاد مصور کی مانند ہو کہ وہ اصل صورت اور رنگ اور خال خط کو بھی قایم رکھتا ہے اور پھر بھی تصویر ایسی بناتا ہے کہ خوش نما معلوم ہو +

ایشیا کے شاعروں میں ایک بڑا نقص یہی ہے کہ وہ اس بات کا خیال نہیں رکھتے بلکہ جسکی تعریف کرتے ہیں اُس کے اوصاف ایسے جھوٹے اور ناممکن بیان کرتے ہیں جن کے سبب سے وہ تعریف تعریف نہیں رہتی بلکہ فرضی خیالات ہو جاتے ہیں +

ناموری کی مثال نہایت عُمدہ خوشبو کی ہے جب ہوشیاری اور سچائی سے ہماری واجب تعریف ہوتی ہے تو اُس کا ویسا ہی اثر ہوتا ہے جیسے عُمدہ خوشبو کا۔ مگر جب کسی کمزور دماغ میں زبردستی سے وہ خوشبو ٹھونس دی جاتی ہے تو ایک تیز بو کی مانند دماغ کو پریشان کر دیتی ہے۔ فیاض آدمی کو بدنامی اور نیک نامی کا زیادہ خیال ہوتا ہے اور عالی ہمت طبیعت کو مناسب عزت اور تعریف سے ایسی ہی تقویت ہوتی ہے جیسے کہ غفلت اور حقارت سے پست ہمتی ہوتی ہے۔ جو لوگ کہ عوام کے درجہ سے اوپر ہیں اُنہی لوگوں پر اس کا زیادہ اثر ہوتا ہے جیسے کہ تھرمامیٹر میں وہی حصہ موسم کا زیادہ اثر قبول کرتا ہے جو صاف اور سب سے اوپر ہوتا ہے +

گذرا ہوا زمانہ

برس کی اخیر رات کو ایک بڈھا اپنے اندھیرے گھر میں اکیلا بیٹھا ہے۔ رات بھی ڈراونی اور اندھیری ہے۔ گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے۔ آندھی بڑے زور سے چلتی ہے۔ دل کانپتا ہے اور دم گھبراتا ہے۔ بڈھا نہایت غمگین ہے۔ مگر اُس کا غم نہ اندھیرے گھر پر ہے نہ اکیلے پن پر اور نہ اندھیری رات اور بجلی کی کڑک اور آندھی کی گونج پر اور نہ برس کی اخیر رات پر۔ وہ اپنے پچھلے زمانہ کو یاد کرتا ہے اور جتنا زیادہ یاد آتا ہے اُتنا ہی غم بڑھتا ہے ہاتوں سے ڈھکے ہوئے موٗنھ پر آنکھوں سے آنسو بھی بہے چلے جاتے ہیں +

پچھلا زمانہ اُسکی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ اپنا لڑکپن اُسکو یاد آتا ہے جبکہ اُسکو

کسی چیز کا غم اور کسی بات کی فکر دل میں نہ تھی۔ روپیہ اشرفی کے بدلے ریوڑی اور مٹھائی اچھی لگتی تھی۔ سارا گھر ماں باپ۔ بھائی بہن اُسکو پیار کرتے تھے۔ پڑھنے کے لیئے چھُٹی کا وقت جلد آنے کی خوشی میں کتابیں بغل میں لے مکتب میں چلا جاتا تھا۔ مکتب کا خیال آتے ہی اُسکو اپنے ہم مکتب یاد آتے تھے۔ وہ اور زیادہ غمگین ہوتا تھا اور بے اختیار چلا اُٹھتا تھا۔ "ہائے وقت ہائے گذرے ہوئے زمانے۔ افسوس کہ مَیں نے تجھے بہت دیر میں یاد کیا"۔

پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا۔ اپنا سُرخ سفید چہرہ۔ سڈول ڈیل بھرا بھرا بدن۔ رسیلی آنکھیں۔ موتی کی لڑی سے دانت۔ اُمنگ میں بھرا ہوا دل۔ جذبات انسانی کے جوشوں کی خوشی اُسے یاد آتی تھی۔ اُس آنکھوں میں اندھیرا چھائے ہوئے زمانہ میں ماں باپ جو نصیحت کرتے تھے اور نیکی اور خدا پرستی کی بات بتاتے تھے۔ اور یہ کہتا تھا کہ " اوہ ابھی بہت وقت ہے"۔ اور بڑھاپے آنے کا کبھی خیال بھی نہ کرتا تھا۔ اُسکو یاد آتا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ کیا اچھا ہوتا اگر جب ہی میں اس وقت کا خیال کرتا اور خدا پرستی اور نیکی سے اپنے دل کو سنوارتا اور موت کے لیئے طیار رہتا۔ آہ وقت گذر گیا آہ وقت گذر گیا۔ اب پچتائے کیا ہوتا ہے افسوس مَیں نے آپ اپنے تئیں ہمیشہ یہ کہکر برباد کیا کہ " ابھی وقت بہت ہے"۔

یہ کہکر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کھولی۔ دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراؤنی ہے۔ اندھیری گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی کی کڑک سے دل پھٹا جاتا ہے۔ ہولناک آندھی چل رہی ہے۔ درختوں کے پتے اُڑتے ہیں اور ٹھنے ٹوٹتے ہیں۔ تب وہ چلا کر بولا "ہائے ہائے میری گذری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراؤنی ہے جیسی یہ رات۔ یہ کہکر پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔

اتنے میں اُس کو اپنے ماں باپ بھائی بہن۔ دوست آشنا یاد آئے۔ جن کی ہڈیاں قبروں میں گل کر خاک ہو چکی تھیں۔ ماں گویا محبت سے اُسکو چھاتی سے لگائے آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہے یہ کہتی ہوئی کہ ہائے بیٹا وقت گذر گیا باپ کا نورانی چہرہ اُسکے سامنے ہے اور اُس میں یہ آواز آتی ہے کہ کیوں بیٹا ہم تمھارے ہی بھلے کے لیئے نہ کہتے تھے بھائی بہن دانتوں میں اُنگلی دیئے ہوئے خاموش ہیں اور اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جا رہی ہے دوست آشنا سب غمگین کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔

ایسی حالت میں اُسکو اپنی وہ باتیں یاد آتی تھیں جو اُس نے نہایت بے پروائی اور بے مروتی اور کج خلقی سے اپنے ماں باپ۔ بھائی۔ بہن۔ دوست آشنا کے ساتھ برتی تھیں۔ ماں کو رنجیدہ رکھنا۔ باپ کو ناراض کرنا۔ بھائی بہن سے بے مروت رہنا۔ دوست آشنا کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا یاد آتا تھا۔ اور اُسپر اُن گلی ہڈیوں میں سے ایسی محبت کا دیکھنا اُس کے دل کو پاش پاش کرتا تھا۔ اُس کا دم چھاتی میں گھٹ جاتا تھا اور یہ کہہ کر چلا اُٹھتا تھا کہ "ہائے وقت نکل گیا ہائے وقت نکل گیا۔ اب کیونکر اس کا بدلہ ہو"۔

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اور ٹکراتا اُلٹتا کھڑکی تک پہونچا۔ اُسکو کھولا اور دیکھا کہ ہوا کچھ ٹھہری ہے اور بجلی کی کڑک کچھ تھمی ہے پر رات ویسی ہی اندھیری ہے۔ اُسکی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔

اتنے میں اسکو اپنا ادھیڑ پنا یاد آیا جس میں کہ وہ جوانی ہی تھی اور نہ وہ جوانی کا جوبن نہ وہ دل رہا تھا اور نہ دل کے وَلولوں کا جوشش۔ اُس نے اپنی اُس نیکی کے زمانہ کو یاد کیا جس میں وہ بہ نسبت بدی کے نیکی کی طرف زیادہ مائل تھا۔ وہ اپنا روزہ رکھنا۔ نمازیں پڑھنی۔ حج کرنا۔ زکوٰۃ دینی۔ بھوکوں کو کھلانا۔ مسجدیں اور کنوئیں بنوانا یاد کرکے اپنے دل کو تسلی دیتا تھا۔ فقیروں اور درویشوں کو جن کی خدمت کی تھی اپنے پیروں کو جن سے بیعت کی تھی اپنی مدد کو پکارتا تھا۔ مگر دل کی بیقراری نہیں جاتی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُس کے ذاتی اعمال کا اُسی تک خاتمہ ہے بھوکے پھر ویسے ہی بھوکے ہیں۔ مسجدیں ٹوٹ کر یا تو کھنڈر ہیں اور یا پھر ویسے ہی جنگل ہیں۔ کنوئیں اندھے پڑے ہیں۔ نہ پیر اور نہ فقیر۔ کوئی اُسکی آواز نہیں سنتا اور نہ مدد کرتا ہے اُس کا دل پھر گھبراتا ہے۔ اور سوچتا ہے کہ میں نے کیا کیا جو تمام فانی چیزوں پر دل لگایا۔ یہ پچھلی سمجھ پہلے ہی کیوں نہ سوجھی۔ اب کچھ بس نہیں چلتا اور پھر یہ کہہ کر چلا اٹھتا کہ ہائے وقت ہائے وقت میں نے تجھ کو کیوں کھودیا"۔

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اُس کے پٹ کھولے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے آندھی تھم گئی ہے۔ گھٹا کھل گئی ہے۔ تارے نکل آئے ہیں۔ اُن کی چمک سے اندھیرا بھی کچھ کم ہوگیا ہے۔ وہ دل بہلانے کے لیئے تاروں بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکایک اُسکو آسمان کے بیچ میں ایک روشنی دکھائی دی اور اُس میں ایک خوبصورت دُلہن نظر آئی۔ اُسنے ٹکٹکی باندھ کر اُسے دیکھنا شروع کیا جوں جوں وہ اُسے دیکھتا تھا وہ قریب ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک

حاضر وناظر ہے ہمارے دل کے چھپے بھیدوں کو جانتا ہے تو اُس نے کس خوبی اور خوبصورتی سے اُس ریاکاری کی بُرائی ہمکو بتلادی جس سے انسان دنیا کو دھوکا دیتا ہے اور خود اپنے آپ کو ہی فریب میں ڈالتا ہے - داؤدؑ نے بھی اپنی مُناجات میں اُس ریاکاری کے خوف کو جس سے انسان خود اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے نہایت دلچسپ لفظوں میں ادا کیا ہے جہاں اُس نے کہا ہے - کہ اے خُدا مجھ کو جانچ - میرے دل کی تہ کو ڈھونڈ - میرے خیالوں کو دیکھ - مجھ کو ٹٹول - مجھ کو بخوبی پرکھ - کہ مجھ میں کس بُرائی نے راہ کی ہے اور مجھ کو ایسی راہ پر چلا جو ہمیشہ کو قایم رہے -

ہندوؤں میں ترقی تہذیب

یہ ایک نہایت عُمدہ قول ایک بڑے فلاسفر کا ہے کہ زمانہ سب سے بڑا ریفارمر یعنی مصلح امورات ہے ؛

ہندوؤں کا حال دیکھکر ہمکو اِس قول کی تصدیق ہوتی ہے - انہی دنوں میں ہز ہینس مہاراجہ صاحب وجیے نگرام کے بیٹے کی شادی ہز ہینس مہاراجہ جے پور کے ہاں ہوئی ہے وہ اور اُن کے احباب جے پور بیاہنے کو گئے تھے - اور چند رئیسان بنارس بھی اُن کے ساتھ تھے جب سب لوگ شادی کر کر واپس آئے تو دو صاحبوں نے جو نہایت عالیخاندان رئیس ہیں مجھ سے دعوت کا یہ حال بیان کیا کہ وہاں کئی سو راجپوت نے جو نہایت عمدہ قوم کے ہیں اور جن میں مہاراجہ جے پور و مہاراجہ وجیے نگرام بھی شامل تھے اِس طرح پر کچی رسوئی کھائی - کہ ایک نہایت پر تکلف مکان فرش فروش سے آراستہ تھا شطرنجی اور نہایت عمدہ دھوئی ہوئی سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی - اور اُس پر بہت بڑی لمبی خوبصورت مہاگنی کی میز لگی ہوئی تھی اور ہر چہار طرف کرسیاں بچھی ہوئی تھیں - تمام راجپوت اپنی پوشاک - دستار و قبا پہنے ہوئے اور پاؤں میں جوتیاں پہنے ہوئے - ہتیار لگائے ہوئے سب کرسیوں پر آن بیٹھے - میز پر سب کے سامنے انواع اقسام کا کھانا چنا گیا جسمیں دال بھات بھی تھا اور سب نے بے تکلف ایک میز پر بیٹھکر کھانا تناول فرمایا ؛

زیادہ تعجب یہ ہے کہ چوکے کی بھی کچھ قید نہ تھی کچی رسوئی بھی چل کر بہت دور فاصلہ سے آتی تھی اور سب راجپوت بلا عذر کھاتے تھے ؛

اس بات کے سُننے سے البتہ ہمکو افسوس ہے کہ میز پر بجائے نفیس نفیس برتنوں کے پتوں کی کابیاں تھیں جس کو ہندی میں پتل کہتے ہیں اور صرف یہی ایک چیز تھی جو اُس زمانہ کو یاد دلاتی تھی جبکہ دنیا کی قوموں کو برتن بنانے کا فن نہیں آتا تھا۔ مگر ہمکو امید کرنی چاہیئے کہ ہمارے ہندو بھائی اپنے دھرم کو قایم رکھکر بہت جلد تہذیب و شایستگی میں ترقی کرینگے ✦

درحقیقت ہمارے لیئے اور خصوص میرے لیئے یہ بات نہایت خوشی کی ہے اس لیئے کہ میں ہمیشہ یہ خیال رکھتا تھا کہ ہمارے ہندو بھائیوں میں سویلزیشن کی ترقی مع قیام اُن کے مذہب کے نہیں ہوسکتی۔ مگر اس حال کے سُننے سے جو جے پور میں ہوا مجھے یقین ہوگیا کہ میرا یہ خیال غلط تھا اور مَیں اپنے اس خیال کے غلط نکلنے سے بے انتہا خوش ہوا ہوں اور خود اپنے کو آپ مُبارکبادی دیتا ہوں ✦

میری یہ سمجھ ہے کہ ہندوستان میں دو قومیں ہندو اور مُسلمان ہیں۔ اگر ایک قوم نے ترقی کی اور دوسری نے نہ کی تو ہندوستان کا حال کچھ اچھا نہیں ہونے کا بلکہ اُس کی مثال ایک کانڑے آدمی کی سی ہوگی۔ لیکن اگر دونوں قومیں برابر ترقی کرتی جاویں تو ہندوستان کے نام کو بھی عزت ہوگی اور بجائے اس کے کہ وہ ایک کانڑی اور بڈھی بال بکھری دانت ٹوٹی بیوہ کہلاوے ایک نہایت خوبصورت پیاری دلہن بن جاویگی ✦

او خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین ✦

مخالفت

دشمنی اور عداوت۔ حسد اور رنجش اور ناراضی کے سوا ایک اَور جذبہ انسان میں ہے جو خود اُسی شخص میں کمینہ عادتیں اور رذیل اخلاق پیدا کرتا ہے اور بعوض اس کے کہ وہ اپنے مخالف کو کچھ نقصان پہنچاوے خود اپنا آپ نقصان کرتا ہے۔ اس انسانی جذبہ کو ہم مخالفت کہتے ہیں ✦

دشمنی اور عداوت کا منشا اکثر اتلاف حقوق کے سبب سے ہوتا ہے۔ زن یا زر۔ زمین یا خون اُس جذبہ کے جوش میں آنے کے باعث ہوتے ہیں ✦

حسد کا منشا صرف وہ اوصاف حمیدہ ہوتے ہیں جو محسود میں ہیں اور حاسد اُن کا خواہاں ہے مگر وہ اُس میں نہیں ہیں اور نہ ہوسکتے ہیں ✦

رنجش و ناراضی اکثر باہمی معاشرت میں خلل واقع ہونے سے ہوتی ہے +

مگر ان سب کے سوا ایک اَور جذبہ انسان میں ہے جو بغیر ان سببوں کے جوش میں آتا ہے اُس کا منشا نہ زر و زمین و زن کی دشمنی ہوتی ہے اور نہ مخالف کے اوصاف حمیدہ کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ یہ شخص اپنے مخالف کے اوصاف حمیدہ کو اوصاف حمیدہ ہی نہیں تصور کرتا اَور نہ باہمی معاشرت کا خلل اُس کا باعث ہوتا ہے اس لیئے کہ اکثر اُن دونوں میں ملاقات اور واقفیت بھی نہیں ہوتی - بلکہ اس کا منشا صرف یہ ہوتا ہے کہ اُسکی مخالف رائے یا عقل و سمجھ دوسرے فریق کی رائے اور سمجھ سے مخالف ہوتی ہے +

یہ جذبہ مخالفت قریباً کل انسانوں میں پایا جاتا ہے مگر مہذب اور تربیت یافتہ اور نیک دل آدمیوں میں اُس کا ظہور اَور طرح پر ہوتا ہے اور نامہذب اور ناتربیت یافتہ بدذات آدمیوں میں اُس کا ظہور دوسری طرح پر ہوتا ہے - پہلا اُس مخالفت سے ہر قسم کے فائدے اُٹھاتا ہے اور دوسرا اُن فائدوں سے بھی محروم رہتا ہے اور دنیا میں خود اپنے تئیں بدطینت اور کذاب اور نامہذب ثابت کرتا ہے +

دُنیا میں یہ بات قریباً ناممکن ہے کہ تمام لوگ ایک رائے پر گو وہ کیسی ہی صحیح و سچ ہو متفق ہو جاویں پس ضرور ہے کہ آپس میں اختلاف رائے ہو - نیک آدمی اپنے مخالف کی رائے کو نہایت نیک دلی سے سوچتا ہے اور ہمیشہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ اگر اُس میں کوئی اچھی بات ہو تو اُس کو چُن لوں اور اگر مجھ میں کوئی غلطی ہو تو اُسکو صحیح کر لوں اور جب ایسی کوئی بات اُسمیں نہیں پاتا تو اپنے مخالف کی غلطیوں کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے اور اُن غلطیوں کو اِس طرح پر بتاتا ہے جیسے ایک دلسوز دوست بتاتا ہے کہیں کہیں طبیعت کو تر و تازہ کرنے کے لیئے نہایت دلچسپ ظرافت بھی کر بیٹھتا ہے اور کبھی کبھی کوئی لطیفہ بھی بول اُٹھتا ہے اور باوجود مخالفت کے ایک دوسرے کو فائدہ پہونچتا ہے +

کمینہ طبیعت اور نامہذب ناشایستہ آدمی یہ رستہ نہیں چلتا - وہ بات کی حسن و قبح کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اپنے مخالف کے عیوب ذاتی سے بحث کرنے لگتا ہے سخت کلامی - درشت گوئی سب و شتم اپنا پیشہ کر لیتا ہے - اپنے مخالف کے عیوب واقعی ہی کے بیان پر بس نہیں کرتا بلکہ ہر قسم کے بہتان اُس پر لگاتا ہے - اور جھوٹی جھوٹی باتیں اُسکی طرف منسوب کرتا ہے اور خود مورد لعنت اللہ علی الکاذبین بنتا ہے - اس راہ چلنے سے اور جھوٹ اتہام کہنے سے اور

لعنت خدا کا مورد بننے سے اُس کا مطلب اپنے مخالف کو بدنام کرنا اور عام لوگوں میں جو اُسکے مخالف کے حال سے واقف نہیں ہیں ناراضی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت اُس کا یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا اور بعوض اس کے کہ اُس کا مخالف بدنام ہو خود وُہی زیادہ رسوا اور بدنام ہوتا ہے اس لیئے کہ جب اُس مخالف کی بُرائی جو اُس نے براہ کذب و اتہام اُس کی نسبت منسوب کی ہے مشہور ہوتی ہے۔ تو کوئی تو اُسکو سچ سمجھتا ہے اور بہت لوگ اُسکی تحقیق کے درپے ہوتے ہیں اور جب اُسکی کچھ اصل نہیں پاتے تو بعوض اُسکے مخالف کے خود اُسی کذاب پر لعنت اور تھو تھو کرتے ہیں اور بقول شخصے کہ دروغ کو فروغ نہیں ہوتا تھوڑے ہی دنوں میں اُسکی قلعی کُھل جاتی ہے اور وہ جھوٹا بدگو خود اُسی گڑھے میں گرتا ہے جو اُس نے اپنے مخالف کے لیئے کھودا تھا۔ پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے مخالف سے بھی مخالفت کرنے میں سچائی اور راست بازی نیکی اور نیک دلی کو کام میں لاوے کہ یہی طریقہ اپنے مخالف پر فتح پانے کا ہے ورنہ بعوض اپنے مخالف کے خود اپنے تئیں آپ رسوا کرنا ہے +

ہمکو بڑا افسوس ہے کہ ہمارے مخالف اس پچھلے طریقہ پر ہمسے مخالفت کرتے ہیں۔ ہمکو اپنی مخالفت کا یا اپنے پر اتہام کرنے کا یا اپنی بدنامی کا کچھ اندیشہ نہیں ہے بلکہ اس بات کا افسوس ہے کہ انجام کو ہمارے مخالف ہی رسوا و بدنام ہوتے ہیں۔ اور دُنیا اُنہی کو دروغ گو و کذاب قرار دیتی ہے۔ اگر اُن کو ہمارے حال پر رحم نہیں ہے تو خود اُن کو اپنے حال پر رحم کرنا چاہیئے ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم +

خوشامد

دل کی جس قدر بیماریاں ہیں اُن میں سب سے زیادہ مہلک خوشامد کا اچھا لگنا ہے۔ جس وقت کہ انسان کے بدن میں ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو وبائی ہوا کے اثر کو جلد قبول کر لیتا ہے تو اُسی وقت انسان مرض مہلک میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جبکہ خوشامد کے اچھا لگنے کی بیماری انسان کو لگ جاتی ہے تو اُس کے دل میں ایک ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو ہمیشہ زہریلی باتوں کے زہر کو چوس لینے کی خواہش رکھتا ہے۔ جس طرح کہ خوش گلو گانے والے کا راگ اور خوش آیند باجے کی آواز انسان کے دل کو نرم کر دیتی ہے اسی طرح خوشامد بھی انسان کے دل کو ایسا پگلا دیتی ہے کہ ہر ایک کانٹے کے چبھنے کی جگہ اُس میں ہو جاتی ہے +

کر وہ اُس کے بہت پاس آگئی۔ وہ اُس کے حُسن و جمال کو دیکھ کر حیران ہوگیا اور نہایت پاک دل اور محبت کے لہجہ سے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ وہ بولی کہ مَیں ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی ہوں۔ اُس نے پوچھا کہ تمھاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے۔ وہ بولی ہاں ہے۔ نہایت آسان پر بہت مشکل۔ جو کوئی خدا کے فرض اُس بدوی کی طرح جس نے کہا کہ "واللہ لا ازید ولا انقص" ادا کر کر انسان کی بھلائی اور اُس کی بہتری میں سعی کرے اُس کی میں مسخر ہوتی ہوں۔ دنیا میں کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ انسان ہی ایسی چیز ہے جو اخیر تک رہیگا۔ پس جو بھلائی کہ انسان کی بہتری کے لیئے کی جاتی ہے وُہی نسل در نسل اخیر تک چلی آتی ہے۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ اُسی تک ختم ہو جاتا ہے۔ اُس کی مَوت اُن سب چیزوں کو ختم کر دیتی ہے۔ مادی چیزیں بھی چند روز میں فنا ہو جاتی ہیں مگر انسان کی بھلائی اخیر تک جاری رہتی ہے۔ مَیں تمام انسانوں کی روح ہوں۔ جو مجھ کو تسخیر کرنا چاہے انسان کی بھلائی میں کوشش کرے۔ کم سے کم اپنی قوم کی بھلائی میں تو دل و جان و مال سے ساعی ہو۔ یہ کہہ کر وہ دُلہن غایب ہوگئی اور بڈھا پھر اپنی جگہ آ بیٹھا*

اب پھر اُس نے اپنا پچھلا زمانہ یاد کیا اور دیکھا کہ اُس نے اپنی پچپن برس کی عمر میں کوئی کام بھی انسان کی بھلائی اور کم سے کم اپنی قومی بھلائی کا نہیں کیا تھا۔ اُس کے تمام کام ذاتی غرض پر مبنی تھے۔ نیک کام جو کیئے تھے ثواب کے لالچ اور گویا خدا کو رشوت دینے کی نظر سے کیئے تھے۔ خاص قومی بھلائی کی خالص نیت سے کچھ بھی نہیں کیا تھا*

اپنا حال سوچکر وہ اُس دلفریب دُلہن کے ملنے سے مایوس ہوا۔ اپنا اخیر زمانہ دیکھکر آیندہ کرنے کی بھی کچھ اُمید نہ پائی۔ تب تو نہایت مایوسی کی حالت میں بیقرار ہوکر چلا اُٹھا "ہائے وقت ہائے وقت۔ کیا پھر تجھے میں بلا سکتا ہوں۔ ہائے میں دس ہزار دینار دیتا اگر وقت پھر آتا اور مَیں جوان ہو سکتا۔ یہ کہہ کر اُس نے ایک آہ سرد بھری اور بیہوش ہوگیا*

تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ اُس کے کانوں میں میٹھی میٹھی باتوں کی آواز آنے لگی۔ اُسکی پیاری ماں اُس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اُسکو گلے لگا کر اُس کی بپی لی۔ اُس کا باپ اُسکو دکھائی دیا۔ چھوٹے چھوٹے بھائی بہن اُس کے گرد آ کھڑے ہوئے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا کیوں برس کے برس دن روتا ہے کیوں تو بیقرار ہے کس لیئے تیری ہچکی بندھ گئی ہے

اُٹھ موںھ ہاتھ دھو کپڑے پہن - نوروز کی خوشی منا تیرے بھائی بہن تیرے منتظر کھڑے ہیں - تب وہ لڑکا جاگا اور سمجھا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں بڈھا ہو گیا تھا اُس نے اپنا سارا خواب اپنی ماں سے کہا - اُس نے سُنکر اُسکو جواب دیا کہ بیٹا بس تو ایسا مت کر جیسا اُس پشیمان بڈھے نے کیا بلکہ ایسا کر جیسا تیری دُلہن نے تجھ سے کہا ؛

یہ سُن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے کود پڑا اور نہایت خوشی سے پکارا کہ " او یہی میری زندگی کا پہلا دن ہے - میں کبھی اُس بڈھے کی طرح نہ پچھتاؤں گا اور ضرور اُس دلہن کو بیاہوں گا جسنے ایسا خوبصورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا - او خدا او خدا تو میری مدد کر - آمین ؛

پس اے میرے پیارے نوجوان ہموطنوں - اور اے میری قوم کے بچو - اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو تاکہ اخیر وقت میں اُس بڈھے کی طرح نہ پچھتاؤ - ہمارا زمانہ تو اخیر ہے اب خدا سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان اُٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے - آمین ؛

بحث و تکرار

جب کتے آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کر ایک دوسرے کو بُری نگاہ سے آنکھیں بدل بدل کر دیکھنا شروع کرتے ہیں - پھر تھوڑی تھوڑی گونجیلی آواز اُن کے نتھنوں سے نکلنے لگتی ہے - پھر تھوڑا سا جبڑا کھلتا ہے اور دانت دکھلائی دینے لگتے ہیں اور حلق سے آواز نکلنی شروع ہوتی ہے - پھر باچھیں چر کر کانوں سے جالگتی ہیں اور ناک سمٹ کر ماتھے پر چڑھ جاتی ہے - ڈاڑھوں تک دانت باہر نکل آتے ہیں - مُنھ سے جھاگ نکل پڑتے ہیں اور عنیف آواز کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے چمٹ جاتے ہیں اسکا ہاتھ اُس کے گلے میں اور اُسکی ٹانگ اُسکی کمر میں - اُس کا کان اِس کے مُنہ میں اور اسکا ٹینٹوا اُس کے جبڑے میں - اِس نے اُس کو کاٹا اور اُس نے اِس کو پچھاڑ کر بھنبوڑا - جو کمزور ہوا دُم دبا کر بھاگ نکلا ؛

نامہذب آدمیوں کی مجلس میں بھی آپس میں اسی طرح پر تکرار ہوتی ہے - پہلے صاحب سلامت کر کر آپس میں مل بیٹھے ہیں پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے - ایک کوئی بات کہتا ہے دوسرا بولتا ہے واہ یوں نہیں یوں ہے - وہ کہتا ہے واہ تم کیا جانو وہ بولتا ہے تم کیا جانو -

دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ تیوری چڑھ جاتی ہے۔ رُخ بدل جاتا ہے۔ آنکھیں ڈراونی ہوجاتی ہیں۔ باچھیں چر جاتی ہیں۔ دانت نکل پڑتے ہیں۔ تھوک اُڑنے لگتا ہے۔ باچھوں تک کف بھر آتے ہیں۔ سانس جلدی چلتا ہے۔ رگیں تن جاتی ہیں۔ آنکھ۔ ناک۔ بھوں۔ ہاتھ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتی ہیں۔ عنیف عنیف آوازیں نکلنے لگتی ہیں۔ آستین چڑھا ہاتھ پھیلا۔ اُسکی گردن اُس کے ہاتھ میں اور اُسکی ڈاڑھی اُسکی مٹھی میں لپاڈُوکی ہونے لگتی ہے۔ کسی نے بیچ بچاؤ کرکر چھوڑا دیا تو غراتے ہوئے ایک اِدھر چلا گیا اور ایک اُدھر اور اگر کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہوا تو کمزور نے پیٹ کو کپڑے جھاڑتے سر سہلاتے اپنی راہ لی ؎

جس قدر تہذیب میں ترقی ہوتی ہے اُسیقدر اس تکرار میں کمی ہوتی ہے۔ کہیں غرفش ہوکر رہ جاتی ہے کہیں تو تو تکار تک نوبت آجاتی ہے۔ کہیں آنکھیں بدلنے اور ناک چڑھانے اور جلدی جلدی سانس چلنے ہی پر خیر گذر جاتی ہے۔ مگر ان سب میں کسی نہ کسی قدر کتوں کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے کتوں کی طرح بحث و تکرار کرنے سے پرہیز کرے ؎

انسانوں میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور اُس کے پرکھنے کے لیئے بحث و مباحثہ ہی کسوٹی ہے۔ اور اگر سچ پوچھو تو بے مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی پھیکی ہے۔ مگر ہمیشہ مباحثہ اور تکرار میں تہذیب و شایستگی۔ محبت اور دوستی کو ہاتھ سے دینا نہ چاہیئے ؎

پس اے میرے عزیز ہموطنو۔ جب تم کسی کے برخلاف کوئی بات کہنی چاہو یا کسی کی بات کی تردید کا ارادہ کرو تو خوش اخلاقی اور تہذیب کو ہاتھ سے مت دو۔ اگر ایک ہی مجلس میں دو بدو بات چیت کرتے ہو تو اور بھی زیادہ نرمی اختیار کرو۔ چہرہ۔ لہجہ۔ آواز۔ وضع۔ لفظ ایسے رکھو جس سے تہذیب اور شرافت ظاہر ہو مگر بناوٹ بھی نہ پائی جاوے۔ تردیدی گفتگو کے ساتھ ہمیشہ سادگی سے معذرت کے لفظ استعمال کرو۔ مثلاً یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آیا یا شاید مجھے دھوکا ہوا۔ یا میں غلط سمجھا گو بات تو عجیب ہے مگر آپ کے فرمانے سے باور کرتا ہوں۔ جب دو تین دفعہ بات کا اُلٹ پھیر ہو اور کوئی اپنی رائے کو نہ بدلے تو زیادہ تکرار مت بڑھاؤ۔ یہ کہکر کہ میں اس بات کو پھر سوچوں گا یا اُسپر پھر خیال کروں گا۔ جھگڑے کو کچھ ہنسی خوشی دوستی کی باتیں کہکر ختم کرو۔ دوستی کی باتوں میں اپنے دوست کو یقین دلاؤ کہ اس دو تین دفعہ کے اُلٹ پھیر

تمھارے دل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہے اور نہ تمھارا مطلب باتوں کی اُس الٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا کیونکہ جھگڑا یا شبہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دونوں کی محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی عزیز چیز (جیسیکہ دوستی) ہاتھ سے جاتی رہتی ہے ؛

جبکہ تم مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملے ہوئے ہیں تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑے اور تکرار اور مباحثہ کو آنے مت دو کیونکہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونوں کو ناراض کر دیتی ہے جب دیکھو کہ تقریر لمبی ہوتی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگی ہے تو جس قدر جلد ممکن ہو اُسکو ختم کرو اور آپسمیں ہنسی خوشی مذاق کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کر لو۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ہموطن اِس بات پر غور کریں کہ اُن کی مجلسوں میں آپس کے مباحثہ اور تکرار کا انجام کیا ہوتا ہے ؛

اُمید کی خوشی

اے آسمان پر بھورے بادلوں میں بجلی کی طرح چمکنے والی دھنک۔ اے آسمان کے تارو۔ تمھاری خوش نما چمک۔ اے بلند پہاڑوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی دھندلی چوٹیو۔ اے پہاڑ کے عالیشان درختو۔ اے اونچے اونچے ٹیلوں کے دلکش بیل بُوٹو۔ تم بہ نسبت ہمارے پاس کے سُنے رختوں اور سبز کھیتیوں اور لہراتی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوشنما معلوم ہوتے ہو۔ اس لیئے کہ ہم سے بہت دور ہو۔ اس دوری ہی نے تمکو یہ خوبصورتی بخشی ہے۔ اس دوری ہی سے تمھارا نیلا رنگ ہماری آنکھ کو بھایا ہے۔ تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز بہت دور ہے وُہی ہمکو زیادہ خوش کرنیوالی ہے ؛

وہ چیز کیا ہے۔ کیا عقل ہے جسکو سب سے اعلےٰ سمجھتے ہیں۔ کیا وہ ہمکو آیندہ کی خوشی کا یقین دلا سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔ اُس کا میدان تو نہایت تنگ ہے۔ بڑی دوڑ دھوپ کرے تو نتیجہ تک اُسکی رسائی ہے جو سب کے سامنے ہے ؛

او نورانی چہرہ والے یقین کی اکلوتی خوبصورت بیٹی۔ اُمید۔ یہ خدائی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے۔ تو ہی ہماری مصیبت کے وقتوں میں ہمکو تسلی دیتی ہے۔ تو ہی ہمارے اُٹرے وقتوں میں ہماری مدد کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت نہایت دور دراز خوشیاں ہمکو نہایت ہی

پاس نظر آتی ہیں۔ تیرے ہی سہارے سے زندگی کی مشکل گھاٹیاں ہم طے کرتے ہیں۔ تیرے ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں۔ تیری ہی برکت سے خوشی خوشی کے لیئے نام آوری۔ نام آوری کے لیئے بہادری۔ بہادری کے لیئے فیاضی۔ فیاضی کے لیئے محبت۔ محبت کے لیئے نیکی۔ نیکی کے لیئے تیار ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری نیکیاں تیری ہی تابع اور تیری ہی فرماں بردار ہیں +

وہ پہلا گنہگار انسان جب شیطان کے چنگل میں پھنسا اور تمام نیکیوں نے اُسکو چھوڑا اور تمام بدیوں نے اُس کو گھیرا تو صرف تو ہی اُسکے ساتھ رہی۔ تو ہی نے اُس ناامید کو ناامید ہونے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس موت میں پھنسے دل کو مرنے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس کو اُس ذلت سے نکالا۔ اور پھر اُسکو اُسی اعلیٰ درجہ پر پہونچایا جہاں کہ فرشتوں نے اُسکو سجدہ کیا تھا +

اُس نیک نبی کو جس نے سینکڑوں برس اپنی قوم کے ہاتھ سے مصیبت اُٹھائی اور مار پیٹ سہی۔ تیرا ہی خوبصورت چہرہ تسلی دینے والا تھا۔ وہ پہلا ناخدا جبکہ طوفان کی موجوں میں بہا جاتا تھا اور بجز مایوسی کے اَور کچھ نظر نہیں آتا تھا تو تو ہی اُس طوفان میں اُس کی کشتی کھینے والی اور اُس کا بیڑا پار لگانے والی تھی۔ تیرے ہی نام سے جودی پہاڑ کی مبارک چوٹی کو عزت ہے + زیتون کی ہری ٹہنی کو جو وفادار کبوتر کی چونچ میں وصل کے پیغام کی طرح پہنچی جو کچھ برکت ہے تیری ہی بدولت ہے +

اے آسمانوں کی روشنی۔ اور اے ناامید دلوں کی تسلی اُمید۔ تیرے ہی شاداب اور سرسبز باغ سے ہر ایک محنت کا پھل ملتا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی سے ہر ایک رنج میں آسودگی ہے۔ عقل کے ویران جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا مسافر تیرے ہی گھنے باغ کے سرسبز درختوں کے سایہ کو ڈھونڈتا ہے۔ وہاں کی ٹھنڈی ہوا خوش الحان جانوروں کے راگ بہتی نہروں کی لہریں اُس کے دل کو راحت دیتی ہیں۔ اُس کے مرے ہوئے خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تمام فکریں دل سے دور ہوتی ہیں۔ اور دور دراز زمانہ کی خیالی خوشیاں سب آموجود ہوتی ہیں +

دیکھ نادان بے بس بچہ گہوارہ میں سوتا ہے اُسکی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ہوئی ہے اور اُس گہوارہ کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کام میں اور دل بچہ میں ہے اور زبان سے اُس کو یوں لوری دیتی ہے۔ سو رہ میرے بچے سو رہ۔ اے اپنے باپ کی

صورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ - اے میرے دل کی کونپل سورہ - بڑھ اور پھول پھل - تجھ پر کبھی خزاں نہ آنے پاوے - تیری ٹہنی میں کوئی خار کبھی نہ پھوٹے - کوئی کٹھن گھڑی تجھ کو نہ آوے - کوئی مصیبت جو تیرے ماں باپ نے بھگتی تو نہ دیکھے - سورہ میرے ننھے سورہ - تیری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سرور میرے بچے سورہ - تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ روشن ہو گا - تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی - تیری شہرت تیری لیاقت - تیری محبت جو تو ہم سے کرے گا آخر کار ہمارے دل کو تسلی دینگی - تیری ہنسی ہمارے اندھیرے گھر کا اوجالا ہوگی - تیری پیاری پیاری باتیں ہمارے غم کو دور کریں گی - تیری آواز ہمارے لیئے خوش آیند راگنیاں ہونگی - سورہ میرے بچے سورہ - اے ہماری اُمیدوں کے پودے سورہ - بولو جب اس دنیا میں ہم تم سے جدا ہو جاویں گے تو تم کیا کرو گے - تم ہماری بیجان لاش پاس کھڑے ہوگے - تم پوچھو گے اور ہم کچھ نہ بولینگے - تم روؤ گے - اور ہم کچھ رحم نہ کرینگے - اے میرے پیارے رونے والے - تم ہمارے ڈھیر پر آکر ہماری روح کو خوش کرو گے - آہ ہم نہ ہونگے اور تم ہماری یادگار رہیں آنسو بہاؤ گے - اپنی ماں کا محبت بھرا چہرا اپنے باپ کی نورانی صورت یاد کرو گے - آہ ہمکو یہی رنج ہے کہ اُس وقت ہماری محبت یاد کر کر تم رنجیدہ ہوگے - سورہ میرے بچے سورہ - سورہ میرے بالے سورہ ❊

یہ اُمید کی خوشیاں ماں کو اُس وقت تھیں جبکہ بچہ غوں غاں بھی نہیں کر سکتا تھا - مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور اماں اماں کہنا سیکھا اُسکی پیاری آواز ادھورے لفظوں میں اُس کی ماں کے کان میں پہونچنے لگی - آنسوؤں سے اپنی ماں کی آتش محبت کو بھڑکانے کے قابل ہوا - پھر مکتب سے اُسکو سروکار پڑا - رات کو اپنی ماں کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غمزدہ دل سے سُنانے لگا - اور جبکہ وہ تاروں کی چھاؤں میں اُٹھکر ہاتھ مونھ دھوکر اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا - اور اپنے بے گناہ دل بے گناہ زبان سے بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا تو اُمید کی خوشیاں اور کہیں قدر زیادہ ہوگئیں - اُس کے ماں باپ اُس معصوم سینے سے تیری ہمدردی دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں - اے ہماری پیاری اُمید تو ہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ رہتی ہے ❊

دیکھو وہ بڈھا آنکھوں سے اندھا اپنے گھر میں بیٹھا روتا ہے - اُس کا پیارا بیٹا بھیڑوں کے ریوڑ میں سے غایب ہو گیا ہے - وہ اُسکو ڈھونڈتا ہے پر وہ نہیں ملتا - مایوس ہے پر اُمید

نہیں ٹوٹی - لہو بھرا دانتوں بھٹا کرتا دیکھتا ہے پر ملنے سے ناامید نہیں - فاقوں سے خشک ہے - غم سے زار نزار ہے - روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئی ہیں - کوئی خوشی اُس کے ساتھ نہیں ہے مگر صرف ایک امید ہے جس نے اُسکو وصل کی اُمید میں زندہ اور اُس خیال میں خوش رکھا ہے ◆

دیکھ وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کنوئیں میں سات تہ خانوں میں بند ہے - اُس کا سورج کا سا چمکنے والا چہرہ زرد ہے - بے یار و دیار غیر قوم غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں قید ہے بڈھے باپ کا غم اُس کی روح کو صدمہ پہونچاتا ہے - عزیز بھائی کی جدائی اُس کے دل کو غمگین رکھتی ہے - قیدخانہ کی مصیبت اُس کی تنہائی اُس گھر کا اندھیرا اور اُس پر اپنی بیگناہی کا خیال اُسکو نہایت ہی رنجیدہ رکھتا ہے - اُس وقت کوئی اُس کا ساتھی نہیں ہے - مگر اے ہمیشہ زندہ رہنے والی اُمید تجھی میں اُس کی خوشی ہے ◆

وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے - کوچ پر کوچ کرتے کرتے تھک گیا ہے - ہزاروں خطرے پیش ہیں مگر سب میں تقویت تجھی سے ہے - لڑائی کے میدان میں جب کہ بہادروں کی صفیں کی صفیں چپ چاپ کھڑی ہوتی ہیں اور لڑائی کا میدان ایک سنسان کا عالم ہوتا ہے دلوں میں عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جرأت ہوتی ہے - اور جبکہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور لڑائی کے بگل کی آواز بہادر سپاہی کے کان میں پہونچتی ہے اور وہ آنکھ اُٹھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ہو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے - اور جبکہ بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں اُسکی نظر کے سامنے ہوتی ہیں اور بادل کی سی کڑکنے والی اور آتشیں پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپوں کی آواز سنتا ہے - اور جبکہ اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے تو اے بہادروں کی قوت بازو - اور اے بہادری کی ماں - تیرے ہی سبب سے فتحمندی کا خیال اُن کے دلوں کو تقویت دیتا ہے - اُن کا کان نقارہ میں سے تیرے ہی نغمہ کی آواز سنتا ہے ◆

وہ قومی بھلائی کا پیاسا اپنی قوم کی بھلائی کی فکر کرتا ہے - دن رات اپنے دل کو جلاتا ہے ہر وقت بھلائی کی تدبیریں ڈھونڈھتا ہے - اُن کی تلاش میں دور دراز کا سفر اختیار کرتا ہے یگانوں بیگانوں سے ملتا ہے - ہر ایک کی بول چال میں اپنا مطلب ڈھونڈھتا ہے - مشکل کے وقت ایک بھی مایوسی سے مدد مانگتا ہے - جن کی بھلائی چاہتا ہے اُنھیں کو دشمن پاتا ہے - شہری وحشی

بتاتے ہیں۔ دوست آشنا دیوانہ کہتے ہیں۔ عالم فاضل کفر کے فتووں کا ڈر دکھلاتے ہیں۔ بھائی بند عزیز اقارب سب سمجھاتے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھ کر چپ ہو رہتے ہیں:-

وہ بھلا کس کی بات مانتے ہیں
بھائی سید تو کچھ دیوانے ہیں

ساتھی ساتھ دیتے ہیں مگر ہاں کر کر محنت اور دلسوزی سے دور رہکر۔ بہت سی ہمدردی کرتے ہیں۔ پر کوٹھی کھٹملے سے الگ کر کر۔ دل ہر وقت بیقرار ہے۔ کسی کو اپنا سا نہیں پاتا کسی پر دل نہیں ٹھہرتا۔ مگر اے بیقرار دلوں کی راحت اور اے شکستہ خاطروں کی تقویت۔ تو ہی ہم ہمارے ساتھ ہے تو ہی ہمارے دل کی تسلی ہے تو ہی ہماری کٹھن منزلوں کی ساتھی ہے تیری ہی تقویت سے ہم اپنی منزل مقصود تک پہونچیں گے۔ تیرے ہی سبب گوہر مراد کو پاویں گے آ ہمارے دل کی عزیز اور ہمارے پیارے مہدی کی پیاری "امید" تو ہمیشہ ہماری دل کی تسلی رہ۔

اے ہمیشہ زندہ رہنے والی امید۔ جبکہ زندگی کا چراغ ٹمٹماتا ہے اور دنیاوی حیات کا آفتاب لب بام ہوتا ہے۔ ہاتھ پانوں میں گرمی نہیں رہتی۔ رنگ فق ہو جاتا ہے۔ مونھ پر مردنی چھاتی ہے۔ ہوائیں ہوائی پانی ہیں۔ مٹی مٹی میں ملنے کو ہوتی ہے تو تیرے ہی سہارے سے وہ کٹھن گھڑی آسان ہوتی ہے۔

اس وقت اس زرد چہرے اور آہستہ آہستہ ہلتے ہوئے ہونٹوں اور بے خیال بند ہوتی ہوئی آنکھوں اور غفلت کے دریا میں ڈوبتے ہوئے دل کو تیری یادگاری ہوتی ہے۔ تیرا نورانی چہرہ دکھائی دیتا ہے تیری صدا کان میں آتی ہے اور ایک نئی روح اور تازہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور ایک نئی لازوال زندگی کی جس میں ایک ہمیشہ رہنے والی خوشی ہوگی امید ہوتی ہے۔

یہ تکلیف کا وقت تیرے سبب سے ہمارے لیئے موسم بہار کی آمد آمد کا زمانہ ہو جاتا ہے اس لازوال آنیوالی خوشی کی امید تمام دنیاوی رنجوں اور جسمانی تکلیفوں کو بھلا دیتی ہے۔ اور غم کی شام کو خوشی کی صبح سے بدل دیتی ہے۔ گو کہ موت ہر دم جتاتی ہے کہ مرنا بہت خوفناک چیز ہے۔

او ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی دوسری دنیا جس میں ہمکو ہمیشہ رہنا ہے۔ جہاں سورج کی کرن اور زمانہ کی لہر بھی نہیں پہونچی۔ تیری راہ تین چیزوں سے طے ہوتی ہے۔ ایمان کے

توشہ اور اُمید کے ہادی اور موت کی سواری سے مگران سب میں جسکو سب سے زیادہ قوت ہے وہ ایمان کی خوبصورت بیٹی ہے جس کا پیارا نام "اُمید" ہے ؛

لوگ کہتے ہیں کہ بے یقینوں کو موت کی کٹھن گھڑی میں کچھ اُمید نہیں رہتی۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ تیری بادشاہت وہاں بھی ہے۔ قیامت پر یقین نہ کرنے والا سمجھتا ہے کہ تمام زندگی کی تکلیفوں کا اب خاتمہ ہے اور پھر کسی تکلیف کے ہونے کی توقع نہیں ہے۔ وہ اپنے اُس بے تکلیف آنے والے زمانہ کی اُمید میں نہایت بردباری سے اور رنجوں کے زمانہ کے اخیر ہونے کی خوشی میں نہایت بشاشت سے یہ شعر پڑھتا ہوا جان دیتا ہے ؛

بقدر ہر سکوں راحت بود بنگر تفاوت را
دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مُردن

حُبِّ ایمانی

اور

حُبِّ انسانی

کسی شخص کا قول ہے کہ محبت کسی حیثیت سے ہو ایک ایسی چیز ہے کہ محبوب کی دوستی دل میں بٹھا دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ کافروں سے دوستی و محبت کسی وجہ سے کیوں نہ ہو ممنوع ہے۔ پس سید احمد خاں جو یہ بات کہتے ہیں کہ مذہب اسلام کی رُو سے کافروں سے صرف وہی دوستی ممنوع ہے جو من حیث الدین ہو اور اسکے سوا کسی کی دوستی اور سچی محبت جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے ہوسکتی ہے کافروں سے کرنی شرعاً ممنوع نہیں تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ دوستی و محبت میں ان دونوں حیثیتوں کی تمیز ہم کیونکر کرسکتے ہیں ؛

مگر ایسا کہنا اور ایک بدیہی امر میں تمیز نہ کرنا کافی طور پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں حیثیتوں سے جو محبت اور دوستی انسانوں میں ہوتی ہے وہ ایسی بدیہی ہے کہ ہر شخص اعلےٰ و ادنےٰ عالم و جاہل اس میں تمیز کرتا ہے ؛

فرض کرو کہ کوئی شخص کسی سے محبت رکھتا ہے ہم اُس سے سوال کرتے ہیں کہ تم اُس سے کیوں محبت رکھتے ہو وہ اسکا جواب دیتا ہے کہ وہ میرا بڑا محسن ہے۔ اُس نے بڑے مشکل

وقتوں میں مجھ پر احسان کیئے ہیں تنگی کے وقت روپیہ سے مدد کی ہے - بیماری کی حالت میں میری تیارداری کی ہے - دوا دارو علاج معالجہ میں بڑی کوشش کی ہے +

یا وہ اس کا یوں جواب دیتا ہے کہ ہم اور وہ مدت تک ساتھ رہے ہیں - دن رات آپس میں اُٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ساتھ رہا ہے - روز روز کی ملاقات - بات چیت - ہنسی - مذاق - دل لگی مزاج کی باہمی موافقت کے سبب آپس میں دوستی و محبت ہوگئی ہے +

یا وہ یہ کہتا ہے کہ جس فن کا مجھ کو شوق ہے اُس فن کا اُس کو بدرجہ غایت کمال ہے - اُس فن کے کمال کے سبب جس کا مجھ کو شوق ہے اُس شخص سے دلی محبت اور جانی دوستی ہوگئی ہے +

یا اُس کا سبب وہ یہ بتلاتا ہے کہ وہ شخص نہایت خوبصورت ہے - اُس کے حسن و جمال نے میرے دل میں اُسکی محبت بلکہ اُس کا عشق پیدا کر دیا ہے +

پھر ہم اُس سے دوسرا سوال کرتے ہیں اور کسی بزرگ کا بزرگان دین میں سے نام لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم اُن بزرگ سے بھی محبت رکھتے ہو وہ ضرور جواب دیتا ہے کہ ہاں کیوں نہیں +

تب ہم اُس سے کہتے ہیں کہ وہ بزرگ تو تم سے کئی سَو برس پہلے گذر چکے ہیں اُنھوں نے کوئی تم پر احسان نہیں کیا کسی مشکل کے وقت میں تمھارے کام نہیں آئے کبھی تنگی کے وقت تمکو کچھ نہیں دیا کبھی تمھاری تیارداری نہیں کی کبھی تمھاری دوا درمن علاج معالجہ میں کوشش نہیں کی کبھی وہ اور تم ساتھ نہیں رہے نہ کبھی ساتھ اُٹھے بیٹھے نہ کبھی آپس میں ملاقات بات چیت ہوئی نہ کبھی ہنسی مذاق ہوا - نہ باہم مزاج کی موافقت ہوئی - جس فن کا تمکو شوق ہے وہ اُس کا نام بھی نہیں جانتے تھے - نہ تمنے اُن کو دیکھا کہ اُن کے حسن و جمال نے تمکو فریفتہ کر لیا ہو - پھر کیوں تم اُن سے محبت رکھتے ہو +

اس سوال کا وہ نہایت ناراض ہو کر اور لال منھ کر کر غصہ بھری آواز سے جواب دیتا ہے کہ میاں وہ بزرگان دین تھے - خدا کے ہاں اُن کا بڑا درجہ ہے - وہ دینداری میں یگانہ وقت تھے خدا پرستی اور زہد و تقویٰ و عبادت میں یگانہ تھے - ایمان کامل اُن کو نصیب تھا - دین میں سب کے سردار تھے - اس لیئے اُن سے محبت رکھتے ہیں +

اب میں بتاتا ہوں کہ یہی پچھلی محبت محبت من حیث الدین ہے جسکو میں حب ایمانی کہتا ہوں - اور یہی محبت غیر مذہب سے رکھنی شرعاً ممنوع اور حرام بلکہ کفر ہے اور پہلی محبت

جس کو میں حب انسانی کہتا ہوں شرعاً ممنوع نہیں اور دونوں قسم کی محبت میں بالبداہت تفرقہ و
تمیز موجود ہے کہ ایک قسم کی محبت اُن اسباب ظاہری کی باعث تھی جو بمقتضائے فطرت انسانی
ایک کو دوسرے کے ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسری قسم کی محبت باوجود معدوم ہونے اُن
تمام اسباب ظاہری کے صرف من حیث الدین تھی۔ اب کون شخص ہے جو ان دونوں قسموں کی
محبت میں تمیز نہیں کرسکتا۔

پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ غیر مذہب والوں سے سچی دوستی اور دلی محبت کرنا ممنوع ہے
یہ اُن کی محض غلطی ہے۔ جو چیز کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں بنائی ہے وہ برحق اور بالکل
سچ ہے۔ ہمکو تمام دوستوں سے گو وہ کسی مذہب کے ہوں سچی دوستی اور دلی محبت رکھنی اور
برتنی چاہیئے۔ مگر وہ تمام محبت اور دوستی حب انسانی کے درجہ پر ہو نہ حب ایمانی کے کیونکہ حب
ایمانی بلا اتحاد مذہب بلکہ بلا اتحاد مشرب ہونی غیر ممکن ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی ہدایت ہمکو
ہمارے سچے مذہب اسلام نے کی ہے۔ وَلِلّٰہِ دَرُّ مَن قَال۔

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

سولزیشن یا تہذیب

ہم دریافت کیا چاہتے ہیں کہ سولزیشن کیا چیز ہے۔ اور کن کن چیزوں سے علاقہ رکھتی ہے؟
کیا یہ کوئی بنائی ہوئی چیز ہے؟ یا قدرت نے انسان کی فطرت میں اسکو پیدا کیا ہے۔ اسکے معنی کیا ہیں؟ کیا یہ کوئی اصطلاح
ہے جسکو لوگوں نے یا فیلسوفوں نے مقرر کیا ہے؟ یا ایسی چیز ہے کہ اس کا مفہوم۔ اور جن جن چیزوں سے اسکا
تعلق ہے۔ قانون قدرت میں پایا جاتا ہے۔ اس امر کے تصفیہ کے لیئے انسان کے حالات پر
ہمکو نظر کرنی چاہیئے۔ اگر تہذیب انسان میں ایک فطرتی چیز ہے تو وحشیوں میں۔ شہریوں میں۔
سب میں اس کا نشان ملیگا۔ گو اسکی صورتیں مختلف دکھائی دیتی ہوں۔ الا سب کی جڑ ایک
ہی ہوگی۔

انسان میں یہ ایک فطرتی بات ہے کہ وہ اپنے خیال کے موافق کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور کسی کو
ناپسند۔ یا یوں کہو کہ کسی چیز کو اچھا ٹھہراتا ہے اور کسی چیز کو برا۔ اور اُس کی طبیعت اس طرف
مائل ہے کہ اُس بُری چیز کی حالت کو ایسی حالت سے تبدیل کرلے جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے۔ یہی چیز

سولزیشن کی جڑ ہے جو انسانوں کی ہر گروہ میں اور ہر ایک میں پائی جاتی ہے۔ اسی تبادلہ کا نام سولزیشن یا تہذیب ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ یہ میلان یا یہ خواہش تبادلہ انسان میں قدرتی اور فطرتی ہے ؛

سولزیشن یا تہذیب کیطرف انسان کی طبیعت کے مائل ہونے کے دو اصول ٹھہرے۔ اچھا کو بُرا۔ اور بُرے کو اچھا کرنا سولزیشن یا تہذیب ٹھہری۔ مگر اچھا اور بُرا قرار دینے کے مختلف اسباب خلقی اور خُلقی۔ مُلکی اور تمدنی ایسے ہوتے ہیں جن کے سبب اچھا اور بُرا ٹھہرانے میں۔ یا یوں کہو کہ قوموں کی سولزیشن میں اختلاف پڑجاتا ہے۔ ایک قوم جس بات کو اچھا سمجھتی ہے اور داخل تہذیب جانتی ہے۔ دُوسری قوم اُسی بات کو بہت بُرا اور وحشیانہ حرکت قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف سولزیشن کا قوموں کے باہم ہوتا ہے۔ اشخاص میں نہیں ہوتا۔ یا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ جبکہ ایک گروہ انسانوں کا کسی جگہ اکٹھا ہو کر بستا ہے۔ تو اکثر اُن کی ضرورتیں اور اُن کی حاجتیں۔ اُن کی غذائیں اور اُن کی پوشاکیں۔ اُن کی معلومات اور اُن کے خیالات۔ اُن کی مسرت کی باتیں اور اُن کی نفرت کی چیزیں۔ سب یکساں ہوتی ہیں۔ اور اسی لیئے بُرائی اور اچھائی کے خیالات بھی سب میں یکساں پیدا ہوتے ہیں۔ اور بُرائی کو اچھائی سے تبدیل کی خواہش سب میں ایک سی ہوتی ہے۔ اور یہی مجموعی خواہش تبادلہ یا مجموعی خواہش سے وہ تبادلہ اُس قوم یا گروہ کی سولزیشن ہے۔ مگر جبکہ مختلف گروہیں مختلف مقامات میں بستی ہیں۔ تو اُن کی حاجتیں اور خواہشیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اور اس سبب سے تہذیب کے خیالات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مگر ضرور کوئی ایسی چیز بھی ہوگی کہ جو سولزیشن کی ان مختلف حالتوں کا تصفیہ کر سکے ؛

مُلکی حالتیں۔ جہاں تک کہ وہ بود و باش سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ فکر اور خیال اور دماغ سے۔ اُن کو تہذیب سے چنداں تعلق نہیں۔ بلکہ صرف انسان کے خیال کو اُس سے تعلق ہے جس کے سبب وہ اچھا اور بُرا ٹھہراتا ہے۔ اور جس باعث سے خواہش تبادلہ تحریک میں آتی ہے۔ اور وہ تبادلہ واقع ہوتا ہے جو سولزیشن کہلاتا ہے۔ پس سولزیشن کی مختلف حالتوں کا فیصلہ وہ اسباب کر سکتے ہیں جن کے سبب سے اچھے اور بُرے کا خیال دل میں بیٹھتا ہے ؛

اچھے اور بُرے کی جگہ میں اَور لفظ کا استعمال کروں گا۔ یعنی پسند اور ناپسند۔ انگریزی میں ایک لفظ "ٹیسٹ" ہے جو نہایت وسیع معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ہماری زبان میں بھی اُس قسم کے لفظ ہیں جیسے کہ مزا یا مذاق۔ مگر وہ استعمال میں ایسے خاص ہو گئے ہیں کہ اُن سے وہ عام اور وسیع

معنی خیال میں نہیں آتے۔ اس واسطے میں اُس لفظ کا ترجمہ "پسند" کرتا ہوں۔ پس پسند کا صحیح ہونا۔ جو خیال کے صحیح ہونے کی فرع ہے۔ بہت بڑا وسیلہ سولزیشن کی مختلف حالتوں کے تصفیہ کا ہے ٭

خیال کی درستی اور پسند کی صحت کثرت معلومات پر۔ اور علم طبعیات سے بخوبی ماہر ہونے پر منحصر ہے۔ انسان کی معلومات کو روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ سولزیشن بھی بڑھتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ آیندہ کوئی ایسا زمانہ آوے۔ کہ انسان کی تہذیب میں ایسی ترقی ہو کہ اس زمانہ کی تہذیب کو بھی وہ لوگ ایسے ہی ٹھنڈے دل سے دیکھیں جیسکہ ہم اپنے سے اگلوں کی تہذیب کو ایک ٹھنڈے مگر مؤدب دل سے دیکھتے ہیں ٭

تہذیب۔ یا یوں کہو کہ بُری حالت سے اچھی حالت میں لانا۔ دنیا کی تمام چیزوں سے خواہ اخلاقی ہوں یا مادی۔ یکساں تعلق رکھتا ہے اور تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے "تکلیف سے بچنے اور آسایش حاصل کرنے کا سب کو یکساں خیال ہے۔ ہنر اور اُس کو ترقی دینا تمام دنیا کی قوموں میں موجود ہے۔ ایک تربیت یافتہ قوم زر و جواہر۔ یاقوت و الماس سے نہایت نفیس نفیس خوبصورت زیور بناتی ہے۔ ناتربیت یافتہ قوم بھی کوڑیوں اور پوتھوں سے اپنی آرایش کا سامان بہم پہونچاتی ہے۔ تربیت یافتہ قومیں اپنی آرایش میں سونے چاندی۔ مونگے اور موتیوں کو کام میں لاتی ہیں۔ ناتربیت یافتہ قومیں جانوروں کے خوبصورت اور رنگین پروں کو۔ تیلیوں پر سے چھلے ہوئے سُنہری پوست۔ اور زمرد کے سے رنگ کی باریک اور خوش نما گھانس میں گوندھ کر اپنے تئیں آراستہ کرتی ہیں۔ تربیت یافتہ قوموں کو بھی اپنے لباس کی درستی کا خیال ہے۔ ناتربیت یافتہ قومیں بھی اُس کی درستی پر مصروف ہیں۔ شاہی مکانات۔ نہایت عمدہ اور عالی شان بنتے ہیں۔ اور نفیس چیزوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ ناتربیت یافتہ قوموں کے جھونپڑے اور اُن کے رہنے کے گھونسے درختوں پر باندھے ہوئے ٹانڈ۔ زمین میں کھودی ہوئی کھوئیں بھی تہذیب سے خالی نہیں۔ معاشرت کی چیزیں۔ تمدن کے قاعدے۔ عیش و عشرت کی مجلسیں۔ خاطر اور مدارات کے کام۔ اور اخلاق و محبت کی علامتیں۔ دونوں میں پائی جاتی ہیں۔ علمی خیالات سے بھی ناتربیت یافتہ قومیں خالی نہیں۔ بلکہ بعضی چیزیں اُن میں زیادہ اصلی اور قدرتی طور سے دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً شاعری جو ایک نہایت عمدہ فن تربیت یافتہ قوموں میں ہے۔ ناتربیت یافتہ قوموں میں عجیب عمدگی و خوبی سے پایا جاتا ہے۔ یہاں خیالی باتوں کو ادا کیا جاتا ہے اور وہاں دلی جوشوں اور

اندرونی جذبوں کا اظہار ہوتا ہے۔ موسیقی نے تربیت یافتہ قوموں میں نہایت ترقی پائی ہے۔ مگر ناتربیت یافتہ قوموں میں بھی عجیب کیفیت دکھائی ہے۔ ان کی دااد آواز کی بھرت۔ اسکا گھٹاؤ اور اُس کا بڑھاؤ۔ اُس کا ٹھہراؤ اور اُسکی اوپج۔ ہاتھوں کا بھاؤ اور پانوں کی دھمک۔ زیادہ تر مصنوعی قواعد کی پابند ہے مگر ناتربیت یافتہ قوموں میں یہ سب چیزیں دلی جوش کی موجیں ہیں۔ وہ لَے اور تال۔ راگ و راگنی کو نہیں جانتے۔ مگر دل کی لہر اُن کی لَے۔ اور دل کی بھڑک اُن کا تال ہے۔ اُن کا غول باندھکر کھڑا ہونا۔ طبعی حرکت کے ساتھ اُچھلنا۔ دل کی بیتابی سے جھکنا اور پھر جوش میں آکر سیدھا ہوجانا۔ گو نزاکت اور فن خنیاگری سے خالی ہو۔ مگر قدرتی جذبوں کی ضرور تصویر ہے۔ دلی جذبوں کا روکنا اور اُن کو عمدہ حالت میں رکھنا۔ تمام قوموں کے خیالات میں شامل ہے۔ پس جس طرح کہ ہم تہذیب کا قدرتی لگاؤ تمام انسانوں میں پاتے ہیں اسی طرح اُسکا تعلق عقلی اور مادی سب چیزوں میں دیکھتے ہیں۔ جس چیز میں کہ ترقی یعنی بُرائی سے اچھائی کی طرف رجوع۔ یا ادنی درجہ سے اعلی درجہ کی طرف تحریک ہوسکتی ہے۔ اُسی سے تہذیب بھی تعلق ہے۔ پس سولزیشن یا تہذیب کیا ہے؟ انسان کے فعال ارادی اور جذبات نفسانی کو اعتدال پر رکھنا۔ وقت کو عزیز سمجھنا۔ واقعات کے اسباب کو ڈھونڈنا اور اُن کو ایک سلسلہ میں لانا۔ اخلاق اور معاملات اور معاشرت اور طریق تمدن اور علوم و فنون کو بقدر امکان قدرتی خوبی اور فطرتی عمدگی پر پہونچانا۔ اور اُن سب کو خوش اسلوبی سے برتنا۔ اور اُس کا نتیجہ کیا ہے۔ روحانی خوشی اور جسمانی خوبی۔ اور اصلی تمکین۔ اور حقیقی وقار۔ اور خود اپنی عزت کی عزت۔ اور درحقیقت یہی پچھلی ایک بات ہے جس سے وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز ہوتی ہے *

اِس تہذیب کے حاصل ہونے کے بقول مسٹر ایچ۔ ٹی۔ بکل صاحب چار اصول ہیں *

اوّل "جو چیزیں ہمکو دکھائی دیتی ہیں اور جن کا سبب ہمکو معلوم نہیں ہوتا اُن کے سببوں اور قاعدوں کو دریافت کرنا۔ اور اُن کے علوم کو پھیلانا۔ پس جس قدر کامیابی اسمیں ہوگی اُسی قدر انسان کی ترقی ہوگی" *

دوم "اُن تحقیقات سے پہلے تجسس کا خیال پیدا ہونا چاہیئے۔ جس سے ابتدا میں تحقیقات کو مدد ملتی ہے اور بعد کو تحقیقات سے اُسکی استعانت ہوتی ہے" *

سوم "جو باتیں اس طرح پر دریافت ہوتی ہیں وہ عقلی باتوں کے اثر کو زیادہ کرتی ہیں۔ اور اخلاق کی باتوں کو کسی قدر کم۔ مگر اخلاق کی باتیں بہ نسبت عقلی باتوں کے زیادہ مستقل ہیں۔ اور

اُن میں کمی بیشی بہت کم ہوتی ہے"۔

چھٹا کام:- اس تحریک کا بڑا دشمن - جو درحقیقت سولزیشن کا بھی سخت دشمن ہے - یہ خیال ہے کہ جب تک زندگی کے امورات کی نگرانی ہر طرح پر سلطنت اور مذہب سے نہ ہو۔ تب تک انسان کے گروہ کی ترقی نہیں ہو سکتی - یعنی سلطنت رعایا کو یہ سکھلاوے کہ اُن کو کیا کرنا چاہیئے - اور مذہب یہ سکھلاوے کہ کس بات پر یقین کرنا چاہیئے"۔

پچھلی بات میں مسٹر بکل سے مجھ کو کسی قدر اختلاف ہے - اس میں کچھ شبہ نہیں کہ لوگوں کا یہ خیال کہ بادشاہ وقت ہمکو بتادے کہ ہمکو کیا کیا کرنا چاہیئے - انسان کی ترقی اور تہذیب کا نہایت قوی مانع ہے اور جس قدر کہ ہندوستان میں - بلکہ تمام ایشیا میں اور ٹرکی اور ایجپٹ میں ناشایستگی اور ناتہذیبی ہے - اُس کا بڑا سبب یہی خیال ہے - اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اسی خیال نے غارت اور برباد کیا ہے - اور یہی خیال ہے جو ہندوستان کی رعایا کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً گورنمنٹ سے ناراض رکھتا ہے - پس جب تک یہ خیال نہ جاوے گا - اور یہ خیال نہ آویگا کہ ہم خود سوچیں کہ ہمکو اپنے لیئے کیا کرنا چاہیئے - اُسوقت تک ہندوستان کے مسلمانوں کو نہ دولت ہوگی نہ حشمت - نہ عزت ہوگی نہ منزلت - اور نہ تہذیب ہوگی اور نہ شایستگی - مگر دوسرا جملہ جو مذہب سے متعلق ہے وہ کسی قدر صحیح ہے اور کسی قدر غلط - یعنی غلط مذہب بلاشبہ تہذیب کا بڑا مانع ہے - اور اگر سچے مذہب میں غلط خیالات اور بیجا تعصبات اور مسائل اجتہادیہ اور عقاید قیاسیہ اس طرح پر مل جاویں کہ عملاً اور اعتقاداً اصلی احکام مذہبی میں اور اُن میں کچھ تفرقہ و تمیز نہ رہے - جیسیکہ مذہب اسلام کی موجودہ حالت ہے اور جو تقلید کی تاریکی میں آنکھوں سے بالکل چھپ گیا ہے - تو بلاشبہ وہ بھی انسان کی ترقی اور تہذیب کا مثل مذہب غلط کے مانع قوی ہے - الا سچا مذہب - جیسا کہ ٹھیٹ مذہب اسلام ہے وہ کبھی حارج ترقی انسان نہیں ہوسکتا - کیونکہ اُس مذہب کے احکام اور تہذیب و شایستگی کے کام دونوں متحد ہوتے ہیں۔

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

کانشنس

کانشنس یعنی وہ قوت ممیّزہ جو خدا نے ہر ایک انسان کے دل میں پیدا کی ہے۔ اور جو نیک اور بد کاموں میں تمیز کرتی ہے انسان کے لیئے سچّی ہادی اور اصلی پیغمبر ہے

یہ مسئلہ وہ ہے جس پر اس زمانہ کے آزاد منش اور انسان کو مختار اپنے افعال کا ماننے والے اپنے مذہب یا مشرب کا اصل اصول قرار دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ مسئلہ ایک بہت بڑا دعوٰا ہے۔ کیا کانشنس کوئی ایک جُدا قوت ہے جو انسان میں جُداگانہ اُس کی ہدایت کے لیئے خدا نے پیدا کی ہے۔ حالانکہ اسکا کچھ ثبوت نہیں۔ اور اگر فرض بھی کر لیں۔ تو اُس سے کوئی نتیجہ سچی ہدایت اور اصلی رہنمائی کا نہیں۔ کانشنس نہایت عُمدہ چیز ہے۔ اور انسان کو بُرائی سے بچانے اور بھلائی کی طرف راغب کرنے کو بہت اچھا رہنما ہے۔ مگر درحقیقت وہ ایک حالت انسان کی طبیعت کی ہے اور اُسکی تربیت کا ایک نتیجہ ہے۔ پس فی نفسہٖ وہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ تربیت سے یا خیالات سے جو کیفیت انسان کی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے اُسکا یہ نام ہے ✤

مگر فی الواقع وہ ایک قوت رہنمائی کے لیئے بمنزلہ ایک پیغمبر کے انسان میں ہو۔ تو ضرور ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لیئے یکساں رہنما ہو یعنی جس بات کو ایک انسان نیک سمجھے اُسکو تمام انسان نیک سمجھیں۔ اور جس بات کو ایک انسان بد جانے وہ سب انسانوں کے نزدیک بد ہو۔ مگر کانشنس انسانوں کو مختلف بلکہ متضاد۔ بلکہ نقیض باتوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ دونوں سچی ہدایتیں نہیں ہوسکتیں ✤

اس شُبہ کی نسبت کہ اُن متناقض کانشنسوں میں سے ایک غلط اور صرف دھوکا ہوگا۔

ہنری طامس بکل نے نہایت عمدہ بات کہی ہے کہ ایسی حالت میں "ہم پوچھینگے کہ وہ کونسی چیز ہے جو صحیح اور غلط یا سچی اور جھوٹی کانشنس میں تمیز کرتی ہے"۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایک انسان فی نفسہا ایک جُداگانہ مخلوق ہے۔ اور ہر ایک کا پیغمبر یعنی اُسکا کانشنس خود اُسکے ساتھ ہے۔ اور اِس لیئے مجموعی اتحاد کا نشنس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کو اپنے پیغمبر کی ہدایت پر چلنا چاہیئے۔ تو یہ کہنا بھی درست نہوگا۔ کیونکہ ابھی تک یہ ثابت نہیں ہوا ہے کہ کانشنس فی الحقیقت ایک جُداگانہ مخلوق قوت۔ انسان کی رہنمائی کے لیئے ہے۔ بلکہ ابھی تک جو معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ وہ طبیعت کی ایک حالت ہے۔ اور اگر یہ بات ہے تو بقول مسٹر بکل کے "بحث ختم ہوگئی"۔

علاوہ اسکے۔ جبکہ ہر ایک کا کانشنس اُسکا رہنما پیغمبر ٹھہرا۔ اور ایک دوسرے کے کانشنس میں اختلاف و تناقض کا وجود بالیقین پایا گیا۔ تو اُن دونوں کا صحیح ہونا بھی۔ جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ ضرور ماننا پڑے گا۔ شاید اُن کا تناقض نسبت یا حیثیت کی مدد سے رفع کیا جاوے گا۔ اور یوں کہا جاویگا کہ رام دین کا مہادیو کی مورت کو پوجنا اس لیئے نیک ہے کہ اُس کا کانشنس اُسکو نیک بتاتا ہے۔ اور محمود غزنوی کا سومنات کے بُت کو توڑنا اس لیئے نیک ہے کہ اُس کا کانشنس اُسکو نیک بتاتا ہے۔ تو اُسکے یہ معنی ہوں گے کہ دنیا میں درحقیقت نیک و بد کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ صرف خیال ہی خیال ہے۔ کوئی اہل مذہب تو یہودی ہو یا عیسائی۔ مسلمان ہو یا ہندو۔ بدھست ہو یا برہمو۔ اس بات کو تسلیم نہیں کرنے کا۔ باقی رہا دہریہ۔ وہ بھی اسکو قبول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ بالفرض اگر ثواب و عقاب ایک شے معدوم ہو تو بھی خود دہری اس دنیا میں ہمکو ایسی باتیں بتاتا ہے جو کرنے اور نہ کرنے کے قابل ہیں۔ اور اُنہی کو ہم دوسرے لفظوں میں نیک و بد سے یا ممنوع و جائز سے تعبیر کرتے ہیں؛

قطع نظر اسکے۔ اگر ایک شخص کا کانشنس ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا تو بھی یقین ہوسکتا کہ اُس کا پیغمبر اُسی میں ہے۔ مگر وہ ایک حالت پر بھی نہیں رہتا۔ عمر کے لحاظ سے۔ تجربہ کی ترقی سے۔ صحبت کے اثر سے۔ معلومات کے بڑھنے سے۔ خیالات کے تبدیل ہونے سے بالکل بدلتا رہتا ہے۔ مسلمان کا عیسائی ہونے پر۔ عیسائی کا مسلمان ہونے پر۔ ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی کا برہمو ہونے پر۔ برہمو کا دہریہ ہونے پر کانشنس بالکل بدل جاتا ہے۔ اور وہ پہلے کو جس کی سچائی پر یقین کامل رکھتا تھا۔ بالکل غلط اور جھوٹا سمجھتا ہے۔ پس یہ صاف دلیل اس بات کی ہے کہ انسان کا کانشنس

اُس کا پیغمبر اور سچا رہنما نہیں ہو سکتا۔ بقول مسٹر بکل صاحب کے کہ اگر بعض باتوں میں کانشنس ہمکو دھوکا دیتا ہے۔ تو کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ اَور باتوں میں دھوکا نہ دیگا۔ پس صحیح اور غلط کانشنس میں تمیز کرنے کو دوسری کسی چیز کا ہونا لازم و ضرور ہے۔ یا اس مطلب کو یوں ادا کرو۔ کہ ہمارے لئے کسی ایسی دوسری چیز کا ہونا ضرور ہے جس کے سبب ہمارا کانشنس یعنی ہماری طبیعت کی حالت ایسی ہو جاوے کہ ہماری سچی رہنما اور بمنزلہ سچے پیغمبر کے ہو +

اس بیان سے جو ظاہرا بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ اور کچھ پیچ اُس میں کچھ نہیں ہے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ کانشنس فی نفسہٖ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور نہ وہ ابتداءً کسی مذہب کا اصل اصول قرار پانے کے لائق ہے۔ اور نہ وہ فی حد ذاتہٖ رہنما ہونے کے مستحق ہے۔ ہاں بلاشبہ جبکہ سچے اصول پر انسان کی طبیعت تربیت پا جاوے۔ یا سچے خیالات سے اُس کی طبیعت مؤثر ہو جاوے۔ اور طبیعت اُس سچائی کے مطابق حالت پیدا کرلے۔ تب وہ حالت طبیعت یعنی کانشنس انسان کا محافظ اور انسان کا رہنما ہوتا ہے۔ اور ہم ہمیشہ اپنی تحریروں میں جہاں کانشنس کا استعمال کرتے ہیں۔ اور جس کو ہم ہادی یا محافظ یا گناہوں کا بخشانے والا کہتے ہیں اور جس کو ہم شرعی زبان میں توبہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں وہاں ہماری مراد اسی کانشنس سے ہے۔ اب ہم کو اُس چیز کی تلاش کی ضرورت پڑی ہے جس کے تابع ہمارے کانشنس کو ہونا چاہیئے یا جس سے ہماری طبیعت کی ایسی حالت ہو جاوے کہ وہ ہمکو دھوکہ نہ دے +

ہماری طبیعت کی حالت ایسی کیونکر ہو

جو ہم کو دھوکہ نہ دے

انسان کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ظاہر میں اُسکو بھی اَور حیوانوں کا سا پاتے ہیں۔ کھاتا ہے پیتا ہے۔ مضر چیزوں سے بچتا ہے۔ مفید چیزوں کو بہم پہنچاتا ہے۔ اور حیوانات بھی یہی کرتے ہیں۔ مگر اُس کے ساتھ انسان میں ایک اَور چیز بھی پاتے ہیں جو اَور حیوانات میں نہیں ہے وہ کیا ہے؟ سمجھ اور فکر۔ اور خیال اور اُس چیز کو اپنے میں پیدا کرنا جو بالفعل اُس میں نہیں ہے اور حیوانات جیسے پیدا ہوتے ہیں ویسے ہی رہتے ہیں۔ مگر انسان اپنے میں اَور کچھ بھی پیدا کر سکتا ہے جو اُس کے ساتھ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ یا یوں کہو کہ بالفعل اُس میں نہ تھی +

یہ ترقی یا اوصاف کی نیابتی دو چیزوں سے علاقہ رکھتی ہے - مادی سے اور غیر مادی سے
پہلی سے اس مقام پر ہمکو غرض نہیں ہے - دوسری سے غرض ہے جو روحانی ترقی سے علاقہ
رکھتی ہے - آسانی کے لیئے ہم اُس کا نام اخلاق یا مذہب رکھتے ہیں - پس صحیح اخلاق یا
مذہب کا اپنے میں پیدا کرنا ایک غیر مادی صفت کی ترقی انسان کے لیئے ہے - اور اسی صفت
سے انسان کی طبیعت کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جو اُسکو دھوکا نہیں دیتی ٭

جو اخلاق یا مذہب کہ اُسی مخرج سے نہیں ہے جو اُن کا بانی ہے اُسکی صحت ہمیشہ مشتبہ ہے
اور طبیعت کی جو حالت اُس سے ہو اُس پر کبھی دھوکا نہ دینے کا یقین نہیں - کسی کا یہ کہنا کہ
میں جو اخلاق یا مذہب سکھاتا ہوں وہ اُسی مخرج سے ہیں جو اُن کا بانی ہے - بغیر کسی ثبوت کے
یقین کے قابل نہیں - کسی ایسی بات کا کر دکھانا - بشرطیکہ درحقیقت کر دکھائی بھی ہو جو اُس وقت کے
یا اُس وقت کے موجودہ گروہ کی سمجھ سے باہر ہو - اُس کے ثبوت کی دلیل نہیں - بہت سی چیزیں
ہمکو لوگ دکھا سکتے ہیں جو ہماری سمجھ سے باہر ہیں - حالانکہ وہ دکھانے والے خود قایل ہیں کہ اُنمیں
کچھ کرامات نہیں - پس اُن اخلاق یا مذہب کا مخرج ایسی جگہ سے ہونا چاہیئے جس کے بانی کی
طرف سے ہونے میں کچھ شُبہ نہ ہو - اور وہ چیز بجز فطرت اللہ اور قانون قدرت کے اَور کوئی چیز
نہیں ہے - جس کو سب سچ اور بالاتفاق اُسی کا کہتے ہیں - اُس کے قانون قدرت ایسے
سچے ہیں جن میں ذرا اختلاف نہیں - وہ ایسے مستحکم ہیں جن میں ذرا انقلاب نہیں - وہ چھوٹے سے
پشہ میں بھی ایسے ہی مستحکم ہیں جیسے بڑے سے بڑے پہاڑ میں ہیں - پس یہی ایک مخرج ہے
جس سے ہم اپنے میں ایسے اخلاق پیدا کر سکتے ہیں جن سے ہمارا کانشنس یعنی ہماری طبیعت کی
حالت ایسی ہو جاوے جو ہمکو کبھی دھوکا نہ دے ٭

فکر اور خیال جو ہم میں پیدا کیا گیا ہے - جب اُسکو غیر مادی چیزوں سے متعلق کیا جاوے
تو اُس کے تعلق کے لیئے بجز قانون قدرت یا فطرت اللہ کے اَور کوئی چیز ہے ہی نہیں - اور
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے بانی کا مقصود یہی ہے کہ اُس کی فطرت اور اُس کے قانون
قدرت پر غور اور فکر کیا جاوے - اور جبکہ تمام چیزیں جو کچھ پیدا ہوئی ہیں - مادی ہوں یا غیر مادی
اُس کے قانون قدرت کے ماتحت ہیں تو انسان اور اُس کی طبیعت اور اُس کی اُس غیر مادی
صفت کی ترقی جس کا نام ہمنے اخلاق یا مذہب رکھا ہے - سب کے سب اُس قانون قدرت
میں داخل ہیں - پس انسان صحیح اخلاق اُسی قانون قدرت میں تلاش کر سکتا ہے جو انسان کے لیئے

اُس کے بانی نے اُس قانون قدرت میں رکھے ہیں۔ اور اُنہی اخلاق سے انسان کی طبیعت کی جو حالت ہو وُہی ایسی حالت ہے جو ہمکو دھوکا نہ دے ✦

انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کرنے کے لیئے جو کبھی دھوکہ نہ دے ہادی کا ہونا ضرور ہے جس کو ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول کہتے ہیں

ہاں یہ سچ ہے کہ قانون قدرت پر غور اور فکر کرنے سے وہ صحیح اخلاق جو انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کریں جو کبھی دھوکہ نہ دے دریافت ہو سکتے ہیں مگر کب؟ جبکہ انسان کی معلومات کو ایک کافی ترقی۔ اور قوانین قدرت پر اور اُن مختلف قوا کے اسرار پر جو اُس کے بانی نے انسان میں رکھے ہیں۔ ایک معتدبہ آگاہی حاصل ہو۔ تمام انسان اُن دقایق پر پہونچ نہیں سکتے۔ اور جو پہونچ سکتے ہیں وہ معدودے چند کے سوا نہیں ہو سکتے۔ اور وہ بھی نہ اپنی عمر میں بلکہ پشتوں در پشتوں اور صدیوں در صدیوں میں پس اس لیئے تاکہ اُس قادر مطلق کی حکمت بیکار نہ رہے ضرور ہوا ہے کہ وقتاً فوقتاً ملک اور زمانہ کی حالت کے لحاظ سے ایسے ہادی پیدا کیئے جاویں جن میں خلقی ایسا مادہ دیا گیا ہو جو باعتبار اپنی فطرت کے اُن سچے اخلاق کے بیان کا مخزن ہو ✦

وہ شخص جس میں خدا نے ایک کامل ترقی کا ملکہ رکھا ہو۔ اُس شخص سے جس کو اُس کامل ترقی کا ملکہ دیا ہو مختلف حالت کا ہوتا ہے۔ پہلے شخص کو وہ ترقی کسبی ہوتی ہے۔ وہ موجودات عالم پر غور کرتا ہے۔ اپنے علم کو۔ اپنی معلومات کو ترقی دیتا ہے۔ اگلوں کی معلومات سے فایدہ اُٹھاتا ہے اور بذریعہ اکتساب کے اُس ترقی تک پہونچتا ہے۔ اور پھر بھی مشتبہ رہتا ہے کہ پہونچا یا نہیں مگر دوسرے شخص کی وہ ترقی کسبی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہبی ہوتی ہے اُسکی بناوٹ ہی اُس کامل ترقی پر ہوتی ہے۔ اُس میں وہ ملکہ خلقی ہوتا ہے اور اس لیئے جب وہ کسی ایسی بات پر غور کرتا ہے جو اخلاق سے۔ یا یوں کہو کہ دین سے متعلق ہے۔ اُس کے دل میں وُہی بات پڑتی ہے جو نہایت سچی اور سیدھی ہے اور جو علی مرضی قانون قدرت کے بنانے والے کی ہے

اُس اتصال کے مختلف طریقے قانون قدرت کے بموجب ہیں جن کو ہم دوسری زبان میں وحی اور الہام اور روح فی النفس کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں ؛

اس پہلے شخص اور پچھلے شخص میں ایک اَور بھی فرق ہوتا ہے - پہلے شخص کو جس نے وہ صفت بذریعہ کسب کے حاصل کی ہے ضرور ہے کہ اپنی معلومات کو جن کے ذریعہ سے اُس نے رفتہ رفتہ ترقی کی ہے اصطلاحات خاص اور کنایات اور اشارات موضوعہ میں ضبط کرے - مگر اُس پچھلے شخص کو جسے اُس کا ملکہ خلقی اور فطری دیا گیا ہے اُس کی کچھ حاجت نہیں ہوتی - اور اس تفرقہ سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلا شخص اپنے مقاصد اور اپنے ماحصل کو عام لوگوں کی عقل اور عام لوگوں کے خیالات کے موافق اُن کو سمجھا نہیں سکتا - اور ہدایت عام کے منصب پر کھڑا ہونے کے لایق نہیں ہوتا - اور یہ پچھلا شخص اُنہی دقیق مسائل کو عام لوگوں کے خیالات کے موافق اس طرح پر بیان کردیتا ہے کہ سب کی تسلی ہوتی ہے - اور نتیجہ میں کچھ تفاوت نہیں ہوتا اور یہ ایک دوسری ضرورت ہے کہ دنیا کے لیئے ایسے ہادی پیدا ہوں جن کو خلقی اور فطری ملکہ ترقی اخلاق کا اور منصب عام ہدایت کا حاصل ہو جن کو ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول کہتے ہیں ؛

یہ بات جو ہمنے بیان کی کچھ خاص اخلاق ہی کے معلموں پر موقوف نہیں ہے - بلکہ تمام علوم و فنون کے معلموں کا یہی حال ہے کہ کسی شخص میں کسی علم کے مناسب خدا تعالے ایسا ملکہ رکھ دیتا ہے کہ وہ ملکہ دوسروں کو برسوں کی محنت میں نہیں ہوتا - بلکہ نہیں حاصل ہوسکتا - صرف فرق یہ ہے کہ وہ لوگ علوم و فنون کے معلم ہیں - اور یہ پیغمبر او معلم انسانی اخلاق اور مدبر انسانی روح کے ؛

ہماری اس تقریر سے لوگ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ جس شخص کو اُس کامل ترقی کا ملکہ دیا گیا ہو وہ تو ضرور پیغمبر ہوگا - اور جس میں اُس کامل ترقی کا ملکہ رکھا گیا ہو وہ اگرچہ پیغمبر نہ ہوگا مگر اُن اخلاق کو دریافت کرسکیگا جو پیغمبر بتاتے ہیں - گو کہ ایسا شخص شاذ و نادر ہی کیوں نہ ہو - بے شک جو تقریر ہماری ہے - اُس سے اس نتیجہ کا نکلنا ہمکو تسلیم کرنا پڑے گا - مگر اُنہی دو تفرقوں کے ساتھ ایک یہ کہ بذریعہ اکتساب کے اُس ترقی تک پہونچنا مشتبہ رہتا ہے - اور دوسرے یہ کہ وہ ہدایت عام کے منصب کے لایق نہیں ہوتا جو اصلی منصب ہادی یا پیغمبر کا ہے ؛

ہمارا یہ اصول نہایت سچا ہوا ہے کہ انسان صرف بسبب عقل کے جو اُس میں ہے مکلف ہوا ہے پس

جس بات پر وہ مکلف ہوگا ضرور ہے کہ وہ فہم انسانی سے خارج نہ ہو۔ ورنہ معلول کا وجود بغیر علت کے لازم آتا ہے۔ جو محال و ممتنع ہے۔ پس جن اخلاق کے پکڑنے اور چھوڑنے پر انسان مکلف ہے وہ ضرور عقل انسانی سے خارج نہیں۔ پس کسی شخص کا بذریعہ اکتساب کے اُن کو یا اُن میں سے بعض کو پالینا نہ منافی ہدایت کے ہے نہ منافی رسالت کے۔ اور یہی سبب ہے کہ متعدد اقوال اور اصول بعض حکماء کے بالکل مطابق اقوال و اصول انبیاء کے پائے جاتے ہیں اور ان باتوں سے انبیاء کی نبوت کی زیادہ تر تقویت ہوتی ہے۔ ہاں۔ ان نازک حالوں میں تدبر درکار ہے۔

اگر ایسے ہادیوں کا ہونا ضرور ہے تو اُن کی تصدیق کی کیا صورت؟

اکثر یہ جواب دینگے کہ اعتقاد۔ مگر میں اُس کو لغو سمجھتا ہوں۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ اُس ہادی کی ہدایت سُننے والے چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے کلاً یا جزءً اصول قوانین قدرت پر آگاہی پائی ہے۔ وہ تو بمجرد اس ہادی کی بات سُنتے ہی پرکھ جاتے ہیں کہ بے شک یہ ہدایت اُسی مخرج سے ہے جو انسان کا بانی ہے اور وہ فی الفور اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔

دوسرے لوگ وہ ہیں جن کو خود تو اُس درجہ تک پہونچنے کی قدرت نہ تھی۔ مگر ایسا ملکہ اُن میں تھا کہ سمجھائے سے سمجھ سکتے تھے۔ پس وہ اس ہادی کی باتوں کو سُنتے ہیں اور غور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور ٹھیک پاتے ہیں اور اُس پر یقین کرتے ہیں۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جن میں ایسا ملکہ ہی نہیں ہے۔ مگر اُن میں فطرتی سعادت اور سچائی اور ٹھیک اور سچ بات کا دل کو لگ جانا مخلوق کیا گیا ہے۔ پس وہ لوگ گو اُس بات کی کنہ کو نہیں سمجھتے مگر اُن کے دل کو سچی لگتی ہے اور وہ اسکی تصدیق کرتے ہیں۔

چوتھے وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ بخوبی بوجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں۔ مگر غرور یا شرم یا نفسانیت سے اُس کا اقرار نہیں کرتے۔ یعنی اُن پر ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ لوگ ٹھیک ابوجہل کے بھائی ہیں۔

پانچویں لوگ ہیں جن کو اصلیت سے کچھ غرض نہیں ہے۔ اپنے باپ دادا کی رسم پر چلے جاتے ہیں۔ اور اُسی کو سچ جانتے ہیں۔ اور اُس ہادی کی بات کو نہیں مانتے۔ یہ لوگ بالکل تیسری قسم کے لوگوں کی مانند ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہ اپنی سعادت سے سیدھی راہ پر ہیں اور

یہ اپنی سفاہت سے ٹیڑھی راہ پر۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ✦

پس ان فرقوں میں اس سوال پر بحث کرنے والے وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو پہلے اور چوتھے یا دوسرے فرقہ میں داخل ہیں۔ اور اُن کو ہم اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اُس ہادی کی نصیحتوں کا ہم قانون قدرت سے مقابلہ کرینگے۔ اور بقدر اُس زمانہ کے علم وعقل و تجربہ کے اُن دونوں کے اصولوں کو تلاش کرینگے جو ابتدا ریا بعد سمجھنے وسمجھانے کے دریافت ہوئے ہیں۔ اگر مطابقت پاوینگے تو یقین کرینگے کہ بلاشبہ وہ ہادی ہے۔ اور وہ اُسی مخرج سے ہدایت کرنے پر مامور ہے جو ہمارا اور اُس ہادی کا دونوں کا بنانے والا ہے ✦

ایک فرانسیسی عالم نے لکھا ہے کہ کوئی پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم سے زیادہ صاف گو نہیں ہوا جس نے نہ کسی معجزہ کا بہانہ کیا نہ کسی ایسی بات کا دعویٰ کیا جو انسان کے نیچر سے باہر ہے بلکہ یہ کہا کہ میں تو تمکو نصیحت کرنیوالا ہوں۔ بُری باتوں سے بچانا اور اچھی باتیں سکھانا چاہتا ہوں۔ پس یہی بزرگی محمد صلعم میں ایسی ہے جو کسی میں نہیں۔ بابی انت وامی یا رسول اللہ قال اللہ تعالیٰ علیٰ لسان نبیہ صلعم "انما انا نذیر مبین"۔ "انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد" ✦

اس مقام پر لوگوں کے دل میں یہ بحث آوے گی کہ اس فرقہ نیچر کی نجات یا درکات کا کیا حال ہوگا۔ مگر اس مقام پر اس بحث کو ہم ملانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اس وقت صرف انبیاء کے آنے کی ضرورت اور اُن کی تصدیق کی علامت پر بحث ہے۔ جس کا خاتمہ ختم رسالت کی بحث پر کرتے ہیں ✦

کیا ایسی حالت میں ختم رسالت ہوسکتی ہے ؟

ہاں۔ بلاشبہ۔ مگر مشکل یہ ہے کہ الفاظ کے عام مشہور معنی آدمی کے دل کو شبہ میں ڈال دیتے ہیں۔ اُس کو خیال نہیں رہتا کہ وہ عام لفظ اس خاص مقام پر کس مراد سے مستعمل ہوا ہے۔ فرض کرو کہ ایک صندوقچہ تھا اور اُس میں گلاب کا نہایت خوشبودار ایک پھول رکھا تھا۔ بہت لوگ کہتے تھے کہ اس میں گلاب کا پھول ہے۔ اُسکی خوشبو سے اور نشانیوں سے سمجھاتے تھے بہت لوگ مانتے تھے بہت نہ مانتے تھے۔ ایک شخص آیا اور اُس نے وہ صندوقچہ کھول کر سب کو وہ پھول دکھا دیا سب بول اُٹھے کہ اب تو حد ہوگئی یعنی یہ بات ختم ہوگئی۔ اب اس کے کیا معنی

ہیں ؟ کیا یہ معنی ہیں کہ کوئی دوسرا شخص اس صندوقچہ کو نہیں کھولنے کا - اور وہ پھول کسی کو نہیں دکھلانے کا ؟ یہ مطلب سمجھنا تو محض بیوقوفی کی بات ہے - بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس امر کا ثابت کرنا کہ اس صندوقچہ میں پھول ہے ختم ہوگیا - یا انتہا کو پہونچ گیا - اب اس سے زیادہ کوئی نہیں کرسکتا پس یہی معنی ختم رسالت کے ہیں ❖

روحانی ترقی یا تہذیب کے باب میں جو کچھ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرما گئے وہ حد یا انتہا اُسکی ہے - اور اسی لیئے وہ خاتم ہیں - اب اگر ہزاروں لوگ ایسے پیدا ہوں جن میں ملکہ نبوت ہو - مگر اُس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے - رسول خدا صلعم نے ختم نبوت فرمایا ہے - ملکہ نبوت کا ختم اور فیضان الٰہی کا خاتمہ نہیں فرمایا - بلکہ اولیاء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے لفظ سے اُس ملکہ نبوت کا تا قیامت جاری رہنا پایا جاتا ہے - مگر نبوت کا خاتمہ ہوگیا جیسے کہ اُس پھول کے دکھا دینے سے اُس پھول کے اثبات کا خاتمہ ہوگیا تھا - ہاں یہ بات دیکھنی باقی رہی - کہ محمد رسول اللہ صلعم نے کیا کیا جس سے اُن پر نبوت کا خاتمہ ثابت ہوتا ہے ❖

اس امر کی نسبت تقریر تو بہت لمبی ہے - مگر میں اُسکو ایک مختصر تقریر میں ختم کرنا چاہتا ہوں - یہ امر بجائے خود تحقیق و ثابت ہوچکا ہے کہ یقین خدا کی وحدانیت کا اصلی ذریعہ انسان کی روحانی ترقی کا ہے - یا دوسری زبان میں یوں کہو کہ باعث نجات اُخروی ہے - اس مسئلہ کو اس مقام پر مسلم قرار دیتا ہوں اور اسجگہ اُسپر بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا - پس اب ہمکو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وحدانیت ذات باری کی نسبت خاتم المرسلین نے کیا کیا ❖

ہمکو یہ بتایا کہ وہ ہستی مطلق یا علۃ العلل واحد فی الذات ہے - وحدت فی الذات ایک ایسا مسئلہ ہے کہ تمام دنیا کے اہل مذاہب اُسکو تسلیم کرتے ہیں - عیسائی جو تثلیث کو مانتے ہیں وہ بھی وحدت فی الذات کے قایل ہیں - پس یہ تو کچھ نئی بات یا کچھ بڑی بات (اگرچہ فی نفسہ بڑی ہے) نہ تھی ❖

اُسی کے ساتھ ہمکو یہ بھی بتایا کہ وہ ہستی مطلق صفات میں بھی واحد ہے - یہ مسئلہ وحدت فی الصفات کا کسی قدر پہلے مسئلہ سے زیادہ ترقی کیا ہوا تھا - کیونکہ اگرچہ دنیا میں ایسے بہت سے مذاہب و ادیان ہیں جو مشرک فی الصفات ہیں - الا ایک آدھ مذہب ایسا بھی تھا جو وحدت فی الصفات کو بھی مانتا تھا ❖

تیسری بات جو ہمارے پیغمبر نے ہمکو بتائی وہ مسئلہ فی العبادت کا ہے یعنی وہ اُل کا تذلل

اور اُن ارکان ظاہری کا ادا جو خاص اپنے خدا کے لیئے ہے وہ کسی دوسرے کے لیئے نہ کرنا
یہ وہ بھید تھا جو کسی نے نہیں بتایا تھا۔ اور جس بغیر درحقیقت اگر توحید ناقص تھی تو پوری بھی
نہ تھی۔ پس ان تینوں وحدتوں کی ہدایت سے جن کو ہم وحدت فی الذات۔ وحدت فی الصفات
اور وحدت فی العبادت سے تعبیر کرتے ہیں ایمان وحدت ذات باری پر کمل ہوگیا اور خدا
نے کہہ دیا "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم
الاسلام دیناً" اور اسی کے ساتھ درحقیقت نبوت بھی یعنی تعلیم وحدت باری بھی ختم ہوگئی
جو اصل اصول نجات یا روحانی ترقی کا ہے۔ پس اب جو لوگ وحدانیت خدا کی ہدایت کریں گے
یا کرتے ہیں اُس سے زیادہ کوئی بات نہیں کر سکتے۔ اور جو لوگ ان تینوں وحدتوں پر یقین
کرینگے بلاشبہ مسلمان اور پورے موحد ہوں گے۔ کیونکہ ان تینوں وحدتوں پر یقین کرنا اصلی اسلام
ہے۔ اور ان تینوں وحدتوں پر یقین کرنے والا اپنا نام جو چاہے سو رکھے۔ مگر درحقیقت وہ مسلمان
اور بڑے سچے مسئلہ اسلام کا پیرو ہے۔ ہاں۔ اسقدر بیشک ہے کہ اسلام ہی سے اس مسئلہ کو
سیکھ کر اور اُسپر یقین لاکر اگر اپنے تئیں مسلمان نہیں کہتا اور اپنا دوسرا نام رکھتا ہے۔ تو وہ مسلمان
تو خواہ نخواہ ہی ہے۔ مگر ناشکر مسلمان ہے۔ کیا عُمدہ بات ہے کہ جب کسی جاہل سے پوچھتے ہیں
کہ مسلمان ہو۔ تو وہ کہتا ہے کہ شکر الحمد للہ۔ پس ہم چاہتے ہیں کہ جو لوگ وحدت ذات باری
کے جمیع صفات کمال کے قایل ہیں اور شرک فی الذات اور شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت
سے بری ہیں وہ اسلام کے شکرگزار رہیں اور اپنے تئیں مسلمان کہیں اور اُس سچے پیغمبر محمد رسول اللہ
صلعم پر بھی ایمان رکھیں جس کے سبب سے اس وحدانیت کامل کو ہم نے پایا ہے۔

اللھم صلی علی النبی المطھری ٭ شفیع الوریٰ فی یوم بعث ومحشری

اپنی مدد آپ

خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے فقرہ میں انسانوں کا اور قوموں کا
اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ ایک شخص میں اپنی آپ مدد کرنے کا جوش اُس کی سچی ترقی کی بنیاد ہے
اور جبکہ یہ جوش بہت سے شخصوں میں پایا جاوے۔ تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی

مضبوطی کی جڑ ہے - جبکہ کسی شخص کے لیئے یا کسی گروہ کے لیئے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو
اُس شخص میں سے یا اُس گروہ میں سے وہ جوش اپنے آپ مدد کرنے کا کم ہوجاتا ہے - اور
ضرورت اپنے آپ مدد کرنے کی اُس کے دل سے مٹتی جاتی ہے - اور اُسی کے ساتھ غیرت
جو ایک نہایت عمدہ قوت انسان میں ہے - اور اُسی کے ساتھ عزت - جو اصلی چمک دمک انسان
کی ہے - از خود جاتی رہتی ہے - اور جبکہ ایک قوم کی قوم کا یہ حال ہو - تو وہ ساری قوم دوسری
قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے غیرت اور بے عزت ہوجاتی ہے - آدمی جس قدر کہ دوسرے
پر بھروسہ کرتے جاتے ہیں - خواہ اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کا بھروسہ گورنمنٹ ہی پر کیوں نکریں
(یہ امر بدیہی اور لابدی ہے) کہ وہ اُسی قدر بے مدد اور بے عزت ہوتے جاتے ہیں - اے
میرے ہموطن بھائیو - کیا تمھارا یہی حال نہیں ہے ؟

ایشیا کی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں - کہ اچھا بادشاہ ہی رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا
ہے - یورپ کے لوگ جو ایشیا کے لوگوں سے زیادہ ترقی کر گئے تھے - یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ
انتظام قوم کی عزت و بھلائی و خوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے - خواہ وہ انتظام باہمی قوم کے رسم و
رواج کا ہو - یا گورنمنٹ کا - اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو
بہت بڑا ذریعہ انسان کی ترقی و بہبودی کا خیال کر کر - اُن کا درجہ سب سے اعلے اور نہایت
بیش بہا سمجھتے تھے - مگر حقیقت میں یہ سب خیال غلط ہیں - ایک شخص فرض کرو کہ وہ لنڈن
میں آئرلینڈ کی طرف سے پارلیمنٹ کا ممبر ہی کیوں نہ ہوجائے - یا کلکتہ میں ویسرائے اور
گورنر جنرل کی کونسل میں ہندوستان کا ممبر ہی ہو کر کیوں نہ بیٹھ جاوے - قومی عزت اور
قومی بھلائی اور قومی ترقی کیا کر سکتا ہے - برس دو برس میں کسی بات پر ووٹ دیدینے سے
گو وہ کیسی ہی ایمانداری اور انصاف سے کیوں نہ دیا ہو - قوم کی کیا بھلائی ہوسکتی ہے - بلکہ خود
اُس کے چال چلن پر - اُس کے برتاؤ پر بھی اُس سے کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا تو قوم کے برتاؤ پر کیا
اثر پیدا کر سکتا ہے - ہاں یہ بات بے شبہ ہے کہ گورنمنٹ سے انسان کے برتاؤ میں کچھ مدد
نہیں ملتی - مگر عمدہ گورنمنٹ سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آدمی آزادی سے اپنے قوا کی تکمیل اور اپنی
شخصی حالت کی ترقی کر سکتا ہے ٭

یہ بات روز بروز روشن ہوتی جاتی ہے کہ گورنمنٹ کا فرض بہ نسبت مثبت اور معمل ہونے کے
زیادہ تر منفی اور مانع ہے - اور وہ فرض جان اور مال اور آزادی کی حفاظت ہے - جبکہ قانون کا

عملدرآمد دانشمندی سے ہوتا ہے۔ تو آدمی اپنی جسمی اور ذہنی محنت کے ثمروں کا بے خطرہ حظ اٹھا سکتا ہے۔ جس قدر گورنمنٹ کی حکومت عمدہ ہوتی ہے۔ اُتنا ہی ذاتی نقصان کم ہوتا ہے۔ مگر کوئی قانون گو وہ کیسا ہی اُبھارنے والا کیوں نہ ہو سُست آدمی کو محنتی۔ فضول خرچ کو کفایت شعار۔ شراب خوار کو تائب نہیں بنا سکتا۔ بلکہ یہ باتیں شخصی محنت۔ کفایت شعاری نفس کشی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ قومی ترقی۔ قومی عزت۔ قومی اصلاح۔ عمدہ عادتوں۔ عمدہ چال چلن۔ عمدہ برتاؤ کرنے سے ہوتی ہے۔ نہ گورنمنٹ میں بڑے بڑے حقوق اور اعلےٰ اعلےٰ درجہ حاصل کرنے سے ۔

پُرانے لوگوں کا مقولہ ہے کہ "النّاس علےٰ دین ملوکھم" اگر اس مقولہ میں "الناس" سے چند خاص آدمی مراد لیئے جاویں۔ جو بادشاہ کے مقرب ہوتے ہیں۔ تو تو یہ مقولہ صحیح ہے۔ اور اگر یہ معنی لیئے جاویں۔ کہ رعایا اپنی گورنمنٹ کی سی ہو جاتی ہے۔ تو یہ مقولہ صحیح نہیں ہے۔ رعایا کبھی گورنمنٹ کے رنگ میں نہیں رنگی جاتی۔ بلکہ گورنمنٹ رعایا کا سا رنگ بدلتی جاتی ہے۔ نہایت ٹھیک بات ہے کہ گورنمنٹ عموماً اُن لوگوں کا جن پر وہ حکومت کرتی ہے عکس ہوتی ہے۔ جو رنگ اُن کا ہوتا ہے۔ اُسی کا عکس گورنمنٹ میں پایا جاتا ہے۔ جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے تہذیب و شائستگی میں آگے بڑھی ہوئی ہے۔ رعایا اُس کو زبردستی سے پیچھے کھینچ لاتی ہے۔ اور جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے کمتر اور تہذیب و شائستگی میں پیچھے ہوتی ہے۔ وہ ترقی کی دوڑ میں رعایا کے ساتھ آگے کھینچ جاتی ہے۔ تاریخ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان و انگلستان کا یہی حال ہوا۔ انگلستان کی رعایا تہذیب و شائستگی میں اُس زمانہ کی گورنمنٹ سے آگے بڑھی ہوئی تھی۔ اُنہوں نے زبردستی سے گورنمنٹ کو اپنے ساتھ آگے کھینچ لیا۔ ہندوستان کی رعایا تہذیب و شائستگی میں موجودہ گورنمنٹ سے کوسوں پیچھے پڑی ہے۔ گورنمنٹ کتنا ہی کھینچنا چاہتی ہے۔ مگر وہ نہیں کھنچتی بلکہ زبردستی سے گورنمنٹ کو پیچھے کھینچ لائی ہے ۔

یہ ایک نیچرل قاعدہ ہے۔ کہ جیسا مجموعہ قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے یقینی اُسی کے موافق اُس کے قانون اور اُسی کے مناسب حال گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پانی خود اپنی ہینال میں آجاتا ہے۔ اسی طرح عمدہ رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے۔ اور جاہل و خراب و ناتربیت یافتہ رعایا پر ویسی ہی اکثر حکومت کرنی پڑتی ہے ۔

تمام تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ کسی ملک کی خوبی و عمدگی اور قدر و منزلت نسبتہً اُس کی

گورنمنٹ کے عمدہ ہونے کے زیادہ تر اُس مُلک کی رعایا کے چال چلن - اخلاق و عادات - تہذیب
و شایستگی پر منحصر ہے - کیونکہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے - اور ایک قوم کی تہذیب درحقیقت
اُن مرد و عورت و بچوں کی شخصی ترقی ہے - جن سے وہ قوم بنتی ہے ؛

قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت - شخصی عزت - شخصی ایمانداری - شخصی ہمدردی کا -
اسی طرح قومی تنزل مجموعہ ہے شخصی سستی - شخصی بے عزتی - شخصی بے ایمانی - شخصی
خود غرضی کا اور شخصی بُرائیوں کا - ناتہذیبی و بدچلنی جو اخلاقی و تمدنی - یا باہمی معاشرت کی بدیوں
میں شمار ہوتی ہے - درحقیقت وہ خود اسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے - اگر ہم چاہیں کہ بیرونی
کوشش سے ان بُرائیوں کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالیں اور نیست و نابود کردیں - تو یہ بُرائیاں بھی اَور
نئی صورت میں اُس سے بھی زیادہ زور شور سے پیدا ہو جاویں گی - جب تک شخصی زندگی اور
شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ کی جاوے ؛

اے میرے عزیز ہموطنو - اگر یہ رائے صحیح ہے - تو اُس کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کی سچی ہمدردی اور سچی
خیرخواہی کرو - غور کرو کہ تمھاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح پر عمدہ ہو - تاکہ
تم بھی ایک معزز قوم ہو - کیا جو طریقہ تعلیم و تربیت کا - بات چیت کا - وضع و لباس کا - سیر سپاٹے
کا شغل اشغال کا تمھاری اولاد کے لیئے ہے اُس سے اُن کی شخصی چال چلن - اخلاق و عادات
نیکی و سچائی میں ترقی ہو سکتی ہے ؟ حاشا و کلا ؛

جبکہ ہر شخص اور کل قوم خود اپنی اندرونی حالتوں سے آپ اپنی اصلاح کر سکتی ہے - تو اسباب
کی اُمید پر بیٹھے رہنا کہ بیرونی زور انسان کی یا قوم کی اصلاح و ترقی کرے - کس قدر افسوس بلکہ نادانی
کی بات ہے - وہ شخص درحقیقت غلام نہیں ہے - جس کو ایک خدا ناترس نے جو اُس کا ظالم آقا
کہلایا جاتا ہے خرید لیا ہے - یا ایک ظالم اور خود مختار بادشاہ یا گورنمنٹ کی رعیت ہے بلکہ درحقیقت
وہ شخص اصلی غلام ہے جو بد اخلاقی - خود غرضی - جہالت اور شرارت کا مطیع - اور اپنی خود غرضی
کی غلامی میں مبتلا اور قومی ہمدردی سے بے پرواہ ہے - وہ قومیں جو اس طرح دل میں غلام
ہیں - وہ بیرونی زوروں سے یعنی عمدہ گورنمنٹ یا عمدہ قومی انتظام سے آزاد نہیں ہو سکتیں
جب تک کہ غلامی کی یہ دلی حالت دور نہ ہو - اصل یہ ہے کہ جب تک انسانوں میں یہ خیال ہے
کہ ہماری اصلاح و ترقی گورنمنٹ پر یا قوم کے عمدہ انتظام پر منحصر ہے اُس وقت تک کوئی مستقل اور
ٹھہراؤ میں آنے کے قابل نتیجہ اصلاح و ترقی کا قوم میں پیدا نہیں ہو سکتا - گو کیسی ہی عمدہ تبدیلیاں

گورنمنٹ یا انتظام میں کیجاویں - وہ تبدیلیاں فانوس خیال سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں جس میں طرح طرح کی تصویریں پھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں - مگر جب دیکھو تو کچھ بھی نہیں ؁

مستقل اور مضبوط آزادی - سچی عزت - اصلی ترقی شخصی چال چلن کے عمدہ ہونے پر منحصر ہے - اور وہی شخصی چال چلن معاشرت و تمدن کا محافظ - اور وہی شخصی چال چلن - قومی ترقی کا بڑا ضامن ہے - جان اسٹیورٹ مل جو اسی زمانہ میں ایک بہت بڑا دانا حکیم گذرا ہے - اُس کا قول ہے کہ "ظالم اور خود مختار حکومت بھی زیادہ خراب نتیجے پیدا نہیں کر سکتی - اگر اُسکی رعایا میں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی موجود ہے اور جو چیز کہ شخصی اصلاح و شخصی ترقی کو دبا دیتی ہے درحقیقت وُہی شے اُس کے لیئے ظالم و خود مختار گورنمنٹ ہے - پھر اُس شے کو جس نام سے چاہو پکارو - اس مقولہ پر میں اِس قدر اَور زیادہ کرتا ہوں کہ جہاں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی مٹ گئی ہے یا دب گئی ہے وہاں کیسی ہی آزاد اور عمدہ گورنمنٹ کیوں نہ قایم کی جاوے وہ کچھ بھی عمدہ نتیجے پیدا نہیں کر سکتی - اور اس اپنے مقولہ کی تصدیق کو ہندوستان کی اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت کی مثال پیش کرتا ہوں - اے مسلمان بھائیو - کیا تمھاری یہی حالت نہیں ہے ؟ تم نے اس عمدہ گورنمنٹ سے جو تم پر حکومت کر رہی ہے کیا فائدہ اُٹھایا ہے ؟ تمھاری آزادی کے محفوظ رکھنے کا تمکو کیا نتیجہ حاصل ہوا ہے ؟ ہیچ ہیچ ہیچ ! اس کا سبب یہی ہے کہ تم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ نہیں ہے ؁

انسان کی قومی ترقی کی نسبت ہم لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی خضر ملے - گورنمنٹ فیاض ہو اور ہمارے سب کام کر دے - اس کے یہ معنی ہیں - کہ ہر چیز ہمارے لیئے کی جاوے اور ہم خود نہ کریں - یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر اس کو ہادی اور رہنما بنایا جاوے - تو تمام قوم کی دلی آزادی کو برباد کر دے - اور آدمیوں کو انسان پرست بنادے - حقیقت میں ایسا ہونا قوت کی پرستش ہے - اور اس کے نتایج انسان کو ایسا ہی حقیر بنا دیتے ہیں - جیسیکہ صرف دولت کی پرستش سے انسان حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے - کیا لالہ اشرفی مل جو ہر روز لچھمی کی پوجا کرتے ہیں - اور بے انتہا دولت رکھتے ہیں - انسانوں میں کچھ قدر و منزلت کے لایق گنے جاتے ہیں ؟ بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط - جس سے دنیا کی معزز قوموں نے عزت پائی ہے وہ اپنی آپ مدد کرنا ہے - جس وقت لوگ اُسکو اچھی طرح سمجھیں گے اور کام میں لاوینگے - تو پھر خضر کو ڈھونڈنا بھول جاوینگے - اوروں پر بھروسا - اور اپنی مدد آپ - یہ دونوں اصول

ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی بدیوں کو برباد کرتا ہے۔ اور پہلا خود انسان کو ۔

قومی انتظام یا عُمدہ قوانین کے اجرا کی خواہش۔ یہ بھی ایک قدیمی غلط خیال ہے سچا اصول وہ ہے جو ولیم ڈراگن نے ڈبلن کی نمایش گاہ دستکاری میں کہا تھا۔ جو ایک بڑا خیر خواہ آیرلینڈ کا تھا ۔

اُس نے کہا کہ " جس وقت میں آزادی کا لفظ سُنتا ہوں۔ اُسی وقت مجھ کو میرا ملک اور میرے شہر کے باشندے یاد آتے ہیں۔ ہم اپنی آزادی کے لیئے بہت سی باتیں سُنتے آتے ہیں۔ مگر میرے دل میں بہت بڑا مضبوط یقین ہے کہ ہماری محنت۔ ہماری آزادی ہمارے اوپر منحصر ہے مَیں یقین کرتا ہوں کہ اگر ہم محنت کیئے جاویں اور اپنی قوتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کریں تو اس سے زیادہ ہمکو کوئی موقع یا آیندہ کی قومی ترقی اپنی بہتری کے لیئے نہیں ہے۔ استقلال اور محنت۔ کامیابی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اگر ہم ایک دلی ولولہ اور محنت سے کام کیئے جائیں گے تو مجھے پورا یقین ہے کہ تھوڑے زمانہ میں ہماری حالت بھی ایک عُمدہ قوم کی مانند آرام و خوشی و آزادی کی ہوجاوے گی " ۔

انسان کی اگلی پُشتوں کے حالات پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسانوں کے نسل در نسل کے کاموں سے حاصل ہوئی ہے۔ محنتی اور مستقل مزاج محنت کرنیوالوں۔ زمین کے جوتنے والوں۔ کانوں کے کھودنے والوں نئی نئی باتوں کے ایجاد کرنیوالوں۔ مخفی باتوں کو ڈھونڈکر نکالنے والوں۔ آلات جرثقیل سے کام لینے والوں۔ اور ہر قسم پیشہ کرنے والوں۔ ہنرمندوں شاعروں حکیموں فیلسوفوں۔ ملکی منتظموں نے انسان کو موجودہ ترقی کی حالت پر پہونچانے میں بڑی مدد دی ہے۔ ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی ہے۔ اور اُسکو ایک اعلےٰ درجہ تک پہونچایا ہے۔ ان عمدہ کاریگروں سے جو تہذیب و شایستگی کی عمارت کے معمار ہیں لگاتار ایک دوسرے کے بعد ہونے سے محنت اور علم اور ہُنر میں جو ایک بے ترتیبی کی حالت میں تھی ایک ترتیب پیدا ہوئی ہے۔ رفتہ رفتہ نیچر کی گردش نے موجودہ نسل کو اُس زرخیز اور بے بہا جائیداد کا وارث کیا ہے جو ہمارے بڑھوں کی ہوشیاری اور محنت سے مہیا ہوئی تھی۔ اور وہ جائیداد ہمکو اس لیئے نہیں دی گئی ہے کہ ہم صرف مثل مار سرگنج اُسکی حفاظت ہی کیا کریں بلکہ ہمکو اس لیئے دی گئی ہے کہ اُسکو ترقی دیں۔ اور ترقی یافتہ

حالت میں۔ آیندہ نسلوں کے لیئے چھوڑ جاویں مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ہماری قوم نے اُن بزرگوں کی چھوڑی ہوئی جائیداد کو بھی گرا دیا ٭

انگریزوں کو جو دنیا کے اس دَور میں اسقدر ترقی ہوئی۔ اُس کا سبب صرف یہی ہے کہ ہمیشہ اُن کی قوم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ رہا ہے اور اُس قوم کی شخصی محنت اُسپر گواہ عادل ہے۔ یہی مسئلہ اپنی مدد آپ کرنے کا انگریزوں کی قوم کی طاقت کا سچا پیمانہ رہا ہے ٭

انگریزوں میں اگرچہ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے۔ جو تمام لوگوں سے اعلےٰ درجہ کے اور زیادہ مشہور تھے اور جن کی تمام لوگ عزت بھی کرتے تھے۔ لیکن کم درجہ کے اور غیر مشہور آدمیوں کے گروہوں میں سے بھی اُس قوم کی بڑی ترقی ہوئی ہے۔ گو کسی لڑائی اور میدان کارزار کی فہرستوں اور تاریخوں میں صرف بڑے بڑے جنرلوں اور سپہ سالاروں کے نام لکھے گئے ہوں۔ لیکن وہ فتوحات اُن کو زیادہ تر اُنہیں سپاہیوں کی شجاعت اور بہادری کے سبب ہوئی ہے۔ عام لوگ ہی تمام زمانوں میں سب سے زیادہ کام کرنے والے ہوئے ہیں۔ بہت سے ایسے شخص ہیں جن کی زندگی کا حال کسی نے نہیں لکھا۔ لیکن تہذیب و شایستگی اور ترقی پر اُن کا بھی ایسا ہی قوی اثر ہوا ہے جیسا کہ اُن خوش نصیب مشہور نامور آدمیوں کا ہوا ہے جن کی زندگی کے حالات مورخوں نے اپنی تاریخوں میں لکھے ہیں ٭

ایک نہایت عاجز و مسکین غریب آدمی۔ جو اپنے ساتھیوں کو محنت اور پرہیزگاری اور بے لگاؤ ایمانداری کی نظیر دکھاتا ہے۔ اُس شخص کا اُس کے زمانہ میں اور آیندہ زمانہ میں اُسکے ملک و اُسکی قوم کی بھلائی پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کی زندگی کا طریقہ اور چال چلن گو معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اَور شخصوں کی زندگی میں خفیہ خفیہ پھیل جاتا ہے۔ اور آیندہ کی نسل کے لیئے ایک عُمدہ نظیر بن جاتا ہے ٭

ہر روز کے تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شخصی ہی چال چلن میں یہ قوت ہے کہ دوسرے کی زندگی اور برتاؤ اور چال چلن پر نہایت قوی اثر پیدا کرتا ہے۔ اور حقیقت میں یہی ایک نہایت عمدہ عملی تعلیم ہے۔ اور جب ہم اس عملی تعلیم کا علمی تعلیم سے مقابلہ کریں تو مکتب و مدرسے اور مدرستہ العلوم کی تعلیم ایسی عملی تعلیم کی ابتدائی تعلیم معلوم ہوتی ہے۔ زندگی کے علم کا یعنی زندگی کے برتاؤ کے علم کا جسکو انگریزی میں "لیف ایجوکیشن" کہتے ہیں۔ انسان پر۔ قوم پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ مکتب و مدرسہ و مدرستہ العلوم کا علم طاق میں۔ یا صندوق میں۔ یا الماری میں۔ یا کسی بڑے کتب خانہ میں

رکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر زندگی کے برتاؤ کا علم ہر وقت دوست سے ملنے میں۔ گھر کے رہنے سہنے میں۔ شہر کی گلیوں میں پھرنے میں۔ صراف کی دوکان کرنے میں۔ ہل جوتنے میں۔ کپڑا بننے کے کارخانہ میں۔ کلوں سے کام کرنے کے کارخانہ میں اپنے ساتھ ہوتا ہے۔ اور بے سکھائے اور بے شاگرد کیئے۔ لوگوں میں صرف اُسکے برتاؤ سے پھیلتا جاتا ہے ٭

یہ پچھلا علم وہ علم ہے۔ جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی پچھلے علم سے۔ عمل۔ چال چلن۔ تعلیم نفسی۔ نفس کشی۔ شخصی خوبی قومی مضبوطی قومی عزت حاصل ہوتی ہے۔ یہی پچھلا علم وہ علم ہے۔ کہ جو انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے۔ اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے۔ اور زندگی کے کاروبار کرنے۔ اور اپنی عاقبت کے سنوارنے کے لائق بنا دیتا ہے۔ اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا۔ اور نہ یہ تعلیم کسی درجے کی علمی تحصیل سے حاصل ہوتی ہے۔ لارڈ بیکن کا نہایت عمدہ قول ہے کہ "علم سے عمل نہیں آجاتا۔ علم کو عمل میں لانا علم سے باہر اور علم سے برتر ہے"۔ اور مشاہدہ آدمی کی زندگی کو درست اور اُسکے علم کو باعمل یعنی اُس کے برتاؤ میں کر دیتا ہے۔ علم کی بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر معزز اور قابل ادب بناتا ہے ٭

کیا یہی وجہ جو مدرسۃ العلوم مسلمانان کے بانیوں نے یہ تجویز کی ہے کہ مسلمانوں کے لڑکے گھروں سے اور بد صحبتوں سے علیحدہ مدرسۃ العلوم میں عالموں اور اشرافوں اور تربیت یافتہ لوگوں کی صحبت میں رکھے جاویں؟ ٭

ٹیمز

از اے گریٹ رفارمر

یعنی

زمانہ ایک بڑا اصلاح کرنے والا ہے

یہ بات تو سب کو معلوم تھی کہ ترک انگریزی نما لباس پہنتے ہیں اور میز و کرسی پر بیٹھکر چھری کانٹے سے کھاتے ہیں۔ اور سلطان روم یعنی بادشاہ حرمین شریفین جن کا خطبہ مکہ معظمہ

کے منبروں اور مسجد نبوی کے منبر پر روضۂ مطہرہ علٰے صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔ بوٹ و پتلون و ترکش کورٹ و لال پھندنے دار ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر اب نئی بات یہ معلوم ہوئی ہے۔ کہ جناب شریف مکہ عبد اللہ بن عون بھی انگریزی تہذیب کو پسند فرماتے جاتے ہیں پیرس کے ایک اخبار میں چھپا ہے کہ بصرہ کے ایک بہت دولتمند سوداگر جن کا نام علی الرشید ہے ان دنوں پیرس میں تشریف لائے ہیں آتے وقت وہ مکہ معظمہ میں تشریف لے گئے تھے۔ اور شریف مکہ کے ہاں مہمان رہے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ شریف مکہ کا مکان بالکل یورپ کے اسباب سے سجا ہوا ہے۔ اور شریف مکہ انگریزی طور کا کھانا کھاتے ہیں۔ مگر ابھی اتنی کسر ہے کہ چھری کانٹے سے نہیں کھاتے۔ ایک فرانسیسی باورچی اُن کے ہاں نوکر ہے۔ شریف مکہ نے فرانسیسی زبان سیکھ لی ہے اور فرنچ یعنی فرانسیسی زبان بولتے ہیں۔ اب تو قیامت ہوگئی۔ ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کیا ہمارا تہذیب الاخلاق مکہ میں بھی پڑھا جاتا ہے؟

سلطان زنجبار کو بھی زمانہ کی ہوا لگی ہے۔ اُنھوں نے بھی فرنچ زبان پڑھنی و سیکھنی شروع کی ہے۔ اپنے ہاں کے بڑے بڑے سرداروں کو تمغے دیئے ہیں۔ جن میں سلطان زنجبار کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ کیا اب تصویر ناجائز نہیں رہی؟ نہیں نہیں بھول گیا۔ سلطان زنجبار تو بڑے پکے حنفی ہیں تمغوں میں پوری تصویر نہ ہوگی۔ صرف چہرہ یا نصف قد کی تصویر ہوگی۔ ایسے کہ حنفیوں کے ہاں کا مسئلہ ہے کہ جاندار کی اس قدر تصویر جس سے زندہ رہنا ممکن نہ ہو بنانی یا رکھنی ناجائز نہیں ہے۔

ایک مصوّر نے سُنکر کہا کہ میں تو پورے قد کی تصویریں بھی ایسی ہی بناتا ہوں۔ کہ اگر اتنی ہی چیزیں انسان میں ہوں جتنی کہ میں بناتا ہوں تو بھی انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اُس نے قسم کھائی اور کہا "میں نہ انسان کا بھیجا بناتا ہوں نہ پھیپھڑا۔ نہ دل و جگر۔ نہ معدہ نہ امعاء۔ نہ خون نہ روح۔ اور بغیر ان سب چیزوں کے انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس میں بھی حنفی مسئلہ کے بموجب کوئی ناجائز کام نہیں کرتا"

جب مصوّر سے کہا گیا۔ کہ قیامت میں خدا کہے گا کہ "اب اس میں جان ڈال" تب وہ حیران ہوا اور کہنے لگا کہ جناب درخت کی بھی تصویر بناؤں یا نہیں۔ تو اُس سے کہا گیا کہ درخت

کی تصویر منع نہیں۔ تب اُس نے کہا کہ جناب اگر قیامت میں خدا کہیگا کہ اب اِسکو بڑھا اور پھل پھول لگا۔ تو مَیں کیا کروں گا۔ اُس سے کہا گیا کہ درخت میں قوت نامیہ پیدا کرنے کو اور پھل پھول لگانے کو خدا نہیں کہنے کا۔ مصوّر بولا۔ کہ نا صاحب مَیں نہ مانوں۔ ایسے خدا سے جو کاغذ پر لکیریں کی ہوئی جانور کی تصویر میں جان ڈالنے کو کہیگا۔ کیا لگتا ہے کہ وہ کاغذ پر درخت کی کھچی ہوئی تصویر میں بھی قوت نامیہ پیدا کرنے اور پھل پھول لگانے کو کہوے۔ یا تو اس مسئلہ ہی میں کچھ غلطی ہے۔ یا مطلقاً تصویر بنانا جاندار کی ہو یا بیجان کی۔ بالکل ممنوع ہے ✤

کیا کسی مولوی نے سلطان زنجبار کو فتویٰ دیدیا ہے۔ کہ تمغوں میں نقش تصویر ناجائز نہیں ہے؟

نامہذّب مُلک

اور

نامہذّب گورنمنٹ

مُلک جب نامہذّب ہوتا ہے تو ضرور کچھ نہ کچھ گورنمنٹ میں نا تہذیبی آجاتی ہے۔ اور جب گورنمنٹ مہذّب ہوتی ہے تو کسی نہ کسی قدر تہذیب مُلک میں ہوتی جاتی ہے ✤

مُلک کا نامہذّب ہونا تو اُس مُلک کے باشندوں کا نامہذّب ہونا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب یہ کہیں گے کہ انگلنڈ۔ فرانس۔ جرمن۔ امریکہ نہایت مہذّب مُلک ہیں۔ تو اُسکے معنی یہی ہوں گے کہ وہاں کے رہنے والے تہذیب و تربیت یافتہ ہیں۔ ہندوستان کو جو نامہذّب یا نیم وحشی مُلک بتایا جاتا ہے اس کا یہی سبب ہے کہ یہاں کے رہنے والے نامہذّب یا نیم وحشی گنے جاتے ہیں ✤

مگر ہمکو غور کرنا چاہیئے کہ گورنمنٹ کا نامہذّب ہونا کیا چیز ہے اور مسلمانی گورنمنٹیں جس قدر ہیں اُن کے نامذہب ہونے کا کیا سبب ہے ✤

گورنمنٹ کا فرض یہ ہے کہ جن لوگوں پر وہ حکومت کرتی ہے اُن کے حقوق کی خواہ وہ حقوق مال و جائداد سے متعلق ہوں خواہ کسب و پیشہ و معاش سے خواہ آزادی مذہب و آزادی رائے

اور آزادی زندگی سے اُن کی محافظ ہو۔ غیر مساوی قوتوں سے کسی کو نقصان نہ پہونچنے دے
کمزور مستحق کو غیر مستحق زور آور سے پناہ میں رکھے۔ ہر شخص اپنی ملکیت سے اپنے ہنر سے
پورا پورا متمتع ہو ✤

اور اُس کا مہذب ہونا یہ ہے کہ ان تمام فرایض کے پورا کرنے کو قوانین اُسکی سلطنت
میں جاری ہوں۔ ہر شخص ادنے سے اعلے تک یہاں تک کہ خود گورنمنٹ بھی اُن قوانین
کے تابع ہو۔ اور وہ قانون ایسے ہوں کہ تمام رعایا کے حقوق اُس کی رو سے مساوی ہوں۔
اور اُسکے ساتھ وہ قوت بھی ہو (جس کو گورنمنٹ کہتے ہیں) اور جو ہر شخص کو بلالحاظ مرتبہ اُن
قوانین کا پورا پورا مطیع کرے۔ جس گورنمنٹ میں یہ چیزیں نہیں ہیں وہ گورنمنٹ نامہذب و
ناتربیت یافتہ کہلاتی ہے اور اُسکے مُلک میں کبھی امن نہیں رہتا۔ ملک کی۔ مال کی۔ دولت کی۔
قوم کی۔ رعایا کی کبھی ترقی نہیں ہوتی ✤

اس اصول کا نتیجہ تمام مسلمانی سلطنتوں میں پایا جاتا ہے۔ کوئی مسلمانی سلطنت اس وقت
دنیا میں ایسی موجود نہیں ہے جس پر مہذب گورنمنٹ کا اطلاق ہو سکے۔ یا اُس کا مُلک اور اُسکی
رعایا ترقی یافتہ حالت میں ہو۔ یا وہاں کی رعایا کو اپنے تمام حقوق مالی و ذاتی حاصل ہوں۔ یا
اپنے مال و ذات پر بالکلیہ امن رکھتی ہو۔ یا کمزور مستحق کو غیر مستحق زور آور کا اندیشہ نہ ہو ✤

ایسی قوم کی گورنمنٹ جو دینی اور دنیوی دونوں کاموں میں اپنے تئیں پابند و مجبور اُن
احکام کا سمجھتی ہے جنکو اُس نے مذہبی احکام تسلیم کر رکھا ہے۔ اُس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ کوئی
دنیوی کام بھی بغیر مذہبی سند یا بدوں مذہبی اجازت کے نہیں کیا جا سکتا۔ اور جس طریقہ پر
کوئی دنیوی کام پہلے ہو چکا ہے اُس سے مختلف طریقہ پر کوئی دنیوی کام بھی نہیں ہو سکتا ✤

یہ لوگ اس بات کو بھی تحقیق کرنا نہیں چاہتے کہ درحقیقت اُس مذہب میں جس کے وہ
پیرو ہیں وہ ایک اصلی حکم ہے جس میں کچھ شُبہ نہ ہو۔ یا نہیں۔ بلکہ وہ صرف اگلوں کی رائے
یا فعل پر بلا دریافت سبب کے اعتقاد کلی رکھتے ہیں اور اُس کے برخلاف کو مذہبی حکم کی برخلافی
سمجھتے ہیں۔ گو کہ اصلی حکم مذہب کا اُسکے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس قسم کے لوگوں کا یہ حال
ہو جاتا ہے کہ وہ اس بات میں بھی مذہبی سند کی تلاش کرتے ہیں کہ بہتر پیچ اور در بندوق کا استعمال
جائز ہے یا نہیں۔ سپاہیوں کو تنگ و چست وردی پہنانا درست ہے یا نہیں۔ جزیرہ عرب میں
ریل بنانا خلاف مذہب ہے یا نہیں۔ یہاں تک کہ ریل میں سوار ہونے کی نسبت بھی مذہبی اجازت

کے خواہاں ہوتے ہیں +

ایسا ملک اور ایسی قوم ہمیشہ تنزل کی حالت میں رہتی ہے۔ تہذیب و شائستگی کی ہوا بھی وہاں تک نہیں جاتی۔ کوئی مستحکم قانون اُس کے ہاں نہیں ہوتا۔ کسی شخص کے حقوق محفوظ نہیں ہوتے۔ کوئی شخص مال سے پورا پورا تمتع حاصل نہیں کرسکتا۔ نہ کبھی ملک میں امن ہوتا ہے +

کل مسلمان گورنمنٹوں کا جو کہ اس وقت دنیا میں موجود ہیں اُن کا یہی حال ہے۔ سب سے مقدم و مکرم مسلمانی گورنمنٹ جو اس وقت دنیا میں موجود ہے وہ سلطان ٹرکی کی گورنمنٹ ہے جس کو لوگ سلطنت روم کہتے ہیں۔ اگرچہ سلطنت ٹرکی نے بہت سی باتوں میں تبدیلی کی ہے جس سے جان بلب کی حالت سے کسی قدر سنبھلی ہے۔ لیکن اب بھی اُنہی اسباب سے مرض الموت میں گرفتار ہے +

کوئی سال امن کا اُس میں نہیں گذرتا۔ کبھی کریٹ میں فساد ہے اور کبھی شام میں۔ کبھی عرب میں تلوار چل رہی ہے اور کبھی یونان کے کنارہ میں۔ زمانہ موجودہ میں ادھر ہرزی گونا باغی ہو رہا ہے اور اُدھر سرویا۔ کوئی قانون دیوانی یا فوجداری کا موجود نہیں ہے۔ کوئی ایسا آزاد محکمہ جو ٹھیک انصاف کرے پیدا نہیں ہے۔ جو محکمے برائے نام ہیں وہ خود اپنے احکام کی تعمیل میں۔ ڈگریات کے اجرا میں۔ مظلوم کو اُس کا حق پہونچانے میں قادر نہیں ہیں۔ جج جو قاضی کہلاتے ہیں آزاد نہیں ہیں۔ یا تو اپنے سے اوپر کے افسر کے یا کسی اعلےٰ اہل خاندان کے رعب میں۔ یا کسی باوقعت شخص کی سفارش کے پھندے میں۔ اور ان سب پر خود اپنے تعصب مذہبی کے حال ہیں۔ اور اُس سے بھی زیادہ رشوت ستانی کی عادت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ کسی کو گورنمنٹ پر طمانیت نہیں ہے۔ کسی شخص کو اپنا حق پانے کی پوری توقع نہیں ہے۔ کسی غیر مذہب والے کو پورا پورا انصاف ملنے کی اُمید نہیں ہے۔ ملک تنزل میں ہے۔ تجارت ابتر حالت میں ہے۔ کوئی کمپنی تجارت کی اپنا کام جاری نہیں کرتی۔ ملک میں سونے۔ چاندی۔ تانبے۔ لوہے۔ ٹین کی کوئلے کی کانیں کی کانیں بھری پڑی ہیں۔ مگر کوئی کمپنی نہیں کھڑی ہوتی۔ کسی قسم کی تجارت ترقی نہیں پاتی۔ تمام ملک کی آمدنی دوسرے ملک میں یا تو قرضہ کے سود میں یا ہتیاروں کی خرید میں چلی جاتی ہے۔ قرض پر گذران ہے۔ وہ بھی اپنے ملک میں نہیں ملتا۔ غیر ملکوں کی

رعایا سے بمنت و خوشامد لیا جاتا ہے۔ اور یہ نتیجہ تمامہ اُسی غلط خیال کا ہے جس کے بموجب دینی و دنیوی دونوں قسم کے کاموں کو مذہب میں شامل سمجھا ہے۔ وانتم اعلم بامور دنیاکم کے جملہ کو چھوڑ دیا ہے ۔

یہ حال جو ہم نے لکھا کچھ سلطنت اسلامیہ روم ہی کا نہیں ہے بلکہ تمام چھوٹی بڑی گورنمنٹوں کا یہی حال ہے۔ ایران کا حال دیکھ لو۔ افغانستان و ترکستان پر نظر ڈالو۔ ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کو دیکھ لو۔ تو سب کا ایک سا حال ہے۔ ہاں بعض مسلمانی ریاستوں نے کسی قدر تبدیلی کی ہے۔ اور وہ بقدر تبدیلی کے کسی قدر اچھی حالت میں ہوتی جاتی ہیں۔ اور ایسی ریاستیں اس وقت صرف دو ہیں جن کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ٹونس اور مصر ۔

چند مہینے ہوئے کہ امیر الامرا سید خیر الدین وزیر ٹونس نے اُن مقدمات کے انفصال کے لئیے جو سلطنت بیلجیم کے رہنے والوں میں باہم یا اُن میں اور ٹونس کی رعایا کے درمیان ہوں۔ ایک جداگانہ محکمہ مقرر کیا تھا جس میں تین جج اجلاس کریں۔ قاضی ٹونس پہلا جج ہو۔ اور ایک اور جج ٹونس کا۔ اور ایک جج بیلجیم کا شریک ہو۔ جس سے ملک کو۔ اور انتظام مملکت اسلامیہ کو بڑا فائدہ پہونچا۔ گو قاضی و مفتی کہا کئیے کہ ایسا کرنے کے لئیے کوئی مذہبی سند نہیں ہے۔ مگر وہ وزیر روشنضمیر خوب سمجھتا تھا کہ امورات دنیوی سے احکام مذہبی کو کچھ تعلق نہیں ہے ۔

پنیالا اخبار بہ سند الجوائب ہمکو خبر سناتا ہے کہ خدیو مصر اسمٰعیل پاشا نے بھی بہ منظوری حضرت سلطان روم سلطان عبد العزیز خاں خلد اللہ ملکہ کے اسی قسم کے محکمے مقرر کئیے ہیں چنانچہ اُس اخبار میں اُن کے تقرر کی کیفیت حسب مندرجہ ذیل لکھی ہے ۔

ہر شخص جانتا ہے کہ مصر میں دیسی اور پردیسیوں کے آپس میں جو دعوے ہوتے تھے اُنکے فیصلے کی کیا شکل ہوتی تھی۔ دستور یہ تھا کہ اگر مدعی دیسی ہو اور مدعا علیہ پردیسی رعیت ریاست غیر۔ تو مدعی اس بات پر مجبور ہوتا تھا کہ اپنے دعویٰ کو اُس بالیوز کے ہاں دائر کرے جو مدعا علیہ کی گورنمنٹ کی طرف سے مامور ہو۔ پھر اگر بالیوز کا فیصلہ مدعی کے برخلاف ہو اور وہ اُسکی اپیل کیا چاہے تو اُسکو مدعا علیہ کی گورنمنٹ کے ملکی محکموں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ مثلاً اگر مصری مدعی ہو اور امریکی مدعا علیہ۔ تو بیچارہ مصری کو اپیل کرنے امریکہ جانا پڑے گا ۔

یہ قاعدہ مصر میں مدت سے جاری تھا۔ اور جن غیر سلطنتوں سے عہدنامے ہیں اُنکے

حقوق میں داخل تھا۔ اس صورت میں جو جھگڑے دیسی اور پردیسیوں کے آپس میں ہوتے تھے اُن کی حالت نہایت خراب اور غیر منتظم تھی۔ اہل مصر کی یہ تکلیف اور دقت دیکھ کر یہ قاعدہ خدیو مصر کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ چنانچہ خدیو ممدوح آٹھ برس سے اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ قاعدہ موقوف ہو جائے۔ اور چاہتے تھے کہ اس کے عوض ایسے نئے محکمے جاری ہو جائیں کہ جن میں بے دقت انصاف ہو۔ چنانچہ سلطنت روم کی مدد اور اور سلطنتوں کے اتفاق رائے سے جن کے ساتھ رابطہ اتحاد قایم ہے اس کوشش کا یہ ثمرہ ہوا کہ ان دنوں حسب مراد خدیو مصر تین محکمے قایم ہو گئے۔ ایک خاص مصر میں۔ دوسرا اسکندریہ میں۔ تیسرا اسماعیلیہ میں ٭

ان محکموں کے ممبر آدھے دیسی اور آدھے پردیسی ہیں۔ اور افسر کل دیسی ہیں۔ اور اسکندریہ میں جو محکمہ قایم ہوا ہے وہ اپیل کا محکمہ ہے۔ اسی وجہ سے اسکندریہ میں اس کی کل رسمیں ادا ہوئیں ٭

گو ان محکموں کے بعض ممبر جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے پردیسی ہوں گے۔ مگر اس وجہ سے کہ اُن کا تقرر حکومت مصر کی طرف سے ہے۔ اور اُن کی معاش کا انتظام بھی حکومت مصر ہی کے ذمہ ہے۔ اور اُن کی ٹوپی ترکی ہوگی۔ اور لباس عثمانی ہوگا۔ اس وجہ سے وہ پردیسی نہ سمجھے جائینگے بلکہ مصر کے قاضی سمجھے جائینگے۔ پس یہ سمجھے بالکل مصری محکمے ہوں گے۔ اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو مقدمے ان محکموں میں بطور ابتدائی یا نظر ثانی یا اپیل کے دایر ہونگے اُن پر کمال عدل اور انصاف سے حکم ہوگا۔ علے ہٰذا جو دعوی پردیسیوں (یعنی رعایا سلطنت ہائے غیر) کی طرف سے ان محکموں میں دایر ہوں گے۔ اُن میں بھی اسی طرح انصاف ہوگا۔ اور انہی محکموں سے قطعی فیصلہ ہوگا۔ پس اب اور آیندہ کوئی مقدمہ ایسا نہ ہوگا جس کے سننے کا حق بالیوزوں کے محکموں کو حاصل ہو۔ جو خوبیاں اس نئے قاعدے میں ہیں وہ بیان کی محتاج نہیں ہیں۔ اور چونکہ دیسی اور پردیسی دونوں اس قاعدے سے فایدہ اُٹھائیں گے اس لیئے سب اس نیک کام سے خوش ہیں ٭

ان نئے محکموں کے جاری ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ دوشنبہ کے دن جمادی الاولی کی چوبیسویں اور جون کی اٹھائیسویں تاریخ پہلے شریف پاشا وزیر حقانیہ و تجارت مصر نے راس التین نامی شہر حکومت واقع اسکندریہ میں ان محکموں کے ججوں کو جن میں آدھے مصری اور آدھے رعایا

ممالک غیر تھے۔ نہایت مہربانی اور عزت کے ساتھ اکٹھا کیا۔ پھر اپنے ساتھ راس التین کے
درباری کمرے میں لے گئے۔ اس کمرے میں محمد توفیق پاشا وزیر صیغہ امور داخلی۔ اور منصور پاشا
اور اسمٰعیل صدیق پاشا۔ اور بعض اور اُمرائے دولت مصر پہلے سے موجود تھے +
جب دربار جم چکا تو جناب خدیو مصر مصاحبوں سمیت درباری کمرے میں رونق افروز ہوئے
اور بہ ہیئت مجموعی تمام درباریوں کا سلام لیا۔ پھر جناب خدیو نے اہل دربار کی طرف مخاطب
ہوکر زبان فرنچ میں مندرجہ ذیل تقریر کی :۔

تقریر خدیو مصر

ہمارے نہایت بزرگ اور صاحب شوکت حاکم حضرت سلطان معظم (یعنی سلطان روم) کی مدد اور
اُن سلطنتوں کی موافقت سے جو ہم سے رابطہ دوستی رکھتی ہیں۔ مجھے امور عدالت کی بنا اصلاح
اور نئے محکموں کے اجرا کی اجازت حاصل ہوئی ہے +
یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مَیں اپنے گرد ذی عزت ججوں کا ایک ایسا مجمع دیکھتا ہوں کہ عدل
اور انصاف اُن کے ہاتھ میں کمال امنیت اور وثوق کے ساتھ سونپا گیا ہے +
تم لوگوں کی روشن عقلیں۔ اس کام کے تمام فائدوں کی ذمہ دار ہیں۔ تم لوگوں کی تجویزیں
مسلم اور ناطق اور معتبر۔ اور لوگوں کی عزت اور اطاعت کا وسیلہ ہونگی +
انشاء اللہ یہ بات دنیا میں مشہور ہوگی۔ اور تواریخ مصر میں لکھی جائیگی۔ اور زمانہ حال کے نئے
تمدن کے دائرہ کا نقطہ مرکز ٹھہرے گی۔ مجھے یقین کامل ہے کہ خدا کی اعانت اور عنایت سے
یہ امر عظیم آیندہ کی امن و امان کا باعث ہوگا +
جب یہ تقریر ختم ہوچکی تو اہل دربار نے تھوڑی دیر سکوت کیا اور پھر اظہار سرور اور ادائے
شکر اور مبارکباد کی طرف مائل ہوئے چنانچہ شریف پاشا نے تمام ججوں کی طرف سے نیابتاً زبان
فرنچ میں مندرجہ ذیل تقریر کی :۔
جناب عالی مَیں حضور سے اجازت چاہتا ہوں کہ بحیثیت وزیر حقانیہ ججوں کی طرف سے
نیابتاً حضور کو مبارکباد دوں۔ کہ اس قاعدے کے مقرر ہونے۔ اور ان محکموں کے جاری ہونے
سے بہت بڑی ترقی کا اثر ظاہر ہوا۔ مَیں حضور سے اُمیدوار ہوں کہ حضور یہ مبارکباد اور
شکریہ قبول فرمائیں +

مجھے اُمید ہے کہ یہ جج لوگ حضور کے اعتماد کے بموجب سلطنت کے حالیہ اور آیندہ فائدوں کے لیئے دل و جان سے کوشش کریں گے۔ کیونکہ عدل و انصاف جو اُن لوگوں کا کام ہے اُسکے یہی معنی ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنے عہدہ کا حق نہایت ہوشیاری اور دیانت اور شرافت کے ساتھ ادا کرتے رہیں ✤

حضور کے فرماں بردار کو یقین ہے کہ یہ لوگ حضور کی رائے روشن کے فیض سے سعادت امینت حاصل کر کے اپنے عہدہ کے فرائیض جیسا کہ چاہیئے ادا کرینگے۔ اور آثار حسنہ کے پھیلانے میں نہایت موثر مدد دینگے۔ اور اس بزرگی کے حاصل کرنے پر حریص ہوں گے کہ اُن کے نام ہماری اولاد کے لوح دل پر نقش ہو جائیں ✤

اس قاعدے کا جاری ہونا قطع نظر اس کے کہ سلطنت مصر کی حالیہ اور آیندہ سرسبزی سے علاقہ رکھتا ہے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ حضور کے عہد حکومت کی خوبیوں میں سے ایک بینظیر یادگار ہے ✤

اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد کُل صیغوں کے وزرار اور ممبران مجلس خاص (پریوی کونسل) اور افسران بری و بحری۔ اور حکام ممالک اور تاجران معتبر اور افسران بنک نے درجہ بدرجہ جناب خدیو کی حضور میں مبارکباد دی۔ اور شکر ادا کیا۔ پھر لوگ خوشی اور شادمانی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ رسم افتتاح نہایت خوبی کے ساتھ ادا ہوئی ✤

ڈیڑھ گھنٹے کے بعد غیر سلطنتوں کے سفیروں نے علی الترتیب روبرو استادہ ہو کر ان محکموں کے کھلنے کی مبارکباد دی۔ اور اس بات کا شکریہ ادا کیا کہ مختلف سلطنتوں کے اتفاق رائے اور تائید سے حضور نے صیغہ عدالت میں معقول اصلاح کی۔ اور دُعا دی کہ یہ رسم افتتاح روز بروز ملک مصر کے تمدن اور ترقی کا باعث ہو ✤

کیسی خوشی کی بات ہے کہ اس موقع پر خدیو مصر و شریف پاشا نے فرنچ میں اسپیچ کی ✤

دُنیا میں دو قسم کے امور ہیں۔ ایک روحانی اور دوسرے جسمانی۔ یا یوں کہو کہ ایک دینی اور دوسرے دنیاوی۔ سچا مذہب امور دُنیاوی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ ہاں چند منظم باتوں کو جن کا اثر اخلاق پر زیادہ تر ہے۔ اور گو وہ دُنیاوی ہوں بیان کر دیتا ہے۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ اسلام بھی جو بیشک ایک سچا مذہب ہے انہی اصول پر مبنی ہے۔ اور ہمارے رسول مقبول کا یہ قول کہ ما اتاکم من امر دینکم فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا اسپر دلیل کامل ہے۔ اور قریب

زمانہ نبوت میں اسی اصول پر عملدرآمد رہا۔ اور کچھ کچھ اُس کا اثر عہد خلفاء تک بھی باقی رہا۔ جنہوں نے مدت سماعت مقدمات کی تیس برس۔ اور پھر پندرہ برس۔ اور دعوی شفع کے لیئے مدت سماعت ایک مہینہ مقرر کی اور گواہ سے قسم لینے اور قرآن مجید اُس کے ہاتھ میں رکھنا تجویز کیا جسکی کوئی سند یا اجازت مذہب میں نہ تھی۔ مگر رفتہ رفتہ وہ عمدہ اصول بالکل نسیاً منسیاً ہوگیا +

اگلے زمانہ کے نیک اور متدین۔ مگر مذہب کی طرف زیادہ متوجہ عالموں نے یہ خیال کیا کہ جہانتک ہوسکے ہر ایک کام کسی مذہبی سند پر کیا جاوے۔ پس جو واقعہ یا امر پیش آتا اُس کے لیئے فکر کرتے کہ اُسکو کس مذہبی سند سے متعلق کریں اور پھر خواہ نخواہ کھینچ تان کر اور تاویلات و استدلات دُور از کار کر کے کسی نہ کسی سند کے متعلق کر دیتے تھے۔ یا کسی اصول عام کے۔ جس کو خود انھیں نے قایم کیا تھا تابع کر دیتے تھے۔ اُن عُلماء کے اقوال و استدلالات رفتہ رفتہ مدون ہونیلگے جن کی بدولت کتب فقہ و اصول فقہ ہمارے ہاں پیدا ہوگئیں۔ اُس زمانہ میں تمام لوگ اُن علماء کے اقوال و استدلال کو ایک رائے سے زیادہ رُتبہ کا نہیں سمجھتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ خود اُن علماء کے اقوال بطور سند کے تصور ہونیلگے۔ اور پھر ایک زمانہ کے بعد وہی مذہب اسلام سمجھا گیا۔ اور شرع اُس کا نام ہوگیا۔ اور غیر مذہب والوں نے شرع محمدی اُس کا نام رکھا۔ اور جو نقایص اُس میں معلوم ہوئے اُس سے اسلام میں اُنھوں نے نقص سمجھے۔ حالانکہ اسلام اُس سے بالکل بری ہے اگر بالفرض تمام اجتہادات و استدلالات حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں نقص ثابت ہوجاوے تو بھی اسلام میں کچھ نقص نہیں آتا۔ وہ جیسا خدا کے ہاں سے اترا۔ ویسا ہی پاک و صاف ہے +

اس طریق سے جو علماء نے اختیار کیا ایک یہ فائدہ تو بلاشبہ ہوا کہ مسلمانی فقہ ایسی عمدہ اور موجہ و مدلل ہوگئی کہ کسی قوم میں ویسی عمدہ فقہ نہیں۔ مگر مفصلۂ ذیل نقصان بھی پیدا ہوگئے +

اوّل یہ کہ تمام لوگوں کے خیالوں میں یہ غلط مسئلہ جم گیا کہ مذہب اسلام تمام دنیاوی امور سے بھی تعلق ہے۔ اور کوئی دنیاوی کام بے سند یا اجازت مذہبی کے نہیں کیا جاسکتا +

دوسرے یہ کہ جو مسائل علما نے اپنے اجتہاد و قیاس سے و بلحاظ حالات وقت و عادت اہل زمانہ یا رواج مُلک قرار دیئے تھے اگر وہ مسائل رُتبہ میں بطور رائے ایک عالم یا جج یا مفتی و قاضی کے رہتے تو کچھ نقصان نہیں تھا۔ مگر نقصان یہ ہوا کہ وہ عین مذہب اسلام کے مسائل قرار پاگئے اور سوائے پیغمبر خدا صلعم کے اور بہت سے لوگوں کو مرتبہ شارع ہونے کا مل گیا +

تیسرے یہ کہ اب اُن مسائل کے برخلاف کرنا خلاف مذہب اسلام کے کرنا تصور ہوا جو

فی الحقیقت ایسا تصور کرنا خلاف مذہب اسلام ہے نہ اُس کے برخلاف کرنا +

چوتھے یہ کہ جب یہ خیال جما کہ مسائل مذکورہ عین مذہب اسلام ہے تو ضرور ہوا کہ اُس کو خدا کا دیا ہوا مانا جاوے۔ اور جب خدا کا دیا ہوا مانا گیا تو ضرور ہوا کہ اُسکو کافی اور کامل سمجھا جاوے۔ اس خیال نے اس بات پر مائل کیا کہ کتب فقہیہ واسطے سیاست ملکیہ کے بالکل کافی ہیں۔ اور اب ہمکو نہ سِوِل کوڈ کی ضرورت ہے نہ سِوِل پرسیجر کی۔ نہ کرمنل کوڈ کی ضرورت ہے نہ کرمنل پرسیجر کی۔ نہ ریونیو کوڈ کی ضرورت ہے اور نہ ترید کوڈ کی۔ حالانکہ کتب موجودہ فقہیہ ان میں سے ایک کے لیئے بھی کافی نہیں ہیں +

ان تمام نقصوں نے کل سلطنت ملئے اسلامیہ کو ڈبو دیا اور غارت و برباد کر دیا۔ اور جو رہی سہی ہیں وہ بھی غارت و برباد ہوتی جاتی ہیں۔ قبول کرو کہ علمائے متقدمین اسلام بڑے عالم تھے بڑے ذہین تھے۔ بڑے فلسفی تھے بڑے منتظم تھے۔ مگر جو کچھ کہ اُنھوں نے دنیاوی امور کی نسبت کیا اور لکھا وہ اُس زمانہ کی حالت کے نہایت مناسب تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اُس زمانہ میں سب سے مقدم اور سب سے اعلے اور سب سے بڑے فتحمند تھے۔ مگر زمانہ روز +

خط وکتابت

اگر ہم اپنی قوم کے طریقہ خط وکتابت کی درستی پر بھی کچھ لکھیں تو شائد نامناسب نہ ہوگا۔ جس طرح ہماری قوم میں اور بہت سی فضول و نامناسب باتیں مروج ہیں اسی طرح خط وکتابت کے طریقہ میں بھی بہت سی فضول و لغویات شامل ہیں اور ایسی باتیں بھی ہیں جو ہماری سمجھ میں مذہب اسلام کی عمدہ اور پر اثر باتوں کو بے اثر اور کمیل بنا دیتی ہیں +

جب ہم کسی خط کو پڑھتے ہیں تو اُس میں ایک بہت لمبا چوڑا القاب و آداب پاتے ہیں اُن دونوں میں صرف شاعرانہ الفاظ ثنا و صفت مکتوب الیہ کے ہوتے ہیں جو درحقیقت مکتوب الیہ میں نہیں ہیں۔ حالانکہ القاب میں یا تو بیگانہ وار (اگر مکتوب الیہ بیگانہ ہے) کوئی ایسا لفظ ہونا چاہیئے جو خطاب کا مشعر اور مخاطب کرنے کے لیئے کافی ہو۔ یا اُس دلی تعلق یا ادب کو ظاہر کرتا ہو جو درحقیقت کاتب کو مکتوب الیہ سے ہو +

آداب معلوم نہیں کیا نوچیز ہے۔ ایشیا کے امرا اور بادشاہ ہمیشہ اس خیال میں تھے کہ جو ہم سے کمتر ہیں وہ بمنزلہ ہمارے غلاموں کے ہیں اور بدبختی سے وہ لوگ بھی اپنے تئیں ایسا ہی سمجھتے

تھے اور ہر قسم اور ہر موقع کی ملاقاتوں اور بات چیت میں دونوں اُس خیال کو کبھی بھولتے نہ تھے۔ اس سبب سے آپس کی تحریروں میں بھی وہ رسم جاری ہوئی جو خط و کتابت کے لیئے زیبا نہیں ہے فضول و بے معنی وقت ضایع ہونے کے سوا آداب کے لفظوں کی رعایت سے دلی مطالب علے الخصوص اُس زور یا جوش سے جو دل میں ہے ادا نہیں ہو سکتے۔ قوم کے دل میں جو ایک غلامانہ انفعال پڑا ہوا ہے وہ دور نہیں ہو سکتا۔ ہمکو اُمید ہے کہ ہمارے اس آرٹکل کے پڑھنے والے ادب میں اور خطوط میں جو آداب لکھا جاتا ہے۔ اور نیز ادب میں اور غلامانہ انفعال میں جو فرق ہے اُسکو نظر انداز نہ کرینگے +

اُس کے بعد نہایت شوق و ذوق سے اشتیاق ملاقات لکھا جاتا ہے اور خلوص عقیدت و محبت جتائی جاتی ہے جس کا ایک لفظ بھی صحیح اور واقعی نہیں ہوتا۔ اور اگر صحیح بھی ہو تو اُسکو مقدمہ مطالب بنانے سے کیا مطلب ہے۔ اس رسم نے ایسا رواج پایا ہے کہ دوست و دشمن دونوں کے خطوط کی طرز تحریر میں کچھ فرق و امتیاز نہیں رہا ہے۔ خط پڑھنے سے جو الفاظ محبت یا اشتیاق اُس میں لکھے ہیں اُن کا کچھ بھی اثر دل پر نہیں ہوتا بلکہ ایک معمولی تحریر سمجھی جاتی ہے جو دوست دشمن سب کو لکھی جاتی ہے۔ خود پڑھنے والا جانتا ہے کہ میں بھی اس سے زیادہ چکنے چپڑے الفاظ لوگوں کو لکھتا ہوں جن کا کچھ بھی اثر میرے دل میں نہیں ہے۔ ان رسموں نے خط و کتابت کا جو سب سے بڑا نتیجہ ہے اور حالت مفارقت میں محبت و اخلاص کے ازدیاد کا ذریعہ ہے اُس کو بالکل خاک میں ملا دیا ہے +

ہماری قوم کے مقدس لوگوں نے ان دنیاوی تحریرات میں ایک اَور مذہبی طرّہ لگایا ہے کوئی خط بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے خالی نہیں ہوتا۔ بہت سے بزرگ اپنے خطوط کے عنوان پر "مبسملا" "محمدلا" "حامدا" "مصلیا" "مسلما" لکھتے ہیں۔ لفافوں پر "انشاء اللہ تعالیٰ" "بعونہ تعالیٰ" "بمنہ وکمال کرمہ" تحریر فرماتے ہیں۔ اور جن بزرگوں کا مذاق عمل عملیات کی طرف مائل ہے وہ لفافہ پر "حوالہ قطمیر" بھی لکھ دیتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ان الفاظ کی تحریر سے ہمارا خط ضرور مکتوب الیہ تک پہونچے گا۔ مگر اکثر دیکھتے ہیں کہ ان الفاظ کی کچھ بھی تاثیر نہیں ہوتی۔ ڈاک کے جن اکثر خطوط ادنیٰ سے بچاتے ہیں جو اس سے بھی ادنیٰ خیال کے لوگ ہیں۔ وہ لفافوں پر "چو تہر برد بگیراں" لکھ دیتے ہیں تاکہ کوئی دوسرا شخص اُن کے خط کو کھول کر نہ پڑھ لے +

ہمکو نہایت افسوس ہے کہ لوگوں نے اسلام کے مقدس الفاظ و مضامین کو ایک دل لگی

کی بات بنالیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ نہایت دینداری اور خدا پرستی اور نہایت ہی اتقار اور ٹھیٹ سنت پر چلنے کا کام ہے حالانکہ اس سے زیادہ اسلام اور اُس کے مقدس الفاظ و مضامین کی بے ادبی نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے ایسی قسم کے برتاؤ سے اسلام کی برکت اور منزلت اُن کے دل میں نہیں رہی بعوض اس کے کہ اسلام کی باتوں سے اُن کے دل میں نیکی خضوع اور خشوع پیدا ہو سختی اور قساوت پیدا ہوتی ہے +

وہ بسم اللہ خط پر لکھتے ہیں مگر اُن سے پوچھو کہ لکھتے وقت اُس پاک کلام اور مقدس الفاظ کے معانی اور مطلب کا کچھ بھی خیال اور دھیان تمھارے دل میں آتا ہے جس طرح اور لفظ شوقیہ و سخت و سست قلم سے نکلے جاتے ہیں اُسی طرح بے خیال بسم اللہ بھی لکھ دی بلکہ میں نے غلط کہا شاید اگر کسی محبوب کو خط لکھا جاتا ہو تو الفاظ شوقیہ و محبت کا کچھ اثر دل میں معلوم ہوتا ہوگا۔ کسی کو سخت و سست لکھنے میں بھی دل میں کچھ اثر غصہ کا پیدا ہوتا ہوگا۔ مگر بسم اللہ لکھتے وقت خدا کا دھیان بھی نہیں ہوتا۔ ہم نے بڑے بڑے شخصوں کو دیکھا ہے کہ شطرنج کا تماشا دیکھ رہے ہیں اور خط پر حامداً لکھ رہے ہیں ح۔ الف لکھا تھا کہ بولے وہ پیادہ مرا۔ وہ پیادہ مرا بھی میم۔ دال لکھی اور کہا وہ کشت۔ اتنے میں الف لکھا اور بولے وہ مات۔ غور کرو کہ اس طرح پر مذہبی مقدس الفاظ کا برتاؤ کیا کچھ دل میں نیکی پیدا کر سکتا ہے ؟

ہم نے ایسا بھی دیکھا ہے کہ خدمتگار پر خفا ہو رہے ہیں اور گالیاں دے رہے ہیں اور قلم سے خط کے سرے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیاً لکھ رہے ہیں۔ ایک گالی پر بسم اللہ اور دوسری پر حامداً اور تیسری پر مصلیاً لکھا جا رہا ہے +

ہم نے ایسے خط بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیاً لکھے دیکھے ہیں جن میں تمام دنیاوی مزخرفات بھرے ہوئے ہیں اُن کاموں کے کرنے کے حکم اور صلاحیں مندرج ہیں جو ایماناً۔ اخلاقاً۔ شرعاً ممنوع و حرام ہیں۔ بعضے خطوں کا یہ فقرہ بھی یاد ہے کہ از دیگر حالات ہم مطلع فرمایند۔ لفظ دیگر کی تشریح ہم نکریں گے صرف مولوی کا یہ شعر پڑھ دینگے +

خوشتر آں باشد کہ ستر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

پھر کیا ایسی سنت تحریری بجا لانے سے کچھ ایمان و اسلام کی برکت دل میں بیٹھ سکتی ہے +

شاید یہ کہا جاوے کہ یہ تو رند مشربوں کا حال ہوا۔ بزرگ و مقدس لوگوں کا لکھنا اس طرح پر نہیں ہے۔ غالباً یہ بات صحیح ہو مگر تجربہ سے۔ مشاہدہ سے۔ عقل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب مذہب کی مقدس باتوں کو دنیاوی باتوں میں ملا دیا جاتا ہے۔ اور بطور مذہبی تقدس کے اُسکو نہیں برتا جاتا تو اُن کی کچھ عظمت اور اُن کا کچھ اثر دل میں نہیں رہتا۔ انصاف سے کہو کہ وہ لوگ جو رات دن تسبیح ہلاتے پھرتے ہیں اور جہاں بیٹھتے ہیں اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ دو باتیں کیں اور اللہ اللہ کہہ کر دانے اِدھر کے اُدھر کر دیئے تین لغویات مونھ سے نکالیں اور اللّٰھم صلّ پڑھنے لگے۔ رفتہ رفتہ انگلیوں کو وہ مشق ہو گئی کہ وہ کچھ پڑھیں یا نہ پڑھیں یہ دانے اِدھر کے اُدھر کرتی چلی جاتی ہیں۔ کیا ایسے برتاؤ سے خدا کے نام کی عظمت اور برکت دل میں رہتی ہے۔ کیا ایسی حالت میں خدا کا نام سنتے ہی خضوع و خشوع دل میں پیدا ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے برتاؤ سے خدا کا نام لینا اور کسی کو بدذات کہنا دونو برابر ہو جاتے ہیں۔ نہ اِس کا کچھ اثر ہوتا ہے نہ اُسکا ؛

ہر ایک کام میں خدا سے مدد چاہنا اور اُسکی طرف رجوع کرنا نہایت عمدہ مسئلہ ایمان و اخلاق کا ہے۔ مگر یہ ایک فعل قلبی ہے جس کے ساتھ ممکن ہے کہ زبان بھی شریک ہو۔ مگر صرف قلم سے لفافہ کے سرے پر انشاء اللہ لکھ دینا چہ معنی دارد۔ نہایت عمدہ بات ہے کہ خط کے پہنچنے میں بھی خدا پر بھروسا کرو۔ اُس سے مدد چاہو۔ مگر لفافہ پر انشاء اللہ کی چڑیا بنانے سے کیا مطلب ہے؟

میرے ایک دوست نے (جو اِس قسم کی رسمیات کے نہایت پابند اور پُرانے فیشن اور پُرانے خیالات پر نہایت مستحکم ہیں) مجھ سے کہا کہ درحقیقت ایمان کی بات تو یہی ہے کہ جس طرح ہم خط پر مشفق مہربان ایک رسم کے موافق لکھتے ہیں اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھ دیتے ہیں جس طرح شہر کا نام لکھا۔ پتہ لکھا۔ اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھ دیا۔ بس اب غور کرنے کی بات ہے کہ کیا ایسی صورتوں میں اسلام کی برکتیں نصیب ہو سکتی ہیں؟ یہ اسلام کے کام ہی نہیں ہیں۔ یہ تو مثل اَور رسمی باتوں کے رسمی کام ہیں۔ غیر مذہب کے لوگ جب ہمارے خطوں کے لفافے دیکھتے ہیں ہنستے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کیا احمق مذہب ہے جو یہ خیال بتلاتا ہے کہ ایسے لفظوں کے لکھنے سے خط تلف نہیں ہوتا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ صاحب مذہب تو احمق نہیں ہے مگر لکھنے والے احمق ہیں +

بعضے دوست ہمسے کہتے ہیں کہ یہ سب صحیح مگر مسلمانوں کے خطوط پر ایسے الفاظ ہونے مسلمانی کی نشانی ہے۔ مگر ہم نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ جناب ہم ہندوؤں کی طرح خط کے ماتھے پر قشقہ لگاکر اور گلے میں زنار ڈال کر مسلمانی پہچنوانا نہیں چاہتے۔ اگر دل کی آنکھیں اندھی ہیں تو خط پر بسم اللہ کا قشقہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہے ؀

جناب رسول خدا صلعم نے اپنے فرامین پر بسم اللہ لکھی ہو پھر کیا وہ نامی انھی مضامین کے تھے اور انھی مقاصد کے تھے جن مقاصد و مطالب میں تم اپنی روزانہ خط وکتابت کرتے ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے خطوط پر بسم اللہ لکھنی سنت سمجھتا ہو تو نہایت بے ادب و گستاخ ہے اور کچھ بھی قدر و منزلت سُنت کی نہیں جانتا۔ اسی بات کو تو ہم روتے ہیں کہ مسلمان مذہب کو مذہب کی طرح نہیں برتتے بلکہ اُس کا کھیل بناتے ہیں ؀

یہودیوں کا بھی یہی حال تھا کہ محض ظاہری باتوں کو اُنھوں نے یہودیت سمجھی تھی اور اُنکے ہاں کے علماء و فقہاء جو ربی اور قومین کہلاتے تھے صرف ظاہری باتوں پر چلتے تھے۔ اُنہوں نے بھی اپنے ہاں دو فرقہ قایم کیئے تھے۔ ایک صدوقی جیسے سُنیوں میں اہل حدیث اور وہابی اور شیعوں میں اخباری دوسرا فروسی۔ جیسیکہ سُنیوں میں فقہی اور شیعوں میں اصولی۔ یہ دونوں فرقے ذرا ذراسی باتوں پر بحث کرتے تھے اور اُسی کو کمال دینداری جانتے تھے۔ اِس بات کی بڑی احتیاط کرتے تھے کہ بکرا اِس قدر اُنگشت یعنی چھُری سے تین رگڑوں میں ذبح ہو۔ مگر اِس بات کی کچھ پروا نہتھی کہ آیا کہاں سے تھا۔ توریت کو بے طہارت چھونے اور بے لوبان جلائے کھولنے میں بہت احتیاط ہوتی تھی۔ مگر اس بات کی کہ اُس میں لکھا کیا ہے کچھ پرواہ نہتھی۔ مکان پر۔ مراسلوں پر۔ چھاتی پر آیات توریت کے حروف مقطعات کا نقش لگانا نہایت ایمان اور اتقاء کا کام سمجھتے تھے۔ مگر جو بدی سینہ میں بھری ہوئی تھی اُس کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ یہی حال بعینہٖ ہمارے زمانہ کے مقدس لوگوں کا ہے۔ گول عمامہ۔ برج کی صورت کا عمامہ۔ عرب والوں کے عملی کی طرح کا عمامہ سر پر باندھے۔ شملہ کئی اُنگل کا چھوڑے اُس کی تحقیق کیئے اور ٹھیک گدی کے پیچھے لٹکائے۔ ریش مبارک منگنمن پھٹکارے۔ قمیص مسنون پہنے۔ اسپر صدری عربی لگائے۔ اور اُس پر عبائے کسرانی جس کو بعضی کتابوں میں خسروانی منسوب الی کیخسرو کافر بادشاہ فارس لکھا ہے زیب تن کیئے مسجد یا خانقاہ یا کسی مسئلہ اسلامی میں تشریف رکھتے ہیں۔ بعضے نہایت سادہ سیدھا دیہاتیوں کا سا لباس اپنی سادگی اور محض للہیت

اور خالص بے تکلفی جتانے کو پہنے ہوئے پھرتے ہیں ۔ مگر پوچھو تو سہی کہ تمھارے دل بھی کسی لباس پر تکلف یا ملبوس سادہ سے آراستہ ہیں بجز اسکے کہ مسواک اتنی لنبی ہو ۔ اور ڈاڑھی اتنی مٹھی ۔ پیجامہ اتنا اونچا ہو اور کرتہ اتنا نیچا ۔ اور کچھ نہیں ۔ اور اگر کچھ ہے تو یہ ہے کہ جو کچھ ہم کریں وہ سب ثواب اور جو کچھ دوسرا کرے وہ سب عذاب ہے " قل أتخذتم عند الله عهدا فان يخلف الله عهده ام تقولون على الله ما لا تعلمون "

ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہمکو شایستہ ہونا چاہیئے ۔ دنیا کے کاموں کو دنیا کی طرح اور دین کے کاموں کو دین کی طرح برتنا چاہیئے ۔ دونوں کو خلط ملط کر کر بگاڑنا اور مذہبی باتوں کو دنیاوی باتوں میں گڈمڈ کر کر غیر مذہب والوں کو ہنسوانا نہیں چاہیئے ۔ دنیاوی باتوں کے خطوط پر بسم اللہ نہ لکھنی درحقیقت اللہ کے نام کا ادب کرنا ہے ۔ لفافہ پر انشاء اللہ کی چڑیا نہ بنانی در اصل خدا پر بھروسا کرنا ہے ۔

واللہ المستعان و

علیہ التکلان

+



حصہ دوم

مضامین مذہبی و علمی

مذہب اور عام تعلیم

تعلیم کا عام رواج بلاشمول مذہبی تعلیم کے غیر ممکن ہے۔

انسان کے خیالات جو آیندہ زندگی کی نسبت ہیں جس کو معاد یا آخرت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور جو مذہبی یقین سے پیدا ہوتے ہیں انسان کی ترقی کے اکثر ہارج ہیں۔ بلاشبہ سچا مذہب جو درحقیقت خدا کی طرف سے دیا گیا ہو وہ انسان کی کسی قسم کی ترقی کا مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انسان کا تنزل لوازم انسانیت سے خدا کا مقصد نہیں ہے۔ ورنہ انسان کو انسان بنانے کی کیا ضرورت ہوتی۔ مگر جب اُس سچے مذہب میں بھی لغو خیالات اور بدتعصبات مل جاتے ہیں وہ ویسا ہی انسان کی ترقی کا ہارج ہو جاتا ہے۔ اور جبکہ لغو اور مہمل رسومات ملکی اور قومی کا اُس میں خلط ہو جاتا ہے جیسا کہ اب مسلمانوں کا حال ہے تب وہ سم قاتل ہوتا ہے۔

اس مقام پر ہمکو اس امر سے زیادہ بحث کرنی منظور نہیں ہے بلکہ صرف اسی قدر ظاہر کرنا منظور تھا کہ مذہبی خیالات انسان کی ترقی پر فی الواقع کس قدر اثر رکھتے ہیں اور جس مطلب پہ یہ بیان

ہوا ہے وہ ابھی چند سطروں کے بعد ظاہر ہو جاویگا ✦

یہ مذہبی خیالات گو کیسے ہی طرح ترقی انسان کے ہوں مگر کوئی قوم اور کوئی ملک ایسا نہیں پاتے جس میں اس قسم کے خیالات نہ ہوں مگر بلا شبہ یہ بھی پاتے ہیں کہ جس ملک میں مذہبی تعصبات ناواجب اور جہالت آمیز اور توہمات و خیالات احمقانہ اور وحشیانہ کم ہیں وہاں اُسی قدر انسانیت کو ترقی ہے ✦

اس ہرج کے رفع کرنے کے لیئے اور تعلیم کو عموماً پھیلانے کے لیئے بعض شایستہ اور تربیت یافتہ قوموں اور ملکوں میں دو طرح پر کوشش ہوئی - ایک گروہ تو اس بات پر مستعد ہوا کہ مذہبی تعلیم بالکل موقوف کیجاوے جو باہمی اختلاف اور تباین کا باعث ہے اور سب لوگ متفق ہو کر اس قسم کی تعلیم میں کوشش کریں جو بلا اختلاف سچ اور فایدہ مند ہے - اگرچہ اس گروہ میں بہت بڑے بڑے عاقل اور فاضل اور لایق آدمی شامل تھے مگر اُن کی کوششوں کی کامیابی کی کچھ بھی توقع نہ ہوئی اور نہ ہوگی اس لیئے کہ مذہبی خیالات کو تمام انسانوں کے دلوں میں نکال ڈالنا جن کی تعلیم میں کوشش مقصود ہے ایک ایسا امر ہے جس کے ہونے کی ابھی سینکڑوں برس تک توقع نہیں ہے ✦

دوسرے گروہ کی کوششوں کا اصلی مقصد تعلیم مذہبی پر کوشش کرنا تھا اور اَور علوم کی تعلیم اُس کے ساتھ بطور ضمنی تعلیم کے تھی - ہم دیکھتے ہیں کہ اس گروہ نے نہایت کامیابی حاصل کی اور اُس کے سبب سے بے انتہا علوم و فنون نے ترقی پائی اور نہ اپنی قوم اور ملک کو فایدہ دیا بلکہ دُور دُور کی قوموں اور دُور دُور کے ملکوں کو ہر قسم کی خوبیوں اور فایدوں سے اپنا احسانمند بنایا اور آیندہ نسلوں کی تعلیم کے لیئے کروڑوں روپیہ جمع کر جانے اور کتب خانوں اور مدرسوں اور کالجوں کے بنانے اور یونیورسٹیوں کے قایم کر جانے سے جس میں کروڑوں اور پدموں روپیہ خرچ ہو گیا - تمام علوم و فنون کا دروازہ کھولا - اگر اس طریقہ سے تعلیم میں کوشش کرنیکا اصلی مقصد وہ مذہبی خیال نہ ہوتا تو اُس کا ہزاروں حصہ بھی اسباب رواج تعلیم کو مدد نہ پہنچتی بلکہ اُس زمانہ میں جس میں کہ یہ سب سامان جمع ہوا ایک شخص بھی اُسکی تائید نہ کرتا ✦

اس طریقہ کی سعی میں جو نقصان تھا وہ صرف یہ تھا کہ بد تعصبات مذہبی کی ترقی کا اندیشہ تھا مگر تعلیم نے خود اُس نقص کو مٹا دیا اور ضرورت تمدن و معاشرت نے بالکل معاملہ برعکس کر دیا یعنی جو تعلیم اُس زمانہ میں اصلی مقصد ٹھہرائی گئی تھی وہ اصلی ہو گئی - تعصبات بہت گھٹ گئے

متعصبانہ بہت سی رسمیں موقوف ہوگئیں اور جو دو چار باقی ہیں اُمید ہے کہ وہ بھی دور ہونگی اور جو انسان کی انسانیت کا مقتضی ہے وُہ پورا ہوگا +

اب مسلمانوں کے حالات پر غور کرو۔ کہ وہ لوگ تمام علوم میں تعلیم پاتے تھے۔ فلسفہ کے بڑے دوست تھے۔ طب و ریاضی سے محبت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری اور علم ادب کے عاشق تھے اور اُن سب کے ساتھ مذہبی علوم کی بھی تعلیم تھی۔ اور اسی پچھلے خیال کے سبب اُن مدرسوں اور دارالعلوموں کے لیئے روپیہ کی ہر طرف سے مدد پہونچتی تھی جس کے سبب سے وہ تعلیم قایم تھی حالانکہ اُنہی مدرسوں میں سے ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے تھے جو لا مذہب بلکہ مذہبی خیالات کے دشمن ہوتے تھے مگر اُن تمام چیزوں کے لیئے مدد اور سامان بہم پہونچنے کی کچھ مشکل نہ ہوتی تھی +

اس بات کی تصدیق کے لیئے پچھلے حالات شاہد ہیں اور ہماری دو نامی یونیورسٹیاں قرطبہ اور بغداد کی گو مرگئی ہیں مگر پھر بھی اس واقعہ کی سچائی پر گواہی دے رہی ہیں۔ بھلا اُن پچھلی باتوں کو جانے دو۔ کل کی بات ہے کہ دہلی میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا مدرسہ عزیزیہ انہیں اسباب اور وجوہات سے قایم تھا جس کے پڑھے ہوئے اَب بھی چند لوگ زندہ موجود ہوں گے غرض ہماری اِن سب باتوں سے یہ ہے کہ جو لوگ ہندوستان میں مسلمانوں کی عام تعلیم پر کوشش کرتے ہیں اُن کو یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ عام تعلیم کا رواج کسی قوم کے زن و مرد میں بغیر شمول تعلیم مذہبی کے نہ ہوا ہے نہ ہوگا اور نہ دنیا میں کوئی مُلک اور کوئی قوم ایسی موجود ہے جس میں عام تعلیم کا رواج بلا شمول مذہبی تعلیم کے ہوا ہو +

زمانہ حال میں جس قدر وسیلے تعلیم کے موجود ہیں اُن میں وُہی نقص ہے جس کے سبب ہندوستان میں اور خصوصاً مسلمانوں میں اسباب تعلیم مجتمع نہیں ہوتے اور عموماً تعلیم کا رواج باوصف بے انتہا کوشش اور سعی گورنمنٹ کے نہیں ہوتا ہے +

مگر ہمکو نہایت انصاف سے اس بات پر غور کرنی چاہیئے کہ کیا گورنمنٹ کا اس میں کچھ قصور ہے۔ ہم نہایت سچے دل سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہر قسم کے الزام سے اس بات میں بالکل بری ہے۔ ہندوستان میں گورنمنٹ کی رعایا مختلف مذاہب کی ہے اور وہ خود اُن سب سے مختلف مذہب رکھتی ہے اور اس سبب سے وہ کسی قسم کی مذہبی تعلیم کو شامل نہیں کرسکتی تھی ہم نہایت سچے دل سے کہتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جس قدر ناطرفدار طریقہ تعلیم کا اور مذہبی خیالات سے بالکل بچا ہوا اور اچھوتا اختیار کیا ہے اور جس قدر سعی اور کوشش ہندوستان

کی تعلیم میں گورنمنٹ نے کی ہے وہ دونوں بے مثل اور بے نظیر ہیں اور غالباً اسوقت دنیا کے پردہ پر اسکا نظیر موجود نہیں ہے مگر اسپر بھی جو امر عام تعلیم کی ترقی کا مانع ہے اُس کا رفع کرنا گورنمنٹ کی قدرت سے باہر ہے وہ یہ کر سکتی تھی کہ اپنے تئیں مذہبی تعلیم سے بالکل علیحدہ رکھے۔ مگر یہ نہیں کر سکتی تھی کہ تمام مذاہب ہندوستان کی یا کسی خاص مذہب یا مذہبوں کی تعلیم اختیار کرے ✦

پس مُسلمانوں میں ترقی تعلیم پر کوشش کرنے والوں کو دو باتوں سے تو نا اُمید ہونا چاہیئے۔ ایک عام تعلیم کے رواج اور قیام سے بغیر شمول تعلیم مذہبی کے۔ دوسرے گورنمنٹ کی جانب سے کسی مذہبی تعلیم کے شروع ہونے میں۔ اور اِن دونوں باتوں سے نا اُمید ہو کر غور کرنا چاہیئے کہ اب اَور کیا تدبیر ہے جس سے مُسلمانوں کی بہتری اور بہبودی ہو۔ اور اُن میں عموماً تعلیم کا رواج ہو۔ اور اعلےٰ اعلےٰ اور ہر قسم کے مفید علموں کی خواہ وہ مذہبی ہوں یا دنیاوی بنیاد قایم ہو۔ ہر شخص اسکا جواب دیگا کہ صرف ایک ہی تدبیر باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خود آپ اپنی تعلیم و تربیت پر مستعد و آمادہ ہوں اور یہ جو ہندی مثل مشہور ہے کہ جیٹھ کے بھروسے پیٹ اُسکی عار نہ اُٹھادیں بلکہ آپ کام مہا کام کی نصیحت حکیمانہ سے نصیحت پکڑیں ✦

یہ بات کہنی کہ مُسلمانوں کو اس کام کے انجام دینے کا مقدور نہیں ہا بالکل غلط ہے۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ کرنے والے اور اسی پر محنت اُٹھانیوالے نہیں ہیں اور ہاں بیشک ہمت بھی کم ہو گئی ہے جو پھر تحریک میں آسکتی ہے ✦

سلطنت اسلامیہ میں بھی یہ کام بالکلیہ گورنمنٹ کے ذمہ نہ تھا۔ شاید دو ایک مدرسہ ایسے ہونگے جن کا خرچ گورنمنٹ دیتی تھی ورنہ تمام مدرسے صرف رعایا کی مدد سے قایم تھے جو اُن کے مدرسوں یا بانیوں کو بطور نذر و نیاز کے اُن کے قایم رکھنے کو روپیہ دیتی تھی۔ کیا شاہ عبدالعزیز صاحب کا مدرسہ اور شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ بغیر لوگوں کی نذر و نیاز دینے کے جس کو حال کی زبان میں چندہ یا سبسکرپشن یا ڈونیشن کہتے ہیں قایم رہ سکتی تھی۔ پس ہر مقام میں مُسلمانوں کو مستعد ہو کر ترقی تعلیم کے لیئے سعی کرنی چاہیئے اور پھر وُہی وسیلے رواج تعلیم کے خود اپنے آپس میں قایم کرنے چاہئیں۔ اس طرح پر تو البتہ ترقی تعلیم اور بہبودی مُسلمانوں کی عموماً توقع ہے اور بغیر اس کے کچھ توقع نہیں ہے ✦

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمان اس تدبیر سے بالکل غافل ہیں کیونکہ ہم جونپور و علیگڈھ و دیوبند و دہلی و کانپور کے مدرسوں کو بھول نہیں گئے ہیں۔ مگر جس طرز پر وہ قائم ہوئے اور جس طرح پر اُنکی کارروائی

اُٹھ مونھ ہاتھ دھو کپڑے پہن۔ نوروز کی خوشی منا تیرے بھائی بہن تیرے منتظر کھڑے ہیں۔ تب وہ لڑکا جاگا اور سمجھا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں بڈھا ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنا سارا خواب اپنی ماں سے کہا۔ اُس نے سُنکر اُسکو جواب دیا کہ بیٹا بس تو ایسا مت کر جیسا اُس پشیمان بُڈھے نے کیا بلکہ ایسا کر جیسا تیری دُلہن نے تجھ سے کہا۔

یہ سُن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے کود پڑا اور نہایت خوشی سے پُکارا کہ" اوہی میری زندگی کا پہلا دن ہے۔ میں کبھی اُس بُڈھے کی طرح نہ پچھتاؤں گا اور ضرور اُس دلہن کو بیاہونگا جسنے ایسا خوبصورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا۔ او خدا او خدا تو میری مدد کر۔ آمین۔

پس اے میرے پیارے نوجوان ہموطنوں۔ اور اے میری قوم کے بچو۔ اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو تاکہ اخیر وقت میں اُس بُڈھے کی طرح نہ پچھتاؤ۔ ہمارا زمانہ تو اخیر ہے اب خدا سے یہ دُعا ہے کہ کوئی نوجوان اُٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے۔ آمین۔

بحث و تکرار

جب کتے آپسمیں مل کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کر ایک دوسرے کو بُری نگاہ سے آنکھیں بدل بدل کر دیکھنا شروع کرتے ہیں۔ پھر تھوڑی تھوڑی گونجیلی آواز اُن کے نتھنوں سے نکلنے لگتی ہے۔ پھر تھوڑا سا جبڑا کھلتا ہے اور دانت دکھلائی دینے لگتے ہیں اور حلق سے آواز نکلنی شروع ہوتی ہے۔ پھر باچھیں چر کر کانوں سے جا لگتی ہیں اور ناک سمٹ کر ماتھے پر چڑھ جاتی ہے۔ ڈاڑھوں تک دانت باہر نکل آتے ہیں۔ مُنھ سے جھاگ نکل پڑتے ہیں اور عنیف آواز کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے چمٹ جاتے ہیں۔ اسکا ہاتھ اُس کے گلے میں اور اُسکی ٹانگ اُسکی کمر میں۔ اُس کا کان اِس کے مُنھ میں اور اسکا ٹینٹوا اُس کے جبڑے میں۔ اِس نے اُس کو کاٹا اور اُس نے اِس کو پچھاڑ کر بھنبوڑا۔ جو کمزور ہوا دُم دبا کر بھاگ نکلا۔

نامہذب آدمیوں کی مجلس میں بھی آپس میں اسی طرح پر تکرار ہوتی ہے۔ پہلے صاحب سلامت کر کے آپسمیں مل بیٹھے ہیں۔ پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے۔ ایک کوئی بات کہتا ہے دوسرا بولتا ہے واہ یوں نہیں یوں ہے۔ وہ کہتا ہے واہ تم کیا جانو وہ بولتا ہے تم کیا جانو۔

دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ تیوری چڑھ جاتی ہے۔ رخ بدل جاتا ہے۔ آنکھیں ڈراؤنی ہو جاتی
ہیں۔ باچھیں چر جاتی ہیں۔ دانت نکل پڑتے ہیں۔ تھوک اڑنے لگتا ہے۔ باچھوں تک
کف بھر آتے ہیں۔ سانس جلدی چلتا ہے۔ رگیں تن جاتی ہیں۔ آنکھ۔ ناک۔ بھوں۔ ہاتھ
عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتی ہیں۔ عنیف عنیف آوازیں نکلنے لگتی ہیں۔ آستین چڑھا
ہاتھ پھیلا۔ اُسکی گردن اُس کے ہاتھ میں اور اُسکی ڈاڑھی اُسکی مٹھی میں لپاڈگی ہونے
لگتی ہے۔ کسی نے بیچ بچاؤ کر کر چھوڑا دیا تو غراتے ہوئے ایک اِدھر چلا گیا اور ایک اُدھر
اور اگر کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہوا تو کمزور نے پیٹ کو کپڑے جھاڑتے سر سہلاتے اپنی راہ لی ۔

جس قدر تہذیب میں ترقی ہوتی ہے اُسیقدر اِس تکرار میں کمی ہوتی ہے۔ کہیں غرفش
ہو کر رہ جاتی ہے کہیں توں توں تکار تک نوبت آجاتی ہے۔ کہیں آنکھیں بدلنے اور ناک چڑھانے
اور جلدی جلدی سانس چلنے ہی پر خیر گذر جاتی ہے۔ مگر ان سب میں کسی نہ کسی قدر کتوں
کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے کتوں کی طرح
بحث و تکرار کرنے سے پرہیز کرے ۔

انسانوں میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور اُس کے پرکھنے کے لیے بحث و مباحثہ
ہی کسوٹی ہے۔ اور اگر سچ پوچھو تو بے مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی
پھیکی ہے۔ مگر ہمیشہ مباحثہ اور تکرار میں تہذیب و شائستگی محبت اور دوستی کو ہاتھ سے
دینا نہ چاہیئے ۔

پس اے میرے عزیز ہموطنو جب تم کسی کے برخلاف کوئی بات کہنی چاہو یا کسی کی
بات کی تردید کا ارادہ کرو تو خوش اخلاقی اور تہذیب کو ہاتھ سے مت دو۔ اگر ایک ہی مجلس میں
دو بدو بات چیت کرتے ہو تو اور بھی زیادہ نرمی اختیار کرو۔ چہرہ۔ لہجہ۔ آواز۔ وضع۔ لفظ اُسطرح
رکھو جس سے تہذیب اور شرافت ظاہر ہو مگر بناوٹ بھی نہ پائی جاوے۔ تردیدی گفتگو کے ساتھ
ہمیشہ سادگی سے معذرت کے لفظ استعمال کرو۔ مثلاً یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آیا یا شاید مجھے
دھوکا ہوا۔ یا میں غلط سمجھا گو بات تو عجیب ہے مگر آپ کے فرمانے سے باور کرتا ہوں۔ جب
دو تین دفعہ بات کا الٹ پھیر ہو اور کوئی اپنی رائے کو نہ بدلے تو زیادہ تکرار مت بڑھاؤ۔ یہ
کہکر کہ میں اس بات کو پھر سوچوں گا یا اُسپر پھر خیال کروں گا۔ جھگڑے کو کچھ ہنسی خوشی و دوستی
کی باتیں کہکر ختم کرو۔ دوستی کی باتوں میں اپنے دوست کو یقین دلاؤ کہ اُس دو تین دفعہ کے الٹ پھیر

تمھارے دل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہے اور نہ تمھارا مطلب باتوں کی اُس الٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا کیونکہ جھگڑا یا شبہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دونوں کی محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی عزیز چیز جیسیکہ دوستی ہاتھ سے جاتی رہتی ہے ؛

جبکہ تم مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملے ہوئے ہیں تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑے اور تکرار اور مباحثہ کو آنے مت دو کیونکہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونوں کو ناراض کر دیتی ہے جب دیکھو کہ تقریر لمبی ہوتی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگی ہے تو جس قدر جلد ممکن ہو اُسکو ختم کرو اور آپسمیں ہنسی خوشی مذاق کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کر لو۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ہموطن اس بات پر غور کریں کہ اُن کی مجلسوں میں آپس کے مباحثہ اور تکرار کا انجام کیا ہوتا ہے ؛

اُمید کی خوشی

اے آسمان پر بھورے بادلوں میں بجلی کی طرح چمکنے والی دھنک۔ اے آسمان کے تارو۔ تمھاری خوش نما چمک۔ اے بلند پہاڑوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی دھوندلی چوٹیو۔ اے پہاڑ کے عالی شان درختو۔ اے اونچے اونچے ٹیلوں کے دلکش بیل بوٹو۔ تم بہ نسبت ہمارے پاس کے درختوں اور سرسبز کھیتیوں اور لہراتی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوشنما معلوم ہوتے ہو۔ اس لیئے کہ ہم سے بہت دور ہو۔ اس دوری ہی نے تمکو یہ خوبصورتی بخشی ہے۔ اس دوری ہی سے تمھارا نیلا رنگ ہماری آنکھ کو بھایا ہے۔ تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز بہت دور ہے وہی ہمکو زیادہ خوش کرنیوالی ہے ؛

وہ چیز کیا ہے۔ کیا عقل ہے جسکو سب سے اعلےٰ سمجھتے ہیں۔ کیا وہ ہمکو آیندہ کی خوشی کا یقین دلا سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔ اُس کا میدان تو نہایت تنگ ہے بڑی دوڑ دھوپ کرے تو نتیجہ تک اُسکی رسائی ہے جو سب کے سامنے ہے ؛

او نورانی چہرہ والے یقین کی اکلوتی خوبصورت بیٹی۔ اُمید۔ یہ خدائی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے۔ تو ہی ہماری مصیبت کے وقتوں میں ہمکو تسلی دیتی ہے۔ تو ہی ہمارے اڑے وقتوں میں ہماری مدد کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت نہایت دور دراز خوشیاں ہمکو نہایت ہی

پاس نظر آتی ہیں۔ تیرے ہی سہارے سے زندگی کی مشکل گھاٹیاں ہم طے کرتے ہیں۔ تیرے ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں۔ تیری ہی برکت سے خوشی خوشی کے لیئے نام آوری۔ نام آوری کے لیئے بہادری۔ بہادری کے لیئے فیاضی۔ فیاضی کے لیئے محبت۔ محبت کے لیئے نیکی۔ نیکی کے لیئے تیار ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری نیکیاں تیری ہی تابع اور تیری ہی فرماں بردار ہیں +

وہ پہلا گنہگار انسان جب شیطان کے چنگل میں پھنسا اور تمام نیکیوں نے اُسکو چھوڑا اور تمام بدیوں نے اُس کو گھیرا تو صرف تو ہی اُسکے ساتھ رہی۔ تو ہی نے اُس نا اُمید کو نا اُمید ہونے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس ہوت میں پھنسے دل کو مرنے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس کو اُس ذلت سے نکالا۔ اور پھر اُسکو اُسی اعلیٰ درجہ پر پہونچایا جہاں کہ فرشتوں نے اُسکو سجدہ کیا تھا + اُس نیک نبی کو جس نے سینکڑوں برس اپنی قوم کے ہاتھ سے مصیبت اُٹھائی اور مار پیٹ سہی۔ تیرا ہی خوبصورت چہرہ تسلی دینے والا تھا۔ وہ پہلا ناخدا جبکہ طوفان کی موجوں میں بہا جاتا تھا اور بجز مایوسی کے اَور کچھ نظر نہیں آتا تھا تو تو ہی اُس طوفان میں اُس کی کشتی کھینے والی اور اُس کا بیڑا پار لگانے والی تھی۔ تیرے ہی نام سے جودی پہاڑ کی مبارک چوٹی کو عزت ہے + زیتون کی ہری ٹہنی کو جو وفادار کبوتر کی چونچ میں وصل کے پیغام کی طرح پہنچی جو کچھ برکت ہے تیری ہی بدولت ہے +

اے آسمانوں کی روشنی۔ اور اے نا اُمید دلوں کی تسلی اُمید۔ تیرے ہی شاداب اور سرسبز باغ سے ہر ایک محنت کا پھل ملتا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی سے ہر ایک رنج میں آسودگی ہے۔ عقل کے ویران جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا مسافر تیرے ہی گھنے باغ کے سرسبز درختوں کے سایہ کو ڈھونڈتا ہے۔ وہاں کی ٹھنڈی ہوا خوش الحان جانوروں کے راگ بہتی نہروں کی لہریں اُس کے دل کو راحت دیتی ہیں + اُس کے مرے ہوئے خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تمام فکریں دل سے دور ہوتی ہیں۔ اور دور دراز زمانہ کی خیالی خوشیاں سب آ موجود ہوتی ہیں +

دیکھ نادان بے بس بچہ گہوارہ میں سوتا ہے اُسکی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ہوئی ہے اور اُس گہوارہ کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کام میں اور دل بچے میں ہے اور زبان سے اُس کو یوں لوری دیتی ہے۔ سو رہ میرے بچے سو رہ۔ اے اپنے باپ کی

مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ۔ اے میرے دل کی کونپل سورہ۔ بڑھ اور پھول پھل۔
تجھ پر کبھی خزاں نہ آنے پاوے۔ تیری ٹہنی میں کوئی خار کبھی نہ پھوٹے۔ کوئی کٹھن گھڑی تجھ کو
نہ آوے۔ کوئی مصیبت جو تیرے ماں باپ نے بھگتی تو نہ دیکھے۔ سورہ میرے ننھے سورہ۔
میری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سرور میرے ننھے سورہ۔ تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ
روشن ہوگا۔ تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی۔ تیری شہرت تیری لیاقت۔
تیری محبت جو تو سب سے کرے گا آخر کار ہمارے دل کو تسلی دیگی۔ تیری ہنسی ہمارے اندھیرے
گھر کا اوجالا ہوگی۔ تیری پیاری پیاری باتیں ہمارے غم کو دور کریں گی۔ تیری آواز ہمارے لیئے
خوش آیند راگنیاں ہونگی۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ اے ہماری اُمیدوں کے پودے سورہ
بولو جب اس دنیا میں ہم تم سے جدا ہو جاویں گے تو تم کیا کروگے۔ تم ہماری بیجان لاش پاس
کھڑے ہوگے۔ تم پوچھوگے اور ہم کچھ نہ بولینگے۔ تم روؤگے۔ اور ہم کچھ رحم نہ کرینگے۔ اے میرے
پیارے رونے والے۔ تم ہمارے ڈھیر پر آکر ہماری روح کو خوش کروگے۔ آہ ہم نہ ہونگے اور
تم ہماری یادگاری میں آنسو بہاؤگے۔ اپنی ماں کا محبت بھرا چہرا اپنے باپ کی نورانی صورت
یاد کروگے۔ آہ ہمکو یہی رنج ہے کہ اُس وقت ہماری محبت یاد کر کر تم رنجیدہ ہوگے۔ سورہ میرے
ننھے سورہ۔ سورہ میرے بالے سورہ۔

یہ اُمید کی خوشیاں ماں کو اس وقت تھیں جبکہ بچہ غوں غاں بھی نہیں کرسکتا تھا۔ مگر جب وہ
ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور آں آں ماں کہنا سیکھا اُسکی
پیاری آواز ادھورے لفظوں میں اُس کی ماں کے کان میں پہونچنے لگی۔ آنسوؤں سے اپنی ماں
کی آتش محبت کو بھڑکانے کے قابل ہوا۔ پھر مکتب سے اُسکو سروکار پڑا۔ رات کو اپنی ماں کے
سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غمزدہ دل سے سُنانے لگا۔ اور جبکہ وہ تاروں کی چھاؤں میں اُٹھکر
ہاتھ مونھ دھوکر اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا۔ اور اپنے بے گناہ دل
بے گناہ زبان سے سچے پاک خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا تو اُمید کی خوشیاں اور کہیں زیادہ
ہوگئیں۔ اُس کے ماں باپ اُس معصوم سینہ سے سچی ہمدردی دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں۔ آہ ہماری
پیاری اُمید تو یہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ رہتی ہے۔

دیکھو وہ بڈھا آنکھوں سے اندھا اپنے گھر میں بیٹھا روتا ہے۔ اُس کا پیارا بیٹا بھیڑوں کے
ریوڑ میں سے غایب ہوگیا ہے۔ وہ اُسکو ڈھونڈتا ہے پر وہ نہیں ملتا۔ مایوس ہے پر اُمید

نہیں ٹوٹی - لہو بھرا دانتوں پھٹا کرتا دیکھتا ہے پر ملنے سے نا اُمید نہیں - فاقوں سے خشک ہے - غم سے زار نزار ہے - روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئی ہیں - کوئی خوشی اُس کے ساتھ نہیں ہے مگر صرف ایک اُمید ہے جس نے اُسکو وصل کی اُمید میں زندہ اور اُس خیال میں خوش رکھا ہے *

دیکھو وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کنوئیں میں سات تہ خانوں میں بند ہے - اُس کا سورج کا سا چمکنے والا چہرہ زبون ہے - بے یار و دیار غیر قوم غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں قید ہے بڈھے باپ کا غم اُس کی روح کو صدمہ پہونچاتا ہے - عزیز بھائی کی جُدائی اُس کے دل کو غمگین رکھتی ہے - قید خانہ کی مصیبت اُس کی تنہائی اُس گھر کا اندھیرا اور اُس پر اپنی بیگناہی کا خیال اُسکو نہایت ہی رنجیدہ رکھتا ہے - اُس وقت کوئی اُس کا ساتھی نہیں ہے - مگر اے ہمیشہ زندہ رہنے والی اُمید تجھی میں اُس کی خوشی ہے *

وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے - کوچ پر کوچ کرتے کرتے تھک گیا ہے - ہزاروں خطرے درپیش ہیں مگر سب میں تقویت تجھی سے ہے - لڑائی کے میدان میں جبکہ بہادروں کی صفیں کی صفیں چُپ چاپ کھڑی ہوتی ہیں اور لڑائی کا میدان ایک سُنسان کا عالم ہوتا ہے دلوں میں عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جرأت ہوتی ہے - اور جبکہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور لڑائی کے بگل کی آواز بہادر سپاہی کے کان میں پہونچتی ہے اور وہ آنکھ اُٹھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ہو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے - اور جبکہ بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں اُسکی نظر کے سامنے ہوتی ہیں اور بادل کی سی کڑکنے والی اور آتشیں پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپوں کی آواز سُنتا ہے - اور جبکہ اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے تو اے بہادروں کی قوت بازو - اور اے بہادری کی ماں - تیرے ہی سبب سے فتحمندی کا خیال اُن کے دلوں کو تقویت دیتا ہے - اُن کا کان نقارہ میں سے تیرے ہی فتح کی آواز سُنتا ہے *

وہ قومی بھلائی کا پیاسا اپنی قوم کی بھلائی کی فکر کرتا ہے - دن رات اپنے دل کو جلاتا ہے ہر وقت بھلائی کی تدبیریں ڈھونڈتا ہے - اُن کی تلاش میں دور دراز کا سفر اختیار کرتا ہے یگانوں بیگانوں سے ملتا ہے - ہر ایک کی بول چال میں اپنا مطلب ڈھونڈتا ہے - مشکل کے وقت ایک حبشی مایوسی سے مدد مانگتا ہے - جن کی بھلائی چاہتا ہے اُنھیں کو دشمن پاتا ہے - شہری وحشی

بتاتے ہیں۔ دوست آشنا دیوانہ کہتے ہیں۔ عالم فاضل کفر کے فتووں کا ڈر دکھلاتے ہیں۔ بھائی بند عزیز اقارب سب سمجھاتے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھ کر چپ ہو رہتے ہیں:-

وہ بھلا کس کی بات مانتے ہیں

بھائی سید تو کچھ دیوانے ہیں

ساتھی ساتھ دیتے ہیں مگر ہاں ہاں کر کر محنت اور دلسوزی سے دور رہکر۔ بہت سی ہمدردی کرتے ہیں۔ پر کوٹھی کٹھلے سے الگ کر کر۔ دل ہر وقت بیقرار ہے۔ کسی کو اپنا سا نہیں پاتا کسی پر دل نہیں ٹھہرتا۔ مگر اے بیقرار دلوں کی راحت اور اے شکستہ خاطروں کی تقویت۔ تو ہی دم ہمارے ساتھ ہے تو ہی ہمارے دل کی تسلی ہے تو ہی ہماری کٹھن منزلوں کی ساتھی ہے تیری ہی تقویت سے ہم اپنی منزل مقصود تک پہونچیں گے۔ تیرے ہی سبب گوہر مراد کو پاویں گے آ ہمارے دل کی عزیز اور ہمارے پیارے مہدی کی پیاری "امید" تو ہمیشہ ہمارے دل کی تسلی رہ۔

اے ہمیشہ زندہ رہنے والی اُمید۔ جبکہ زندگی کا چراغ ٹمٹماتا ہے اور دنیاوی حیات کا آفتاب لب بام ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں گرمی نہیں رہتی۔ رنگ فق ہو جاتا ہے۔ مونھ پر مردنی چھاتی ہے۔ ہوا ہوائیں پانی پانی ہیں۔ مٹی مٹی میں ملنے کو ہوتی ہے تو تیرے ہی سہارے سے وہ کٹھن گھڑی آسان ہوتی ہے۔

اُس وقت اُس زرد چہرے اور آہستہ آہستہ ملتے ہوئے ہونٹوں اور بے خیال بند ہوتی ہوئی آنکھوں اور غفلت کے دریا میں ڈوبتے ہوئے دل کو تیری یادگاری ہوتی ہے۔ تیرا نورانی چہرہ دکھائی دیتا ہے تیری صدا کان میں آتی ہے اور ایک نئی روح اور تازہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور ایک نئی لازوال زندگی کی جس میں ایک ہمیشہ رہنے والی خوشی ہوگی اُمید ہوتی ہے۔

یہ تکلیف کا وقت تیرے سبب سے ہمارے لیئے موسم بہار کی آمد آمد کا زمانہ ہو جاتا ہے اُس لازوال آنیوالی خوشی کی اُمید تمام دنیاوی رنجوں اور جسمانی تکلیفوں کو بھلا دیتی ہے۔ اور غم کی شام کو خوشی کی صبح سے بدل دیتی ہے۔ گو کہ موت ہر دم جتاتی ہے کہ مرنا بہت خوفناک چیز ہے۔

او ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی دوسری دنیا جس میں ہمکو ہمیشہ رہنا ہے۔ جہاں سورج کی کرن اور نماز کی لہر بھی نہیں پہونچی تیری راہ تین چیزوں سے طے ہوتی ہے۔ ایمان کے

توشہ اور اُمید کے ادی اور موت کی سواری ہے مگران سب میں جبکو سب سے زیادہ قوت ہے وہ ایمان کی خوبصورت بیٹی ہے جس کا پیارا نام "اُمید" ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ بے یقینوں کو موت کی کٹھن گھڑی میں کچھ اُمید نہیں ہوتی۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ تیری بادشاہت وہاں بھی ہے۔ قیامت پر یقین نہ کرنے والا سمجھتا ہے کہ تمام زندگی کی تکلیفوں کا اب خاتمہ ہے اور پھر کسی تکلیف کے ہونے کی توقع نہیں ہے۔ وہ اپنے اُس بے تکلیف آنے والے زمانہ کی اُمید میں نہایت بردباری سے اور رنجوں کے زمانہ کے اخیر ہونے کی خوشی میں نہایت بشاشت سے یہ شعر پڑھتا ہوا جان دیتا ہے۔

بقدر ہر سکوں راحت بود بنگر تفاوت را
دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مردن

حُبِّ ایمانی

اور

حُبِّ انسانی

کسی شخص کا قول ہے کہ محبت کسی حیثیت سے ہو ایک ایسی چیز ہے کہ محبوب کی دوستی دل میں بٹھا دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ کافروں سے دوستی و محبت کسی وجہ سے کیوں نہ ہو ممنوع ہے۔ پس سید احمد خاں جو یہ بات کہتے ہیں کہ مذہب اسلام کی رُو سے کافروں سے صرف وہی دوستی ممنوع ہے جو من حیث الدین ہو اور اسکے سوا کسی کی دوستی اور سچی محبت جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے ہوسکتی ہے کافروں سے کرنی شرعاً ممنوع نہیں تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ دوستی و محبت میں ان دونوں حیثیتوں کی تمیز ہم کیونکر کرسکتے ہیں۔

مگر ایسا کہنا اور ایک بدیہی امر میں تمیز نہ کرنا کافی طور پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں حیثیتوں سے جو محبت اور دوستی انسانوں میں ہوتی ہے وہ ایسی بدیہی ہے کہ ہر شخص اعلےٰ و ادنےٰ عالم و جاہل اس میں تمیز کرتا ہے۔

فرض کرو کہ کوئی شخص کسی سے محبت رکھتا ہے ہم اُس سے سوال کرتے ہیں کہ تم اُس سے کیوں محبت رکھتے ہو وہ اسکا جواب دیتا ہے کہ وہ میرا بڑا محسن ہے اُس نے بڑے مشکل

وقتوں میں مجھ پر احسان کیئے ہیں تنگی کے وقت روپیہ سے مدد کی ہے ۔ بیماری کی حالت میں میری تیمارداری کی ہے ۔ دوادارو علاج معالجہ میں بڑی کوشش کی ہے ؎

یا وہ اس کا یوں جواب دیتا ہے کہ ہم اور وہ مدت تک ساتھ رہے ہیں ۔ دن رات آپس میں اُٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ساتھ رہا ہے ۔ روز روز کی ملاقات ۔ بات چیت ۔ ہنسی ۔ مذاق ۔ دل لگی مزاج کی باہمی موافقت کے سبب آپس میں دوستی و محبت ہوگئی ہے ؎

یا وہ یہ کہتا ہے کہ جس فن کا مجھ کو شوق ہے اُس فن کا اُس کو بدرجہ غایت کمال ہے ۔ اُس فن کے کمال کے سبب جس کا مجھ کو شوق ہے اُس شخص سے دلی محبت اور جانی دوستی ہوگئی ہے ؎

یا اُس کا سبب وہ یہ بتلاتا ہے کہ وہ شخص نہایت خوبصورت ہے ۔ اُس کے حسن و جمال نے میرے دل میں اُسکی محبت بلکہ اُس کا عشق پیدا کردیا ہے ؎

پھر ہم اُس سے دوسرا سوال کرتے ہیں اور کسی بزرگ کا بزرگانِ دین میں سے نام لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم اُن بزرگ سے بھی محبت رکھتے ہو وہ ضرور جواب دیتا ہے کہ ہاں کیوں نہیں ؎

تب ہم اُس سے کہتے ہیں کہ وہ بزرگ تو تم سے کئی سَو برس پہلے گذر چکے ہیں ۔ اُنھوں نے کوئی تم پر احسان نہیں کیا ۔ کسی مشکل کے وقت میں تمھارے کام نہیں آئے ۔ کبھی تنگی کے وقت میں تمکو کچھ نہیں دیا ۔ کبھی تمھاری تیمارداری نہیں کی ۔ کبھی تمھاری دوادرمن علاج معالجہ میں کوشش نہیں کی ۔ کبھی وہ اور تم ساتھ نہیں رہے ۔ نہ کبھی ساتھ اُٹھے بیٹھے نہ کبھی آپس میں ملاقات بات چیت ہوئی نہ کبھی ہنسی مذاق ہوا ۔ نہ باہم مزاج موافقت ہوئی ۔ جس فن کا تمکو شوق ہے وہ اُس کا نام بھی نہیں جانتے تھے ۔ نہ تمنے اُن کو دیکھا کہ اُن کے حسن و جمال نے تمکو فریفتہ کرلیا ہو ۔ پھر کیوں تم اُن سے محبت رکھتے ہو ؎

اس سوال کا وہ نہایت ناراض ہو کر اور لال منھ کر کر غصہ بھری آواز سے جواب دیتا ہے کہ میاں وہ بزرگانِ دین تھے ۔ خدا کے ہاں اُن کا بڑا درجہ ہے ۔ وہ دینداری میں یگانہ وقت تھے خدا پرستی اور زہد و تقویٰ و عبادت میں یگانہ تھے ۔ ایمان کامل اُن کو نصیب تھا ۔ دین میں سب کے سردار تھے ۔ اس لیئے اُن سے محبت رکھتے ہیں ؎

اب میں بتاتا ہوں کہ یہی پچھلی محبت محبت من حیث الدین ہے جسکو میں حب ایمانی کہتا ہوں ۔ اور یہی محبت غیر مذہب سے رکھنی شرعاً ممنوع اور حرام بلکہ کفر ہے اور پہلی محبت

جس کو میں حب انسانی کہتا ہوں شرعاً ممنوع نہیں اور دونوں قسم کی محبت میں بالبداہت تفرقہ و تمیز موجود ہے کہ ایک قسم کی محبت اُن اسباب ظاہری کی باعث تھی جو بمقتضائے فطرت انسانی ایک کو دوسرے کے ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسری قسم کی محبت باوجود معدوم ہونے اُن تمام اسباب ظاہری کے صرف من حیث الدین تھی۔ اب کون شخص ہے جو ان دونوں قسموں کی محبت میں تمیز نہیں کر سکتا ۔

پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ غیر مذہب والوں سے سچی دوستی اور دلی محبت کرنا ممنوع ہے یہ اُن کی محض غلطی ہے۔ جو چیز کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں بنائی ہے وہ برحق اور بالکل سچ ہے۔ ہمکو تمام دوستوں سے گو وہ کسی مذہب کے ہوں سچی دوستی اور دلی محبت رکھنی اور برتنی چاہیئے۔ مگر وہ تمام محبت اور دوستی حب انسانی کے درجہ پر ہو نہ حب ایمانی کے کیونکہ حب ایمانی بلا اتحاد مذہب بلکہ بلا اتحاد مشرب ہونی غیر ممکن ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی ہدایت ہمکو ہمارے سچے مذہب اسلام نے کی ہے ۔ وَلِلّٰہِ دَرُّ مَن قَال ۔

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

سولزیشن یا تہذیب

ہم دریافت کیا چاہتے ہیں کہ سولزیشن کیا چیز ہے؟ اور کن کن چیزوں سے علاقہ رکھتی ہے کیا یہ کوئی بنائی ہوئی چیز ہے؟ یا قدرت نے انسان کی فطرت میں اسکو پیدا کیا ہے۔ اسکے معنی کیا ہیں؟ کیا یہ کوئی اصطلاح ہے جسکو لوگوں نے یا فیلسوفوں نے مقرر کیا ہے؟ یا ایسی چیز کہ اس کا مفہوم۔ اور جن جن چیزوں سے اسکا تعلق ہے۔ قانون قدرت میں پایا جاتا ہے۔ اس امر کے تصفیہ کے لیئے انسان کے حالات پر ہمکو نظر کرنی چاہیئے۔ اگر تہذیب انسان میں ایک فطرتی چیز ہے تو وحشیوں میں۔ شہریوں میں۔ سب میں اس کا نشان ملیگا۔ گو اُسکی صورتیں مختلف دکھائی دیتی ہوں۔ الا سب کی جڑ ایک ہی ہوگی ۔

انسان میں یہ ایک فطرتی بات ہے کہ وہ اپنے خیال کے موافق کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور کسی کو ناپسند۔ یا یوں کہو کہ کسی چیز کو اچھا ٹھہراتا ہے اور کسی چیز کو برا۔ اور اس کی طبیعت اس طرف مائل ہے کہ اُس بری چیز کی حالت کو ایسی حالت سے تبدیل کرے جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے۔ یہی چیز

سولزیشن کی جڑ ہے جو انسانوں کی ہر گروہ میں اور ہر ایک میں پائی جاتی ہے۔ اسی تبادلہ کا نام سولزیشن یا تہذیب ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ یہ میلان یا یہ خواہش تبادلہ انسان میں قدرتی اور فطرتی ہے ۔

سولزیشن یا تہذیب کے لیے انسان کی طبیعت کے مائل ہونے کے دو اصول ٹھہرے اچھا اور بُرا۔ اور بُرے کو اچھا کرنا سولزیشن یا تہذیب ٹھہری۔ مگر اچھا اور بُرا قرار دینے کے مختلف اسباب خلقی اور خُلقی۔ ملکی اور تمدنی ایسے ہوتے ہیں جن کے سبب اچھا اور بُرا ٹھہرتے ہیں۔ یا یوں کہو کر قوموں کی سولزیشن میں اختلاف پڑجاتا ہے۔ ایک قوم جس بات کو اچھا سمجھتی ہے اور داخل تہذیب جانتی ہے۔ دوسری قوم اسی بات کو بہت بُرا اور وحشیانہ حرکت قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف سولزیشن کا قوموں کے باہم ہوتا ہے۔ اشخاص میں نہیں ہوتا۔ یا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ جبکہ ایک گروہ انسانوں کا کسی جگہ اکٹھا ہو کر بستا ہے۔ تو اکثر اُن کی ضرورتیں اور اُن کی حاجتیں۔ اُن کی غذائیں اور اُن کی پوشاکیں۔ اُن کی معلومات اور اُن کے خیالات۔ اُن کی مسرت کی باتیں اور اُن کی نفرت کی چیزیں۔ سب یکساں ہوتی ہیں۔ اور اسی لیئے بُرائی اور اچھائی کے خیالات بھی سب میں یکساں پیدا ہوتے ہیں۔ اور بُرائی کو اچھائی سے تبدیل کی خواہش سب میں ایک سی ہوتی ہے۔ اور یہی مجموعی خواہش تبادلہ یا مجموعی خواہش سے وہ تبادلہ اُس قوم یا گروہ کی سولزیشن ہے۔ مگر جبکہ مختلف گروہیں مختلف مقامات میں بستی ہیں۔ تو اُن کی حاجتیں اور خواہشیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اور اس سبب سے تہذیب کے خیالات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مگر ضرور کوئی ایسی چیز بھی ہوگی کہ جو سولزیشن کی ان مختلف حالتوں کا تصفیہ کرسکے ۔

ملکی حالتیں۔ جہاں تک کہ وہ بود و باش سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ فکر اور خیال اور دماغ سے۔ اُن کو تہذیب سے چنداں تعلق نہیں۔ بلکہ صرف انسان کے خیال کو اُس سے تعلق ہے جس کے سبب وہ اچھا اور بُرا ٹھہرتا ہے۔ اور جس باعث سے خواہش تبادلہ تحریک میں آتی ہے۔ اور وہ تبادلہ واقع ہوتا ہے جو سولزیشن کہلاتا ہے۔ پس سولزیشن کی مختلف حالتوں کا فیصلہ وہ اسباب کرسکتے ہیں جن کے سبب اچھے اور بُرے کا خیال دل میں بیٹھتا ہے ۔

اچھے اور بُرے کی جگہ میں اَور لفظ کا استعمال کروں گا۔ یعنی پسند اور ناپسند۔ انگریزی میں ایک لفظ "ٹیسٹ" ہے جو نہایت وسیع معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ہماری زبان میں بھی اُس قسم کے لفظ ہیں جیسے کہ مزا یا مذاق۔ مگر وہ استعمال میں ایسے خاص ہوگئے ہیں کہ اُن سے وہ عام اور وسیع

معنی خیال ہیں نہیں آتے۔ اس واسطے میں اُس لفظ کا ترجمہ "پسند" کرتا ہوں۔ پس پسند کا صحیح ہونا۔ جو خیال کے صحیح ہونے کی فرع ہے۔ بہت بڑا وسیلہ سولزیشن کی مختلف حالتوں کے تصفیہ کا ہے۔

خیال کی درستی اور پسند کی صحت کثرت معلومات پر۔ اور علم طبعیات سے بخوبی ماہر ہونے پر منحصر ہے۔ انسان کی معلومات کو روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ سولزیشن بھی بڑھتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ آیندہ کوئی ایسا زمانہ آوے۔ کہ انسان کی تہذیب میں ایسی ترقی ہو کہ اس زمانہ کی تہذیب کو بھی وہ لوگ ایسے ہی ٹھنڈے دل سے دیکھیں جیسکہ ہم اپنے سے اگلوں کی تہذیب کو ایک ٹھنڈے مگر مؤدب دل سے دیکھتے ہیں۔

تہذیب۔ یا یوں کہو کہ بُری حالت سے اچھی حالت میں لانا۔ دنیا کی تمام چیزوں سے خلاقی ہوں یا مادی۔ یکساں تعلق رکھتا ہے اور تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ تکلیف سے بچنے اور آسایش حاصل کرنے کا سب کو یکساں خیال ہے۔ ہُنر اور اُس کو ترقی دینا تمام دنیا کی قوموں میں موجود ہے۔ ایک تربیت یافتہ قوم زر و جواہر۔ یاقوت و الماس سے نہایت نفیس نفیس خوبصورت زیور بناتی ہے۔ ناتربیت یافتہ قوم بھی کوڑیوں اور پوتھوں سے اپنی آرایش کا سامان بہم پہونچاتی ہے۔ تربیت یافتہ قومیں اپنی آرایش میں سونے چاندی۔ مونگے اور موتیوں کو کام میں لاتی ہیں۔ ناتربیت یافتہ قومیں جانوروں کے خوبصورت اور رنگین پروں کو۔ تیلیوں پر سے چھیلے ہوئے سُنہری پوست۔ اور زمرد کے سے رنگ کی باریک اور خوش نما گھانس میں گوندھ کر اپنے تئیں آراستہ کرتی ہیں تربیت یافتہ قوموں کو بھی اپنے لباس کی درستی کا خیال ہے۔ ناتربیت یافتہ قومیں بھی اُس کی درستی پر مصروف ہیں۔ شاہی مکانات۔ نہایت عمدہ اور عالی شان بنتے ہیں۔ اور نفیس چیزوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ ناتربیت یافتہ قوموں کے جھونپڑے اور ان کے رہنے کے گھونپے درختوں پر باندھے ہوئے ٹانڈ۔ زمین میں کھودی ہوئی کھوئیں بھی تہذیب سے خالی نہیں۔ معاشرت کی چیزیں۔ تمدن کے قاعدے۔ عیش و عشرت کی مجلسیں۔ خاطر اور مدارات کے کام۔ اور اخلاق و محبت کی علامتیں۔ دونوں میں پائی جاتی ہیں۔ علمی خیالات سے بھی ناتربیت یافتہ قومیں خالی نہیں۔ بلکہ بعضی چیزیں اُن میں زیادہ اصلی اور قدرتی طور سے دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً شاعری جو ایک نہایت عمدہ فن تربیت یافتہ قوموں میں ہے۔ ناتربیت یافتہ قوموں میں عجیب عمدگی و خوبی سے پایا جاتا ہے۔ یہاں خیالی باتوں کو ادا کیا جاتا ہے اور وہاں دلی جوشوں اور

اندرونی جذبوں کا اظہار ہوتا ہے۔ موسیقی نے تربیت یافتہ قوموں میں نہایت ترقی پائی ہے۔ مگر ناتربیت یافتہ قوموں میں بھی عجیب کیفیت دکھائی ہے۔ ان کی دا اور آواز کی پھرت۔ اُسکا گھٹاؤ اور اُس کا بڑھاؤ۔ اُس کا ٹھہراؤ اور اُسکی اوپچ۔ ہاتھوں کا بھاؤ اور پاؤں کی دھمک۔ زیادہ تر مصنوعی قواعد کی پابند ہے مگر ناتربیت یافتہ قوموں میں یہ سب چیزیں دلی جوش کی موجیں ہیں۔ وہ لئی اور تال۔ راگ ورا گنی کو نہیں جانتے۔ مگر دل کی لہر اُن کی لئی۔ اور دل کی پھڑک اُن کا تال ہے۔ اُن کا غول باندھکر کھڑا ہونا۔ طبعی حرکت کے ساتھ اُچھلنا۔ دل کی بیتابی سے جھکنا اور پھر جوش میں آکر سیدھا ہو جانا۔ گو نزاکت اور فن خنیاگری سے خالی ہو۔ مگر قدرتی جذبوں کی ضرور تصویر ہے۔ دلی جذبوں کا روکنا اور اُن کو عُمدہ حالت میں رکھنا۔ تمام قوموں کے خیالات میں شامل ہے۔ پس جس طرح کہ ہم تہذیب کا قدرتی لگاؤ تمام انسانوں میں پاتے ہیں اسی طرح اُسکا تعلق عقلی اور مادی سب چیزوں میں دیکھتے ہیں۔ جس چیز میں کہ ترقی یعنی بُرائی سے اچھائی کی طرف رجوع۔ یا ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف تحریک ہو سکتی ہے۔ اُسی سے تہذیب بھی متعلق ہے۔ پس سولزیشن یا تہذیب کیا ہے؟ انسان کے افعال ارادی اور جذبات نفسانی کو اعتدال پر رکھنا۔ وقت کو عزیز سمجھنا۔ واقعات کے اسباب کو ڈھونڈنا اور اُن کو ایک سلسلہ میں لانا۔ اخلاق اور معاملات اور معاشرت اور طریق تمدن اور علوم و فنون کو بقدر امکان قدرتی خوبی اور فطرتی عمدگی پر پہونچانا۔ اور اُن سب کو خوش اسلوبی سے برتنا۔ اور اُس کا نتیجہ کیا ہے۔ روحانی خوشی اور جسمانی خوبی۔ اور اصلی تمکین۔ اور حقیقی وقار۔ اور خود اپنی عزت کی عزت۔ اور درحقیقت یہی پچھلی ایک بات ہے جس سے وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز ہوتی ہے ؛

اِس تہذیب کے حاصل ہونے کے بقول مسٹر ایچ۔ ٹی۔ بکل صاحب چار اصول ہیں ؛

اوّل :- جو چیزیں ہمکو دکھائی دیتی ہیں اور جن کا سبب ہمکو معلوم نہیں ہوتا اُن کے سببوں اور قاعدوں کو دریافت کرنا۔ اور اُن کے علوم کو پھیلانا۔ پس جس قدر کامیابی اسمیں ہوگی اُسی قدر انسان کی ترقی ہوگی" ؛

دوم :- اُن تحقیقات سے پہلے تجسس کا خیال پیدا ہونا چاہیئے۔ جس سے ابتدا میں تحقیقات کو مدد ملتی ہے اور بعد کو تحقیقات سے اُسکی استعانت ہوتی ہے" ؛

سوم :- جو باتیں اس طرح پر دریافت ہوتی ہیں وہ عقلی باتوں کے اثر کو زیادہ کرتی ہیں۔ اور اخلاق کی باتوں کو کسی قدر کم۔ مگر اخلاقی باتیں بہ نسبت عقلی باتوں کے زیادہ مستقل ہیں۔ اور

اُن میں کمی بیشی بہت کم ہوتی ہے"۔

چھٹا کام :- اس تحریک کا بڑا دشمن ۔ جو درحقیقت سولزیشن کا بھی سخت دشمن ہے ۔ یہ خیال ہے کہ جب تک زندگی کے امورات کی نگرانی ہر طرح پر سلطنت اور مذہب سے نہ ہو ۔ تب تک انسان کے گروہ کی ترقی نہیں ہو سکتی یعنی سلطنت رعایا کو یہ سکھلاوے کہ اُن کو کیا کرنا چاہیئے ۔ اور مذہب سکھلاوے کہ کس بات پر یقین کرنا چاہیئے"۔

پچھلی بات میں مسٹر بکل سے مجھ کو کسی قدر اختلاف ہے ۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ لوگوں کا یہ خیال کہ بادشاہ وقت ہم کو بتادے کہ ہم کو کیا کیا کرنا چاہیئے ۔ انسان کی ترقی اور تہذیب کا نہایت قوی مانع ہے اور جس قدر کہ ہندوستان میں ۔ بلکہ تمام ایشیا میں اور ٹرکی اور ایجپٹ میں بھی ناشایستگی اور ناتہذیبی ہے ۔ اُس کا بڑا سبب یہی خیال ہے ۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اسی خیال نے غارت اور برباد کیا ہے ۔ اور یہی خیال ہے جو ہندوستان کی رعایا کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً گورنمنٹ سے ناراض رکھتا ہے ۔ پس جب تک یہ خیال نہ جاوے گا ۔ اور یہ خیال نہ آویگا کہ ہم خود سوچیں کہ ہم کو اپنے لیئے کیا کرنا چاہیئے ۔ اُسوقت تک ہندوستان کے مسلمانوں کو نہ دولت ہوگی نہ حشمت ۔ نہ عزت ہوگی نہ منزلت ۔ اور نہ تہذیب ہوگی اور نہ شایستگی ۔ مگر دوسرا جملہ جو مذہب سے متعلق ہے وہ کسی قدر صحیح ہے اور کسی قدر غلط ۔ یعنی غلط مذہب بلاشبہ تہذیب کا بڑا مانع ہے ۔ اور اگر سچے مذہب میں غلط خیالات اور بیجا تعصبات اور مسائل اجتہادیہ اور عقاید قیاسیہ اس طرح پر مل جاویں کہ عملاً اور اعتقاداً اصلی احکام مذہبی میں اور اُن میں کچھ تفرقہ و تمیز نہ رہے ۔ جیسیکہ مذہب اسلام کی موجودہ حالت ہے اور جو تقلید کی تاریکی میں آنکھوں سے بالکل چھپ گیا ہے ۔ تو بلاشبہ وہ بھی انسان کی ترقی اور تہذیب کا مثل مذہب غلط کے مانع قوی ہے ۔ الّا سچا مذہب ۔ جیسا کہ ٹھیٹ مذہب اسلام ہے وہ کبھی مارج ترقی انسان نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ اُس مذہب کے احکام اور تہذیب و شایستگی کے کام دونوں متحد ہوتے ہیں ۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

کانشنس

کانشنس یعنی وہ قوت ممیزہ جو خدا نے ہر ایک انسان کے دل میں پیدا کی ہے۔ اور جو نیک اور بد کاموں میں تمیز کرتی ہے انسان کے لیئے سچی ہادی اور اصلی پیغمبر ہے

یہ مسئلہ وہ ہے جس پر اس زمانہ کے آزاد منش اور انسان کو مختار اپنے افعال کا ماننے والے اپنے مذہب یا مشرب کا اصل اصول قرار دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ مسئلہ ایک بہت بڑا دھوکا ہے۔ کیا کانشنس کوئی ایک جدا قوت ہے جو انسان میں جداگانہ اس کی ہدایت کے لیئے خدا نے پیدا کی ہے۔ حالانکہ اسکا کچھ ثبوت نہیں۔ اور اگر فرض بھی کر لیں۔ تو اس سے کوئی نتیجہ سچی ہدایت اور اصلی رہنمائی کا نہیں۔ کانشنس نہایت عمدہ چیز ہے۔ اور انسان کو برائی سے بچانے اور بھلائی کی طرف راغب کرنے کو بہت اچھا رہنما ہے۔ مگر درحقیقت وہ ایک حالت انسان کی طبیعت کی ہے اور اسکی تربیت کا ایک نتیجہ ہے۔ پس فی نفسہ وہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ تربیت سے یا خیالات سے جو کیفیت انسان کی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے اسکا نام ہے۔

مگر فی الواقع وہ ایک قوت رہنمائی کے لیئے بمنزلہ ایک پیغمبر کے انسان میں ہو۔ تو ضرور ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لیئے یکساں رہنما ہو۔ یعنی جس بات کو ایک انسان نیک سمجھے اسکو تمام انسان نیک سمجھیں۔ اور جس بات کو ایک انسان بد جانے وہ سب انسانوں کے نزدیک بد ہو۔ مگر کانشنس انسانوں کو مختلف بلکہ متضاد۔ بلکہ نقیض باتوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ دونوں سچی ہدایتیں نہیں ہو سکتیں۔

اس شبہ کی نسبت کہ ان متناقض کانشنسوں میں سے ایک غلط اور صرف دھوکا ہوگا۔

ہنری طامس بکل نے نہایت عمدہ بات کہی ہے کہ ایسی حالت میں "ہم پوچھینگے کہ وہ کونسی چیز ہے جو صحیح اور غلط یا سچی اور جھوٹی کانشنس میں تمیز کرتی ہے"۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہرایک انسان فی نفسہ ایک جُداگانہ مخلوق ہے۔ اور ہرایک کا پیغمبر یعنی اُسکا کانشنس خود اُسکے ساتھ ہے۔ اور اسی لیئے مجموعی اتحاد کانشنس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہرایک کو اپنے پیغمبر کی ہدایت پر چلنا چاہیئے۔ تو یہ کہنا بھی درست نہوگا۔ کیونکہ ابھی تک یہ ثابت نہیں ہوا ہے کہ کانشنس بنفس درحقیقت ایک جُداگانہ مخلوق قوت۔ انسان کی رہنمائی کے لیئے ہے۔ بلکہ ابھی تک جو معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ وہ طبیعت کی ایک حالت ہے۔ اور اگر یہ بات ہے تو بقول مسٹر بکل کے "بحث ختم ہوگئی"۔

علاوہ اسکے۔ جبکہ ہرایک کا کانشنس اُسکا رہنما پیغمبر ٹھہرا۔ اور ایک دوسرے کے کانشنس میں اختلاف وتناقض کا وجود بالیقین پایا گیا۔ تو اُن دونوں کا صحیح ہونا بھی۔ جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ ضرور ماننا پڑے گا۔ شاید اُن کا تناقض نسبت یا حیثیت کی مدد سے رفع کیا جاوے گا۔ اور یوں کہا جاویگا کہ رام دین کا مہادیو کی مورت کو پوجنا اس لیئے نیک ہے کہ اُس کا کانشنس اُسکو نیک بتاتا ہے۔ اور محمود غزنوی کا سومنات کے بُت کو توڑنا اس لیئے نیک ہے کہ اُس کا کانشنس اُسکو نیک بتاتا ہے۔ تو اُسکے یہ معنی ہوں گے کہ دنیا میں درحقیقت نیک وبدکوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ صرف خیال ہی خیال ہے۔ کوئی اہل مذہب تو یہودی ہو یا عیسائی۔ مُسلمان ہو یا ہندو۔ بدھست ہو یا برہمو۔ اس بات کو تسلیم نہیں کرنے کا۔ باقی رہا دہریہ۔ وہ بھی اسکو قبول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ بالفرض اگر ثواب وعقاب ایک شے معدوم ہو تو بھی خود دہریہ اس دنیا میں ہمکو وہ باتیں بتاتا ہے جو کرنے اور نہ کرنے کے قابل ہیں۔ اور اُنہی کو ہم دوسرے لفظوں میں نیک وبد سے یا ممنوع وجائز سے تعبیر کرتے ہیں۔

قطع نظر اسکے۔ اگر ایک شخص کا کانشنس ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا تو بھی یقین ہوسکتا کہ اُس کا پیغمبر اُس میں ہے۔ مگر وہ ایک حالت پر بھی نہیں رہتا۔ عمر کے لحاظ سے۔ تجربہ کی ترقی سے۔ صحبت کے اثر سے۔ معلومات کے بڑھنے سے۔ خیالات کے تبدیل ہونے سے بالکل بدلتا رہتا ہے۔ مسلمان کا عیسائی ہونے پر۔ عیسائی کا مسلمان ہونے پر۔ ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی کا برہمو ہونے پر۔ برہمو کا دہریہ ہونے پر کانشنس بالکل بدل جاتا ہے۔ اور وہ پہلے کو جس کی سچائی پر یقین کامل رکھتا تھا۔ بالکل غلط اور جھوٹا سمجھتا ہے۔ پس یہ صاف دلیل اس بات کی ہے کہ انسان کا کانشنس

اُس کا پیغمبر اور سچا رہنما نہیں ہو سکتا۔ بقول مسٹر ٹکل صاحب کے کہ اگر بعض باتوں میں کانشنس ہمکو دھوکا دیتا ہے۔ تو کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ اور باتوں میں دھوکا ندیگا۔ پس صحیح اور غلط کانشنس میں تمیز کرنیکو دوسری کسی چیز کا ہونا لازم وضرور ہے یا اس مطلب کو یوں ادا کرو۔ کہ ہمارے لئے کسی ایسی دوسری چیز کا ہونا ضرور ہے جس کے سبب ہمارا کانشنس یعنی ہماری طبیعت کی حالت ایسی ہو جاوے کہ ہماری سچی رہنما اور بمنزلہ سچے پیغمبر کے ہو۔

اس بیان سے جو ظاہرا بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ اور کچھ ویچ اُس میں کچھ نہیں ہے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ کانشنس فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور نہ وہ ابتدا کسی مذہب کا اصل اصول قرار پانے کے لائق ہے۔ اور نہ وہ فی حد ذاتہ رہنما ہونے کے مستحق ہے۔ ہاں بلاشبہ جبکہ سچے اصول پر انسان کی طبیعت تربیت پاجاوے۔ یا سچے خیالات سے اُس کی طبیعت مؤثر ہو جاوے۔ اور طبیعت اُس سچائی کے مطابق حالت پیدا کرلے۔ تب وہ حالت طبیعت یعنی کانشنس انسان کا محافظ اور انسان کا رہنما ہوتا ہے۔ اور ہم ہمیشہ اپنی تحریروں میں جہاں کانشنس کا استعمال کرتے ہیں۔ اور جس کو ہم ہادی یا محافظ یا گناہوں کا جتانے والا کہتے ہیں اور جس کو ہم شرعی زبان میں توبہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں وہاں ہماری مراد اسی کانشنس سے ہے۔ اب ہم کو اُس چیز کی تلاش کی ضرورت پڑی ہے جس کے تابع ہمارے کانشنس کو ہونا چاہیئے یا جس سے ہماری طبیعت کی ایسی حالت ہو جاوے کہ وہ ہمکو دھوکہ نہ دے۔

ہماری طبیعت کی حالت ایسی کیونکر ہو

جو ہم کو دھوکہ نہ دے

انسان کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ظاہر میں اُسکو بھی اور حیوانوں کا سا پاتے ہیں۔ کھاتا ہے پیتا ہے۔ مضر چیزوں سے بچتا ہے۔ مفید چیزوں کو بہم پہنچاتا ہے۔ اور حیوانات بھی یہی کرتے ہیں۔ مگر اُس کے ساتھ انسان میں ایک اور چیز بھی پاتے ہیں جو اور حیوانات میں نہیں ہے وہ کیا ہے؟ سمجھ اور فکر۔ اور خیال اور اُس چیز کو اپنے میں پیدا کرنا جو بالفعل اُس میں نہیں ہے اور حیوانات جیسے پیدا ہوتے ہیں ویسے ہی رہتے ہیں۔ مگر انسان اپنے میں اور کچھ بھی پیدا کر سکتا ہے جو اُس کے ساتھ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ یا یوں کہو کہ بالفعل اُس میں نہ تھی

یہ ترقی یا اوصاف کی زیادتی دو چیزوں سے علاقہ رکھتی ہے۔ مادی سے اور غیر مادی سے پہلی سے اس مقام پر ہمکو غرض نہیں ہے۔ دوسری سے غرض ہے جو روحانی ترقی سے علاقہ رکھتی ہے۔ آسانی کے لیئے ہم اُس کا نام اخلاق یا مذہب رکھتے ہیں۔ پس صحیح اخلاق یا مذہب کا اپنے میں پیدا کرنا ایک غیر مادی صفت کی ترقی انسان کے لیئے ہے۔ اور اسی صفت سے انسان کی طبیعت کی حالت ایسی ہوجاتی ہے جو اُسکو دھوکا نہیں دیتی ٭

جو اخلاق یا مذہب کہ اُسی مخرج سے نہیں ہے جو اُن کا بانی ہے اُسکی صحت ہمیشہ مشتبہ ہے اور طبیعت کی جو حالت اُس سے ہو اُس پر کبھی دھوکا نہ دینے کا یقین نہیں ہے۔ کسی کا یہ کہنا کہ میں جو اخلاق یا مذہب سکھاتا ہوں وہ اُسی مخرج سے ہیں جو اُن کا بانی ہے۔ بغیر کسی ثبوت کے یقین کے قابل نہیں۔ کسی ایسی بات کا کر دکھانا۔ بشرطیکہ درحقیقت کر دکھائی بھی ہو جو اُس وقت کے یا اُس وقت کے موجودہ گروہ کی سمجھ سے باہر ہو۔ اُس کے ثبوت کی دلیل نہیں۔ بہت سی چیزیں ہمکو لوگ دکھا سکتے ہیں جو ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ حالانکہ وہ دکھانے والے خود قایل ہیں کہ اُنمیں کچھ کرامات نہیں۔ پس اُن اخلاق یا مذہب کا مخرج ایسی جگہ سے ہونا چاہیئے جس کے بانی کی طرف سے ہونے میں کُچھ شُبہ نہ ہو۔ اور وہ چیز بجز فطرت اللہ اور قانون قدرت کے اَور کوئی چیز نہیں ہے۔ جس کو سب سچ اور بالاتفاق اُسی کا کہتے ہیں۔ اُس کے قانون قدرت ایسے سچے ہیں جن میں ذرا اختلاف نہیں۔ وہ ایسے مستحکم ہیں جن میں ذرا انقلاب نہیں۔ وہ چھوٹے سے پشے میں بھی ایسے ہی مستحکم ہیں جیسے بڑے سے بڑے پہاڑ میں ہیں۔ پس یہی ایک مخرج ہے جس سے ہم اپنے میں ایسے اخلاق پیدا کرسکتے ہیں جن سے ہمارا کانشنس یعنی ہماری طبیعت کی حالت ایسی ہو جاوے جو ہمکو کبھی دھوکا نہ دے ٭

فکر اور خیال جو ہم میں پیدا کیا گیا ہے۔ جب اُسکو غیر مادی چیزوں سے متعلق کیا جاوے تو اُس کے تعلق کے لیئے بجز قانون قدرت یا فطرت اللہ کے اَور کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے بانی کا مقصود یہی ہے کہ اُس کی فطرت اور اُس کے قانون قدرت پر غور اور فکر کیا جاوے۔ اور جبکہ تمام چیزیں جو کچھ پیدا ہوئی ہیں۔ مادی ہوں یا غیر مادی اُس کے قانون قدرت کے ماتحت ہیں تو انسان اور اُس کی طبیعت اور اُس کی اُن غیر مادی صفت کی ترقی جس کا نام ہمنے اخلاق یا مذہب رکھا ہے۔ سب کے سب اُسی قانون قدرت میں داخل ہیں۔ پس انسان صحیح اخلاق اُسی قانون قدرت میں تلاش کرسکتا ہے جو انسان کے لیئے

اُس کے بانی نے اُس قانون قدرت میں رکھے ہیں۔ اور اُنہی اخلاق سے انسان کی طبیعت کی جو حالت ہو وُہی ایسی حالت ہے جو ہمکو دھوکا نہ دے۔

انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کرنے کے لیئے جو کبھی دھوکہ نہ دے ہادی کا ہونا ضرور ہے جس کو ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول کہتے ہیں

ہاں یہ سچ ہے کہ قانون قدرت پر غور اور فکر کرنے سے وہ صحیح اخلاق جو انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کردیں جو کبھی دھوکہ نہ دے دریافت ہوسکتے ہیں مگر کب؟ جبکہ انسان کی معلومات کو ایک کافی ترقی۔ اور قوانین قدرت پر اور اُن مختلف قوا کے اسرار پر جو اُس کے بانی نے انسان میں رکھے ہیں۔ ایک معتدبہ آگاہی حاصل ہو۔ تمام انسان اُن دقایق پر پہونچ نہیں سکتے۔ اور جو پہونچ سکتے ہیں وہ معدودے چند کے سوا نہیں ہوسکتے۔ اور وہ بھی نہ اپنی عمر میں بلکہ پشتوں در پشتوں اور صدیوں در صدیوں میں پس اِس لیئے تاکہ اُس قادر مطلق کی حکمت بیکار نہ رہے ضرور ہوا ہے کہ وقتاً فوقتاً ملک اور زمانہ کی حالت کے لحاظ سے ایسے ہادی پیدا کیئے جاویں جن میں خلقی ایسا مادہ دیا گیا ہو جو باعتبار اپنی فطرت کے اُن سچے اخلاق کے بیان کا مخزن ہو۔
وہ شخص جس میں خدا نے ایک کامل ترقی کا ملکہ رکھا ہو۔ اُس شخص سے جس کو اُس کامل ترقی کا ملکہ دیا ہو مختلف حالت کا ہوتا ہے۔ پہلے شخص کو وہ ترقی کسبی ہوتی ہے۔ وہ موجودات عالم پر غور کرتا ہے۔ اپنے علم کو۔ اپنی معلومات کو ترقی دیتا ہے۔ اگلوں کی معلومات سے فایدہ اُٹھاتا ہے اور بذریعہ اکتساب کے اُس ترقی تک پہونچتا ہے۔ اور پھر بھی مشتبہ رہتا ہے کہ پہونچا یا نہیں مگر دوسرے شخص کی وہ ترقی کسبی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہبی ہوتی ہے۔ اُسکی بناوٹ ہی اُس کامل ترقی پر ہوتی ہے۔ اُس میں وہ ملکہ خلقی ہوتا ہے اور اِس لیئے جب وہ کسی ایسی بات پر غور کرتا ہے جو اخلاق سے۔ یا یوں کہو کہ دین سے متعلق ہے۔ اُس کے دل میں وُہی بات پڑتی ہے جو نہایت سچی اور سیدھی ہے اور جو عین مرضی قانون قدرت کے بنانے والے کی ہے

اُس القاء کے مختلف طریقے قانون قدرت کے بموجب ہیں جن کو ہم دوسری زبان میں وحی اور الہام اور روع فی النفس کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں *

اس پہلے شخص اور پچھلے شخص میں ایک اور بھی فرق ہوتا ہے۔ پہلے شخص کو جس نے وہ صفت بذریعہ کسب کے حاصل کی ہے ضرور ہے کہ اپنی معلومات کو جن کے ذریعہ سے اُس نے رفتہ رفتہ ترقی کی ہے اصطلاحات خاص اور کنایات اور اشارات موضوعہ میں ضبط کرے۔ مگر اُس پچھلے شخص کو جسے اُس کا ملکہ خلقی اور فطری دیا گیا ہے اُس کی کچھ حاجت نہیں ہوتی اور اس تفرقہ سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلا شخص اپنے مقاصد اور اپنے ماحصل کو عام لوگوں کی عقل اور عام لوگوں کے خیالات کے موافق اُن کو سمجھا نہیں سکتا۔ اور ہدایت عام کے منصب پر کھڑا ہونے کے لایق نہیں ہوتا۔ اور یہ پچھلا شخص اُنہی دقیق مسائل کو عام لوگوں کے خیالات کے موافق اس طرح پر بیان کر دیتا ہے کہ سب کی تسلی ہوتی ہے۔ اور نتیجہ میں کچھ تفاوت نہیں ہوتا اور یہ ایک دوسری ضرورت ہے کہ دنیا کے لیئے ایسے ہادی پیدا ہوں جن کو خلقی اور فطری ملکہ ترقی اخلاق کا اور منصب عام ہدایت کا حاصل ہو جن کو ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول کہتے ہیں *

یہ بات جو ہمنے بیان کی کچھ خاص اخلاق ہی کے معلموں پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ تمام علوم و فنون کے معلموں کا یہی حال ہے کہ کسی شخص میں کسی علم کے مناسب خدا تعالے ایسا ملکہ رکھ دیتا ہے کہ وہ ملکہ دوسروں کو برسوں کی محنت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ لوگ علوم و فنون کے معلم ہیں اور یہ پیغمبر اور معلم انسانی اخلاق اور مدبر انسانی روح کے *

ہماری اس تقریر سے لوگ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ جس شخص کو اُس کامل ترقی کا ملکہ دیا گیا ہو وہ تو ضرور پیغمبر ہوگا۔ اور جس میں اُس کامل ترقی کا ملکہ رکھا گیا ہو وہ اگرچہ پیغمبر نہ ہوگا مگر اُن اخلاق کو دریافت کر سکیگا جو پیغمبر بتاتے ہیں۔ گو کہ ایسا شخص شاذ و نادر ہی کیوں نہ ہو۔ بے شک جو تقریر ہماری ہے۔ اُس سے اس نتیجہ کا نکلنا ہمکو تسلیم کرنا پڑے گا۔ مگر اُنہی دو تفرقوں کے ساتھ ایک یہ کہ بذریعہ اکتساب کے اُس ترقی تک پہونچنا مشتبہ رہتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ ہدایت عام کے منصب کے لایق نہیں ہوتا جو اصلی منصب ہادی یا پیغمبر کا ہے *

ہمارا یہ اصول نہایت سچا ہوا ہے کہ انسان صرف بسبب عقل کے جو اُس میں ہے مکلف ہوا ہے پس

جس بات پر وہ مکلف ہوگا ضرور ہے کہ وہ فہم انسانی سے خارج نہ ہو۔ ورنہ معلول کا وجود بغیر علت کے لازم آتا ہے۔ جو محال و ممتنع ہے۔ پس جن اخلاق کے پکڑنے اور چھوڑنے پر انسان مکلف ہے وہ ضرور عقل انسانی سے خارج نہیں۔ پس کسی شخص کا بذریعہ اکتساب کے اُن کو یا اُن میں سے بعض کو پا لینا نہ منافی ہدایت کے ہے نہ منافی رسالت کے۔ اور یہی سبب ہے کہ متعدد اقوال اور اصول بعض حکماء کے بالکل مطابق اقوال و اصول انبیاء کے پائے جاتے ہیں اور ان باتوں سے انبیاء کی نبوت کی زیادہ تر تقویت ہوتی ہے۔ ہاں۔ ان نازک عالموں میں تدبر درکار ہے ٭

اگر ایسے ہادیوں کا ہونا ضرور ہے تو اُن کی تصدیق کی کیا صورت؟

اکثر یہ جواب دینگے کہ اعتقاد۔ مگر میں اُس کو لغو سمجھتا ہوں۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ اُس ہادی کی ہدایت سُننے والے چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے کلاً یا جزءً اصول قوانین قدرت پر آگاہی پائی ہے۔ وہ تو بمجرد اس ہادی کی بات سُنتے ہی پرکھ جاتے ہیں کہ بے شک یہ ہدایت اُسی مخرج سے ہے جو انسان کا بانی ہے اور وہ فی الفور اُس کی تصدیق کرتے ہیں ٭

دوسرے لوگ وہ ہیں جن کو خود تو اُس درجہ تک پہونچنے کی قدرت نہ تھی۔ مگر ایسا ملکہ اُن میں تھا کہ سمجھائے سے سمجھ سکتے تھے۔ پس وہ اس ہادی کی باتوں کو سُنتے ہیں اور غور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور ٹھیک پاتے ہیں اور اُس پر یقین کرتے ہیں ٭

تیسرے وہ لوگ ہیں جن میں ایسا ملکہ ہی نہیں ہے۔ مگر ان میں فطرتی سعادت اور سچائی اور ٹھیک اور سچ بات کا دل کو لگ جانا مخلوق کیا گیا ہے۔ پس وہ لوگ گو اُس بات کی کنہ کو نہیں سمجھتے مگر اُن کے دل کو سچی لگتی ہے اور وہ اسکی تصدیق کرتے ہیں ٭

چوتھے وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ بخوبی بوجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں۔ مگر غرور یا شرم یا نفسانیت سے اُس کا اقرار نہیں کرتے۔ یعنی اُس پر ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ لوگ ٹھیک ابوجہل کے بھائی ہیں ٭

پانچویں وہ لوگ ہیں جن کو اصلیت سے کچھ غرض نہیں ہے۔ اپنے باپ دادا کی رسم پر چلے جاتے ہیں۔ اور اُسی کو سچ جانتے ہیں۔ اور اُس ہادی کی بات کو نہیں مانتے۔ یہ لوگ بالکل تیسری قسم کے لوگوں کی مانند ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہ اپنی سعادت سے سیدھی راہ پر ہیں اور

یا اپنی سفاہت سے ٹیڑھی راہ پر۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ٭
پس ان فرقوں میں اس سوال پر بحث کرنے والے وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو پہلے اور چوتھے یا دوسرے فرقہ میں داخل ہیں۔ اور ان کو ہم اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس ہادی کی نصیحتوں کا ہم قانون قدرت سے مقابلہ کرینگے۔ اور بقدر اس زمانہ کے علم وعقل و تجربہ کے ان دونوں کے اصولوں کو تلاش کرینگے جو ابتدا یا بعد سمجھنے و سمجھانے کے دریافت ہوئے ہیں۔ اگر مطابقت پاوینگے تو یقین کرینگے کہ بلاشبہ وہ ہادی ہے۔ اور وہ اسی مخرج سے ہدایت کرنے پر مامور ہے جو ہمارا اور اس ہادی کا دونوں کا بنانے والا ہے ٭
ایک فرانسیسی عالم نے لکھا ہے کہ کوئی پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم سے زیادہ صاف گو نہیں ہوا جس نے نہ کسی معجزہ کا بہانہ کیا نہ کسی ایسی بات کا دعویٰ کیا جو انسان کے فہم سے باہر ہے بلکہ یہ کہا کہ میں تمکو نصیحت کرنیوالا ہوں۔ بری باتوں سے بچانا اور اچھی باتیں سکھانا چاہتا ہوں۔ پس یہی بزرگی محمد صلعم میں ایسی ہے جو کسی میں نہیں۔ بابی انت وامی یا رسول اللہ قال اللہ تعالیٰ علی لسان نبیہ صلعم "انما انا نذیر مبین"۔ "انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد" ٭
اس مقام پر لوگوں کے دل میں یہ بحث آوے گی کہ اس فرقہ نیم کی نجات یا درکات کا کیا حال ہوگا۔ مگر اس مقام پر اس بحث کو ہم ملانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اس وقت صرف انبیاء کے آنے کی ضرورت اور ان کی تصدیق کی علامت پر بحث ہے۔ جس کا خاتمہ ختم رسالت کی بحث پر کرتے ہیں ٭

کیا ایسی حالت میں ختم رسالت ہوسکتی ہے؟

ہاں۔ بلاشبہ۔ مگر مشکل یہ ہے کہ الفاظ کے عام مشہور معنی آدمی کے دل کو شبہ میں ڈال دیتے ہیں۔ اس کو خیال نہیں رہتا کہ وہ عام لفظ اس خاص مقام پر کس مراد سے مستعمل ہوا ہے۔ فرض کرو کہ ایک صندوقچہ تھا اور اس میں گلاب کا نہایت خوشبودار ایک پھول رکھا تھا۔ بہت لوگ کہتے تھے کہ اس میں گلاب کا پھول ہے۔ اسکی خوشبو سے اور نشانیوں سے سمجھاتے تھے بہت لوگ مانتے تھے بہت نہ مانتے تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے وہ صندوقچہ کھول کر سب کو وہ پھول دکھا دیا۔ سب بول اٹھے کہ اب تو حد ہوگئی۔ یعنی یہ بات ختم ہوگئی۔ اب اس کے کیا معنی

ہیں؟ کیا یہ معنی ہیں کہ کوئی دوسرا شخص اِس صندوقچہ کو نہیں کھولنے کا۔ اور وہ پھول کسی کو نہیں دکھلانے کا؟ یہ مطلب سمجھنا تو محض بیوقوفی کی بات ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس امر کا ثابت کرنا کہ اس صندوقچہ میں پھول ہے ختم ہوگیا۔ یا انتہا کو پہونچ گیا۔ اَب اِس سے زیادہ کوئی نہیں کرسکتا۔ پس یہی معنی ختم رسالت کے ہیں ؛

روحانی ترقی یا تہذیب کے باب میں جو کچھ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرما گئے وہ حد یا انتہا اُسکی ہے۔ اور اسی لیئے وہ خاتم ہیں۔ اَب اگر ہزاروں لوگ ایسے پیدا ہوں جن میں ملکہ نبوت ہو۔ مگر اُس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ رسول خدا صلعم نے ختم نبوت فرمایا ہے۔ ملکہ نبوت کا ختم اور فیضان الٰہی کا خاتمہ نہیں فرمایا۔ بلکہ اولیاء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے لفظ سے اُس ملکہ نبوت کا تاقیامت جاری رہنا پایا جاتا ہے۔ مگر نبوت کا خاتمہ ہوگیا جیسے کہ اُس پھول کے دکھا دینے سے اُس پھول کے اثبات کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ ہاں یہ بات دیکھنی باقی رہی۔ کہ محمد رسول اللہ صلعم نے کیا کیا جس سے اُن پر نبوت کا خاتمہ ثابت ہوتا ہے ؛

اِس امر کی نسبت تقریر تو بہت لمبی ہے۔ مگر میں اُسکو ایک مختصر تقریر میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ امر بجائے خود تحقیق و ثابت ہو چکا ہے کہ یقین خدا کی وحدانیت کا اصلی ذریعہ انسان کی روحانی ترقی کا ہے۔ یا دوسری زبان میں یوں کہو کہ باعث نجات اُخروی ہے۔ اس مسئلہ کو اِس مقام پر مسلم قرار دیتا ہوں اور اسجگہ اُسپر بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ پس اب ہمکو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وحدانیت ذات باری کی نسبت خاتم المرسلین نے کیا کیا ؛

ہمکو یہ بتایا کہ وہ ہستی مطلق یا علۃ العلل واحد فی الذات ہے۔ وحدت فی الذات ایک ایسا مسئلہ ہے کہ تمام دنیا کے اہل مذاہب اُسکو تسلیم کرتے ہیں۔ عیسائی جو تثلیث کو مانتے ہیں وہ بھی وحدت فی الذات کے قایل ہیں۔ پس یہ تو کچھ نئی بات یا کچھ بڑی بات (اگرچہ فی نفسہٖ بڑی ہے) نہ تھی ؛

اُسی کے ساتھ ہمکو یہ بھی بتایا کہ وہ ہستی مطلق صفات میں بھی واحد ہے۔ یہ مسئلہ وحدت فی الصفات کا کسی قدر پہلے مسئلہ سے زیادہ ترقی کیا ہوا تھا۔ کیونکہ اگرچہ دنیا میں ایسے بہت سے مذاہب و ادیان ہیں جو مشرک فی الصفات ہیں۔ الّا ایک آدھ مذہب ایسا بھی تھا جو وحدت فی الصفات کو بھی مانتا تھا ؛

تیسری بات جو ہمارے پیغمبر نے ہمکو بتائی وہ مسئلہ فی العبادت کا ہے یعنی وہ اکا تذلل

اور اُن ارکان ظاہری کا ادا جو خاص اپنے خدا کے لیئے ہے وہ کسی دوسرے کے لیئے نہ کرنا یہ وہ بھید تھا جو کسی نے نہیں بتایا تھا - اور جس بغیر درحقیقت اگر توحید ناقص نہ تھی تو پوری بھی نہ تھی - پس ان تینوں وحدتوں کی ہدایت سے جن کو ہم وحدت فی الذات - وحدت فی الصفات اور وحدت فی العبادت سے تعبیر کرتے ہیں ایمان وحدت ذات باری پر مکمل ہو گیا اور خدا نے کہہ دیا "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" اور اسی کے ساتھ درحقیقت نبوت بھی یعنی تعلیم وحدت باری بھی ختم ہو گئی جو اصل اصول نجات یا روحانی ترقی کا ہے - پس اب جو لوگ وحدانیت خدا کی ہدایت کریں گے یا کرتے ہیں اُس سے زیادہ کوئی بات نہیں کر سکتے - اور جو لوگ ان تینوں وحدتوں پر یقین کرینگے بلاشبہ مسلمان اور پورے موحد ہوں گے - کیونکہ ان تینوں وحدتوں پر یقین کرنا اصلی اسلام ہے - اور اِن تینوں وحدتوں پر یقین کرنے والا اپنا نام جو چاہے سو رکھے - مگر درحقیقت وہ مسلمان اور بڑے سچے مسلہ اسلام کا پیرو ہے - ہاں - اسقدر بیشک ہے کہ اسلام ہی سے اس مسلہ کو سیکھ کر اور اُسپر یقین لاکر اگر اپنے تئیں مسلمان نہیں کہتا اور اپنا دوسرا نام رکھتا ہے - تو وہ مسلمان تو خواہ نخواہ ہی ہے - مگر ناشکر مسلمان ہے - کیا عمدہ بات ہے کہ جب کسی جاہل سے پوچھتے ہیں کہ مسلمان ہو - تو وہ کہتا ہے کہ شکر الحمد للہ - پس ہم چاہتے ہیں کہ جو لوگ وحدت ذات باری کے بجمیع صفات کمال کے قایل ہیں اور شرک فی الذات اور شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت سے بری ہیں وہ اسلام کے شکر گزار ہیں اور اپنے تئیں مسلمان کہیں اور اُس سچے پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم پر بھی ایمان لاویں جس کے سبب سے اس وحدانیت کامل کو ہم نے پایا ہے -

اللھم صل علی النبی المطھری ٭ شفیع الوری فی یوم بعث ومحشری

اپنی مدد آپ

خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے - اس چھوٹے سے فقرہ میں انسانوں کا اور قوموں کا اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے - ایک شخص میں اپنی آپ مدد کرنے کا جوش اُس کی سچی ترقی کی بنیاد ہے اور جبکہ یہ جوش بہت سے شخصوں میں پایا جاوے - تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی

سضبوطی کی جڑ ہے۔ جبکہ کسی شخص کے لیئے یا کسی گروہ کے لیئے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو
اُس شخص میں سے یا اُس گروہ میں سے وہ جوش اپنے آپ مدد کرنے کا کم ہوجاتا ہے۔ اور
ضرورت اپنے آپ مدد کرنے کی اُس کے دل سے مٹتی جاتی ہے۔ اور اُسی کے ساتھ غیرت
جو ایک نہایت عمدہ قوت انسان میں ہے۔ اور اُسی کے ساتھ عزت۔ جو اصلی چمک دمک انسان
کی ہے۔ از خود جاتی رہتی ہے۔ اور جبکہ ایک قوم کی قوم کا یہ حال ہو۔ تو وہ ساری قوم دوسری
قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے غیرت اور بے عزت ہوجاتی ہے۔ آدمی جس قدر کہ دوسرے
پر بھروسہ کرتے جاتے ہیں۔ خواہ اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کا بھروسہ گورنمنٹ ہی پر کیوں نکریں
(یہ امر بدیہی اور لابدی ہے) کہ وہ اُسی قدر بے مدد اور بے عزت ہوتے جاتے ہیں۔ اے
میرے ہموطن بھائیو۔ کیا تمھارا یہی حال نہیں ہے ؟

ایشیا کی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں۔ کہ اچھا بادشاہ ہی رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا
ہے۔ یورپ کے لوگ جو ایشیا کے لوگوں سے زیادہ ترقی کر گئے تھے۔ یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ
انتظام قوم کی عزت و بھلائی و خوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ خواہ وہ انتظام باہمی قوم کے رسم و
رواج کا ہو۔ یا گورنمنٹ کا۔ اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو
بہت بڑا ذریعہ انسان کی ترقی و بہبودی کا خیال کر کر۔ اُن کا درجہ سب سے اعلےٰ اور نہایت
بیش بہا سمجھتے تھے۔ مگر حقیقت میں یہ سب خیال غلط ہیں۔ ایک شخص فرض کرو کہ وہ لنڈن
میں آئرلینڈ کی طرف سے پارلیمنٹ کا ممبر ہی کیوں نہ ہوجائے۔ یا کلکتہ میں ویسرائے اور
گورنر جنرل کی کونسل میں ہندوستان کا ممبر ہی ہو کر کیوں نہ بیٹھ جاوے۔ قومی عزت اور
قومی بھلائی اور قومی ترقی کیا کرسکتا ہے۔ برس دو برس میں کسی بات پر ووٹ دیدینے سے
گو وہ کیسی ہی ایمانداری اور انصاف سے کیوں نہ دیا ہو۔ قوم کی کیا بھلائی ہوسکتی ہے۔ بلکہ خود
اُس کے چال چلن پر۔ اُس کے برتاؤ پر بھی اُس سے کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا تو قوم کے برتاؤ پر کیا
اثر پیدا کرسکتا ہے۔ ہاں یہ بات بے شبہ ہے کہ گورنمنٹ سے انسان کے برتاؤ میں کچھ مدد
نہیں ملتی۔ مگر عمدہ گورنمنٹ سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آدمی آزادی سے اپنے قوا کی تکمیل اور اپنی
شخصی حالت کی ترقی کرسکتا ہے +

یہ بات روز بروز روشن ہوتی جاتی ہے کہ گورنمنٹ کا فرض بہ نسبت مثبت اور عمل ہونے کے
زیادہ تر منفی اور مانع ہے۔ اور وہ فرض جان اور مال اور آزادی کی حفاظت ہے۔ جبکہ قانون کا

علد آمد دانشمندی سے ہوتا ہے۔ تو آدمی اپنی جسمی اور ذہنی محنت کے ثمروں کا بے خطرہ حظ اٹھا سکتا ہے۔ جس قدر گورنمنٹ کی حکومت عمدہ ہوتی ہے۔ اُتنا ہی ذاتی نقصان کم ہوتا ہے۔ مگر کوئی قانون گو وہ کیسا ہی اُبھارنے والا کیوں نہ ہو سُست آدمی کو محنتی۔ فضول خرچ کو کفایت شعار۔ شراب خوار کو تائیب نہیں بنا سکتا۔ بلکہ یہ باتیں شخصی محنت۔ کفایت شعاری نفس کُشی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ قومی ترقی۔ قومی عزت۔ قومی اصلاح۔ عُمدہ عادتوں۔ عمدہ چال چلن۔ عُمدہ برتاؤ کرنے سے ہوتی ہے۔ نہ گورنمنٹ میں بڑے بڑے حقوق اور اعلےٰ اعلےٰ درجہ حاصل کرنے سے ۔

پُرانے لوگوں کا مقولہ ہے کہ "النّاس علےٰ دین ملوکھم" اگر اس مقولہ میں "النّاس" سے چند خاص آدمی مراد لیئے جاویں۔ جو بادشاہ کے معتبر ہوتے ہیں۔ تو تو یہ مقولہ صحیح ہے۔ اور اگر یہ معنی لیئے جاویں۔ کہ رعایا اپنی گورنمنٹ کی سی ہوجاتی ہے۔ تو یہ مقولہ صحیح نہیں ہے۔ رعایا کبھی گورنمنٹ کے رنگ میں نہیں رنگی جاتی۔ بلکہ گورنمنٹ رعایا کا سا رنگ بدلتی جاتی ہے۔ نہایت ٹھیک بات ہے کہ گورنمنٹ عموماً اُن لوگوں کا جن پر وہ حکومت کرتی ہے عکس ہوتی ہے۔ جو رنگ اُن کا ہوتا ہے۔ اُسی کا عکس گورنمنٹ میں پایا جاتا ہے۔ جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے تہذیب و شائستگی میں آگے بڑھی ہوئی ہے۔ رعایا اُس کو زبردستی سے پیچھے کھینچ لاتی ہے۔ اور جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے کمتر اور تہذیب و شائستگی میں پیچھے ہوتی ہے۔ وہ ترقی کی ڈھب میں رعایا کے ساتھ آگے کھنچ جاتی ہے۔ تاریخ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان و انگلستان کا یہی حال ہوا۔ انگلستان کی رعایا تہذیب و شائستگی میں اُس زمانہ کی گورنمنٹ سے آگے بڑھی ہوئی تھی۔ اُس نے زبردستی سے گورنمنٹ کو اپنے ساتھ آگے کھینچ لیا۔ ہندوستان کی رعایا تہذیب و شائستگی میں موجودہ گورنمنٹ سے کوسوں پیچھے پڑی ہے۔ گورنمنٹ کتنا ہی کھینچنا چاہتی ہے۔ مگر وہ نہیں کھنچتی بلکہ زبردستی سے گورنمنٹ کو پیچھے کھینچ لائی ہے ۔

یہ ایک نیچرل قاعدہ ہے۔ کہ جیسا مجموعہ قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے یقینی اُسی کے موافق اُس کے قانون اور اُسی کے مناسب حال گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پانی خود اپنی چینال میں آجاتا ہے۔ اسی طرح عمدہ رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے۔ اور جاہل و خراب و ناتربیت یافتہ رعایا پر ویسی ہی اکھڑ حکومت کرنی پڑتی ہے ۔

تمام تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ کسی مُلک کی خوبی و عمدگی اور قدر و منزلت نسبتاً اس کی

گورنمنٹ کے عمدہ ہونے کے زیادہ تر اُس ملک کی رعایا کے چال چلن - اخلاق و عادت - تہذیب و شایستگی پر منحصر ہے - کیونکہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے - اور ایک قوم کی تہذیب درحقیقت اُن مرد و عورت و بچوں کی شخصی ترقی ہے - جن سے وہ قوم بنتی ہے +

قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت - شخصی عزت - شخصی ایمانداری - شخصی ہمدردی کا - اسی طرح قومی تنزل مجموعہ ہے شخصی سستی - شخصی بے عزتی - شخصی بے ایمانی - شخصی خودغرضی کا اور شخصی بُرائیوں کا - ناتہذیبی و بدچلنی جو اخلاقی و تمدنی - یا باہمی معاشرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے - درحقیقت وہ خود اُسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے - اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوشش سے ان بُرائیوں کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالیں اور نیست و نابود کردیں - تو یہ بُرائیاں کسی اَور نئی صورت میں اُس سے بھی زیادہ زور شور سے پیدا ہو جاویں گی - جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ کی جاوے +

اے میرے عزیز ہموطنو - اگر یہ رائے صحیح ہے - تو اُس کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کی سچی ہمدردی اور سچی خیرخواہی کرو - غور کرو کہ تمھاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح پر عمدہ ہو - تاکہ تم بھی ایک معزز قوم ہو - کیا جو طریقہ تعلیم و تربیت کا - بات چیت کا - وضع و لباس کا - سیر سپاٹے کا شغل اشغال کا تمھاری اولاد کے لیئے ہے اُس سے اُن کی شخصی چال چلن - اخلاق و عادات نیکی و سچائی میں ترقی ہو سکتی ہے؟ حاشا و کلا +

جبکہ ہر شخص اور کل قوم خود اپنی اندرونی حالتوں سے آپ اپنی اصلاح کر سکتی ہے - تو اسباب کی اُمید پر بیٹھے رہنا کہ بیرونی زور انسان کی یا قوم کی اصلاح و ترقی کرے - کس قدر افسوس بلکہ نادانی کی بات ہے - وہ شخص حقیقت غلام نہیں ہے - جس کو ایک خدا ناترس نے جو اُس کا ظالم آقا کھلایا جاتا ہے خرید لیا ہے - یا ایک ظالم اور خودمختار بادشاہ یا گورنمنٹ کی رعیت ہے بلکہ درحقیقت وہ شخص اصلی غلام ہے جو بداخلاقی - خودغرضی - جہالت اور شرارت کا مطیع - اور اپنی خودغرضی کی غلامی میں مبتلا اور قومی ہمدردی سے بے پرواہ ہے - وہ قومیں جو اس طرح دل میں غلام ہیں - وہ بیرونی زوروں سے یعنی عمدہ گورنمنٹ یا عمدہ قومی انتظام سے آزاد نہیں ہو سکتیں جب تک کہ غلامی کی یہ دلی حالت دور نہ ہو - اصل یہ ہے کہ جب تک انسانوں میں یہ خیال ہے کہ ہماری اصلاح و ترقی گورنمنٹ پر یا قوم کے عمدہ انتظام پر منحصر ہے اُس وقت تک کوئی مستقل اور ترقی میں آنے کے قابل نتیجہ اصلاح و ترقی کا قوم میں پیدا نہیں ہو سکتا - گو کیسی ہی عمدہ تبدیلیاں

گورنمنٹ یا انتظام میں کیجاویں۔ وہ تبدیلیاں فانوس خیال سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں جس میں طرح طرح کی تصویریں پھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ مگر جب دیکھو تو کچھ بھی نہیں ٭

مستقل اور مضبوط آزادی ۔ سچی عزت ۔ اصلی ترقی ۔ شخصی چال چلن کے عمدہ ہونے پر منحصر ہے ۔ اور وہی شخصی چال چلن ۔ معاشرت و تمدن کا محافظ ۔ اور وہی شخصی چال چلن ۔ قومی ترقی کا بڑا ضامن ہے ۔ جان اسٹیورٹ مل جو اسی زمانہ میں ایک بہت بڑا دانا حکیم گذرا ہے ۔ اس کا قول ہے کہ "ظالم اور خود مختار حکومت بھی زیادہ خراب نتیجے پیدا نہیں کرسکتی ۔ اگر اسکی رعایا میں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی موجود ہے اور جو چیز کہ شخصی اصلاح و شخصی ترقی کو دبا دیتی ہے درحقیقت وہی شے اس کے لیئے ظالم و خود مختار گورنمنٹ ہے ۔ پھر اس شے کو جس نام سے چاہو پکارو ۔ اس مقولہ پر میں اس قدر اور زیادہ کرتا ہوں کہ جہاں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی مٹ گئی ہے یا دبگئی ہے وہاں کیسی ہی آزاد اور عمدہ گورنمنٹ کیوں نہ قایم کی جاوے وہ کچھ بھی عمدہ نتیجے پیدا نہیں کرسکتی ۔ اور اس اپنے مقولہ کی تصدیق کو ہندوستان کی اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت کی مثال پیش کرتا ہوں ۔ اے مسلمان بھائیو ۔ کیا تمھاری یہی حالت نہیں ہے ؟ تمنے اس عمدہ گورنمنٹ سے جو تمپر حکومت کر رہی ہے کیا فائدہ اٹھایا ہے ؟ تمھاری آزادی کے محفوظ رکھنے کا تمکو کیا نتیجہ حاصل ہوا ہے ؟ سچ سچ سچ ! اس کا سبب یہی ہے کہ تم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ نہیں ہے ٭

انسان کی قومی ترقی کی نسبت ہم لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی خضر ملے ۔ گورنمنٹ فیاض ہو اور ہمارے سب کام کردے ۔ اس کے یہ معنی ہیں ۔ کہ ہر چیز ہمارے لیئے کی جاوے اور ہم خود نہ کریں ۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر اس کو ہادی اور رہنما بنایا جاوے ۔ تو تمام قوم کی دلی آزادی کو برباد کردے ۔ اور آدمیوں کو انسان پرست بنادے ۔ حقیقت میں ایسا ہونا قوت کی پرستش ہے ۔ اور اس کے نتایج انسان کو ایسا ہی حقیر بنا دیتے ہیں ۔ جیسیکہ صرف دولت کی پرستش سے انسان حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے ۔ کیا لالہ اشرفی مل جو ہر روز لچھمی کی پوجا کرتے ہیں ۔ اور بے انتہا دولت رکھتے ہیں ۔ انسانوں میں کچھ قدر و منزلت کے لایق گنے جاتے ہیں ؟

بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط ۔ جس سے دنیا کی معزز قوموں نے عزت پائی ہے وہ اپنی آپ مدد کرنا ہے ۔ جس وقت لوگ اسکو اچھی طرح سمجھیں گے اور کام میں لاوینگے ۔ تو پھر خضر کو ڈھونڈنا بھول جاوینگے ۔ اوروں پر بھروسا ۔ اور اپنی مدد آپ ۔ یہ دونوں اصول

ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی بدیوں کو برباد کرتا ہے۔ اور پہلا خود انسان کو۔

قومی انتظام یا عمدہ قوانین کے اجرا کی خواہش۔ یہ بھی ایک قدیمی غلط خیال ہے سچا اصول وہ ہے جو ولیم ڈراگن نے ڈبلن کی نمایش گاہ دستکاری میں کہا تھا۔ جو ایک بڑا خیر خواہ آئرلینڈ کا تھا۔

اُس نے کہا کہ " جس وقت میں آزادی کا لفظ سُنتا ہوں۔ اُسی وقت مجھ کو میرا ملک اور میرے شہر کے باشندے یاد آتے ہیں۔ ہم اپنی آزادی کے لیئے بہت سی باتیں سُنتے آئے ہیں۔ مگر میرے دل میں بہت بڑا مضبوط یقین ہے کہ ہماری محنت۔ ہماری آزادی ہمارے اوپر منحصر ہے میں یقین کرتا ہوں کہ اگر ہم محنت کیئے جاویں اور اپنی قوتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کریں تو اس سے زیادہ ہمکو کوئی موقع یا آیندہ کی قومی ترقی اپنی بہتری کے لیئے نہیں ہے۔ استقلال اور محنت۔ کامیابی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اگر ہم ایک دلی ولولہ اور محنت سے کام کیئے جائیں گے تو مجھے پورا یقین ہے کہ تھوڑے زمانہ میں ہماری حالت بھی ایک عمدہ قوم کی مانند آرام و خوشی و آزادی کی ہو جاوے گی"۔

انسان کی اگلی پشتوں کے حالات پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسانوں کے نسل در نسل کے کاموں سے حاصل ہوئی ہے۔ محنتی اور مستقل مزاج محنت کرنیوالوں۔ زمین کے جوتنے والوں۔ کانوں کے کھودنے والوں نئی نئی باتوں کے ایجاد کرنیوالوں۔ مخفی باتوں کو ڈھونڈ کر نکالنے والوں۔ آلات جر ثقیل سے کام لینے والوں۔ اور ہر قسم کے پیشہ کرنے والوں۔ ہنرمندوں شاعروں حکیموں فیلسوفوں۔ ملکی منتظموں نے انسان کو موجودہ ترقی کی حالت پر پہونچانے میں بڑی مدد دی ہے۔ ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی ہے۔ اور اُسکو ایک اعلےٰ درجہ تک پہونچایا ہے۔ ان عمدہ کاریگروں سے جو تہذیب و شایستگی کی عمارت کے معمار ہیں لگاتار ایک دوسرے کے بعد ہونے سے محنت اور علم اور ہنر میں جو ایک بے ترتیبی کی حالت میں تھی ایک ترتیب پیدا ہوئی ہے۔ رفتہ رفتہ نیچر کی گردش نے موجودہ نسل کو اُس زرخیز اور بے بہا جائداد کا وارث کیا ہے جو ہمارے بڑھوں کی ہوشیاری اور محنت سے مہیا ہوئی تھی۔ اور وہ جائداد ہمکو اس لیئے نہیں دی گئی ہے کہ ہم صرف مثل مار سر گنج اُسکی حفاظت ہی کیا کریں بلکہ ہمکو اس لیئے دی گئی ہے کہ اسکو ترقی دیں۔ اور ترقی یافتہ

حالت میں۔ آیندہ نسلوں کے لیئے چھوڑ جاویں مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ہماری قوم نے اُن بزرگوں کی چھوڑی ہوئی جائیداد کو بھی گرا دیا ٭

انگریزوں کو جو دنیا کے اس زمانہ میں اسقدر ترقی ہوئی۔ اُس کا سبب صرف یہی ہے کہ ہمیشہ اُن کی قوم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ رہا ہے اور اُس قوم کی شخصی محنت اُسپر گواہ عادل ہے۔ یہی مسئلہ اپنی مدد آپ کرنے کا انگریزوں کی قوم کی طاقت کا سچا پیمانہ رہا ہے ٭

انگریزوں میں اگرچہ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے۔ جو تمام لوگوں سے اعلےٰ درجہ کے اور زیادہ مشہور تھے اور جن کی تمام لوگ عزت بھی کرتے تھے۔ لیکن کم درجہ کے اور غیر مشہور آدمیوں کے گروہوں میں سے بھی اُس قوم کی بڑی ترقی ہوئی ہے۔ گو کسی لڑائی اور میدان کارزار کی فہرستوں اور تاریخوں میں صرف بڑے بڑے جنرلوں اور سپہ سالاروں کے نام لکھے گئے ہوں لیکن وہ فتوحات اُن کو زیادہ تر اُنہیں سپاہی لوگوں کی شجاعت اور بہادری کے سبب ہوئی ہے۔ عام لوگ ہی تمام زمانوں میں سب سے زیادہ کام کرنے والے ہوئے ہیں۔ بہت سے ایسے شخص ہیں جن کی زندگی کا حال کسی نے نہیں لکھا۔ لیکن تہذیب و شایستگی اور ترقی پر اُن کا بھی ایسا ہی قوی اثر ہوا ہے جیسا کہ اُن خوش نصیب مشہور نامور آدمیوں کا ہوا ہے جن کی زندگی کے حالات مورخوں نے اپنی تاریخوں میں لکھے ہیں ٭

ایک نہایت عاجز و مسکین غریب آدمی۔ جو اپنے ساتھیوں کو محنت اور پرہیزگاری اور بے لاگ ایمانداری کی نظیر دکھاتا ہے۔ اُس شخص کا اُس کے زمانہ میں اور آیندہ زمانہ میں اُسکے ملک و اسکی قوم کی بھلائی پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کی زندگی کا طریقہ اور چال چلن گو معلوم نہیں ہوتا مگر اَور شخصوں کی زندگی میں خفیہ خفیہ پھیل جاتا ہے۔ اور آیندہ کی نسل کے لیئے ایک عمدہ نظیر بن جاتا ہے ٭

ہر روز کے تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شخصی ہی چال چلن میں یہ قوت ہے کہ دوسرے کی زندگی اور برتاؤ اور چال چلن پر نہایت قوی اثر پیدا کرتا ہے۔ اور حقیقت میں یہی ایک نہایت عمدہ عملی تعلیم ہے۔ اور جب ہم اس عملی تعلیم کا علمی تعلیم سے مقابلہ کریں تو مکتب و مدرسے اور مدرستہ العلوم کی تعلیم ایسی عملی تعلیم کی ابتدائی تعلیم معلوم ہوتی ہے۔ زندگی کے علم کا یعنی زندگی کے برتاؤ کے علم کا جسکو انگریزی میں "لیف ایجوکیشن" کہتے ہیں۔ انسان پر۔ قوم پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے بہ نسبت مکتب و مدرسہ و مدرستہ العلوم کا علم طاق میں۔ یا صندوق میں۔ یا الماری میں۔ یا کسی بڑے کتبخانہ میں

رکھا ہوا ہوتا ہے - مگر زندگی کے برتاؤ کا علم ہر وقت دوست سے ملنے میں - گھر کے رہنے سہنے میں - شہر کی گلیوں میں پھرنے میں - صراف کی دوکان کرنے میں - ہل جوتنے میں - کپڑا بُننے کے کارخانہ میں - کلوں سے کام کرنے کے کارخانہ میں اپنے ساتھ ہوتا ہے - اور بے سکھائے اور بے شاگرد کیئے - لوگوں میں صرف اُسکے برتاؤ سے پھیلتا جاتا ہے ؛

یہ پچھلا علم وہ علم ہے - جو انسان کو انسان بناتا ہے - اسی پچھلے علم سے - عمل - چال چلن - تعلیم نفسی - نفس کشی - شخصی خوبی قومی مضبوطی قومی عزت حاصل ہوتی ہے - یہی پچھلا علم وہ علم ہے - کہ جو انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے - اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے - اور زندگی کے کاروبار کرنے - اور اپنی عاقبت کے سنوارنے کے لائق بنا دیتا ہے - اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا - اور نہ یہ تعلیم کسی درجے کی علمی تحصیل سے حاصل ہوتی ہے - لارڈ بیکن کا نہایت عمدہ قول ہے کہ " علم سے عمل نہیں آجاتا - علم کو عمل میں لانا علم سے باہر اور علم سے برتر ہے - اور مشاہدہ آدمی کی زندگی کو درست اور اُسکے علم کو باعمل یعنی اُس کے برتاؤ میں کر دیتا ہے - علم کے بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر معتزز اور قابل ادب بناتا ہے ؛

کیا یہی وجہ جو مدرستہ العلوم مسلمانان کے بانیوں نے یہ تجویز کی ہے کہ مسلمانوں کے لڑکے گھروں سے اور بد صحبتوں سے علیحدہ مدرستہ العلوم میں عالموں اور اشرافوں اور تربیت یافتہ لوگوں کی صحبت میں رکھے جاویں ؟ ؛

ٹیمز

از اے گریٹ رفارمر

یعنی

زمانہ ایک بڑا اصلاح کرنے والا ہے

یہ بات تو سب کو معلوم تھی کہ ترک انگریزی نما لباس پہنتے ہیں اور میز و کرسی پر بیٹھکر چھری کانٹے سے کھاتے ہیں - اور سلطان روم یعنی بادشاہ حرمین شریفین جن کا خطبہ مکہ معظمہ

کے منبروں اور مسجد نبوی کے منبر پر روضہ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔ بوٹ وپتلون وترکش کوٹ ولال پھندنے دار ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر اب نئی بات یہ معلوم ہوئی ہے۔ کہ جناب شریف مکہ عبداللہ بن عون بھی انگریزی تہذیب کو پسند فرماتے جاتے ہیں۔ پیرس کے ایک اخبار میں چھپا ہے کہ بصرہ کے ایک بہت دولتمند سوداگر جن کا نام علی الرشید ہے ان دنوں پیرس میں تشریف لائے ہیں آتے وقت وہ مکہ معظمہ میں تشریف لے گئے تھے۔ اور شریف مکہ کے ہاں مہمان رہے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ شریف مکہ کا مکان بالکل یورپ کے اسباب سے سجا ہوا ہے۔ اور شریف مکہ انگریزی طور کا کھانا کھاتے ہیں۔ مگر ابھی اتنی کسر ہے کہ چھری کانٹے سے نہیں کھاتے۔ ایک فرانسیسی باورچی اُن کے ہاں نوکر ہے۔ شریف مکہ نے فرانسیسی زبان سیکھ لی ہے اور فرنچ یعنی فرانسیسی زبان بولتے ہیں۔ اب تو قیامت ہوگئی۔ ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کیا ہمارا تہذیب الاخلاق مکہ میں بھی پڑھا جاتا ہے ؟

سلطان زنجبار کو بھی زمانہ کی ہوا لگی ہے۔ اُنھوں نے بھی فرنچ زبان پڑھنی وسیکھنی شروع کی ہے۔ اپنے ہاں کے بڑے بڑے سرداروں کو تمغے دیئے ہیں۔ جن میں سلطان زنجبار کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ کیا اب تصویر ناجائز نہیں رہی؟ نہیں نہیں بھول گیا۔ سلطان زنجبار تو بڑے پکے حنفی ہیں تمغوں میں پوری تصویر نہ ہوگی۔ صرف چہرہ یا نصف قد کی تصویر ہوگی۔ ایسے کہ حنفیوں کے ہاں کا مسئلہ ہے کہ جاندار کی اُس قدر تصویر جس سے زندہ رہنا ممکن نہ ہو بنانی یا رکھنی ناجائز نہیں ہے۔

ایک مصور نے سُنکر کہا کہ میں تو پورے قد کی تصویریں بھی ایسی ہی بناتا ہوں۔ کہ اگر اتنی ہی چیزیں انسان میں ہوں جتنی کہ میں بناتا ہوں تو بھی انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اُس نے قسم کھائی اور کہا میں نہ انسان کا بھیجا بناتا ہوں نہ پھیپھڑا۔ نہ دل وجگر۔ نہ معدہ نہ امعاء۔ نہ خون نہ روح۔ اور بغیر ان سب چیزوں کے انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس میں بھی حنفی مسئلہ کے بموجب کوئی ناجائز کام نہیں کرتا۔

جب مصور سے کہا گیا۔ کہ قیامت میں خدا کہے گا کہ اب اس میں جان ڈال۔ تب وہ حیران ہوا اور کہنے لگا کہ جناب درخت کی بھی تصویر بناؤں یا نہیں۔ تو اُس سے کہا گیا کہ درخت

کی تصویر منع نہیں تب اُس نے کہا کہ جناب اگر قیامت میں خدا کہیگا کہ اب اِسکو بڑھا اور پھل پھول لگا۔ تو مَیں کیا کروں گا۔ اُس سے کہا گیا کہ درخت میں قوت نامیہ پیدا کرنے کو اور پھل پھول لگانے کو خدا نہیں کہنے کا۔ مصوّر بولا۔ کہ نا صاحب مَیں نہ مانوں۔ ایسے خدا سے جو کاغذ پر لکیریں کی ہوئی جانور کی تصویر میں جان ڈالنے کو کہیگا۔ کیا لگتا ہے کہ وہ کاغذ پر درخت کی کھچی ہوئی تصویر میں بھی قوت نامیہ پیدا کرنے اور پھل پھول لگانے کو کہوے۔ یا تو اس مسئلہ ہی میں کچھ غلطی ہے۔ یا مطلقاً تصویر بنانا جاندار کی ہو یا بیجان کی۔ بالکل ممنوع ہے ❖

کیا کسی مولوی نے سلطان زنجبار کو فتویٰ دیدیا ہے۔ کہ تمغوں میں نقش تصویر نا جائز نہیں ہے؟

نامہذّب مُلک

اور

نامہذّب گورنمنٹ

مُلک جب نامہذّب ہوتا ہے تو ضرور کچھ نہ کچھ گورنمنٹ میں ناتہذیبی آجاتی ہے۔ اور جب گورنمنٹ مہذب ہوتی ہے تو کسی نہ کسی قدر تہذیب مُلک میں ہوتی جاتی ہے ❖

مُلک کا نامہذّب ہونا تو اُس مُلک کے باشندوں کا نامہذّب ہونا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب یہ کہیں کہ انگلنڈ۔ فرانس۔ جرمن۔ امریکہ نہایت مہذّب مُلک ہیں۔ تو اُسکے معنی یہی ہوں گے کہ وہاں کے رہنے والے تہذیب و تربیت یافتہ ہیں۔ ہندوستان کو جو نامہذّب یا نیم وحشی مُلک بتایا جاتا ہے اس کا یہی سبب ہے کہ یہاں کے رہنے والے نامہذّب یا نیم وحشی گِنے جاتے ہیں ❖

مگر ہمکو غور کرنا چاہیئے کہ گورنمنٹ کا نامہذّب ہونا کیا چیز ہے اور مسلمانی گورنمنٹیں جس قدر ہیں اُن کے نامذہب ہونے کا کیا سبب ہے ❖

گورنمنٹ کا فرض یہ ہے کہ جن لوگوں پر وہ حکومت کرتی ہے اُن کے حقوق کی خواہ وہ حقوق مال و جائداد سے متعلق ہوں خواہ کسبِ پیشہ و معاش سے خواہ آزادی مذہب و آزادی رائے

اور آزادی زندگی سے اُن کی محافظ ہو۔ غیر مساوی قوتوں سے کسی کو نقصان نہ پہونچنے دے کمزور مستحق کو غیر مستحق زور آور سے پناہ میں رکھے۔ ہر شخص اپنی ملکیت سے اپنے ہنر سے پورا پورا متمتع ہو ؎

اور اُس کا مہذب ہونا یہ ہے کہ ان تمام فرایض کے پورا کرنے کو قوانین اُسکی سلطنت میں جاری ہوں۔ ہر شخص ادنے سے اعلےٰ تک۔ یہاں تک کہ خود گورنمنٹ بھی اُن قوانین کے تابع ہو۔ اور وہ قانون ایسے ہوں کہ تمام رعایا کے حقوق اُس کی رو سے مساوی ہوں اور اُسکے ساتھ وہ قوت بھی ہو (جس کو گورنمنٹ کہتے ہیں) اور جو ہر شخص کو بلا لحاظ مرتبہ اُن قوانین کا پورا پورا مطیع کرے۔ جس گورنمنٹ میں یہ چیزیں نہیں ہیں وہ گورنمنٹ نامہذب و ناتربیت یافتہ کہلاتی ہے اور اُسکے ملک میں کبھی امن نہیں رہتا۔ ملک کی۔ مال کی۔ دولت کی قوم کی۔ رعایا کی کبھی ترقی نہیں ہوتی ؎

اس اصول کا نتیجہ تمام مسلمانی سلطنتوں میں پایا جاتا ہے۔ کوئی مسلمانی سلطنت اسوقت دنیا میں ایسی موجود نہیں ہے جس پر مہذب گورنمنٹ کا اطلاق ہو سکے۔ یا اُس کا ملک اور اُسکی رعایا ترقی یافتہ حالت میں ہو۔ یا وہاں کی رعایا کو اپنے تمام حقوق مالی و ذاتی حاصل ہوں۔ یا اپنے مال و ذات پر بالکلیہ امن رکھتی ہو۔ یا کمزور مستحق کو غیر مستحق زور آور کا اندیشہ نہ ہو ؎

ایسی قوم کی گورنمنٹ جو دینی اور دنیوی دونوں کاموں میں اپنے تئیں پابند و مجبور اُن احکام کا سمجھتی ہے جنکو اُس نے مذہبی احکام تسلیم کر رکھا ہے۔ اُس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ کوئی دنیوی کام بھی بغیر مذہبی سند یا بدوں مذہبی اجازت کے نہیں کیا جا سکتا۔ اور جس طریقہ پر کوئی دنیوی کام پہلے ہو چکا ہے اُس سے مختلف طریقہ پر کوئی دنیوی کام بھی نہیں ہو سکتا ؎

یہ لوگ اس بات کو بھی تحقیق کرنا نہیں چاہتے کہ درحقیقت اُس مذہب میں جس کے وہ پیرو ہیں وہ ایک اصلی حکم ہے جس میں کچھ شبہ نہ ہو۔ یا نہیں۔ بلکہ وہ صرف اگلوں کی رائے یا فعل پر بلا دریافت سبب کے اعتقاد کلی رکھتے ہیں اور اُس کے برخلاف کو مذہبی حکم کی برخلافی سمجھتے ہیں۔ گو کہ اصلی حکم مذہب کا اُسکے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس قسم کے لوگوں کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ اس بات میں بھی مذہبی سند کی تلاش کرتے ہیں کہ بہ تیچ لودر بندوق کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔ سپاہیوں کو تنگ و چست وردی پہنانا درست ہے یا نہیں۔ جزیرہ عرب میں ریل بنانا خلاف مذہب ہے یا نہیں۔ یہاں تک کہ ریل میں سوار ہونے کی نسبت بھی مذہبی اجازت

کے خواہاں ہوتے ہیں ؛

ایسا مُلک ویسی قوم ہمیشہ تنزل کی حالت میں رہتی ہے - تہذیب و شائستگی کی ہوا بھی وہاں تک نہیں جاتی - کوئی مستحکم قانون اُس کے ہاں نہیں ہوتا - کسی شخص کے حقوق محفوظ نہیں ہوتے - کوئی شخص مال سے پورا پورا تمتع حاصل نہیں کر سکتا - نہ کبھی مُلک میں امن ہوتا ہے ؛

کُل مسلمان گورنمنٹوں کا جو کہ اس وقت دنیا میں موجود ہیں اُن کا یہی حال ہے - سب سے متقدم و مکرم مُسلمانی گورنمنٹ جو اس وقت دنیا میں موجود ہے وہ سلطان ٹرکی کی گورنمنٹ ہے جس کو لوگ سلطنت روم کہتے ہیں - اگرچہ سلطنت ٹرکی نے بہت سی باتوں میں تبدیلی کی ہے جس سے جان بلب کی حالت سے کسی قدر سنبھلی ہے - لیکن اَب بھی اُنہی اسباب سے مرض الموت میں گرفتار ہے ؛

کوئی سال امن کا اُس میں نہیں گذرتا کبھی کریٹ میں فساد ہے اور کبھی شام میں - کبھی عرب میں تلوار چل رہی ہے اور کبھی یونان کے کنارہ میں - زمانہ موجودہ میں اِدھر ہرزی گونا باغی ہو رہا ہے اور اُدھر سرویا - کوئی قانون دیوانی یا فوجداری کا موجود نہیں ہے - کوئی ایسا آزاد محکمہ جو ٹھیک انصاف کرے پیدا نہیں ہے - جو محکمے برائے نام ہیں وہ خود اپنے احکام کی تعمیل میں - ڈگریات کے اجرا میں - مظلوم کو اُس کا حق پہونچانے میں قادر نہیں ہیں جج جو قاضی کہلاتے ہیں آزاد نہیں ہیں - یا تو اپنے سے اوپر کے افسر کے یا کسی اعلےٰ اہل خاندان کے رعب میں - یا کسی باوقعت شخص کی سفارش کے پھندے میں - اور ان سب پر خود اپنے تعصب مذہبی کے حال ہیں - اور اُس سے بھی زیادہ رشوت ستانی کی عادت میں پھنسے ہوئے ہیں - نتیجہ اس کا یہ ہے کہ کسی کو گورنمنٹ پر طمانیت نہیں ہے - کسی شخص کو اپنا حق پانے کی پوری توقع نہیں ہے - کسی غیر مذہب والے کو پُورا پُورا انصاف ملنے کی اُمید نہیں ہے - ملک تنزل میں ہے - تجارت ابتر حالت میں ہے - کوئی کمپنی تجارت کی اپنا کام جاری نہیں کرتی - ملک میں سونے - چاندی - تانبے - لوہے - ٹین کی کوئلے کی کانیں بھری پڑی ہیں - مگر کوئی کمپنی نہیں کھڑی ہوتی - کسی قسم کی تجارت ترقی نہیں پاتی - تمام مُلک کی آمدنی دوسرے مُلک میں یا تو قرضہ کے سود میں یا ہتیاروں کی خرید میں چلی جاتی ہے - قرضہ پر گذران ہے - وہ بھی اپنے ملک میں نہیں ملتا - غیر ملکوں کی

رعایا سے بمنت و خوشامد لیا جاتا ہے۔ اور یہ نتیجہ تمام اُسی غلط خیال کا ہے جس کے بموجب دینی و دنیوی دونوں قسم کے کاموں کو مذہب میں شامل سمجھا ہے۔ وانتم اعلم بامور دنیاکم کے جملہ کو چھوڑ دیا ہے۔

یہ حال جو ہم نے لکھا کچھ سلطنت اسلامیہ روم ہی کا نہیں ہے بلکہ تمام چھوٹی بڑی گورنمنٹوں کا یہی حال ہے۔ ایران کا حال دیکھ لو۔ افغانستان و ترکستان پر نظر ڈالو۔ ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کو دیکھ لو۔ تو سب کا ایک سا حال ہے۔ ہاں بعض مسلمانی ریاستوں نے کسی قدر تبدیلی کی ہے۔ اور وہ بقدر تبدیلی کے کسی قدر اچھی حالت میں ہوتی جاتی ہیں۔ اور ایسی ریاستیں اس وقت صرف دو ہیں جن کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ٹونس اور مصر۔

چند مہینے ہوئے کہ امیر الامرا سید خیر الدین وزیر ٹونس نے اُن مقدمات کے انفصال کے لیئے جو سلطنت بیلجیم کے رہنے والوں میں باہم یا اُن میں اور ٹونس کی رعایا کے درمیان ہوں۔ ایک جداگانہ محکمہ مقرر کیا تھا۔ جس میں تین جج اجلاس کریں۔ قاضی ٹونس پہلا جج ہو۔ اور ایک اور جج ٹونس کا۔ اور ایک جج بیلجیم کا شریک ہو۔ جس سے ملک کو۔ اور انتظام مملکت اسلامیہ کو بڑا فائدہ پہونچا۔ گو قاضی و مفتی کہا کیئے کہ ایسا کرنے کے لیئے کوئی مذہبی سند نہیں ہے۔ مگر وہ وزیر روشن ضمیر خوب سمجھتا تھا کہ امورات دنیوی سے احکام مذہبی کو کچھ تعلق نہیں ہے۔

پٹیالہ اخبار بہ سند الجوائب ہمکو خبر سُناتا ہے کہ خدیو مصر اسمٰعیل پاشا نے بھی بہ منظوری حضرت سلطان روم سلطان عبد العزیز خاں خلد اللہ ملکہ کے اسی قسم کے محکمے مقرر کیئے ہیں چنانچہ اُس اخبار میں اُن کے تقرر کی کیفیت حسب مندرجہ ذیل لکھی ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ مصر میں دیسی اور پردیسیوں کے آپس میں جو دعوے ہوتے تھے اُنکے فیصلے کی کیا شکل ہوتی تھی۔ دستور یہ تھا کہ اگر مدعی دیسی ہو اور مدعا علیہ پردیسی رعیت ریاست غیر۔ تو مدعی اس بات پر مجبور ہوتا تھا کہ اپنے دعوے کو اُس بالیوز کے ہاں دائر کرے جو مدعا علیہ کی گورنمنٹ کی طرف سے مامور ہو۔ پھر اگر بالیوز کا فیصلہ مدعی کے برخلاف ہو اور وہ اسکی اپیل کیا چاہے تو اُسکو مدعا علیہ کی گورنمنٹ کے ملکی محکموں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ مثلاً اگر مصری مدعی ہو اور امریکی مدعا علیہ۔ تو بیچارہ مصری کو اپیل کرنے امریکہ جانا پڑے گا۔

یہ قاعدہ مصر میں مدت سے جاری تھا۔ اور جن غیر سلطنتوں سے عہد نامے ہیں اُنکے

حقوق میں داخل تھا۔ اس صورت میں جو جھگڑے دیسی اور پردیسیوں کے آپس میں ہوتے تھے
اُن کی حالت نہایت خراب اور غیر منتظم تھی۔ اہل مصر کی یہ تکلیف اور دقت دیکھ کر یہ قاعدہ
خدیو مصر کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ چنانچہ خدیو ممدوح آٹھ برس سے اس بات کی
کوشش کر رہے تھے کہ یہ قاعدہ موقوف ہو جائے۔ اور چاہتے تھے کہ اس کے عوض ایسے
نئے محکمے جاری ہو جائیں کہ جن میں بے دقت انصاف ہو۔ چنانچہ سلطنت روم کی مدد اور
اَور سلطنتوں کے اتفاق رائے سے جن کے ساتھ رابطہ اتحاد قایم ہے اس کوشش کا یہ
ثمرہ ہوا کہ ان دنوں حسب مراد خدیو مصر تین محکمے قایم ہو گئے۔ ایک خاص مصر میں۔ دوسرا
اسکندریہ میں۔ تیسرا اسماعیلیہ میں +

ان محکموں کے ممبر آدھے دیسی اور آدھے پردیسی ہیں۔ اور افسر کل دیسی ہیں۔ اور اسکندریہ
میں جو محکمہ قایم ہوا ہے وہ اپیل کا محکمہ ہے۔ اسی وجہ سے اسکندریہ میں اس کی کل رسمیں
ادا ہوئیں +

گو ان محکموں کے بعض ممبر جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے پردیسی ہوں گے۔ مگر اس وجہ
سے کہ اُن کا تقرر حکومت مصر کی طرف سے ہے۔ اور اُن کی معاش کا انتظام بھی حکومت مصر
ہی کے ذمہ ہے۔ اور اُن کی ٹوپی ترکی ہوگی۔ اور لباس عثمانی ہوگا۔ اس وجہ سے وہ پردیسی
نہ سمجھے جائینگے بلکہ مصر کے قاضی سمجھے جائینگے۔ پس یہ محکمے بالکل مصری محکمے ہوں گے۔ اور
اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو مقدمے ان محکموں میں بطور ابتدائی یا نظر ثانی یا اپیل کے دایر
ہونگے اُن پر کمال عدل اور انصاف سے حکم ہوگا۔ علےٰ ہٰذا جو دعوےٰ پردیسیوں (یعنی رعایا
سلطنت ہائے غیر) کی طرف سے ان محکموں میں دایر ہوں گے۔ اُن میں بھی اسی طرح انصاف
ہوگا۔ اور انہی محکموں سے قطعی فیصلہ ہوگا۔ پس اب اور آیندہ کوئی مقدمہ ایسا نہ ہوگا جس کے
سننے کا حق بالیوزوں کے محکموں کو حاصل ہو۔ جو خوبیاں اس نئے قاعدے میں ہیں وہ بیان
کی محتاج نہیں ہیں۔ اور چونکہ دیسی اور پردیسی دونوں اس قاعدے سے فائدہ اُٹھائیں گے
اس لیئے سب اس نیک کام سے خوش ہیں +

ان نئے محکموں کے جاری ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ دوشنبہ کے دن جمادی الاولیٰ کی چوبیسویں
اور جون کی اٹھائیسویں تاریخ پہلے شریف پاشا وزیر حقانیہ و تجارت مصر نے راس التین نامی شہر
حکومت واقع اسکندریہ میں ان محکموں کے ججوں کو جن میں آدھے مصری اور آدھے رعایائے

ممالک غیر تھے ۔ نہایت مہربانی اور عزت کے ساتھ اٹھا لیا ۔ پھر اپنے ساتھ راس التین کے
درباری کمرے میں لے گئے ۔ اس کمرے میں محمد توفیق پاشا وزیر صیغہ امور داخلی ۔ اور منصور پاشا
اور اسمٰعیل صدیق پاشا ۔ اور بعض اَور اُمرائے دولت مصر پہلے سے موجود تھے ؞
جب دربار جم چکا تو جناب خدیو مصر مصاحبوں سمیت درباری کمرے میں رونق افروز ہوئے
اور بہ ہیئت مجموعی تمام درباریوں کا سلام لیا ۔ پھر جناب خدیو نے اہل دربار کی طرف مخاطب
ہوکر زبان فرنچ میں مندرجہ ذیل تقریر کی :۔

تقریر خدیو مصر

ہمارے نہایت بزرگ اور صاحب شوکت حاکم حضرت سلطان معظم (یعنی سلطان روم) کی مدد اور
اُن سلطنتوں کی موافقت سے جو ہم سے رابطۂ دوستی رکھتی ہیں ۔ مجھے امور عدالت کی بنا ر اصلاح
اور نئے محکموں کے اجرا کی اجازت حاصل ہوئی ہے ؞
یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مَیں اپنے گرد ذی عزت ججوں کا ایک ایسا مجمع دیکھتا ہوں کہ عدل
اور انصاف اُن کے ہاتھ میں کمال امنیت اور وثوق کے ساتھ سونپا گیا ہے ؞
تم لوگوں کی روشن عقلیں ۔ اس کام کے تمام فائدوں کی ذمہ دار ہیں ۔ تم لوگوں کی تجویزیں
مسلم اور ناطق اور معتبر ۔ اور لوگوں کی عزت اور اطاعت کا وسیلہ ہونگی ؞
انشاء اللہ یہ بات دنیا میں مشہور ہوگی ۔ اور تواریخ مصر میں لکھی جائیگی ۔ اور زمانہ حال کے نئے
تمدن کے دائرہ کا نقطہ مرکز ٹھہرے گی ۔ مجھے یقین کامل ہے کہ خدا کی اعانت اور عنایت سے
یہ امر عظیم آیندہ کی امن و امان کا باعث ہوگا ؞
جب یہ تقریر ختم ہوچکی تو اہل دربار نے تھوڑی دیر سکوت کیا اور پھر اظہار سرور اور ادائے
شکر اور مبارکباد کی طرف مائل ہوئے چنانچہ شریف پاشا نے تمام ججوں کی طرف سے نیابتاً زبان
فرنچ میں مندرجہ ذیل تقریر کی :۔
جناب عالی ۔ مَیں حضور سے اجازت چاہتا ہوں کہ بحیثیت وزیر حقانیہ ججوں کی طرف سے
نیابتاً حضور کو مبارکباد دوں ۔ کہ اس قاعدے کے مقرر ہونے ۔ اور ان محکموں کے جاری ہونے
سے بہت بڑی ترقی کا اثر ظاہر ہوا ۔ مَیں حضور سے اُمیدوار ہوں کہ حضور یہ مبارکباد اور
شکریہ قبول فرمائیں ؞

مجھے اُمید ہے کہ یہ جج لوگ حضور کے اعتقاد کے بموجب سلطنت کے حالیہ اور آئندہ فائدوں کے لیئے دل و جان سے کوشش کریں گے۔ کیونکہ عدل و انصاف جو اُن لوگوں کا کام ہے اُسکے یہی معنی ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنے عہدہ کا حق نہایت ہوشیاری اور دیانت اور شرافت کے ساتھ ادا کرتے رہیں ؛

حضور کے فرماں بردار کو یقین ہے کہ یہ لوگ حضور کی رائے روشن کے فیض سے سعادت اہمیت حاصل کر کے اپنے عہدہ کے فرائیض جیسا کہ چاہیئے ادا کرینگے۔ اور آثار حسنہ کے پھیلانے میں نہایت موثر مدد دینگے۔ اور اس بزرگی کے حاصل کرنے پر حریص ہوں گے کہ اُن کے نام نامی ہماری اولاد کے لوح دل پر نقش ہو جائیں ؛

اس قاعدے کا جاری ہونا قطع نظر اس کے کہ سلطنت مصر کی حالیہ اور آئندہ سرسبزی سے علاقہ رکھتا ہے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ حضور کے عہد حکومت کی خوبیوں میں سے ایک بینظیر یادگار ہے ؛

اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد کُل صیغوں کے وزرار اور ممبران مجلس خاص (پریوی کونسل) اور افسران بری و بحری۔ اور حکام ممالک اور تاجران معتبر اور افسران بنک نے درجہ بدرجہ جناب خدیو کی حضور میں مبارکباد دی۔ اور شکر ادا کیا۔ پھر لوگ خوشی اور شادمانی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ رسم افتتاح نہایت خوبی کے ساتھ ادا ہوئی ؛

ڈیڑھ گھنٹے کے بعد غیر سلطنتوں کے سفیروں نے علے الترتیب روبرو استادہ ہو کر ان محکموں کے کھلنے کی مبارکباد دی۔ اور اس بات کا شکریہ ادا کیا کہ مختلف سلطنتوں کے اتفاق آرا اور تائید سے حضور نے صیغۂ عدالت میں معقول اصلاح کی۔ اور دُعا دی کہ یہ رسم افتتاح روز بروز ملک مصر کے تمدن اور ترقی کا باعث ہو ؛

کیسی خوشی کی بات ہے کہ اس موقع پر خدیو مصر و شریف پاشا نے فرنچ میں اسپیچ کی ؛

دُنیا میں دو قسم کے امور ہیں۔ ایک روحانی اور دوسرے جسمانی۔ یا یوں کہو کہ ایک دینی اور دوسرے دنیاوی۔ سچا مذہب امور دُنیاوی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ ہاں چند معظم باتوں کو جن کا اثر اخلاق پر زیادہ تر ہے۔ اور گو وہ دُنیاوی ہوں بیان کر دیتا ہے۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ اسلام بھی جو بیشک ایک سچا مذہب ہے انہی اصول پر مبنی ہے۔ اور ہمارے رسُول مقبول کا یہ قول کہ ما اتاکم من امر دینکم فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا اسپر دلیل کامل ہے۔ اور قرب

زمانہ نبوت میں اسی اصول پر عملدرآمد رہا - اور کچھ کچھ اُس کا اثر عہد خلفا تک بھی باقی رہا جنہوں نے مدت سماعت مقدمات کی تیس برس - اور پھر پندرہ برس - اور دعوی شفع کے لیئے مدت سماعت ایک مہینہ مقرر کی اور گواہ سے قسم لینے اور قرآن مجید اُس کے ہاتھ میں رکھنا تجویز کیا جسکی کوئی سند یا اجازت مذہب میں نہ تھی - مگر رفتہ رفتہ وہ عمدہ اصول بالکل نسیاً منسیاً ہوگیا +

اگلے زمانہ کے نیک اور متدین - مگر مذہب کی طرف زیادہ متوجہ عالموں نے یہ خیال کیا کہ جہانتک ہوسکے ہر ایک کام کسی مذہبی سند پر کیا جاوے - پس جو واقعہ یا امر پیش آتا اُس کے لیئے فکر کرتے کہ اُسکو کس مذہبی سند سے متعلق کریں اور پھر خواہ نخواہ کھینچ تان کر اور تاویلات و استدلات دُور از کار کر کسی نہ کسی سند کے متعلق کر دیتے تھے - یا کسی اصول عام کے - جس کو خود انھیں نے قایم کیا تھا تابع کر دیتے تھے - اُن علماء کے اقوال و استدلالات رفتہ رفتہ مدون ہونے لگے جن کی بدولت کتب فقہ و اصول فقہ ہمارے ہاں پیدا ہوگئیں - اُس زمانہ میں تمام لوگ اُن علماء کے اقوال و استدلال کو ایک رائے سے زیادہ رُتبہ کا نہیں سمجھتے تھے - مگر رفتہ رفتہ خود اُن علما کے اقوال بطور سند کے تصور ہونے لگے - اور پھر ایک زمانہ کے بعد وُہی مذہب اسلام سمجھا گیا - اور شرع اُس کا نام ہوگیا - اور غیر مذہب والوں نے شرع محمدی اُس کا نام رکھا - اور جو نقایص اُس میں معلوم ہوئے اُس سے اسلام میں اُنھوں نے نقص سمجھے - حالانکہ اسلام اُس سے بالکل بری ہے اگر بالفرض تمام اجتہادات و استدلالات حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں نقص ثابت ہوجاوے تو بھی اسلام میں کچھ نقص نہیں آتا - وہ جیسا خدا کے ہاں سے اترا - ویسا ہی پاک صاف ہے +

اس طریقہ سے جو علماء نے اختیار کیا ایک یہ فائدہ تو بلاشبہ ہوا کہ مسلمانی فقہ ایسی عمدہ اور موجہ و مدلل ہوگئی کہ کسی قوم میں ویسی عمدہ فقہ نہیں - مگر مفصلہ ذیل نقصان بھی پیدا ہوگئے +

اوّل یہ کہ تمام لوگوں کے خیالوں میں یہ غلط مسئلہ جم گیا کہ مذہب اسلام تمام دنیاوی اُمور سے بھی متعلق ہے - اور کوئی دنیاوی کام بے سند یا اجازت مذہبی کے نہیں کیا جاسکتا +

دوسرے یہ کہ جو مسایل علما نے اپنے اجتہاد و قیاس سے و بلحاظ حالات وقت و عادات اہل زمانہ یا رواج مُلک قرار دیئے تھے اگر وہ مسایل رُتبہ میں بطور رائے ایک عالم یا جج یا مفتی و قاضی کے رہتے تو کچھ نقصان نہیں تھا - مگر نقصان یہ ہوا کہ وہ عین مذہب اسلام کے مسایل قرار پاگئے اور سوائے پیغمبر خدا صلعم کے اور بہت سے لوگوں کو مرتبہ شارع ہونے کا مل گیا +

تیسرے یہ کہ اب اُن مسایل کے برخلاف کرنا خلاف مذہب اسلام کے کرنا تصور ہوا جو

فی الحقیقت ایسا تصور کرنا خلاف مذہب اسلام ہے نہ اُس کے برخلاف کرنا +
چوتھے یہ کہ جب یہ خیال ہوا کہ مسائل مذکورہ عین مذہب اسلام ہے تو ضرور ہوا کہ اُس کو خدا کا دیا ہوا مانا جاوے ۔ اور جب خدا کا دیا ہوا مانا گیا تو ضرور ہوا کہ اُسکو کافی اور کامل سمجھا جاوے ۔ اس خیال نے اس بات پر مائل کیا کہ کتب فقہیہ واسطے سیاست ملکیہ کے بالکل کافی ہیں ۔ اور اب ہمکو نہ سول کوڈ کی ضرورت ہے نہ سول پروسیجر کی ۔ نہ کرمنل کوڈ کی ضرورت ہے نہ کرمنل پروسیجر کی ۔ نہ ریونیو کوڈ کی ضرورت ہے اور نہ ترید کوڈ کی ۔ حالانکہ کتب موجودہ فقہیہ ان میں سے ایک کے لیئے بھی کافی نہیں ہیں +
ان تمام نقصوں نے کل سلطنت ملئے اسلامیہ کو ڈبو دیا اور غارت و برباد کر دیا ۔ اور جو رہی سہی ہیں وہ بھی غارت و برباد ہوتی جاتی ہیں ۔ قبول کرو کہ علمائے متقدمین اسلام بڑے عالم تھے ۔ بڑے ذہین تھے ۔ بڑے فلسفی تھے بڑے منتظم تھے ۔ مگر جو کچھ کہ اُنھوں نے دنیاوی امور کی نسبت کیا اور لکھا وہ اُس زمانہ کی حالت کے نہایت مناسب تھا ۔ اور یہی سبب تھا کہ اُس زمانہ میں سب سے مقدم اور سب سے اعلےٰ اور سب سے بڑے فتحمند تھے ۔ مگر زمانہ روز +

خط و کتابت

اگر ہم اپنی قوم کے طریقہ خط و کتابت کی درستی پر بھی کچھ لکھیں تو شائد نامناسب نہ ہوگا ۔ جس طرح ہماری قوم میں اور بہت سی فضول و نامناسب باتیں مروج ہیں اسی طرح خط و کتابت کے طریقہ میں بھی بہت سی فضولی و لغویات شامل ہیں اور ایسی باتیں بھی ہیں جو ہماری سمجھ میں مذہب اسلام کی عمدہ اور پراثر باتوں کو بے اثر اور کھیل بنا دیتی ہیں +
جب ہم کسی خط کو پڑھتے ہیں تو اُس میں ایک بہت لمبا چوڑا القاب و آداب پاتے ہیں اُن مضمونوں میں صرف شاعرانہ الفاظ ثنا و صفت مکتوب الیہ کے ہوتے ہیں ۔ جو درحقیقت مکتوب الیہ میں نہیں ہیں ۔ حالانکہ القاب میں یا تو بیگانہ وار (اگر مکتوب الیہ بیگانہ ہے) کوئی ایسا لفظ ہونا چاہیئے جو خطاب کا شعر اور مخاطب کرنے کے لیئے کافی ہو ۔ یا اُس دلی تعلق یا ادب کو ظاہر کرتا ہو جو درحقیقت کاتب کو مکتوب الیہ سے ہو +
آداب معلوم نہیں کیا لغو چیز ہے ۔ ایشیا کے امراء اور بادشاہ ہمیشہ اس خیال میں تھے کہ جو ہم سے کمتر ہیں وہ بمنزلہ ہمارے غلاموں کے ہیں اور بدبختی سے وہ لوگ بھی اپنے تئیں ایسا ہی سمجھتے

تھے اور ہر قسم اور ہر موقع کی ملاقاتوں اور بات چیت میں دونوں اُس خیال کو کبھی بھولتے نہ تھے۔ اس سبب سے آپس کی تحریروں میں بھی وہ رسم جاری ہوئی جو خط وکتابت کے لیئے زیبا نہیں ہے فضول اور بے معنی وقت ضایع ہونے کے سوا آداب کے لفظوں کی رعایت سے دلی مطالب علے الخصوص اُس زور یا جوش سے جو دل میں ہے ادا نہیں ہو سکتے۔ قوم کے دل میں جو ایک غلامانہ انفعال پڑا ہوا ہے وہ دور نہیں ہو سکتا۔ ہمکو اُمید ہے کہ ہمارے اس آرٹکل کے پڑھنے والے ادب میں اور خطوط میں جو آداب لکھا جاتا ہے۔ اور نیز ادب میں اور غلامانہ انفعال میں جو فرق ہے اُسکو نظر انداز نہ کرینگے +

اُس کے بعد نہایت شوق و ذوق سے اشتیاق ملاقات لکھا جاتا ہے اور خلوص عقیدت و محبت جتائی جاتی ہے جس کا ایک لفظ بھی صحیح اور واقعی نہیں ہوتا۔ اور اگر صحیح بھی ہو تو اُسکو بمقدار مطالب بتانے سے کیا مطلب ہے۔ اس رسم نے ایسا رواج پایا ہے کہ دوست و دشمن دونوں کے خطوط کی طرز تحریر میں کچھ فرق و امتیاز نہیں رہا ہے۔ خط پڑھنے سے جو الفاظ محبت یا اشتیاق اُس میں لکھے ہیں اُن کا کچھ بھی اثر دل پر نہیں ہوتا بلکہ ایک معمولی تحریر سمجھی جاتی ہے جو دوست دشمن سب کو لکھی جاتی ہے۔ خود پڑھنے والا جانتا ہے کہ میں بھی اس سے زیادہ چکنے چپڑے الفاظ لوگوں کو لکھتا ہوں جن کا کچھ بھی اثر میرے دل میں نہیں ہے۔ ان رسموں نے خط وکتابت کا جو سب سے بڑا نتیجہ ہے اور حالت مفارقت میں محبت و اخلاص کے ازدیاد کا ذریعہ ہے اُس کو بالکل خاک میں ملا دیا ہے +

ہماری قوم کے مقدس لوگوں نے ان دنیاوی تحریرات میں ایک اَور مذہبی طرّہ لگایا ہے کوئی خط بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے خالی نہیں ہوتا۔ بہت سے بزرگ اپنے خطوط کے عنوان پر "مبسملا" "محمدلا" "حامدا" "مصلیا" "مسلما" لکھتے ہیں۔ لفافوں پر "انشاء اللہ تعالیٰ" "بعونہ تعالیٰ" "بمنہ وکمال کرمہ" تحریر فرماتے ہیں۔ اور جن بزرگوں کا مذاق عمل اعمال کی طرف مائل ہے وہ لفافہ پر "حوالقطمیر" بھی لکھ دیتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ان الفاظ کی تحریر سے ہمارا خط ضرور مکتوب الیہ تک پہونچے گا۔ مگر اکثر دیکھتے ہیں کہ ان الفاظ کی کچھ بھی تاثیر نہیں ہوتی۔ ڈاک کے جن اکثر خطوط اور لفافوں ہی بیجاتے ہیں جو اس سے بھی ادنیٰ خیال کے لوگ ہیں۔ وہ لفافوں پر جو مہر بردگیراں لکھ دیتے ہیں تاکہ کوئی دوسرا شخص اُن کے خط کو کھول کر نہ پڑھ لے +

ہمکو نہایت افسوس ہے کہ لوگوں نے اسلام کے مقدس الفاظ و مضامین کو ایک عمل لگی

کی بات بنالیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ نہایت دینداری اور خداپرستی اور نہایت ہی اتقا اور ٹھیٹ سنت پر چلنے کا کام ہے حالانکہ اس سے زیادہ اسلام اور اُس کے مقدس الفاظ و مضامین کی بے ادبی نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے ایسی قسم کے برتاؤ سے اسلام کی برکت اور منزلت اُن کے دل میں نہیں رہی بعوض اس کے کہ اسلام کی باتوں سے اُن کے دل میں نیکی خضوع اور خشوع پیدا ہو سختی اور قساوت پیدا ہوتی ہے +

وہ بسم اللہ خط پر لکھتے ہیں مگر اُن سے پوچھو کہ لکھتے وقت اُس پاک کلام اور مقدس الفاظ کے معانی اور مطلب کا کچھ بھی خیال اور دھیان تمھارے دل میں آتا ہے۔ جس طرح اور لفظ شوقیہ و سخت و سست قلم سے نکلے جاتے ہیں اُسی طرح بے خیال بسم اللہ بھی لکھ دی بلکہ میں نے غلط کہا شاید اگر کسی محبوب کو خط لکھا جاتا ہو تو الفاظ شوقیہ و محبت کا کچھ اثر دل میں معلوم ہوتا ہوگا۔ کسی کو سخت و سست لکھنے میں بھی دل میں کچھ اثر غصہ کا پیدا ہوتا ہوگا۔ مگر بسم اللہ لکھتے وقت خدا کا دھیان بھی نہیں ہوتا۔ ہم نے بڑے بڑے شخصوں کو دیکھا ہے کہ شطرنج کا تماشا دیکھ رہے ہیں اور خط پر حامداً لکھ رہے ہیں ح۔ الف لکھا تھا کہ بولے وہ پیادہ مرا۔ وہ پیادہ مرا پھر میم۔ دال لکھی اور کہا وہ کشت۔ اتنے میں الف لکھا اور بولے وہ مات۔ غور کرو کہ اس طرح پر مذہبی مقدس الفاظ کا برتاؤ کیا کچھ دل میں نیکی پیدا کر سکتا ہے ؟

ہم نے ایسا بھی دیکھا ہے کہ خدمتگار پر خفا ہو رہے ہیں اور گالیاں دے رہے ہیں اور قلم سے خط کے سرے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً لکھ رہے ہیں۔ ایک گالی پر بسم اللہ اور دوسری پر حامداً اور تیسری پر مصلیاً لکھا جا رہا ہے +

ہم نے ایسے خط بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً لکھے دیکھے ہیں جن میں تمام دنیا کی مزخرفات بھرے ہوئے ہیں اُن کاموں کے کرنے کے حکم اور صلاحیں مندرج ہیں جو ایماناً۔ اخلاقاً۔ شرعاً ممنوع و حرام ہیں۔ بعضے خطوں کا یہ فقرہ بھی یاد ہے کہ از دیگر حالات ہم مطلع فرمایند۔ لفظ دیگر کی تشریح ہم نکریں گے صرف مولوی کا یہ شعر پڑھ دینگے +

خوشتر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

پھر کیا ایسی سنت تحریری بجا لانے سے کچھ ایمان و اسلام کی برکت دل میں بیٹھ سکتی

شاید یہ کہا جاوے کہ یہ تو رند مشربوں کا حال ہوا۔ بزرگ و مقدس لوگوں کا لکھنا اس طرح پر نہیں ہے۔ غالباً یہ بات صحیح ہو مگر تجربہ ہے۔ مشاہدہ سے۔ عقل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب مذہب کی مقدس باتوں کو دنیاوی باتوں میں ملا دیا جاتا ہے۔ اور بطور مذہبی تقدس کے اُسکو نہیں برتا جاتا تو اُن کی کچھ عظمت اور اُن کا کچھ اثر دل میں نہیں رہتا۔ انصاف سے کہو کہ وہ لوگ جو رات دن تسبیح ہلاتے پھرتے ہیں اور جہاں بیٹھتے ہیں اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ دو باتیں کیں اور اللہ اللہ کہہ کر دانے اِدھر کے اُدھر کر دیئے تین لغویات مونھ سے نکالیں اور اللّٰھم صلّ پڑھنے لگے۔ رفتہ رفتہ اُنگلیوں کو وہ مشق ہوگئی کہ وہ کچھ پڑھیں یا نہ پڑھیں یہ دانے اِدھر کے اُدھر کرتی چلی جاتی ہیں۔ کیا ایسے برتاؤ سے خدا کے نام کی عظمت اور برکت دل میں رہتی ہے۔ کیا ایسی حالت میں خدا کا نام سنتے ہی خضوع و خشوع دل میں پیدا ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے برتاؤ سے خدا کا نام لینا اور کسی کو بدذات کہنا دونو برابر ہو جاتے ہیں۔ نہ اِس کا کچھ اثر ہوتا ہے نہ اُسکا ؛

ہر ایک کام میں خدا سے مدد چاہنا اور اُسکی طرف رجوع کرنا نہایت عمدہ مسئلہ ایمان و اخلاق کا ہے۔ مگر یہ ایک فعل قلبی ہے جس کے ساتھ ممکن ہے کہ زبان بھی شریک ہو۔ مگر صرف قلم سے لفافہ کے سرے پر انشاء اللہ لکھ دیناچہ معنی دارد۔ نہایت عمدہ بات ہے کہ خط کے پہنچنے میں بھی خدا پر بھروسا کرو۔ اُس سے مدد چاہو۔ مگر لفافہ پر انشاء اللہ کی چڑیا بنانے سے کیا مطلب ہے؟

میرے ایک دوست نے (جو اِس قسم کی رسمیات کے نہایت پابند اور پُرانے فیشن اور پُرانے خیالات پر نہایت مستحکم ہیں) مجھ سے کہا کہ درحقیقت ایمان کی بات تو یہی ہے کہ جس طرح ہم خط پر مشفق مہربان ایک رسم کے موافق لکھتے ہیں اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھ دیتے ہیں جس طرح شہر کا نام لکھا۔ پتہ لکھا۔ اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھ دیا۔ پس اب غور کرنے کی بات ہے کہ کیا ایسی صورتوں میں اسلام کی برکتیں نصیب ہو سکتی ہیں؟ یہ اسلام کے کام ہی نہیں ہیں۔ یہ تو مثل اَور رسمی باتوں کے رسمی کام ہیں۔ غیر مذہب کے لوگ جب ہمارے خطوں کے لفافے دیکھتے ہیں ہنستے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کیا احمق مذہب ہے جو یہ خیال بتلاتا ہے کہ ایسے لفظوں کے لکھنے سے خط تلف نہیں ہوتا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ صاحب مذہب تو احمق نہیں ہے مگر لکھنے والے احمق ہیں ؛

بعضے دوست ہم سے کہتے ہیں کہ یہ صحیح مگر مسلمانوں کے خطوط پر ایسے الفاظ ہونے مسلمانی
کی نشانی ہے۔ مگر ہم نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ جناب ہم ہندوؤں کی طرح خط کے
ماتھے پر قشقہ لگا کر اور گلے میں زنار ڈال کر مسلمانی پہچنوانا نہیں چاہتے۔ اگر دل کی آنکھیں
اندھی ہیں تو خط پر بسم اللہ کا قشقہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہے ؛

جناب رسول خدا صلعم نے اپنے فرامین پر بسم اللہ لکھی ہو پھر کیا وہ نامی انہی مضامین کے
تھے اور انہی مقاصد کے تھے جن مقاصد و مطالب میں تم اپنی روزانہ خط و کتابت کرتے ہو۔
اگر کوئی شخص اپنے خطوط پر بسم اللہ لکھنی سنت سمجھتا ہو تو نہایت بے ادب و گستاخ ہے اور
کچھ بھی قدر و منزلت سنت کی نہیں جانتا۔ اسی بات کو تو ہم روتے ہیں کہ مسلمان مذہب کو مذہب
کی طرح نہیں برتتے بلکہ اس کا کھیل بناتے ہیں ؛

یہودیوں کا بھی یہی حال تھا کہ محض ظاہری باتوں کو انھوں نے یہودیت سمجھی تھی اور انکے
ہاں کے علماء و فقہاء جو ربی اور قوہن کہلاتے تھے صرف ظاہری باتوں پر چلتے تھے۔ انہوں نے
بھی اپنے ہاں دو فرقہ قائم کیئے تھے۔ ایک صدوقی جیسے سنیوں میں اہل حدیث اور وہابی اور
شیعوں میں اخباری دوسرا فروسی۔ جیسیکہ سنیوں میں فقہی اور شیعوں میں اصولی۔ یہ دونوں
فرقے ذرا ذرا سی باتوں پر بحث کرتے تھے اور اسی کو کمال دینداری جانتے تھے۔ اس بات
کی بڑی احتیاط کرتے تھے کہ بکرا اس قدر انگشت یعنی چھری سے تین رگڑوں میں ذبح ہو۔
مگر اس بات کی کچھ پروا نتھی کہ آیا کہاں سے تھا توریت کو بے طہارت چھونے اور بے لوبان
جلائے کھولنے میں بہت احتیاط ہوتی تھی۔ مگر اس بات کی کہ اس میں لکھا کیا ہے کچھ پرواہ
نہ تھی۔ مکان پر۔ مراسلوں پر۔ چھاتی پر آیات توریت کے حروف مقطعات کا نقش لگانا نہایت
ایمان اور اتقاء کا کام سمجھتے تھے۔ مگر جو بدی سینہ میں بھری ہوئی تھی اس کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ یہی
حال بعینہٖ ہمارے زمانہ کے مقدس لوگوں کا ہے۔ گول عمامہ۔ برج کی صورت کا عمامہ۔ عرب
والوں کے عملس کی طرح کا عمامہ سر پر باندھے۔ شملہ کئی انگل کا چھوڑے اس کی تحقیق کیئے اور
ٹھیک گدی کے پیچھے لٹکائے۔ ریش مبارک منگنمن پھٹکارے۔ قمیص مسنون پہنے۔ اس پر
صدری عربی لگائے۔ اور اس پر عبائے کسروانی جس کو بعضی کتابوں میں خسروانی منسوب الی
کیخسرو کا فرہاد شاہ فارس لکھا ہے زیب تن کیئے۔ مسجد یا خانقاہ یا کسی مسند اسلامی میں تشریف
رکھتے ہیں۔ بعضے نہایت سادہ عاسیدھا دیہاتیوں کا سا لباس اپنی سادگی اور محض للہیت

اور خالص بے تکلفی جتانے کو پہنے ہوئے پھرتے ہیں۔ مگر پوچھو تو سہی کہ تمہارے دل بھی کسی لباس پُر تکلف یا ملبوس سادہ سے آراستہ ہیں؟ بجز اسکے کہ مسواک اتنی لمبی ہو۔ اور ڈاڑھی اتنی مٹھی۔ پیجامہ اتنا اونچا ہو اور کرتہ اتنا نیچا۔ اَور کچھ نہیں۔ اور اگر کچھ ہے تو یہ ہے کہ جو کچھ ہم کریں وہ سب ثواب اور جو کچھ دوسرا کرے وہ سب عذاب ہے "قل أتخذتم عند الله عهدا فان يخلف الله عهده ام تقولون على الله ما لا تعلمون"۔

ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہمکو شایستہ ہونا چاہیئے۔ دنیا کے کاموں کو دنیا کی طرح اور دین کے کاموں کو دین کی طرح برتنا چاہیئے۔ دونوں کو خلط ملط کر کر بگاڑنا اور مذہبی باتوں کو دنیاوی باتوں میں گڈمڈ کر کر غیر مذہب والوں کو ہنسوانا نہیں چاہیئے۔ دنیاوی باتوں کے خطوط پر بسم اللہ نہ لکھنی درحقیقت اللہ کے نام کا ادب کرنا ہے۔ لفافہ پر انشاء اللہ کی چڑیا نہ بنانی دراصل خدا پر بھروسا کرنا ہے۔

واللہ المستعان و علیہ التکلان



حصّہ دوم

مضامین مذہبی و علمی

مذہب اور عام تعلیم

تعلیم کا عام رواج بلا شمول مذہبی تعلیم کے غیر ممکن ہے۔

انسان کے خیالات جو آیندہ زندگی کی نسبت ہیں جس کو معاد یا آخرت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور جو مذہبی یقین سے پیدا ہوتے ہیں انسان کی ترقی کے اکثر ہارج ہیں۔ بلاشبہ سچا مذہب جو درحقیقت خدا کی طرف سے دیا گیا ہو وہ انسان کی کسی قسم کی ترقی کا مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انسان کا تنزل لوازم انسانیت سے خدا کا مقصد نہیں ہے۔ ورنہ انسان کو انسان بنانے کی کیا ضرورت ہوتی۔ مگر جب اُس سچے مذہب میں بھی لغو خیالات اور بد تعصبات مل جاتے ہیں تو وہ ویسا ہی انسان کی ترقی کا ہارج ہو جاتا ہے۔ اور جبکہ لغو اور مہمل رسومات ملکی اور قومی کا اُس میں خلط ہو جاتا ہے جیسا کہ اب مسلمانوں کا حال ہے تب وہ سم قاتل ہوتا ہے۔

اس مقام پر ہمکو اس امر سے زیادہ بحث کرنی منظور نہیں ہے بلکہ صرف اسی قدر ظاہر کرنا منظور تھا کہ مذہبی خیالات انسان کی ترقی پر فی الواقع کس قدر اثر رکھتے ہیں اور جس مطلب پر یہ بیان

ہوا ہے وہ ابھی چند سطروں کے بعد ظاہر ہو جاویگا ؛

یہ مذہبی خیالات گو کیسے ہی مانع ترقی انسان کے ہوں مگر کوئی قوم اور کوئی ملک ایسا نہیں پاتے جس میں اس قسم کے خیالات نہ ہوں مگر بلا شبہ یہ بھی پاتے ہیں کہ جس ملک میں مذہبی تعصبات ناواجب اور جہالت آمیز اور توہمات و خیالات احمقانہ اور وحشیانہ کم ہیں وہاں اُسی قدر انسانیت کو ترقی ہے ؛

اس ہرج کے رفع کرنے کے لیئے اور تعلیم کو عموماً پھیلانے کے لیئے بعض شایستہ اور تربیت یافتہ قوموں اور ملکوں میں دو طرح پر کوشش ہوئی - ایک گروہ تو اس بات پر مستعد ہوا کہ مذہبی تعلیم بالکل موقوف کیجاوے جو باہمی اختلاف اور تباین کا باعث ہے اور سب لوگ متفق ہوکر اس قسم کی تعلیم میں کوشش کریں جو بلا اختلاف سچ اور فایدہ مند ہے - اگرچہ اس گروہ میں بہت بڑے بڑے عاقل اور فاضل اور لایق آدمی شامل تھے مگر اُن کی کوششوں کی کامیابی کی کچھ بھی توقع نہ ہوئی اور نہ ہوگی اس لیئے کہ مذہبی خیالات کو تمام انسانوں کے دلوں میں نکال ڈالنا جن کی تعلیم میں کوشش مقصود ہے ایک ایسا امر ہے جس کے ہونے کی ابھی سینکڑوں برس تک توقع نہیں ہے ؛

دوسرے گروہ کی کوششوں کا اصلی مقصد تعلیم مذہبی پر کوشش کرنا تھا اور اَور علوم کی تعلیم اُس کے ساتھ بطور ضمنی تعلیم کے تھی - ہم دیکھتے ہیں کہ اس گروہ نے نہایت کامیابی حاصل کی اور اُس کے سبب سے بے انتہا علوم و فنون نے ترقی پائی اور نہ اپنی قوم اور ملک کو فایدہ دیا بلکہ دُور دُور کی قوموں اور دُور دُور کے ملکوں کو ہر قسم کی خوبیوں اور فائدوں سے اپنا احسانمند بنایا اور آیندہ نسلوں کی تعلیم کے لیئے کروڑوں روپیہ جمع کر جانے اور کُتب خانوں اور مدرسوں اور کالجوں کے بنانے اور یونیورسٹیوں کے قایم کر جانے سے جس میں کروڑوں اور پدموں روپیہ خرچ ہو گیا - تمام علوم و فنون کا دروازہ کھولا - اگر اس طریقہ سے تعلیم میں کوشش کرنیکا اصلی مقصد وہ مذہبی خیال نہ ہوتا تو اُس کا ہزاروان حصہ بھی اسباب رواج تعلیم کو مدد نہ پہنچتی بلکہ اُس زمانہ میں جس میں کہ یہ سب سامان جمع ہوا ایک شخص بھی اُسکی تائید نہ کرتا ؛

اس طریقہ کی سعی میں جو نقصان تھا وہ صرف یہ تھا کہ بد تعصبات مذہبی کی ترقی کا اندیشہ تھا مگر تعلیم نے خود اُس نقص کو مٹا دیا اور ضرورت تمدن و معاشرت نے بالکل معاملہ برعکس کر دیا یعنی جو تعلیم اُس زمانہ میں اصلی مقصد ٹھہرائی گئی تھی وہ اصلی ہو گئی - تعصبات بہت گھٹ گئے

متعصبانہ بہت سی رسمیں موقوف ہوگئیں اور جو دو چار باقی ہیں اُمید ہے کہ وہ بھی دور ہونگی اور جو انسان کی انسانیت کا مقتضی ہے وہ پورا ہوگا +

اب مسلمانوں کے حالات پر غور کرو۔ کہ وہ لوگ تمام علوم میں تعلیم پاتے تھے۔ فلسفہ کے بڑے دوست تھے۔ طب و ریاضی سے محبت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری اور علم ادب کے عاشق تھے اور اُن سب کے ساتھ مذہبی علوم کی بھی تعلیم تھی۔ اور اسی پچھلے خیال کے سبب اُن مدرسوں اور دارالعلوموں کے لیئے روپیہ کی ہر طرف سے مدد پہونچتی تھی جس کے سبب سے وہ تعلیم قائم تھی حالانکہ اُنہی مدرسوں میں سے ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے تھے جو لامذہب بلکہ مذہبی خیالات کے دشمن ہوتے تھے مگر اُن تمام چیزوں کے لیئے مدد اور سامان بہم پہونچنے کی کچھ مشکل نہ ہوتی تھی +

اس بات کی تصدیق کے لیئے پچھلے حالات شاہد ہیں اور ہماری دو نامی یونیورسٹیاں قرطبہ اور بغداد کی گو مرگئی ہیں مگر پھر بھی اس واقعہ کی سچائی پر گواہی دے رہی ہیں۔ بھلا اُن پچھلی باتوں کو جانے دو۔ کل کی بات ہے کہ دہلی میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا مدرسہ عزیزیہ انہیں اسباب اور وجوہات سے قائم تھا جس کے پڑھے ہوئے اَب بھی چند لوگ زندہ موجود ہوں گے غرض ہماری اِن سب باتوں سے یہ ہے کہ جو لوگ ہندوستان میں مسلمانوں کی عام تعلیم پر کوشش کرتے ہیں اُن کو یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ عام تعلیم کا رواج کسی قوم کے زن و مرد میں بغیر شمول تعلیم مذہبی کے نہ ہوا ہے نہ ہوگا اور نہ دنیا میں کوئی ملک اور کوئی قوم ایسی موجود ہے جس میں عام تعلیم کا رواج بلا شمول مذہبی تعلیم کے ہوا ہو +

زمانہ حال میں جس قدر وسیلے تعلیم کے موجود ہیں اُن میں وُہی نقص ہے جس کے سبب ہندوستان میں اور خصوصاً مسلمانوں میں اسباب تعلیم مجتمع نہیں ہوتے اور عموماً تعلیم کا رواج باوصف بے انتہا کوشش اور سعی گورنمنٹ کے نہیں ہوتا ہے +

مگر ہمکو نہایت انصاف سے اس بات پر غور کرنی چاہیئے کہ کیا گورنمنٹ کا اس میں کچھ قصور ہے۔ ہم نہایت سچے دل سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہر قسم کے الزام سے اس باب میں بالکل بری ہے۔ ہندوستان میں گورنمنٹ کی رعایا مختلف مذاہب کی ہے اور وہ خود اُن سب سے مختلف مذہب رکھتی ہے اور اس سبب سے وہ کسی قسم کی مذہبی تعلیم کو شامل نہیں کر سکتی ہم نہایت سچے دل سے کہتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جس قدر نا طرفدار طریقہ تعلیم کا اور مذہبی خیالات سے بالکل بچا ہوا اور اچھوتا اختیار کیا ہے اور جس قدر سعی اور کوشش ہندوستان

کی تعلیم میں گورنمنٹ نے کی ہے وہ دونوں مشل اور بے نظیر ہیں اور غالباً اسوقت دنیا کے پردہ پر اسکا نظیر موجود نہیں ہے مگر اسپر بھی جو امر عام تعلیم کی ترقی کا مانع ہے اُس کا رفع کرنا گورنمنٹ کی قدرت سے باہر ہے وہ یہ کرسکتی تھی کہ اپنے تئیں مذہبی تعلیم سے بالکل علیحدہ رکھے۔ مگر یہ نہیں کرسکتی تھی کہ تمام مذاہب ہندوستان کی یا کسی خاص مذہب یا مذہبوں کی تعلیم اختیار کرے ✦

پس مسلمانوں میں ترقی تعلیم پر کوشش کرنے والوں کو دو باتوں سے تو نا اُمید ہونا چاہیے۔ ایک عام تعلیم کے رواج اور قیام سے بغیر شمول تعلیم مذہبی کے۔ دوسرے گورنمنٹ کی جانب سے کسی مذہبی تعلیم کے شروع ہونے میں۔ اور ان دونوں باتوں سے نا اُمید ہو کر غور کرنا چاہیئے کہ اب اَور کیا تدبیر ہے جس سے مسلمانوں کی بہتری اور بہبودی ہو۔ اور اُن میں عموماً تعلیم کا رواج ہو۔ اور اعلےٰ اعلےٰ اور ہر قسم کے مفید علموں کی خواہ وہ مذہبی ہوں یا دنیاوی بنیاد قایم ہو۔ ہر شخص اسکا جواب دیسکیگا کہ صرف ایک ہی تدبیر باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خود آپ اپنی تعلیم و تربیت پر مستعد و آمادہ ہوں اور یہ جو ہندی مثل مشہور ہے کہ جیٹھ کے بھروسے پیٹ اُسکی عار نہ اُٹھا دیں بلکہ آپ کام مہا کام کی نصیحت حکیمانہ سے نصیحت پکڑیں ✦

یہ بات کہنی کہ مسلمانوں کو اس کام کے انجام دینے کا مقدور نہیں ہا بالکل غلط ہے۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ کرنے والے اور اسی پر محنت اُٹھانیوالے نہیں ہیں اور ہاں بیشک ہمت بھی کم ہوگئی ہے جو پھر تحریک میں آسکتی ہے ✦

سلطنت اسلامیہ میں بھی یہ کام بالکلیہ گورنمنٹ کے ذمہ نتھا۔ شاید دو ایک مدرسہ ایسے ہونگے جن کا خرچ گورنمنٹ دیتی تھی ورنہ تمام مدرسے صرف رعایا کی مدد سے قایم تھے جو اُن کے مدرسوں یا بانیوں کو بطور نذر و نیاز کے اُن کے قایم رکھنے کو روپیہ دیتی تھی۔ کیا شاہ عبد العزیز صاحب کا مدرسہ اور شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ بغیر لوگوں کی نذر و نیاز دینے کے جس کو حال کی زبان میں چندہ یا سبکرپشن یا ڈونیشن کہتے ہیں قایم رہ سکتی تھی۔ پس ہر مقام میں مسلمانوں کو مستعد ہو کر ترقی تعلیم کے لیئے سعی کرنی چاہیئے اور پھر وُہی وسیلے رواج تعلیم کے خود اپنے آپس میں قایم کرنے چاہئیں۔ اس طرح پر تو البتہ ترقی تعلیم اور بہبودی مسلمانوں کی عموماً توقع ہے اور بغیر اس کے کچھ توقع نہیں ہے ✦

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمان اس تدبیر سے بالکل غافل ہیں کیونکہ ہم جونپور و علیگڈھ و دیوبند و دہلی و کانپور کے مدرسوں کو بھول نہیں گئے ہیں مگر جس طرز پر وہ قایم ہوئے اور جس طرح پر اُنکی کارروائی

ہوتی ہے وہ کچھ مفید نہیں اور اُس سے مسلمانوں کی بھلائی کی کچھ توقع نہیں۔ ہم اس بات سے خوش نہیں ہوسکتے کہ کسی جگہ چالیس طالب علم ریشا ئیل اِدھر اُدھر پورب پچھم کے جمع ہوگئے اور صدرہ و شمس بازغہ پڑھنے لگے کیونکہ سلسلہ وار تعلیم کی اور اُن نوعمر بچوں کے سلسلہ تعلیم کے قایم کرنے کی ضرورت ہے جو ہونہار ہونے کو ہیں اور جس سے ہمارے ملک کی ترقی اور ہماری قوم کی عزت متصور ہے ۔

مسلمانوں کی تعلیم کے لیئے یہ کافی نہیں ہے کہ دو چار ملاں کسی جگہ پڑھانے کو مقرر کردیئے جاویں اور وہ وہی پرانی کرکھائی کتابیں دو چار دس پانچ آدمیوں کو پڑھانے لگیں بلکہ سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ اوّل فہمیدہ فہمیدہ ذی علم اور ذی عقل لوگ جمع ہوں اور بعد بحث و گفتگو کے یہ بات قرار دیں کہ اب سلسلہ تعلیم بنظر حالات زمانہ اور بلحاظ علوم و فنون جدیدہ کے کس طرح پر قایم ہونا چاہیئے اور ہماری پرانی و قیانوسی تعلیم کے سلسلہ میں کیا کیا تبدیل اور ترمیم کرنی چاہیئے ۔ ہمارا سلسلہ تعلیم کا بلحاظ مقاصد مذہبی کس طرح پر قایم ہو اور بلحاظ مطالب دنیوی کے کس طرح جاری کیا جاوے اور جب کوئی طریقہ تجویز ہولے اُس وقت اُس کے اجرا پر ہر ضلع کے لوگ اپنے اپنے ضلع میں سعی و کوشش کریں ۔

ہر ضلع میں کم سے کم ایسا ایک مدرسہ قائیم کرنا چاہیئے جس سے ہر قسم کے مطالب و مقاصد پورے ہوں کیونکہ تمام لوگوں کے ایک ہی مقاصد نہیں ہوتے ۔ اگر کوئی شخص مولوی ۔ محدث و فقیہ بننا چاہے تو مولوی بننے کا بھی اُس میں موقع موجود ہو ۔ اگر کوئی شخص بڑا ریاضی داں بننا چاہے تو وہ بھی اپنا مقصد اُس میں حاصل کرسکے ۔ اور اگر کوئی شخص علوم و زبان انگریزی میں تحصیل کامل کرنا اور عہدہ ہائے جلیلہ گورنمنٹ کو حاصل کرنا چاہے وہ بھی کرسکے ۔ جب ایسا انتظام اور سلسلہ قایم ہو جاوے گا تب مسلمانوں کی تربیت اور دینی و دنیوی ترقی کی توقع ہوتی ہے ۔

اس طرح کے سلسلہ تعلیم قائیم کرنے میں اگرچہ بہت سا روپیہ چاہیئے لیکن روپیہ جمع ہونا کچھ مشکل نہیں ہے ۔ لوگوں کا دل اور ارادہ اور ہمت چاہیئے ۔ ہر ضلع میں جس قدر مسلمان آباد ہیں اگر ہر ایک شخص تھوڑا تھوڑا روپیہ بھی دو دو ایک ایک بلکہ آٹھ آنہ تک دے تو ہر ضلع میں اسقدر روپیہ جمع ہو جاتا ہے کہ ان تمام مطالب کے لیئے ایک نہایت عمدہ مستقل مدرسہ قائیم ہوسکتا ہے صرف لوگوں کا ارادہ کرنا اور اس کام کے انجام کرنے پر دل سے کوشش کرنا شرط ہے ۔

دین اور دنیا کا رشتہ

نجات ابدی جو نتیجہ سچے مذہب یا سچے دین کا ہے وہ دنیا کے ساتھ لازم وملزوم نہیں ہے۔ ایک شخص جس نے تمام عمر عسرت وتنگی میں بسر کی ہو اور لباس برہنگی کے سوا اور کوئی لباس زیب تن نہ کیا ہو اور بناس پتی کے سوا جو کے بن چھنے آٹے کی روٹی بھی نصیب نہ ہوئی ہو وہ بھی سچے مذہب کی بدولت نجات ابدی حاصل کرسکتا ہے۔ اور جس شخص نے لاکھوں کروڑوں روپیہ بطور جائز پیدا اور خرچ کیئے ہوں۔ اور محمودی وتن زیب زیب تن کیا ہو اور محلوں میں سویا ہو اور باغوں کی ٹھنڈی ہوا میں پھرا ہو۔ پرتی شال عربی گھوڑوں پر چڑھا ہو وہ بھی سچے دین ومذہب کی بدولت نجات ابدی پاسکتا ہے۔ ہم دنیا میں بے انتہا مذاہب مختلفہ کے لوگ دیکھتے ہیں جنہیں بلاشبہ کوئی سچے اصول پر اور کوئی غلط بنیاد اور جھوٹے اصول پر مبنی ہوگا۔ اور ہر مذہب کے لوگوں میں تنگی وفراخی۔ دولت ومفلسی کو پاتے ہیں۔ اس لیئے یقین کرتے ہیں کہ دنیا کسی کے ساتھ لازم وملزوم نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اس مضمون پر یقین کرنے کے لیئے حضرت ابو ذر غفاری رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کا حال جاننا کافی ہے جو علانیہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سے فقیہہ کے مقابلہ میں فرماتے تھے کہ "واللہ صاحب المال کافر" مگر دنیا اور دین سے ایسا مستحکم رشتہ ہے جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا جس طرح کہ بدبختی سے کبھی دنیا۔ دین کو غارت بھی کردیتی ہے اُسی طرح خوش قسمتی سے دنیا دین کو سنوار بھی دیتی ہے۔ مشہور مقولہ ہے۔

پراگندہ روزی پراگندہ دل

اب ان عقلی باتوں کو جانے دو۔ اس پر تو یقینی سب مسلمان یقین کرتے ہونگے کہ کسی بندہ پر خدا کا غضب دنیاوی امور کے سبب نہیں ہوتا بلکہ دینی قصور اور نافرمانی اور گناہ ومعصیت کے سبب ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا دار جزا نہیں ہے۔ اور جو گناہ اور معصیت بندوں کی ہے اُس کی سزا کے لیئے دنیا نہیں۔ باینہمہ ہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے دینی تقصیرات پر یہودیوں کے ساتھ دنیا میں کیا معاملہ کیا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے "وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباؤ بغضب من اللہ ذالک بانھم کانوا یکفرون بایات اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق ذٰلک بما عصوا وکانوا یعتدون" پس اگر دنیا کو دین کے ساتھ کوئی مستحکم رشتہ نہ تھا تو خدا تعالیٰ اپنے بجائے

یہودیوں کو دنیا میں ذلیل اور مسکین کیوں کیا؟

اب دوسری طرح پر غور کرو۔ ایک خیالی دنیا بناؤ اور یہ تصور کرو کہ ہندوستان میں تمام مسلمانوں کے پاس دولت و حکومت اور منصب نہ رہے۔ سب مفلس اور نان شبینہ کو محتاج ہوں (جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اُن بدعقلیوں اور بدفہمیوں اور بدنصیبیوں کے سبب جو زمانہ حال میں اُن کے خطوط پیشانی سے پڑھی جاتی ہیں عنقریب ہونیوالا ہے) اور در بدر بھیک مانگتے پھریں ان کی اولاد جاہل اور نالائق چور اور بدمعاش ہو۔ واعظین کو جو محض ریاکاری اور مکاری سے دنیا کماتے پڑے پھرتے ہیں کوئی ٹکا دینے والا یا حرام کا لقمہ تر کھلانے والا نہ رہے جناب حضرت پیر جی صاحب جو لوگوں کو مرید کر کر اپنا لشکر بناتے پھرتے ہیں اور سالانہ ٹیکس یا جزیہ اُن پر مقرر کرتے ہیں اور ہر سال اُس کی تحصیل میں مصروف ہیں اُن کو کوئی دینے والا نہ رہے۔ یا جناب مولوی صاحب قبلہ جو حدیث و تفسیر یا صدرا و شمس بازغہ طالب علموں کو پڑھاتے ہیں۔ اُن کو کوئی چار پیسے کو نوکر رکھنے والا نہ رہے جیسا کہ اب بھی یہی حال موجود ہے کہ اچھے اچھے مولوی ٹکے ٹکے کو مارے پھرتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا تو اُس وقت دین کا کیا حال ہوگا؟

مگر اس کے ساتھ یہ بھی تصور کرنا چاہیئے کہ پیٹ ایسی چیز ہے کہ دین رہے یا جاوے خدا ملے یا نہ ملے اُس کو بھرنا چاہیئے تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو پیٹ بھرنے کی تو کچھ فکر کرنی چاہیئے گی۔ اور فکر کیا ہوگی اُس کا خیال بڑے دینداروں کی نسبت تو یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کے گھر چھپیری ڈھو رہے ہیں۔ کسی جنگل میں گھانس چھیل رہے ہیں۔ کسی پہاڑ پر لکڑیاں چن رہے ہوں گے۔ کسی کا گھوڑا ملّ رہے ہوں۔ اور جو ایسے پکے دیندار نہیں ہیں۔ اُن کی نسبت کچھ خیال نہیں ہو سکتا کہ وہ کیا کیا کریں گے۔ معلوم نہیں کہ اُن سے جیلخانے اور جزائر نو آباد بھریں گے یا یتیم خانے اور کلیسا رونق پاوینگے۔ پس ایسی حالت میں خیال کرنا چاہیئے کہ دین اسلام کی کیا شان ہوگی اور اُس وقت ہم سلام کرینگے اور پوچھیں گے کہ کیوں جناب قبلہ و کعبہ ہم جو مسلمانوں میں دنیوی ترقی و تہذیب۔ تربیت و شایستگی میں کوشش کرتے تھے وہ ہمارا امر معاش میں منہمک ہونا اور ترغیب دینا اور امر معاد کی طرف سے بالکل بھول اور غفلت کا پردہ ڈالنا تھا یا یہ کام خاص خدا کا اور بالکل دین کا اور سر تا سر معاد کا تھا؟

خدا تعالیٰ نے مذہب اسلام کو عین حکمت بنایا ہے۔ اُسکی بھلائی چاہنے والے کو ضرور ہے

کہ وہ بھی حکیم ہو۔ نہ مکار اور دغاباز۔ اور حکیم کا یہ کام ہے کہ جو مرض دیکھتا ہے اُسکی دوا کرتا ہے
اِس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ امور معاش و تمدن و حسن معاشرت اور علم
کی ابتری وخرابی کے سبب روز بروز خراب و ذلیل و حقیر و برباد ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہ واعظ
و مولوی اور پیرجی خدا و رسول کے دشمن اُن کو روز بروز برباد و تباہ کرتے جاتے ہیں پس ایسی
حالت میں کہ ہم بخوبی یقین کرتے ہیں کہ وہ یعنی مسلمان یقینی اپنے مذہب پر پختہ ہیں۔ خدا
کو ایک جانتے ہیں۔ رسول کو برحق سمجھتے ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ فرض جانتے ہیں۔
ایک ایک جولاہا بھی ضروری نماز روزے کے مسئلے جانتا ہے۔ یا ہر طرح پر اُس کے جاننے کا
سامان یا موقع موجود ہے۔ مذہب اسلام کے دوستدار کا یہ کام ہے کہ اپنے تئیں پیرجی یا
حضرت صاحب یا مولوی صاحب کہلانے اور دغابازی سے دنیا کمانے کے لیئے اُنہی باتوں
کا جن کی ضرورت نہیں ہے بیٹھا ہوا وعظ کہا کرے۔ یا جن کی ضرورت درحقیقت مسلمانوں
کو اور خود اسلام کو ہے اُسکی تدبیر اور کوشش کرے ✿

افسوس خدا ہاتھ نہیں آتا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں موجود نہیں
ہیں۔ ورنہ ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر اُن کے سامنے لیجاتا۔ اور کہتا او خدا اور اے جناب
رسول خدا تم مجھ میں اور اِن میں محاکمہ کرو اور بتاؤ کہ کون تمھارا دوستدار ہے۔ مَیں گنہگار
یا یہ دیندار۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اگر خدا سچ ہے اور قیامت درست ہے تو یہ معرکہ ہونا ہے
لیکن با اینہمہ اگر کوئی مباہلہ پر آمادہ ہو تو میں مباہلہ کو موجود ہوں ✿

تعجب کی بات ہے کہ اِس بات پر کوشش کرنا کہ مسلمانوں میں قومی ترقی ہو علوم دینی
قایم رہیں۔ علوم دنیاوی جو مفید و بکار آمد ہیں اُن کا رواج اور ترقی ہو۔ لوگ معاش سے
فارغ البال ہوں۔ اکل حلال پیدا کرنے کے وسیلے ہاتھ آویں۔ حسن معاشرت میں جو نقص ہیں
وہ رفع ہوں۔ جن بدرسموں اور خراب عادتوں سے غیر قومیں مسلمانوں کو اور اسلام کو حقیر و
ذلیل سمجھتی ہیں وہ موقوف کی جاویں۔ جو خلاف شرع تعصبات و توہمات ہیں اور ہر طرح کی
ترقی کے مانع ہیں وہ دُور کیئے جاویں۔ اِن تمام باتوں کو محض بیدینداری اور حبّ قومی سے نہ
سمجھنا اور دنیا کا الزام دینا کس طرح خدا کے نزدیک درست ہوگا ✿

باقی رہا اختلاف بعض مسایل میں وہ ایک جُدا بات ہے مَیں جس مسئلہ کو حق اور سچ سمجھتا ہوں
بلاخوف اُسکو کہتا ہوں بقول شخصے "از خدا شرم دار و شرم مدار" اُن مسایل میں سے جب

کوئی مسئلہ کسی صاحب کی تحریر یا تقریر سے غلط ثابت ہوگا مجھ کو اُس کا اقرار کرنے اور توبہ کرنے میں ایک لمحہ کی بھی خدا نے چاہا تو دیر نہ ہوگی۔ واللہ ولی التوفیق +

یہ امور جو میں نے لکھے۔ مجھ کو لکھنے زیبا نہ تھے۔ مگر بہ مجبوری جو کچھ اپنی نیت اور اپنا ارادہ اور قصد ہے اُس کا عام طرح پر ظاہر کرنا ضرور تھا اس لیئے دو چار حرف اُسی سختی سے جو میرے دل میں ہے لکھے گئے ہیں۔ تاکہ میرے مخالف اور موافق سب اُسپر غور کریں +

طبقات علوم الدّین

ہم خیال کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں جو مسلمان بعض مسائل مذہبی کی تدقیقات کو دیکھکر متعجب ہوتے ہیں اور اس تدقیق کو خلاف جمہور اور خرق اجماع سمجھتے ہیں۔ غالباً اُس کا سبب یہ ہے کہ وہ علوم دین کے طبقات سے واقف نہیں ہیں اس لیئے مناسب ہے کہ کچھ اُن کا ذکر کیا جاوے +

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں طبقات علوم الدین کی تفصیل اس طرح پر بیان کی ہے :-

طبقہ اوّل۔ حدیثوں کے پہچاننے کا علم کہ کونسی صحیح ہے اور کونسی ضعیف۔ اور کونسی معتبر ہے اور کون سی نا معتبر۔ چنانچہ اس کام کو علماء محدثین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین نے اختیار کیا اور حدیث کی کتابیں اُس میں تالیف کیں +

طبقہ دوم۔ کلام الٰہی اور اُن حدیثوں کے معنی بیان کرنے کا علم کہ مطابق محاورہ اور استعمال زبان عرب کے اس کے کیا معنی ہیں۔ چنانچہ اس کام کو علماء علم ادب نے اختیار کیا +

طبقہ سوم۔ کلام الٰہی اور حدیثوں کے معنوں کو بطور اصطلاحات شرعیہ قرار دینے اور اُن سے احکام شرعیہ کے نکالنے اور ایک حکم سے دوسرے پر قیاس کرنے اور اشارات و کنایات عبارت سے حکم نکالنے اور ناسخ منسوخ قرار دینے اور راجح مرجوح ٹھہرانے کا علم۔ چنانچہ اس کام کو فقہا نے اختیار کیا +

طبقہ چہارم۔ مذہب اسلام کے اسرار جاننے کا علم اور یہ وہ علم ہے جس میں مذہب اسلام میں جو کچھ ہے اُس کی حقیقت اور اصلیت اور جو حکمت کہ شارع نے اُس میں رکھی ہے وہ بیان کی جاتی ہے +

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہی علم ہے جس سے آدمی پکا مسلمان ہوتا ہے اور اُس کا ایمان
مثل ایسے شخص کے کامل یقین کے پختہ ہوجاتا ہے جس کو کسی نہایت سچے شخص نے یہ بات
کہی ہو کر سنکھیا زہر قاتل ہے۔ اُسکے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے اور اُس شخص نے بسبب اُس
قایل کی سچائی اور معتبری کے اُسکی تصدیق کی اور پھر قواعد علم حکمت سے یہ بات بھی جانی کہ
زہر میں حرارت اور یبوست بے انتہا ہے اور وہ دونوں خاصیتیں انسان کے مزاج کے برخلاف
ہیں اور اس لیئے اُسکو مارڈالتی ہیں اور اس بات کے جاننے سے اُس کا یقین اُس قایل پر اور اُس کی
بات پر اور زیادہ پختہ ہوجاتا ہے۔ پس اسرار دین کے علم کا یہی نتیجہ ہے کہ وہ انسان کے ایمان
کو ایسا پختہ کردیتا ہے کہ کسی طرح ڈگمگا ہی نہیں سکتا +

شاہ صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگرچہ عام عالموں نے فقہ کو لب لباب علوم دین کا سمجھا ہے
مگر اُن کے نزدیک علم اسرار دین ہی سب کا سراج ہے۔ پھر وہ تسمیہ بیان کرتے ہیں کہ یہی
علم اس لایق ہے کہ بعد ادائے فرائض کے آدمی اسی علم میں اپنی تمام اوقات عزیز صرف کرے اور
ذخیرہ آخرت لیجاوے +

شاہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جبکہ اس قسم کے مطالب پر لوگ غور کرتے آئے ہیں اور مسائل
اور مطالب نکالتے رہے ہیں تو اب علم اسرار دین پر گفتگو کرنا اور بحث کرنا خرق اجماع ہی نہیں
رہا بلکہ میں کہتا ہوں کہ خرق اجماع کیسا۔ اب اس پر بحث کرنا فرض عین ہوگیا ہے +

حال یہ ہے کہ جو حالات کہ انسان کی روح سے متعلق ہیں اور جو انکشافات کہ انسان کی روح پر
ہوتے ہیں اور اعمال صالح اور غیر صالح سے جو کیفیت انسان کی روح میں پیدا ہوتی ہے اور جو حالات
کہ اُسپر بعد موت کے طاری ہوتے ہیں جس کو معاد کہتے ہیں وہ بدون تمثیل کے انسان کے
خیال میں نہیں آسکتے کیونکہ جو چیز کہ ہماری آنکھ سے دکھائی نہیں دیتی نہ ہم اُسکو چھو سکتے ہیں تو
اُس کا خیال ہمارے دل میں بجز ایسی چیزوں کی تمثیل کے جن کو ہم جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں
اور کسی طرح پر نہیں آسکتا۔ مثلاً اگر عذاب قبر میں گنہگاروں کی نسبت سانپوں کا چمٹنا اور
کاٹنا بیان کیا جاوے تو اُس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ درحقیقت سچ مچ کے یہ سانپ جن کو ہم
دنیا میں دیکھتے ہیں مردے کو چمٹ جاتے ہیں بلکہ جو کیفیت کہ گناہوں سے روح کو حاصل ہوتی
ہے اُس کا حال انسانوں میں اُس رنج و تکلیف و مایوسی کی مثال سے پیدا کیا جاتا ہے جو دنیا
میں سانپوں کے کاٹنے سے انسان کو ہوتی ہے۔ عام لوگ اور کٹ ملا اُسکو واقعی سانپ سمجھتے

ہیں اور عارف باللہ اُسکی حقیقت اور اصلیت پر پے لیجاتے ہیں اور اسی اصلیت کے جاننے اور بیان کرنے کو علم اسرار دین کہتے ہیں اور یہ وُہی علم ہے جس سے انسان کا ایمان تصدیق کے درجہ سے بھی بڑھکر علم الیقین اور حق الیقین بلکہ عین الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے ✦

اگلے زمانہ میں عُلما کی یہ رائے تھی کہ علم اسرار الدین کو عام لوگوں میں پھیلانے سے جو اُنکی سمجھ سے باہر ہے کچھ فائدہ نہیں بلکہ اُن کی تصدیق کو تشکیک میں ڈالنا ہے - مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا - حال کے زمانہ میں ہر چہار طرف علوم کی ترقی بہت زیادہ ہوگئی اور اُسکی شعاعیں تمام دنیا میں پھیل گئیں اور پھیلتی جاتی ہیں اور پھیلتی جاویں گی بعض مُلکوں میں تو عام و عوام اور خاص و خواص سب کے خیالات کو وسعت ہوگئی اور بعض مُلکوں میں شاید ابھی عوام کے خیالات کو وسعت نہ ہوئی ہو الا عام کے خیالات کو تو ضرور وسعت ہوگئی ہے - اور اس لیئے اب دین کی تمثیلی باتوں کا بیان کرنا کافی نہیں رہا بلکہ اسرار دین کے علانیہ بیان کرنے کا وقت ہے - اور جو بات کہ اگلے زمانہ میں کسی عالم کے دو چار شاگرد رشید جانتے تھے اُسکو عموماً ہر ایک کو بتلانا چاہیئے تاکہ حقایق مسایل اور اسرار دین سے لوگ واقف ہو کر اپنے مذہب کی سچائی پر مطمئن ہوں اور کٹ ملاؤں کے اس فتویٰ کفر سے کہ عذاب قبر سے انکار کیا اور معراج سے منکر ہوئے اور شیطان کے وجود کو جیز جُداگانہ نہیں ماننے سے نص قرآنی کا انکار کیا کچھ ڈرنا نہیں چاہیئے - اگلے لوگوں نے جن میں سب کے سرتاج امام حجۃ الاسلام غزالی رح ہیں اور سب کے آخر شاہ ولی اللہ صاحب رح ہیں اُن کی نسبت بھی ان کٹ ملاؤں نے اسرار دین کے بیان کرنے کے سبب بہت سے کُفر کے فتوے دیئے ہیں - اُن فتوؤں سے اُن کا تو کچھ نہیں بگڑا - مگر ان کٹ ملاؤں کی ہنڈیا میں جو تھا وُہی اُن کے چمچوں میں نکل آیا ✦

اس علم یعنی علم اسرار دین میں احیاء العلوم امام حجۃ الاسلام غزالی رح کی اور حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ صاحب رح کی نہایت عُمدہ کتابیں ہیں مگر زمانہ حال کے مطابق اُن کو بھی کامل نہ سمجھنا چاہیئے اسلیئے کہ اس زمانہ میں بہت سی چیزیں اب معلوم یا مروج ہوئی ہیں جو اُس زمانہ میں نہ تھیں اور یہ کہ طرز تحریر و طریق تقریر اور مناط استدلال اور طریقہ ایراد اس زمانہ میں نئے طور پر شروع ہوا ہے جو اُن زمانوں میں نہ تھا - اور یہ کہ حال کے زمانہ کے لوگوں کے خیالات کو بہ نسبت اُس زمانہ کے بہت زیادہ وسعت ہوگئی ہے - اور یہ کہ اُن کتابوں میں بہت باتیں بر بنیاد امورات مسلمہ مذہبی بیان کی گئی ہیں جو صرف معتقدین اسلام کے لیئے بلا شبہ مفید ہیں - مگر بلحاظ شان و قدر و منزلت

اُس علم کے اُس کے بیان کا ایسا عام ہونا چاہیئے جو معتقدین اور غیر معتقدین سب کے لیئے مفید اور برابر موثر ہو۔ پس وہ مطالب اس لائق ہیں کہ اُن کو حال کے پیرایہ تقریر کے موافق از سر نو بیان کیا جاوے۔ مگر یہ کام اُسی سے ہو سکتا ہے جس پر خدا کی مہربانی ہوئی ہو۔ اور اُس کے دل کو نور ایمان سے منور کیا ہو اور کچھ حصہ علم لدنی سے عطا فرمایا ہو وان من اعظم نعم اللہ علی ان اتانی منہ حظاً وجعل لی منہ نصیباً وما انفک اعترف بتقصیری و ابرء وما ابرء نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء +

عبادت

تمام نیکیاں اور عبادتیں جو قانون قدرت کے برخلاف ہیں پوری نیکیاں اور عبادتیں نہیں ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بہت سے لوگ اس کا خیال نہیں کرتے۔ اگر صرف اس کا خیال ہی کیا جاتا تو چنداں اشکال نہ تھی۔ دقت یہ ہے کہ قانون قدرت کے مطابق جو نیکیاں اور عبادتیں ہیں اُن کو نیکیاں اور عبادتیں ہی نہیں سمجھتے +

اس مطلب کے ثابت کرنے کو ہمارے لیئے ارشاد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا کافی اور وافی ہے اور اُس کے بعد کسی دوسرے کے قول و فعل کی سند کی حاجت نہیں +

عن انس قال جاء ثلثة رھط الی ازواج النبی صلعم یسألون عن عبادۃ النبی صلعم فلما اخبروا بہا کانہم تقالوھا فقالوا این نحن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقد غفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر فقال احدھم اما انا فاصلی اللیل ابداً وقال الاخر انا اصوم النہار ابداً ولا افطر وقال الاخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابداً فجاء النبی صلعم الیہم فقال انتم الذین قلتم کذا وکذا واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ لکننی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی متفق علیہ +

بخاری و مسلم نے حضرت انسؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ عرب کی تین قوموں کے کچھ لوگ پیغمبر خدا صلعم کی ازواج مطہرات کے پاس آنحضرت صلعم کی عبادت کا حال دریافت کرنے کو آئے۔ جب اُن کو بتایا گیا تو اُنھوں نے اُس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہنے لگے کہ کجا ہم اور کجا پیغمبر صاحب۔ اُن کو تو بہت سی عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُن کو تو اللہ تعالی نے اگلے پچھلے گناہوں سے پاک کر دیا ہے۔ پھر اُن میں سے ایک نے کہا کہ ہم تو ہمیشہ تمام رات

نماز پڑھا کرینگے - اور دوسروں نے کہا کہ ہم ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کرینگے اور کبھی روزہ نہ چھوڑینگے
اَوروں نے کہا کہ ہم عورتوں کے پاس نہ جاوینگے اور کبھی جورو نہ کرینگے - اتنے میں جناب
پیغمبر خدا صلعم تشریف لے آئے اور فرمایا کہ تم نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں جانو خدا کی قسم مَیں تم سے
زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ اُس کے حضور میں پاک رہنا چاہتا ہوں - لیکن مَیں
تو روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا - اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سو بھی رہتا ہوں اور
عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں - پھر جو کوئی میرے طریقہ کو پسند نہ کرے وہ میرے ساتھیوں
میں سے نہیں ❊

یہ حدیث ہم مسلمانوں کے لیئے بہت بڑی سند اس بات کی ہے کہ اصلی اور سچی عبادت
وُہی ہے جو قانون قدرت کے اصول کے مطابق ہے - تمام قوتے جو خدا تعالےٰ نے انسان
میں پیدا کیئے ہیں وہ اس لیئے پیدا نہیں کیئے کہ وہ بیکار کر دیئے جاویں بلکہ اس لیئے پیدا
ہوئے ہیں کہ سب کام میں لائے جائیں - شریعت حقہ مصطفویہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے
کوئی نئی بات نہیں پیدا کی بلکہ صرف اُن قویٰ کے کام میں لانے کے طریقہ کو بتایا ہے جس سے
جملہ قویٰ اعتدال پر اور شگفتہ و شاداب رہیں اور ایک کے غلبہ سے دوسرا بیکار اور پژمردہ
نہ ہو جاوے - مگر بہت ہی کم لوگ ہیں جو اس نکتہ کو سمجھتے ہیں بلکہ اُس طریقہ کو جسکو ہمارے
پیغمبر خدا صلعم نے رہبانیت قرار دیا ہے اور جسکو ہندی زبان میں جوگی یا جوگ کہتے ہیں کمال
عبادت اور منتہائے زہد و تقویٰ قرار دیتے ہیں ❊

فرائض جو مذہب اسلام میں ہیں اُن کا ادا کرنا بلاشبہ باعث نجات ابدی ہے عن ابی ھریرۃ
قال اتی اعرابی النبی صلعم فقال دلنی علی عمل اذا عملته دخلت الجنة قال
تعبد الله ولا تشرك به شيئا وتقيم الصلوٰة المكتوبة وتودي الزكوٰة المفروضة
وتصوم رمضان قال والذي نفسي بيده لا ازيد على هذا شيئا ولا انقص منه
فلما ولي قال النبي صلعم من سره ان ينظر الى رجل من اهل الجنة الى هذا
متفق عليه ❊

بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرۃ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دہقانی عرب پیغمبر خدا صلعم
پاس آیا - اور کہا کہ مجھ کو ایسی بات بتائیے کہ اگر مَیں اُسکو کیا کروں تو بہشت میں جاؤں - آپ نے
فرمایا کہ خدا ہی کی عبادت کیا کر اور کسی دوسرے کو اُسکی عبادت میں مت ملا - اور فرض نماز میں

پڑھا کر اور زکوٰۃ دیا کر اور رمضان کے روزے رکھا کر۔ اُس نے کہا کہ خدا کی قسم نہ تو میں اس میں کچھ بڑھاؤں گا اور نہ گھٹاؤں گا۔ جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو شخص جنتی آدمی کو دیکھنا چاہے تو اس شخص کو دیکھ لے ؞

غرض کہ ادائے فرائض بلاشبہ اصلی عبادت ہے جس کا ادا کرنا ہر شخص مکلّف پر فرض ہے مگر ہم اس مقام پر فرائض کے سوا جو اَور عبادتیں ہیں اُن سے بحث کرنی چاہتے ہیں اور اُن میں بھی اس بات سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے کہ وہ عبادتیں عبادتیں نہیں ہیں بلکہ اس بات سے بحث منظور ہے کہ عبادت کو اُنہی میں منحصر سمجھنا غلط ہے۔ اور یہ کہ بعضی نوع بسبب تبدل حالت کے ادنیٰ درجہ کی عبادت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہو جاتی ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کی عبادت اس درجہ کی نہیں رہتی۔ اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یہی ایک حکمت بالغہ ہے جس سے تمام قوانین قدرت قایم رہتے ہیں۔ الا افسوس ہے کہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں کو اس حکمت بالغہ پر خیال نہیں ہے ؞

ہمارے زمانہ کے مسلمان بھائیوں نے سوائے فرائض کے باقی عبادتوں کو صرف نماز روزہ وتلاوت قرآن مجید اور خیالی ترک دنیا اور درس و تدریس علوم دینیہ اور اوراد ماثورہ یا وظایف مقررہ پیران ہی میں منحصر کر رکھا ہے حالانکہ اُنہی پر اُن کا انحصار محض غلط ہے۔ بلکہ اُن میں سے بعض ایسے درجہ پر پہنچ گئے ہیں جو قانون قدرت کے برخلاف ہیں اور اس لئے مقصود شارع نہیں ہیں۔ اور بہت سی ایسی متروک ہیں جو بسبب تغیر و تبدل حالت کے اُن سے بھی مقدم اور اعلیٰ ہیں۔ اب ہم اپنے اس مطلب کو چند مثالوں کے بیان کرنے سے زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں ؞

علم۔ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات سمائی ہے کہ علمی عبادت صرف علوم دینیہ ہی کے پڑھنے پر منحصر ہے۔ اور اُس کے سوا کسی علم کا پڑھنا پڑھانا یا اُس پر روپیہ خرچ کرنا داخل عبادت نہیں اور اسی لیئے ثواب بھی نہیں۔ اُن میں یہ مثل مشہور چلی آتی ہے کہ۔

علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث ؞ ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

مگر یہ خیال اُن کا محض غلط ہے اور اسی سبب سے مسلمانوں میں روز بروز علم کا تنزل ہے اور جس کے ساتھ خود علم دین بھی معدوم ہوتا جاتا ہے ؞

جاننا چاہیئے کہ علم کے معنی دانستن کے ہیں۔ علوم دینیہ کا صرف جاننا کچھ عبادت ہے

اور نہ کچھ ثواب۔ البتہ وہ اُس وقت عبادت یا ثواب ہو سکتا ہے جبکہ اُسکو امور دینی کے کام میں لانے کی نیت سے پڑھا جاوے پس مدار عبادت اور ثواب تحصیل علوم دینیہ کا نیت پر منحصر رہا نہ نفس علم پر۔ یہی حال تمام باقی علوم کا ہے۔ تمام علوم جن کو علوم دنیوی کہتے ہیں واسطے ترقی اور استحکام اور تعلیم علوم دینی کے ضروری ہیں گو اُن کا پڑھنا فی نفسہ عبادت نہ ہو۔ جیسا کہ علوم دینیہ کا پڑھنا بھی فی نفسہ عبادت نہ تھا۔ مگر جب کہ وہ اس نیت سے پڑھے جاویں یا پڑھائے جاویں کہ علوم دینیہ کے لیئے مثل آلہ کے ہیں تو اُن کا پڑھنا یا پڑھانا ویسا ہی عبادت ہے جیسا کہ علوم دینیہ کا تھا۔ پس ایک کو عبادت سمجھنا اور دوسرے کو نہ سمجھنا کیسی غلطی ہے ❊

علاوہ اس کے وہ علوم بھی جن کو ہم علوم دنیوی کہتے ہیں اگر ان کی تعلیم نیک طرح پر ہو تو باعث ترقی ایمان اور سبب محبت اور ترقی معرفت ذات باری تعالیٰ جل شانہ کے ہوتے ہیں۔ امام غزالی صاحب احیاء العلوم میں جہاں خدا تعالیٰ کی محبت کے اسباب کو بیان فرماتے ہیں لکھتے ہیں کہ قوت معرفت سبب قوت محبت ہے اور یہ بات خدا تعالیٰ کی صفات اور ملکوت سموات وارض پر دھیان لگانے سے ہوتی ہے اس لیئے کہ کوئی ذرہ آسمان و زمین سے ایسا نہیں ہے جو اس کی حکمتوں اور عجیب نشانیوں سے خالی ہو۔ جس ذرہ پر نظر کیجاوے وہ اُسکی قدرت کاملہ پر شہادت دیتا ہے اور جس برگِ درخت پر نظر کیجاوے اُسکی حکمت بالغہ پر دلالت کرتا ہے۔ کوئی دانہ زمین سے نہیں اُگتا کہ اپنے اُگانے والے کی توحید پر ہزار زبان سے اقرار نہ کرتا ہو اور اُسکی قدرت کاملہ پر ہزار طرح سے شہادت نہ دیتا ہو۔ جس درخت پر نظر کی جاوے ہر ورق اُس کا اللہ جلشانہ کی وحدانیت کا مظہر ہے۔ اور جس ورق پر غور سے خیال کیا جاوے اُس کی معرفت کا دفتر ہے اور ان سب باتوں کا علم باعث ایمان کامل اُس قادر مطلق پر ہے جس کی عبادت کرنا عین مسلمانوں کا ایمان ہے۔ پس تمام علوم دنیوی اس اعتبار سے علوم دینیہ سے کم نہیں ہیں ❊

جس وقت کہ ہم علم ریاضی پڑھ کر خدا تعالیٰ کی اُس قدرت کاملہ سے واقف ہوتے ہیں جو خلق آسمان و زمین و کواکب سیارہ و ثوابت میں کام آئی ہے اور کتنے بڑے بڑے کرات کو کیسی سریع حرکت سے معلق پھرتے دیکھتے ہیں اور اُس کی عجایب حکمت کو دریافت کرتے ہیں تو کس طرح ہمکو وجود صانع اور اُسکی قدرت کاملہ پر یقین ہوتا ہے ❊

جس وقت کہ ہم علم ارض یعنی جیالوجی پڑھتے ہیں اور اُن عجائبات سے واقف ہوتے ہیں جو خدا تعالےٰ نے صرف اس کرہ خاک میں بنائے ہیں جو دن رات ہمارے پانوں کے تلے روندا جاتا ہے تو ہمکو کیسا مستحکم اُس خدا کی خدائی پر یقین ہوتا ہے ؛

علم نباتات اور علم حیوانات سے جب ہمکو واقفیت ہوتی ہے تو پھولوں کی پنکھڑیوں کی رنگ آمیزی اور مکھی کی آنکھ کی پچکاری ہی ہمکو اُس حکیم مطلق کی حکمت کاملہ پر یقین کامل دلاتی ہے ؛

اسی طرح تمام علوم کیا علم آب اور کیا علم ہوا اور کیا علم جر ثقیل اور کیا علم برق و مقناطیس سب کے سب ہماری معرفت کو قوت اور ہمارے ایمان کو خدائے واحد پر پختہ اور مستحکم کرتے ہیں - اور حق الیقین بلکہ عین الیقین کے مرتبہ تک پہونچاتے ہیں - پس اگر اس اعتبار سے ہم اِن علوم کو بھی علوم دینیہ کے شامل سمجھیں تو کچھ بعید نہیں ؛

بعض علما نے علم معقول اور علم کلام دونوں کا پڑھنا ناجائز سمجھا تھا اور بعضوں نے اُسکے برخلاف اُن کو ضروری ٹھہرایا تھا - ہم اُسکے جائز یا ناجائز ہونے کی بحث سے درگذر کر کے یہ کہتے ہیں کہ وہ علم معقول جس پر علما نے انکار کیا صرف یونانی حکیموں کے عقلی ڈھکوسلے تھے وہ اپنی عقل ناقص سے خدا کی ذات و صفات سے بحث کرتے تھے جس کا الٰہیات اُنھوں نے نام رکھا تھا وہ علوم اُن کے ساتھ گئے - اب جو نئے علوم پیدا ہوئے اور جو انگریزوں کی بدولت ہندوستان میں آئے وہ علوم صرف عقلی نہیں ہیں - نہ الٰہیات سے علاقہ رکھتے ہیں - وہ تو اشیاء موجودہ کے حقائق کے علوم ہیں جن سے ہر ایک شے جسکو ہم دیکھتے ہیں اُسکی حقیقت معلوم ہوتی ہے پس اِن علوم کو اُس قدیم یونانی معقولات پر قیاس کرنا کتنی بڑی غلطی کی بات ہے - وہ علم تو ہماری عقلوں کو گمراہ کرنے والے تھے اور یہ علم حقیقت اشیاء کے بتانے والے اور خدا کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر یقین دلانے والے ہیں ؛

بعضے کٹ ملا یہ کہتے ہیں کہ اِن علوم میں بھی جو حقیقت بعض اشیاء کی ثابت کی گئی ہے وہ مذہب اسلام کے برخلاف ہے اور اِس لئیے اِن علوم سے بھی عقاید اور مسائل اسلام میں نقصان آنے کا احتمال ہے مگر ایسی رائے پر بجز افسوس اور نفرین کے کیا کہا جا سکتا ہے - ایسے شخص کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ مذہب اسلام حقیقت کے برخلاف ہے - ایسے شخص کی نسبت یہ کہنا چاہیے کہ یا تو وہ مذہب اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہوا یا اُسکو مذہب اسلام کے سچے ہونے پر

کامل یقین نہیں ہے ؛

اب ہم اِس خیال کو کہ عبادت صرف علوم دینیہ ہی کا پڑھنا اور پڑھانا ہے دُوسری طرح پر باطل کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان میں وہ تمام قوٰے پیدا کیئے ہیں جن سے وہ علم دین اور وہ علوم جن کو دنیاوی علوم کہتے ہیں دونوں کو حاصل کرسکتا ہے۔ پس اِن دونوں قوتوں کو ہمیں کام میں لانا چاہیئے تاکہ ہم نے خالق کی مرضی کے مطابق کام کیا ہو نہ یہ کہ ایک کو شگفتہ و شاداب اور دوسرے کو معطل و بیکار کردیں کیونکہ یہ امر قانون قدرت کے برخلاف ہے اور اِس لیئے نیکی نہیں ہوسکتا۔ اور جب نیکی نہیں ہوسکتا تو عبادت بھی نہیں ہوسکتا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہم اِن دونوں قوتوں کو حد اعتدال پر رہنے دیں اور ایک کو دوسرے سے مغلوب نہ کردیں ؛

خدا تعالےٰ نے ہمکو ہمارا مذہب ایسا عُمدہ دیا ہے جو ہماری معاد اور معاش دونوں کو قانون قدرت کے مطابق اصلاح کرنے والا اور ترقی دینے والا ہے۔ جس طرح کہ ہم اسبات کو خیال کرسکتے ہیں کہ اگر تمام لوگ صرف علوم دنیوی کی تحصیل کیا کریں تو دین کا کیا حال ہوگا اسی طرح اگر تمام لوگ صرف علوم دینی ہی پڑھا کریں تو ہماری دنیا کا جس کی اصلاح شریعت سے خارج نہیں ہے کیا حال ہوگا بلکہ علوم دنیاوی کے معدوم ہونے سے دین اور علوم دینی دونوں کے معدوم ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم دونوں قسم کے علوم کی ترویج پر سعی و کوشش کریں اور ایک کو دوسرے کا آلہ سمجھکر دونوں کو پڑھنا اور پڑھانا داخل عبادت جانیں ؛

قطع نظر اِن سب باتوں کے اکل حلال کا پیدا کرنا ہر شخص پر فرض ہے اور اُسکے لیئے اسباب و سامان اور ذریعے اور وسیلے بہم پہونچانے بلاشبہ ثواب اور داخل عبادت ہونگے۔ دنیوی علوم بلاشبہ کسب حلال کے لیئے نہایت عمدہ ذریعے اور وسیلے ہیں۔ پس مسلمانوں کے لیئے اُن ذریعوں کا مہیا کرنا بلاشک وشبہ بہت بڑی نیکی اور عُمدہ ثواب تصوّر کیا جاوے گا اور اِس لیئے ٹھیک عبادت ہوگا ؛

زہد و ریاضت۔ ایک بڑی غلطی جس میں مسلمان پڑے ہیں وہ یہ ہے کہ اُنھوں نے زہد و ریاضت کو صرف راتوں کو جاگنے اور ذکر و شغل کرنے اور نفل پڑھنے اور نفلی روزہ رکھنے پر منحصر سمجھا ہے۔ قطع نظر اِس کے کہ اُن کا ایسا کرنا اور حد اعتدال سے گذر جانا جو قانون قدرت

برخلاف ہے مقصود شارع ہے یا نہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عبادت صحیح مگر اُس کے سوا اَور
ایک باتوں کو عبادت نہ سمجھنا جو اُن سے بھی بہت زیادہ مفید ہیں بہت بڑی غلطی ہے ✦
زہد و ریاضت جہاں تک کہ حد شرعی سے تجاوز نہ کرے بلا شبہ نیکی و عبادت ہے۔ مگر عام فلاح
پر کوشش کرنا اور ایسے امور پر کوشش کرنا جو اپنے ہم مذہبوں کے دینی اور دنیوی حال اور
مال کی بھلائی و بہتری کے ہوں اُس سے بہت زیادہ تر مفید ہیں۔ زہد و ریاضت ایک بخیل نیکی
ہے جو صرف اپنی ذات کے لیئے کی جاتی ہے۔ اُس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو ایک کوٹھری
میں بیٹھ کر کھانا کھاوے اور صرف اپنا پیٹ بھر لے۔ عام فلاح چاہنے والا جو اِس کام میں زہد و
ریاضت کرتا ہے اُس کی مثال حاتم کی سخاوت کی سی ہے جو ہزاروں آدمیوں کو کھلا کر کھاتا ہے
پس کیسی بڑی غلطی ہے جو تن پروری کو تو عبادت سمجھا جاوے اور اصلی فیاضی اور سخاوت اور
ہمدردی کو عبادت نہ سمجھا جاوے ✦
علاوہ اِس کے درجہ ثواب عبادت تبدل حالات سے بالکل بدل جاتا ہے۔ فرض کرو کہ اگر
کسی مقام میں پانی کا قحط ہو تو اُس جگہ بیٹھ کر نفل پڑھنے یا قرآن مجید کی تلاوت کرنے یا ذکر و شغل
کی ضرب لگانی زیادہ ثواب کی بات ہے یا کندھے پر پانی لانا اور لوگوں کو پلانا زیادہ ثواب ہے
پس جو حالت کہ اِس زمانہ میں مسلمانوں کی ہے اگر اُن کی بہتری پر سعی کی جاوے تو نفل و رات
کے جاگنے کی ریاضت سے بلا شبہ زیادہ ثواب ہے۔ انصاف سے دیکھو کہ اگر پیر جی صاحب مریدوں سے
حلوا مانڈے لینے کے بدلے مسلمانوں کی تعلیم کے لیئے کچھ جمع کریں اور جناب مولوی صاحب
و قبلہ جو منبر پر بیٹھ کر دنیا کے ہیچ اور اہل دنیا کے کافر ہونے کا وعظ فرماتے ہیں۔ مگر جب سفید سفید
گول گول نذر پیش ہوتی ہے تو جھٹ ہات لنبا کر کر اور ایک عجیب شتر غمزہ سے اُٹھا کر جیب
مُبارک میں رکھ لیتے ہیں اگر اُسی پلید کو ناپاک دنیا یعنی نذر کو مسلمانوں کی تعلیم میں دنیوی نہ سہی
دینی ہی تعلیم میں صرف کریں تو کیسا کچھ ثواب کمائیں۔ پس جھوٹ موٹ کی عبادت اور دکھلاوے
کی ریاضت جس سے انسان کا دل بعوض نرم ہونے کے پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے ہی
سمجھ میں تو کچھ کام کی نہیں ہے ✦
ترک دنیا۔ ایک اَور جھوٹا اور غلط خیال یہ ہے کہ ترک دنیا عبادت ہے یہ ایک ایسا
غلط اور جھوٹا قول ہے کہ اِس سے زیادہ دوسرا نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا ترک کرنا جس طرح کہ لوگ سمجھتے
ہیں غیر ممکن ہے۔ البتہ جس طرح شارع نے فرمایا ہے اور ترک دنیا سے جو اُس نے مراد لی ہے وہ

بالکل صحیح اور نہایت درست اور بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے مگر اس زمانہ کے لوگوں کے خیال کے مطابق شارع والی ترک دنیا عین شقاوت اور کمال بیداری ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ دنیا ہمارے لیئے پیدا ہوئی ہے اور ہم دنیا کے لیئے۔ پھر ہم اُسکو اُس طرح پر جس طرح کہ جھوٹے دُنیا ترک کرنے والے ترک کرنے کو کہتے ہیں کیونکر ترک کر سکتے ہیں۔ ہاں جس طرح کہ شارع نے دنیا کا ترک کرنا بتایا ہے اُس طرح پر ترک کرنا سچا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم دنیا کو اس طرح پر پکڑیں جس طرح کہ شارع نے بتایا ہے۔ نہ اپنے جذبات نفسانی کی مرضی پر۔ اور اُسکو اس طرح پر کام میں لاویں جس طرح قانون قدرت نے ہمکو سکھایا ہے نہ اپنی ہوائے نفسانی کے مطابق +

لنڈن میں ایک یوروپین لا مذہب میرا دوست تھا۔ اُسکو اس بات کے معلوم ہونے سے کہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کو اور اُن کی وعظ و نصایح کو جو انجیلوں میں مندرج ہیں مانتا ہوں۔ نہایت تعجب تھا۔ لنڈن میں دستور ہے کہ اتوار کے دن تمام دوکانیں بند ہو جاتی ہیں۔ اور اگر ایک دن پہلے نہ خرید لیں تو کھانے پینے کی بھی کوئی چیز نہیں ملتی۔ ایک دفعہ وہ دوست اتوار کے دن کھانے کے وقت مجھ سے ملنے آیا اور میز پر تمام کھانے کی چیز چُنی ہوئی دیکھکر تعجب سے پوچھنے لگا کہ آج یہ سب چیزیں آپکو کیونکر میسر ہوئیں۔ میں نے کہا کہ ہفتہ کے دن سب کچھ لے رکھا تھا۔ وہ ہنسکر بولا کہ خوب ہوا آپ نے حضرت مسیح کے اس قول پر کہ "اس بات کی فکر مت کرو کہ کل کیا کھاؤ گے" عمل نہیں کیا۔ ورنہ آج بھوکے رہجاتے۔ میں نے ہنس کر یہ کہا کہ یہ مطلب اُس کا نہیں۔ پس جو مسلمان کہ خلاف قانون قدرت ترک دُنیا کا وعظ فرماتے ہیں وہ اسی طرح سے اپنے مذہب کو مضحکہ بناتے ہیں اور غور کر کے دیکھو تو وہ خود جو کچھ کرتے ہیں دنیا ہی کمانے کو کرتے ہیں پس یہ بات سمجھنا کہ امورات دُنیا میں مصروف ہونا عبادت نہیں ہے عین غلطی ہے۔ ہاں اُسکو قانون قدرت کے برخلاف استعمال میں لانا شقاوت اور اُسکے مطابق برتاؤ میں لانا عین عبادت ہے +

کُتب احادیث

کسی مسئلہ یا طریقہ یا عادت یا رسم و رواج پر بحث کرنے میں وہ اقوال انسان کو بڑی غلطی میں ڈالتے ہیں جو حدیث کے نام سے مشہور ہیں جبکہ اب تمام حدیثیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس لیئے ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ علماء متقدمین و متاخرین نے کتب حدیث کی بلحاظ اعتبار و عدم اعتبار کے کس طرح تقسیم کی ہے +

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کہ علماء متاخرین میں جامع سلف اور مقتدائے خلف تھے۔ اُنھوں نے نہایت عمدہ طرح پر کُتب حدیث کی تفصیل بیان کی ہے۔ اُسی کو ہم بھی اِس مقام پر بیان کرتے ہیں +

وہ لکھتے ہیں کہ کُتب احادیث باعتبار صحت و شہرت اور قبول کے کئی درجہ پر ہیں +

صحت کے معنی اُنھوں نے یہ لیئے ہیں کہ مصنف نے احادیث صحیح اُس میں لکھی ہوں اُسکے سوا جو حدیث لکھی ہو اُس کا نقص بھی اُسی کے ساتھ لکھ دیا ہو +

شہرت کے اُنھوں نے یہ معنی لیئے ہیں کہ ہر زمانہ میں اہل حدیث اُسکو پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں اور اُس کی ہر ایک چیز بیان میں آگئی ہو +

قبول سے وہ یہ مراد لیتے ہیں کہ علمائے حدیث نے اُس کتاب کو معتبر و مستند سمجھا ہو اور کسی نے اُس سے انکار نہ کیا ہو +

پھر وہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں باتوں میں سب سے اوّل درجہ کی تین کتابیں ہیں۔ مؤطا امام مالکؒ صحیح بُخاری۔ صحیح مسلم۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثیں اصح الاحادیث ہیں۔ اگرچہ انھی میں بعضی حدیثیں بعض سے زیادہ تر صحیح ہیں +

اِن کتابوں کے بعد دوسرے درجہ میں اُنھوں نے۔ جامع ترمذی۔ سنن ابو داؤد سنن نسائی کو قرار دیا ہے +

وہ اِنھی چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں لیکن اکثروں نے مؤطا کو صحاح میں سے خارج رکھا ہے اور ابن ماجہ کو داخل کیا ہے +

شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ بھی قول ہے کہ مُسند امام احمد بھی اسی دوسرے درجہ میں داخل ہونے کے لائق ہے مگر اُس میں ضعیف حدیثیں بہت ہیں +

تیسرے درجہ میں اُنھوں نے اِن کتابوں کو شمار کیا ہے۔ مُسند شافعی۔ سُنن ابن ماجہ۔ مُسند دارمی۔ مُسند ابو یعلی موصلی۔ مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ۔ مُسند عبد بن حمید۔ مُسند ابو داؤد طیالسی۔ سُنن دار قطنی۔ صحیح ابن حبان۔ مستدرک حاکم۔ کُتب بیہقی۔ کُتب طحاوی۔ تصانیف طبرانی +

وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ اِن کتابوں کے مصنف عالم متبحر تھے لیکن ان میں اچھی بُری یہاں تک موضوع حدیثیں بھی شامل ہیں +

چوتھے درجہ میں اُنھوں نے اِن کتابوں کو گنا ہے۔ کتاب الضعفا لابن حبان تصانیف الحاکم کتاب الضعفا العقیلی۔ کتاب الکامل لابن عدی۔ تصانیف ابن مردویہ۔ تصانیف خطیب۔ تصانیف ابن شاہین۔ تفسیر ابن جریر۔ فردوس دیلمی۔ تتایہ تصانیف فردوس دیلمی۔ تصانیف ابی نعیم۔ تصانیف جوزقانی۔ تصانیف ابن عساکر۔ تصانیف ابوالشیخ۔ تصانیف ابن نجار +

وہ لکھتے ہیں کہ یہ کتابیں محض نامعتمد ہیں اور اس لایق نہیں ہیں کہ کسی عقیدہ کے اثبات میں یا کسی عمل کے جواز میں اِن کتابوں سے سند لی جاوے۔ عمدہ بات جو شاہ صاحب نے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین سیوطی کے رسایل و نوادر کا مادہ یہی کتابیں ہیں اور اِس قدر میں اَور لکھتا ہوں کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بھی تمام تصنیفات انہی نامعتمد کتابوں پر مبنی ہیں +

اِسی بیان کے ساتھ مولنا شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ وضعی یعنی بنائی ہوئی حدیثوں کے پہچاننے کی یہ صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ تاریخی واقعہ کے برخلاف ہو۔ دوسرے یہ کہ صرف کسی دشمن نے روایت کی ہو۔ تیسرے یہ کہ ایسی بات کہی ہو کہ جس کا جاننا اور ادا کرنا سب پر فرض ہو مگر صرف وہی ایک شخص روایت کرتا ہو۔ چوتھے یہ کہ قرینہ حالیہ اُس کے جھوٹے ہونے پر دلالت کرے۔ پانچویں یہ کہ عقل اور قواعد شرع کے برخلاف ہو۔ چھٹے یہ کہ ایک قصہ مذکور ہو کہ اگر درحقیقت وہ ہوا ہوتا تو ہزاروں آدمی اُسکو دیکھتے۔ مگر اُس کو صرف وہی شخص بیان کرتا ہے۔ ساتویں یہ کہ الفاظ خلاف محاورہ اور مضمون نامعقول ہو۔ آٹھویں یہ کہ چھوٹے سے گناہ میں نہایت سخت عذاب یا چھوٹے سے نیک کام میں بہت زیادہ ثواب کا ہونا بیان ہوا ہو۔ نویں یہ کہ چھوٹے چھوٹے کاموں پر حج عمرہ کے ثواب ملنے کا بیان ہو۔ دسویں یہ کہ کسی کو مثل انبیاء کے مستحق ثواب کا کسی کام میں بیان کیا ہو۔ گیارھویں یہ کہ حدیث بیان کرنیوالے نے اُس کے جھوٹے ہونے کا خود اقرار کیا ہو +

بعد اِس کے شاہ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے مختلف سببوں سے جھوٹی حدیثیں بنائی ہیں۔ بعضوں نے اِس خیال سے کہ لوگوں کو قرآن مجید کے پڑھنے و تلاوت کرنے کا شوق پیدا ہو ہر ایک سورۃ کی فضیلت میں حدیثیں بنالیں۔ بے دینوں نے اسلام کی ہنسی اُڑانے کو مضامین دُور از قیاس کی حدیثیں مشہور کردیں۔ مشہور ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں اہل زندقہ کی بنائی ہوئی مشہور ہیں۔ اسی طرح ایک فرقہ کے متعصب نے اپنی تائید یا

دوسرے کی تذلیل کے لیئے حدیثیں بنالی ہیں۔ وعظ کہنے والوں نے بہت سی حدیثیں اپنی طرف سے گڑھ لی ہیں۔ اور بعض دفعہ اولیاء اللہ بھی اس خرابی میں پڑ گئے ہیں کہ اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ یہ بات رسول خدا صلعم نے اُن سے کہی۔ پس مثل حدیث مسموع کے بیان کر دی۔ بعض لوگوں نے بزرگوں اور عالموں سے کوئی بات سُنی اور اُسکو یہ سمجھ گئے کہ یہ حدیث ہے اور مثل حدیث کے مشہور ہو گئی۔ چنانچہ اس قسم کے بہت سے اقوال بطور حدیث مشہور ہیں۔ پس صرف حدیث کا نام سُن کر گھبرانا اور توہمات مذہبی میں پڑ جانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ اوّل اُس حدیث کی تحقیقات اور تفتیش کرنی چاہیئے کہ وہ کیسی حدیث ہے اور کس قدر اعتبار رکھتی ہے۔ پھر جب سب طرح امتحان میں ٹھیک نکلے اور معلوم ہو کہ درحقیقت یہ پوری اور پکی صحیح حدیث ہے۔ اُسکو سر اور آنکھوں پر رکھے۔ ورنہ دُودھ کی مکھی کی طرح اُسکو نکال کر پھینک دے۔ کیونکہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول ہے کہ "حدیث بے سند گوز شتر است" اگر ہم مسلمان بھی اِن لغو اور بے سند باتوں کو اپنے مذہب میں شامل کریں اور پوچ اور واہیات قصوں کو جن کی کچھ اصل نہیں ہے مذہبی قصہ اور الہامی واقعات سمجھنے لگیں تو ہمارا مذہب ہنسی ٹھٹھا ہو جاوے گا۔ اور رون کے گھر سے بھی زیادہ ناپائدار اور مکڑی کے جال سے بھی زیادہ بودا بن جاویگا۔ علماء متقدمین نے نہایت سختی سے بطور ایک دشمن کے حدیثوں کا امتحان کرنے میں کوشش کی ہے۔ پس یہ بات کہ حدیث بے سند یا ضعیف یا مشتبہ کو حدیث نہ سمجھا جاوے اور مذہبی باتوں میں اُسے داخل نہ کیا جاوے بے دینی کی بات نہیں ہے بلکہ نہایت ایمانداری اور اسلام کی بڑی دوستی کا کام ہے ✦

احادیث غیر معتمد

اسلام کا ادب اور اُس کی دوستی اور کمال ایمانداری اِس بات میں ہے کہ حدیثوں کی تنقیح کیجاوے اور جس میں ذرا بھی شک ہو اُسے دُودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دے۔ حدیث کی تنقیح نہ کرنا اور ہر حدیث کو سمجھنا کہ پیغمبر خدا صلعم کا قول ہے نہایت بے ادبی اور اسلام کی دشمنی ہے۔ البتہ سچی دوستی اور حقیقی ادب یہی ہے کہ غیر کے کلام کو اپنے نبی پاک کے کلام سے علیحدہ کر دے ✦

حضرت علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے جو اکابر علماء حدیث سے ہیں سفر السعادۃ کے خاتمہ میں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ اور بیان کیا ہے کہ ان باتوں کی نسبت بہت سی حدیثیں بیان ہوئی ہیں اُن میں سے کچھ بھی صحیح اور علماء حدیث کے نزدیک ثابت نہیں ہے چنانچہ اُسکی مضمون کا

ہم بھی لکھتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ کیسی کیسی مشہور حدیثوں کو علمائے معتبر قابل اعتماد نہیں سمجھتے تھے۔ پس جو حدیثیں کہ معتبر نہیں ہیں اُن کو نہ ماننا عین دینداری ہے۔ چنانچہ مفصلہ ذیل باتیں اُس کتاب میں مندرج ہیں:

(۱) ایمان کے بیان میں جو حدیثیں ہیں کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ یا نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ اُن میں سے کوئی حدیث بھی پیغمبر خدا صلعم کی نہیں ہے بلکہ صحابہ اور تابعین کے اقوال ہیں:

(۲) مرجیہ اور قدریہ اور جہمیہ اور اشعریہ کی نسبت جس قدر حدیثیں ہیں کوئی بھی اُن میں سے صحیح نہیں ہے:

(۳) اس باب میں کہ کلام اللہ قدیم غیر مخلوق ہے بہت حدیثیں ہیں۔ مگر پیغمبر خدا صلعم کی کوئی حدیث نہیں ہے صحابہ و تابعین کے اقوال ہیں:

(۴) ملائکہ کی پیدائش میں اور حضرت جبرئیل کے پروں کے قطروں سے فرشتوں کے پیدا ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۵) محمد اور احمد نام رکھنے کی خوبی اور بزرگی میں یا اُس کی ممانعت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۶) عقل کی اصلیت اور اُسکی فضیلت کے بیان میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۷) خضر و الیاس کی عمر اور اُس کی درازی کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۸) علم کے باب میں اور اس میں کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۹) علم کے چھپانے کی بُرائی میں بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۱۰) قرآن اور سورتوں کی خاص خاص فضیلتوں میں جس قدر حدیثیں ہیں سوائے چند کے اُنمیں سے بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے:

(۱۱) حضرت ابوبکر کی فضیلت کی مشہور حدیثیں موضوع اور مفتریات سے ہیں:

(۱۲) حضرت علیؓ کے فضائل میں بجز ایک حدیث کے اَور کوئی ثابت نہیں:

(۱۳) معاویہؓ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے:

(۱۴) امام ابوحنیفہؒ اور شافعی کی بزرگی یا بُرائی میں جس قدر حدیثیں ہیں سب موضوع اور مفتری ہیں:

(۱۵) بیت المقدس اور صخرہ اور عسقلان اور قزوین اور اندلس اور دمشق کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ۔

(۱۶) قلتین پانی جب ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ بعضے اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں بعضے غیر صحیح ۔ مگر اکابر اہل حدیث نے اپنی تصنیفات میں اس حدیث کو بیان کیا ہے (اسکے نزدیک پانی کے باب میں صحیح حدیث صرف ایک ہے ۔ الماء طاهر وطهور الخ) ۔

(۱۷) دھوپ سے گرم ہوئے پانی کے مکروہ ہونے کی نسبت بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ۔

(۱۸) وضو کے بعد ہات پائوں کا پانی پونچھ لینے کے باب میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ۔

(۱۹) ڈاڑھی کے خلال اور کانوں اور گردن پر مسح کرنے میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ۔

(۲۰) نبیذ سے وضو کرنے کی بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ۔

(۲۱) عورت کو چھونے سے وضو کرنے میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ۔

(۲۲) مُردہ کو غسل دینے کے بعد خود غسل کرنے کی بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ۔

(۲۳) حمام میں جانے سے منع ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ۔

(۲۴) اس باب میں کہ بسم اللہ ہر سورۃ کی آیت ہے اور نماز میں اسکو پکار کر پڑھنا چاہیئے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ۔

(۲۵) اس باب میں کہ امام ضامن ہے اور موذن موتمن ہے اور مسجد کے ہمسایہ میں رہنے والے کی نماز بغیر مسجد کے نہیں ہوتی اور ہر نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہے ۔ کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ۔

(۲۶) جس شخص پر قضا نمازیں ہوں اُس کی نماز نہ ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ۔

(۲۷) سفر میں پوری نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے گناہ ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ۔

(۲۸) فجر کی نماز اور وتر میں قنوت پڑھنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ۔

(۲۹) مسجد میں جنازہ کی نماز نہ پڑھنے میں اور تکبیرات جنازہ میں رفع یدین کرنے میں

کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۰) اس باب میں کہ نماز کوئی چیز قطع نہیں کرتی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۱) اور اس باب میں کہ طلب کرو تم خیر کو رحم دلوں اور خندہ رُو لوگوں سے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۲) اور اس باب میں کہ مالداروں کا غربا کی حاجت برآری سے پہلوتہی کرنا موجب زوال نعمت ہے اور احسان کرنے میں ثواب ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

(۳۳) صلواۃ التسبیح اور صلواۃ رغایب اور صلواۃ نصف شعبان و نصف رجب و صلواۃ ایمان اور صلواۃ لیلۃ المعراج و لیلۃ القدر اور صلواۃ ہر شب جمعہ و شعبان و رمضان کے باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۴) گھنے کی اور شہد کی اور ترکاری کی زکوٰۃ کے باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۵) روز عاشورہ کے فضائل اور اعمال کے باب میں سوائے روزہ کے مستحب ہونے کے اور رجب کے روزہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور اسی طرح جو حدیثیں صدقات اور خضاب اور سر میں تیل ڈالنے اور سُرمہ لگانے کی اور روانہ اُبالنے کی فضیلت میں آئی ہیں سب موضوع ہیں ❖

(۳۶) پچھنے لگانے سے روزہ جاتے رہنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۷) اس باب میں کہ جو مقدور رکھکر حج نہ کرے وہ یہودی ہوکر مریگا یا عیسائی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

(۳۸) جس قرض میں نفع ہو وہ سُود ہے اس باب میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۹) چھری سے گوشت کاٹ کر کھانا منع ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

(۴۰) رسُول خدا صلعم کے فارسی میں کلام کرنے میں یا فارسی زبان بولنے کے مکروہ ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

(۴۱) دُعا مانگ کر دونوں ہاتھوں کو مونھ پر ملنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۴۲) سفید مرغ اور مہندی کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

(۴۳) اس باب میں کہ ولد الزنا جنت میں نہ جاوے گا کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ✦

(۴۴) اس باب میں کہ اجماع حجت ہے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ✦

(۴۵) اس باب میں کہ قیاس حجت ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ✦

(۴۶) اس باب میں کہ قیامت کی نشانیاں فلاں فلاں مہینوں میں ظاہر ہوں گی اور دو سَو برس بعد سے قیامت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ✦

یہ چند باتیں بطور مثال کے ہم نے لکھی ہیں مگر سفر السعادت میں اَور بہت سی باتیں اسی قسم کی ہیں جن کی نسبت صحیح حدیثیں نہیں ہیں۔ اس تمثیل سے ہماری غرض یہ ہے کہ جب تک حدیث کی صحت بخوبی پڑتال نہ لیجاوے اُس وقت تک اُس کی صحت تسلیم کرنی نہ چاہیئے کیونکہ ایسا کرنے سے اسلام میں خلل آتا ہے اور صرف اس بات پر کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں مندرج ہے بھروسا کرنا محض بیجا ہے گو کہ وہ کتاب صحیح بخاری ہی کیوں نہ ہو ✦

اعتقادی باللہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

مَیں نہایت سچے دل سے اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ تمام عالموں کا بنانے والا کوئی ہے اور اُسی کو ہم کہتے ہیں اللہ۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اُس کا ہونا ضروری ہے۔ اور اُس کا نہ ہونا ممکن نہیں۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ اور تمام صفات کمال اُسکی ذات میں موجود ہیں اُس کا سا کوئی نہیں نہ ہونے میں۔ کیونکہ ہونا اُسکی ذات ہے۔ اور نہ کسی صفت میں کیونکہ اُسکی تمام صفتیں ہی اُسکی ذات ہے۔ وہ زندہ ہے نہ جان سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ جانتا ہے نہ کسی جاننے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ دیکھتا ہے نہ کسی دیکھنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ سُنتا ہے نہ کسی سُننے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ بولتا ہے نہ کسی بولنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ تمام نقصانوں سے پاک ہے اور تمام عیبوں سے بے عیب۔ یہ مثل ہے کہ بے عیب ذات خدا کی ہے۔ بالکل اُسپر ٹھیک ہے۔ تمام مخلوقات کا وُہی خالق ہے اور تمام معلومات کا وُہی عالم ہے۔ سب ممکن چیزوں پر قادر ہے۔ الحي القايم ہے۔ دانا و بینا ہے۔ نہ اُس کا کوئی مشابہ ہے۔ اور نہ اُس کا کوئی مصاحب اور مددگار اور نہ اُسکی مانند

کوئی ہے اور نہ اُس کا کوئی شریک - نہ وجوب وجود میں - اور نہ استحقاق عبادت میں - اور نہ پیدا کرنے میں اور نہ صلاح وتدبیر بتانے میں پس اُس کے سوا کوئی کسی قسم کی عبادت یعنی اظہار اپنے تذلل اور اُسکی غایت الغایت تعظیم کا مستحق نہیں ہے - پس ہمارے تذلل کا اور جو طریقہ اُسکی تعظیم کا ٹھہرایا گیا ہو اُس طریقہ کی تعظیم کا استحقاق اُس کے سوا دوسرے کو نہیں ؂

وُہی بیمار کو اچھا کرتا ہے اور وُہی سب کو رزق پہونچاتا ہے - وُہی بلاؤں کو ٹالتا ہے اور وُہی خوشیوں کو لاتا ہے مگر یہ سب باتیں اپنے قانون قدرت کے مطابق کرتا ہے ؂

اُس کا قانون قدرت کبھی ٹوٹتا نہیں - وہ ہر طرح کے قانون قدرت کے بنانے پر قادر ہے مگر جو قانون قدرت کہ اُس نے بنا دیا - پھر اُسکے برخلاف کچھ ہوتا نہیں ؂

قدرت کے قانون بنانے میں کسی سبب کا محتاج نہیں بدیع السموات والارض و اذا قضی امرا فانما یقول له کن فیکون - امر کے لفظ سے وُہی قانون قدرت مراد ہے جسکو بغیر کسی سبب کے صرف کُن کے لفظ سے یعنی ارادہ سے جو مقتضائے کمال ہے بنا دیتا ہے ؂

وہ کسی میں سماتا نہیں اور نہ کسی میں ملتا ہے - اُس میں تعدد وحدوث آہی نہیں سکتا - نہ اُس کی ذات میں اور نہ اُسکی صفات میں اُس کا تعلق متعلقات سے بھی حادث نہیں ہے بلکہ ظہور متعلقات سے اُن کے وقتوں میں وہم حدوث اور خیال تعدد ہوتا ہے - مگر اُس میں نہ حدوث ہے اور نہ کسی طرح کا تعدد ؂

وہ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ جسم ہے نہ کسی محدود جگہ میں ہے نہ کسی خاص جگہ میں ہے نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں ہے یا وہاں ہے - نہ اُس میں حرکت ہے اور نہ اُس پر سکون کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ اُس کی نسبت کسی جگہ سے آنا اور کسی جگہ میں جانا بولا جا سکتا ہے - اُس کے لیئے کوئی طرف وسمت متعین نہیں - اینما تولوا فثم وجه الله - اُس کا عرش پر ہونا صرف انسانوں کو اُسکی بڑائی کا خیال دلاتا ہے نہ اُس کا عرش پر یا اوپر کی سمت پر ہونا - اوپر تو ایک اضافی سمت ہے جو ہماری اوپر کی سمت ہے وہ کسی دوسروں کے نیچے کی سمت ہے مگر عرش پر ہونے سے ہر ایک کے دل پر وحشی سے لیکر مہذب فلسفی تک کے دل پر اُسکی بڑائی کا خیال آتا ہے ؂

مرنے کے بعد مومنین موحدین اُس کو دیکھیں گے - وہ ایک ایسا روحانی انکشاف ہوگا جو عقلی تصدیق سے جیسے کہ اس دنیا میں ہم رکھتے ہیں بدرجہا بڑھکر ہو جس کی نسبت عرف عام میں

آنکھوں سے دیکھنا کہا جاتا ہے مگر اُس رویت کے لیئے نہ سمت ہوگی نہ یہ بصر نہ صورت ہوگی نہ شکل نہ رنگ ہوگا نہ کوئی ڈھنگ۔ نہ مقابلہ ہوگا نہ آمنا سامنا محض تہو کا مقام ہوگا +

کفر و معاصی کا بھی اُسی قانون قدرت کے موافق وُہی خالق ہے۔ مگر اُس نے اپنے قانون قدرت سے انسان کو ایسا بنایا ہے جس میں اُن سے بچنے کی قدرت رکھی ہے۔ اس لیئے اگرچہ خُدا اُن کا خالق ہے مگر خود انسان اپنی قدرت و اختیار سے اُن کا کاسب ہے گو کہ بلحاظ قانون قدرت کاسب کا بھی خدا ہی پر اطلاق ہوسکے مگر اُسکو نہ کفر و معاصی سے کچھ نقصان ہے اور نہ عبادت کی حاجت +

اُس کے تمام کام سراسر حکمت ہیں۔ جو کچھ کہ اُس سے ہوا وہ سب نیک ہے۔ کما قیل۔
آنچہ از پردہ خفا بمنصہ ظہور جلوہ گر است ہمہ نیکو است +

پیر ما گفت خطا در قلم صنع نرفت
آفرین بر نظر پاک خطا پوشش باد

پس جور و ظلم کی نسبت اُس کی طرف نہیں ہوسکتی۔ وہ اپنی مخلوق کو پیدا کرتا ہے جس طرح کہ اُس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔ عدل و حکمت کے لیئے ہر ایک کو اُسی کے حال میں دیکھنا چاہیئے نہ نسبتاً۔ کیونکہ عدل و حکمت نسبتی چیز نہیں ہے بلکہ ہر ایک کے لیئے بمنزلہ اُس کے خاصہ کے ہے جس کی تعریف میں آیا ہے۔ ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہٖ +

اُس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ مگر اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اندھا دھوندی سے لغو و بے فائدہ احکام جاری کرنے لگے۔ پس یہ اعتقاد رکھنا کہ حسن و قبح اشیاء کی اور کسی فعل پر ثواب یا عقاب ہونا صرف خدا کے حکم اور اُس کے امر و نہی کے سبب سے ہے محض لغو اعتقاد ہے بلکہ حسن و قبح اشیاء کی اور کسی فعل پر ثواب و عقاب کا ہونا اُسی قانون قدرت پر مبنی ہے اور خدا کے احکام اُسی قانون قدرت کا بیان ہے پس اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اُن کے حسن و قبح کو ابتداءً ہی عقل انسان کی دریافت کر لیتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ بعد الاخبار من الرسل عن اللہ تعالیٰ۔ اُن کے حسن و قبح کو عقل تسلیم کرتی ہے +

فھذا اعتقادی باللہ الواحد الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال لا الہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبہ دخل الجنۃ فانا من اھل الجنۃ انشاء اللہ تعالیٰ برحمۃ سیدنا محمد خاتم النبیین

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیراً کثیرا ۔

اقسام حدیث

انسان کی روحانی ترقی اور دنیاوی بہبودی اور حسن معاشرت اور علم و تجربہ کا کمال بہت کچھ اُس کے مسائل مذہبی کی تنقیح پر موقوف ہے ۔ اوہام مذہبی کی تاریکی انسان کے دل کو سیاہ اور اُس کے دماغ اور عقل کو گندا اور خراب کر دیتی ہے ۔ اس لیئے جو لوگ کہ مسلمانوں کی ترقی علوم اور ترقی تہذیب و شایستگی پر بحث کرتے ہیں ۔ اُن کو ایسے مسائل مذہبی سے بحث کرنا جو غلطی سے اُن چیزوں کے مانع خیال کیئے جاتے ہیں ناگزیر ہوتا ہے ۔

منجملہ اُنہی موانع کے بہت سے مسائل ہیں جن کی بنیاد غلط یا نامعتبر حدیثوں پر مبنی ہوتی ہے مسلمانوں میں یہ ایک خیال عام ہو گیا ہے کہ جو بات کسی حدیث میں آئی ہے اُس سے انکار کرنا کفر یا خوف معصیت ہے ۔ مگر اس بات پر خیال نہیں جاتا کہ جب ہم یہ بات سُنیں کہ فلاں بات کسی حدیث میں ہے تو اول اس بات کی بھی تحقیق کریں کہ آیا وہ حدیث بھی معتبر ہے یا نہیں اور درحقیقت وہ قول یا فعل یا تقریر رسول خدا صلعم کی ہے یا نہیں ۔

غالباً لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ تحقیق حدیث کا زمانہ گذر گیا اور جو کچھ کہ اگلے علما تحقیق کر کر لکھ گئے ہیں وہی احادیث محققہ ہیں ۔ اب ہمارے لیئے صرف اتنی بات کا جاننا کافی ہے کہ وہ حدیث کتب حدیث میں مندرج ہے اور علما نے اُسکو صحیح لکھا ہے ۔

ہمارا بھی مطلب اس مقام پر کسی نئی تحقیق سے نہیں ہے بلکہ ہم اُنہی حدیثوں کی نسبت جو کتب احادیث میں مندرج ہیں یہ بات دیکھنی چاہتے ہیں کہ ان میں سے کون سی حدیث درحقیقت قول یا فعل یا تقریر رسول خدا صلعم کی ہے اور کون سی اُن کی نہیں ہے بلکہ دوسرے شخص کی ہے تاکہ ہم اپنے رسول مقبول کے کلام کو دوسرے شخص کے کلام سے بالکل جدا کر لیں ۔ پس اسی مراد سے ہم اقسام حدیث کو جو علمائے حدیث نے بیان کی ہیں اس مقام پر لکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان اقسام کی جتنی حدیثیں ہیں اُن میں سے کسی پر اس بات کا یقین کامل نہیں ہو سکتا کہ درحقیقت پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہے بلکہ بعضی قسموں کی نسبت تو یقین ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کی حدیث نہیں ہے اور بعض قسمیں مشتبہ ہیں ۔ ممکن ہے کہ پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہوں اور ممکن ہے کہ نہوں ۔ چنانچہ اقسام مذکورہ یہ ہیں ۔

اوّل حدیث بالمعنی - تمام علماء اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ روایت احادیث کی بلفظہ نہیں ہے بلکہ بالمعنی ہے - یعنی احادیث مرویہ کے لفظ بعینہ وہ لفظ نہیں ہیں جو رسول خدا صلعم نے فرمائے تھے - بلکہ راویوں نے اُن کا مطلب اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے اور بخاری اور مسلم کی حدیثیں بھی ایسی ہی ہیں اور اسی طرح پر روایت ہوئی ہیں - پس ہم اُس کے ہر لفظ کو صاحب وحی کی طرف منسوب نہیں کر سکتے بلکہ صحابی و تابعی کی طرف بھی بالعموم نسبت نہیں کر سکتے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لفظ سب سے اخیر راوی کے ہوں جس نے بخاری یا مسلم یا اَور کسی سے روایت کی بلکہ کیا عجب ہے کہ بعض مقام پر خود بخاری یا دوسرے مصنف جامع حدیث کے لفظ ہوں ؂

اس کی تصدیق خود بخاری کی بہت سی حدیثوں کے آپس میں مقابلہ کرنے سے ہوتی ہے چنانچہ اس مقام پر تمثیلاً ہم دو حدیثوں کا آپس میں مقابلہ کرتے ہیں ؂

حدیث اوّل - حدثنا بشر بن خالد قال اخبرنا محمد عن شعبة عن سليمان عن ابي وايل - قال ابو موسیٰ لعبد الله بن مسعود اذا لم يجد الماء لا يصلي قال عبد الله نعم ان لم اجد الماء شهرا لم اصل لو رخصت لهم في هذا كان اذا وجد احدهم البرد (احدكم البرد) قال هكذا يعني تيمم وصلي قال قلت فاين قول عمار لعمر قال اني لم ار عمر قنع بقول عمار ؂

حدیث دویم - حدثنا عمر بن حفص قال ثنا ابي قال ثنا الاعمش قال سمعت شقيق بن سلمة قال كنت عند عبد الله وابي موسیٰ فقال له ابو موسیٰ ارايت يا ابا عبد الرحمن اذا اجنب فلم يجد ماء كيف يصنع فقال عبد الله لا يصلي حتى يجد الماء فقال ابو موسیٰ فكيف تصنع بقول عمار حين قال له النبي صلى الله عليه وسلم كان يكفيك قال الم تر عمر لم يقنع بذلك منه فقال ابو موسیٰ فدعنا من قول عمار كيف تصنع بهذه الاية فما دري عبد الله ما يقول فقال انا لو رخصنا لهم في هذا لا وشك اذا برد على احدهم الماء ان يدعه ويتيمم فقلت لشقيق فانما كره عبد الله لهذا فقال نعم ؂

دونوں حدیثوں میں وہ گفتگو مذکور ہے جو در باب تیمم کے ابو موسیٰ اور عبد اللہ ابن مسعود میں ہوئی تھی پہلی حدیث میں تو مجملاً یہ بیان ہوا ہے کہ ابو موسیٰ نے عبد اللہ ابن مسعود سے کہا

کہ کیا جس شخص کو نہانے کی حاجت ہو جب اُسکو پانی نہ ملے تو وہ نماز نہ پڑھے - عبداللہ ابن مسعود نے کہا کہ ہاں اگر مجھ کو مہینہ بھر پانی نہ ملے تو مَیں نماز نہ پڑھوں - اگر مَیں اُن کو تیمم کی اجازت دوں تو اُس وقت دوں کہ کسی کو سردی ہو گئی ہو - کہا کہ ایسا یعنی تیمم کیا و نماز پڑھی - ابو موسیٰ نے کہا کہ مَیں نے عبداللہ ابن مسعود سے کہا کہ پھر وہ کیا بات ہوئی جو عمار نے عمر سے کہی تھی - عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ عمر عمار کی بات سے راضی نہیں ہوئے تھے ◆

دوسری حدیث میں اسی واقعہ کو دوسری تقریر سے بیان کیا ہے - کہ ابو موسیٰ نے عبداللہ بن مسعود سے کہا کہ تم کیا خیال کرتے ہو - اے عبدالرحمٰن کے باپ کہ جب کسی کو نہانے کی حاجت ہو جاوے اور اُس کو پانی نہ ملے تو کیا کرے تب عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ نماز نہ پڑھے جب تک پانی نہ ملے - ابو موسیٰ نے کہا کہ تو آپ عمار کے قول کو کیا کریں گے جبکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو فرمایا تھا کہ تیمم ہی تجھ کو کافی تھا - عبداللہ نے کہا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ عمر اُن سے اس بات پر راضی نہیں ہوئے تھے ابو موسیٰ نے کہا کہ ہم عمار کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں - آپ قرآن کی آیت میں (جس میں تیمم کا حکم ہے) کیا کریں گے - پھر عبداللہ کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہیں - پھر کہا کہ جب ہم اُن کو تیمم کی اجازت دیں کہ پانی کسی کو سردی پہونچاوے کہ اُسکو چھوڑ دے اور تیمم کرلے ◆

اب دیکھو کہ ایک ہی حدیث ہے اور ایک ہی مطلب ہے جس کو ایک راوی نے ایک تقریر سے اور دوسرے راوی نے دوسری تقریر سے بیان کیا ہے اور اس سے بخوبی ثابت ہے کہ حدیث کی روایت بلفظہ نہیں ہوتی تھی بلکہ بالمعنی ہوتی تھی ◆

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس قدر احکام احادیث کے لفظوں سے بخصوصیت الفاظ یا بوجہ تقدیم و تاخیر الفاظ یا بوجہ خاصیت ابواب وغیرہ از روئے قواعد صرف و نحو و معانی و بیان نکالے جاتے ہیں وہ سب احکام اجتہادی ہیں جو علماء نے الفاظ موجودہ سے نکالے ہیں مگر امکان ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ مقصود نہ ہو پس اس قسم کے تمام احکام منصوص نہیں ہوسکتے بلکہ اجتہادی ہیں یحتمل الخطاء والصواب ◆

دوم - حکم مرفوع - یعنی درحقیقت حدیث مرفوع تو وہ ہوتی ہے کہ جس میں بالتصریح یہ بات کہی گئی ہو کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے یا خود کیا ہے یا آپ کے سامنے ہوا ہے لیکن اگر کسی حدیث میں یہ بات بالتصریح نہ بیان ہوئی ہو بلکہ کسی صحابی یا تابعی نے کوئی ایسی بات

کہی ہو یا کی ہو کہ عقل اور اجتہاد سے اُسکو کچھ تعلق نہ ہو بلکہ منقولات میں سے ہو۔ مثلاً قیامت کا حال یا آیندہ کی خبر یا کوئی صحابی یا تابعی یوں کہے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زمانہ میں ہم یوں کرتے تھے یا اِس طرح پر کرنا سنت ہے تو یہ حدیث بھی درحکم مرفوع ہے۔ اور بعض علماء کا یہ قول ہے کہ ایسی حدیث سے یہ بھی احتمال ہے کہ صحابہ اور خلفائے راشدین کی سنت مراد ہو۔

مگر میں یہ بات کہتا ہوں کہ یہ رائے علماء متقدمین کی جو نسبت اُس حدیث کے ہے جسکو درحکم مرفوع قرار دیا ہے۔ کوئی منصوص یا منقول بات نہیں ہے بلکہ اُن علماء کی رائے ہے اور وہ بھی صرف اٹکل اور اندازہ سے لکھی گئی ہے مگر ایسی حدیث کو درحکم مرفوع قرار دینا محض غلط اور بلاشبہ رائے کی غلطی ہے اس لیئے کہ یہ بات تحقیق ہے کہ یہودیوں کے ہاں بھی قیامت کی نسبت اور آیندہ کی خبروں میں بہت سی روایتیں زبان زد تھیں اور یہودیوں کے ہاں کی روایتوں کے ذکر کرنے کی خود پیغمبر خدا صلعم نے اجازت دی تھی۔ پس ممکن ہے کہ وہ بیان صحابی یا تابعی کا کوئی روایت روایات یہود سے ہو نہ قول پیغمبر صلعم کا اور صرف اس بات کے کہنے سے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زمانہ میں ہم یوں کیا کرتے تھے اُس فعل کے سنت ہونے پر بھی یقین نہیں ہوسکتا ممکن ہے کہ سنت ہو اور ممکن ہے کہ ایسا فعل ہو جو اُس زمانہ میں جس زمانہ کا ذکر راوی نے کیا بموجب رسم زمانہ جاہلیت کے ہوتا آیا ہو اور سنت اُس کے برخلاف ہو۔ غرض کہ ایسی حالت میں یقین کلی اس بات پر کہ وہ بلاشبہ قول یا فعل رسول ہی ہے نہیں ہوسکتا۔

سوم موقوف۔ یعنی ایسی حدیث جس میں قول یا فعل یا تقریر صحابی کا بیان ہو اور جناب رسول خدا صلعم کی طرف نسبت نہ کیا گیا ہو۔

چہارم مقطوع۔ یعنی وہ حدیث جو تابعی تک پہنچکر رہ جاوے اور اُس سے اوپر نہ بڑھے۔

پنجم معلق۔ یعنی وہ حدیث جس کے کل راوی یا مبادی سند سے کچھ راوی چھوٹ گئے ہوں۔

ششم۔ مرسل یا منقطع یعنی وہ حدیث جس کی خبر سند میں تابعی کے بعد راوی کا نام نہ لیا ہو مثلاً تابعی یہ کہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا ہے اور کسی صحابی کا درمیان میں نام نہ لے۔

ہفتم معضل۔ یعنی وہ حدیث جس کے راویوں سے درمیان کے راوی چھوٹ گئے ہوں۔

پس اِن پانچوں قسموں کی حدیثوں میں سے کسی حدیث پر یقین نہیں ہوسکتا کہ بلاشبہ

وہ قول یا فعل یا تقریر رسول مقبول صلعم کی ہے ؛

علمائے سابقین نے جو کچھ اُن کی نسبت بیان کیا ہے وہ سب اُن کی رائے اور اُن کی سمجھ بلا کسی منقول سند کے ہے - فرض کیا جاوے کہ ظن غالب اُن کی نسبت حدیث نبوی ہونے کا ہو الا اُس پر یقین نہیں ہو سکتا ؛

منجملہ اقسام مذکورہ بالا کے حدیث معلق پر جو صحیح بخاری کے ہر باب کے شروع میں ہیں گفتگو ہوئی ہے - علمائے سابقین کا یہ قول ہے کہ اِس قسم کی حدیثیں جو صحیح بخاری میں ہیں وہ سب صحیح ہیں اور بمنزلہ حدیث معضل کے ہیں یعنی بمنزلہ ایسی حدیث کے جس کا کوئی راوی نہ چھوٹا ہو اِس لیئے کہ بخاری نے التزام کیا ہے کہ سوائے حدیث صحیح کے اَور کوئی حدیث اپنی کتاب میں نہ لاوے ؛

مَیں کہتا ہوں کہ یہ رائے بسبب حسن ظن کے بہ نسبت بخاری کے قرار پائی ہے پس تعلیقات بخاری کا بمنزلہ حدیث معضل کے قرار دینا صرف حسن ظن ہوا نہ یقینی و شتان بینہما ؛

اِسی طرح حدیث مرسل کی نسبت بحث ہوئی ہے - جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ حدیث مرسل کو حدیث نبوی قرار دینے میں توقف چاہیئے یعنی نہ تو اُسکو کہہ سکتے ہیں کہ حدیث نبوی ہے نہ کہہ سکتے ہیں کہ نہیں ہے - یعنی اُس میں شک ہے ممکن ہے کہ حدیث نبوی ہو اور ممکن ہے کہ نہ ہو یعنی اُس کے حدیث نبوی ہونے پر یقین نہیں ہو سکتا اِس لیئے کہ ایک تابعی دوسرے تابعی سے بھی روایت کیا کرتا تھا اور جو راوی چھوٹ گیا ہے معلوم نہیں کہ ثقہ ہے یا نہیں اور یہ رائے بالکل صحیح و درست معلوم ہوتی ہے ؛

مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک وہ حدیث بالکل مقبول ہے - وہ یہ بات فرماتے ہیں کہ تابعی نے جو اوپر کا راوی چھوڑ دیا تو اُسکو اُس حدیث کی صحت پر کامل یقین ہوگا ورنہ وہ اُسکو پیغمبر خدا صلعم کی نسبت منسوب نہ کرتا ؛

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر حدیث مرسل کی تقویت اَور کسی طرح پر بھی ہو سکے تو وہ حدیث قابل قبول ہے ؛

حضرت امام احمد حنبلؒ کی رائے اِس باب میں کچھ نہیں ہے - ایک قول اُن کا ہے کہ ایسی حدیث قبول کیجاوے - ایک قول ہے کہ توقف کیا جاوے ؛

بہرحال جو لوگ کہ حدیث مرسل کو قابل قبول ٹھہراتے ہیں اُن کی رائے کی بنا صرف حسن ظن پر

ہے مگر کسی کو جزم اور یقین اِس بات پر نہیں ہو سکتا کہ بلاشک وہ حدیث پیغمبر خدا صلعم کی ہے +

ہشتم مُدلس یعنی وہ حدیث جس کی روایت میں اُس شخص کا نام جس سے راوی نے حدیث سُنی چھوڑ کر اُس سے اوپر کے راوی کا نام ایسے طور پر لیا جاوے جس سے یہ شبہ پڑے کہ اُس راوی نے اُسی سے یہ حدیث سُنی ہے +

ایسی حدیث کی نسبت علما کی یہ رائے ہے کہ اگر وہ راوی ثقہ اور نیک ہے اور کوئی غرض فاسد اس میں نہیں رکھتا تو وہ حدیث قبول کرنے کے لائق ہے +

مَیں کہتا ہوں کہ ایسی حدیث کے قبول کرنے کا مدار بھی صرف حسن ظن پر ٹھہرا مگر اس بات کا ثبوت یا یقین کہ یہ حدیث بیشک رسول مقبول صلعم کی ہے حاصل نہیں ہوتا +

نہم مضطرب - وہ حدیث ہے جس کے راوی کو راویوں کے نام یا حدیث کی عبارت بہ ترتیب یاد نہ رہی ہو +

دہم مدرج - وہ حدیث ہے جس میں راوی نے کسی مطلب کے لیئے اپنی عبارت بھی ملا دی ہو +

ایسی حدیثوں پر کبھی یقین نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر خدا صلعم کی حدیثیں ہیں کیونکہ ترتیب کی درستی اور عبارت - اور اگر حذف ہی کیجاوے تو بھی یہ بات یقین کے لائق نہیں ہے کہ بقیہ الفاظ بے کم و کاست بلاشبہ رسول مقبول صلعم کے فرمائے ہوئے ہیں +

یازدہم معنعن - یعنی وہ حدیث جس کو راوی نے عن فلاں عن فلاں کر کر بیان کیا ہو +

یہ ایک ایسی قسم کی حدیث ہے جس سے تمام حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور اس قسم کی حدیثیں بہت زیادہ غور کرنے کے لائق ہیں +

واضح ہو کہ علمائے حدیث نے حدیث کی روایت میں چار لفظ مستعمل ہیں - حدثنا - اخبرنا - انبانا - یہ تینوں لفظ جب بولے جاتے ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ پچھلے راوی نے اوپر کے راوی سے یہ حدیث سُنی یا سیکھی ہے مگر چوتھا لفظ - عن - کا مشتبہ لفظ ہے - اس لفظ سے دونوں احتمال ہیں کہ پچھلے راوی نے اوپر کے راوی سے یہ حدیث سُنی ہو - اور یہ بھی احتمال ہے کہ اُس سے نہ سُنی ہو بلکہ جس سے سُنی ہو اُس کا نام چھوڑ کر اُس سے اوپر کے راوی کا نام لے دیا ہو +

پس اس بات کے قرار دینے میں کہ ایسی حدیث کا کیا حال ہے اختلاف ہے۔ شاید اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر اس میں کوئی راوی ایسا ہو جو کسی غرض فاسد سے اس راوی کا نام چھپایا کرتا ہو جس سے درحقیقت اس نے حدیث سُنی ہے تب تو یہ حدیث معتبر نہ ہوگی اور اگر ایسا نہیں ہے تو معتبر ہوگی۔ اس کے بعد علماء میں اختلاف ہے بعض عالموں کا یہ قول ہے کہ ایسی حدیث کے معتبر ہونے کے لیئے یہ بھی ضرور ہے کہ جس شخص نے بلفظ عن کسی سے روایت کی ہے اُن دونوں کا آپس میں ملاقات ہونا اور حدیث سیکھنے کا اُن کو موقع بھی ہونا ثابت ہو چنانچہ بخاری کا مذہب یہی ہے مگر مسلم اِن باتوں کو قبول نہیں کرتا اور کسی شرط کو ضروری نہیں سمجھتا۔

بہرحال ہمکو ان مذہبوں میں بحث نہیں ہے ہمکو صرف یہ بات دکھانی ہے کہ جس حدیث میں بلفظ عن روایت ہوئی ہے اُس میں برابر رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم تک راویوں کے نہ ہونے کا احتمال ہے اور اسی سبب یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حدیث رسول خدا صلعم کی حدیث نہ ہو۔ جن لوگوں نے کہ مختلف شرطوں کے ساتھ اُسکو حدیث نبوی سمجھا ہے صرف قیاس و تخمین و حسن ظن کے سبب سمجھا ہے۔ کوئی ثبوت یا کوئی نص اُس پر اُن کے پاس نہیں ہے۔ پس ایسی حدیث پر جزم و یقین اس بات کا کہ بلاشبہ وہ حدیث پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہے نہیں ہو سکتا۔

دوازدھم مؤنن یعنی وہ حدیث جس میں کسی راوی نے ان کے لفظ سے روایت کی ہو اور اس کا حال بھی بجنسہٖ ویسا ہے جیسا کہ عن کے لفظ سے روایت کا ہے۔

علاوہ اس کے بھی اور بہت سی قسمیں حدیثوں کی ہیں جو اعتبار اور درجہ رواۃ اور مضمون حدیث وغیرہ سے علاقہ رکھتی ہیں۔ مگر ہم اُن کا اس مقام پر ذکر کرنا نہیں چاہتے کیونکہ باقی اقسام حدیثوں کی جن میں کچھ نقصان ہے وہ تو ناقص اور نامعتبر ہی ہیں ہم اُن حدیثوں پر بحث کرنی چاہتے ہیں جن میں اُس قسم کا نقصان نہیں ہے۔ اور پھر اُن پر اس بات کا شبہ ہے کہ آیا درحقیقت وہ حدیث رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے یا نہیں۔ پس یہ بارہ قسمیں احادیث صحیح کی جو ہمنے بیان کیں ایسی ہی ہیں کہ ہر عاقل شخص یہ بات کہیگا کہ اُن میں سے حدیث نبوی ہونا بھی ممکن ہے۔ الا اُن میں سے کسی کا بھی بالیقین حدیث نبوی ہونا ثابت نہیں ہے۔

علما متقدمین نے جو کچھ رائے اس کی نسبت قایم کی ہے وہ صرف اُن کی رائے ہے۔ کوئی حدیث یا حکم من جانب شارع اُس پر نہیں ہے۔ پس ہمارا بھی یہی مقصود ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہم بھی اُن راویوں اور بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھیں اور ہمیشہ دل سے حسن ظن اُن کی طرف رکھیں۔ مگر ایسا کرنے میں بالکل اندھے نہ ہو جاویں اور خود کچھ بھی خیال نہ کریں۔ بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن حدیثوں کے حدیث نبوی ٹھہرانے کے لیئے کوئی عمدہ اصول قرار دیں پس وہ اصول یہ ہیں ؛

اوّل۔ ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ حدیث احکام قرآن مجید کے برخلاف ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو ہمکو یقین کرنا چاہیئے کہ وہ حدیث نبوی نہیں ہے جیسیکہ حضرت عائیشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث سماع موتے کی حدیث نبوی ہونے سے بسبب مخالفت قرآن کے انکار کیا۔ باوجودیکہ صحابی اُس کے راوی تھے اور نہایت قلیل زمانہ عہد برکت مہد رسول مقبول صلعم سے گذرا تھا ؛

دوم۔ اُس حدیث میں اشیاء موجودہ میں سے کسی شئے کی حقیقت الہام سے بطور واقع کے بیان کی ہو نہ بطور عرف عام کے اور وہ بیان درحقیقت اُس موجودہ شئے کی حقیقت کے برخلاف ہو تو وہ حدیث۔ حدیث نبوی نہیں ہے ؛

سوم۔ اُس حدیث میں کوئی ایسا واقعہ بیان ہو جو تاریخ سے علاقہ رکھتا ہے اور تاریخ سے ثابت ہو کہ وہ واقعہ صحیح نہیں ہے۔ تو ہم اُس حدیث کو ہرگز بطور حدیث نبوی تسلیم نہیں کرنیکے ؛

چہارم۔ اُس حدیث میں ایسا واقعہ حسی بیان کیا گیا ہو کہ اگر وہ واقع ہوتا تو ہزاروں آدمی اُسکو دیکھتے مگر اُس کا ہونا صرف اُسی حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں تو اُس حدیث کو بھی ہم حدیث نبوی نہیں قرار دینیکے ؛

پنجم۔ اُس حدیث میں ایسی بات ہو جو تمام لوگوں سے علاقہ رکھتی ہو اور جس کا جاننا سب کو ضرور تھا مگر اُس سے صرف اُسی حدیث کے راوی واقف تھے نہ اور کوئی تو وہ حدیث بھی حدیث نبوی نہیں ہو سکتی ؛

ششم۔ اُس حدیث میں کوئی بات برخلاف اُن احکام اور اصول مذہب اسلام کے ہو جو معتبر حدیثوں سے ثابت ہو چکے ہیں تو اُس حدیث کو بھی حدیث نبوی قرار نہیں دیسکتے ؛

ششم - اُس حدیث میں ایسے عجائبات بیان ہوئے ہوں جسے عقل تسلیم نہ کرتی ہو اور جب تک کہ اُن کا الہام سے بیان ہونا نہ ثابت ہو تو وہ تسلیم کرنے کے لایق نہ ہوں - پس جبکہ ایسے عجائبات اس قسم کی حدیثوں میں مذکور ہوں جن کا اوپر ذکر ہوا تو اُن حدیثوں کو بھی حدیث نبوی میں داخل نہیں کر سکتے اِس لیئے کہ بسبب اُن نقصوں اور احتمالوں کے جو اِس قسم کی حدیثوں میں ہیں اور جن کا اوپر بیان ہوا اُن عجائبات کا الہام سے بیان ہونا اور جناب رسول خدا صلعم کا اُن عجائبات کو بیان کرنا ثابت نہیں ہوتا اور جبکہ اُن کا الہام سے بیان ہونا ثابت نہیں ہے تو اُس حدیث کو جس میں وہ عجائبات ہیں حدیث نبوی بھی قرار نہیں دے سکتے ۔

اِسی قسم میں وہ حدیثیں بھی داخل ہیں جن میں تھوڑے سے عمل پر بڑے بڑے ثوابوں کا اور جنت میں محلوں کے بننے کا یا ادنیٰ سے گناہ میں سخت سخت عذابوں کا ذکر ہوا ہے ۔

اقسام مذکورہ بالا کی حدیثیں تمام کتب احادیث میں یہاں تک کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں پس ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ اسی قدر کہتے ہیں کہ اِس قسم کی حدیثوں میں سے کسی حدیث کو صرف اس وجہ سے کہ فلاں حدیث کی کتاب میں مندرج ہے حدیث نبوی کہنا نہیں چاہیئے بلکہ اُن اصول ہفتگانہ سے اُن کا امتحان کرنا لازم ہے - اگر اُس میں بھی وہ ٹھیک اور پوری اُتریں تو اُس وقت اُسکی نسبت حدیث نبوی ہونے کا ظن غالب کہنا چاہیئے کیونکہ اِس امتحان کے بعد بھی اس سبب سے کہ اُس حدیث کی روایت ہے اِس قسم کی ہے جس سے حدیث نبوی ہونیکا ثبوت نہیں ہے اُس حدیث کو بالجزم اور بالیقین حدیث نبوی نہیں کہہ سکتے ۔

تعلیم مذہبی

اب تو گویا بالاتفاق تمام مسلمان اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے اور علوم جدیدہ کے سیکھنے سے مسلمان اپنے عقاید مذہبی میں سُست ہو جاتے ہیں بلکہ اُن کو لغو سمجھنے لگتے ہیں - اور لامذہب ہو جاتے ہیں - اور اسی سبب سے مسلمان اپنے لڑکوں کو انگریزی پڑھانا نہیں چاہتے ۔

مسلمانوں پر کیا موقوف ہے - انگریز بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں جو حال میں اُنھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی نسبت لکھی ہے یہ فقرہ مندرج فرمایا ہے :-

"کوئی نوجوان خواہ ہندو خواہ مسلمان ایسا نہیں ہے جو ہمارے انگریزی مدرسوں میں تعلیم پاوے اور اپنے بزرگوں کے مذہب سے بداعتقاد ہونا نہ سیکھے۔ ایشیا کے شاداب اور تروتازہ مذہب جب مغربی (یعنی انگریزی) علوم کی سچائی کے قریب آتے ہیں جو مثل برف کے ہے تو سوکھ کر لکڑی ہو جاتے ہیں"۔ آمنّا وصدقنا۔ یہ قول ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا بالکل سچ اور تمام سچ ہے ✦

اب مسلمانوں کو بھی اسکی فکر پڑی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے کی ضرورت تو روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے اور بغیر انگریزی پڑھے اب گذارہ نہیں ہو سکتا مگر وہ مذہب کو بھی عزیز سمجھتے ہیں اور اُسکو ہاتھ سے جاتا ہوا دیکھکر بالکل بیقرار اور بے چین ہیں اور طرح طرح کی تدبیریں سوچتے ہیں اور ہم ایک کونے میں کھڑے ہوئے ہنستے ہیں اور آہستہ آہستہ کہتے ہیں کہ میاں اگر تمھارا مذہب ایسا ہی بودا تھا تو جانے دو۔ ایسی بودی چیز رہی تو کیا اور گئی تو کیا۔ مگر جب کوئی ہماری چُپکی چُپکی آواز سُن لیتا ہے تو ہم پر غراتا ہے کہ کیا ہمارا مذہب کمزور ہے۔ مگر دل میں کہتا ہے کہ بات تو سچ کہی ہے۔ بودا تو ہے کہ ذراسی انگریزی پڑھنے سے ڈھا جاتا ہے ✦

بڑے بڑے معزز و متشرع مقدس عالموں نے بہت غور کے بعد یہ تجویز کی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی دی جاوے اور کتب مذہبیہ عقاید اور فقہ و اصول و تفسیر و حدیث و علم کلام بھی انگریزی کے ساتھ پڑھائی جاویں تاکہ عقاید مذہبی پختہ و درست رہیں اور علوم غربیہ کے ریلے میں بہ نہ جاویں ✦

مگر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ محققانہ تعلیم مذہبی اصول حقہ واقعیہ پر بلاشبہ مانع نقصان عقاید حقہ اسلامیہ کے ہوگی مگر تقصیر معاف ہو۔ یہ اندھی تقلیدی تعلیم مذہبی تو مانع نقصان عقاید نہیں ہو سکتی اور یہ کتب مذہبیہ تو لامذہبی کا علاج کر نہیں سکتیں بلکہ اگر یہ کتابیں انگریزی تعلیم اور مغربی علوم کے ساتھ پڑھائی جاویں گی تو اور زیادہ لامذہبی اور بداعتقادی پھیلے گی اس لیئے کہ سوائے قرآن مجید کے جس قدر کتب مذہبیہ اس زمانہ تک موجود ہیں ہزاروں غلطیوں سے معمور ہیں۔ کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی عظیم الشان غلطی موجود نہ ہو اور جس نے اسلام کی سچی اور صحیح سیدھی سادی حقیقت کو وہمی اور خیالی نہ بنا دیا ہو ✦

جن مقدس لوگوں نے موجودہ مذہبی تعلیم کو اس لامذہبی کا علاج سمجھا ہے اُنھوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ جس زمانہ میں فلسفہ یونانیہ مسلمانوں میں شایع ہوا تو بڑے زور و شور سے زندقہ و الحاد نے رواج پایا مگر اُس زمانہ کے عالموں نے فلسفہ یونانیہ کے ساتھ عقاید مذہبی کی تعلیم کو شامل کر دیا جس کے سبب سے

وہ زندقہ و الحاد جاتا رہا۔

مگر میری یہ عرض ہے کہ اگر اُس زمانہ میں ایسا ہوا بھی ہو تو حال کے زمانہ میں اُن کتابوں سے اُس نتیجہ کی اُمید رکھنا قیاس مع الفارق ہے۔ جس زمانہ میں کہ فلسفہ یونانیہ مسلمانوں میں رائج ہوا اور اُس زمانہ میں جو کُتب مذہبیہ تھیں اُن کو بھی اُس وقت کے عالموں نے اُس زندقہ اور الحاد کے روکنے کو کافی نہ سمجھا تھا اور اسی لیئے اُنھوں نے نئی نئی کتابیں علم کلام کی تصنیف کی تھیں اور اُن کتابوں میں اُنھوں نے زندقہ و الحاد دُور کرنے کے لیئے دو اصول قرار دیئے تھے یعنی یا تو اُن مسائل فلسفہ یونانیہ کی جو عقاید مذہبی کے برخلاف تھے غلطی ثابت کر دیتے تھے یا مسائل مذہبی کی تطبیق مسائل فلسفیہ سے کر دیتے تھے۔ مگر اَب میں نہایت ادب سے پوچھتا ہوں کہ جو کُتب مذہبی اَب تک ہمارے ہاں موجود ہیں اور پڑھنے پڑھانے میں آتی ہیں اُن میں سے کون سی کتاب ہے جس میں فلسفہ مغربیہ اور علوم جدیدہ کے مسائل کی تردید یا تطبیق مسائل مذہبیہ سے کی ہو۔

وجود سمٰوات سبع کی ابطال پر جو دلیلیں ہیں اُن کی تردید کس کتاب میں لکھی ہے اثبات حرکت زمین اور ابطال حرکت دَوری آفتاب پر جو دلیلیں ہیں اُن کی تردید کس سے جا کر پوچھیں عناصر اربع کا غلط ہونا جو اَب ثابت ہو گیا۔ اُس کا کیا علاج کریں۔ آیہ کریمہ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظامًا فکسونا العظام لحما کی جو تفسیر عالموں نے لکھی ہے فن تشریح کی رو سے وہ غلط معلوم ہوتی ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے بوتلوں میں بھرے ہوئے نطفہ سے لیکر بچہ کے پیدا ہونے تک کے تغیرات کو دیکھتے ہیں جو مفسرین کی تفسیروں کی غلطی کو ثابت کرتے ہیں۔ پھر کیونکر ہم اُس پر اعتقاد رکھیں۔ خدا کی بات اور اُس کا کام ایک ہونا چاہیئے۔ یہ مسئلہ تمام دنیا نے تسلیم کر لیا ہے۔ پھر اُس کی تصدیق مذہب اسلام کی کس کتاب میں ڈھونڈیں اور کس مُلّاں و اخوند سے جا کر پوچھیں۔ جب کوئی بات بھی اُن میں سے موجودہ کُتب مذہبی میں نہیں ہے تو اُن سے لامذہبی جو فلسفہ مغربیہ اور علوم محققہ جدیدہ سے ہوتی ہے کیونکر رفع ہوگی۔ یہ باتیں نہایت صاف اور روشن ہیں۔ اُن کو ظاہر میں نہ ماننا دوسری بات ہے۔ مگر کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اپنے دل میں ان باتوں کو سچ نہ جانتا ہوگا۔ پس ایسی حالت میں ان کتابوں کا نہ پڑھنا اُن کے پڑھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ مسلمان ہونے اور بہشت میں جانے کو خدا کو ایک و پیغمبر کو برحق جاننا کافی ہے

عمل کو نماز پڑھ لینی روزہ رکھ دینا بس ہے۔ اِن غیر مفید کتابوں کے پڑھنے سے کیا حاصل ہے۔
ہاں اگر مسلمان مرد میدان ہیں اور اپنے مذہب کو سچا سمجھتے ہیں تو بے دھڑک میدان میں آویں
اور جو کچھ اُن کے بزرگوں نے فلسفہ یونانیہ کے ساتھ کیا تھا وہ فلسفہ مغربیہ اور علوم معقولہ جدیدہ کے
ساتھ کریں تب البتہ اُن کا پڑھنا پڑھانا مفید ہوگا ورنہ اپنے مونھ میاں مٹھو کہہ لینے سے کچھ
فائدہ نہیں ۔

مجتہد

مذہب شیعہ امامیہ کا نہایت صحیح اور سچا مسئلہ ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضرور ہے کوئی زمانہ
مجتہد العصر سے خالی نہیں ہوتا۔ البتہ اُن کا یہ مسئلہ کہ مات المفتی مات الفتوی صحیح نہیں ہو سکتا
مگر متاخرین اہل سنت وجماعت نے عجیب غلط مسئلہ بنایا ہے کہ اجتہاد ختم ہو گیا اور اب کوئی
مجتہد نہیں ہو سکتا۔ مگر اب تک اُن کو اس میں شبہ ہے کہ نعوذ باللہ منہا مثل خاتم النبیین کے
خاتم المجتہدین کون ہے کسی نے زید کو اور کسی نے عمرو کو بتلایا ہے ۔

مگر ہمکو بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر علماء کا یہ مذہب ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا
ضرور ہے اور کوئی زمانہ مجتہد سے خالی نہیں ہوتا۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب مسمیٰ "بالانتباہ
فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید وارثی رسول اللہ" کی جلد دوم میں ارقام فرماتے
ہیں کہ مر بغوی در تہذیب وامام الحرمین در نہایہ ورافعی در شرح وجیز واعز الدین عبد السلام در غایۃ
ونووی در شرح مہذب وابو عمر بن صلاح در کتاب ادب الفتیا وبدر الدین زرکشی در کتاب بحر تصریح
کردہ اند کہ علم دو قسم است۔ فرض علی الاعیان وفرض علی سبیل الکفایۃ وفرض کفایہ آنست کہ کسے برتبہ
اجتہاد برسد واز اعداد مقلدین برآید پس اگر در ہر ناحیہ یکے یا دو باین معنی قایم شوند فرض ساقط والّا
ہمہ عاصی شوند ۔ وحنابلہ باہم بآں رفتہ اند کہ جایز نیست خلو زمان از مجتہد لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم
لایزال طایفۃ من امتی ظاہرین علی الحق حتی یاتی امر اللہ وزرکشی گفتہ است کہ ایں قول
مخصوص بحنابلہ نیست بلکہ جماعۃ از اصحاب یعنی شافعیہ بداں تصریح کردہ اند ۔ وابن عرفہ از علماء مالکیہ
گفتہ قال شیخنا ابن عبد السلام لا یخلو الزمان عن مجتہد ۔ وامام الحرمین گفتہ کہ اختلاف
کردہ اند اولین در آنکہ عصرے از اعصار عدد مجتہدین از مبلغ تواتر کم می شود یا نہ جمعے منع کردہ وجمعے
جایز داشتہ ۔

پس ان تمام اقوال سے ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے پس کیسی بڑی غلطی اہل سنت وجماعت کی ہے کہ اجتہاد کو ختم اور مجتہد کو معدوم مانتے ہیں ✦

اس غلطی اعتقاد نے ہم مسلمانوں کے دین و دنیا میں نہایت نقصان پہونچایا ہے اس لیے ہمکو ضرور ہے کہ ہم اس خیال کو چھوڑیں اور ہر بات کی تحقیق پر مستعد ہوں خواہ وہ بات دین کی ہو یا دنیا کی۔ غور کرنا چاہیئے کہ ہر گاہ زمانہ حادث ہے اور نئے نئے امور اور نئی نئی حاجتیں ہمکو پیش آتی ہیں پس اگر ہمارے پاس زندہ مجتہد موجود نہونگے تو ہم مردہ مجتہدوں سے نئی بات کا مسئلہ جو اُن کے زمانہ میں حادث بھی نہیں ہوئی تھی کیونکر پوچھینگے۔ پس ہمارے لیئے بھی مجتہد العصر والزمان کا ہونا ضرور ہے ✦

آدمؑ کی سرگزشت

تم کون ہو اور تمھارا نام کیا ہے۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں مگر میرا نام آدمؑ ہے۔ تمپر کیا گذری۔ میں نے اپنے تئیں اسی دنیا میں پایا مگر نہ جانا کہ کس طرح بنا اور کس نے بنایا۔ مینے اَور بھی بہت سے چرند و پرند۔ کیڑے و مکوڑے دنیا میں دیکھے میں سمجھا کہ جس طرح یہ بنے ہونگے اُسی طرح میں بھی بنا ہوں گا ✦

مگر میں دیکھتا تھا کہ وہ سب تو ایک سا کام کرتے جاتے ہیں اور کسی اَور بات کا ارادہ بھی نہیں کرتے مگر میرے دل میں بہت سے خیال آتے تھے۔ کبھی دل چاہتا تھا کہ یہ کروں کبھی دل چاہتا تھا کہ وہ کروں۔ کبھی کہتا تھا کہ یہ کیا ہے کبھی کہتا تھا وہ کیا ہے۔ دل گھبراتا تھا اور اُن چرند و پرند کے پاس بیٹھتا تھا۔ کسی کو اپنا سا نہ پاتا تھا اور دل نہ لگتا تھا۔ تنہائی میرے دل کو گھبراتی تھی اور اُس بیقراری سے یہ بات دل میں آتی تھی کہ میرے لیئے میری ہی سی کچھ اَور چیز چاہیئے ✦

ایک دن میں نے اپنے بائیں پہلو کے پاس ایک اپنی ہی سی صورت کی چیز بیٹھی ہوئی دیکھی دل بہت خوش ہوا۔ بے قصد باچھیں کھلنے لگیں دل بھی دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ اور اُسی کی طرف کھینچنے لگا۔ وہ بھی میرے پاس بیٹھنے سے نہایت خوش معلوم ہوتی تھی اور پیاری پیاری نگاہوں سے مجھے دیکھتی تھی اور مسکراتی تھی۔ آخر میں بیقرار ہو گیا اور مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں نے اُس سے پوچھا کہ بُوا تم کون ہو اور تمھارا کیا نام ہے۔ وہ بولی کہ بھائی یہ تو میں نہیں

جانتی ہو میں کون ہوں - جو تم ہو وہی میں ہوں مگر میرا نام حوّا ہے - یہ سُن بہت خوش ہوا اور تالیاں بجا کر خوب اُچھلا اور خوب کُودا - اور اوپر کو دیکھ دیکھ کر ایک بڑی ہستی اور بڑے قادر مطلق کا خیال کر کر خوب گیت گائے اور نہایت ذوق و شوق سے یوں چلایا ؛

اُو اُو ارے اُو ارے اُو ارے وہ جو ہے - ارے وہ جو ہے - ارے وہ جو رہیگا - ارے وہ جو رہیگا - ارے وہ جو تو ہی ہے - ارے وہ جو تو ہی ہے - میری شکر لے - اُس انجان جانب کار نے میرا شکر لیا - اب تم اُسی برکت کے پھل پھول ہو ؛

اجی دادا جان - یہ تو تم نے حال کی کہی - ہم تو اُس سے بھی پچھلی پوچھتے ہیں - میرے پیارے وہ تو ہمارے ہوش اور تمہارے بہت پہلے کی بات ہے - مگر اُس کی کچھ نشانیاں ہم پاتے ہیں اور خدا نے اپنی قدرت سے جو کچھ ہم میں بنایا ہے اُسی سے وہ پچھلا حال سمجھ سکتے ہیں اگر تم کو اُس کے جاننے کا شوق ہے تو سُنو ؛

تمام زمین پر بسنے والی چیزیں زمین سے پیدا ہوئی ہیں گو اُسکی آیندہ نسل چلنے کا کوئی قاعدہ بنایا ہو مگر سب سے پہلی فرد صرف اُس کی قدرت سے بنی - اُس نے کہا کہ ہو وہ ہو گئی پس اسی طرح میں بھی زمین سے پیدا ہو گیا - پلا اور بسا اور بڑا ہوا - مگر جب زمین سے نکلا تھا تو ایسا نہ تھا جیسا اب ہوں - رفتہ رفتہ ہمکو یہ صورت ملی ہے اگر تم میری وہ ہیئت دیکھو جو زمین سے نکلی تھی تو نہایت تعجب کرو - بال سے بھی باریک اور رائی کے دانے سے بھی چھوٹا بھنگا تھا اور اُسی میں حُسن و جمال عقل و کمال سب چھپا ہوا تھا جیسے بیج میں درخت کے تمام پھل پھول - ٹہنی پتے چھپے ہوتے ہیں یہ اُس صانع کی قدرت ہے جو ایسی ضعیف و ناچیز چیز کو ایسا کیا ہے جس کے حُسن و جمال پر لوگ فریفتہ ہوتے ہیں - فرہاد سر پھوڑتا ہے - زلیخا ہاتھ کاٹتی ہے - مجنوں سر صحرا نکل جاتا ہے - اپنے تقدس و کمال سے فرشتوں پر فوق لیجاتا ہے اور اپنے آپ سے اپنے صانع کو پہچانتا ہے اور پھر اُس کی مرضی اور خوشی کے بیان کرنیکو اوروں کے لیئے واعظ بنتا ہے ؛

تمام قوتیں حیوانی اور انسانی - ملکی و شیطانی اُس میں تھیں - اور سب اُسکی اطاعت و فرمانبرداری میں حاضر تھیں - جس جس کام پر وہ مامور تھیں اُن کو کر رہی تھیں اور اپنے کام میں ذرا سی بھی خطا نہیں کرتی تھیں - مگر ایک قوت نہایت قوی اور سرکش تھی - وہ میری کوئی خدمت نہیں کرتی تھی بلکہ طرح طرح کے جذبات کو جو غصہ اور غضب اور بغض و کینہ - عداوت و دشمنی قتل و خون ریزی

چوری و زناکاری کے منشا ہیں تحریک دیتی رہتی تھی۔ اُس کے کوتکوں سے مَیں نے جان لیا تھا کہ وہ میری بڑی دشمن ہے۔ اُسی پر فتح پانا میرا بڑا کام ہے۔ مگر وہ بھی جتاتی تھی کہ مَیں تیری دشمنی کبھی نہیں چھوڑنے کی۔ جہاں پاؤں گی اپنا کام کروں گی۔ اور جس طرف سے قابو پاؤنگی ماروں گی ✦

وہ قوت ایک عجیب و غریب چیز تھی۔ دشمن تو ایسی سخت تھی لیکن اگر وہ نہ ہوتی تو ایک اَور چیز ہم میں ہوتی جو انسان کے کمال کی بھی وُہی باعث ہے۔ اور اُس کے وبال کی بھی وُہی باعث ہے اور یہی سبب ہے وہ قوت کبھی سخت دشمن دکھائی دیتی تھی اور کبھی دوست سمجھ میں آتی تھی۔ مگر میری اطاعت میں کبھی نہ تھی ✦

خدا نے ایک ایسی مرکب چیز کو جو مختلف قوتوں کا مجموعہ تھی یعنی مجھ کو ایک جگہ ڈال دیا جہاں نہ مجھ کو بھوک تھی نہ پیاس نہ دھوپ کی گرمی لگتی تھی نہ کپڑا پہننے کی حاجت ہوتی تھی۔ مَیں رفتہ رفتہ بڑا ہوتا جاتا تھا اور تمام قوتیں جو مجھ میں تھیں میرے کام آتی تھیں۔ ایک قوت مجھ میں تو تھی مگر میرے کام میں تھی۔ نہ مَیں اُسکو کام میں لاتا تھا۔ جب مَیں بڑا ہوا اور سن تمیز کو پہنچا تو اُسی دشمن قوت نے مجھ کو بتایا کہ اُس سے بھی کام لے۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جب مَیں اُس سے کام لوں گا تب ہی مصیبت میں پھنسوں گا۔ مگر اُسی قوت سے کام لینا کمال کا بھی سبب تھا۔ اِس لیئے اُس دشمن قوت نے بہکایا کہ اگر اُس سے کام لیگا تو فرشتہ ہو جاویگا اور کبھی فنا نہ ہو ویگا۔ وہ قوت میری ہی تو تھی اور مَیں اُسکو کام میں لانے کے قابل بھی ہو چکا تھا۔ مَیں اُسکو کام میں لایا اور اُسی وقت میرے عیب مجھ پر کھل گئے۔ مَیں نے جانا کہ مَیں تو ایک نہایت ناچیز ہستی ہوں بے شک مجھ میں فرشتہ ہونے اور ہمیشہ رہنے کی قوت ہے مگر اُس کے ساتھ بڑا قوی دشمن بھی لگا ہوا ہے۔ اُس سے بچنا نہایت مشکل ہے۔ مَیں اپنے عیبوں کے چھپانے کی فکر میں تھا اور خدا نے للکارا کہ خبردار اب تو اپنا مالک ہوا۔ دوست دشمن سے واقف ہوا۔ اب جب تک زمین پر رہنا ہے نیک و بد کو سمجھ اور اپنا کام کر۔ مَیں نہایت حیران ہوا کہ کیا کام کروں اور کس طرح پر چلوں۔ پھر مَیں سمجھا کہ خدا کی نشانیاں اور خدا کی ہدایتیں ہمارے ساتھ ہیں۔ اُنہی کو سمجھو اور اُنہی کو مانو۔ اُنہی کی ہدایت پر چلو اور دشمنوں سے نجات پاؤ۔ مگر یہ سمجھ میں آتا تھا کہ گذشتہ بدی کا کیا علاج ہو۔ بہت غور کے بعد سمجھا کہ کسی دوسرے سے اُس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کا علاج خود مجھ میں ہے۔ جو چیز مجھ میں ٹیڑھی ہو گئی ہے اُسی کا سیدھا کرنا اُس کا علاج ہے۔ تب

میں نے خدا سے کہا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٭ فَتَابَ عَلَيَّ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ٭ پھر تو خدا نے مجھ کو ایسا تربجتا کر زمین پر اپنا نایب کر دیا اور فرشتے غل ہی مچاتے رہے ٭

دادا جان آپ کی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہ آئیں اور ہم نہ سمجھے کہ کن قوی کا مجموعہ خدا نے تمکو بنایا تھا۔ وہ کیا قوی تھے جو تمہارے مطیع و فرماں بردار بھی تھے۔ وہ کیا قوت تھی جو سرکش اور نافرماں بردار تھی۔ وہ کیا چیز تھی جو دشمن بھی تھی اور دوست بھی دکھائی دیتی تھی۔ اُسی نے وبال میں ڈالا اور اُسی نے کمال کا رستہ بتایا۔ یہ سب باتیں تو ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ اگر اور کسی طرح پر آپ گفتگو کریں اور ہمکو سمجھا سکیں تو آپ کی نہایت شفقت و عنایت ہوگی ٭

آدم نے کہا کہ تمہاری اور تمام دنیا کی سمجھ میں آجانے کے لایق تو اسی بات کو موسیٰ اور محمدؐ نے بہت اچھی تمثیل سے بتایا ہے۔ اُنھوں نے ملکی قوی کا نام فرشتہ رکھا ہے اور اُس دشمن دوست نما قوت کا نام شیطان اور اُس قوت کا نام جو مجھ میں تھی پر میرے کام میں نہ تھی درخت اور اُس وقت یا حالت کا نام جب میں اُس قوت کو کام میں لانے کے لایق ہوا اُس درخت کا مزا چکھنا رکھا ہے اور اس مشکل عقدہ کو ان تمثیلوں سے حل کر کر یوں بیان کیا ہے ٭

خدا نے سڑی ہوئی کیچڑ سے جو آگ میں پکے ہوئے کی مانند گرم ہو رہی تھی آدمؑ کو اور اُس کی جوڑی حوّا کو پیدا کیا پھر ان کو اس صورت پر جو ہے بنایا۔ پھر فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے سرکشی کی اور خدا کے حکم کو نہ مانا اور سجدہ نہ کیا۔ خدا نے اس سے پوچھا کہ تو نے کیوں سجدہ نہ کیا۔ اُس نے کہا کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی سے۔ خدا نے کہا کہ جا دور ہو تو فرشتوں میں ہونے کے لایق نہیں۔ اُس نے کہا تو مجھ کو قیامت تک ایسا ہی رہنے دو۔ تم ہی نے مجھے بہکایا ہے میں بھی انسان کو بہکاتا ہی رہوں گا۔ خدا نے کہا دور ہو اے مردود۔ جو لوگ تیری تابعداری کریں گے اُن سے دوزخ بھر دوں گا ٭

پھر خدا نے ہمکو سمجھایا کہ شیطان تمہارا پکا دشمن ہے اُس سے خبردار رہنا۔ پھر ہمکو بہشت میں رکھا وہاں ہمکو نہ بھوک تھی نہ پیاس۔ نہ دھوپ لگتی تھی اور نہ کپڑے کی حاجت تھی۔ خدا نے کہا کہ اس میں سے جو کچھ چاہو کھاؤ مگر ایک درخت کو بتلایا کہ اُس کے پاس تک مت جانا۔ اگر جاؤ گے تو اپنے لیے تم برا کرو گے ٭

مگر شیطان نے ہمکو بہکایا اور کہا کہ میں تمکو ہمیشگی کا اور ہمیشہ رہنے والی بادشاہت کا درخت بتلاؤں۔ اُس نے وہی درخت بتلایا جس سے خدا نے منع کیا تھا۔ اور کہا کہ کسی بُرائی کے سبب سے منع نہیں کیا بلکہ اس لیئے منع کیا ہے کہ تم فرشتہ اور ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جاؤ۔ اور قسمیں کھا کر کہا کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ ہم اُس کے بہکائے میں آ گئے اور اُس درخت میں سے کھا لیا ایک پردہ نادانی کا جو ہم پر تھا کھاتے ہی اُٹھ گیا عیب و صواب معلوم ہونے لگا۔ اپنا ننگاپن ہمکو شرمانے لگا۔ درخت کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو چھپانے لگے۔ اتنے میں خدا للکارا کہ کیوں اس درخت کے کھانے سے مَیں نے تمکو منع نہ کیا تھا اور تمکو نہ کہدیا تھا کہ شیطان تمہارا پکا دشمن ہے۔ چلو یہاں سے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ چند مدت تک زمین پر رہو گے۔ اُسی میں جیو گے اُسی میں مرو گے اُسی سے نکلو گے۔

پھر خدا کے بتانے سے اپنے قصور کی معافی اس طرح پر خدا سے چاہی کہ "اے ہمارے خدا ہم نے اپنے پر آپ ظلم کیا اور اگر تو معاف نہ کریگا اور رحم نہ کریگا تو ہم آفت میں رہینگے"۔ خدا نے معاف کیا اور یہ بتایا کہ تمہارے پاس میری ہدایت آویگی۔ جو کوئی اُسکی تابعداری کریگا اُسکو کچھ ڈر نہ ہوگا جو میری نشانیوں کو نہ مانے گا وہ دوزخ میں جاویگا اور ہمیشہ اُسی میں رہیگا۔

پھر خدا نے آدم کو زمین پر اپنا نایب بنایا۔ فرشتوں نے کہا کہ ایسے شخص کو زمین کی نیابت دیگا جو اُس میں فساد کرے اور خون بہاوے اور ہم تو تیری پاکیزگی سے تجھ کو یاد کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں۔ خدا نے کہا کہ ہاں مَیں سب کچھ جانتا ہوں جو مَیں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

پھر خدا نے آدم کو سب چیزوں کے نام بتائے اور فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے کہا کہ تیری دوہائی ہے جو کچھ تو نے بتادیا ہے ہم تو اُس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ پھر آدم سے کہا کہ تم ان کے نام بتاؤ۔ آدم نے سب کے نام بتا دیئے۔ خدا نے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ آسمان و زمین میں کی چھپی ہوئی باتیں اور جو کچھ تم علانیہ یا خفیہ کرتے ہو سب کو جانتا ہوں۔

دادا جان یہ باتیں تو صاف صاف ہماری سمجھ میں آئیں۔ ہم سمجھے کہ خدا نے ہمکو پیدا کیا اور ہمکو فرشتوں پر بھی عزت دی۔ اور ہمارے دشمن شیطان کو بھی ہمیں بتلا دیا مگر ہم اُسکے فریب میں آ گئے اور خدا کے حکم کے برخلاف کام کیا اور خود اپنے فعل سے گنہگار ہوئے اور جب اپنے گناہ کا

اقرار کیا اور معافی چاہی تو خدا نے معاف کر دیا اور ہمکو زمین پر اپنا نایب کر دیا اور ہمارے پاس ہدایت بھیجنے کا وعدہ کیا - پھر اگر ہم اُسکی ہدایت پر چلیں گے اپنا بھلا کریں گے اگر اُس پر نہ چلینگے خود اپنے لیئے کانٹے بوئیں گے - مگر اس میں بھی کئی باتیں پوچھنی ہیں +

آپ نے یہ کیا فرمایا کہ خدا نے آدم و حوا کو پہلے پیدا کیا - پھر اُن کو اس صورت پر جو اب ہے بنایا +

بیٹا تم نے قرآن پڑھا ہے - اُس میں تو صاف لکھا ہے کہ ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم یعنی خدا نے تمکو پیدا کیا پھر تمھاری صورتیں بنائیں - اصل یہ ہے کہ انسان نطفہ میں نہایت باریک بھنگے کی مانند پیدا ہوتا ہے پھر اُسکی صورت بنتی ہے - یہی بات خدا نے بھی کہی اور ہمیشہ یونہی ہوتا ہے +

دادا جان یہ تو عجیب بات آپ نے بتائی - ہمنے تو کبھی سُنی بھی نہ تھی - قرآن میں تو عجیب عجیب قدرتی باتیں لکھی ہیں جو اُس زمانہ کے لوگوں کے خیال میں نہ تھیں - اب جس قدر حقائق موجودات کھلتی جاتی ہیں قرآن کی حقیقت سمجھ میں آتی جاتی ہے - بیشک یہ خدا کا کلام ہے +

مگر آپ یہ تو فرمایئے کہ جن قوتوں سے خدا نے ہمکو بنایا اور جو ہم ہی میں موجود تھیں اُنہی میں سے کسی کو فرشتہ اور کسی کو شیطان اس طرح پر بیان کیا کہ گویا وہ ہم سے علیحدہ دوسری چیزیں تھیں جن میں سے کوئی ہماری فرماں بردار تھی اور کوئی ہماری دشمن اور اگر درحقیقت وہ ہم ہی میں تھیں تو اس طرح پر کیوں بیان ہوئیں +

بیٹا ابھی میں نے تم سے بیان کیا کہ انسان عجیب مختلف قوتوں سے بنا ہوا ہے کہ باوصف مرکب ہونے کے ہر ایک قوت جُدا جُدا کام کرتی ہے - مگر تمھاری سمجھ میں کچھ نہ آیا اور جب اس زمانہ میں ہی تم اسکو نہ سمجھ سکے تو موسیٰ کے اور اُس سے بھی پہلے کے زمانہ میں کون سمجھ سکتا تھا اس لیئے خدا نے اُس مطلب کو ایسے لفظوں میں بیان کیا کہ سینا کے جنگل میں پھرنے والوں اور عرب کے ریگستان کے رہنے والوں سے لیکر سقراط اور بقراط کے درجوں تک کے لوگ سمجھ لیں +

تمام دنیا کے خیال میں ہے کہ مرکب چیز جب متعدد چیزوں سے ملتی ہے تو ایک خاص مزاج پیدا کر لیتی ہے - اُس کے ہر ہر فرد کا مزاج اپنی پہلی حالت پر باقی نہیں رہتا بلکہ دونوں سے مل ملا کر ایک قسم کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے +

اگر گرم پانی میں تم ٹھنڈا پانی ملاتے ہو تو اُسکی سردی اور اُسکی گرمی ملکر اُسکو کنکنا کردیتی ہے
یہ کبھی نہیں ہوتا کہ دونوں ملیں اور سرد پانی کی سردی بدستور سرد اور گرم پانی کی گرمی بدستور
گرم رہے +

بہت سی گرم و سرد و خشک و تر دواؤں سے ملاکر ایک معجون بناؤ۔ اُن دواؤں میں سے کسی
ایک کا بھی مزاج اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہنے کا بلکہ سب سے مل ملاکر اُس معجون مرکب کا
ایک خاص مزاج پیدا ہو جاوے گا۔ مگر انسان ایک عجیب معجون مرکب ہے۔ مختلف قویٰ سے مرکب
ہے۔ اور وُہی اُس کے وجود کے اور نیز باہم ایک دوسرے قوٰے کے بقا کے سبب ہیں۔ اگر
اندرونی قویٰ میں سے ایک قوت انسان میں سے فوت ہو تو دوسری قوت بھی باقی نہیں رہتی
اور باوجودیکہ یہ سب قویٰ ایسے آپس میں ملے ہوئے ہیں جیسے دُودھ میں پانی اُس پر بھی سب
اپنے اپنے جُدا جُدا مزاج پر قائم ہیں اور اپنا اپنا جُدا جُدا کام کر رہے ہیں۔ پس اس ترکیب انسانی
کو سمجھانے کے لیئے تمام نبیوں نے تمثیلی زبان اختیار کی اور جس طرح کہ اُن قویٰ کے جُدا جُدا
کام تھے اسی طرح اُن کو علیحدہ علیحدہ اس طرح پر بیان کیا کہ گویا وہ الگ الگ ایک دوسرے
کے مقابل جُدا جُدا چیزیں ہیں +

دادا جان یہ بات تو ہماری سمجھ میں بالکل آگئی اور اس بیان سے ایک اَور عقدہ حل ہو گیا
کہ بعضی روایتوں میں جو یہ بیان ہوا ہے کہ رحم میں فرشتہ انسان کی صورت بناتا ہے اس سے
بھی وُہی قوت مصورہ مراد ہے جو خدا نے اُس میں رکھی ہے +

مگر یہ بات بھی بتا دیجئے کہ اُن ملکی قویٰ کے سجدہ کرنے اور اُس ایک قوت کی سرکشی کرنے سے
کیا مطلب ہے +

بیٹا یہ تو بہت صاف بات ہے تم خود اپنے آپ کو دیکھو تمام قوتیں جس جس مطلب کے لیئے
تمھارے میں پیدا ہوئی ہیں سب تمہاری تابع ہیں جس وقت تم کسی ایسی قوت کو تحریک دینا
چاہتے ہو جو نیکی کی منبع ہے فی الفور تحریک میں آتی ہے اور تم سے نیکی اور نیک دلی۔ رحم و محبت
ہمدردی۔ وفاشعاری خدا کے سامنے تذلل ظہور میں آتا ہے اور صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام
قویٰ جو اِن چیزوں کے منشا ہیں تمکو سجدہ کر رہے ہیں یعنی تمھارے مطیع و فرماں بردار ہیں
برخلاف اسکے اُس قوت کو دیکھو جو بدی اور گناہ کا مخرج ہے۔ تم اُن افعال کو جو اُس قوت سے
پیدا ہوتے ہیں بُرا جانتے ہو اور اُن کے نہ کرنے کا ارادہ بھی کرتے ہو اور پھر کرتے بھی جاتے ہو

جھوٹ کو بُرا سمجھتے ہو اور چاہتے ہو کہ نہ بولیں مگر بولتے جاتے ہو غصہ کو بُرا جانتے ہو اور ہر چند چاہتے ہو کہ روکیں پر کرتے جاتے ہو زنا جو سب سے بڑھکر بدی ہے اُسکو کرکر نادم ہوتے ہو خود اپنے پر آپ لعنت کرتے ہو۔ سر پیٹتے ہو۔ مونھہ پر طمانچے مارتے ہو۔ اور پکا ارادہ کرتے ہو کہ پھر نکرینگے اور پھر کرتے ہو۔ غرضکہ اُس قوت پر جو تمام بدیوں کی جڑ ہے۔ خیال کرو اور دیکھہ لو کہ وہ کیسی سرکش اور تمہاری نافرمان بردار ہے۔ آہ بیٹا تم انسان اُسی وقت ہو گے جب اُس سخت دشمن پر فتح پاؤ گے ✦

داداجان یہ باتیں تو تم نے ایسی بتائیں کہ ہمارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ بالکل سچ ہے اور انسان پر یہی گذرتا ہے۔ جب ہم اپنی بدیوں پر نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ مخالف قوت شیطان کیسی ہمپر غالب ہے تو ہمکو اپنی زندگی پر افسوس آتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ کاش ہم پیدا نہ ہوئے ہوتے ✦

مگر ہم نہایت ادب اور عاجزی سے ایک بات اَور پوچھنی چاہتے ہیں کہ شیطان نے خدا سے یہ کیا بات کہی کہ "تو ہی نے مجھے بہکایا ہے میں بھی انسان کو بہکاتا ہی رہونگا" یہ تو غلط معلوم ہوتی ہے۔ بھلا خدا نے شیطان کو کاہیکو بہکایا ہوگا۔ کیا خدا شیطان کا شیطان تھا اور اگر خود خدا نے ایسا کیا تو پھر اُسکو سجدہ کا کیوں حکم دیا ✦

نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ۔ بیٹا توبہ کرو توبہ کرو۔ گالوں پر طمانچے مارو۔ یہ کیسی کفر کی باتیں تم نے کہیں۔ یہ غلط نہیں ہے بالکل سچ ہے۔ قرآن میں بھی لکھا ہوا ہے قال فبما اغویتنی لاقعدن لھم صراطک المستقیم یعنی شیطان نے خدا سے کہا کہ اس سبب کہ تو نے مجھ کو گمراہ کیا میں بھی اُن کی باٹ مارنے کے لئے تیری سیدھی راہ میں بیٹھونگا ✦

مگر غور کرو اور سمجھو کہ اس کا مطلب کیا ہے اور کس بات کا اشارہ ہے۔ سمجھو کہ وہ سرکش قوت خود خدا نے بنائی ہے اور اُس سرکشی کی قوت خود خدا نے اُس میں رکھی ہے۔ پس ان لفظوں سے کہ تو نے ہی مجھکو بھکایا ہے اسی بات کا اشارہ ہے کہ اُس قوت کا خالق اور اُس قوت کو قوت دینے والا بھی وہی ایک خدا ہے اور یہی اُس کا بہکانا ہے۔ مگر خدا نے انسان میں ایسے بھی قوی رکھے ہیں جو اُسکو زیر اور مطیع کرسکتے ہیں اور یہی حکم دینا ہے کہ آدم کو سجدہ کریں ان دونوں صفتوں کو عام فہم کرنے کو خدا نے تمثیلی زبان سے یوں بتایا کہ خدا نے شیطان کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کر یعنی ایسے بھی اسباب بنا دیئے ہیں کہ وہ انسان کا مطیع ہو سکتا ہے۔ دیکھو ایک پیغمبر نے

کیساُ اسکو مطیع کیا پھر یوں کہا کہ اُس نے سرکشی کی اور خدا کا حکم نمانا یعنی وہ قوت ایسی سرکش ہے کہ مطیع ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک موقع پر ہم گناہ سے بچتے ہیں اور دوسرے موقع پر گناہ میں پڑتے ہیں۔ اگر نہیں پڑتے تو ہمکو اُس دشمن کو ہر وقت و ہر دم دبائے رہنا اور باندھے رکھنا تو ضرور پڑتا ہے اور وہ ہر دم چھوٹنا اور ہمپر حملہ کرنا تو ضرور چاہتا ہے۔ پس اِس حقیقت کو نبیوں کی زبان نے کیسی عمدہ طرح پر حکم اور نافرمانی کی اصطلاح میں بیان کیا ہے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین ÷

دادا جان جو کچھ تمنے کہا ہم سمجھتے ہیں کہ خدا ہی نے تمکو بتایا ہے کیونکہ آج تک کسی انسان نے تو ایسے حقایق و معارف بیان نہیں کئیے جس سے دل کو تسکین ہو۔ آپ ہی پر خدا نے اپنا فضل کیا ہے جو آپ کے دل سے ایسے حقایق و معارف نکلتے ہیں۔ اب تو ہمیں پوچھتے بھی شرم آتی ہے مگر دو چار باتیں تو اور بتا دیجیئے ÷

بیٹا۔ تم کچھ شرم مت کرو۔ پوچھتے جاؤ۔ خدا کی بات میں کچھ غلطی ہو ہی نہیں سکتی ہاں ممکن ہے کہ میری بات یا میری سمجھ میں غلطی ہو جاوے۔ میں بھی انسان ہوں۔ جس طرح تم غلطی میں پڑ سکتے ہو میں بھی پڑ سکتا ہوں۔ میرے اُسی قدر کلام میں غلطی نہیں ہوتی جس قدر کہ مجھکو وحی آئی ہے یہ سب باتیں میں نے وحی سے نہیں کہیں بلکہ خود اپنے میں اور تم میں دیکھ دیکھ کر کہی ہیں اور ہر شخص ان باتوں کو اگر اُسکو خدا دیکھنے کے لایق آنکھ دے خود دیکھ سکتا ہے ÷

دادا جان خدا نے یہ کیا کہا کہ میں نے شیطان کو آگ سے پیدا کیا اور پہلے فرشتوں میں تھا پھر مردود کر دیا۔ وہ تو ایک قوت خود ہم میں ہے ÷

بیٹا تمام قوائے انسانی پر جس میں وہ سرکش قوت بھی داخل تھی فرشتوں کا اطلاق کیا گیا اور جب اُس ایک قوت کا سرکش ہونا بتایا گیا تو اُسکو اُن میں سے علیحدہ کر کر شیطان بتایا پس یہی اُس کا مردود ہونا اور فرشتوں میں سے نکالا جانا ہے ÷

اب تم خود اپنے میں غور کرو کہ تمہارے قوے کی ترکیب میں ایک قسم کی حرارت ہے جسکو کوئی حرارت غریزی اور کوئی مادہ الکٹرسٹی کہتا ہے۔ اُس تمام حرارت کا سرجوش وہ قوت ہے جسکو قوت سرکش یا شیطان بتایا ہے پس وہ قوت سب سے اوپر ہے اور باقی قوتیں اُس سے نیچے پس شیطان کا یہ کہنا کہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین بالکل ٹھیک اور مطابق واقع کے ہے مولوی جیسا جو یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی روٹی پکانے کے چولھے کی آگ سے شیطان بنا یا ہے یہ اُن کی ناوانی ہے ÷

بھلا دادا جان جس درخت کے کھانے سے خدا نے منع کیا تھا وہ کیا قوت تھی - اور اُس کا کھانا یا استعمال میں لانا کیا حالت تھی ؟

بیٹا وہ قوت عقل و علم ہے - کیونکہ علم کے لیئے عقل کا ہونا بھی لازم ہے اور جب انسان اُس حد کو پہونچتا ہے کہ اُس قوت کو استعمال میں لانے کے قابل ہو جاوے - اُس حالت کا نام انبیاء کی زبان میں شجر ممنوعہ کا کھانا چکھنا ہے اور زبان شرع میں اُس کا مکلف ہونا اور زبان حکماء میں اُس کا بالغ ہونا ہے ◆

دادا جان یہاں تو بڑی مشکل پیش آئی - اس لیئے کہ انسان کا چھٹپنے سے بڑا ہونا اور عقل و تمیز کی حالت تک پہونچنا ایک ضروری اور لازمی بات ہے - اگر انسان زندہ ہے تو خواہ نخواہ اُس حالت تک پہونچتا ہے پھر خدا کا اُس درخت کے کھانے سے منع کرنے کا اور انسان کا اُس کو کھا لینے کا اور خدا کی نافرمانی کر کر گنہگار ہونے کا کیا مطلب ہے ؟

بیٹا تم نے نہایت عمدہ بات کہی - تمہاری عقلمندی سے میں بہت خوش ہوا - جو کچھ تم نے کہا یہ سب سچ ہے - مگر اس مقام پر ایک نہایت عمدہ اور مشکل مسئلہ جبر و قدر کا نہایت خوبی اور سہل تمثیل سے حل کیا گیا ہے ◆

بعضے لوگ خیال کرتے ہیں کہ انسان بالکل مجبور ہے خواہ نخواہ اُسکو وہی باتیں کرنی پڑتی ہیں جو اُس کے لیئے مقرر ہو چکی ہیں اور بعضے خیال کرتے ہیں کہ وہ خود مختار اور اپنے تمام افعال پر قادر ہے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے بعضے خیال کرتے ہیں کہ نہ مجبور ہے نہ قادر ہے بین الجبر والاختیار ہے جیسے ایک مچھلی والے نے ایک بادشاہ کو مچھلی نذر کرتے وقت اس خیال سے کہ بادشاہ اس کا جوڑا نہ مانگے کہا تھا کہ یہ مچھلی مخنث ہے - اس مقام پر خدا تعالیٰ کو یہ بات بتلانی تھی کہ جو قوتیں کہ انسان کو خدا نے دیئے ہیں وہ خود اُن کا مالک و مختار ہے اور اُن سب کو خود کام میں لا سکتا ہے پس خدا کے منع کرنے اور انسان کا اُس کے کھا لینے سے انسان کا اُن قوتوں پر جو اُس کو دیئے گئے ہیں قادر ہونا اور اُن کے استعمال کی خود قدرت رکھنا بتایا گیا ہے اور چونکہ اُس حالت تک پہونچنا اور عقل و تمیز حاصل کرنا انسان پر گناہ ہونے کا سبب ہے اس لیئے خدا نے فرما دیا کہ اُس حالت پر پہونچنے کے بعد آدم گنہگار ہوا -

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود
آدم آورد دریں دیر خراب آبادم

السعید من سعد فی بطن امہ والشقی من شقی فی بطن امہ نہایت صحیح اور سچا قول ہے۔ جو کچھ اس وقت تم انسان کی حالت دیکھتے ہو اچھی یا بری یہاں تک کہ نبیوں کی نبوت اور عابدوں کی عبادت۔ زاہدوں کا زہد معشوقوں کا حسن۔ عاشقوں کا عشق۔ شاعروں کی شاعری۔ فاسقوں کا فسق۔ کافروں کا کفر۔ یہ سب وہ اپنی ماں کے پیٹ میں سے لیکر نکلے ہیں پس نبی کو نبوت اور عابد کو عبادت اور زاہدوں کو زہد۔ معشوقوں کو حسن۔ عاشقوں کو عشق۔ شاعروں کو شاعری۔ فاسقوں کو فسق۔ کافروں کو کفر لازمی اور ضروری ہے کہ بے ہوئے رہ ہی نہیں سکتا۔ جو شخص جو کچھ اپنی ماں کے پیٹ سے لایا ہے وہ اُسی کو گاتا ہے ٭

انبیاء یوں فرماتے ہیں کہ انا نبی و آدم بین الماء والطین ٭

سعدا یوں کہتے ہیں کہ انا سعید و آدم بین الماء والطین ٭

اشقیا کا یہ قول ہے کہ انا شقی و آدم بین الماء والطین ٭

اور ہمارا یہ قول ہے کہ انا احمد و آدم بین الماء والطین ٭

مگر نہ عابد کی نجات عبادت پر ہے اور نہ فاسق کی درکات اُس کے فسق پر بلکہ انسان کی نجات صرف اس پر ہے کہ جو قوی خدا تعالیٰ نے اُس میں رکھے ہیں اور جس قدر رکھے ہیں اُن سب کو بقدر اپنی طاقت کے کام میں لاتا رہے اگر قوائے بہیمیہ اُس پر غالب ہیں اور قوائے ملکیہ کمزور تو اُن کمزور قویٰ کو بیکار نہ چھوڑے اُن کو بھی کام میں لاتا رہے کہ یہی اُن گناہوں کا علاج ہے جس کو انبیاء کی زبان میں توبہ اور کفارہ کہتے ہیں اور جس کو شارع نے ان عمدہ لفظوں میں کہ التائب من الذنب کمن لاذنب لہ بیان فرمایا ہے پس مشکل اور باریک مسئلہ تھا جو اس آسان اور عام فہم تمثیل میں خدا نے فرمایا ٭

(۱۰) اجی حضرت خدا کا شکر ہے کہ ہم بھی ان حقایق و معارف کو آپ کی زبان مبارک سے سنتا اپنی ماں کے پیٹ سے لیکر نکلے تھے۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ آدم کا زمین پر نایب کرنا اور فرشتوں کا تکرار کرنا اور خدا کا آدم کو سب چیزوں کا نام سکھانا کیا معنی ہیں ٭

بیٹا نہیں موجود ہے۔ انسان موجود ہے۔ دیکھو کہ زمین کی تمام مخلوقات میں زمین کی بادشاہت اور خدا کی نیابت کس کو ہے۔ کیسے فرشتے کیسی تکرار۔ یہ تو خطابیات کی قسم سے بیان ہے قویٰ جس شکل میں ہمیشہ وہی کام کرتے ہیں جس کے لیے وہ مخلوق ہیں لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون مگر انسان ہی ایسی مخلوق ہے کہ وہ نیکی بھی کر سکتا ہے اور بدی بھی پس

خدا نے اس مقام پر انسان کی حقیقت بیان کردی کہ وہ کیسے کیسے سخت گناہوں کے کرنے پر قادر ہے مگر اُسی کو نایب کرنے کی وجہ کو بھی بتایا کہ وہ قابل تعلیم ہے اور اُسکی غلطیاں اصلاح کے قابل ہیں۔ اور وہ ایسے اعلےٰ درجہ تک ترقی کر سکتا ہے جہاں فرشتوں کا بھی مقدور نہیں کیونکہ اُن میں جو بات ہے اُس سے زیادہ ترقی کی قوت اُن میں نہیں ہے۔ قالوا سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا۔ خدا نے آدم کو تمام چیزوں کے نام اس طرح پر نہیں سکھائے تھے جس طرح کہ اُما بچے کو سکھاتی ہے بلکہ تمام چیزوں کا سکھانا وہ ملکہ علم انسان میں ودیعت کرنا ہے جس سے آج ہم بقدر اپنی طاقت کے خدا کی خدائی کے کارخانوں پر فکر کرتے ہیں اور جہاں تک ہو سکتا ہے اُسکو جانتے ہیں ✣

تم خود اپنے حال پر خیال کرو کہ تم میاں جی سے یا مولانا صاحب سے پڑھتے ہو اور فضیلت کی دستار مُبارک سر پر باندھ لیتے ہو۔ کیا میاں جی صاحب یا جناب مولانا صاحب تمکو سب کچھ پڑھا دیتے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ ایک ملکہ تم میں حاصل ہوتا ہے جس سے تمام عالم کہلاتے ہو۔ پس خدا جو اُس ملکہ کا تم میں پیدا کرنے والا ہے اگر یوں کہے کہ وعلم آدم الاسماء کلہا تو کونسی اس میں مشکل بات ہے ✣

بھلا دادا جان یہ تو ہوا مگر یہ تو فرمائیے کہ آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔ یہ نام سکھانے سے کیا مطلب تھا ✣

اے بیٹا۔ یہی تو خدائی کا بھید ہے۔ خدا بڑا اُستاد ہے۔ پچھلا داؤں ہمیشہ اُٹھا رکھتا ہے اس لفظ میں یہ بھید ہے کہ خدا نے انسانوں کو حقیقت اشیا کچھ نہیں بتلائی۔ انسان سب کچھ بتلا سکتا ہے مگر حقیقت اشیا نہیں بتلا سکتا۔ پس جب حقیقت نہیں بتلا سکتا تو جو کچھ وہ بتلاتا ہے صرف اسما ہیں نہ حقایق۔ اسی لیئے خدا نے فرمایا وعلم آدم الاسما کلہا ✣

دادا جان آپنے تو یہ ایسی بات کہی کہ دل میں کھب گئی۔ اب تو بالکل دل کو تسلی ہو گئی مگر ایک شبہ پھر دل میں اُٹھا کہ خدا نے ایک ایسا قصہ بیان کیا جو حقیقت میں واقع نہ ہوا تھا اگر ادب سے ہم کچھ نہ کہیں تو نہیں مگر دل میں تو ہم ضرور کہینگے کہ جھوٹ یا فرضی قصہ ہے ✣

استغفر اللہ۔ کیا حماقت کی بات تم نے اس وقت کہی جو کوئی اس بیان کو قصہ یا حکایت سمجھے وہ خود نادان ہے۔ نہ یہ قصہ ہے نہ حکایت ہے۔ بلکہ خدا نے اصلی حالات فطرت انسانی کو جسے اس زمانہ کے حکما نیچر کہتے ہیں خود انسان کی فطرت کی زبان حال سے بیان کیا ہے جو ایک نہایت عمدہ

اور فصیح اور موثر طریقہ بیان کا ہے جو لوگ اس سے ہدایت پانے کا دل رکھتے ہیں ہدایت پاتے ہیں۔ جو نہیں رکھتے وہ گمراہ ہوتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ۔ یضل بہ کثیراً ویھدی بہ کثیرا ✦

پس تمام عبادت اور تمام شکر اور تمام انسانیت یہی ہے کہ انسان اپنے تمام قوے کو جو خدا نے اسکو دئیے ہیں کام میں لاتا رہے اور اسی طرح پر کام میں لاوے جس طرح کہ اُن کا کام میں لانا اُن کے صانع کی مرضی ہو اور اُس مرضی کے انسان پر ظاہر ہونے کا خدا تعالیٰ نے ان لفظوں سے وعدہ کیا ہے۔ اھبطوا منھا جمیعاً فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ✦ والذین کفروا وکذبوا بایتنا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ✦

خط

نوشتہ سیّد احمد

بنام

مولوی سیّد مہدی علی صاحب

محبی مہدی۔ مَیں نے آپ کا مضمون جس کا عنوان "سوال وجواب" ہے دیکھا اور اسطرح بےقصد دل سے اُٹھنے والے شوق سے وجد کیا جس طرح کہ آدم نے انجان جانب کارخدا کی بات پر وجد کیا تھا۔ زندہ باشی وجانمن باشی۔ آمین۔ مگر مَیں ایک بات پر آپ کی توجہ چاہتا ہوں کہ آپنے تاویل الفاظ قرآن مجید کی اُن کے مدلول ظاہری سے یا اُن مدلولات سے جو لوگوں نے اپنے خیال میں اُن الفاظ کا مدلول ٹھہرا رکھا ہے مگر اُس کی تصریح قرآن مجید میں نہیں ہے۔ پانچ حالتوں میں جائز رکھی ہے یا لاباس بہ تصور کیا ہے یا اُس تاویل کو انکار جزو قرآن قرار نہیں دیا اور یہ بالکل حق اور سچ ہے آمنا وصدقنا۔ چنانچہ ایک مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں کہ "اگر الفاظ اور کلمات کے لفظی معنی مراد لینے سے مخالفت قرآن کی کسی امر موجودہ واقعیہ سے ہوتی ہو تو ظاہری

معنی مراد نہ لیئے جاوینگے" اور دوسرے مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں کہ "اسمار موجودات سے جن کا ذکر قرآن میں بلا تشریح اُن کی حقیقت کے ہے وہ حقیقت مراد نہ لینا جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہو اور جس کا ثبوت نہ کتاب و سنت سے ہوتا ہو اور نہ جس کے اثبات پر سوائے اوہام و ظنون کے کوئی عقلی دلیل ہو تو اُن اسمار سے موافق قرینہ مقام کے کوئی ایک وجود مراد لینا منجملہ وجود خارجی یا حسی یا خیالی یا عقلی یا تشبیہی کے جائز ہے یا انکار جزو قرآن سے نہیں ہے" جزاك الله فی الدارین خیرا +

اب خیال کرو کہ قرآن مجید میں شیطان کا لفظ یا نام آیا ہے - مگر اُس کی حقیقت و ماہیت کچھ بیان نہیں ہوئی - یہودیوں نے اور مشرکین عرب نے اُس کی ایک صورت و حقیقت اپنے ذہن میں سمجھ رکھی تھی اور بعض قوموں نے ظلمت و نور کو اور بعضوں نے اهرمن و یزدان کو شیطان اور خدا سمجھ رکھا تھا اور علی ہٰذا القیاس ہر ایک قوم نے اپنے اپنے خیالات کے موافق شیطان کی ایک حقیقت سمجھ رکھی تھی یا قرار دی تھی - قرآن مجید میں یہ نام تو آیا مگر اُسکی حقیقت یا ماہیت کچھ بیان نہیں ہوئی +

البتہ ہم اُس کی کچھ صفات قرآن مجید اور بعض احادیث سے پاتے ہیں - بڑی صفت اُسکی جو بمنزلہ ذاتیات کے ہے اور جس سے گویا اُسکی حقیقت یا ماہیت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ صرف مغوی آدم ہی نہیں تھا بلکہ وہ تاقیامت مغوی للانسان علی المعصیۃ ہے - کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ قال فبعزتك لاغوینهم اجمعین اور یہ کہ وہ ہمارے بدن میں ہمارے خون کے ساتھ پھرتا ہے کما روي عن رسول الله صلی الله علیه وسلم الشیطان یجري من الانسان مجری الدم اور یہ کہ وہ ہم میں اور ہماری نماز میں خواہ نماز کا وجود موجود فی الخارج سمجھو یا نہ سمجھو حائل ہو جاتا ہے - کما روي عنه صلعم الشیطان حال بیني وبین صلاتي یس یہی اوصاف حمیدہ اُن بزرگ ذات کے ہیں جو ہمکو شارع نے بتلائے ہیں +

اب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ مثل اہل جنت کے لفظ شیطان سے ایک وجود مستقل موجود فی الخارج مراد لیں کیونکہ حتی المقدور ہر اسم سے اُسکے مسمی کا موجود بوجود مستقل موجود فی الخارج سمجھنا چاہئیے لیکن اس سمجھنے کیلیے ضرور ہے کہ حقیقت اُس کا ایسا وجود ہونے کے لیئے اُسکے ایسے وجود کا ثبوت قطعی واقعی بھی چاہئیے کیونکہ صرف نام سے خیالی بھی تسلیم کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ اگر اُس کا وجود خارجی ثابت نہ ہو سکیگا تو لامحالہ وجود خیالی یا عقلی یا تشبیہی قرار دینا پڑے گا جیسا کہ آپ نے اصول مختو پنجگانہ میں قرار دیا ہے +

اَب ان صفات شیطان کا جو ہمارے پاک خدا اور سچے پیغمبر نے بتلائی ہیں ہم اپنے میں اثر تو پاتے ہیں مگر کسی وجود خارجی کو نہیں پاتے۔ دن رات ہمکو شیطان بہکاتا ہے اور گناہوں میں پھنساتا ہے۔ مگر کوئی وجود خارجی محسوس نہیں ہوتا بلکہ ہم بالیقین پاتے ہیں کہ خود ہم ہی میں ایک قوت ہے جو ہمکو سیدھے رستے پر پھیرتی ہے۔ ہمکو بے انتہا ترغیبوں سے بہکاتی ہے شیطان سمجھکر اُسکی ڈاڑھی پکڑ لیتے ہیں اور زور سے طمانچہ مارتے ہیں۔ مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو اپنی ہی سفید ڈاڑھی اپنے ہاتھ میں اور اپنا ہی گال لال دیکھتے ہیں +

پس گر ہم شیطان کے لفظ سے وجود خارجی مراد لیں تو نہ تو مراد لے سکتے ہیں اس لیے کہ اُس کے وجود خارجی کا ثبوت واجب ہے حالانکہ کچھ ثبوت نہیں اور نیز امور موجودہ واقعیہ کے برخلاف ہے کیونکہ اُسکی صفات منصوصہ کا اثر ہم کسی دوسرے وجود سے نہیں پاتے بلکہ خود اپنے آپ میں پاتے ہیں اور نیز کتاب و سنت سے اُس کے وجود خارجی کا ثبوت نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف اوہام و ظنون سے لوگوں نے اُس کا وجود خارجی ٹھہرایا ہے۔ اس لیئے واجب ہے کہ منجملہ اقسام وجود کے سوائے وجود خارجی کے اور کسی قسم کا وجود شیطان کا سمجھا جاوے فتدبر والسلام +

خط

نوشتہ سیّد احمد

بنام

مولوی سیّد مہدی علی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

پیارے مہدی۔ افسوس آپنے مجھ کو بہت انتظار میں رکھا اور میرے خط کا جو ابن التبیخ الثانی کے نے تہذیب الاخلاق میں چھپا کچھ جواب نہ دیا۔ یہ نہ کھلا کہ میں خطاب کے لائق نہ تھا یا میرا خط لاجواب تھا +

میرے پیارے مہدی میں آپ کو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ جو خراب اثر مشرقی طریقہ تعلیم کا

انسان کے دل اور طبیعت پر ہوتا ہے اُس سے آپ کبھی امین نہ رہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ نبی آخر الزمان صلعم کو امی محض رکھنے میں کیا حکمت تھی۔ یہی حکمت تھی کہ نیچرل فیض جو اندرونی چشموں کا جاری رہتا ہے اُسکو کوئی بیرونی چیز مزاحم نہ ہو اور جو کچھ باہر نکلے خالص بے میل ہو۔ پس آپ ہمیشہ نیچر کے سرچشمہ کے جاری رکھنے پر متوجہ رہا کریں اور جس علم کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ العلم حجاب الاکبر اُس کے پیرو ہرگز نہو دیں ❖

مجھے یقین ہے کہ آپ کا دل یہ بات کہتا ہوگا کہ لفظ شیطان سے اگر کوئی وجود خارج من الانسان مراد لیجاوے تو ضرور قرآن مجید کو نعوذ باللہ غلط یا خلاف واقع ماننا پڑے گا کیونکہ حقیقت میں کوئی وجود خارجی مغوی للانسان موجود نہیں ہے ❖

اور یقینی آپ کا دل اس بات پر بھی گواہی دیتا ہوگا کہ شیطان کے وجود خارجی ہونیکا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے جو لوگ اُس کے قایل ہوئے ہیں اُنھوں نے خود اپنی ہی صورت آئینہ میں دیکھی ہے ❖

اور یقینی آپ کا دل اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہوگا کہ جو لوگ شیطان کے وجود خارجی کا دعویٰ کرتے ہیں اُس کا اثبات اُنہی کے ذمہ ہے۔ اور اُن لوگوں کی دلیلوں کو جو اُس کے وجود خارجی سے منکر ہیں ناقص کہدینا اور اُن سے مخالفت کرنا اور اُن کی سمجھ اور فہم پر افسوس کرنا کافی نہیں ہے ❖

اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ نے جو یہ الفاظ ارقام فرمائے ہیں کہ "وجود جسمانی سے شیطان کے انکار کرنا کفر نہیں ہے گو بڑی غلطی اور نادانی ہے" آپ کو اس تحریر سے نہایت افسوس ہوا ہوگا پس ہمیشہ ایسی بات کہا کرو اور کیا کرو کہ جس کے بعد افسوس نہ ہو ❖

اب یہ دوسرا خط میں آپکو آدم کے قصہ کی نسبت لکھتا ہوں۔ ممکن نہیں ہے کہ جو کچھ قرآن مجید میں لکھا ہے اُس سے بیان حال کے سوا اور کچھ مراد لیجا سکے یا سمجھی جا سکے ❖

پہلی بسم اللہ قرآن مجید میں لفظ قال کا بہ نسبت خدا اور فرشتوں اور شیطان کے آیا ہے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ ان تینوں جگہ لفظ قال کا اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہے کیونکہ کوئی شخص خدا کے قول کو مثل اقوال انسان مرکب صوت والفاظ سے یقین نہیں کر سکتا اور غالباً اقوال فرشتگان و شیطان کے بھی اس قسم کے نہونگے۔ پس اب لفظ قال سے کوئی اور معنی مراد لو۔ بمجرد ترک کرنے معنی حقیقی کے جو کچھ کہ آدم و شیطان اور فرشتوں کی نسبت بیان ہوا ہے وہ قصہ اور حکایت

نہیں رہنے کی بلکہ صرف حال رہجاویگا۔ وما ھو[3] الا ما الھمنی ربی۔

پھر لفظ شجر کا قرآن مجید میں موجود ہے کیا حقیقت میں وہ ایسا ہی درخت تھا جیسا الّو یا الی اور کلو کسان بویا کرتا ہے اور جیسکہ حقیقی معنی لفظ شجر کے ہمارے خیال میں آتے ہیں۔ غالباً اسکا تو آپ قرار نکرینگے بلکہ کوئی اور مراد شجر سے لوگے۔ پس جہاں آپنے لفظ شجر سے اُس کے حقیقی معنی یا الّو اور کلو کا بویا ہوا درخت مراد نہ لیئے تو صرف وہ ایک تمثیل رہ جاوے گی۔ وما ھو[4] الا ما الھمنی ربی۔

کیا سچ مچ آپ یہ یقین کرتے ہیں کہ لفظ فبدت لھما سوأتھما سے حقیقت میں یہی مراد ہے کہ نعوذ باللہ حضرت آدمؑ کی وہ چیز گول گول و لمبی لمبی دیکھائی دینے لگی تھی۔ کیا حقیقت میں اُس سے حضرت حواؑ کی شرمگاہ مراد ہے۔ اگر ان الفاظ کو آپ اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل سمجھتے ہیں تو کس قدر رنج اور غم کی بات ہے کہ آپ سا آدمی جو مہدی ہذالزمان ہو مفسروں اور ترجمہ نویسوں کی ایسی بلادت کی پیروی کرے۔ کیا لفظ "سوءۃ" کے اور معنی عرب کی زبان میں نہیں[1] ہیں اور کیا یہ لفظ اور معنوں میں مستعمل نہیں ہوتا ہے۔ اسی سورت میں ان ہی لفظوں کے بعد خدا تعالی فرماتا ہے یا بنی ادم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوأتکم وریشا ولباس التقوی ذلک خیر ذلک من ایات اللہ لعلھم یذکرون۔ یا بنی ادم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنھما لباسھما[2] لیریھما سوأتھما[3] انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یؤمنون۔ یعنی اللہ تعالے سورہ اعراف میں فرماتا ہے کہ "اے آدمؑ کے بچو تمکو شیطان نہ بہکادے جس طرح کہ تمہارے ماں باپ کو بہشت میں سے (بہکا کر) نکالا چھین لیا اُن سے اُن کا لباس (یعنی لباس تقوی) تاکہ دکھاوے اُن کو اُن کی بُرائیاں بے شک وہ اور اُس کا کنبہ تمکو دیکھتا ہے اس طرح پر کہ تم اُن کو نہیں دیکھتے

---

[1] فی القاموس السوءۃ الفرج والفاحشۃ والخلۃ القبیحۃ۔
فی التفسیر الکبیر بدو العورۃ کنایۃ عن سقوط الحرمۃ وزوال الجاہ والمعنی ان غرضہ من القاء تلک الوسوسۃ الی آدم زوال الحرمۃ وذھاب منصبہ۔ الخ

[2] ای لباس تقویھما بدلیل قولہ تعالی ولباس التقوی ذلک خیر۔

[3] ای الخلۃ القبیحۃ التی کانت مستورا فیھما۔

بے شک ہمنے شیطانوں کو اُن لوگوں کا مربی کیا ہے جو ایمان نہیں لائے "؛
پس اِن تمام آیتوں کو ملاؤ اور غور کرو کہ یہ سب تشبیہ و استعارہ ہے - ان سے معنی حقیقی مراد نہیں ہیں جیسا کہ اَور علماء نے بھی تسلیم کیا ہے - پس اب تمثیل ہونے میں کیا باقی رہ گیا وما ھو الاما الھمنی ربی +
بھائی مہدی - برائے خدا آپ ذرا انصاف کریں کہ قرآن مجید کے یہ معنی لینے کہ جب آدم و حوا نے گیہوں کے درخت کا پھل کھا لیا تو اُن کے اعضا مخصوصہ دکھائی دینے لگے - قرآن مجید کی خوبی اور اُس کے ادب اور اُس کے حکمت سے بھرے ہوئے ہونے پر یقین کرنا ہے یا یہ معنی لینے کہ اُس قوت کی ترغیب نے ظاہر کر دیا کہ انسان میں خدا کی نافرمانی کرنے کی بُرائی ہے قرآن کی بندگی اور اُس کی عزت اور اُس کا حکمت و معرفت سے بھرا ہوا ہونا یقین کرنا ہے - اگر پہلے ہی معنی سچ ہوں تو مجبوری سے کہنا پڑے گا کہ "سخن فہمی عالم بالا معلوم شد" حضرت کو پھکڑ بولنے بھی نہیں آتے چہ جائے خدائی کجا گیہوں آنا اور کجا اعضائے مخصوصہ کا دکھائی دینا - نعوذ باللہ منہا +
خدا کی عظمت و شان کو خیال کرو اور پھر قصہ آدم کو دیکھو اور کہو کہ تمہارا دل یقین کرتا ہے کہ خدا میں اور فرشتوں میں ایسی تکرار اور مناظرہ ہوا ہو جیسا کہ الفاظ ظاہری سے سمجھا جاتا ہے پس اگر اُن الفاظ کے وُہی معنی ہوں تو خدا میں اور فرشتوں میں خدائی اور بندگی کا ہیکو ہوئی بھٹیارون کی تُو تُو میں میں ہوئی - اگر یہ سچ ہو تو ہمکو اپنے نوکروں کی بھی شکایت نہیں رہنے کی کیونکہ خدا کے نوکر ہمارے نوکروں سے بھی زیادہ تڑتے ہیں +
اس تمام قصہ سے اگر وہی ظاہری معنی مراد ہوں تو خدا کے علو مرتبہ اور تقدس اور تنزیہ میں بٹا لگتا ہے پس اُسی اصول سے جو آپ نے قایم کیا ہے کہ ایسی حالت میں عدول معنی حقیقی سے ضرور ہے یہ تمام قصہ تمثیلی رہ جاتا ہے : اہلی - وما ھو الاما الھمنی ربی +
اور اگر آپ نے اس بات کا یقین کر لیا ہے کہ (اور میں یقین کرتا ہوں کہ یقین کر لیا ہے) شیطان کا کوئی وجود خارج من الانسان نہیں ہے تو سرگذشت آدم کی تمثیلی اور بیان حال ہونے میں کچھ کلام ہی نہ رہیگا - وما ھو الاما الھمنی ربی +
آپ کی تحریر میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "قرآن مجید میں جنت اور آدم اور درخت کے کھانے اور ملائکہ کے سجدہ کرنے وغیرہ کا ذکر ہے - مگر اُن کی کچھ زیادہ ترحقیقت خدا نے نہیں بتائی کہ وہ درخت

کیا تھا اور کھانے سے کیا مراد ہے" اور پھر اُس کے بعد ارقام فرماتے ہو کہ "اگر ایسی تاویل نصوص صریحہ کی کیجاوے تو بالکل اعتبار ظاہر شریعت سے اُٹھ جاوے - بھائی یہاں ذرا انصاف کرو کہ خود ہی لکھتے ہو کہ ان چیزوں کی کچھ زیادہ تر حقیقت خدا نے نہیں بتائی اور پھر اُن کو نصوص صریحہ کہتے ہو جب اُن کی حقیقت ہی نہیں بتائی تو وہ نصوص صریحہ کیونکر ہوئیں - فتدبر ۞

خدائے تعالےٰ نے قرآن مجید تمام انسانوں کے لیئے نازل کیا ہے جن میں ہر درجہ علم و عقل و فہم کے لوگ شامل ہیں اور معجزہ قرآن یہ ہے کہ مضامین دقیق اور مسائل حکمیہ نیچریہ ایسے لفظوں میں بیان کیئے ہیں کہ ہر درجہ کے لوگوں کو یکساں نتیجہ اور یکساں روحانی تربیت حاصل ہوتی ہے ۞

اس کی تصدیق سرگذشت آدم سے بخوبی حاصل ہے - انسان کا نیچر جن قوتوں سے بنا ہے اور جو جو قوتیں بھلائی اور بُرائی کی اُس میں رکھی ہیں اور جس طرح کہ وہ اُن قوتوں پر قادر ہے اور جس طرح کہ وہ اُن قوتوں کے سبب سے مجبور ہے اُن کا بیان کرنا اور ہر درجہ کے لوگوں کو یکساں نتیجہ روحانی تربیت کا پہونچانا ایسا مشکل کام تھا جو انسان کی طاقت سے باہر تھا - یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اُسنے اُسکو ایسے لفظوں میں بیان کیا ہے کہ اگر عام آدمی یہ سمجھ لیں کہ انسان ایک وجود ہے اور شیطان ایک وجود علیحدہ ہے جو ہمکو نہیں دکھائی دیتا پر ہم کو وہ دیکھتا ہے اور ہمکو اس طرح چپکے سے بہکا دیتا ہے کہ ہم نہیں جانتے اور ہمکو گناہوں میں پھنسا دیتا ہے پس ہمکو چاہیئے کہ ایک لمبی تسبیح مثل شیطان کی دم کے لیکر لاحول پڑھتے رہیں اور دل کو اُسکے پھندے میں نہ آنے دیں بلکہ خدا کی فرمانبرداری اور عبادت میں مصروف رہیں تو اس سمجھ سے بھی وُہی نتیجہ اور روحانی تربیت حاصل ہوگی جس طرح کہ ایک دانا نیچرل اسٹ اُس کی حقیقت کو خیال کرے اور سمجھے کہ وہ سب انسان کے نیچر کا بیان ہے جو تمثیلی لفظوں میں انسان کے نیچر کی زبان حال سے بیان ہوا ہے - پس اس طرح سے بیان کرنا ایک بہت بڑا معجزہ قرآن مجید کا ہے - مگر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ نے اسکو بدعت لکھا ہے - اگر حقیقت اسلام اور اسرار دین بدعت ہے تو معلوم نہیں کہ ہدایت کیا ہوگی ۞

آپ خیال کیجیئے کہ عُلماء سابقین اسلام کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اس قسم کے مطالب کا بیان کمتر کرتے تھے - کچھ تو اُن کو بسبب شدت اتقا اور خوف معصیت کے یہ وہم ہوتا تھا کہ جو کچھ حقیقت ہم سمجھے ہیں شاید وہ حقیقت نہ ہو اور خدا کی مراد وہ نہو اور اُس کے بیان سے ہم گنہگار ہوں اور کچھ اُن کو یہ خیال تھا کہ اُن باتوں کی حقیقت بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے - کم علم اور جاہل جو بکثرت ہیں وہ اُنہی لفظوں سے کافی روحانی تربیت حاصل کرتے ہیں اور جو عالم ہیں جیسے امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ

وہ خود اُن کی حقیقت جانتے ہیں اورکافی روحانی تربیت پاتے ہیں ان خیالات سے اُنھوں نے اُنہی الفاظ کو بیان کردینا مناسب سمجھا جو قرآن مجید میں ہیں اور اُن کی مراد کی نسبت کہدیا کہ خدا کو معلوم ہے۔ ہم تو کلام خدا پر ایمان لائے ہیں اور جو اُسکی حقیقت خدا کے علم میں ہو وُہی ہمارا ایمان ہے ✦

مگر اُن کا زمانہ ایسا تھا کہ لاادری کہکر اُن کا پیچھا چھوٹ گیا مگر ہمارا زمانہ ایسا نہیں ہے۔ تمام علوم گو ہم میں نہ سہی مگر دوسری قوموں میں بدرجۂ اعلےٰ پہونچ گئے اور پہونچتے جاتے ہیں حقایق اشیا روز بروز واضح ہوتی جاتی ہیں اور جہاں تک بغیر کسی شک کے معلوم ہوگئی ہیں وہ درجہ یقین پر پہونچ گئی ہیں۔ پس اس زمانہ میں کسی بات کے مدعی کو دعویٰ کرنا اور پھر لاادری کہدینا کافی نہیں ایسا کرنا خود اپنی ہنسی اوڑانا ہے بلکہ ہر بات کا ثبوت اور کافی تسلی بخش بیان چاہیئے اس لیئے جو لوگ دعویٰ اسلام کرتے ہیں اُن کا کسی مسئلہ اسلامی کی نسبت لاادری کہنا خود اپنی حماقت ظاہر کرنا ہے۔ پس اس زمانہ میں ضرور ہے کہ دھوکہ کی ٹٹی کو اُٹھا ڈالا جاوے اور تمام مسائل اسلام کی حقیقت علانیہ بیان کی جاوے تاکہ اُسکی روشنی آفتاب کی طرح چمکے اور اسرار دین سب کو معلوم ہوں اور لوگ یوں کہنے لگیں۔

سرّ خدا کہ عارف و عابد بکس نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

ایک خط جناب مولوی عبیداللہ صاحب عبیدی کا اِسی قصۂ آدم کی نسبت میرے پاس آیا ہے۔ اُسکی نقل آپ کے ملاحظہ کے لیئے اسمیں شامل ہے ✦

اب کسی فرصت کے وقت تیسرا خط آپ کو عیسائیوں کے گردن مروڑی مرغی کی نسبت لکھونگا اور اُمید ہے کہ آپ مثل ان دونوں خطوں کے اُسکو بھی منصفانہ اور محققانہ تصور فرماوینگے ✦

خدا آپ کو خوش رکھے اور اپنا محبوب گو کہ ہم رشک کیا کریں۔ والسلام ✦

عقاید مذہب اسلام

عقیدۂ اوّل

تمام موجودات کا خالق یا اُن کے وجود کا سبب اخیر یا علت العلل کوئی ہے اور اُسی کا

نام ہے اللہ ؛

مذہب اسلام کا سب سے پہلا یہ عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا کوئی خالق ہے ۔ یہ سب کچھ جو موجود ہے اور جس کو ہم کسی طرح جان سکتے ہیں یا سمجھ سکتے ہیں یا خیال کر سکتے ہیں ایک ایسے سلسلے سے مربوط ہے کہ ایک کا وجود دوسرے پر اور دوسرے کا تیسرے پر منحصر ہے ۔ پس ضرور ہے کہ یہ سلسلہ کسی غیر وجودیا علت یا سبب پر منتہی ہو اور جس پر یہ منتہی ہو وُہی خالق اور خدا اور رب العالمین ہے ؛

اس بات پر یقین نہیں ہو سکتا کہ یہ سب کچھ جو موجود ہے خود آپ ہی اپنے وجود کی آپ علت ہے ۔ اگر موجودات میں سے ہر چیز اپنے وجود میں کسی دوسرے وجود کی محتاج نہ ہوتی یا کسی کا وجود کسی دوسرے وجود کا معلول نہ ہوتا تو شاید ہم ایسا یقین کر سکتے ۔ مگر جبکہ ہر ایک چیز کو کسی علت کا معلول پاتے ہیں تو اُنہی چیزوں کے مجموعہ کو کس طرح کسی علت العلل کا معلول نہ سمجھیں ؛

تمام چیزیں جو بوجود حقیقی موجود ہیں نہ ممتنع ہیں نہ قابل عدم ۔ اگر وہ ممتنع ہوتیں تو موجود کیوں ہوتیں اور اگر قابل عدم ہوتیں تو کبھی غیر موجود بھی ہوتیں ؛

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی موجود حقیقی کبھی معدوم نہیں ہوتا صرف عوارض یا صور کا تبدل ہوتا رہتا ہے ۔ پانی ہوا ہو جاتا ہے ہوا پانی بن جاتی ہے ۔ بہت سی چیزیں ہیں جو مٹی ہو جاتی ہیں اور پھر مٹی سے عجیب عجیب چیزیں پیدا ہوتی ہیں ۔ غرضکہ کوئی شئے معدوم نہیں ہوتی صرف عوارض یا صورت کا ادل بدل ہوتا رہتا ہے ۔ پس اگر تمام موجودات کے عوارض نوعیہ یا شخصیہ معدوم ہو جاویں تو جو کچھ باقی رہیگا وہ ناقابل عدم ہوگا ۔ وقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ کُلّ من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ؛

بلا شبہ اس بات کا فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ تمام موجودات کے عوارض نوعیہ وشخصیہ کے معدوم ہونے کے بعد جو وجود ناقابل عدم باقی رہیگا وہ کیا ہے اور وہ ایک ہوگا یا کئی ۔ مگر اس بات کے فیصل نہونے سے خالق کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس ناقابل عدم موجود کی حقیقت گویا اُسکی وحدت و کثرت کو خالق کے وجود کے ہونے یا نہونے سے کچھ تعلق نہیں ہے ؛

اگر وہ متعدد ہوں تو البتہ یہ سوال کرنا پڑے گا کہ قبول عوارض کی قوت خود اُنہی میں ہے یا کسی دوسرے موجود سے ہے ۔ خود اُنہی میں تو ہم اس لیئے نہیں مانتے کہ جب ہم تمام موجودات کو عوارض نوعیہ شخصیہ دیکھتے ہیں تو ایک کو دوسرے کا معاون پاتے ہیں پس اُن موجودات کے عوارض نوعیہ

شخصیت کے معدوم تصور کرنے کے بعد جو متعدد وجود ناقابل عدم باقی رہینگے ضرور وہ بھی ایک دوسرے کے معاون ہوں گے۔ مگر اُن کے ایسا ہونے کے لیئے بلا کسی علت مشترک کے کوئی وجہ نہیں ہے۔ اب کچھ شبہ نہیں رہتا کہ اُن میں اُس معاونت کی علت مشترک کوئی آور وجود ہو اور اُسی وجود کو ہم کہتے ہیں اللہ +

اور اگر وہ واحد ہو تو یہ سوال ہوگا کہ قبول عوارض کی قوت خود اُسی میں ہے یا کوئی دوسرا وجود اُسکی علت ہے۔ اگر اُسی میں ہو تو اُسی کا نام اللہ ہے۔ اور اگر دوسرا وجود اُسکی علت ہو تو اُسی علۃ العلل کا نام اللہ ہے +

کبراء اسلام کی رائے اس میں مختلف رہی ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ اُسی وجود ناقابل عدم میں دونوں قوتیں فعل و انفعال کی یعنی جس کو قوت قبول عوارض کہتے ہیں موجود ہیں اور اسی سبب سے وہ لوگ وحدت وجود کے قایل ہیں اور یوں کہتے ہیں۔

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ

خود برسرِ بازار خریدار برآمد۔ بشکست و رواں شد

اور بعضے کہتے ہیں کہ اُس قوت انفعال کی علت دوسرا وجود ہے اور اس سبب سے وہ لوگ وحدت شہود کے قایل ہیں مگر اصل یہ ہے کہ۔

اے برتر از خیال و قیاس گمان وہم

وز ہرچہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم۔

بہرحال اِن دونوں مسئلوں میں کوئی سا مسئلہ صحیح ہو اس اسلامی مسئلہ میں کہ تمام موجودات کا کوئی خالق ہے کسی طرح کا تبدل نہیں آتا +

وحدت شہود کے مسئلہ کو لوگوں نے کفر جانا ہے۔ وہ اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ اُس وجود ناقابل عدم کو بھی جس میں اُس قوت انفعال کی علت دوسرا وجود مانا ہے ازلی و ابدی ماننا پڑے گا جو ٹھیک ٹھیک شرک ہے یا اُن کا مذہب ہے جو خدا اور مادہ دو چیزوں کو ازلی وابدی مانتے ہیں اور بعضے اُسی کو ظلمت اور نور سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر یہ اُن لوگوں کی سمجھ کی غلطی ہے کیونکہ معلول کا وجود علت کے وجود کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ مگر جب معلول کا وجود علت کے وجود کے سبب سے ہے تو شرک کہاں رہا۔ علت ازلی وابدی کا معلول بھی ازلی وابدی ہے۔ ہم تم بھی جبکہ علت ازلی وابدی کے معلول ہیں تو ازلی وابدی ہیں۔ تم بھی ازلی و

وابدی ہو۔ ہم بھی ازلی وابدی ہیں۔

مخلوق شدیم وباخالق گشتیم

جائیکہ خدا بود من ہم بودیم

پس اپنی موجودات کے وجود سے ہم خالق پر یقین کرتے ہیں +

اس پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ تو یقین نہیں ہے بلکہ ایک خیال ہے جس کا تجربہ نہیں ہوا اور خیال کے مفہوم میں امکان اس بات کا کہ بعد تجربہ کے وہ مطابق واقع کے ہو یا نہ ہو دونوں داخل ہیں ہم نے اس خیال کا تجربہ نہیں کیا پھر اس کے مطابق واقع ہونے پر کیونکر یقین ہو سکتا ہے +

یہ کہنا سچ ہے مگر ہمارے خیالات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کو خود ہماری طبیعتوں نے پیدا کیا ہو یا اسباب غیر محققہ خیالیہ سے ہم میں پیدا ہوئے ہوں۔ بلاشبہ اس قسم کے خیال کے مفہوم میں امکان اس بات کا کہ بعد تجربہ کے مطابق واقع کے ہو یا نہ ہو داخل ہے مگر ہمارے خیالات جو دوسری قسم کے ہیں جن کو نہ از خود ہماری طبیعتوں نے پیدا کیا ہے اور نہ وہ اسباب غیر محققہ خیالیہ سے ہم میں پیدا ہوئے ہیں بلکہ اُن کو کسی دوسرے حقائق محققہ نے پیدا کیا ہے وہ ہمیشہ ہوتے ہیں اور بالکل مطابق واقع کے بعد تجربہ کے +

جبکہ ہم سنتے ہیں ایک آواز یا دیکھتے ہیں ایک دھواں تو ہم خیال کرتے ہیں کہ وہاں ہے ایک آواز کرنے والا یا وہاں ہے ایک آگ۔ ہمارا ایسا خیال کرنا بھی ایک خیال ہے مگر اس قسم کا نہیں ہے جو از خود ہماری طبیعت میں آگیا ہو یا اسباب غیر محققہ خیالیہ نے ہم میں پیدا کیا ہو بلکہ ایک ایسا خیال ہے جسکو دوسرے حقائق محققہ نے پیدا کیا ہے۔ ہمارا ایسا خیال ہمیشہ ہوتا ہے ٹھیک وہ بعد تجربہ کے بالکل مطابق واقع کے اگر ہم نے خود اُس چیز میں جس نے ہم میں ایسا خیال پیدا کیا ہے غلطی نہ کی ہو +

جبکہ ہم پاتے ہیں چند چیزوں کو ایک جگہ ترتیب سے رکھا ہوا یا خوبصورت بنا ہوا تو ہم یقین کرتے ہیں کہ اُن کا کوئی رکھنے والا یا بنانے والا ہے۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں اس تمام موجودات کو ایسی عمدہ ترتیب سے رکھا ہوا اور ایسی حکمت سے بنا ہوا اور ایسی خوبصورتی سے ڈھلا ہوا تو یقین کر سکتے ہیں کہ کوئی ان کا ترتیب دینے والا اور بنانے والا ہے۔ جبکہ ہم ایک پتھر کو جو رستہ میں پڑا ہوا ہے دیکھکر یقین کرتے ہیں کہ اسکو کسی نے یہاں ڈالا ہے تو ہم کیونکر اس بات پر

یقین نہ کریں کہ ان سب چیزوں کو بھی جو انسان کی قدرت سے باہر ہیں کسی بڑے دانا کاریگر نے بنایا ہے اور اُسی کاریگر کو ہم کہتے ہیں خدا ۔

یہ خیال ہمارا جو خدا کے ہونے پر ہوا ہے اُسکو ایسی چیزوں نے پیدا کیا ہے جو ایک حقیقت ہیں یا یوں کہو کہ جو حقایق محققہ ہیں اور ہمنے اس قسم کے خیال کو ہمیشہ ٹھیک اور بعد تجربہ کے مطابق واقع کے پایا ہے اس لیئے ہم اس خیال پر بھی یقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد تجربہ کے بھی جب کبھی کہ ہو یہ ہمارا خیال بالکل مطابق واقع کے ہوگا اور اسی لیئے ہم اسکو خیال نہیں کہتے بلکہ یقین کہتے ہیں ۔

پس یہ تمام موجودات عام عقل انسانی کے لیئے بخوبی اس بات کی رہنما ہیں کہ اُن کا کوئی خالق ہے اور اس لیئے وجود خالق پر ایمان لانے کا ایسا مسئلہ ہے کہ عام عقل انسانی اُسکو بخوبی سمجھ سکتی ہے اور اسی سبب سے انسان اُس پر ایمان لانے کو مکلف ہوا ہے ۔ اگر یہ مسئلہ عقل انسانی میں آنیکے یا یوں کہو کہ انسان کی سمجھ کے لائق نہ ہوتا تو انسان ہرگز اس مسئلہ پر ایمان لانے کو مکلف نہ کیا جاتا ۔ کما قال اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعہا ۔

بانیٔ اسلام کا یہ منشا نہیں ہے کہ وجود صانع کا مسئلہ انسان بغیر سمجھے مان لیں یا اس وجہ سے اُسکو تسلیم کر لیں کہ پیغمبروں نے فرمایا ہے ۔ بلکہ بانیٔ اسلام صاف صاف انہی موجودات کی دلیلوں سے اور نیچر یعنی قدرت اور فطرت کے عجائبات کو بتلا بتلا کر اور دکھلا دکھلا کر وجود صانع پر ایمان لانے کو کہتا ہے ۔

کیس پیاری اور سچی زبان سے فرمایا ہے کہ "اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمکو مٹی سے پیدا کیا ۔ پھر اب تم انسان ہو جا بجا پھیلے ہوئے" ۔

"اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہارے لیئے تم ہی سا جوڑا پیدا کیا تا کہ اُس سے دل کو چین رہے اور ایک عجیب قسم کی محبت اور دل کی یگانگت تم میں رکھی سمجھنے والوں کے لیئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں" ۔

"اُسی کی نشانیوں میں ہے آسمان و زمین کا پیدا کرنا تمہاری بولیوں کا تمہاری رنگتوں کا مختلف ہونا اسی بات میں تمام دنیا کے لوگوں کے لیئے نشانیاں ہیں" ۔

"اُسی کی نشانیوں میں سے رات کو تمہارا سو رہنا اور دن کو روٹی کے دھندے میں لگنا" ۔

"اُسی کی نشانیوں میں سے بجلی بھی ہے جس میں کو کڑک کا خوف اور مینھ کی طمع ہے کہ

پانی برسنے سے مری ہوئی زمین زندہ ہو جاتی ہے"۔

"اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اُسی کے حکم سے تھمے ہوئے ہیں"۔

"اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ سیلی ہوا مینہ آنے کی خوشخبری دیتی ہے"۔

"وُہی اللہ ہے جو ہوا کو چلاتا ہے۔ پھر اُس سے بادلوں کو ہنکاتا ہے۔ پھر تمام آسمان میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے۔ پھر اُن کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ اُن میں سے بوندیاں نکلتی ہیں"۔

"آسمان سے اندازہ کے موافق مینہ برساتا ہے۔ پھر اسکو زمین میں ٹھہراتا ہے۔ پھر اُسکے سبب تمہارے لیئے باغوں میں بہت سے میوے اور کھجوریں اور انگور پیدا کرتا ہے جن کو تم کھاتے ہو پہاڑ میں سے درخت اُگاتا ہے جس میں سے تیل نکلتا ہے"۔

"تمہارے لیئے تو جانوروں میں بھی بڑی نصیحت ہے۔ اُن کی چھاتیوں میں سے جو کچھ نکلتا ہے اُسکو پیتے ہو اور بہت سے فایدے اُٹھاتے ہو۔ بعضے جانور تمہارے کھانے میں آتے ہیں۔ جانو بھی تمکو اُٹھائے پھرتے ہیں اور کشتیاں بھی تمکو اُٹھا کر لیجاتی ہیں"۔

"زمین پر کس حکمت سے پہاڑ بنائے ہیں تاکہ وہ تلی رہے پھر اُن میں گھاٹیاں بنائی ہیں تاکہ رستہ چلنے میں حرج نہو"۔

"اُسی نے بنائی ہے رات اور دن۔ سورج اور چاند جو اپنے اپنے گھیرے میں پھرتے ہیں"۔

"تم اُونٹ ہی کو کیوں نہیں دیکھتے کہ کیسے عجیب طور سے بنایا ہے اور آسمان کو کس طرح اونچا کیا ہے اور پہاڑوں کو کس طرح پر گاڑا ہے اور زمین کو کس طرح پر بچھایا ہے"۔

"غرضکہ اسی طرح جا بجا قرآن مجید میں بانی اسلام نے صانع کے وجود پر ایمان لانے کو تمام موجودات سے جس کو ہم دیکھتے ہیں استدلال کیا ہے اور کسی جگہ یہ بات نہیں فرمائی کہ تم بے سمجھے خدا پر ایمان لے آؤ"۔

ایک جگہ فرماتا ہے کہ "اگر کافروں سے بھی یہ بات پوچھو کہ آسمان و زمین کس نے بنایا اور چاند و سورج کو کس نے تابعدار کیا تو کہینگے اللہ نے"۔

"اور اگر اُن سے پوچھو کہ کس نے آسمان پر سے مینہ برسایا جس سے مری ہوئی زمین کو پھر زندہ کیا تو کہینگے اللہ نے"۔

پس مذہب اسلام کا کیا سچا مسئلہ ہے کہ تمام انسانوں کو جنگلی ہوں یا پہاڑی شہری ہوں یا دیہاتی تربیت یافتہ ہوں یا ناتربیت یافتہ کسی نبی کی اُن کو خبر پہونچی ہو یا نہ پہنچی ہو۔ کوئی مذہب اُن کو دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو اس بات پر ایمان لانا فرض ہے کہ تمام موجودات کا کوئی صانع ہے اور وُہی ہے اللہ جل شانہ وجل جلالہٗ ۔

عقیدۂ دوم

وہ ہستی جس کو ہم اللہ کہتے ہیں واحد فی الذات ہے یعنی مثل اُس کے دوسری ہستی نہیں ۔

تمام موجودات پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو بادی النظر میں ہمکو عجیب مختلف قسم کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایک کو دوسری سے کچھ تعلق نہیں مگر جب بتعمق نظر ڈالتے ہیں اور بخوبی سوچتے ہیں اور حقایق قدرت پر بقدر طاقت بشری واقفیت حاصل کرتے ہیں تب سمجھتے ہیں کہ تمام موجودات آپس میں نہایت مناسبت رکھتی ہے اور سب کی سب ایک راہ پر چلتی ہے ایک دوسری سے ایسی مناسبت ہے کہ اگر ایک چیز بھی موجودات میں سے معدوم ہو جاوے تو اس گورکھ دھندے میں لاتناہی نقصان آجاوے ۔

تمام موجودات ایسی تدبیر و حکمت و مناسبت سے موجود ہے جیسے ایک گھڑی یا کل کے مختلف پرزے آپس میں مناسبت رکھتے ہیں اور اس سے ہمکو اس بات کی ہدایت ہوتی ہے کہ یہ گورکھ دھندا ایک ہی دانا حکیم کا نکالا ہوا اور ایک ہی کاریگر کا بنایا ہوا ہے ۔ اور عام عقل انسانی اس دلیل سے خدا کی وحدانیت پر اقرار کر سکتی ہے اس لیئے اس مسئلہ پر بھی ایمان لانا اُسی طرح ہر ایک انسان پر فرض ہے جس طرح کہ وجود خالق کے مسئلہ پر ایمان لانا فرض تھا ۔

بلاشبہ یہ مسئلہ بنسبت پہلے مسئلہ کے کسی قدر زیادہ باریک ہے ۔ جو لوگ کہ نیچرل فلاسفی یعنی علم طبیعیات سے زیادہ واقف ہیں اور جنہوں نے موجودات عالم میں سے بہت سی چیزوں کی بناوٹ اور پیدایش اور پھر اُن کے انقلاب کا بقدر طاقت بشری علم حاصل کیا ہے اُن کا یقین اس مسئلہ پر سب سے زیادہ پختہ اور مستحکم ہے ۔ اور اُن سے کم درجہ کے لوگوں کو خود کسی قدر غور و فکر کی حاجت ہوتی ہے اور اُس سے ادنٰے درجہ کے لوگ دوسرے کی تنبیہ سے متنبہ ہونے اور کسی سے اُس کا بیان سُننے کے محتاج ہوتے ہیں مگر یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ عام عقل انسانی کی سمجھ سے باہر ہو

تحقیقات کامل سے خواہ خود سوچنے سے یا کسی کے سمجھانے سے انسان اُسکو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ پر ایمان لانا بموجب مذہب اسلام کے تمام انسانوں پر فرض ہے بانی اسلام نے بھی اس مسئلہ کو کارخانہ قدرت کی دلیل سے سمجھایا ہے اور کسی جگہ بغیر سمجھے ایمان لانے کو نہیں فرمایا ؛

ایک جگہ فرمایا ہے "اُسی کا ہے جو کچھ کہ آسمان و زمین میں ہے اور جو اُس کا ہے (یا اُسکے پاس ہے) اُسکی اطاعت سے نہ منحرف ہوتا ہے اور نہ تھکتا ہے۔ رات دن اُسی کی بزرگی یاد کرتا ہے اور ذرا بھی سستی نہیں کرتا۔ کیا انھوں نے زمین کی چیزوں میں سے کسی کو خدا ٹھہرایا ہے۔ اگر آسمان و زمین میں بہت سے خدا ہوتے تو دونوں کا کارخانہ بگڑ جاتا" ؛

ایک اَور مقام پر بانی اسلام نے اس سے بھی زیادہ فصیح و مؤثر زبان سے نیچر سے خدا کی وحدانیت پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ کس نے پیدا کیا آسمان اور زمین اور کس نے برسایا تمہارے لیئے مینہ۔ پھر اُس سے نہایت پُر رونق باغ اگائے۔ تمکو تو اُن کے اُگانے کی قدرت نہ تھی پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے" ؛

"کس نے زمین کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا اور کس نے اُسکے بیچمیں نہریں بہائیں اور کس نے اُس پر پہاڑ گاڑے اور کس نے دو سمندروں کے بیچمیں زمین کا پردہ پیدا کیا۔ پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے" ؛

"کون تمکو اندھیرے جنگلوں میں اور سمندر میں رستہ بتاتا ہے۔ کون مینہ برسنے سے پہلے اپنی مہربانی کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہوا چلاتا ہے۔ پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے اگر تم سچے ہو تو اُسکی دلیل لاؤ" ؛

پس دیکھو کہ کس طرح بانی اسلام نے توحید کا مسئلہ صرف کارخانہ قدرت کی حکمت اور اُسکی مناسبت سمجھا کر انسانوں کو سمجھایا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ خواہ نخواہ بے سمجھے خدا کو ایک مان لو اور جبکہ یہ مسئلہ ایسا تھا کہ ہر ایک انسان اُسکو سمجھ سکتا تھا اس لیئے بانی اسلام نے تمام انسانوں کو اس مسئلہ پر ایمان لانے کا مکلف کیا اور کہدیا کہ تعالی اللہ عما یشرکون ؛

ہاں بیشک ایک شبہ اسپر وارد ہوتا ہے کہ اس تمام کارخانہ قدرت سے جو ہم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں یہ خیال مٹ نہیں سکتا کہ کیا عجب ہے کہ مثل اس کارخانہ قدرت کے کوئی اَور کارخانہ قدرت ہو جسکو اس سے کچھ تعلق نہ ہو اور اُس کارخانہ قدرت کا ایسا ہی کوئی اور صانع اور

علت العلل اور موجود بالذات اور ازلی و ابدی ہو جیسا کہ اس کارخانہ قدرت کا ہے تو پھر توحید خدا کی کس طرح پر ثابت ہوگی؟

ہم اس شبہ کو تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہ ایک خیالی شبہ ہے جو رفع نہیں ہو سکتا مگر اسلام اور ایمان کی بنیاد خیال پر نہیں ہے۔ فلسفیانہ اور عقلیہ مباحث کو جو حالت فرضیہ غیر وجود سے ہوتی ہیں یقین سے اور ایمان سے کچھ مناسبت نہیں ہے۔ مولانا روم نے اسکے حق میں نہایت خوب فرمایا ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

یقین کے لیئے ضرور ہے کہ معترض اول اس بات کا یقین دلائے کہ درحقیقت ایسا ہی دوسرا کارخانہ قدرت موجود ہے اور اس وقت کہے کہ خدا کی توحید ثابت نہیں مگر وہمی و فرضی باتوں سے خدا کے متعدد ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ مذہب اسلام کی رو سے انسان کو صرف اسی بات کا یقین کہ تمام چیزوں کا جن کو ہم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور جو وجود پذیر ہیں اُن سب کا خدا ایک ہی ہے کافی اور وافی ہے اور اسیقدر پر انسان مکلف ہے۔ امنا به والحمد لله علی ذالك ◆

عقیدہ سوم

متعلق بہ صفات باری جل جلالہ

وہ ہستی جسکو ہم خدا یا علۃ العلل کہتے ہیں نہ ہمارے دیکھنے میں آتا ہے۔ نہ چھونے میں اور نہ خیال میں۔ تو ہم بجز اتنی بات جاننے کے کہ ہے اور کچھ حقیقت اسکی ذات کی نہیں جان سکتے۔ خدا بھی تو اپنی ذات کی حقیقت ہمکو نہیں بتا سکا۔ موسیٰ نے پوچھا کہ فرعون کے پاس تیرا پیغام لیکر جاؤں تو کیا بتاؤں کہ تو کون ہے تو یہی جواب ملا کہ "میں وہی ہوں جو ہوں"۔ پس جبکہ ہم ایک ذات کی حقیقت نہیں جان سکتے تو اسکی صفات کی حقیقت بھی نہیں جان سکتے بلکہ درحقیقت ہم اسکو کسی صفت کا محل نہیں قرار دے سکتے ◆

تمام صفات جن کو ہم خیال کر سکتے ہیں وہ سب مخلوقات ہیں جو ہمنے بلحاظ اُن چیزوں کی حالتوں کے جن کو ہم دیکھتے ہیں یا چھوتے ہیں یا سونگھتے ہیں یا سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں اخذ کیئے ہیں مگر جب

وہ ہستی ہماری ان سب حسوں سے اوپر ہے تو ہم کیونکر جان سکتے ہیں کہ وہ صفات اُس میں بھی ہیں یا وہ اُن صفات کا محل بھی ہو سکتی ہے اس لیئے تمام صفات جو خدا کی طرف نسبت کیجاتی ہیں اُن کو یوں کہا جاتا ہے کہ وہ صفات تو اُس میں ہیں مگر ویسی نہیں ہیں جیسیکہ ہم جانتے ہیں یعنی جو حقیقت اُن صفات کی ہمنے موجودات عالم سے اخذ کر کر سمجھی ہے وہ حقیقت اُن صفات کی نہیں ہے جو اُس میں ہیں اور یہ کہنا ہمارا صاف صاف یہی کہنا ہے کہ اُن صفات کا جن کو ہم جانتے ہیں اُس میں ہونا نہیں جانتے ۔

خدا کو ہات پانوں والا۔ موہنہ والا۔ بولتا۔ چلتا پھرتا۔ سنتا دیکھتا۔ کرتا کراتا۔ جیتا جاگتا۔ خوش ہونیوالا۔ خفا ہونیوالا سب کچھ کہتے ہیں۔ مگر اُس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے سے ہاتھ پانوں۔ ہمارا سا موہنہ۔ ہمارا سا بولنا۔ ہمارا سا چلنا پھرنا۔ ہمارا سا سُننا دیکھنا۔ ہمارا سا کرنا کرانا ہمارا سا جینا جاگنا۔ ہمارا سا خوش اور خفا ہونا نہیں ہے۔ مگر جب پوچھو کہ اگر ویسا نہیں ہے تو پھر کیسا ہے تو جواب یہی ہوگا کہ ہم نہیں جانتے۔ بات کا تو بہت اُلٹ پھیر ہوا مگر نتیجہ یہی نکلا کہ اُن صفات کا جن کو ہم جانتے ہیں اُس میں ہونا نہیں جانتے ۔

صفات باری کا اُسکی نسبت یقین کرنا اس یقین سے نہیں ہے کہ درحقیقت وہ صفتیں جس طرح پر ہم اُن کو جانتے ہیں اُس میں ہیں یا وہ اُن کا محل ہے بلکہ وہ یقین اس وجہ سے ہے کہ ایسی ذات کو جو علت العلل ہے اِن صفات کے مشابہ صفتوں کا موصوف یا ان صفات کی مانند قدرتوں پر قادر ہونا لازم ہے کیونکہ بغیر اُن کے وہ علت علت العلل نہیں ہو سکتی جس کا علت العلل ہونا تسلیم کیا تھا ۔

زندگی اور موت دو صفتیں ہیں جن کے مفہوم کو ہمنے جاندار چیزوں کے حالات سے اخذ کیا ہے پس کیا ہم یقین کر سکتے ہیں کہ اُس زندگی یا موت کا جسکو ہم جانتے ہیں خدا محل ہو سکتا ہے باینہمہ ہم اُسکو حَيٌّ لَا يَمُوتُ کہتے ہیں۔ دہریوں نے مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں اُن لفظوں کو جو صفات باری کی نسبت بولے گئے ہیں اُنہی مفہومات کا دال سمجھ لیا جو اُنہوں نے موجودات کے حالات سے اخذ کیئے تھے اور پھر اُن صفات کے منکر ہو کر کہنے لگے کہ ہم کیونکر یقین کریں کہ صفت قدرت کی یا رحم کی اُس میں ہے ہم کہتے ہیں کہ ہم کب یقین کرتے ہیں اور ہم کب اُن صفتوں کا جن کو ہم جانتے ہیں اُسکو محل قرار دیتے ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ جن صفتوں کو ہم جانتے ہیں ویسی ہی کچھ اُس علت العلل کی ذات کو لازم ہیں اور اسی لیئے اُس کے لوازم ذاتی

ہونے پر یقین ہے اور جو کہ ذات اور لوازم ذات عین ذات ہوتے ہیں اس لیئے ہم اُسکی صفات کو عین ذات اور اُسکی ذات کو عین صفات قرار دیتے ہیں اور اسی بنا پر یہ ترانہ گاتے ہیں کہ "انا صفتہ من صفات اللہ وصفاتہ عینہ فانا عینہ" اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ "لیس فی جبتی سوا اللہ" اور جب اَور زیادہ کھول کر کہنا چاہتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ "انا احمد بلا میم"

عشق گر مرد است مردی بر سرِ کار آورد

ورنہ چوں موسیٰ بسے آورد و بسیار آورد

گر ہمی خواہد کہ وصفِ ذاتِ خود ثابت کند

یک انا الحق گوئی دیگر بر سرِ دار آورد

یوسفِ یعقوبؑ را بُردن بہ بازارش چہ سُود

مرد عشقے ہمچو احمد را بہ بازار آورد

غرض کہ ہم تمام صفات کو یا بطور ایجاب یا بطور سلب ذات باری کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اُس میں اُن صفات کے ہونے اور نہ ہونے کا بھی یقین کرتے ہیں مگر نہ اس وجہ سے کہ وہ اُن کا محل ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہمکو اُن مفہومات کے من حیث الاطلاق لوازم ذاتی علۃ العلل کے ہونے کا یقین کلّی ہے۔ باانیہمہ جس طرح ہم اُسکی ذات کی حقیقت کو نہیں جانتے اسی طرح اُسکی صفات کی حقیقت کو بھی نہیں جانتے ❖

بانیٔ اسلام نے بھی اُن کی حقیقت کا جاننا ہمارے ایمان کا جزو نہیں قرار دیا بلکہ خود اُس نے اُن کی حقیقت کو کچھ نہیں بتلایا۔ غفور۔ رحیم۔ قادر۔ حیّ۔ لایموت بتایا اور اس بتانے سے اُسکی ذات کا اُن کا محل ہونا لازم نہ آیا تو ایسا خیال کرنا خود ہماری غلطی ہے ❖

خدا کے ساتھ جن صفتوں کو ہم بتاتے ہیں گو اُن کے مفہومات تو موجودات کے حالات سے اخذ کیئے ہوئے ہیں مگر خدا کی طرف من حیث الاطلاق نسبت کرتے ہیں بلکہ اطلاق کی قید سے بھی مطلق رکھتے ہیں تاکہ صرف مفہوم ہی مفہوم باقی رہجاوے اور اسی لیئے جب کسی صفت کو کہتے ہیں کہ ہے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسی نہیں ہے ❖

یہ ایک بحث عام صفات باری کی نسبت تھی اور آیندہ ہم وقتاً فوقتاً ہر ایک صفت کی نسبت خاص خاص بحث کرینگے۔ واللہ ولی التوفیق ❖

خط

ازطرف سید احمد

بنام

مولوی سید مہدی علی صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر مرزاپور

نسبت طیور منخنقہ اہل کتاب

میرے عزیز مہدی میں نے اپنا وعدہ پورا کرنے میں یعنی عیسائیوں کی گردن مروڑی ہوئی مرغی کی نسبت آپ کو خط لکھنے میں بہت توقف کیا۔ آپ مجھے معاف کریں۔ اب میں اس معاملہ میں آپکو خط لکھتا ہوں اور اپنا وعدہ تیسرا خط لکھنے کا پورا کرتا ہوں ؛

میں نے آپ کی تحریرات کو اور آپ کے محاکمہ منصفانہ کو جو رسالہ احکام طعام اہل کتاب اور امداد الاحتساب پر آپ نے ارقام فرمایا اور نیز ایک نامی رسالہ مزیل الاوہام کو جسے میرے قدیم شفیق مولوی محمد علی صاحب نے نہایت خوبی اور متانت سے تحریر فرمایا ہے بغور دیکھا۔ ان تمام تحریروں میں جو باتیں اوپر اوپر کی ادہر ادہر ادھر کی ہلم ڈولم تحریر ہوئی ہیں اُن کی نسبت لکھنا آپ بھی غیر ضروری سمجھتے ہوں گے اور جو اصل بات اس مسئلہ میں ہے اُسی کو لکھنا بہتر خیال فرماتے ہونگے۔ اس لیئے میں اس خط کو مثل مباحثہ کرنے والے اور رد و قدح کرنے والے کے نہیں لکھتا بلکہ صرف اصل مطلب ہی کی تحریر پر قناعت کرتا ہوں ؛

اصل بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جو کسی طرح ہمارے مقاصد اور ترقی حسن معاشرت کا مانع ہو۔ اگر کوئی شخص عیسائیوں کے ساتھ کھانا کھانے میں عیسائیوں کی گردن مروڑی مرغی نہ کھاوے اور اُسکو حرام سمجھے چشم ما روشن دوسری رکابی کا کھانا نوش فرماوے ہم بھی اُسکو محتاط کہینگے اور اُس کے فعل کو اولی سمجھیں گے۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانے میں یہ ضرور نہیں ہے کہ جو چیز سامنے آوے خواہ نخواہ اُسکو کھا ہی لے پس ایسی حالت میں اس مسئلہ میں زیادہ بحث کرنی کچھ بھی ضرور نہیں ہے مگر جو کہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ میں نے ایک حکم خاص منصوص قرآن کے برخلاف کیا اور کہا اس لیئے صرف اسی قدر لکھنا اور اسی بات کی تحقیقات کرنا کہ

پرند منخنقہ کی حرمت بموجب آیت مستدلہ کے منصوص قرآنی ہے یا نہیں کافی اور وافی ہوگا +

میری تحقیق یہ ہے کہ پرند منخنقہ کی حرمت باستدلال آیت مستدلہ منصوص قرآنی نہیں ہے وہ آیت جسمیں منخنقہ کا ذکر ہے یہ ہے حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب وان تستقسموا بالازلام ذلکم فسق - اب غور کرو کہ اس آیت میں چار لفظ ہیں المنخنقۃ - الموقوذۃ - المتردیۃ - النطیحۃ - ان چاروں میں حرف تا رفوقانی موجود ہے اور ہمکو بموجب محاورہ زبان عرب کے اس بات کا قرار دینا باقی ہے کہ یہ تے کس قسم کی ہے اور جو کہ کسی دوسری آیت قرآن مجید سے قسم تے کا تعین جو کلمہ منخنقہ میں ہے نہیں پایا اسلیئے ہمکو اپنے اجتہاد سے اُس کا تعین کرنا پڑتا ہے پس اب ہم اُس تے کو کسی قسم کا قرار دیں اور کسی جانور کی حرمت کا مسئلہ اُس سے نکالیں اُسکی حرمت منصوص نہ ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ وہ تے اُس قسم کی نہ ہو بلکہ دوسری قسم کی ہو اور اُس قسم کے جانوروں کی حرمت پر حاوی نہو +

مثلاً ہم قرار دیتے ہیں کہ ان چاروں لفظوں میں تا رتانیث ہے جیسا کہ اکثر مفسروں نے بھی قرار دیا ہے - پس اس حالت میں بموجب محاورہ زبان عرب کے ضرور ہے کہ یہ چاروں لفظ صفت ہوں کسی موصوف محذوف مونث کے +

اب ہمکو دوسرا اجتہاد کرنا پڑا کہ وہ موصوف مونث محذوف کون ہے جسکو ہم قرار دیں - بہر حال جس کو قرار دیں اُسکی حرمت البتہ اس آیت سے نکلیگی مگر اُس کی حرمت اجتہادی ہوگی نہ منصوصی کیونکہ ہمنے ۲ دو باتوں کو یعنی قسم تے کو اور موصوف محذوف کو نص قرآنی سے نہیں بلکہ صرف اپنے اجتہاد سے قایم کیا ہے - امام فخرالاسلام رازی فرماتے ہیں کہ یہاں موصوف مونث محذوف (شاۃ) ہے کہ وہی اکثر کھانے میں آتی ہے اور باقی تمام جانوروں چرند و پرند کی حرمت کا اُسپر قیاس کیا جاتا ہے - قبول کرو کہ یہی اجتہاد صحیح ہے - اس حالت میں اُس مرغی کی حرمت دو اجتہادوں اور ایک قیاس غیر منصوص العلت سے قرار پاویگی نہ نص قطعی سے +

مگر امام صاحب نے ناحق شاۃ کو موصوف مونث محذوف مانا ہے - ہم اُن کو اُس سے بھی عمدہ موصوف مونث بتاتے ہیں جس میں تمام منخنقہ جانوروں کی حرمت آجاتی ہے اور بکری کی حرمت پر باقی جانوروں کے قیاس کی حاجت نہیں رہتی اور وہ موصوف مونث محذوف نفس - ہے پس تقدیر کلام یہ ہوگی کہ حرمت علیکم النفس المنخنقۃ الخ اور اس میں تمام منخنقہ جانوروں

کی حرمت یہاں تک کہ مچھلی اور ٹڈی کی بھی داخل ہو جاوے گی اب قبول کرو کہ یہی اجتہاد صحیح ہے تو بھی مرغی کی حرمت دو اجتہادوں مذکورہ بالا سے قرار پاوے گی نہ نص قطعی سے +

اب ہم اس ۃ کو تاء تانیث نہیں قرار دیتے بلکہ تاء نقل و تحویل قرار دیتے ہیں جیسا کہ صاحب تفسیر بیضاوی نے قرار دیا ہے اور چونکہ یہ ۃ صفت کو اسم بنا دیتی ہے اس لیئے کسی موصوف مؤنث محذوف کی تلاش کی حاجت نہیں رہتی اور جب پر اطلاق منخنقہ اور متردیہ وغیرہ کا ہوگا اسکی حرمت اس آیت سے ثابت ہوگی مگر اسکی حرمت کا ثبوت ایک اجتہاد سے یعنی حرف تا کو تاء نقل قرار دینے سے ہوگا نہ نص صریح قطعی سے - فتدبر +

اب میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ان چاروں کلموں میں تاء تانیث ہے اور موصوف مؤنث محذوف بھیمہ ہے یعنی مویشی یا چوپایہ یا چرند کے پس تقدیر آیت کی یہ ہے کہ حرمت علیکم البھیمۃ المنخنقۃ والبھیمۃ الموقوذۃ والبھیمۃ المتردیۃ والبھیمۃ النطیحۃ پس پرند اس حکم میں داخل نہیں ہیں +

خود قرآن مجید سے بوجوہات مفصلہ ذیل ثابت ہے کہ یہاں موصوف محذوف بھیمہ ہے اوّل یہ کہ خود قرآن مجید میں اسی آیت کے قبل شروع سورۃ میں خدا نے فرمایا " احلت علیکم بھیمۃ الانعام الا ما یتلی علیکم " یعنی حلال ہوئے تمہارے لیئے چوپائے مویشی مگر وہ جو آگے بتاوینگے پس اسکے بعد جو حرام جانور باشارہ صفت مؤنث بتائے وہ خود خدا کے فرمانے سے اُسی استثنا کی تفصیل ہیں جن کی نسبت فرمایا تھا الا ما یتلی علیکم نہ اور کسی کی اور موصوف مؤنث محذوف بھی وہی بھیمہ ہے جس کی نسبت اوپر فرمایا تھا کہ احلت علیکم بھیمۃ الانعام پس اگر انصاف سے بغیر تعصب و بغیر ان خیالات کے جو تقلیداً بغیر تحقیق کے دل میں بیٹھ گئے ہیں دیکھو تو خود خدا نے صاف بتا دیا ہے کہ وہ موصوف مؤنث محذوف بھیمہ ہے نہ امام رازی صاحب کی بکری اور نہ ہماری تمہاری ککڑی - اب کون شخص ہے جو اپنی دلی سچائی سے اس بات پر کہ اس آیت میں پرند داخل ہیں دلی یقین کرتا ہوگا گو تقلیداً خواہ تعصباً اُسکو مونھ سے نہ نکالے +

دوسرے یہ کہ منجملہ صفات چہارگانہ کے جو اس آیت میں مذکور ہوئیں اخیر دو صفتوں متردیہ یعنی اوپر سے گر کر مر جانے اور نطیحہ یعنی لڑنے میں سینگ کی چوٹ سے مر جانے کی صفت سوائے بھیمہ یعنی چرند کے پرند میں متحقق ہی نہیں ہو سکتی - باقی رہا - وقذ یعنی لکڑی سے یا لٹھ سے یا اور کسی چیز سے مار ڈالنا - اگرچہ یہ فعل پرند کی نسبت بھی ممکن ہے مگر جو لوگ اگلے زمانہ کی تاریخ

اور جنگلی قوموں کے حالات سے اور خود عرب کے بیابان کے رہنے والوں کی عادات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ صرف چوپائے جانوروں کا اس طرح پر شکار ہوتا تھا کہ اُن کو گھیر کر گھونٹ کر مار ڈالتے تھے نہ پرندکا۔ پس یہ صفت بھی درحقیقت مختص بہایم سے ہے نہ پرند سے۔ اب بحث طلب رہا خنق یعنی گلا گھونٹ کر مار ڈالنا۔ اگرچہ یہ فعل پرند کی نسبت بھی شاید ممکن ہے مگر عرب میں چوپاؤں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالنا مروج تھا جس کی حرمت میں یہ آیت نازل ہوئی پس نہایت افسوس ہے کہ انسان اپنے خیالات کے پھندے میں پڑے اور احکام الٓہی کے منشاء اور مراد کو نہ سمجھے ✦

امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ واعلم ان المنخنقة علی وجوہ منہا ان اھل الجاھلیۃ کانوا یخنقون الشاۃ فاذا ماتت اکلوھا ومنہا ما یخنق بحبل الصائد ومنہا ما یدخل راسھا بین عودین فی شجرۃ فتختنق فتموت الخ پس اس بیان سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ جو احکام اس آیت میں مذکور ہیں وہ بہیمہ کی نسبت ہیں نہ پرند کی اس لیئے اس آیت سے طیور منخنق کی حرمت منصوص نہیں ہے البتہ ممکن ہے کہ قیاسی ہو ✦

اس تقریر پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اگر اس آیت میں اُسی استثناء کی تفصیل ہے جس کا ذکر الا ما یتلی علیکم میں ہے تو یہ آیت من اولہا الی اخرہا بہیمۃ الانعام ہی سے متعلق ہوگی پھر کلمہ میتۃ۔ ودم۔ وما اھل لغیر اللہ۔ وما اکل السبع۔ وما ذبح علی النصب سے کیوں حرمت چرند و پرند کی لیجاتی ہے چاہیئے کہ وہ بھی مخصوص بہ بہیمۃ الانعام رہیں ✦

مگر یہ سوال صحیح نہیں ہے اس لیئے کہ اُن تمام کلموں کا مفہوم عام ہے گو محل خاص ہو اس لیئے بسبب اپنے مفہوم عام ہونے کے چرند و پرند دونوں کو شامل ہیں۔ برخلاف منخنقۃ و موقوذۃ۔ و متردیۃ ونطیحۃ کے کہ بسبب صفت ہونے ایک موصوف محذوف کے نہ اُن کا مفہوم عام ہے اور نہ محل عام ہے اس لیئے وہ سوائے جنس مستثنیٰ منہ کے اور کسی سے متعلق نہیں ہوسکتی اور ایسے طیور منخنقہ اہل کتاب کو آیہ کریمہ وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم نے ہمارے لیئے حلال کردیا ہے ✦

اگرچہ میں نے چاہا تھا کہ جو کچھ اس باب میں میری تحریر کی نسبت لوگوں نے لکھا ہے اور جو غلط فہمیاں میری تحریر کی نسبت کی ہیں یا جو مسامحہ کسی تحریر میں خود مجھ سے ہوا ہے اور جو غلط استدلال توریت مقدس سے اس معاملہ میں لوگوں نے کیا ہے اُس سب کو بالتفصیل لکھتا مگر مبادا کہ

میں نے ابھی التماس کیا صرف اسی بات کے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ آیت مذکورہ حرمت طیور منخنقہ کو شامل نہیں ہے پس اُسکو منصوص کہنا صحیح نہیں۔ البتہ قیاسی غیر منصوص العلت ہونا ممکن ہے فمن یشاء یسلمہ ومن یشاء لا یسلمہ عیسائی مذہب کے بموجب جیسا کہ اُن کے رُہبان اور قسیس قبل نزول قرآن مجید سے سمجھتے آتے تھے طیور منخنقہ حرام نہیں ہیں اور اُسکے دلائل عیسائی مذہب کی کتب دینیہ میں مندرج ہیں۔ پس جبکہ عیسائی وہ فعل مطابق اپنے مذہب کے کرتے ہیں تو باستدلال وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم ہمارے لیئے حلال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے لیئے میرا یہ اجتہاد کافی ہے۔ دوسرا شخص خواہ اُسکو صحیح سمجھے یا نہ سمجھے۔ مگر آپ سے اتنی بات اَور کہنی چاہتا ہوں کہ تم اپنے دل کو خوب ٹٹولو کہیں یہ تمہارا اختلاف میرے ساتھ اُسی تقلید کا اثر تو نہیں ہے جس سے انسان قبل تحقیق ہر ایک بات کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ اَب مَیں اِس نیاز نامہ کو ختم کرتا ہوں اور اگر کبھی دل میں آیا تو ابو داؤد کی حدیث کی نسبت بھی آپ کو خط لکھوں گا۔ والسلام +

جوتی پہنے ہوئے نماز پڑھنی

ایک شخص نے انگریزی بوٹ پہنے ہوئے نماز پڑھی۔ ایک نیک شخص نے اُسکو نہایت بُرا جانا اور کہا کہ مجھے خوف کے مارے پسینا آگیا پس ہم کہتے ہیں کہ یہی باتیں اوہام مذہبی ہیں اور وسواس میں داخل ہیں۔ جوتا پہن کر نماز پڑھنی سنت ہے اور اُسپر نجس ہونے کا گمان کرنا وسواس میں داخل ہے۔ صرف اتنا دیکھ لینا چاہیئے کہ کوئی نجاست ظاہری اُس میں لگی ہوئی نہ ہو اور اگر ہو تو اُسکو سخت چیز سے یا زمین سے رگڑ ڈالے اور پہن کر نماز پڑھ لے۔ انگریزی جوتہ بہ نسبت ہندوستانی جوتے کے یا عرب کی نعلین کے بہت زیادہ صاف رہتا ہے اس لیئے کہ اُن جوتوں کا تمام تلا زمین پر لگتا ہے اور انگریزی بوٹ کی ایڑی بہت اونچی ہوتی ہے اور اِس سبب سے بہت کم زمین میں لگتا ہے +

اس امر کی نسبت شیخ امام ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر عرف ابن قیم نے اپنی کتاب اغاثۃ اللھفان فی مصاید الشیطان میں بہت بڑی بحث کی ہے اور اِس کتاب کی تلخیص ہشام بن یحیی شامی نے کی ہے اور اُس کا نام تہذیب الشیطان بہ تقریب اغاثۃ اللھفان" رکھا ہے۔ اُس میں بھی وہ تمام بحث نقل کی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اُس کا ترجمہ مولوی محمد احسن صاحب نے

جو اس زمانہ کے مولویان نامی میں سے ہیں اُردو زبان میں کیا ہے اور تہذیب الایمان اُس کا نام رکھا ہے اور ۱۲۸۳ھ ہجری میں مطبع صدیقی بریلی چھاپہ ہوا ہے چنانچہ ہم اُس مقام کو بعینہٖ اس جگہ نقل کرتے ہیں ✦

اُنھوں نے اپنی کتاب میں بہت وسواسوں کا جو انسان کو مذہبی باتوں میں ہوتے ہیں ذکر کیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ منجملہ اُن کے یہ ہے کہ موزہ اور جوتے کے نیچے جب نجاست لگ جاتی ہے تو اُسکو زمین سے رگڑنا مطلقاً کافی ہے اور اُسکو پہن کر حدیث صحیح کی رُو سے نماز درست ہے امام احمد نے اسکی تصریح کی ہے اور اُن کے محقق یاروں نے اُسکو پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ ابوالبرکات کہتے ہیں کہ روایت مطلق رگڑ ڈالنے کی میرے نزدیک صحیح ہے اس لیئے کہ حضرت ابوہریرہ رض آنحضرت صلعم سے راوی ہیں کہ آپنے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جوتا پہن کر ناپاکی پر کو چلے۔ تو مٹی اُسکے واسطے پاک کرنیوالی ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب ہم میں سے کوئی اپنے موزوں سے ناپاکی کو پامال کرے تو موزوں کو پاک کرنیوالی مٹی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو ابوداؤد نے بیان کیا ہے۔ اور ابوسعید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے نماز پڑھی۔ پس اپنی جوتیاں نکالیں لوگوں نے بھی اپنی جوتیاں اُتار دیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ تمنے کیوں اُتاریں۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ ہمنے آپکو دیکھا کہ جوتیاں اُتاریں۔ ہم نے بھی اُتاریں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل نے آکر خبر دی کہ ان میں ناپاکی ہے۔ تو جب تم میں سے کوئی مسجد میں آوے تو چاہیئے کہ اپنی جوتیوں کو اُلٹ کر دیکھے۔ اگر اُن میں کچھ خبث یعنی ناپاکی ہو تو اُسکو زمین سے رگڑ دے پھر اُن سے نماز پڑھ لے۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اُسکے معنی جو یہ کہتے ہیں کہ ناپاکی سے غرض مکروہ چیزیں ہیں مثل رینٹ وغیرہ پاک اشیاء کے تو یہ تاویل کئی وجہ سے درست نہیں اوّل تو یہ کہ اس طرح کی چیزیں خبث نہیں کہلاتیں۔ دوسرے یہ کہ نماز کے وقت ان اشیاء کے پہونچنے کا حکم نہیں کیونکہ ان سے نماز نہیں جاتی تیسرے یہ کہ اُن کے لیئے نماز میں جوتیاں نہیں اُتارنی چاہئیں اس لیئے کہ یہ کام بے ضرورت ہے ادنیٰ بات ہے کہ مکروہ ہوگا۔ چوتھے یہ کہ روایت دارقطنی کی ابن عباس سے یہ ہے کہ رسول مقبول صلعم نے یہ فرمایا کہ جبرئیل نے میرے پاس آکر خبر دی کہ اُن میں خون حلمہ کا ہے جو بڑی قسم کی کلنی ہوتی ہے اور اس وجہ سے کہ جوتی ایسی جگہ ہے کہ اکثر نجاست اُسکو بہت دفعہ پہونچتی ہے تو رفع حرج کے لیئے سخت چیز سے اُس کا مَل ڈالنا کافی ہوا ✦

بعد اس کے انھوں نے یہ بات لکھی ہے کہ "جوتیاں پہن کر نماز پڑھنے سے وسواسیوں کا دل خوش نہیں ہوتا حالانکہ یہ سنت رسول خدا صلعم اور اُن کے اصحاب کی ہے فعل و حکم دونوں کے اعتبار سے - انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلعم اپنی جوتیوں سے نماز پڑھتے تھے اور شداد ابن اوس کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ یہودیوں کے خلاف کرو کہ وہ اپنے موزوں اور جوتوں سے نماز نہیں پڑھتے روایت کیا ہے اسکو ابوداؤد نے" +

اس تمام تحقیقات سے جو ابن قیم نے کی ہے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں جوتی پہنے ہوئے مسجد میں جانا اور جوتی پہنے ہوئے نماز پڑھنا ایک عام عادت تھی - مگر اس زمانہ میں اور بالخصوص ہندوستان میں مسلمانوں نے اس بات کو اپنی غلطی سے معیوب سمجھا ہے +

مسئلہ جبر و اختیار

خط بنام سید احمد خاں بہادر - سی - ایس - آئی

خاں صاحب بہادر خیرخواہ مسلمانان - اللہ آپ کو سلامت رکھے اور توفیق رفیق آپکی ہمیشہ عطا کرے +

سید محمد حسن نایب تحصیلدار صدر تحصیل الہ آباد بعد اشتیاق و ادائے رسم سنت نبی علیہ السلام عرض مدعا یہ کرتا ہے کہ اس عریضہ کے ساتھ ایک پرچہ جو عدم ثبوت نبوت اور کتاب خدا پر ہے آپ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجتا ہوں کہ دردولی کے ساتھ جو عام مسلمانان کی طرف سے آپکے دل میں ہے جواب لکھکر مجھے عنایت فرماویں مگر واضح رہے کہ معترض صرف وحدانیت باری تعالیٰ اور اُس کے قادر مطلق ہونے کا قایل ہے جو کچھ اس کے جواب میں بحث کیجاویگی من حیث العقل یا نقل کتب تواریخ البرہ ہو - چونکہ آپ سے بہتر میری دانست میں کوئی جواب اسکا معقول اور مُسکت نہیں دے سکتا لہٰذا بھیجتا ہوں - معروضہ ۱۱ ذیحجہ ۱۲۸۹ ہجری مطابق ۱۰ - فروری ۱۸۷۳ء مقام صدر تحصیل الہ آباد +

سوال

مجھکو بڑا اعتراض نبوت پر یہ ہے کہ خدا نے نبی و پیغمبر کیوں پیدا کیئے اس کے جواب میں اہل مذہب

بہت کچھ طول طویل بیان کرینگے مگر شاید اُس طوالت کا نتیجہ یہ نکالینگے کہ نبی صرف اِس کام کے واسطے پیدا کیئے گئیے ہیں کہ مخلوقات پر خدا کی وحدت ظاہر کریں اور اُسکی عبادت پر آمادہ کریں اور نیک و بد کی تمیز بتلاویں کیونکہ وہ نبی جو ہدایت کرتے ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا نے دوزخ و بہشت بھی پیدا کیئے ہیں۔ جو لوگ خدا کو پہچانتے ہیں سوائے اُس کے دوسرے کو اپنا خالق نہیں جانتے اور اُسی کی عبادت کرتے ہیں اور بدی سے نفرت اور نیکی سے رغبت کرتے ہیں وہ بہشت میں جاوینگے اور جو اُس کے خلاف کرتے ہیں بہشت میں نہ جاوینگے ؛

پس ضرور ہے کہ اگر خدا نے انسان کو اِس واسطے پیدا کیا ہے کہ بعد مرنے کے اپنے افعال کی سزا یا جزا پاوے تو یہ امر ضرور ہے کہ اُس نے انسان کو فعل مختار پیدا کیا ہوگا مگر مسلمانوں کے کلام اللہ سے تو انسان کا فعل مختار ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ کلام اللہ میں شروع آیت سے سورہ بقرہ میں لکھا ہے "۔ ان الذین کفروا سواء علیہم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون۔ ختم اللہ علیٰ قلوبہم و علیٰ سمعہم و علیٰ ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم" (سورہ بقرہ) یعنی وے لوگ جو کافر ہیں اُن کے لیئے برابر ہے کہ نصیحت دے یا نہ دے وہ ایمان نہ لاوینگے خدا نے اُن کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کردی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے وہ بڑے عذاب میں پڑینگے ۔ من یھدی اللہ فھو المھتدی و من یضلل فاولئک ھم الخسرون + ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس (سورہ اعراف) یعنی جسے خدا ہدایت کرتا ہے راہ پاویگا اور جنہیں خدا گمراہ کرتا ہے وہ لوگ ہلاک ہونگے تحقیق کہ ہمنے بہتوں کو جنوں اور انسانوں میں سے جہنم کے لیئے پیدا کیا ہے " اب کئی وجوہات سے انسان کا فعل مختار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اول یہ کہ خدا نے کافروں کے دلوں اور کانوں پر مُہر کردی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وعدہ کر چکا کہ وہ بڑے عذاب میں پڑینگے ۔ دویم یہ کہ اُس نے بخصوص بہت آدمی جن و انس میں سے دوزخ کے لیئے پیدا کیئے ہیں تو اُن کے سوائے جو باقی رہے وہ جنتی ہیں اَب نبی کیوں پیدا ہوئے جو خوف بعد مردن تھا وہ طے ہوگیا کہ جن کو خدا نے دوزخ کے لیئے بنایا ہے وہ دوزخ میں جاویں گے جن کو بہشت کے لیئے وہ بہشت میں اَب نبی کیا ہدایت کرینگے ۔ مَیں کہتا ہوں کہ خدا نے ایک شخص کو دوزخ کے لیئے پیدا کیا ہے اَب نبی اُس پر کیا ہدایت کریگا وہ نبی کی ہدایت سے بہشت میں تو جانے سے رہا اگر بہشت میں جاویگا تو پھر خدا کا وعدہ جھوٹا ہوا جاتا ہے اور اگر صرف جنتی آدمیوں کے لیئے نبی پیدا ہوئے ہیں تو اُن کو نبی کیا ہدایت کرینگے ۔ وہ تو قطعی جنت کے واسطے

پیدا ہوئے ہیں جو فعل چاہیں سو کریں اگر وہ کوئی فعل بد کرتے ۔ ہیں اس سبب سے وہ جنت کے لائق نہیں رہے ۔ دوزخ کی ان کے لیئے ضرورت ہوئی اور کس اُمید پر اپنے نبی کی اطاعت کرینگے کیونکہ اگر اطاعت کرینگے تو بہشت میں جاوینگے ۔ نکرینگے تو دوزخ میں جاوینگے خدا نے تو ہمکو اس واسطے پیدا ہی کیا ہے ۔ تیسرے یہ کہ جب وہ بہشت و دوزخ کے واسطے مخصوص آدمی پیدا کر چکا تو پھر نبی کو یہ حکم کیوں دیا کہ جو ایمان نہ لاوے اُسکو قتل کرو اور گھر بار لوٹ لو ۔ اس سے خدا کا ظلم ثابت ہوتا ہے اور جب نبی کو حکم قتل کافران دیا گیا تو پھر نبی نے چار چار پانچ پانچ ہزار جزیہ معین کر کے کافروں کو کیوں چھوڑا اگر بحکم خدا یہ جزیہ لیکر کافروں کو چھوڑا تو خدا لالچی ٹھہرا روپیہ کے مقابلہ میں ایمان کو کچھ نہ سمجھا اور اگر نبی نے اپنی رائے سے یہ حکم دیا تو خدا کی عدول حکمی کی اُس کی بات کب قابل اعتبار ہو سکتی ہے ؛

اب آیات مذکورہ سے خدا کا بڑا ظلم ثابت ہوتا ہے جبکہ اُس نے خود انسان کو مخصوص واسطے بہشت اور دوزخ کے پیدا کیا تو پھر نبی بھیجکر زبردستی قتل کروایا ۔ گھر لٹوایا ۔ اُن کی عورات کو فوج مسلمانان کے ہاتھ سے بے حرمت کروایا ظلم تو اُس نے خلایق پر کروایا دوسرا ظلم اُس نے اپنے نبی پر کیا وہ یہ ہے کہ نبی نے اُسکے حکم سے کافروں کو قتل کیا تھا ۔ مگر اُس نے اس خون کا بدلا نبی سے یُوں لیا کہ اُن کے نواسہ امام حسینؑ کو ظالم اور کافروں کے ہاتھ سے جو بجبر ایمان لائے تھے قتل کروایا ۔ اُن کی عترت کو در بدر شہر بشہر بے عزت و بے حرمت کروایا ۔ پس خدا نہ اپنی خلایق کا دوست ہے نہ اپنے دوست کا دوست ہے ۔ میں تو یقین نہیں کرتا کہ یہ فعل خدا کے ہیں ۔ خدا کا یہ کام نہیں کہ ایسے ظلم کرے ۔ خُدا تو واحد ہے اور رحیم ہے ۔ اُس نے اگر نبی پیدا کیئے ہوں گے تو صرف خلایق کی ہدایت کو نہ کہ واسطے ظلم کے ۔

سائل
محمد حسن

جواب

مجھے یقین ہے کہ آپ نے یہ سوال بنظر تحقیق ایک مسئلہ کے پیش کیا ہے جس کا حل میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح پر کسی نے نہیں کیا جس سے معترض کے دل کو تشفی ہو جاوے ۔

مگر قبل تحریر جواب کے دو تین باتیں بطور تمہید کے عرض کیا چاہتا ہوں ۔

تمہید اوّل ۔ یہ بات مسلم ہے کہ خدا علۃ العلل جمیع کائنات کا ہے ۔ پس اگر تمام حوادث و

واقعات اور افعال کو جو مخلوقات سے ہوتے ہیں خدا اپنی طرف نسبت کرے اور ہر چیز کی نسبت یہ کہے کہ میں نے کیا تو یہ نسبت بالکل صحیح و درست ہے اور ایسی حالت میں جبکہ ایک گروہ انسانوں کا یہ سمجھتا ہو کہ خالق خیر یزداں اور خالق شر اھرمن ہے اور اُن کا مذہب اُس ریگستان میں بھی پھیل گیا ہو جہاں اُن غلطیوں کا اصلاح کرنیوالا پیدا ہوا ہو تو اس باریک دقیقہ کو کہ تمام چیزوں کی علۃ العلل صرف ایک ہی ذات ہے بار بار بیان کرنا اور ہر دم یاد دلانا نہایت ضرور ہے ؀

مگر مجرد اِس کہنے سے جو صرف بسبب علۃ العلل ہونے کے کہا جاتا ہے فاعل کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا ؀

ہمنے ایک شخص کو نشانہ لگانا سکھایا۔ اَب وہ جس جس کو مارتا ہے ہم کہتے ہیں کہ ہم نے مارا مگر صرف اس کہنے سے یہ بات کہ قاتل کو مقتولین کے قتل پر ہمنے مجبور بھی کیا تھا۔ لازم نہیں آتی ؀

تمہید دوم ۔ وہ علۃ العلل اپنے معلولات کے تمام حالات کا علم واقعی رکھتی ہے جسکو ہم تقدیر کہتے ہیں یعنی ہماری تحقیق میں علم باری ہی کا نام تقدیر ہے پس اگر وہ علۃ العلل اپنے معلول کی نسبت بسبب اپنے علم واقعی کے یہ کہے کہ ہمنے اُسکو ہدایت کی اور ہمنے اُسکو گمراہ کیا ہمنے اُسکو بہشت کے لیئے پیدا کیا اور ہمنے اُسکو دوزخ کے لیئے بنایا تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے۔ اپنی طرف اُن باتوں کو نسبت کرنا تو بسبب علۃ العلل ہونے کے ہے اور نتیجوں کو بیان کرنا بسبب اپنے علم واقعی کے ہے۔ مگر اس سے اُس فاعل کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا ؀

مثلاً فرض کرو کہ ایک نجومی ایسا بڑا کامل ہے کہ جو کچھ آیندہ کے احکام بتاتا ہے اُس میں سرمو فرق نہیں ہوتا۔ اب اُس نے ایک شخص کی نسبت بتایا کہ وہ ڈوب کر مریگا۔ اُس کا ڈوب کر مرنا تو ضرور ہے اس لیئے کہ نجومی کا علم واقعی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس نجومی نے اُس شخص کو ڈوبنے پر مجبور کر دیا تھا پس جو علم الٰہی میں ہے یا یوں کہو کہ جو تقدیر میں ہے وہ ہوگا تو ضرور مگر اُس کے کرنے پر خدا کی طرف سے مجبوری نہیں ہے بلکہ خدا کے علم کو اُس کے جاننے میں یا تقدیر کو اُسکے ہونے میں مجبوری ہے۔ پس کسی کی نسبت یہ کہنے سے کہ وہ دوزخی ہے یا جنتی اُسکو دوزخی و جنتی ہونے میں کچھ مجبوری نہیں ہے ؀

اس بات سے دھوکا مت کھانا کہ خدا نے یہ کہا کہ ہمنے جنتی کیا یا دوزخی پیدا کیا کیونکہ نسبت اپنی طرف صرف علۃ العلل ہونے کے سبب سے ہے اور تمہید اول میں بیان ہو چکا ہے کہ اُسکو

فاعل کی مجبوری لازم نہیں ہے ؛
تمہید سوم - ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو افعال انسان سے سرزد ہوتے ہیں اُسکے اعضا کی ترکیب ہی ایسی ہوتی ہے جس سے اُن افعال کا اُس سے سرزد ہونا ضروری ہوتا ہے پس اُس انسان کی نسبت جو نیک بات کو نہیں مانتا اور اچھی نصیحت کو نہیں سُنتا اور بدی میں پڑتا ہے یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ خدا نے اُس کے دل پر مُہر کردی ہے - اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اُن کی قسمت میں سخت عذاب ہے اور اُن کو جہنم کے لیئے پیدا کیا ہے مگر اس بات سے انسان کا مجبور ہونا ثابت نہیں ہوتا ؛

اُن کی قسمت میں سخت عذاب کا یا اُن کو جہنم کے لیئے پیدا ہونا بیان کرنا تو بسبب اُسی علم باری کے ہے جسکو ہمنے تمہید دوم میں ثابت کیا ہے کہ اُس سے فاعل کی مجبوری لازم نہیں آتی مگر آنکھوں پر پردہ ہونے اور دل پر مُہر ہونے کے سبب نصیحت کا نہ ماننا ممکن ہے کہ طبعی مجبوری کے سبب ہو مگر اُس سے انسان کسی عذاب کا مستحق نہیں ہوتا ہے ؛

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ " نہ عابد کی نجات عبادت پر ہے اور نہ فاسق کی درکات اُسکے فسق پر بلکہ انسان کی نجات صرف اسپر ہے کہ جو قوی خدا تعالیٰ نے اُس میں رکھے ہیں اور جس قدر رکھے ہیں اُن سب کو بقدر اپنی طاقت کے کام میں لاتا رہے اگر قوائے بہیمیہ اُسپر غالب ہیں اور قوائے ملکیہ کمزور - تو اُن کمزور قوی کو بیکار نہ چھوڑے اُن کو بھی کام میں لاتا رہے کہ یہی اُن گناہوں کا علاج ہے جسکو انبیاء کی زبان میں توبہ اور کفارہ کہتے ہیں اور جسکو شارع نے ان عمدہ لفظوں میں کہ التایب من الذنب کمن لا ذنب له بیان فرمایا ہے ؛

گو ہماری طبیعت کیسی ہی بدی پر مجبول ہو لیکن خود ہم اپنے آپ میں دو چیزیں پاتے ہیں ایک اُس کام کرنے کا ارادہ جسکو ہم کیا چاہتے ہیں - اور ایک وہ دلی سچائی جو ہمکو اُس کام کی بھلائی یا بُرائی بتلاتی ہے جسکو عوام الناس کبھی اس تقریر سے بیان کرتے ہیں کہ " دل پکڑا جاتا ہے " انگریزی زبان میں اسکا نام " کانشنس " ہے اور ہم اُسکو " نور قلب " کہتے ہیں اور خاص مُسلمانی مذہب کے محاورہ میں " نور ایمان " پس ہر ایک انسان کافر و مُسلمان یہ دونوں قوتیں آپس میں رکھتا ہے اور ہم یقینی جانتے ہیں کہ ہم ان دونوں کو کام میں لانے پر قادر اور خود مختار ہیں ؛

اب اگر ہماری بناوٹ ایسی ہے جس میں قوائے بہیمیہ ہمپر غالب ہیں تو ضرور وہ گناہ ہمسے ہوگا پس اگر ہمنے اُس قوت کو جو اُسکی بُرائی ہمکو بتاتی ہے بیکار نہیں چھوڑا تو ہمپر کچھ گناہ نہیں ہے کیونکہ

ہمنے پورا پورا اپنا فرض ادا کیا ہے اور اگر ہمنے اُس نور قلب کو بیکار چھوڑ دیا ہے تو ہم خود اپنے اختیار سے گنہگار اور مستوجب عذاب ہوئے ہیں مگر چونکہ خدا اِس بات کو جانتا ہے کہ کون اُس نور قلب کو کام میں لاویگا اور کون بیکار چھوڑ دیگا تو قبل وقوع اُس واقعہ کے بالتشبیہ مثل اُس کامل نجومی کے فرما دیتا ہے کہ ہمنے بہتوں کو جہنم کے لیئے اور سید احمد کو بہشت کے لیئے پیدا کیا ہے ٭

یہ بھی ہم خود اپنے آپ میں پاتے ہیں کہ گو ہماری جبلت میں قوائے بہیمیہ کیسے ہی زور آور پیدا ہوئے ہوں لیکن اگر ہم اُس نورانی قوت کو کام میں لائے جاتے ہیں اور افعال ذمیمہ کو بُرا جانتے جاتے ہیں اور اُن کے کرنے پر دل میں ندامت پاتے ہیں تو کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ قوائے بہیمیہ بالکل کمزور ہو کر اعتدال پر آجاتے ہیں اور اُس نورانی قوت کی سلطنت سب پر ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اُن قوائے بہیمیہ کا وہ زور شور نہیں رہتا یہی نیچر کا مسئلہ ہے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ سلم نے ہمکو بتایا ہے ٭

عن ابي هريرة قال جاء ناس من اصحاب رسول الله صلعم الى النبي صلعم فسالوه انا نجد في انفسنا ما يتعاظم احدنا ان يتكلم به قال اوقد وجدتموه قال نعم قال ذلك صريح الايمان رواه مسلم ٭

مگر جب وہ نورانی قوت بیکار چھوڑ دی جاتی ہے تو وہ نہایت ہی کمزور رہتی ہے اور کبھی ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا معدوم ہے پس جس چیز پر ہم مجبور ہیں وہ باعث عذاب نہیں بلکہ ترک فعل اختیاری کا یعنی نہ کام میں لانا اُس نورانی قوت کا باعث عذاب ہے ٭

تمہید چہارم۔ میں سمجھتا ہوں اور جو شخص تقلید سے علیحدہ ہو کر غور کریگا یقینی جانیگا کہ اکثر عالموں نے قرآن مجید کی حالت کی نسبت غلط فہمی کی ہے قرآن مجید کی دو حالتیں ہیں۔ ایک حالت اُسکی اُسکا قرآن یعنی وحی منزل من اللہ ہونا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید بلفظہ منزل من اللہ ہے جسکو میں وحی متلو کہتا ہوں پس ہمارا ایمان ہے کہ ہم اُسکے ہر ہر لفظ کو منزل من اللہ سمجھیں۔ دوسری حالت اُسکی اُس کے معنی قرار دینا اور اُس سے مطلب اور مراد کا اخذ کرنا ہے۔ اِس حالت میں قرآن مجید مثل ایک فصیح و بلیغ انسان کے کلام کے متصور ہوتا ہے اور جس طرح کہ ہم ایک فصیح و بلیغ انسان کے کلام کے معنی لیتے ہیں اور اُس کا مطلب و مراد ٹھہراتے ہیں اُسی طرح بالتشبیہ قرآن مجید کے بھی معنی لینگے اور اُس کا مطلب و مراد قرار دینگے اور اسوقت کسی طرح کا تفرقہ قرآن مجید و کلام انسانی میں نہ کریں کیونکہ قرآن مجید انسان کی زبان اور اہل عرب کی بول چال میں نازل ہوا ہے۔ پس اُس میں

بلحاظ دیگر حالات کے جو کچھ بزرگی منزل من اللہ ہونے کی ہو سو ہو وہ جدا بات ہے مگر اُس کے معنی قرار دینے اور مطلب و مراد اخذ کرنے میں اُس میں اور انسان کے کلام میں کچھ فرق نہیں ہے ؛

اِن تمہیدات کے بعد میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اِن آیات قرآنی سے جن کا آپ نے اپنے سوال میں ذکر کیا تھا اور نیز مثل اُن کے جو اور آیتیں ہیں اُن سے بھی انسان کا مجبور ہونا پایا نہیں جاتا ؛

آیت سورہ بقر کا اخیر جملہ یعنی "ولهم عذاب عظيم" تو کافروں کے حال کی پیشین گوئی ہے جس سے حسب بیان تمہید سویم اُن کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا اور پہلے جملے یعنی "ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى ابصارهم غشاوة" اُن کی جبلت کا حال ہے مگر یہ حال بشرطیکہ دوسری قوت بیکار نہ چھوڑی جاوے باعث درکات نہیں ؛

اب بلحاظ تمہید چہارم اس آیت پر غور فرمائیے اور اُسکو بلا تشبیہ ایک انسان فصیح و بلیغ کا کلام سمجھئیے اور یوں خیال کیجئے کہ ایک ناصح شفیق کسی کو افعال ذمیمہ چھوڑنے اور اخلاق حمیدہ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہے اور وہ شخص اُس کی نصیحتوں پر کان بھی نہیں دھرتا اِس حالت کو دیکھکر ایک شخص کہتا ہے کہ بدذاتوں نا اہلوں کو تم نصیحت کرو یا نہ کرو وہ کبھی نیک بات نہیں سیکھنے کے اُن کے دل پتھر کے اور اُن کی آنکھیں اندھی اور کان بہرے ہیں۔ خدا نے اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے ؛

اب جو شخص اِن باتوں کو سُنیگا کیا یہ سمجھے گا کہ اُس شخص نے یا خدا نے اُس بدذات آدمی کے دل پر مُہر لگا کر اور اُس کی آنکھوں اور کانوں پر پردہ ڈال کر ناصح کی نصیحت نہ ماننے پر مجبور کر دیا ہے کبھی کوئی ایسا نہیں سمجھ سکتا بلکہ ہر کوئی یہی سمجھیگا کہ اس کہنے سے اُس بدذات نا اہل آدمی کی نہایت بدذاتی اور نا اہلی کا جتانا اور اَور لوگوں کو عبرت دلانا مقصود ہے ؛

میری سمجھ میں ایسے کلام انسانی میں کوئی شخص اِن الفاظ انشائیہ سے اُن کے حقیقی معنی نہیں لے سکتا۔ پس خدا تعالیٰ کے اِس قسم کے کلام کو جو انسانی بول چال پر ہے زیادہ اُسکی منشا سے بڑھانا اور اُن الفاظ کو جو بطور خطابیات کے واقع ہیں حقیقی انشائیات سمجھنا بڑی غلطی ہے ؛

خدا نے اُن بڑھ بدوؤں کے لیئے اُنہی کی زبان میں قرآن اُتارا ہے۔ پس ہمیشہ قرآن مجید کے

سیدھے سیدھے صاف صاف معنی لینے چاہئیں اور نکات بعد الوقوع اور کنایات و اشارات و استعارات و دلالات کی قسم کو اُس میں گھسیڑ کر اُسکو کھینچنا اور تاننا نہیں چاہیئے اس قسم کے معنی قرآن مجید سے نکالنے خیالات شاعرانہ سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتے ؛

اب آپ سورہ اعراف کی آیتوں - جو آپ کے سوال میں مندرج ہیں لحاظ فرمایئے کہ اھتدا اور اضلال کی نسبت جو خدا نے اپنی طرف کی ہے وہ اُسی علۃ العلل ہونے کے سبب سے کی ہے کیونکہ قوت اھتدا اور اضلال دونوں اُسی نے دی ہیں مگر اس نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ مھتد اور مضل ہونے پر اُس نے مجبور کر دیا ہے ؛

اگر آپ کو میرا یہ بیان پسند ہوگا تو آپ یقین کرینگے کہ قرآن مجید سے انسان کا مجبور رہونا ثابت نہیں ہوتا تو اب نبوت پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا ؛

ایمان نہ لانے پر قتل کرنے کا اور گھر بار لوٹ لینے کا شریعت میں کہیں حکم نہیں ہے - چند روز ہوئے کہ جہاد کے مسئلہ پر میں بخوبی بحث کر چکا ہوں اور حقیقت جہاد کو میں نے اپنی کتاب خطبات احمدیہ اور ڈاکٹر ھنٹر صاحب کی کتاب کے جواب میں بالتفصیل لکھا ہے آپ اُس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں ؛

اور شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسبت جو آپنے خدا کا اپنے نبی پر ظلم کرنیکا ذکر کیا ہے یہ بات تو کوئی مسلمان کیا شیعہ اور کیا سُنی نہیں کہتا اور کسی کا بھی یہ اعتقاد نہیں ہے کہ حضرت امام کافروں کے خون کے بدلے میں شہید ہوئے ہیں ؛

یہ مسئلہ جو میں نے بیان کیا کسی قدر باریک ہے اور اُس پر غور درکار ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ اور نیز اور لوگ جن کی نگاہ سے میری یہ تحریر گذرے وہ قبل اس کے کہ اس پر رد و قدح کریں ذرا دل لگا کر غور فرماویں گے ؛

حدیث تشبہ

خط

جناب مخدوم مکرم مولانا سید احمد خاں صاحب بہادر سی - ایس - آئی - زید مجدکم

تسلیم کے بعد گذارش ہے کہ حدیث شریف من تشبہ بقوم فھو منھم کے معانی اور مراد میں لوگوں کو نہایت اختلاف ہے - کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے - پس واسطے حصول اطمینان

اور تنقیح مراد حدیث کے ضرور ہوا کہ اُس کا مورد تحقیق کیا جائے تاکہ مراد صحیح لفظ تشبہ کی معلوم ہو جاوے لہذا بصد نیاز خدمت عالی میں گذارش ہے کہ ارشاد ہو کہ اس حدیث کا مورد کیا ہے اور لفظ تشبہ سے کس امر میں تشبیہ مقصود ہے۔ زیادہ نیاز و تسلیم ؛

آپ کا خادم

ح

جواب

یہ حدیث ابوداؤد نے باب ماجاء في الاقبية میں نقل کی ہے اور اُس کے الفاظ یہ ہیں " حدثنا عثمان بن ابي شيبة نا ابوالنضر عبدالرحمن بن ثابت نا حسان بن عطية عن ابي منيب الجرشي عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم "؛

اوّل تو مجھ کو یہ بیان کرنا چاہیئے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے نہ روایتاً اور نہ درایتاً۔ روایتاً تو اس لیئے ثابت نہیں کہ جو سند اس بات کی بیان ہوئی ہے اُس سے اتصال سند کا رسول خدا صلعم تک ثبوت نہیں ہے کیونکہ جو الفاظ روایت کے ہیں اُن سے یہ بات لازم نہیں ہے کہ حسان اور ابی منیب اور ابن عمر کے درمیان میں اَور کوئی راوی نہو پس جبکہ سلسلہ رواۃ غیر ثابت ہے تو وہ حدیث فی نفسہ ثابت نہیں ہے ؛

اور درایتاً ثابت نہونیکی بہت سی دلیلیں ہیں۔ ایک یہ کہ راوی نے مورد حدیث بیان نہیں کیا اور لفظ تشبہ کا جو حدیث میں واقع ہے مورد حدیث کے نہ معلوم ہونے سے کسی حکم مدلولی یا استنباطی یا قیاسی کا فائدہ نہیں دیتا۔ پس مورد اس حدیث کا تحقیقاً معلوم نہیں ہے اور نہ معلوم ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس حدیث کو ثابت تسلیم کر لیا جاوے تو قیاساً اُس کا مورد قرار پاسکتا ہے جیسا کہ آیندہ بیان ہو گا ؛

دوسرے یہ کہ لفظ "قوم" جو اس حدیث میں ہے وہ بھی کسی نتیجہ کا فائدہ نہیں دیتا کسی قوم کا ہونا یا کسی قوم کے مشابہ بننا کسی نتیجہ شرعی کو مفید نہیں ہے۔ ایک انگریز نے ایرانی یا افغانی لباس پہن کر اپنے تئیں قوم ایران اور قوم پٹھان کے مشابہ کر لیا اور یہ بھی تسلیم کیا کہ لوگوں نے اُسکو ایرانی یا پٹھان سمجھا مگر پھر اُس سے نتیجہ کیا۔ علےٰ ہذا القیاس ایک ہندوستانی مسلمان نے عربی یا ایرانی یا پٹھانی یا روسی یا انگریزی پوشاک پہن کر اپنے تئیں مشابہ اُن قوموں کے

بنایا اور لوگوں نے بھی اُسکو اُسی قوم کا سمجھا تو پھر اُس سے نتیجہ شرعی کیا نکلا ؛

تیسرے یہ کہ تشابہ ایک قوم کا دوسری قوم سے بلاشبہ زیادہ تر لباس پر منحصر ہوتا ہے مگر خود رسول خدا صلعم نے یورپ کی قوم کا اور خاص رومن کیتھلک میں جو مروج تھا وہ لباس پہنا ہے مشکوٰۃ میں بخاری و مسلم سے یہ حدیث موجود ہے کہ " ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبس جبة رومیة ضیقة الکمین " جبہ رومیہ بطور عبا یا چوغہ کے ایک قسم کا لباس ہے تنگ آستینوں کا جو اب بھی رومن کیتھلک کے پادری پہنتے ہیں اور خاص پادریوں کی پوشاک ہے ؛

رسول خدا صلعم کے زمانہ میں تمام یورپ اور شام میں رومی عیسائیوں کی سلطنت تھی جو پوپ کے تابع تھی اس لیئے تمام یورپ کی قوموں کو زبان عرب میں رومی کہتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے " الم غلبت الروم " اور وہ سب رومن کیتھلک تھے اور جبہ رومیہ خاص اُن کی پوشاک تھی ؛

بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلعم نے یہودیوں کی پوشاک بھی پہنی ہے جیسا کہ حدیث مغیرہ میں ہے " فتوضاء وعلیہ جبة شامیة " (صفحہ ۸۶۳) اور جبہ شامیہ خاص یہود کا لباس تھا جو اب تک اُن کے ربیوں کا لباس ہے ؛

مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلعم نے خاص آتش پرستوں کا بھی لباس پہنا ہے جیسا کہ حدیث عبداللہ مولی اسماء بنت ابی بکر میں ہے " فاخرجت الی طیالسیة کسروانیة " (ص ۱۹۰ - جلد ۲) اور یہ وہ جبہ کسروانی ہے جو بروقت وفات آپ پہنے ہوئے تھے ؛

پھر جب بخاری کھولتے ہیں تو بسم اللہ کے بعد ہی یہ عبارت پڑھتے ہیں " کتاب اللباس باب قول اللہ قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلوا واشربوا والبسوا (اے ماطاب لکم) وتصدقوا فی غیر اسراف ولا مخیلة وقال ابن عباس کل ما شئت والبس ما شئت ما اخطائتک اثنتان سرف او مخیلة " پس ہم ان ایتوں سے کسی قسم کی پوشاک پہننے سے ممنوع نہیں معلوم ہوتے تو لفظ تشابہ کو مشابہت زی و لباس پر بھی محمول نہیں کرسکتے ؛

چوتھے یہ کہ تمام مسلمان و صحابہ اور خود جناب رسول خدا صلعم اور کفار عرب ایک سا ہی لباس رکھتے تھے اور دونوں قومیں جو باعتبار مذہب کے دو تھیں بالکل ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور کوئی تفرقہ کفار اور اہل اسلام میں تمیز کا قایم نہیں کیا گیا تھا تو پھر من تشبہ بقوم فہو منہم کے

کیا معنی۔ کیا عقل سلیم اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ اگر جناب رسول خدا صلعم لندن میں یا جرمن و ایشیا میں پیدا ہوئے ہوتے تو اُن کا لباس ویسا ہی ہوتا جیسا کہ اُن ملکوں کے لوگوں کا ہے پس تشابہ قومی سے کیا نتیجہ شرعی پیدا ہو سکتا ہے ✦

پانچویں یہ کہ لفظ تشبہ اور منہم خواہ اُن کے کامل معنی مراد لو یا ناقص اور قوم کے معنی حقیقی بھی چھوڑ کر اس کے فرضی معنی یعنی ایک مذہب کے لوگ لو تو بھی حدیث کے معنی درست نہیں ہو سکتے۔ کیا ادنیٰ مشابہت سے مثلاً دھوتی باندھ لینے سے یا انگھی و چرٹ پر چڑھنے سے یا بالکل پوری ظاہری مشابہت کو لینے سے باوجود اقرار توحید و رسالت کے آدمی کافر ہو جاتا ہے حاشا وکلا۔ پس اصل یہ ہے کہ یہ حدیث روایتاً اور درایتاً دونوں طرح پر مردود ہے ✦

بااینہمہ اگر ہم اس کو صحیح مان لیں تو ہم کو ضرور اسکا مورد تلاش کرنا ہوگا کیونکہ بغیر مورد تحقیق کیے اور مابہ التشبہ قرار دیئے اس کے معنی قایم نہیں ہو سکتے مگر چونکہ خود حدیث میں ان دونوں میں سے کوئی بھی مذکور نہیں ہے تو جو کچھ قرار دیا جاوے گا وہ صرف قیاسی ہوگا جو ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق اُس کا مورد یا مابہ التشبہ جو درحقیقت دونوں ایک ہیں قرار دیگا ✦

بعض عالموں نے مشابہت سے مشابہت فی خصوصیات الدین مراد لی ہے۔ مثلاً زنار پہننا یا صلیب رکھنا یا ٹیکہ لگانا یا اعیاد کفار کو بطور عید اختیار کرنا یا اُس میں شریک ہونا۔ اگرچہ یہ رائیں کسی قدر عمدہ معلوم ہوتی ہیں مگر میں اُن کو پسند نہیں کرتا اور نہ حدیث کی یہ مراد قرار دیتا ہوں اسلیئے کہ میرے نزدیک قطعیات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر دل سے یقین رکھتا ہے اُس کا کوئی فعل مع یقین مذکور کے اُسکو کافر نہیں کر سکتا۔ پس اگر اُس قول پر جس پر ابوجہل کی نجات منحصر تھی اُسکو یقین ہے تو گو وہ کسی قوم کے ساتھ تشابہ کرے ولو فی خصوصیات الدین و شعایر الکفر کالزنار والصلیب والاعیاد وہ کافر نہیں ہو سکتا کیا ہم دیوالی دسہرہ میں اپنے ہندو دوستوں سے اور نوروز میں اپنے پارسی دوستوں سے اور بڑے دن میں اپنے عیسائی دوستوں سے ملکر اور معاشرت و تمدن کی خوشی حاصل کر کر کافر ہو جاوینگے نعوذ باللہ منہا۔ اگر درحقیقت ہمارا مذہب اسلام ایسا ہی بودا ہے تو بکرے کی ماں کب تک خیر منائیگی ایک نہ ایک دن اُسکو ذبح ہونا ہے ✦

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کا جسکو میں آیندہ سے قول کہوں گا کیونکہ میرے نزدیک اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں ہے۔ کوئی صحیح مورد بجز ایک کے وہ بھی قیاساً قرار نہیں پا سکتا اور وہ

مورد موت اژدحام ہے یعنی جس حالت میں موت اژدحام واقع ہو اور مختلف قوموں کے مردے گڈمڈ ہوجاویں تو حکم من تشبہ بقوم فہو منہم کا جاری ہوگا یعنی لاشوں میں جو لاش جس قوم کے شبہ ہوگی وہ اُسی قوم کی شمار ہوگی اور اُس کی تجہیز و تکفین اُسی طرح کیجاویگی۔ درمختار میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی لاش پہچاننے کی چار علامتیں ہیں۔ خضاب اور سیاہ لباس اور حلق عانہ اور ختنہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ موت اژدحام کے جس قدر احکام ہمارے ہاں کی کتب فقہ میں مندرج ہیں وہ اسی قول کی بنا پر ہیں پس میری دانست میں یہی مورد اس قول کا اور یہی مراد اس قول کی ہے وبھذا اعتقادی وعلی ھذا عملی والسلام۔

تفسیر السموات

حررہ العبد المفتقر الی اللہ الصمد السید احمد

ہمکو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ علماء اسلام نے کوئی خاص علم ہیئت ایسا مقرر کیا ہے جس کی بنا قرآن مجید یا حدیث پر ہو جہاں تک ہمکو معلوم ہے وہ یہی ہے کہ جو علم ہیئت یونانی حکیموں نے اختیار کیا تھا وہی بعینہٖ بذریعہ ترجموں کے جو یونانی زبان سے عربی زبان میں ہوئے ہم مسلمانوں میں بھی پھیل گیا۔ جب قرآن مجید کی تفسیریں لکھی گئیں اور قرآن مجید کی کسی آیت میں کوئی ایسا مضمون آیا جو علم ہیئت سے علاوہ رکھتا تھا تو اُنھوں نے اُسکی تفسیر اُسی یونانی علم ہیئت کے اصول پر کی۔ یہانتک کہ قرآن مجید میں سات آسمانوں کا ذکر تھا اور یونانی نو آسمان مانتے تھے تو علماء اسلام نے اُن سات آسمانوں میں عرش اور کرسی کو ملا کر پورے نو کر دیئے۔ پس ہم سمجھتے ہیں کہ علماء اسلام نے یونانی علم ہیئت کو تسلیم کیا اور اُسی کے اصول کو مذہبی کتابوں اور قرآن مجید کی تفسیروں میں داخل کر دیا۔ رفتہ رفتہ وہ مذہب کے ساتھ اور مسائل مذہبی میں ایسا مل جل گیا کہ یونانی علم ہیئت سے انکار کرنا گویا مسائل ضروریہ مذہب سے انکار کرنا خیال میں سما گیا۔ پس جس قدر کہ ہمکو انکار ہے اُنہی مسائل علم ہیئت یونانیہ سے ہے جن کو علماء اسلام نے مسائل مذہبی و تفسیر قرآن مجید میں شامل کیا ہے۔

یونانی حکیم آسمانوں کا ایک ایسا جسم مانتے ہیں جو نہایت مضبوط و سخت ہے اور وہ ایک مکان کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ مثل کُرہ کے گول اور اندر سے خالی ہے جیسے انڈے کا چھلکا اور دنیا کے چاروں طرف کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام دنیا اُن کے اندر ایسی ہے جیسیکہ انڈے کے

چھلکے میں اُس کے اندر کی زردی و سفیدی +

وہ کہتے ہیں کہ بیچوں بیچ میں زمین اسی طرح پر ہے جیسے کہ انڈے میں انڈے کی زردی اُسکے اوپر پانی ہے مگر جس طرح کہ بعضی دفعہ انڈا اوبلنے میں اُس کی زردی ایک طرف کو ہو جاتی ہے اور سفیدی سے باہر نکل آتی ہے اُسی طرح زمین بھی بیچ میں سے ٹل گئی ہے اور پانی کے ایک طرف نکل آئی ہے جس کے اوپر ربع مسکون یعنی دنیا ہے[1] پھر وہ کہتے ہیں کہ پانی پر ہوا ہے اور ہوا پر کرہ آتش ہے اور کرہ آتش پر اول آسمان ہے جس میں چاند ہے۔ پھر دوسرا آسمان ہے جس میں عطارد ہے۔ پھر تیسرا آسمان ہے جس میں زہرا ہے۔ پھر چوتھا آسمان ہے جس میں آفتاب ہے۔ پھر پانچواں آسمان ہے جس میں مریخ ہے۔ پھر چھٹا آسمان ہے جس میں مشتری ہے۔ پھر ساتواں آسمان ہے جس میں زحل ہے۔ پھر آٹھواں آسمان ہے جس میں یہ لاکھوں ثوابت جڑے ہوئے ہیں پھر نواں فلک الافلاک ہے جو سب کو محیط ہے +

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ فلک الافلاک کے اوپر کچھ نہیں ہے یعنی فلک الافلاک کے اوپر مکان کا اطلاق نہیں ہے اور اسی سبب سے وہ نہیں بتاتے کہ فلک الافلاک کی سطح محدب کس کی مماس ہے یعنی اُس کے اوپر کیا ہے مگر یہ کہتے ہیں کہ اُسکی سطح مقعر فلک نہم کی سطح محدب کی مماس ہے اور اسیطرح تمام آسمانوں کی سطح مقعر اُس کے نیچے کے آسمان کی سطح محدب سے مماس ہے اور اسی لیئے وہ قایل ہیں کہ زمین سے فلک الافلاک تک کہیں خلا نہیں ہے +

وہ اس کے بھی قایل ہیں کہ تمام آسمان مع کواکب کے جو اُن میں جڑے ہوئے ہیں زمین کے گرد پھرتے ہیں اور زمین اُن میں مثل مرکز کے ہے۔ کرہ میں انہی اصولوں کو علما اسلام نے بھی اختیار کیا ہے اور انہی اصول پر قرآن مجید کے مفسروں نے قرآن کی تفسیر کی گو کہ بعض بعض باتوں میں کچھ اختلاف بھی کیا ہو مگر نظام یہی تسلیم کیا ہے۔ اس تحریر کے ساتھ جو ایک پرچہ شامل ہے۔ اُس میں جو شکل نمبر اول کی مندرج ہے اُس سے بخوبی تصویر آسمانوں اور ستاروں کی سمجھ میں آ سکتی ہے جس طرح پر کہ یونانی حکیموں نے مقرر کی ہے +

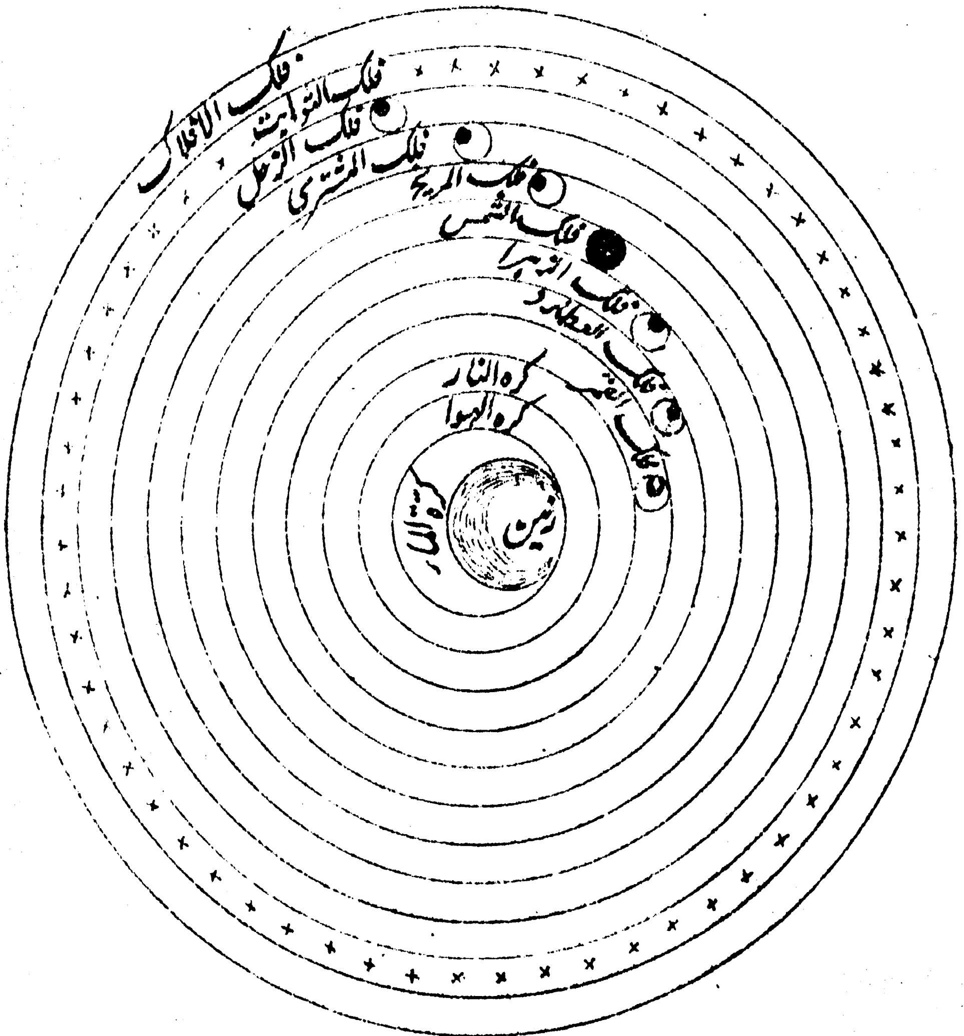
اب ہم یہ دعوی کرتے ہیں کہ جس طرح پر یونانی حکیموں نے آسمانوں کا مجسم ہونا تسلیم کیا ہے اور

---

[1] یونانیوں کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ اس دنیا کے نیچے دوسری دنیا آباد ہے مگر اس کی خبر ہوتی تو ایسا خیال نہ کرتے +

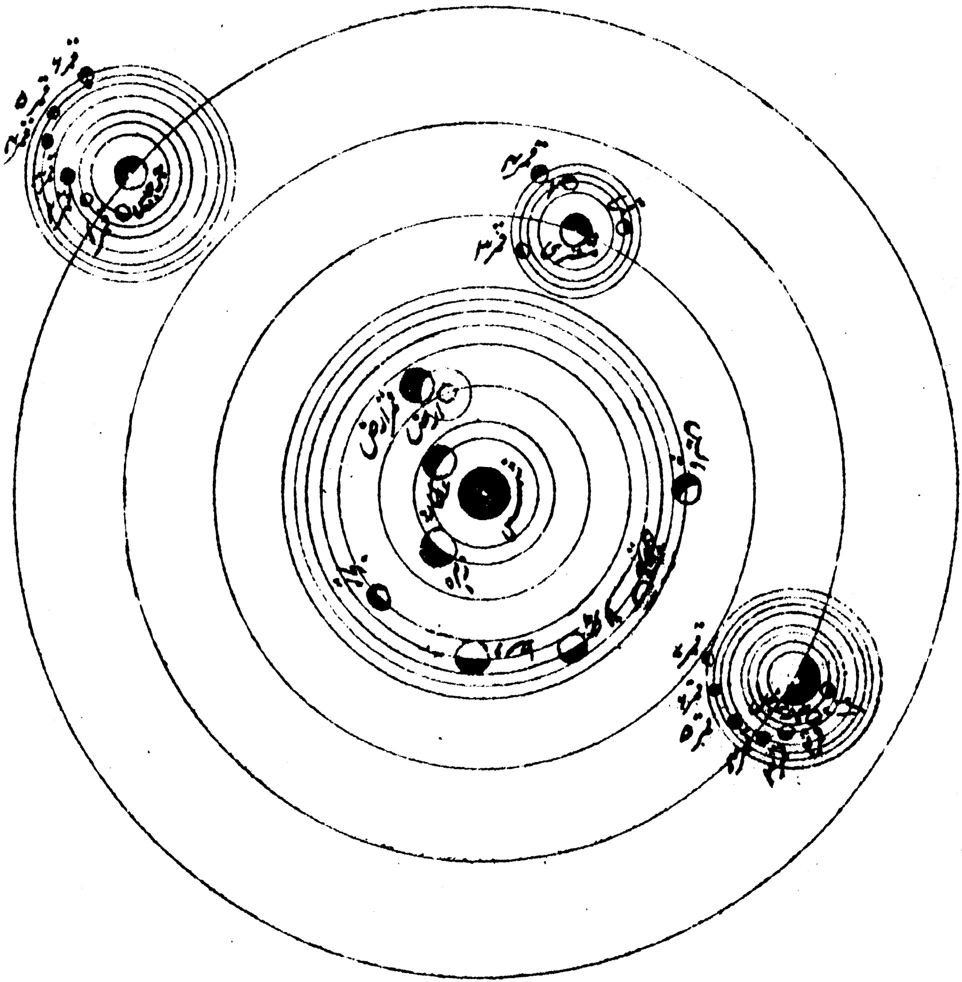
شکلِ اوّل

نظام عالم مطابق قیاس یونانیون کے



شکل دوم

نظام عالم مطابق مشاہدہ بذریعۂ دوربین



اُن کو معہ کواکب زمین کے گرد پھرتا ماننا ہے یہ بالکل غلط اور خلاف واقع ہے اور علماء اسلام نے بڑی غلطی کی ہے جو انہی اصولوں کو اپنے مذہبی مسائل میں ملا دیا ہے اور قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر اُسی یونانی علم ہیئت کے مطابق کی ہے کیونکہ وہ بنا فاسد علی الفاسد ہے ✦

ہمکو مشاہدہ سے بذریعہ دُوربین کے (جو ہمارے نزدیک اور ہر ایک انسان کے نزدیک جو ذرا بھی واقفیت اور عقل رکھتا ہے دلیل قطعی ہے) برخلاف اُسکے ثابت ہوا ہے جو آسمانوں اور کواکب نظام یونانی حکیموں نے قرار دیا ہے اور جسکی تفصیل ذیل میں مندرج ہے ✦

اوّل - اِن سات سیاروں کے سوا جن کو ہر کوئی دیکھتا اور جانتا ہے اور جن کے لیئے یونانیوں نے سات آسمان مثل انڈے کے چھلکے کے قرار دیئے تھے اَور بھی سیارے بذریعہ دُوربین کے دکھائی دیئے ہیں جو اب تعداد میں دس یا گیارہ شمار ہوئے ہیں پس یونانیوں نے جو سات آسمان سات ستاروں کے لیئے قرار دیئے تھے وہ بالکل غلط ہو گئے اور علماء اسلام نے جو لفظ سبع سمٰوات کی تفسیر میں وہی یونانی حکیموں کے سات آسمان سمجھے تھے یقینی اُن علماء نے غلطی کی تھی کیونکہ کلام الٰہی خلاف واقع نہیں ہو سکتا پس اس سے ثابت ہے کہ سبع سمٰوات سے یہ مطلب نہیں ہے جو علماء اسلام نے تفسیروں میں قرار دیا ہے ✦

دوئم - مشتری کے گرد چار چاند اور زحل کے گرد سات چاند اور جرجیس کے گرد جو نیا سیارہ دکھائی دیا ہے چھ چاند دُوربین کے ذریعہ سے دکھائی دیئے ہیں اور وہ اپنے اپنے سیارہ یعنی مشتری و زحل و جرجیس کے گرد پھرتے ہیں اور ہم اُن کی گردش کو اپنی آنکھ سے بذریعہ دُوربین کے دیکھتے ہیں پس اگر آسمان ایسے ہی مجسم ہوتے جیسے کہ یونانی حکیم قرار دیتے ہیں اور جیسا کہ علماء اسلام نے غلطی سے قرار دیا ہے تو اُن چاندوں کا گرد اُن ستاروں کے پھرنا ممکن نہ تھا ✦

فرض کرو کہ ایک کوٹھڑی ہے اور غول کبوتروں کا اُس کے اوپر سے اندر گھستا ہے اور وہاں سے نکلتا ہے تو ہر شخص یقین کریگا کہ اُس کوٹھڑی پر چھت نہیں ہے یا کبوتروں کے گھسنے کے بقدر کھلی ہوئی ہے یا وہ چھت ایسی ہے کہ کبوتروں کے جانے آنے کو مانع نہیں ہو سکتی ورنہ ممکن نہیں کہ کبوتر اوپر سے کوٹھڑی میں گھستے پس اگر ستارے آسمانوں میں جڑے ہوتے اور آسمان انڈے کے چھلکے کی طرح ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اُن سیاروں کے چاند بغیر آسمانوں کے توڑنے اُن سیاروں کے گرد دَورہ کرتے ✦

سوئم - اگلے زمانہ میں یونانی حکیموں نے دُم دار ستاروں کو یہ سمجھا تھا کہ آسمان و زمین کے بیچ میں پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر جاتے رہتے ہیں مگر اب مشاہدہ سے بذریعہ دوربین کے ثابت ہوا ہے کہ

یہ بات غلط تھی وہ بھی بجائے خود ستارے ہیں اور بہت دور چلے جاتے ہیں اور پھر چلے آتے ہیں اور اُن کی حرکت ایسی بڑی ہے کہ تمام کواکب اور فلک الافلاک مقررہ حکماء یونان سے بھی اونچے ہو جاتے ہیں اور چونکہ دمدار ستارے بھی متعدد ہیں اس لیئے متعدد سمتوں پر حرکت کرتے ہیں پس جس طرح کا جسم آسمانوں کا یونانی حکیموں نے قرار دیا ہے اگر ویسا ہی جسم آسمانوں کا ہوتا تو دمدار ستاروں کا اس طرح پر حرکت کرنا ناممکن ہوتا یا اُن کی حرکت سے تمام آسمان شیشہ کی طرح چکنا چور ہو جاتے ❊

دُوربین کے ذریعہ سے دکھائی دیتا ہے کہ کواکب اس طرح پر واقع ہیں جیسا کہ شکل دوئم میں بنائے گئے ہیں اور اُن کا دَورہ بھی دُوربین کے ذریعہ سے اُسی طرح معلوم ہوتا ہے جس طرح کہ اُس شکل میں دائرے کھینچے ہیں پس اب خیال کرو کہ اگر آسمان اس طرح پر مجسّم ہوں جیسا کہ حکماء یونان نے قرار دیا ہے اور ایک کا مقعر دوسرے کے محدب سے مماس ہو تو مشتری اور زحل اور مریخ کے چاند کیونکر اُن کے گرد پھر سکتے ہیں ۔ اور اگر آسمانوں میں فاصلہ بھی مانا جاوے تو یہ ذوات الاذناب یعنی دمدار ستارے کسطرح تمام آسمانوں کو توڑ پھوڑ چکنا چور کر کر نکل جاتے ہیں ❊

اگر یہ بات کہی جاوے کہ ہم آسمانوں کا جسم ایسا نہیں مانتے جیسا کہ یونانی حکیموں نے مانا ہے بلکہ ہم ایسا لچ لچا اور ڈھلم ڈھلا مانتے ہیں جس میں سے سب چیزیں نکل جاتی ہیں جیسے پانی یا ہوا یا اُس سے بھی زیادہ جسم لطیف مگر اِس کہنے پر ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا جسم ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے اُسپر ہمارے دوست کہتے ہیں کہ ضرورت یہ ہے کہ قرآن مجید سے انکار لازم نہ آوے ❊

ہم اُسکے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت اگر ایسا ہی جسم آسمانوں کا مانا جاویگا تب بھی مفسرین کی تفسیروں سے تو انکار کرنا پڑیگا کیونکہ سبعاً شداداً کے جو معنی اُنھوں نے قرار دیئے ہیں وہ کسیطرح ایسے لچ لچے ڈھلم ڈھلے جسم پر صادق نہ آوینگے اور ضرور دوسرے معنی قرار دینے پڑینگے ❊

پھر ہم اُن کو دوسری طرح سمجھاتے ہیں کہ قرآن مجید کے سبب سے کسی چیز کو مان لینا اور اُسکی واقعیت پر کسی دلیل کا نہ لا سکنا کچھ کام کی بات نہیں ہے ۔ جاہل مسلمانوں کا یقین ہمارے یقین سے بہت زیادہ مضبوط ہے ۔ اُن کو تو نہ ہمیں اس بات کے سمجھانے کی حاجت ہے کہ آسمانوں کا جسم یونانی حکیموں والا جسم ہے یا اَور کسی طرح لطیف والطف لچ لچا اور ڈھلم ڈھلا ہماری تک گفتگو ہے وہ لکھے پڑھے آدمیوں سے ہے اور مذہب کے سچے ہونے کی دلائل زیادہ تر اُن لوگوں سے متعلق ہیں جو اِس مذہب کو نہیں مانتے تھے یا اُن لوگوں سے متعلق ہیں جو پہلے اِس مذہب کو مانتے تھے مگر کسی وجہ سے اب اُس سے پھر گئے ہیں پس اگر اِن دونوں قسموں کے لوگوں کے سامنے آپ فرمایئے کہ

ہم آسمان کا ایسا جسم لطیف اس لیے مانتے ہیں کہ قرآن کا انکار لازم نہ آوے تو اُس کے دل میں
یہ بات کیا اثر کریگی بلکہ مثل اُس شخص کے جس نے آتاری شاعر کو کہا تھا کہ شعر گفتن چہ ضرور۔ نعوذ باللہ
وہ بھی جواب دیگا کہ تسلیم کردن قرآن چہ ضرور +

علاوہ اسکے نہایت ضعف یقین کی بات ہے کہ ہم قرآن مجید کے کسی کلام کی نسبت جس میں واقعات
اور حقایق موجودہ کا ذکر ہو یہ کہیں کہ اُس کے واقعی ہونے کا کچھ ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے ایسی بات سے
کیا فائدہ ہے جس کے واقعی ہونے کا دل میں تو یقین نہ ہو مگر صرف زبان سے اقرار کیا جاوے۔ ہمارا
ایمان تو قرآن مجید پر ایسا مستحکم ہے کہ ہم تمام حقایق موجودہ کو اور قرآن مجید کو مطابق دل سے یقین
کرتے ہیں +

چہارم۔ ہم بذریعہ دُوربین کے زہرہ کو اور اُس کے سوا اور ستاروں کو بھی دیکھتے ہیں کہ مثل چاند کے
بدر و ہلال ہوتے ہیں پس اگر وہ ستارے آفتاب کے گرد پھرتے نہ ہوتے بلکہ زمین کے گرد پھرتے ہوتے
تو اُن کا بدر و ہلال ہو کر ہم کو دکھائی دینا غیر ممکن ہوتا۔ یونانی حکیموں کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہوئی تھی
کہ اور ستارے بھی بدر و ہلال ہوتے ہیں +

پنجم۔ ہم بذریعہ دُوربین کے اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ عطارد اور زہرہ جب آفتاب کے پاس آجاتے
ہیں تو کبھی تو وہ آفتاب سے اس طرح پر مل جاتے ہیں کہ آفتاب نیچے ہوتا ہے اور وہ اُس کے اوپر
ہوتے ہیں اور کبھی آفتاب اوپر ہوتا ہے اور وہ اُس کے نیچے ہوتے ہیں اور یہ بات ہو نہیں سکتی
جب تک کہ آفتاب ساکن نہ ہو اور تمام سیارات معہ زمین کے اُس کے گرد نہ پھرتے ہوں۔ اگر آفتاب چوتھے
آسمان میں جڑا ہوا ہوتا اور وہ دونوں اُس سے نیچے ہوتے یعنی عطارد دوسرے آسمان میں اور زہرہ تیسرے
آسمان میں اور وہ سب زمین کے گرد پھرتے ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ عطارد و زہرہ کبھی آفتاب کے اوپر آفتاب
سے جا کر ملتے یونانی حکیموں کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہوئی تھی کیونکہ اُس زمانہ میں دُوربین ایجاد نہیں ہوئی
تھی مگر اس زمانہ میں اُن کا مقررہ علم ہیئت مشاہدہ سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ پس اس سے زیادہ انسان
کی نادانی کیا ہوگی کہ قرآن مجید کی تفسیر ایسے اصول پر کرے جن کی غلطی علانیہ ہو اور ایسے اصول پر تفسیر
کرنیکو کفر سمجھے جو بالکل واقع کے مطابق ہو +

علاوہ اس کے اور بہت سی دلیلیں ہیں جن سے بخوبی بمنزلہ عین الیقین بلکہ حق الیقین کے ثابت ہوتا
ہے کہ یونانیوں نے آسمانوں کا جیسا جسم مانا تھا اور کواکب کو اُن میں جڑا ہوا تسلیم کیا تھا اور یہ جانتے تھے
کہ تمام آسمان معہ کواکب کے زمین کے گرد حرکت کرتے ہیں اور زمین ساکن ہے یہ محض غلط اور خلاف واقع

ہے مگر وہ دلیلیں فی الجملہ مشکل ہیں اور آلات رصدیہ کی واقفکاری اور علم طبیعات کے جاننے پر موقوف ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ عام لوگ جو اُن علوم سے محض ناواقف ہیں سمجھ نہیں سکنے کے اس لیئے ہمنے اُن کو بیان نہیں کیا اور صرف چند موٹی موٹی باتیں بیان کی ہیں جو ہر سمجھدار آدمی کی سمجھ میں آسکتی ہیں خواہ وہ اُن علوم سے واقف ہو یا نہ ہو ٭

مشاہدہ سے اور تمام دلیلوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک وسعت میں خواہ اُسمیں کوئی جسم لطیف سیال ہو یا نہ ہو تمام کرات جو کواکب دکھائی دیتے ہیں پھیلے ہوئے ہیں یہ زمین بھی اُنہی کی مانند ایک کرہ ہے اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ہم رات کو مختلف مقامات میں بہت سے غبارے اُڑا دیتے ہیں اور وہ اوپر چلے جاتے ہیں اور معلق ٹھہرے ہوئے اور چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اسی طرح یہ سب کرے کواکب کے مع ہماری زمین کے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک وسعت میں بکھیر دیئے ہیں جو اپنی اپنی جگہ میں ہیں۔ اُن سب کے بیچ میں آفتاب ہے اور وہ سب اُس کے گرد پھرتے ہیں اور نہیں معلوم کہ ایسے ایسے آفتاب اَور کتنے ہیں اور کتنے ستارے اُن کے ساتھ ہیں جو اُس کے گرد پھرتے ہوں گے کیونکہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور صنعت بے انتہا ہے ٭

ہمارے مخالفوں کو اور ہم پر مسئلہ وجود آسمان پر فتویٰ کفر دینے والوں کو ذرا غور سے انصاف کرنا چاہیئے کہ خدا کی قدرت اور عظمت اُسکو صرف اس دنیا کا جو اُن کے نزدیک مثل ایک انڈے کے محدود ہے خدا اور خالق ماننے میں ہے یا اُسکو ایسی بے انتہا مخلوق کا خالق اور خدا ماننے میں ہے جسکی انتہا مثل اُسکی قدرت کے بے انتہا ہے جیسی یہ ہماری دنیا ہے جس کے لیئے یہ آفتاب ہے اور جس سے بہت سے کواکب سیارے متعلق ہیں اسی طرح اَور بہت سے بے انتہا شموس ہیں جن کا نظام بھی جدا ہے اور مثل ہماری دنیا کے بلکہ اُس سے بھی زیادہ عجیب بے انتہا نظام شمسی جن کے مجموع کو ہم دنیا کہتے ہیں موجود ہیں اور وہ اُن سب کا خالق اور سب کا ایک خدائے واحد ذوالجلال ہے جس کا نہ کوئی ند ہے اور نہ کوئی ضد۔ تعجب ہے کہ صرف ایک چڑیا کے انڈے کے برابر چیز کا خدا کو خدا اور خالق جاننا تو اسلام ہو اور اُسکو ایسا قادر مطلق اور بے انتہا مخلوق کا خالق اور اُس سب کا خدا ماننا کُفر ہو فهيهات هيهات لمثل هذا الاسلام و مرحبا ثم مرحبا لمثل هذا الكفر ولله در من قال ٭

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

ہاں بلاشبہ اب ہمکو اس بات پر غور کرنا باقی ہے کہ جس چیز کا ہمنے مشاہدہ کیا ہے اور جسکو ہمنے دلیل قطعی یعنی مشاہدہ سے واقعی بیان کیا ہے قرآن مجید یا وہ احادیث صحیحہ جو بدرجہ یقین یا قریب بدرجہ یقین یا قریب بظن غالب پہونچی ہیں اور کوئی نقص یا کوئی وجہ اُن کے انکار کی بھی نہیں ہے وہ تو اُس کی مخالف نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ اُس کی مخالف ہوں تو دو کاموں میں سے ایک کام ضرور کرنا پڑیگا یا اُس مشاہدہ کو غلط ماننا پڑیگا یا نعوذ باللہ اسلام کو غلط تسلیم کرنا ہوگا مگر میری دانست میں قرآن اور نہ کوئی حدیث صحیح اُس کے برخلاف ہے جس کا ہم مفصل بیان کرتے ہیں +

مگر اُس کے بیان کرنے سے پہلے چند باتیں بیان کرنی ضرور ہیں کیونکہ وہی ہمارے اصول ہیں جن پر ہمارا بیان مبنی ہوگا +

اوّل - یہ کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرنے کے کہ ہمارا بیان اس لیئے غلط ہے کہ مفسرین نے اُسکے برخلاف بیان کیا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک مفسرین نے قرآن مجید کی تفسیر اُنھی اصولوں پر کی ہے جو حکماء یونان نے مقرر کیئے تھے اور جن کی غلطی ہمکو مشاہدہ سے ثابت ہوئی ہے +

دوسرے - یہ کہ الفاظ قرآن مجید کے وہی معنی لینگے جو اَن پڑھ اہل عرب اُن کے معنی حقیقی یا مجازی موافق اپنی بول چال کے سمجھتے تھے نہ وہ معنی کہ کسی علم کے عالموں نے بموجب اپنی اصطلاح کے قرار دیئے ہیں کیونکہ خود خدا نے فرمایا ہے کہ "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ" +

تیسرے - یہ کہ قرآن مجید بلسان قوم عرب نازل ہوا ہے زبان اہل عرب بلکہ تمام دنیا کی قوموں کی زبان اُنھی الفاظ پر محدود ہے جن سے وہ اپنے مافی الضمیر کو تعبیر کرتے ہیں اور انسان کے خیال میں یا دل میں بھی وہی چیزیں آسکتی ہیں جن کو وہ حواس خمسہ ظاہری و باطنی سے جان سکتا ہے پس جس چیز کو یا اُسکی مثل کو ہمنے نہ کبھی دیکھا ہو نہ چھوا ہو نہ چکھا ہو نہ سونگھا ہو اور نہ ہمارے کان کی قوت سامعہ نے اُسکا حس کیا اور نہ ہمارے خیال میں آئی ہو اُس کا بیان کسی زبان کے الفاظ سے نہیں ہو سکتا اُس کے بیان سے انسان جبکہ وہ کسی قوم کی زبان میں تکلم کرے یقیناً عاجز ہے اور خداوند پاک بھی ایسے لفظ کو استعمال نہیں فرما سکتا جس کے سمجھنے سے وہی قوم عاجز ہو جسکے سمجھانے کے لیئے وہ لفظ بولا گیا ہو خدا کی ماہیت ذات ہم کسی لفظ سے بیان نہیں کرسکتے اور نہ خدا ہمکو اپنی ماہیت ذات عربی زبان کے یا اَور کسی زبان کے لفظوں میں بتا سکتا ہے کیونکہ کسی زبان میں کوئی لفظ اُسکی اصلیت پر مطلع کرنے کے لیئے نہیں ہے +

اسی طرح جتنی چیزیں ایسی ہیں کہ وہ نہ ہمارے دل میں آسکتی ہیں نہ ہمارے خیال میں اُن کی تعبیر کیلیئے

کوئی لفظ کسی زبان میں نہیں ہوتا اور جبکہ کوئی شخص اور وہ بھی جو اُن چیزوں کو جانتا ہے کسی قوم کی زبان میں اُن کو نہیں بیان کرسکتا تو ایسا طرز کلام کام میں لاتا ہے جس سے نتیجہ وُہی حاصل ہو جاوے جو اُسوقت حاصل ہوتا اگر اُس مطلب کی تعبیر کے لیئے کوئی لفظ کسی قوم کی زبان میں ہوتا +

اسکی مثال یہ سمجھو کہ قرآن مجید میں خدا کی نسبت ہاتھ کا ۔ پاؤں کا ۔ مونھ کا لفظ آیا ہے یہ تینوں لفظ انسان کی زبان میں ایک خاص شے کی تعبیر کرنے کے لیئے ہیں مگر چونکہ خدا کی ذات ہمارے ادراک سے خارج ہے تو ہرگز ان لفظوں کے وہ معنی ہم نہیں لے سکتے جو ید اور ساق اور وجہ کے لیتے ہیں بلکہ ان لفظوں کے مفہوم سے ہم ناواقف ہیں البتہ ان لفظوں سے وہ نتیجہ حاصل کرتے ہیں جو اُس وقت حاصل ہوتا اگر خدا کی ذات کی تعبیر کے لیئے کوئی لفظ ہوتے +

پس جو لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ ہم قرآن مجید کے الفاظ سے ہر مقام پر وُہی معنی لینگے اور وہی حقیقت سمجھینگے جو عرب کی زبان میں اُن کے لیئے معنی ہیں یہ اُن کی محض غلطی ہے بلکہ الفاظ مستعملہ قرآن مجید کے محل کو دیکھنا چاہیئے کہ اگر وہ محل ایسا ہے جو ہمارے ادراک کے محدود احاطہ میں داخل ہے تو بلاشبہ اُس کے ہم وُہی معنی لینگے جو زبان عرب میں حقیقتاً یا مجازاً موافق محاورہ زبان عرب کے اُس کے لیئے ہیں اور اگر وہ محل ایسا ہے جو ہمارے ادراک سے باہر ہے تو ہم اس لفظ کے حقیقتاً وہ معنی نہیں سمجھنے کے جو انسان کی زبان میں ہیں بلکہ ہم اُس سے صرف اُس نتیجہ کو حاصل کرینگے جو نتیجہ ہمکو اُسوقت حاصل ہوتا اگر اُس حقیقت کی تعبیر کے لیئے کوئی لفظ ہوتا ۔ ھذا ما الھمني ربي والحمد للہ علی ذالک وصلی اللہ علی حبیبہ محمد و آلہ اجمعین +

چوتھی ۔ یہ کہ قرآن مجید اگرچہ خالق کل کائنات کا کلام ہے مگر چونکہ وہ بطریق اعجاز انسان کی زبان میں بولا گیا ہے اس لیئے اُس کے معنی اور مراد لینے میں فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے وُہی امور اُس کے لوازم میں شمار کیئے جاوینگے جو ایک اعلیٰ درجہ کی زبان عرب میں معتبر ہوں نہ اور کچھ ۔ پس جس طرح کہ فصیح و بلیغ انسان آپس میں بول چال کرتے ہیں اور جو طرز اُن کی بول چال کا ہوتا ہے اُسی کا لحاظ قرآن مجید میں بھی ہمیشہ رکھنا چاہیئے +

ان اصول اربعہ کے سمجھنے کے بعد ہمکو یہ دیکھنا چاہیئے کہ عربی زبان میں سماء کا لفظ کن معنوں میں آیا ہے اور ان پڑھ عرب کس چیز کو اس نام کا مسمی سمجھتے تھے +

قاموس میں جو لغت زبان عرب کی کتاب ہے صرف اتنا لکھا ہے کہ "السماء معروف" یعنی آسمان وہ ہے جسکو سب جانتے ہیں پس اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہے جسکو سب آسمان جانتے تھے

یا جانتے ہیں بجز اس نیلی یا سبز چیز کے جو ہمکو دکھلائی دیتی ہے اور کسی چیز کو کوئی شخص (بشرطیکہ مولوی نہ ہو) نہ آسمان جانتا تھا اور نہ آسمان جانتا ہے یہی نیلی یا سبز چیز جو ہمکو دکھائی دیتی ہے سماء کا مسمی سمجھا جاتا ہے ✦

اس مقام پر ہمنے شرط مذکور بے فائدہ لگائی کیونکہ اگلے بزرگوں اور عالموں کے نزدیک بھی سماء کا مسمی یہی نیلی یا سبز چیز تھی ✦

ایک بزرگ نے ابی حاتم کی روایت بسند قاسم ابن نزہ ہمارے سامنے پیش کی ہے کہ "قال لیست السماء مربعة لکنها مقبوبة یراها الناس خضرا" یعنی آسمان مربع نہیں ہے مگر قبہ بنایا گیا ہے دیکھتے ہیں اُسکو لوگ سبز" ✦

پھر دوسری روایت ثعلبی کی بسند ضحاک پیش کی ہے تفسیر کوہ قاف میں "انه جبل محیط بالارض من زمرد خضرا خضرة السماء منه" یعنی قاف پہاڑ ہے محیط ساتھ زمین کے زمرد سبز سے سبزی آسمان کی اُسی سے ہے ✦

پھر تیسری روایت ابو الجوزا کی بسند ابن عباس پیش کی ہے کہ "قال ابن عباس قاف جبل من مردة خضراء محیط بالعالم فخضرة السماء منها" یعنی قاف ایک پہاڑ ہے زمرد سبز کا محیط ہے ساتھ عالم کے پس سبزی آسمان کی اُس سے ہے ✦

اگرچہ ہم ان روایتوں کو نہیں مانتے اور ضعیف بلکہ موضوع سمجھتے ہیں مگر اتنی بات اِن سے ضرور پائی جاتی ہے کہ اگلے زمانہ کے لوگ لفظ سماء کا مسمی اسی چیز کو جو نیلی نیلی یا سبز سبز دکھائی دیتی ہے سمجھتے تھے ✦

خدا تعالیٰ نے بھی آسمان کے ہمکو یہی معنی بتائے ہیں بلکہ اس طرح بتاتا ہے کہ یہ آسمان ہے اسکو دیکھو ✦

سورہ ھل اتاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت والی السماء کیف رفعت" یعنی پھر کیوں نہیں دیکھتے اونٹ کو کہ کیسا بنایا گیا ہے اور آسمان کو کہ کس طرح اونچا کیا گیا ہے" پس خدا اسی چیز کے دیکھنے کو جو اونچی اور نیلی ہمکو دکھائی دیتی ہے فرماتا ہے اور اسی کا نام سماء لیتا ہے ✦

پھر سورہ نحل آیت ۸۱ میں فرمایا ہے "الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء" یعنی کیا نہیں دیکھتے اوڑنے والے جانوروں کو کہ فرمانبردار کیئے گئے ہیں آسمان کی وسعت میں" پس ہم اسی نیلی نیلی چیز کی وسعت میں پرندوں کو اوڑتا ہوا دیکھتے ہیں جس کا نام ہمکو خدا نے سماء بتایا ہے ✦

پھر سورہ روم آیت ۴۷ میں فرمایا ہے " اللہ الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فیبسطہ فی السماء یعنی اللہ وہ ہے جو چلاتا ہے ہواؤں کو پھر اُٹھاتی ہیں بادلوں کو پھر پھیلاتا ہے اُنکو آسمان میں " پس ہم دیکھتے ہیں کہ اسی نیلی نیلی چیز میں ہوا چلتی ہے اور اس میں بادل اُٹھتے ہیں اور اسی میں پھیلتے ہیں اور اسی نیلی نیلی چیز کا نام خدا نے ہمکو سماء بتلایا ہے +

پھر سورہ سبا آیت ۹ میں فرمایا ہے " افلم یروا الی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض ان نشاء نخسف بھم الارض او نسقط علیھم کسفا من السماء " یعنی کیا اُنھوں نے اُس چیز کو نہیں دیکھا جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین میں دھنسا دیویں یا اُن پر آسمان سے ٹکڑا ڈال دیں " پس ہمارے چاروں طرف یہی نیلی چیز ہے جو ہمکو دکھلائی دیتی ہے اور جس طرح کہ ہمکو زمین میں دھنس جانے کا خیال آتا ہے اسی طرح اس نیلی نیلی چیز کے اوپر سے ٹوٹ پڑنے کا خیال ہوتا ہے اور اسی نیلی چیز کا نام خدا نے سماء بتایا ہے +

پھر سورہ ق آیت ۶ میں فرماتا ہے " افلم ینظروا الی السماء فوقھم یعنی کیا نہیں دیکھا اُنھوں نے آسمان کو اپنے اوپر " پس یہی نیلی چیز ہمکو اوپر دکھائی دیتی ہے اور اسی کا نام خدا تعالے نے ہمکو سماء بتلایا ہے +

پھر سورہ حج آیت ۶۴ میں فرمایا ہے " ویمسک السماء ان تقع علی الارض یعنی تھام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے " پس وہ کیا چیز ہے جو ہمکو زمین پر گرنے سے تھام رکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے ۔ یہی نیلی نیلی چیز ہے جس کا نام خدا نے ہمکو آسمان بتلایا ہے +

پس لفظ سماء جو قرآن مجید میں آیا ہے وہ تو اُسی چیز پر بولا گیا ہے جسکو اہل عرب سماء سمجھتے تھے ۔ ہمارے شفیق جب چاہتے ہیں کہ سماء کے معنی کچھ اور بدل دیں تو وہ نہایت خفگی سے فرماتے ہیں کہ " یہ نیلی چھت چنبری اوھن من بیت العنکبوت مثل ہوا و دخان کے کیا سماء منصوصہ قرآن یہی ہے اور اسی کی نسبت قرآن میں وارد ہوا ہے ء انتم اشد خلقا ام السماء بناھا رفع سمکھا والسماء بنیناھا بایید ۔ وہ یہی آسمان ہے جس کی نسبت فرمایا ہے ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزیناھا للناظرین + وحفظناھا من کل شیطان رجیم + انا زینا السماء الدنیا بزینة الکواکب وحفظا من کل شیطان مارد لا یسمعون الی الملاء الاعلی + ومن ایاتہ ان تقوم السماء والارض بامرہ + کیا یہ منجملہ اُن کئی کے ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے یوم

نطوی السماء کطی السجل للکتب + کیا اسی کی نسبت ہے یمسک السماء ان تقع علی الارض +
ویوم تشقق السماء بالغمام + یوم تمور السماء مورًا + یوم تاتی السماء بدخان مبین +
اسی کی نسبت فرمایا ہے۔ تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیہا سراجا وقمرا منیرا
یہی ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے۔ وانشقت السماء فہی یومئذ واہیۃ والملک علی ارجائہا
یوم تکون السماء کالمہل + یوما یجعل الولدان شیبا السماء منفطر بہ + اذا السماء
فرجت + وفتحت السماء فکانت ابوابا + اذا السماء کشطت + اذا السماء انفطرت +
اذا السماء انشقت + والسماء ذات البروج + والسماء ذات الرجع" +

مگر ہم ادب سے کہتے ہیں کہ حضرت خفا ہونے کی کوئی بات نہیں ہے فرمایا تو اسی کی نسبت ہے کیونکہ یہ سب باتیں بقول آپ کے سما کی نسبت ہیں اور اسی نیلی نیلی سبز سبز چیز کو اہل عرب سما جانتے تھے پھر بھلا ہم پر خفگی کیا ہے اگر خفا ہونا ہے تو خدا پر خفا ہو جیئے کہ اُس نے اس نیلی چھت چنبری اوھن جن بیت العنکبوت پر کیوں ان صفتوں کا اطلاق کیا جو اُسپر صادق نہیں آتیں یا اسی چیز کو ایسا مانیئے جس پر یہ صفتیں صادق آجاویں یا ہمارے ساتھ ہو جیئے اور ایسے معنی اختیار کیجیے کہ خدا پر سے نعوذ باللہ کذب کا الزام اُٹھے +

یا وفا یا خبر وصل تو یا مرگ رقیب
بازی چرخ ازیں یک دو سہ کارے بکنند

ایک ہمارے شفیق نے نہایت خوشی سے ہمکو الزام دیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ "لا وجود السماء جسمانیا"۔ اور اگر یہی سقف چنبری مصداق آیات ہو تو اُس کا یہی تو جسم ہے پھر خود تمھارے اقرار سے تمھارا قول غلط ثابت ہو گیا +

بلاشبہ یہ الزام ہمپر بہت بڑا الزام ہے جسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر جناب آسمانوں کی ایسی جسمانیت ماننے میں ہمکو کچھ عذر نہیں ہم تو اُس جسمانیت کے منکر ہیں جس کو حکماء یونان نے قرار دیا ہے اور جس کی تقلید علماء اسلام نے کی ہے گو کہ بسبب کسی خاص وجہ کے اُن کی ایک آدھ بات سے خلاف بھی کیا ہو +

جناب مولوی محمد علی صاحب نے اپنے رسالہ میں جو ہم گمراہوں کی ہدایت کے لیے لکھا ہے ارقام فرمایا ہے کہ "ہمارا اعتقاد نسبت آسمانوں کے یہ ہے کہ وہ ایسی چیزیں ہیں کہ خدا نے اُن کو بنایا ہے اور ہمارے اوپر ہیں اور خلقت اُن کی ہماری خلقت سے محکم تر اور شدید اور وہ بے ستون

محض قدرت کاملہ سے مرفوع ہیں اور شمس و قمر و نجوم کے مغایر ہیں اور شمس و قمر و نجوم اُن میں ہیں اور قابل انشقاق اور انفطار ہیں۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ ہم اس اعتقاد کے منکر کو منکر آیات قرآن سمجھتے ہیں" +

کسی کو منکر آیات کہدینا تو بہت آسان بات ہے۔ ہر شخص ایک آیت کے کوئی معنی اپنے نزدیک ٹھہرا کر دوسرے کو کہہ سکتا ہے کہ اس معنی کے نہ ماننے والے کو ہم منکر آیت قرآن سمجھتے ہیں جیسے مثلاً مفسرین کے دو فرقوں میں سے ایک اس بات کا قایل ہے کہ آسمان سقف مسطح ہے اور اُس کے ستون کوہ قاف پر رکھے ہوئے ہیں اور دوسرا اس بات کا قائل ہے کہ آسمان مثل مرغی کے انڈے کے گول ہے پس اس صورت میں جو فرقہ اس کے مسطح ہونے کا قایل ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ جو شخص آسمان کو مثل انڈے کے اعتقاد کرے وہ منکر قرآن ہے اور جو اُسکو انڈے کے مثل کہتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص آسمان کو مسطح کہے وہ منکر قرآن ہے حالانکہ یہ دونوں مخالف فرقے اب تک مسلمان مفسروں میں شمار ہوتے ہیں اور اُن کے مذاہب بطور تحقیق و اختلاف آرا بڑی بڑی تفسیروں میں نقل کیئے جاتے ہیں۔ پس مولوی محمد علی صاحب کے قواعد کے موافق ان میں سے بھی ایک تو ضرور منکر قرآن ہوگا مگر اس سے کسی کا کچھ فایدہ نہیں بلکہ اپنا ہی کچھ نقصان ہے +

مگر جو کچھ مولوی صاحب نے فرمایا اگرچہ وہ کسیقدر ترمیم کے قابل ہے مگر ہمکو اُس سے انکار بھی نہیں بیشک آسمان ایسی چیزیں ہیں کہ خدا نے اُن کو بنایا ہے۔ اُن پر کیا موقوف ہے تمام چیزوں کا یہاں تک کہ جناب مولوی صاحب کا بھی بنانے والا خدا ہی ہے دوسرا کوئی نہیں بے شک وہ ہمارے اوپر ہیں مگر یہاں ذرا غلطی ہے کیونکہ وہ ہمارے پانوں تلے بھی ہیں بے شک وہ ہماری خلقت سے محکم تر اور شدید ہیں لیکن اگر لفظ محکم اور شدید سے یہ سمجھا جاوے کہ جیسے کچی مٹی کی دیوار اور ایک ریختہ کی یا اژدھات کی دیوار یا جیسے ایک مٹی پڑی ہوئی چھت اور ریختہ کی ڈاٹ لگی ہوئی تو اس سے ہمکو معاف رکھیں کیونکہ ہمارے نزدیک قرآن مجید کے اُن لفظوں کا یہ مطلب نہیں ہے۔ بیشک وہ بے ستون محض قدرت کاملہ سے مرفوع ہیں یہاں صرف اتنی بات ہے کہ جناب مولوی صاحب کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ قدرت کاملہ کس ذریعہ سے ظاہر ہوئی ہے مگر ہمکو معلوم ہوگیا ہے کہ عالم اسباب میں وہ قدرت اُس قوت کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہے جسکو ہم جذب کہتے ہیں۔ اور مولوی صاحب کے کلام میں شاید لفظ "مرفوع ہیں" کی جگہ یوں ہونا چاہیئے کہ ہر ایک کی نسبت مرفوع دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے بھی ہمکو کچھ انکار نہیں کہ وہ شمس و قمر و نجوم کے مغایر ہیں مگر اتنا کہتے ہیں کہ اُن پر بھی بوجہ اُن کے مرتفع ہونے کے

اطلاق ہو سکتا ہے مگر یہ جو مولوی صاحب نے فرمایا کہ شمس و قمر و نجوم اُن میں ہیں یہ گول گول بات ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ شمس و قمر و نجوم اُن میں اس طرح ہیں جیسے پانی میں مچھلی یا ہوا میں کبوتر تو تو ہم بدل تسلیم کرتے ہیں اور اگر اُن کے اُن میں ہونے سے اس طرح کا ہونا مراد ہے جیسے تختہ میں کیل یا انگوٹھی میں نگینہ تو ہم اُسکو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ہمارے نزدیک خدا کے کلام کا یہ مطلب نہیں ہے۔ پھر جناب ممدوح ارقام فرماتے ہیں کہ وہ قابل انشقاق و انفطار کے ہیں۔ ان لفظوں میں جو مولوی صاحب نے فرمائے ہیں قرآن مجید کی بخوبی مطابقت نہیں ہوتی۔ اگر یوں فرماتے کہ اُن پر انشقاق اور انفطار کا اطلاق ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے تو بالکل صاف ہو جاتا۔ مگر خیر بلحاظ ادب جناب مولوی صاحب کے ہم اسکو تسلیم کر لینگے +

اَب ہمکو یقین ہے کہ جناب مولوی صاحب ہمسے خوش ہو جاوینگے اور اب ہمکو اور ہمارے مسلمان دوستوں کو بیفایدہ ملحد و مرتد اور منکر قرآن اور بیدین نہ فرماوینگے کیونکہ ہمارا اس میں کچھ نقصان نہیں اور مُفت میں جناب مولوی صاحب کی زبان گندی ہوتی ہے مگر ایک جگہ مولوی صاحب نے ہملوگوں کی بات کو مجذوبانہ بڑ لکھا ہے۔ پس اُن کا ہم نہایت شکر کرتے ہیں کہ انھوں نے ہمکو تکلیفات شرعیہ سے بری کیا ہے مگر پھر نہ معلوم کہ کیوں ملحد و مرتد و بیدین قرار دیتے ہیں مگر باتیں تو مولوی صاحب کی بھی ایسی ہیں کہ ایک کو دوسری سے مناسبت نہیں۔ خدا رحم کرے +

اَب یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی کہ قرآن مجید میں سماء کے لفظ کا اطلاق بمعنی آسمان اسی نیلی چھتری چھت پر آیا ہے خواہ وہ اوھن من بیت العنکبوت ہو۔ خواہ اشد من سقف الحدید +

دوسرے معنوں میں سماء کا اطلاق قرآن مجید میں بادلوں پر آیا ہے۔ بیسیوں جگہ قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ انزل من السماء ماء یعنی اُتارا آسمان سے یعنی بادل سے پانی اور کچھ شک نہیں کہ بادل سے مینہہ برستا ہے اور اس جگہ سماء کا لفظ بادل یعنی ابر پر بولا گیا ہے مگر ہمارے شفیق فرماتے ہیں کہ ہم قرآن کے معنی بدل دینگے اور کہینگے کہ اس سے من جانب السماء مراد ہے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ سورہ ھود کی ۵۴ آیت کی نسبت کیا فرماوینگے جہاں خدا نے فرمایا ہے "یرسل السماء علیکم مدرارا" یعنی بھیجیگا آسمان کو یعنی ابر کو تم پر برسنے والا" پھر ۴۶ آیت میں فرمایا ہے وقیل یا ارض ابلعی ماءک ویا سماء اقلعی یعنی اور کہا گیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان یعنی ابر تھم جا۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے اقلعت السماء بعد ما مطرت اذا امسکت یعنی عرب کے محاورہ میں کہا جاتا ہے اقلعت السماء جبکہ برس کر تھم جاتا ہے۔ پس اَب کون شخص اس بات پر شبہ کر سکتا ہے کہ قرآن مجید میں سماء کے لفظ کا

ابر و بادل پر بھی اطلاق ہوا ہے +

تیسرے جس چیز میں کواکب پھرتے ہیں اُسپر لفظ فلک کا بھی اطلاق آیا ہے۔ سورہ انبیا آیت ۳۳ میں خدا فرماتا ہے " وھو الذی خلق اللیل والنہار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون یعنی اور وہ ہے جس نے پیدا کیا رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو ہر ایک بیچ آسمان کے تیرتے ہیں " +

پھر سورہ یٰس آیت ۴۰ میں فرمایا " لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النہار وکل فی فلک یسبحون یعنی سورج کے لیئے لائق نہیں ہے کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات پہلے ہو سکتی ہے دن سے اور سب ستارے آسمان میں چلتے ہیں " اور اہل علم تو آسمان کی جگہ فلک ہی کا لفظ بولتے ہیں جیسے فلک قمر وغیرہ اور فلک کسی ایسے مجسم کو نہیں کہتے جیسے یونانیوں کا آسمان +

چوتھے سموات کی جگہ طرایق کا لفظ بھی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پس ان دونوں لفظوں سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ سماء اور فلک اور سموات اور طرائق مرادف ہیں بلکہ صرف استدلال اسقدر کہ سماء و سموات کی جگہ ان لفظوں کے بولنے سے پایا جاتا ہے کہ آسمان کا ایسا جسم جیسا کہ یونانیوں اور اُن کی تقلید سے علماء اسلام نے تسلیم کیا ہے ویسا جسم اُن کا نہیں ہے +

جناب مولوی محمد علی صاحب نے یا تو ہمارا مطلب نہیں سمجھا یا ہمارا بیان ایسا ناقص ہے کہ عالموں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ستارے حرکت کرنیوالے اجسام ہیں۔ پس ضرور ہے کہ مدار اُنکا طویل و عریض و عمیق ہو + جب یہ امر ممہد ہو چکا تو بعد مدار حرکت سیارگان اُن لوگوں کی رائے پر جن کے نزدیک خلا محال ہے بلاشک و شبہ جسم ہی ہوگا خواہ جسم لطیف مثل پانی و ہوا کے ہو خواہ کثیف شفاف ایسا جو مانع سیر نہو اور جو لوگ خلا کے امکان کے قایل ہیں اُن کے نزدیک ممکن ہے کہ بعد مجرد ہو یا بُعد مجسم +

خدا مولوی صاحب کا بھلا کرے ہم تو اسی مدار کو جس کا ابھی ذکر کیا سماء و سبع سموات مانتے ہیں اور صرف یونانی حکیموں کے آسمان مجسم سے انکار کرتے ہیں نہ ایسے مدار سے جسکا جناب مولوی صاحب نے ذکر کیا اور اس بات کا کچھ خیال بھی نہیں کرتے کہ خلا محال ہے یا ممکن کیونکہ اسکے محال یا ممکن ہونے پر اب تک کوئی دلیل قطعی معلوم نہیں ہوئی ہے بلکہ بحالت امکان خلا بھی ہم اُس مدار کو مخلوق بلکہ ذی ابعاد ثلثہ تسلیم کرینگے صرف ہم میں اور جناب مولوی صاحب میں اتنا فرق ہے کہ شاید جناب ممدوح خلا کو غیر مخلوق مانتے ہیں اگر وہ ممکن ہو مگر ہم خلا کو بھی مخلوق مانتے ہیں اور خدا کو سب چیز کا یہاں تک کہ خلا کا بھی

خالق جانتے ہیں ÷

تعجب ہے کہ ہم برابر اور اپنی ہر ایک تحریر کے شروع میں کہتے آتے ہیں کہ ہم اُس جسمانیت آسمانوں کے منکر ہیں جو یونانی حکیموں نے تسلیم کی ہے اور جسکو علماء اسلام نے یونانیوں کی تقلید کر کر بہ تبدیل قلیل تسلیم کیا ہے اور جزو مذہب قرار دیا ہے ÷

ہم علماء اسلام کی اُن لغو باتوں سے انکار کرتے ہیں جن میں اُنھوں نے یونانیوں کی تقلید سے اور موضوع روایتیں بنکر آسمان کو ایسا جسم مانا ہے جو ہم میں اور اوپر کی مخلوق میں آڑ ہے اور لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر میں یوم تشقق السماء بالغمام کی تفسیر میں کیا لغو روایتیں لکھی ہیں ایک روایت لکھی ہے کہ انبیاء کے وقت میں کونے کتروں میں سے فرشتے نازل ہوا کرتے تھے آسمان بدستور جوڑے رہتے تھے مگر جب آسمان پھٹ جاوینگے تو زمین میں اور فرشتوں میں کوئی حائل نہیں رہنے کا پس فرشتے زمین پر اتر آوینگے ÷

دوسرا قول لکھا ہے کہ آسمان کے اوپر تو فرشتے رہتے ہیں مگر جب وہ پھٹ جاویگا تو خواہ نخواہ اُن کو نیچے اُترنا پڑے گا بقول شخصے کہ جب اڈا ہی نہ رہیگا تو بیٹھیں گے کاہے پر۔ پھر حضرت ابن عباس کی طرف روایت کو منسوب کیا ہے اور ساتوں آسمانوں کا پھٹنا اور وہاں کے فرشتوں کا زمین پر آنا بیان کیا ہے۔ پھر اس فکر میں پڑے ہیں کہ زمین پر سب وہ سماوینگے کیونکر۔ پھر اُس کے لیئے ایک روایت گھڑی ہے ÷

پھر حضرت مقاتل کی نسبت ایک روایت گھڑی ہے اور اُس میں تو قیامت ہی کر دی ہے اُس میں لکھا ہے کہ اول دنیا کا آسمان پھٹے گا اور اُس آسمان پر جو رہتے ہیں وہ اُترینگے اور وہ تمام دنیا کے سکان سے زیادہ ہونگے پھر اسی طرح ایک ایک آسمان پھٹتا جاویگا اخیر کو کروبی اور فرشتگان حملۃ العرش اُترینگے اور پھر سب سے اخیر خدا تعالی رب العرش العظیم اُترینگے کیونکہ وہ تو سب سے اوپر تھے جب سب آسمان پھٹ لیئے تب جناب باری کو اُترنے کا رستہ ملا نعوذ باللہ من ھذہ الاباطیل۔ اگر درحقیقت مذہب اسلام یہی ہو تو اُس سے دیو اور پری کے قصے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ جناب مولویصاحب قبلہ آپ جو اِن لغویات کی تائید کرتے ہیں یہ اسلام کی خیرخواہی نہیں بلکہ کمال بدخواہی ہے اور جھوٹی باتوں سے اسلام کا بدنام کرنا ہے اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جوں جوں ترقی حکمت شہودیہ اور علوم یقینیہ کی ہوگی لوگ اسلام سے پھرتے جاوینگے اور اسلام کو آپ لوگوں کی بدولت لغو سمجھیں گے اور اُس سب کا گناہ مولوی صاحبوں کی گردن پر ہوگا۔ اسلام کی دوستی یہ ہے کہ نہ ضحاک کی رعایت کیجئے نہ مقاتل کی صرف

اسلام پر عاشق رہیئے اور جس قدر غلط روایتیں اور غلط رائیں اسلام میں مل گئی ہیں جو درحقیقت اسلام کی نہیں ہیں اُن کو اس طرح نکال ڈالیئے جیسیکہ دودھ میں سے مکھی اور اسلام کی روشنی دہریہ ولامذہب وحکیم پیرو حکمت قدیم و پیرو حکمت جدید سب کو ایسی طرح پر سکھائیے کہ سب دنگ ہو جاویں۔ قلم ہاتھ میں لیکر بے سود باتوں سے کاغذ کو سیاہ کر دینا اور تفسیر القول بما لا یرضی قایلہ کرکے لوگوں کو کافر و ملحد و مرتد کہنا کچھ دینداری کی بات نہیں ہے البتہ جاہلوں میں شیخی کرنے کو اور بڑے پکے دیندار کہلانے کو تو بہت عمدہ ہے ہم کیوں پیروی کریں اُن علماء کے قول کی جن کا قول خلاف واقع ثابت ہوا ہے اور کیوں پیروی کریں اُس تفسیر کی جس سے تمام قرآن نعوذ باللہ غلط اور خلاف واقع معلوم ہوتا ہے۔ ہم کسی مفسر اور کسی عالم پر ایمان نہیں لائے جو اُن کی بات کی پچ کریں۔ ہم تو خدا پر اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اُس کے کلام پر ایمان لائے ہیں اور اُس کے عاشق ہیں پس جو شخص یا جو قول ایسا ہے جس سے اُن میں نقص لازم آتا ہے تو اُس کے دشمن ہیں پس نہایت مناسب ہے کہ آپ ہمارے دشمن ہو جیئے مگر اتنا سمجھ لیجیئے کہ دوست کے دشمن ہوتے ہو اور یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ دوست کا دشمن کون ہوتا ہے ✦

پانچویں۔ سماء کا اطلاق شے مرتفع پر بھی آتا ہے۔ ہمنے اپنے اس قول کی تائید میں امام فخر الدین رازی کا قول نقل کیا تھا کہ السماء عبارة عن کل ما ارتفع۔ اور جناب مولوی محمد علی صاحب نے یہ قول امام صاحب کا بھی نقل فرمایا ہے کہ "ان السماء انما سمیت سماء لسموھا فکل ما سماك فھو سماء فانزل الماء من السحاب فقد نزل من السماء یعنی آسمان کا نام سماء اسی سبب سے رکھا گیا ہے کہ وہ بلند ہے پس جو چیز کہ تجھ سے بلند ہے وہ آسمان ہے پس جبکہ نازل ہوا مینہ بادل سے تو برسا سماء سے"
مگر جناب مولوی صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ امام فخر الدین رازی علماء لغت میں سے نہیں ہیں اُن کا قول بیان معانی لغت اور دیگر علوم عربیہ میں معتمد نہیں ✦

پھر ارقام فرماتے ہیں کہ امام رازی نے یہ بات بطریق قیاس فی اللغة کے فرمائی اور چونکہ قیاس فی اللغة مقبول نہیں ہے پس یہ قول بھی اُن کا مقبول نہیں ہو سکتا ✦

خیر ہمکو اس سے تو بحث نہیں ہے کہ امام فخر الدین رازی کو علوم عربیہ کی لیاقت تھی یا نہیں۔ اگر لیاقت تھی تو بھی دل ما شاد اور اگر نہ تھی تو جو کچھ مولوی صاحب نے اُن کے حق میں فرمایا ہماری طرف سے بھی بیش باد مگر اس قدر تو شاید جناب مولوی صاحب بھی تسلیم فرماتے ہونگے کہ بطور استعارہ کے مرتفع چیزوں پر سماء کا اطلاق ہو سکتا ہے بس اسی قدر ہم بھی کہتے ہیں کہ اُن پر بھی سماء کا اطلاق ہو سکتا ہے ✦

یہ ہم کب کہتے ہیں کہ ہر جگہ سمار اور سموات کے معنی اوپر کے یا اوپر کی چیزوں کے لو ہم تو خود سمار کا اطلاق متعدد چیزوں پر اِس لیئے ثابت کرتے ہیں کہ اُن میں سے جون سی چیز مقتضائے مقام ہو اور سیاق و سباق عبارت سے پائی جاوے وہ مُراد لیجاوے نہ کہ یونانیوں کی تقلید سے ہر جگہ وُہی فرضی غیر واقعی جسم مراد لیا جاوے جو محض غلط و خلاف واقع ہے +

ہمکو نہ مولوی محمد علی صاحب کا اور نہ اَور کسی تحریر کا جواب لکھنا مقصود ہے۔ اِس مقام پر اتفاقیہ چند باتیں تقریر کے پھیر میں آگئیں۔ پس ہمنے اُن کی بہت سی بیجا اور غیر صحیح باتوں سے جو تعرض نہیں کیا تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اُن کو تسلیم کیا ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ بے فایدہ اوقات ضایع کرنے سے کیا فایدہ ہے +

اَب ہم آیندہ بیان کریں گے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا کوئی آیت قرآن مجید کی اُسکے برخلاف نہیں ہے +

اِس بات کے بیان کرنے کے بعد کہ سمار کے لفظ کا کِن کِن معنوں میں اطلاق ہوا ہے اَب ہم قرآن مجید کی جملہ آیتوں پر جو سمار سے متعلق ہیں نظر کرتے ہیں اور اُن سب کو قسم وار بیان کر کر ثابت کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں انہیں معنوں میں سمار کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے نہ ایسے جسم محکم و صلب شفاف بلورین پر جیسا کہ یونانی حکیموں نے خیال کیا ہے اور جن کی تقلید علمار اسلام نے کی ہے +

قسم اوّل

وہ آیتیں جن میں لفظ سمار کا بادلوں پر اطلاق ہوا ہے +

۱ - وارسلنا السماء علیهم مدراراً - الانعام آیت ۶ +

ترجمہ - اور بھیجا ہمنے بادل کو اُن پر دڑ دڑے سے برستا +

۲ و ۳ - یرسل السماء علیکم مدراراً - هود آیت ۵۲ - نوح آیت ۱۰ +

ترجمہ - بھیجے بادل تمپر دڑ دڑے سے برستا + سورہ ہود میں جو یہ آیت ہے اُسکے ترجمہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی سمار کا ترجمہ ابر کیا ہے اور باقی دو جگہ مینہہ +

۴ - ۱۴ - انزل من السماء ماء - البقرہ آیت ۲۰ - الانعام آیت ۹۹ - الرعد آیت ۱۸ - ابراهیم آیت ۳۷ - النحل آیت ۱۰ و ۶۷ - طٰه آیت ۵۵ - الحج آیت ۶۲ - المومنون آیت ۱۸ -

الملائکہ آیت ۲۵ - الزمر آیت ۲۲ +

ترجمہ - اُتارا بادل سے پانی +

۱۵ - والذی نزل من السماء ماء بقدر - الزخرف آیت ۱۰ +

ترجمہ - اور جس نے اُتارا بادل سے پانی اندازہ سے +

۱۶ - وانزلنا من السماء ماء طهورا - الفرقان - آیت ۵۰ +

ترجمہ - اور اُتارا ہمنے بادل سے پانی پاک کرنیوالا +

۱۷ - ونزلنا من السماء ماء مبارکاً - ق - آیت ۹ +

ترجمہ - اور اُتارا ہمنے پانی بادل سے برکت والا +

۱۸ - وما انزل الله من السماء من ماء - البقرہ آیت ۱۵۹ +

ترجمہ - اور وہ جو اُتارا اللہ نے بادل سے پانی +

۱۹ - وینزل علیکم من السماء ماء - الانفال - آیت ۱۱ +

ترجمہ - اور اُتارتا ہے تمپر بادل سے پانی +

۲۰ و ۲۱ - کماءٍ انزلناہ من السماء - یونس - آیت ۲۵ + الکهف آیت ۴۳ +

ترجمہ - مانند پانی کے جسکو اُتارا ہمنے بادل سے +

۲۲ - فانزلنا من السماء ماء - الحجر - آیت ۲۲ +

ترجمہ - پھر اُتارا ہمنے بادل سے پانی +

۲۳ - وانزل لکم من السماء ماء - النمل آیت ۶۱ +

ترجمہ - اور اُتارا تمھارے لیئے بادل سے پانی +

۲۴ - وانزلنا من السماء ماء - لقمان آیت ۹ +

ترجمہ - اور اُتارا ہمنے بادل سے پانی +

۲۵ - ومن آیاتہ یریکم البرق خوفاً وطمعاً وینزل من السماء ماء - الروم - آیت ۲۳ +

ترجمہ - اور اُسکی نشانیوں میں سے ہے کہ دکھاتا ہے تمکو بجلی ڈرانے کو اور لالچ کرنے کو اور اُتارتا ہے بادل سے پانی +

۲۶ - او کصیب من السماء فیہ ظلمات ورعد وبرق - البقرہ - آیت ۱۸ +

ترجمہ - یا جیسے دھواں دھار مینہ برسنے کے بادل سے کہ اُسمیں ہیں اندھیری اور کڑک اور بجلی +

۲۷ - ولئن سألتھم من نزل من السماء ماء - العنکبوت - آیت ۶۳ ۰

ترجمہ - اور اگر تو پوچھے اُن سے کہ کس نے اُتارا بادل سے پانی ۰

۲۸ - وما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا - الجاثیہ آیت ۴ ۰

ترجمہ - اور وہ جو اُتارا اللہ نے بادل سے رزق یعنی مینہ پھر زندہ کیا اُس سے زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد ۰

۲۹ - ۳۱ - من یرزقکم من السماء والارض - یونس آیت ۳۲ - الملائکہ آیت ۳ ۰

ترجمہ - کون روزی دیتا ہے تمکو بادل سے اور زمین سے ۰ آسمان کے رزق سے بادلوں سے مینہ برسنا مراد ہے ۰

۳۲ - وینزل لکم من السماء رزقاً - المومن آیت ۱۳ ۰

ترجمہ - اور اُتارا ہے تمہارے لیئے بادل سے رزق یعنی مینہ ۰

۳۳ - وفی السماء رزقکم وما توعدون - الذاریات آیت ۲۲ ۰

ترجمہ - اور بادل میں ہے رزق تمھارا اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا ہے ۰ یعنی بادلوں میں مینہ ہوتا ہے جو رزق پیدا ہونے کا اور زمین سے تمام موعودہ برکتوں کے نکلنے کا سبب ہے ۰

۳۴ - ففتحنا ابواب السماء بماءٍ منھمر - القمر آیت ۱۱ ۰

ترجمہ - پھر کھول دیئے ہمنے بادل کے دروازے وڑیڑے کا پانی ٹپنے سے ۰

۳۵ - وینزل من السماء من جبال فیھا من برد - النور آیت ۴۳ ۰

ترجمہ - اور ڈالتا ہے بادل کے پہاڑوں سے جو اُس میں ہیں اولے ۰

۳۶ - والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع - الطارق - ۱۱ و ۱۲ ۰

ترجمہ - قسم ہے پھرنے والے بادل کی قسم ہے زمین اُگانے والے پھوٹاؤ والی کی ۰

قسم دوم

وہ آیتیں جن میں لفظ سماء کا فضائے بلند محیط پر اطلاق ہوا ہے -

۱ - والسماء ذات الحبک - الذاریات آیت ۷ ۰

ترجمہ - قسم ہے رستوں والی اونچائی کی ۰

تفسیر کبیر میں لکھا ہے والسماء ذات الحبک قیل الطرایق وعلی ھذا فیحتمل ان یکون المراد طرایق الکواکب وممراتھا۔ یعنی تفسیر کبیر میں حبک کے معنی طرایق کے یعنی رستوں کے بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ شاید اس سے ستاروں کے رستے اور اُن کے چلنے کی جگہیں مراد ہیں ؛

اب اس آیت سے دو بات پر استدلال ہے۔ ایک یہ کہ آسمان ستاروں کے چلنے کی جگہ پر بولا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں کوئی ایسا جسم سخت اور صلب شفاف بلوریں نہیں ہے جیسا کہ یونانی حکیموں نے خیال کیا تھا اور جس کی تقلید علمار اسلام نے کی ہے بلکہ اُس مکان مرتفع کا جس میں اجرام یا اجسام کواکب کے دَورہ کرتے ہیں سماء نام ہے۔ ہم اس سے بحث نہیں کرتے کہ اُس مکان میں کوئی جسم لطیف جو مانع سیر کواکب نہ ہو موجود ہے یا نہیں کیونکہ ہمارے پاس اُسکے موجود ہونے کے اثبات کے لیئے کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ قرآن مجید کی صحت اور صداقت ثابت کرنے کے لیئے ایسے کسی وجود کے تسلیم کرنے کی ضرورت ہے اور نہ درصورت اُسکے موجود ہونے کے کچھ دقت ہے ؛

کواکب بہت سے ہیں اور اُن کی راہیں بھی بہت سی اور جُدا جُدا ہیں اور ہر ایک مکان کے دَورہ پر سمار کا اطلاق ہوسکتا ہے مگر جبکہ خدا تعالے نے یہ فرمایا کہ رستوں والا آسمان تو اُسوقت آسمان سے کوئی خاص مکان یا کوئی خاص جسم مسلمہ حکمار یونان مراد نہیں ہوسکتا اور اس لیئے اِس آیت میں لفظ سمار کا بلندی پر اطلاق ہوا ہے جو مکانیت سے خالی نہیں ہے اور جس میں ہزاروں رستے کواکب کے دَورہ کے ہیں ؛

۲۔ ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ثم استوی الی السماء فسوٰھن سبع سمٰوات۔ البقرہ۔ آیت ۲۷

ترجمہ۔ وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور پیدا کیا بلندی کو تو درست کیئے متعدد آسمان ؛

تفسیر کبیر میں لکھا ہے ثم استوی الی السماء اے خلق بعد الارض السماء ولم یجعل بینھما زماناً ولم یقصد شیئاً آخر بعد خلقہ الارض یعنی ثم استوی الی السماء سے زمین کے بعد سمار کے پیدا کرنے کا استعارہ ہے اور اُن دونوں کے پیدا کرنے کے بیچ میں کچھ مدت نہیں لگی اور نہ زمین کے پیدا کرنے کے بعد اور کسی چیز کا قصد کیا ؛

اور یہ بھی تفسیر کبیر میں لکھا ہے فان قال قایل فھل یدل التنصیص علی سبع سموات علی نفی العدد الزاید قلنا الحق ان تخصیص العدد بالذکر لا یدل علی نفی الزاید یعنی کیا سات آسمانوں کی تعداد بیان کرنی اس بات کی دلیل ہے کہ سات سے زیادہ نہیں ہیں تو ہم جواب دینگے کہ حق یہ ہے کہ کسی خاص عدد کا بیان کرنا اُس سے زیادہ نہونے پر دلیل نہیں ہے *

انھیں وجوہات سے ہمنے ثم استویٰ الی السماء کا ترجمہ اور پیدا کیا آسمان یعنی بلندی کو اور سبع کا ترجمہ بعوض سات کے متعدد کیا ہے *

علماء متقدمین کو جو یونانی ہیئت کا خیال جما ہوا تھا اس لیئے اُن کو اِس قسم کی آیتوں کی تفسیر میں مشکلات پیش آتی ہیں ورنہ حقیقت میں کچھ مشکل نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ ہم بندوں سے جو اِس زمین پر بستے ہیں مخاطب ہو کر اُن کے حسب حال کلام کرتا ہے۔ جبکہ اُس نے ہمارے لیئے زمین اور اُسکی تمام چیزوں کے پیدا کرنے کا ذکر کیا تو جو کچھ اُس نے ہم سے اوپر پیدا کیا تھا وہ ہمارے لیئے سمٰوات ہو گئی اس لیئے اوّل زمین کی چیزوں کا ذکر کیا اور پھر آسمانوں کا *

ہمنے سماء کا ترجمہ بلندی کیا ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اِس آیت میں سماء کے لفظ سے کوئی محل خاص یا کوئی یونانیوں والا خاص جسم مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی ایک آسمان کے سات آسمان نہیں بنائے گئے ہیں بلکہ وہ الگ الگ جُدا گانہ سات آسمان ہیں اس لیئے بجز اسکے کہ اِس آیت میں لفظ سماء سے بلندی مراد لیجائے اور کوئی معنی درست نہیں ہو سکتے اور جب اُسکے معنی بلندی لیئے گئے تو آیت کے معنی صاف ہو گئے کہ خدا نے بلندی کو پیدا کیا اور اُس میں سات یا متعدد آسمان بنائے *

بلندی ایک فضا یا وسعت محیط ہے جو ہماری سمت الراس پر دکھائی دیتی ہے۔ وہ مکانیت سے خالی نہیں خواہ اُس میں خلا ہو یا نہو مگر جب وہ فضائے مرتفع متعدد نشانوں سے منقسم ہو جاتی ہے تو اُس کے ہر ہر ٹکڑے پر طبقہ یا سماء یا ارتفاع کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ہم یونانی حکیموں کے قول کو تسلیم نہیں کرتے مگر بطور مثال کے سمجھاتے ہیں کہ جو وسعت اُن کے نزدیک زمین سے فلک قمر کے مقعر تک تھی اُسکو اُنھوں نے تین ٹکڑوں پر منقسم کیا تھا جن کو وہ کرۂ ہوا اور کرۂ زمہریر اور کرۂ نار سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی طرح اُس وسعت کی تقسیم سمٰوات پر ہوتی ہے یعنی اُس وسعت کے اُس محل کو جہاں یہ نیلی نیلی چیز ہمکو دکھائی دیتی ہے ہم آسمان کہتے ہیں اور اُس محل کو بھی جہاں چاند گردش کرتا ہے یا اور ستارے عطارد و زہرہ وغیرہ گردش کرتے ہیں سما کہتے ہیں کیونکہ یہ سب محل نسبت ہمارے مرتفع ہیں پس انھیں محلوں پر خدا تعالیٰ نے

سمٰوات کا اطلاق کیا ہے اس بیان کی تصویر اگلی آیت سے بالکل ثابت ہوتی ہے ✦

۳ - ثم استوىٰ الى السماء وهي دخان فقال لها وللارض ائتيا طوعاً او كرهاً قالتا اتينا طائعين فقضاهن سبع سموات في يومين واوحىٰ في كل سماء امرها ✦ فصلت آیت ۱۱ و ۱۲ ✦

ترجمہ - اور پیدا کیا بلندی کو اور وہ دھواں دھار یعنی تاریک تھی پھر کہا اسکو اور زمین کو حکم مانو خوشی سے خواہ ناخوشی سے - دونوں نے کہا ہمنے حکم مانا خوشی سے پھر کردیئے سات یا متعدد آسمان دو دن میں اور ڈال دیا ہر آسمان میں اُس کا کام ✦

جو تقریر کہ ہمنے اوپر بیان کی اُسی تقریر سے اس آیت میں بھی جو لفظ سماء اوّل آیا ہے اُس کے معنی بھی کسی محل خاص یا جسم خاص کے نہیں ہو سکتے ✦

دخان سے مفسرین نے تاریکی مراد لی ہے اور یہ بالکل ٹھیک ہے اس لیئے کہ بلندی میں قبل ظہور کواکب بجز تاریکی کے جسکو دخان سے تعبیر کیا ہے اور کچھ نہیں تھا ✦

شاہ عبدالقادر صاحب اپنے ترجمہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "آسمان ایک تھا دھواں سا اُسکو بانٹ کر سات کیئے اور ہر ایک کا کارخانہ جدا ٹھہرایا" یہ بالکل تصویر اُسی بیان کی ہے جو ہمنے اوپر بیان کیا ہے یعنی یہ تمام فضائے بلند ایک تھی اُسی کو آسمان کہا ہے جبکہ اُس میں اور اور چیزیں پیدا ہوئیں اور اُس فضا کی اُن چیزوں سے تقسیم ہوگئی تو اُس کے ٹکڑوں پر سمٰوات کا اطلاق ہونیلگا ✦

دیکھو کرہ ہوا میں آفتاب کی نیلی شعاع منعکس ہونے سے یہ نیلی چھت ہمکو دکھائی دیتی ہے اور اُس فضا کو اپنی اُس حد سے تقسیم کردیتی ہے اُس محل کو ہم آسمان کہتے ہیں ✦

چاند اور عطارد وغیرہ کواکب اپنے وجود سے اُس فضا کو تقسیم کردیتے ہیں جیسے صفحہ کاغذ پر نقاط لگانے سے ہر حصہ محدود ہو جاتا ہے اور پھر اپنے دورہ سے جو آفتاب کے گرد کرتے ہیں ایک محل کو جو بلاشبہ مکانیت کا اُسپر اطلاق ہوتا ہے اُس فضا سے علیحدہ کرلیتے ہیں اس لیئے اُن کے ہر ہر محل کو بھی ہم آسمان کہتے ہیں ✦

۴ - فانزلنا على الذين ظلموا رجزاً من السماء بما كانوا يفسقون - البقرہ آیت ۵۶ ✦

ترجمہ - پھر اُتارا ہمنے زیادتی کرنے والوں پر عذاب آسمان سے یعنی اوپر سے اُن کی نافرمانی پر ✦

۵ - فارسلنا عليهم رجزاً من السماء بما كانوا يظلمون - الاعراف آیت ۱۶۲ ✦

ترجمہ۔ پھر بھیجا ہمنے اُن پر عذاب آسمان سے یعنی سماوضداُن کی زیادتی کا ٭

۶۔ انا منزلون علیٰ اھل ھذہ القریۃ رجزاً من السماء بما کانوا یفسقون ٭ العنکبوت آیت ۳۳ ٭

ترجمہ۔ ہم اُتارنیوالے ہیں اس بستی والوں پر عذاب آسمان سے یعنی اوپر سے بعوض اُن کی بدکاری کے ٭

۷۔ فامطر علینا حجارۃ من السماء۔ الانفال آیت ۳۲ ٭

ترجمہ۔ تو برسا ہمپر پتھر آسمان سے ٭

۸۔ ان تنزل علیھم کتاباً من السماء۔ النساء آیت ۱۵۲ ٭

ترجمہ۔ اُن پر اُتار لاوے کتاب آسمان سے یعنی اوپر سے ٭

۹۔ ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السماء۔ المائدہ۔ آیت ۱۱۲ ٭

ترجمہ۔ تیرے خدا سے ہو سکتا ہے کہ اُتارے ہمپر کھانا آسمان سے یعنی اوپر سے ٭

۱۰۔ اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء۔ المائدہ آیت ۱۱۴ ٭

ترجمہ۔ اے اللہ ہمارے پروردگار اُتار ہمپر کھانا آسمان سے یعنی اوپر سے ٭

۱۱۔ ویرسل علیھا حسباناً من السماء۔ کھف آیت ۳۸ ٭

ترجمہ۔ اور بھیجدے اُسپر آفت آسمان سے ٭

۱۲۔ لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا۔ اسرائیل آیت ۹۷ ٭

ترجمہ۔ البتہ ہم اُتارتے اُن پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام لیکر ٭

۱۳۔ ان نشأ ننزل علیھم من السماء اٰیۃ ٭ الشعرا۔ آیت ۳ ٭

ترجمہ۔ اگر ہم چاہیں اُتاریں اُن پر آسمان سے ایک نشانی ٭

۱۴۔ ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء۔ الحج آیت ۳۲ ٭

ترجمہ۔ اور جس نے شریک بتایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے یعنی بلندی سے ٭

۳۳۔ وما انزلنا علیٰ قومہ من بعدہ من جند من السماء وما کنا منزلین۔ یس آیت ۲۷ ٭

ترجمہ۔ اور نہیں اُتارا ہمنے اُس کی قوم پر اُس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور ہم نہیں اُتارا کرتے ٭

۳۴۔ لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض ٭ الاعراف آیت ۹۴ ٭

ترجمہ - تو ہم کھول دیتے اُن پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی +

۳۵ - ولو فتحنا علیھم باباً من السماء - الحجر آیت ۱۴ +

ترجمہ - اور اگر ہم کھول دیں اُن پر دروازہ آسمان سے +

۳۶ - لا تفتح لھم ابواب السّماء - الاعراف آیت ۳۸ +

ترجمہ - کبھی نہ کھلیں گے اُن پر دروازے آسمان کے +

۳۷ - یدبر الامر من السماء الی الارض - السجدۃ - آیت ۴ +

ترجمہ - تدبیر سے اُتارتا ہے کام کو آسمان سے زمین تک +

۳۸ و ۳۹ - وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا - سبا آیت ۲ - والحدید آیت ۴ +

ترجمہ - اور جو کچھ اُترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ چڑھتا ہے اُس میں +

۴۰ و ۴۱ - ءأمنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض فاذا ھی تمور ام امنتم من فی السماء ان یرسل علیکم حاصباً - الملک آیت ۱۶ و ۱۷ +

ترجمہ - کیا نڈر ہوئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنساوے تمکو زمین میں پھر دیکھو وہ لرزتی ہے - کیا نڈر ہوئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے کہ بھیجی تم پر پتھر برسانے والی ہوا +

۴۲ - ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقاً حرجاً کانما یصّعّد فی السّماء - الانعام آیت ۱۲۵ +

ترجمہ - اور جس کو چاہے کہ راہ سے بھٹکا دے کرتا ہے اُسکا سینہ تنگ پہونچے گویا آسمان پر یعنی اوپر کو اُٹھا جاتا ہے +

۴۳ - تبارک الّذی جعل فی السّماء بروجاً وجعل فیھا سراجاً وقمراً منیراً - الفرقان - آیت ۶۲ +

ترجمہ - بڑی برکت ہے اُسکی جس نے بنائے آسمان میں برج اور رکھا اُس میں چراغ اور چاند روشن +

سماء کے لفظ سے جو اِس آیت میں ہے کوئی خاص محل اور خاص جسم مراد نہیں ہوسکتا بجز فضائے مرتفع کے کیونکہ بروج اور سورج اور چاند ایک آسمان میں نہیں ہیں بلکہ ایک فضائے مرتفع میں ہیں +

۴۴- ولقد جعلنا فی السّماء بروجا وزیّنّٰھا للنّاظرین - الحجر آیت ۱۶ +

ترجمہ - البتہ بنائے ہمنے آسمان میں برج اور خوبصورت کیا اُسکو دیکھنے والوں کے لیئے +

۴۵- والسّماء ذات البروج - البروج آیت ۱ +

ترجمہ - قسم ہے برجوں والی اونچائی کی +

اگرچہ اس آیت میں برجوں والے آسمان کے معنی بھی لیئے جا سکتے ہیں مگر بمناسبت آیت سورۃ الفرقان کے اس جگہ پر بھی فضائے مرتفع کے معنی لیئے گئے ہیں +

۴۶- فلیمدد بسبب الی السّماء - الحج آیت ۱۵ +

ترجمہ - پھر چاہیئے کہ تانے ایک رسی آسمان یعنی اوپر کی طرف -

شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی حاشیہ پر لکھا ہے کہ "آسمان کو تانے یعنی اُچان کرے" - اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی سماء کا ترجمہ جانب بالا کیا ہے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں "پس باید کہ بیاویزد رسنے بجانب بالا" +

۴۷- اصلھا ثابت وفرعھا فی السّماء + ابراھیم آیت ۲۹ +

ترجمہ - اُسکی جڑ مضبوط ہے - اور اُسکی ٹہنی آسمان میں یعنی نہایت بلندی میں +

قسم سوم

وہ آیتیں جن میں لفظ سماء کا اس نیلی چیز پر جو ہمکو دکھلائی دیتی ہے اطلاق ہوا ہے +

۱- ولقد زیّنّا السّماء الدّنیا بمصابیح وجعلنٰھا رجوما للشّیاطین + الملک آیت ۵ +

ترجمہ - اور البتہ خوشنما کیا ہمنے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے اور کیا ہمنے اُسکو سنگساری شیطانوں کے لیئے +

۲- وزیّنّا السماء الدنیا بمصابیح وحفظا + فصلت آیت ۱۱ +

ترجمہ - اور خوشنما کیا ہمنے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے اور حفاظت میں رکھا +

۳- انّا زیّنّا السماء الدنیا بزینۃ الکواکب - الصافات آیت ۶ +

ترجمہ - البتہ ہمنے خوشنما کیا دنیا کے آسمان کو ستاروں کی خوشنمائی سے +

ان آیتوں میں جو لفظ "سماء الدنیا" کا جناب رسول خدا صلعم کی زبان مبارک سے نکلا ہے جو اُمّی محض تھے اور علاوہ اُمّی ہونے کے ایسے ملک اور ایسے لوگوں میں پرورش پائی تھی جو بالکل جاہل تھے

اور کسی قسم کے علوم اُن کے ہاں مروج نہ تھے وہ علم طبیعات کا نام بھی نہیں جانتے تھے تو اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ بلاشبہ یہ لفظ وحی والہام سے نکلے ہیں اور جو امر کہ اب تحقیق ہوا ہے وہ تیرہ سَو برس پیشتر ایک اُمّی نے فرمایا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم ؎

اس نیلی نیلی چیز کو جو ہمکو دکھائی دیتی ہے سمار دنیا کہنا ایسا ٹھیک ہے کہ آجکل بھی بڑے بڑے عالم علوم طبعی کے اس سے زیادہ عمدہ کوئی لفظ نہیں نکال سکتے۔ ہماری دنیا کے گرد جسپر ہم بستے ہیں ہوا محیط ہے۔ بعضوں نے اندازہ کیا ہے کہ اُسکا ارتفاع یا عمق پینتالیس میل کا ہے اور بعضوں نے اس سے بہت زیادہ خیال کیا ہے۔ بہرحال اُس ہوائے محیط میں آفتاب کی نیلی شعاعیں منعکس ہوتی ہیں اور اس سبب سے یہ نیلی گنبدی چھت ہمکو اپنی دنیا کے گرد دکھائی دیتی ہے جو درحقیقت ہماری دنیا کا آسمان ہے۔ پس اس نیلی گنبدی چھت پر سمار دنیا کا اطلاق بالکل حقیقت اور علم کے مطابق ہے۔ افسوس کہ ہمارے زمانہ کے علماء حکماء یونان کی تقلید کرتے ہیں اور حقایق قرآن پر غور نہیں کرتے۔ وقد قال اللہ تعالیٰ۔ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ؎

۴۔ وجعلنا السماء سقفاً محفوظا۔ الانبیاء آیت ۳۳ ؎

ترجمہ۔ اور بنایا ہمنے آسمان کو چھت حفاظت کی گئی ؎

۵۔ والسقف المرفوع۔ الطور آیت ۵ ؎

ترجمہ۔ قسم ہے اونچی چھت کی ؎

۶۔ والسماء رفعها ووضع المیزان۔ الرحمٰن آیت ۶ ؎

ترجمہ۔ اور آسمان کو اُونچا کیا اور رکھی اُسکے لیئے ترازو ؎

۷۔ افلم یروا الی ما بین ایدیهم وما خلفهم من السماء والارض ان نشاء نخسف بهم الارض او نسقط علیهم کسفا من السماء۔ سبا آیت ۹ ؎

ترجمہ۔ کیا اُنھوں نے اُس چیز کو نہیں دیکھا جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین میں دھنسا دیویں یا اُن پر آسمان سے ٹکڑا ڈال دیں ؎

۸۔ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت۔ والی السماء کیف رفعت ؎ الغاشیہ آیت ۱۸

ترجمہ۔ پھر کیوں نہیں دیکھتے اُونٹ کو کہ کیسا بنایا گیا ہے اور آسمان کو کہ کس طرح اُونچا کیا گیا ہے ؎

۹ - والسّماء وما بناها - الشمس آیت ۵ +

ترجمہ - قسم ہے آسمان کی اور جیسا اُسکو بنایا +

۱۰ - افلم ینظروا الی السّماء فوقهم کیف بنینها وزیّنّها ومالها من فروج - ق آیت ۶ +

ترجمہ - کیا نہیں دیکھا اُنھوں نے آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہمنے اُسکو بنایا ہے اور اُسکو خوشنما کیا ہے اور اُس میں کوئی دراڑ نہیں +

۱۱ - والسّماء بنیناها بأید وانا لموسعون - الذاریات آیت ۴۷ +

ترجمہ - اور بنایا ہمنے آسمان کو ہاتھ سے یعنی اپنی قدرت سے اور ہمکو سب قدرت ہے +

۱۲ - الذی جعل لکم الارض فراشا والسّماء بناء - البقرة آیت ۲۰ +

ترجمہ - جس نے بنایا زمین کو تمھارے لیئے بچھونا اور آسمان کو محل +

۱۳ - الله الذی جعل لکم الارض قرارا والسّماء بناء - المومن آیت ۶۶ +

ترجمہ - اللہ وہ ہے جس نے بنایا زمین کو تمہارے لیئے ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو محل +

۱۴ - أأنتم اشد خلقا أم السماء بناها رفع سمکها فسوّیها - النازعات ۲۷ و ۲۸ +

ترجمہ - تم خلقت میں زیادہ مضبوط ہو یا آسمان خدا نے بنایا آسمان کو اونچی کی اُسکی چوٹی پھر درست کیا اُسکو +

۱۵ - ومن اٰیته ان تقوم السّماء والارض بامره - الروم آیت ۲۴ +

ترجمہ - اور خدا کی نشانیوں میں سے ہے اپنی جگہ پر رہنا آسمان اور زمین کا خدا کے حکم سے +

۱۶ - ویمسک السّماء ان تقع علی الارض - الحج آیت ۶۴ +

ترجمہ - تھام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے +

۱۷ - یوم تشقق السماء بالغمام ونزّل الملائکة تنزیلا - الفرقان آیت ۲۷ +

ترجمہ - اور جس دن پھٹ جاوے آسمان غمام سے اور اُتارے جاویں فرشتے ایک طرح کا اُتارنا +

۱۸ - فاذا انشقت السماء فکانت وردة کالدهان - الرحمن آیت ۳۷ +

ترجمہ - جب پھٹیگا آسمان تو ہو جاویگا گلابی تیلیا +

۱۹ - وانشقت السماء فهي يومئذ واهية - الحاقہ آیت ۱۶ +

ترجمہ - اور پھٹ جاویگا آسمان پھر وہ اُسدن ہوگا بکسا ہوا +

۲۰ - اذا السماء انشقت - انشقت آیت ۱ +

ترجمہ - جب آسمان پھٹ جاوے +

۲۱ - فكيف تتقون ان كفرتم يوماً يجعل الولدان شيباً السماء منفطر به - المزمل آیت ۱۸ +

ترجمہ - پس اگر تم کافر ہوئے تو کیونکر بچوگے اُس دن جس میں بچے بڈھے ہو جاویں گے اور آسمان پھٹ جاویگا +

۲۲ - اذا السماء انفطرت - انفطرت آیت ۱ +

ترجمہ - جب آسمان پھوٹ جاوے +

۲۳ - فاذا النجوم طمست و اذا السماء فرجت - المرسلات آیت ۹ و ۱۰ +

ترجمہ - پھر جب تارے مٹائے جاویں اور آسمان پھاڑا جاوے +

۲۴ - وفتحت السماء فكانت ابوابا - النبا آیت ۱۹ +

ترجمہ - اور کھولدیا جاوے آسمان پھر ہو جاویں دروازے +

۲۵ - واذا السماء كشطت - کورت آیت ۱۱ +

ترجمہ - اور جب آسمان کا پوست اُتارا جاوے +

۲۶ - يوم تكون السماء كالمهل - المعارج - آیت ۸ +

ترجمہ - جس دن ہوگا آسمان جیسے پگلا ہوا تانبا +

۲۷ - فارتقب يوم تاتي السماء بدخان مبين - الدخان آیت ۹ +

ترجمہ - پس انتظار کرو اُس دن کا کہ نکالے آسمان دھواں سب کو معلوم ہوتا +

۲۸ - الم يروا الى الطير مسخرات في جو السماء - النحل آیت ۸۱ +

ترجمہ - کیا نہیں دیکھتے اُڑنیوالے جانوروں کو کہ فرمانبردار کیئے گئے ہیں آسمان کی وسعت میں +

۲۹ - الله الذي يرسل الرياح فتثير سحاباً فيبسطه في السماء كيف يشاء - الروم آیت ۴۷ +

ترجمہ - اللہ وہ ہے جو چلاتا ہے ہوائیں پھر اُٹھاتی ہیں بادل پھر پھیلاتا ہے اُسکو آسمان میں جس طرح چاہتا ہے +

۳۰ - قد نری تقلب وجھک فی السماء - البقرہ آیت ۱۳۹ +

ترجمہ - البتہ ہمنے دیکھا پھرنا تیرے مونھہ کا آسمان کی طرف +

۳۱ - انّ اللہ لا یخفی علیہ شئ فی الارض ولا فی السماء - ال عمران آیت ۴ +

ترجمہ - البتہ خدا پر پوشیدہ نہیں کوئی چیز زمین میں یعنی تحت میں نہ آسمان یعنی فوق میں +

۳۲ - وما یعزب عن ربک من مثقال ذرة فی الارض ولا فی السماء - یونس - آیت ۶۲ +

ترجمہ - اور غایب نہیں رہتا تیرے پروردگار سے ذرہ بھر زمین میں اور نہ آسمان میں +

۳۳ - اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء - ابراھیم آیت ۲۹ +

ترجمہ - اُس کی جڑ مضبوط ہے اور اُسکی ٹہنی آسمان میں یعنی نہایت بلندی میں +

۳۴ - وما یخفی علی اللہ من شئ فی الارض ولا فی السماء - ابراھیم آیت ۴۱ +

ترجمہ - اور چھپا نہیں اللہ پر کچھ زمین میں اور نہ آسمان میں +

۳۵ - قال ربی یعلم القول فی السماء والارض - الانبیا آیت ۴ +

ترجمہ - اُس نے کہا میرا پروردگار جانتا ہے ہر بات کو آسمان میں ہو یا زمین میں ہو +

۳۶ - الم تعلم ان اللہ یعلم ما فی السماء والارض - الحج آیت ۶۹ +

ترجمہ - کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ ہے آسمان میں اور زمین میں +

۳۷ - وما من غائبة فی السماء والارض الا فی کتاب مبین - النمل آیت ۷۷ +

ترجمہ - اور کوئی چیز نہیں جو پوشیدہ ہو آسمان میں اور زمین میں مگر ہے کتاب روشن میں +

۳۸ - وما انتم بمعجزین فی الارض ولا فی السماء - العنکبوت آیت ۲۱ +

ترجمہ - اور نہیں ہو تم تھکانے والے زمین میں اور آسمان میں +

۳۹ - وھو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ - الزخرف آیت ۸۴ +

ترجمہ - وہی ہے جو آسمان میں حاکم ہے اور زمین میں حاکم ہے +

۴۰ - وان یروا کسفا من السماء ساقطا یقولوا سحاب مرکوم - الطور آیت ۴۴ +

ترجمہ - اور اگر دیکھیں ایک ٹکڑا آسمان گرتا ہوا کہیں یہ بادل ہے گاڑھا +

۴۱ - یوم تمور السماء مورا - الطور آیت ۹ +

ترجمہ - جس دن کہ ہل ہلا جاوے آسمان ہل ہلا جانا +

۴۲ - یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب - الانبیاء آیت ۱۰۴ +

ترجمہ - جس دن ہم لپیٹ لیں آسمان جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ +

۴۳ - او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء - اسرائیل آیت ۹۵ +

ترجمہ - یا ہووے تیرے لیئے ایک گھر سنہرا یا چڑھ جاوے تو آسمان میں +

۴۴ - فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض او سلما فی السماء + الانعام آیت ۳۵ +

ترجمہ - پھر اگر تجھ سے ہو سکے ڈھونڈ نکالنی کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں +

۴۵ - فاسقط علینا کسفا من السما ان کنت من الصادقین - الشعرا آیت ۱۸۷ +

ترجمہ - پھر گرا ہم پر ایک ٹکڑا آسمان میں سے اگر ہے تو سچوں میں سے +

۴۶ - او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفاً - اسرائیل آیت ۹۴ +

ترجمہ - یا گرا دے تو آسمان جیسا کہ تو گمان کرتا ہے ہمارے اوپر ٹکڑے ٹکڑے +

۴۷ - وانا لمسنا السما فوجدناها ملئت حرسا شدیداً و شهباً - الجن آیت ۸ +

ترجمہ - اور البتہ ہمنے چھو لیا آسمان کو پھر پایا ہمنے اُسکو بھرا ہوا سخت چوکیداروں سے اور شہابوں سے +

۴۸ - فو رب السماء والارض انہ الحق مثل ما انکم تنطقون - الذاریات آیت ۲۳ +

ترجمہ - سو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی یہ بات ٹھیک ہے ایسی جیسے کہ تم بولتے ہو +

۴۹ - وجنۃ عرضها کعرض السماء والارض - الحدید آیت ۲۱ +

ترجمہ - اور بہشت کو جس کا پھیلاؤ ہے جیسے پھیلاؤ آسمان اور زمین کا +

۵۰ - وما خلقنا السماء والارض وما بینهما باطلا - ص آیت ۲۶ +

ترجمہ - اور ہمنے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو اُن کے بیچمیں ہے نکما +

۵۱ - وما خلقنا السماء والارض وما بینهما لاعبین - الانبیاء آیت ۱۶ +

ترجمہ - اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو اُن کے بیچمیں ہے بطور کھلاڑی کے +

۵۲ - فما بکت علیھم السّماء والارض - الدخان آیت ۲۸ +

ترجمہ - پھر نہ رویا اُن پر آسمان اور زمین +

۵۳ - والسّماء والطارق - الطارق آیت ۱ +

ترجمہ - قسم ہے آسمان کی اور رات کو نکلنے والے کی +

قسمِ چہارم

وہ آیتیں جن میں لفظ سمٰوات کا بصیغہ جمع فضائے محیط پر بلحاظ اُسکے انقسام کے ابعاد متعدد میں اطلاق ہوا ہے +

۱ - ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استویٰ الی السّماء فسوٰیھن سبع سمٰوات البقر آیت ۲۷ +

ترجمہ - وہ وُہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور پیدا کیا بلندی کو تو درست کیئے سات یعنی متعدد آسمان +

۲ و ۳ - ثم استویٰ الی السّماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعاً اوکرھاً قالتا اتینا طائعین فقضاھن سبع سمٰوات فی یومین واوحی فی کلّ سماءٍ امرھا فصلت آیت ۱۱ و ۱۲ +

ترجمہ - اور پیدا کیا بلندی کو اور وہ دھواں دھار یعنی تاریک تھی پھر کہا اُسکو اور زمین کو حکم مانو خوشی سے خواہ ناخوشی سے دونوں نے کہا ہم نے حکم مانا خوشی سے پھر کردیئے سات یا متعدد آسمان دو دن میں اور ڈال دیا ہر آسمان میں اُس کا کام +

۴ - تنزیلا ممن خلق الارض والسمٰوات العلیٰ - طٰہ آیت ۳ +

ترجمہ - بھیجا ہے اُس شخص نے جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے +

۵ - امن خلق السمٰوات والارض - النمل آیت ۶۱ +

ترجمہ - بھلا کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۶ - وھوالذی خلق السمٰوات والارض بالحق - الانعام آیت ۷۲ +

ترجمہ - وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسے چاہیئے +

۷- خلق السموات والارض بالحق - التغابن آیت ۳ ٭

ترجمہ- پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسے چاہیئے ٭

۸- الم تر ان اللہ خلق السموات والارض بالحق - ابراہیم آیت ۲۲ ٭

ترجمہ- کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیئے ٭

۹ و ۱۰- وما خلقنا السموات والارض وما بینھما الا بالحق - الحجر آیت ۸۵ - الاحقاف آیت ۲ ٭

ترجمہ- اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ ان کے بیچ میں ہے مگر جیسے چاہیئے ٭

۱۱- خلق السموات والارض بالحق تعالی عما یشرکون - النحل آیت ۳ ٭

ترجمہ- پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیئے اسکی ذات بلند ہے اس سے کہ اسکا شریک ٹھہراتے ہیں ٭

۱۲- خلق اللہ السموات والارض بالحق ان فی ذالک لآیۃ للمومنین - العنکبوت آیت ۴۳ ٭

ترجمہ- پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیئے بے شک اس میں ایک دلیل ہے نیک دل والوں کو ٭

۱۳- وخلق اللہ السموات والارض بالحق - الجاثیہ آیت ۲۱ ٭

ترجمہ- اور پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیئے ٭

۱۴- الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور - الانعام آیت ۱ ٭

ترجمہ- خدا ہی کے لیئے سب تعریفیں ہیں جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور پیدا کیا اندھیرے کو اور اجالے کو ٭

۱۵ و ۱۶- ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض - الاعراف آیت ۵۲ - یونس آیت ۳ ٭

ترجمہ- بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ٭

۱۷- وھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء - ھود آیت ۹ ٭

ترجمہ- اور وہ وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں اور تھا تخت اسکا پانی پر ٭

۱۸ - ولقد خلقنا السّموات والارض وما بينهما في ستة ايام - ق آيت ۳۷ +

ترجمہ - البتہ پیدا کیا ہمنے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ اُن میں ہے چھ دن میں +

۱۹ و ۲۰ - الذي خلق السّموات والارض - ابراهيم آيت ۳۷ - الفرقان آيت ۶۰ +

ترجمہ - جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۲۱ و ۲۲ - خلق السّموات والارض - الزمر آيت ۷ - الاحقاف آيت ۳۲ +

ترجمہ - پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۲۳ - لخلق السّموات والارض اكبر من خلق النّاس - المومن آيت ۹ +

ترجمہ - البتہ پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا بڑا ہے آدمیوں کے پیدا کرنے سے +

۲۴ لغایت ۲۶ - في خلق السّموات والارض - البقرہ آيت ۱۵۹ - آل عمران آيت ۱۸۷ و ۱۸۸ +

ترجمہ - بیچ پیدا کرنے آسمانوں کے اور زمین کے +

۲۷ - يوم خلق السّموات والارض - التوبہ آيت ۳۶ +

ترجمہ - جس دن پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۲۸ - اولم يروا ان الله الذي خلق السّموات والارض قادر على ان يخلق مثلهم - اسرائيل آيت ۱۰۱ +

ترجمہ - کیا نہیں دیکھا تمنے کہ جس اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو طاقت رکھتا ہے اس بات پر کہ پیدا کرے اُن کی مانند +

۲۹ - ما اشهدتهم خلق السّموات والارض + الكهف آيت ۴۹ +

ترجمہ - میں نے بلایا نہ تھا اُن کو بروقت پیدا کرنے آسمانوں کے اور زمین کے +

۳۰ لغایت ۳۳ - ولئن سألتهم من خلق السّموات والارض - العنكبوت آيت ۶۱ - لقمان آيت ۲۴ - الزمر آيت ۷ - الزخرف آيت ۸ +

ترجمہ - اگر تو پوچھے اُن سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۳۴ - خلق الله السموات والارض - الروم آيت ۷ +

ترجمہ - اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۳۵ - هو الذي خلق السّموات والارض في ستة ايام - الحديد آيت ۵ +

ترجمہ - وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں ؛

۳۶ - اللہ الذی خلق السموات والارض وما بینہما - السجدہ - آیت ۳ ؛

ترجمہ - اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن میں ہے ؛

۳۷ - ام خلقوا السموات والارض بل لا یوقنون - الطور آیت ۳۶ ؛

ترجمہ - کیا اُنھوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو - نہیں - پر ایمان نہیں لاتے ؛

۳۸ - اولیس الذی خلق السموات والارض - یس آیت ۸۱ ؛

ترجمہ - کیا نہیں ہے وہ جسنے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ؛

۳۹ - خلق السموات بغیر عمد ترونہا - لقمان آیت ۹ ؛

ترجمہ - پیدا کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اُسکو ؛

۴۰ - رفع السموات بغیر عمد ترونہا - رعد آیت ۲ ؛

ترجمہ - بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کہ دیکھو تم اُسکو ؛

۴۱ و ۴۲ - ومن آیاتہ خلق السموات والارض - الشوری آیت ۲۸ - الروم آیت ۲۱ ؛

ترجمہ - اور اُسکی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا ؛

۴۳ - وما خلقنا السموات والارض وما بینہما لاعبین - الدخان آیت ۳۸ ؛

ترجمہ - اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن کے بیچ میں ہے کھلاڑی ہیں ؛

۴۴ - اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلہن - الطلاق - آیت ۱۲ ؛

ترجمہ - اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں کو اور زمین کو بھی اُن کی مانند یعنی متعدد ؛

۴۵ و ۴۶ - الم تر کیف خلق اللہ سبع سموات طباقاً وجعل القمر فیہن نوراً وجعل الشمس سراجاً - نوح آیت ۱۵ و ۱۶ ؛

ترجمہ - کیا تمنے نہیں دیکھا کہ کس طرح پیدا کیا اللہ نے سات یا متعدد آسمانوں کو تلے اوپر اور کیا اُن میں چاند کو نور اور سورج کو روشن چراغ ؛

۴۷ - الذی خلق سبع سموات طباقاً - الملک آیت ۳ ؛

ترجمہ۔ جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں کو تلے اوپر ؛

۴۸ و ۴۹ ۔ ربّ السّموات والارض وما بینهما ان کنتم موقنین ؛ الدخان آیت ۶ ۔ الشعراء ۔ آیت ۲۴ ؛

ترجمہ ۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور اُس سب کا جو اُن میں ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو ؛

۵۰ ۔ قل من ربّ السّموات والارض ۔ الرعد آیت ۱۷ ؛

ترجمہ ۔ پوچھ کون ہے پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا ؛

۵۱ لغایت ۵۳ ۔ ربّ السموات والارض ۔ اسرائیل آیت ۱۰۴ ؛ الکهف آیت ۱۳ ۔ مریم آیت ۶۶ ؛

ترجمہ ۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا ؛

۵۴ ۔ ربکم السّموات والارض الّذي فطرهن ۔ الانبیاء آیت ۵۷ ؛

ترجمہ ۔ تمہارا پروردگار وہی آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے پیدا کیا اُن کو ؛

۵۵ ۔ قل من ربّ السّموات السبع وربّ العرش العظیم ۔ المومنون ۔ آیت ۸۸ ؛

ترجمہ ۔ پوچھ کون ہے پروردگار سات یا متعدد آسمانوں کا اور پروردگار اُس بڑے تخت کا یعنی اُس بڑی بادشاہت کا ؛

۵۶ لغایت ۵۹ ۔ ربّ السّموات والارض وما بینهما ۔ الصافات آیت ۵ ۔ ص آیت ۶۶ ۔ الدخان آیت ۶ ۔ النباء آیت ۳۷ ؛

ترجمہ ۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور اُس سب کا جو اُن میں ہے ؛

۶۰ ۔ سُبحان ربّ السّموات والارض ربّ العرش عمّا یصفون ۔ الزخرف آیت ۸۲ ؛

ترجمہ ۔ پاک ہے پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا پروردگار عرش کا اُن باتوں سے جو اُسکو لگاتے ہیں ؛

۶۱ ۔ فللّه الحمد ربّ السّموات وربّ الارض ربّ العالمین ۔ الجاثیه آیت ۳۵ ؛

ترجمہ ۔ اللہ ہی کے لیئے سب تعریفیں ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا پروردگار ہے سارے جہان کا ؛

۶۲ ۔ وللّه ملك السّموات والارض وما بینهما ۔ المائدہ آیت ۲۱ ؛

ترجمہ۔ اور اللہ ہی کے لیئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اُس سب کی جو اُن میں ہے +

۶۳۔ للہ ملک السّموات والارض وما فیھن۔ المائدہ آیت ۱۲۰ +

ترجمہ۔ اللہ ہی کے لیئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اُس سب کی جو اُن میں ہے +

۶۴۔ اولم ینظروا فی ملکوت السّموات والارض۔ الاعراف آیت ۱۸۴ +

ترجمہ۔ کیا غور نہیں کی اُنھوں نے آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت میں +

۶۵۔ وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت السّموات والارض۔ الانعام آیت ۷۵ +

ترجمہ۔ اور اسی طرح دکھلائی ہمنے ابراہیم کو بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی +

۶۶ لغایت ۸۲۔ ملک السّموات والارض۔ المائدہ آیت ۴۴ + التوبہ آیت ۱۱۷ + الاعراف آیت ۱۵۸ + النور آیت ۴۲ + الفرقان آیت ۲ + الشوریٰ آیت ۴۸ + الزخرف آیت ۸۵ + الجاثیہ آیت ۲۶ + الفتح آیت ۱۴ + الحدید آیت ۲ و ۵ + البروج آیت ۹ + الزمر آیت ۴۵ + ص آیت ۹ + البقرہ آیت ۱۰۱ + المائدہ آیت ۲۰ + ال عمران آیت ۱۸۶ +

ترجمہ۔ بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی +

۸۳ لغایت ۱۲۳۔ ما فی السّموات وما فی الارض + البقرہ آیت ۱۱۰ و ۲۵۶ و ۲۸۴ + ال عمران آیت ۲۷ و ۱۰۵ و ۱۲۴ + النساء آیت ۱۲۵ و ۱۳۰ و ۱۳۱ و ۱۶۸ و ۱۶۹ + المایدہ آیت ۹۸ + الانعام آیت ۱۲ + یونس آیت ۵۶ و ۶۹ + ابراھیم آیت ۲ + النحل آیت ۱۵ و ۴۵ + طٰہٰ آیت ۵ + الحج آیت ۶۳ + النور آیت ۶۴ + العنکبوت آیت ۵۲ + لقمان آیت ۱۹ و ۲۵ + سبا آیت ۱ و ۳ و ۲۱ + الملائکہ آیت ۴۳ + الشوریٰ آیت ۲ و ۵۳ + الجاثیہ آیت ۱۲ + الحجرات آیت ۱۶ + النجم آیت ۳۲ + الحدید آیت ۱ + المجادلہ آیت ۸ + الحشر آیت ۱ و ۲۴ + الصف آیت ۱ + الجمعہ آیت ۱ + التغابن آیت ۱ و ۴ +

ترجمہ۔ جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں +

۱۲۴ لغایت ۱۳۶۔ من فی السّموات والارض۔ ال عمران آیت ۷۷ + یونس آیت ۶۷

الرعد آیت ۱۶ + الانبیاء آیت ۱۹ + مریم آیت ۹۴ + الحج آیت ۱۸ + النور آیت ۴۱ +
النمل آیت ۶۶ و ۸۹ + الروم آیت ۲۵ + الزمر آیت ۶۸ + الرحمٰن آیت ۲۹ +
اسرائیل آیت ۵۷ +

ترجمہ - جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں +

۱۳۷ و ۱۳۸ - من السمٰوات والارض - النحل آیت ۷۵ - سباء آیت ۲۳ +

ترجمہ - آسمانوں سے اور زمین سے +

۱۳۹ لغایت ۱۴۹ - فی السمٰوات وفی الارض - الانعام آیت ۳ - الاعراف آیت ۱۸۶ + یونس
آیت ۶ و ۱۹ و ۱۰۱ + یوسف آیت ۱۰۵ + الروم آیت ۱۷ و ۲۶ + لقمان آیت ۱۵ +
الجاثیہ آیت ۲ و ۳۶ +

ترجمہ - آسمانوں میں اور زمین میں +

۱۵۰ - انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوات والارض - الاحزاب آیت ۷۲ +

ترجمہ - البتہ ہمنے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو +

۱۵۱ - وجنۃ عرضہا السمٰوات والارض - آل عمران آیت ۱۲۷ +

ترجمہ - جنت جس کا پھیلاؤ ہے آسمان اور زمین +

۱۵۲ و ۱۵۳ - مادامت السمٰوات والارض - ھود آیت ۱۰۹ و ۱۱۰ +

ترجمہ - جب تک رہیں آسمان اور رہے زمین +

۱۵۴ - تسبح لہ السمٰوات السبع والارض ومن فیھن - اسرائیل آیت ۴۶ +

ترجمہ - پاکیزگی سے یاد کرتے ہیں اُسکو ساتوں آسمان اور زمین +

۱۵۵ و ۱۵۶ - ان اللہ یعلم غیب السمٰوات والارض - الملائکہ آیت ۳۶ + الفتح آیت ۱۸ +

ترجمہ - البتہ اللہ جانتا ہے چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی +

۱۵۷ - انی اعلم غیب السمٰوات والارض - البقرہ آیت ۳۱ +

ترجمہ - البتہ مَیں جانتا ہوں چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی +

۱۵۸ لغایت ۱۶۰ - وللہ غیب السمٰوات والارض - النحل آیت ۷۹ + الکھف آیت ۲۵ +
ھود آیت ۹ +

ترجمہ - اور اللہ کے لیئے ہے چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی +

۱۶۱ و ۱۶۲ - ولله میراث السموات والارض - ال عمران آیت ۱۷۶ - الحدید آیت ۱۰ ؎

ترجمہ - اور اللہ وارث ہے آسمانوں کا اور زمین کا ؎

۱۶۳ - ولله خزائن السموات والارض - المنافقون آیت ۷ ؎

ترجمہ - اور اللہ کے لیئے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے ؎

۱۶۴ و ۱۶۵ - مقالید السموات والارض - الزمر آیت ۶۳ ؎ الشوری آیت ۱۰ ؎

ترجمہ - کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی ؎

۱۶۶ و ۱۶۷ - ولله جنود السموات والارض - الفتح آیت ۴ و ۷ ؎

ترجمہ - اور اللہ کے لیئے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے ؎

۱۶۸ - الله نور السموات والارض - النور آیت ۳۵ ؎

ترجمہ - اللہ ہے نور آسمانوں کا اور زمین کا ؎

۱۶۹ - الا یسجدوا لله الذی یخرج الخبء فی السموات والارض - النمل آیت ۲۵ ؎

ترجمہ - کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی چیز آسمانوں میں اور زمین میں ؎

۱۷۰ - وکم من ملك فی السموات لا تغنی شفاعتهم شیئا - النجم آیت ۲۶ ؎

ترجمہ - بہت سے فرشتے ہیں آسمانوں میں کام نہیں آتی اُن کی سفارش ؎

۱۷۱ - یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات - ابراهیم آیت ۴۹ ؎

ترجمہ - جس دن کہ بدل دی جاوے یہ زمین زمین کے سوا (یعنی اور کسی چیز سے) اور بدل دیئے جاویں آسمان ؎

۱۷۲ - یا هامان ابن لی صرحا لعلی ابلغ الاسباب اسباب السموات فاطلع الی اله موسی وانی لاظنه کاذبا - المومن آیت ۳۹ ؎

ترجمہ - اے ہامان بنا میرے لیئے ایک محل شاید کہ میں پہونچوں رستوں میں آسمان کے رستوں میں پھر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے ؎

۱۷۳ - ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لهم شرك فی السموات - الاحقاف آیت ۳ ؎

ترجمہ - دکھاؤ تو مجھ کو انھوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں یا کچھ اُن کو ساجھا ہے آسمانوں میں ؎

۱۷۴ و ۱۷۵ - بدیع السمٰوات والارض - البقرہ آیت ۱۱۱ - الانعام آیت ۱۰۱ ۔

ترجمہ - بغیر نمونہ کے بنانے والا آسمانوں کا اور زمین کا ۔

۱۷۶ لغایت ۱۸۱ - فاطر السمٰوات والارض - الانعام آیت ۱۴ ۔ یوسف آیت ۱۰۲ ۔ الملائکہ آیت ۱ ۔ ابراھیم آیت ۱۱ ۔ الزمر آیت ۴۷ ۔ الشوریٰ آیت ۹ ۔

ترجمہ - بنانیوالا آسمانوں کا اور زمین کا ۔

۱۸۲ - فطر السمٰوات والارض - الانعام آیت ۷۹ ۔

ترجمہ - بنایا آسمانوں کو اور زمین کو ۔

۱۸۳ - اولم یر الذین کفروا ان السمٰوات والارض کانتا رتقاً ففتقنھما - الانبیاء آیت ۳۱ ۔

ترجمہ - شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے - آیا ندیدند کافران کہ آسمان ہا و زمین بستہ بودند پس واکردیم این ہا را ۔

اور حاشیہ پر یہ عبارت لکھی ہے - واکردن آسمان ہا نازل کردن مطر است و واکردن زمین رویانیدن گیاہ از وے ۔

اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اسکا ترجمہ یہ لکھا ہے - اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین مونہہ بند تھے پھر ہمنے اُن کو کھولا ۔

اور حاشیہ پر یہ لکھا ہے - مونہہ بند تھی یعنی ایک چیز تھی زمین سے نہریں اوسکا ئیں اور سبز بھانت بھانت نکالے آسمان سے کئی ستارے ہر ایک کا گھر جُدا اور چال جُدی ۔

۱۸۴ - اِنَّ اللہ یمسک السمٰوات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہٖ - الملائکہ آیت ۳۹ ۔

ترجمہ - بیشک اللہ تھامی رکھتا ہے آسمانوں کو اور زمین کو ٹل جانے سے اور اگر ٹل جاویں تو کوئی نہ تھام سکے اُن کو اُس کے سوا ۔

۱۸۵ - ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السمٰوات والارض ومن فیھن - المومنون آیت ۷۲ ۔

ترجمہ - اور اگر خدا چلے اُن کی خوشی پر تو خراب ہوں آسمان اور زمین اور جو کوئی اُن کے بیچ میں ہے ۔

۱۸۶ - تکاد السموات یتفطرن من فوقهن - الشوری آیت ۳ ؀

ترجمہ - قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اوپر سے ؀

۱۸۷ - قالوا اتخذ الرحمن ولدا لقد جئتم شیئاً اداً تکاد السموات والارض یتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدا ان دعوا للرحمن ولدا وما ینبغی للرحمن ان یتخذ ولدا - مریم - آیت ۹۲ ؀

ترجمہ - وہ کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا کیا ہے بے شک نہایت سخت بات کہی ہے جس سے قریب ہے آسمان پھٹ پڑیں اور پھٹ جاوے زمین اور گر پڑیں پہاڑ ٹکڑے ہو کر خدا کے لیئے بیٹا کہنے سے ؀

۱۸۸ - وما قدروا الله حق قدره والارض جمیعاً قبضته یوم القیامة والسموات مطویات بیمینه سبحانه وتعالیٰ عما یشرکون - الزمر آیت ۶۷ ؀

ترجمہ - اور نہ قدر کی اُنھوں نے اللہ کی جتنی کہ اُس کی قدر کرنی چاہیئے تھی اور سب ساری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان لپیٹے ہوں گے اُس کے داہنے ہاتھ میں ؀

قسم پنجم

وہ آیتیں جن میں لفظ سموات کا مجازاً کواکب پر اطلاق ہوا ہے جیسیکہ مجازاً ظرف سے مظروف مراد لی جاتی ہے ؀

۱ - الذی خلق سبع سموات طباقاً - الملک آیت ۳ ؀

ترجمہ - جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں یعنی کواکب کو تلے اوپر ؀

اس آیت کے بعد کی آیتوں میں خدا فرماتا ہے - ما تریٰ فی خلق الرحمن من تفاوت یعنی تو نہیں دیکھنے کا خدا کے پیدا کرنے میں کچھ فرق - پھر خدا فرماتا ہے - فارجع البصر هل تریٰ من فطور یعنی پھر پھیر اپنی نگاہ کو کہیں تجھ کو دکھائی دیتی ہے کچھ خرابی ؀ پھر خدا فرماتا ہے - ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئاً وهو حسیر - یعنی پھر پھیر اپنی نگاہ کو دو دو بار اُلٹ آویگی تیرے پاس تیری نگاہ عاجز ہو کر اور تھک کر ؀

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن آسمانوں کے پیدا کرنے کا ذکر خدا نے پہلی آیت میں

کیا ہے وہ ایسی چیز ہے کہ انسان اُسکو دیکھ سکتے ہیں لیکن سبع سموات سے کوئی آسمان مراد لو خواہ مجسم خواہ محل سیر کواکب مگر وہ دکھائی نہیں دیتے پس خدا کا یہ فرمانا کہ اُن کو دیکھو اور پھر نگاہ کرو اور پھر نگاہ پھیر کر دیکھو محض لغو اور بے سُود ہوگا ؛

" فارجع البصر" سے یہی آنکھ کی نگاہ مراد ہے نہ کوئی دوسری چیز چنانچہ امام صاحب بھی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں - فما معنی ثم ارجع الجواب امرہ برجع البصر یعنی اس آیت میں نظر کے پھیرنے کا حکم ہے ؛

تعجب یہ ہے کہ امام صاحب بھی سمجھتے ہیں کہ یہ سموات جن کا ذکر اس آیت میں ہے محسوس ہونے چاہئیں اور ارقام فرماتے ہیں کہ " ان الحس دل علی ان ھذہ السموات السبع اجسام مخلوقۃ علی وجہ الاحکام والاتقان" - مگر یہ نہیں بتایا کہ کیونکر حس اُن کے اجسام ہونے پر دلالت کرتی ہے حالانکہ وہ تو محسوس نہیں ہیں ؛

پس ضرور ہے کہ اس جگہ سموات سے وہ چیزیں مراد ہوں جو مرئی اور محسوس ہیں اور ہر کوئی اُن کو دیکھتا ہے تاکہ اُن کے پیدا کرنے کی دلیل سے خدا کی عظمت اور اُسکی خالقیت ثابت کیجاوے اور جو کہ سموات درحقیقت محل سیر کواکب ہیں تو بمنزلہ ظرف کے ہیں اور کواکب بمنزلہ مظروف کے پس اس مقام پر سموات سے مجازاً کواکب مراد ہیں - بولا گیا ہے ظرف اور مراد ہے مظروف لفظ سبع اگر بمعنی حقیقی لیا جاوے تو اُس سے یہ سات کواکب سیارہ مراد ہونگے جو ہمارے لیئے نسبت اَور کواکب کے زیادہ تر عجیب ہیں اور اگر اُس کا استعمال بطور محاورہ عرب بلاتعین عدد سمجھا جاوے تو اُس سے تمام کواکب جو ہمکو دکھائی دیتے ہیں مراد ہونگے ؛

ظرف سے مظروف مراد ہونے پر قرینہ تو یہ موجود ہے یعنی اگلی آیتوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ایسی اشیاء پر جو مرئی نہیں ہیں اور دکھائی نہیں دیتیں صادق نہیں آتا اور اس لیئے ضرور ہوا ہے کہ ظرف سے مظروف مراد لیجاوے ؛

اس مقام پر ظرف کو مجازاً بمعنی مظروف بیان کرنے میں ایک بڑی عمدگی و باریکی ہے کیونکہ اگر یوں کہا جاتا کہ - الذی خلق سبع کواکب طباقا - تو یہ قول صرف نفس کواکب پر دلالت کرتا حالانکہ اُن کے حالات اور اُن کے حرکات اور جو انتظام کہ اُن کے حرکات میں ہے وہ نفس کواکب سے بھی زیادہ عجیب ہے اور ظرف سے جو اُن کا محل سیر ہے اُن پر اشارہ کرنے سے جو عجائبات کہ نفس کواکب اور اُن کے حالات میں ہیں وہ سب کے سب یکلخت ذہن میں آجاتے ہیں ؛

"طباقا" کا لفظ صفت ہے سموات کی جس سے کواکب ہمنے مراد لیئے ہیں اُس سے مثل پیاز کے چھلکے کے تو برتو ہونا پایا نہیں جاتا۔ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں اُن کا ملا ہوا ہونا تسلیم نہیں کیا بلکہ طباقا سے صرف اُن کا اوپر تلے ہونا اور متوازی ہونا مراد ہے" قال الامام في تفسيره لعل المراد كونها طباقا كونها متوازية لا انها متماسة" یعنی طباقا کے لفظ سے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ چمٹے ہوئے ہوں بلکہ یہ مطلب ہو کہ متوازی ہوں (یعنی حرکت میں ایک دوسرے سے ٹکرا نجاویں)

اس کی تائید قرآن مجید کی دوسری آیت سے بخوبی ہوتی ہے جہاں فرمایا ہے" والشمس تجري لمستقر لها ذلك تقدير العزيز العليم والقمر قدرناه منازل حتى عاد كالعرجون القديم لا الشمس ينبغي لها ان تدرك القمر ولا الليل سابق النهار وكل في فلك يسبحون"

یعنی آفتاب چلتا ہے اپنی قرارگاہ میں یہ ٹھہرایا ہوا ہے اُس زبردست جاننے والے کا اور چاند کے لیئے اُس نے مقرر کی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر ہو جاتا ہے مانند پُرانی ٹہنی کے (یعنی ہلال) نہ سورج کر سکتا ہے کہ چاند کو پکڑ لے (یعنی ٹکر مارے) اور نہ رات آگے بڑھ سکتی ہے دن سے اور ہر ایک یعنی سورج و چاند و ستارے ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں۔ پس طباقا کے لفظ سے یہی مطلب ہے کہ باوجودیکہ اسقدر کواکب ہیں جن کی انتہا نہیں اور سب اپنے اپنے محل سیر میں پھرتے ہیں اور ایک دوسرے سے ٹکراتا نہیں۔

اسی آیت کی مانند یہ آیت ہے" وبنينا فوقكم سبعا شدادا وجعلنا سراجا وهاجا" یعنی بنائے ہمنے تمھارے اوپر سات یا متعدد کواکب مضبوط اور کیا ہمنے اُن میں سے ایک کو چراغ روشن۔

افسوس کہ بعض اکابر نے اس آیت کی نسبت مکابرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر سبع سے سات ستارے معہودہ مراد ہوتے تو لفظ سبع کو معرف باللام لانا ضرور تھا۔ اگرچہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ بحالت شہرت تعریف باللام لانا ضرور نہ تھی مگر اس کے جواب سے ہم مجبور ہیں اس لیئے کہ خدا نے اور جگہ بھی ایسا ہی فرمایا ہے چنانچہ" والطور وكتاب مسطور في رق منشور" میں کتاب معہودہ کو غیر معرف باللام فرمایا ہے۔

امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں کہ" ما الحكمة في تنكير الكتاب وتعريف باقي الاشياء

نقول ما يحتمل الخفاء من الامور الملتبسة بامثالها من الاجناس يعرف باللام فيقال
رايت الامير ودخلت على الوزير فاذا بلغ الامير الشهرة بحيث يومن الالتباس مع
شهرته ويريد الواصف وصفه بالعظمة يقول اليوم رايت اميرا ماله نظير وجالسا و
عليه سيما الملوك وانت تريد ذلك الامير المعلوم والسبب فيه انك بالتنكير
تشير الى انه خرج عن ان يعلم ويعرف بكنه عظمته فيكون كقوله تعالى الحاقة
ما الحاقة وما ادراك ما الحاقة فاللام وان كانت معرفة لكن اخرجها عن المعرفة كون
شدة هولها غير معروف فكذلك ههنا الطور لبس في شهرة بحيث يومن اللبس
عند التنكير وكذلك البيت المعمور واما الكتاب الكريم فقد تميز عن ساير الكتب
بحيث لا يسبق الى افهام السامعين من النبي صلى الله عليه وسلم لفظ الكتاب الا ذلك
فلما امن اللبس وحصلت فايدة التعريف سواء ذكر باللام او لم يذكر قصد الفايدة
الاخرى وهي الذكر بالتنكير وفي تلك الاشياء لما لم تحصل فايدة التعريف الا بآلة
التعريف استعملها وهذا يؤيد كون المراد منه القران وكذلك اللوح
المحفوظ مشهور +

ترجمہ - اگر کوئی کہے کیا حکمت ہے بیچ نکرہ لانے لفظ کتاب کے اور معرف لانے اور چیزوں کے
پس ہم جواب دیں گے کہ جو چیزیں احتمال رکھتی ہیں کسی قسم کی خفاء کا منجملہ اُن امور کے جو مشتبہ ہوتے
ہیں ساتھ اپنی امثال کے اجناس وغیرہ سے تو وہ معرفہ لائی جاتی ہیں چنانچہ یوں بولا جاتا ہے رأیت
الامیر ودخلت علی الوزیر یعنی دیکھا مینے اُس امیر کو اور گیا میں پاس اُس وزیر کے اور جبکہ
کوئی امیر خاص ایسا مشہور ہوجاتا ہے کہ وقت اطلاق کے وہی سمجھا جاتا ہے اور کسی دوسرے کا شبہ
نہیں ہوتا اور کوئی شخص اُس مشہور امیر کی کچھ تعریف کرنی چاہتا ہے تو یوں کہتا ہے الیوم رأیت
امیراً ماله نظیر جالساً وعلیه سیما الملوک یعنی آج مینے امیر کو بیٹھے دیکھا کہ اُسکی کوئی نظیر
ہی نہیں ہے اور وہ ملوکانہ شان سے بیٹھا ہوا تھا پس بوجہ شہرت کے کچھ اس کے معرف لانے
کی ضرورت نہیں ہوتی گو درحقیقت ارادہ میں امیر خاص ہی ہوتا ہے اور نکتہ اس میں یہ ہوتا ہے
کہ گویا تنکیر سے تم اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہو کہ بسبب شہرت کے وہ اس بات کا محتاج
نہیں ہے کہ اُسکی کنہ عظمت کی تعریف کی جاوے پس گویا کہ ہے مثل اس قول اللہ تعالیٰ کے
الحاقة ما الحاقة وما ادراك ما الحاقة کہ اس کلام میں اگرچہ لفظ لام موجب تعریف ہے لیکن

بسبب اُسکے ہول اور وحشت کے غیر معروف ہونے کے اسکو معرفہ ہونے کی حالت سے نکالدیا ہے اسی طرح پر طور اگرچہ مشتہر ہے لیکن اس درجہ شہرت کو نہیں پہونچا کہ التباس کا خوف نہ رہا ہو اور یہی حال بیت المعمور کا ہے بخلاف کتاب کریم کے کہ وہ اپنی امثال میں اس درجہ ممتاز ہے کہ جو لوگ سُننے والے ہیں وہ اس لفظ کے سُننے سے اُسی کو سمجھ لیتے ہیں دوسری کتاب کا شبہ نہیں ہوتا پس جبکہ خوف التباس نہ رہا اور فایدہ تعریف کا شہرت ہی سے حاصل ہوگیا خواہ لام ہو یا نہو تو اس وجہ سے ایک دوسرے فایدہ کا مفید کیا گیا اور وہ فائدہ یہی ہے کہ اسکو بالتنکیر ذکر کیا اور چونکہ اور اشیاء میں بغیر آلہ تعریف کے توصیف نہیں آسکتی تھی اس لیئے اُن کو معرف باللام بیان کیا اور اس وجہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ مراد اس سے قرآن ہے اور ایسے ہی لوح محفوظ مشہور ہے ؛

پس جو کہ کواکب سبع نہایت مشہور تھے بلکہ اُن کو سیارہ خیال کرنے سے لوگ بالتخصیص اور دیگر کواکب سے تمیز کرتے تھے تو ہماری دانست میں خدا نے کچھ غلطی نہیں کی بلکہ معرف باللام لانا ضرور نہ تھا +

پھر وہ فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ غلط ہے (شاید غلط ہو اس لیئے کہ ہم مولوی نہیں ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ ہمنے اپنی جہالت اور ہوائے نفسانی سے جعلنا کو متعدی الی المفعولین ٹھہرایا ہے حالانکہ وہ متعدی الی مفعول واحد ہے ؛

مگر یہ ارقام نہیں فرمایا کہ اس مقام پر جعلنا کو متعدي الی مفعول واحد قرار دینے کی نسبت کوئی وحی نازل ہوئی ہے اور کیوں اُس کا متعدي الی المفعولین ہونا ناجائز ٹھہرایا ہے مگر چند ہم سے جاہلوں نے تو جعلنا کو اس مقام پر متعدي الی مفعولین مانا ہے ؛

تفسیر معالم التنزیل و الاکتاب ہے وجعلنا سراجاً یعني الشمس وھاجاً مضیاً پس اسنے ایک مفعول سراج کو بمعنی شمس اور دوسرا مفعول وہاج کو قرار دیا ہے +

پھر تفسیر ابن عباس کے مصنف نے بھی جہالت کی ہے کہ وجعلنا سراجاً وھاجاً شمساً مضیاً بیان کیا ہے اور جعلنا کو متعدي الی المفعولین مانا ہے +

بے شک خدا نے بھی غلطی کی ہے کہ اوپر سے برابر جعلنا کو متعدي الی المفعولین کہتا چلا آتا تھا - الم نجعل - الارض - مھاداً - والجبال - اوتاداً - وجعلنا - نومکم - سباتاً - وجعلنا - اللیل - لباساً - وجعلنا - النھار - معاشا - پھر اخیر میں بھی وجعلنا

کو متعدی الی المفعولین کہدیا ہیں تو متعدی الی المفعول واحد بولا ہوتا اگر در حقیقت خدا اس قصور کا تقصیر وار ہو تو ہم بھی اس جعلنا کو اس جگہ متعدی الی مفعول واحد تسلیم کرلینگے ٭

سبعاً کا مضاف الیہ محذوف بلاشبہ ممکن ہے کہ سمٰوات ہو جیسا کہ تمام مفسروں نے مانا ہے لیکن جو کہ اُن کے ذہن میں بہ تقلید یونانیان جما ہوا تھا کہ آسمان سات ہیں اور اُن کا جسم شدید صلب بلوریں ہے کہ خرق والتیام سے بھی قابل نہیں اُسی خیال سے اُنھوں نے سبعاً کا مضاف الیہ سمٰوات کو قرار دیا ہے ورنہ اُن پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی کہ مضاف الیہ محذوف سموات ہے غایت یہ ہے کہ کوئی قرینہ ہوگا باستدلال آیۃ "ا أنتم اشد خلقاً ام السماء بناها" لیکن یہ استدلال ایسا نہیں ہے کہ باوجود موجود ہونے دوسرے قرینہ کے بھی کوئی اور مضاف الیہ محذوف اُس کا نہ مانا جاوے ٭

خدا تعالیٰ نے شروع آیت میں سات کا ذکر کیا اور اُس کے ساتھ سورج کا ذکر فرمایا پس یہ کیسا صاف قرینہ ہے کہ وہ سات وُہی ہیں جن میں کا ایک سورج ہے اور سورج اُنہی سات میں کا ایک ہے پس ایسے صاف اور روشن قرینہ سے جو سورج کی مانند چمکتا ہے سبعاً کا مضاف الیہ کواکب اور جعلنا کو متعدی الی المفعولین اور اُس کا مفعول اول احدہن قرار دیتے ہیں اور جو کہ اُسکے حذف پر صاف قرینہ دلالت کرتا تھا اس لیئے اُس کا حذف نہایت وسیع تھا صاف صاف معنی خدا کے کلام کے تو یہی ہیں پھر یونانیوں کے تقلید کرنیوالے چاہیں مانیں چاہیں نہ مانیں ٭

واضح ہو کہ اگر ہم اس تمام تقریر سے قطع نظر کریں اور سبعاً کا مضاف الیہ سمٰوات ہی تسلیم کریں اور سبع سموات سے بھی سموات ہی مراد لیں اور اشد کے لفظ کو بھی نسبت سموات ہی کے تسلیم کرلیں تو بھی آسمانوں کا جسم یونانیوں کے آسمانوں کا سا جسم یا ویسا جسم جیسا کہ تیرھویں صدی کے مولوی قرار دینا چاہتے ہیں ثابت نہیں ہوتا چنانچہ اسکی بحث آگے آوے گی ٭

۲ — اولم یروا ان اللہ الذی خلق السموات والارض قادر علی ان یخلق مثلھم اسرائیل آیت ۱۰۱ ٭

ترجمہ کیا نہیں دیکھا تمنے کہ جس اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو طاقت رکھتا ہے اس بات پر کہ پیدا کرے اُن کی مانند ٭

کیا فایدہ ہے اس آیت سے اور خدا کی قدرت پر کیونکر اقرار ہو سکتا ہے اگر وہ سموات جن کا یہاں ذکر ہے ہمکو دکھائی نہیں دیتے بلاشبہ اس مقام میں بھی سموات سے کواکب مراد ہیں جن کو ہم دیکھتے

ہیں اور خدا کی قدرت کا اقرار کرتے ہیں ؛

۳ - الم تر ان اللہ خلق السمٰوات والارض بالحق - ابراھیم آیت ۲۲ ؛

ترجمہ - کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو یعنی کواکب کو اور زمین کو جیسا چاہیئے ؛

اس آیت میں بھی جب تک سموات سے ایسی چیزیں مراد نہ لی جاویں جو حقیقت میں دکھائی دیتی ہوں اُس وقت تک خدا تعالیٰ کی قدرت کے اثبات پر دلیل نہیں ہو سکتی ؛

۴ - الم تر کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا وجعل القمر فیھن نورا وجعل الشمس سراجا - نوح آیت ۱۵ و ۱۶ ؛

ترجمہ - کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح پیدا کیا اللہ نے سات یا متعدد آسمانوں یعنی کواکب کو تلے اوپر اور کیا اُن میں چاند کو نور اور کیا سورج کو چراغ روشن ؛

اس آیت میں بھی ہم کو وہی بحث ہے جو پہلی آیت میں کی ہے اور جس طرح اور جس دلیل سے ہم نے سورۃ الملک کی آیت میں سمٰوات سے کواکب مراد لیئے ہیں اسی طرح اس مقام پر بھی لیتے ہیں شمس و قمر اُن کواکب کے مغایر نہیں ہیں کیونکہ اس مقام پر لفظ فی سے داخل ہونا شمس و قمر کا اُنہی اعداد سبع میں پایا جاتا ہے - قال اللہ تبارک و تعالیٰ من لسان ابراھیم علیہ السلام ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم - یعنی اے ہمارے پروردگار اُٹھا اُن میں ایک رسول اُنہی میں سے الخ ؛

۵ - اللہ الذی رفع السمٰوات بغیر عمد ترونھا ثم استوٰی علی العرش وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی - الرعد آیت ۲ ؛

ترجمہ - اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اُسکو پھر ٹھہرا عرش پر اور فرماں بردار کیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے معین مدت میں ؛

۶ - خلق السمٰوات بغیر عمد ترونھا - لقمان آیت ۹ ؛

ترجمہ - پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اُسکو ؛

ان دونوں آیتوں میں خدا تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اس طرح پر ثابت کرتا ہے کہ اُس نے سموات کو بغیر ستون کے بلند کیا ہے جب تک کہ وہ سموات بغیر ستون کے بلند ہوئے نہ دکھائی دیں اُسوقت تک

اُس قدرت کا ثبوت نہیں ہو سکتا ٭

پس اس جگہ سموات سے خواہ یونانیوں والے مجسم آسمان مراد لو خواہ تیرھویں صدی کے مولویوں والا اغواہ محل سیر کواکب مگر ان میں سے کوئی بھی مرئی نہیں ہے پس اگر لفظ سموات کو بجائے لفظ سماء کے سمجھو اور اُس سے یہ نیلی چھت مراد لو تو ہمکو کچھ کلام نہیں لیکن اگر اسکو بمعنی جمع قرار دو جیسا کہ ظاہر لفظ میں ہے تو ہم اُس سے بھی کواکب مراد لینگے اسی دلیل سے جس سے کہ پہلی آیتوں میں لیئے ہیں تاکہ دلیل پوری ہو جاوے ٭

شمس و قمر بھی انھی سموات یعنی کواکب میں داخل ہیں مگر چونکہ وہ بہ نسبت دیگر کواکب کے زیادہ عظیم الشان ہمکو معلوم ہوتے ہیں اور وہ چلتے ہوئے بھی ہر ایک کو محسوس ہوتے ہیں اس لیئے اپنے کمال قدرت کو زیادہ تر ظاہر کرنے کو فرمایا کہ وہ بھی خدا کے فرمانبردار ہیں ٭

مولوی مہدی علی صاحب نے جو اپنے آرٹیکل میں عمد غیر مرئی کی نسبت ایک محققانہ گفتگو کی تھی اُسکی نسبت بعض اکابر نے اپنی تحریر میں مکابرہ کیا ہے ہمنے اُسکو بغور دیکھا اور مولوی مہدی علی صاحب کی زبان سے صرف اتنا ہی کہنا مناسب سمجھا کہ "شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد" ٭

علاوہ ان آیتوں کے اور بھی آیتیں ہیں جن میں سموات کے لفظ سے کواکب مراد لینا بہ نسبت آسمانوں کے زیادہ تر مناسب ہے۔ مگر ہم انھیں آیتوں پر بس کرتے ہیں ٭

تحقیق الفاظ آیات

جمہور فلاسفہ اور اصحاب علم ہیئت آسمان کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ "انہا اجرام صلبۃ لا ثقیلۃ ولا خفیفۃ غیر قابلۃ للخرق ولا الالتیام والنمو والذبول" ٭

یعنی آسمان سخت اجرام ہیں نہ بوجھل ہیں اور نہ ہلکے ہیں پھٹنے اور جڑنے اور بڑھنے اور گھٹنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس حقیقت اور ایسے وجود سموات کے ہم بالکل منکر ہیں ٭

علماء معقول و منقول سماء و فلک دونوں کو ایک سمجھتے ہیں جیسا کہ امام فخر الدین رازیؒ نے بھی تفسیر کبیر میں تحت آیۃ کل فی فلک یسبحون کے فلک اور سماء میں کچھ تفرقہ نہیں کیا ہے بلکہ دونوں کو ایک سمجھا ہے پس جو بحث کہ اُنھوں نے فلک کی حقیقت میں کی ہے وہ بحث گویا سماء کی اور سموات کی حقیقت میں ہے چنانچہ اُنھوں نے مفصلۂ ذیل مذہب نسبت اُس کے نقل کیئے ہیں ٭

"قال بعضهم الفلك ليس بجسم وانما هو مدار هذه النجوم وهو قول الضحاك وقال الاكثرون هي اجسام تدور النجوم عليها وهذا اقرب الى ظاهر القرآن - ثم اختلفوا في كيفيته فقال بعضهم الفلك موج مكفوف تجري الشمس والقمر والنجوم فيه وقال الكلبي ماء مجموع تجري فيه الكواكب"

یعنی بعضوں کا قول ہے کہ فلک یعنی آسمان کا کوئی جسم نہیں ہے بلکہ وہ ستاروں کے چکر کی جگہ ہے اور یہ قول ضحاک کا ہے اور اکثر عالم مفسرین کہتے ہیں کہ اُن کا جسم ہے اور ستارے اُنکے اوپر پھرتے ہیں (جیسے کہ گیند پر چیونٹی) اور یہی معنی قرآن کے الفاظ کے نہایت قریب ہیں اسکے بعد پھر عالموں اور مفسروں نے اس بات میں کہ پھر وہ کیسے ہیں اختلاف کیا ہے بعضوں کا قول ہے کہ فلک یعنی سما پانی کا بلبلہ ہے سورج اور چاند اور ستارے اُس میں پھرتے ہیں اور کلبی کا یہ قول ہے کہ پانی جمع ہو گیا ہے اُس میں ستارے بہتے ہیں ٭

پھر امام صاحب لکھتے ہیں کہ " والحق انہ لا سبیل الی معرفۃ صفات السموات الا بالخبر" یعنی سچ یہ ہے کہ آسمانوں کی صفت معلوم کرنے کے لیئے بجز وحی کے کوئی راہ نہیں ہے (بشرطیکہ ... کے معنی سمجھنے میں غلطی نہ ہو) ٭

اخیر کو امام صاحب نے یہ فیصلہ کیا ہے " والذي يدل عليه لفظ القرآن ان تكون الافلاك واقفة والكواكب تكون جارية فيها كما تسبح السمكة فی الماء" یعنی وہ بات جو قرآن کے لفظوں سے پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ افلاک یعنی آسمان تو ٹھہرے ہوئے ہوں اور ستارے اُس میں بہتے ہوں جیسے کہ مچھلی پانی میں تیرتی ہے ٭

ہمنے جو کچھ کہا ہے وہ اِنھیں عُلماء کے اقوال کے نہایت قریب قریب ہے - حقیقت سماء و سموات کی ہم نہیں جانتے مگر یہ بات کہ وہ اجرام صلب ہیں محض غلط ہے اِسکو بھی ہم نہیں مانتے کہ وہ گیند کی طرح ایک جسم ہیں اور ستارے اُن پر پھرتے ہیں جیسے کہ گیند پر چیونٹی یا گنبد پر خرگوش اور ان دونوں باتوں کو اس لیئے نہیں مانتے کہ قرآن مجید سے اُن کا ایسا جسم یا اُن کی ایسی حقیقت ثابت نہیں ہوتی ٭

باقی رہی یہ بات کہ وہ پانی کے بلبلہ کی مانند ہیں یا پانی اکٹھا ہو گیا ہے یعنی وہ ایک ایسے جسم لطیف سیال ہیں جو کواکب کی سیر و حرکت کو مانع نہیں ہیں - اگر کوئی شخص اُن کے ایسے جسم ہونے کا دعویٰ کرے تو ہم اسکو اس قدر جواب دینگے کہ ہونگے مگر ہم ایسے جسم ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کریں گے دو وجہ سے - اوّل اس لیئے کہ ایسے جسم ہونے کے ثبوت کے لیئے ہمارے پاس کوئی دلیل

نہیں۔ دوسرے اس لیئے کہ قرآن مجید میں جو کچھ بیان ہوا ہے اُس سے نہ ایسے وجود کا
ہونا پایا جاتا ہے اور نہ اُس کے تسلیم کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے ٭

پس علاوہ اُن چیزوں کے جن پر سماء کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے ہمنے سماء کے معنی فضائے محیط
کے قرار دیئے ہیں اور اُسکے درجات یا طبقات کو جو بسبب حدوث اور وجود دیگر اشیاء کے اُس فضائے
محیط میں اوپر تلے یا طبقہ بعد طبقہ پیدا ہو گئے ہیں سموات کہا ہے تو اب ہمکو ضرور ہے کہ ہم اس بات
کو بھی بیان کریں کہ جو معنی ہمنے لفظ سماء یا سموات کے قرار دیئے ہیں یا جن معنوں میں اُن کا اطلاق
ہونا بیان کیا ہے کوئی لفظ کسی آیت کا آیات قرآن مجید سے اُس کے مخالف نہیں ہے اس
بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ ہم وجود سموات کے مُنکر نہیں ہیں کیونکہ اس فضائے محیط اور اُسکے
طبقات کا وجود مخلوق ہے ٭

قسم اول کی آیتوں میں یعنی جن میں لفظ سماء کا بمعنی ابر و بادل کے اطلاق ہوا ہے کوئی لفظ
ایسا نہیں ہے جو بحث کے قابل ہو اور جس سے اُن معنوں میں شُبہ پڑ سکتا ہو۔ ہاں صرف ایک
اخیر کی آیت والسماء ذات الرجع شاید بحث کے لایق ہو کیونکہ ہمارے زمانہ کے علماء شاید اُسکو
یونانیوں والا آسمان قرار دیکر اُس سے آسمان کی گردش اور زمین کے سکون قرار دینے پر متوجہ ہوں ٭

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ جمہور مفسرین نے بھی اس آیت میں لفظ سماء سے بادل مراد لی ہے صرف
ابن زید کا ایک قول منقول ہوا ہے جس سے یونانیوں والا آسمان مراد ہو سکتا ہے مگر اُس قول کو
مفسرین نے نہیں مانا ٭

تفسیر کبیر میں لکھا ہے " اما قوله والسماء ذات الرجع فنقول قال الزجاج الرجع
المطر لانه يجيئ ويتكرر واعلم ان كلام الزجاج وساير ائمة اللغة صريح في ان الرجع
ليس اسما موضوعا للمطر بل سمي رجعا على سبيل المجاز ولحسن هذه المجاز وجوه (احدها)
قال القفال كانه من ترجيع الصوت وهو اعادته ووصل الحروف به فكذا المطر لكونه
عايدا مرة بعد اخرى سمي رجعا (وثانيها) ان العرب كانو يزعمون ان السحاب يحمل
الماء من بحار الارض ثم يرجعه الى الارض (وثالثها) انهم ارادوا التفاول فسموه رجعا
ليرجع (ورابعها) ان المطر يرجع في كل عام اذا عرفت هذا فنقول للمفسرين اقوال (احدها)
قال ابن عباس والسماء ذات الرجع اي ذات المطر يرجع لمطر بعد مطر (وثانيها) رجع السماء
اعطاء الخير الذي يكون من جهتها حالا بعد حال على مرور الازمان ترجعه رجعا

تعطیه مرة بعد مرة (وثانیها) رجع السماء اعطاء الخیر الذی یکون من جهتها حالا بعد مرة (وثالثها) قال ابن زید هوانها ترد وترجع شمسها وقمرها بعد مغیبهما والقول هو الاول"۔

یعنی ہم کہتے ہیں کہ والسماء ذات الرجع میں جو لفظ رجع کا ہے اُسکے معنی زجاج نے مینہ کے لیئے ہیں کیونکہ مینہ آتا ہے اور پھر پھر آتا ہے۔ یہ بات جان لینی چاہیئے کہ زجاج کے اور تمام لغت کے عالموں کے کلام میں اس بات کی تصریح ہے کہ لفظ رجع مینہ کے لیئے نہیں بنایا گیا ہے یعنی اُس کے لغوی معنی مینہ کے نہیں ہیں بلکہ مجازاً بطور مینہ کے نام کے بولا جاتا ہے اور مجازاً مینہ کا نام رجع رکھنے میں کئی خوبیاں ہیں۔ اول یہ کہ قفال کا قول ہے کہ رجع کا لفظ گویا ترجیع الصوت سے لیا ہے جسکو گانے والے گٹکری کہتے ہیں اور گٹکری آواز کا پھیر اور اُس سے حرفوں کا لکھنے میں ملانا ہے اور یہی حال مینہ کا ہے پس اُس کے برسنے اور پھر برسنے کے سبب رجع اُس کا نام رکھدیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اہل عرب سمجھتے تھے کہ بادل زمین کے دریاؤں میں سے پانی لیجاتے ہیں اور پھر زمین کو پھیر دیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اُنھوں نے نیک فال کے ارادہ سے مینہ کا نام رجع رکھا ہے تاکہ پھر آوے۔ چوتھے یہ کہ مینہ ہر برس پھر آتا ہے۔ اب کہ یہ بات جان لی گئی تو ہم کہتے ہیں کہ مفسروں کے کئی قول ہیں۔ اول ابن عباس کا قول ہے کہ والسماء ذات الرجع کے معنی ہیں۔ ذات المطر یعنی مینہ والا پھیر لاتا ہے مینہ کو مینہ کے بعد۔ دوسرے یہ کہ مرجع السماء سے وہ نیکی مراد ہے جو آسمان کی طرف سے بار بار زمانوں کے گذر جانے پر بھی ہوتی رہتی ہے عرب بولتے ہیں ترجعہ رجعا یعنی اُسکو دیتا ہے بار بار۔ تیسرا ابن زید کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ آسمان لیجاتا ہے اور پھر لاتا ہے اپنے سورج اور چاند کو اُن کے چھپ جانے کے بعد مگر پہلی بات ٹھیک ہے۔

باایں ہمہ ہم خود سیاق و سباق کلام خدا پر غور کرسکتے ہیں اُس کے دونوں جملوں کے ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہایت فصاحت اور خوبی سے بادلوں کا اور اُسکے ساتھ زمین کے اُگانے کا جو دونوں لازم و ملزوم ہیں بیان کیا ہے پھر چاہو لفظ رجع کے لغوی معنی لو خواہ مجازی معنی دونوں حالتوں میں مطلب ایک ہی رہتا ہے ہم خود بادلوں کو دیکھتے ہیں کہ جاتے آتے ہیں یہاں برستے ہیں پھر وہاں جا برستے ہیں پھر یہاں آبرستے ہیں زمین کو سیراب کرتے ہیں وہ طرح طرح کے پھل پھولوں کو اُگاتی ہے۔

ایک بہت بڑا معجزہ قرآن مجید کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جا بجا نیچر کی خوبی انسان کو جتلاتا ہے اور اُس سے اپنی خدائی کے ثبوت پر دلیل لاتا ہے اور پھر اُس سے انسان کو روحانی نیکی حاصل کرنا سکھلاتا ہے فھو رب العرش العظیم۔ سبحانہ وتعالیٰ شانہ ۔

قسم دوم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور جن میں لفظ سما کا فضائے محیط پر اطلاق ہوا ہے اُن آیتوں میں کئی لفظ بحث کے لائق ہیں ۔

اوّل لفظ "استویٰ" جسکو ہمنے اور اور مفسروں نے بمعنی خلق بیان کیا ہے پس لفظ استواٗ سے بحث کرنی گویا لفظ خلق سے بحث کرنی ہے اس لیئے اس مقام پر اِس لفظ سے بحث نہیں کرتے کیونکہ آگے لفظ خلق سے پوری بحث کیجاویگی ۔

دوسرا لفظ "بروج" کا ہے۔ یہ لفظ تین آیتوں میں آیا ہے۔ تبارك الذي جعل في السماء بروجا وجعل فيها سراجا وقمرا منيرا - ولقد جعلنا في السماء بروجا وزينّها للناظرين والسماء ذات البروج مگر یہ لفظ ہمارے بیان کے مخالف نہیں ہے اور نہ اِس لفظ سے آسمان کا ایسا جسم جیسا کہ یونانی حکیموں نے مانا تھا اور جس کی تقلید علماء اسلام نے کی ہے ثابت ہوتا ہے ۔

بروج جمع ہے برج کی اور برج مشتق ہے تبرج سے جس کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں۔

قال الامام في تفسيره " اشتقاق البرج من التبرج لظهوره "۔

پس ان آیتوں میں جو بروج کا لفظ آیا ہے مفسرین نے اُس کے تین معنی لیئے ہیں - اوّل ابن عباس کی روایت ہے کہ بروج سے مراد کواکب ہیں قال الامام في تفسيره - عن ابن عباس رضي الله عنه ان البروج هي الكواكب العظام - یعنی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہی بڑے بڑے ستارے بروج ہیں اور پھر دوسری جگہ فرمایا ہے " البروج هي عظام الكواكب سميت بروجا لظهورها " یعنی بروج یہی بڑے بڑے ستارہ ہیں اُن کا نام بروج اس لیئے ہوا کہ وہ ظاہر ہیں - لغات قرآن میں لکھا ہے " والسماء ذات البروج هي ذات كواكب العظام " یعنی آسمان برجوں والے سے بڑے بڑے ستاروں والا مراد ہے - پس اگر یہی معنی بروج کے لیئے جاویں تو لفظ بروج کا اُن معنوں سے جو ہمنے سما کے لیئے ہیں کچھ بھی مخالف نہیں اور نہ ایسے معنی لینے سے یونانیوں کے آسمان کا وجود ثابت ہوتا ہے ۔

دوسرے معنی بروج کے لیئے ہیں منازل قمر یعنی نچھتر کے یا منازل سیارات کے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے " اما البروج فهي منازل السيارات " اور دوسری جگہ لکھا ہے " البروج هي

منازل القمر"۔

تیسرے معنی بروج کے بروج السماء یعنی آسمان کے برجوں کے لیئے ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے "انہا ھی البروج الاثنا عشر وھی مشھورۃ" اور لغات قرآن میں لکھا ہے "بروج السماء منازل الشمس والقمر وھی اثنا عشر برجا معروفۃ اولہا الحمل واخرھا الحوت" مگر حقیقت میں دوسرے اور تیسرے معنی ایک ہیں کچھ ان میں فرق نہیں ہے۔

اب بروج اثنا عشر کی کیفیت تبلانی چاہیئے تاکہ معلوم ہو کہ جو معنی سمار کے ہمنے بیان کیئے ہیں بروج کا لفظ اُس کے منافی ہے یا نہیں۔ جاننا چاہیئے کہ ابتداء میں جب اہل تنجیم یا اہل ہئیت نے اس علم کے مسائل پر غور کی تو اُنھوں نے دیکھا کہ آفتاب سال بھر میں نقطۂ اعتدال سے طلوع و غروب میں تین مہینہ تک جانب شمال میل کرتا جاتا ہے اور پھر تین مہینہ تک جانب نقطۂ اعتدال رجوع کرتا آتا ہے اور جب اُس نقطہ پر پہونچ جاتا ہے تو تین مہینہ تک جانب جنوب میل کرتا جاتا ہے اور پھر تین مہینہ تک جانب نقطۂ اعتدال رجوع کرتا ہے یہ حال آفتاب کا تمام دنیا میں دکھائی دیتا تھا اور اس سبب سے وہ ستارے جو طریق الشمس میں ہمیشہ پڑتے تھے بہ نسبت اَور ستاروں کے زیادہ معلوم ہو گئے تھے یعنی اہل تنجیم بہ نسبت اَور ستاروں کے اُن سے زیادہ واقف ہو گئے تھے جب اُنھوں نے اُن ستاروں پر غور کیا تو بہت سے ستاروں کو ایک جگہ ایک ایسی ترتیب سے پایا کہ اگر اُن کو نقاط فرض کر کر خطوط وصل کیئے جاویں تو ایک صورت اُس میں پیدا ہوتی ہے اور ایسا مجمع ستاروں کا بارہ موقعوں پر اُن کو دکھائی دیا اور ہر ایک مجمع کی حد سے قریب ایک ایک مہینہ میں آفتاب کا گذر ہوتا تھا پس اہل تنجیم نے ستاروں کے اُن بارہ مجمعوں کو بارہ صورتیں قرار دیں جیسیکہ اُن کواکب میں خطوط وصول کرنے سے پیدا ہوتی تھیں اور ہر ایک صورت کا ایک نام رکھدیا جو مشہور ہیں اور جو کہ وہ کواکب کچھ تو اس سبب سے کہ طریق الشمس میں واقع تھے اور کچھ اس سبب سے کہ اُن کے مجموعے سے ایک صورت قرار دیدی گئی تھی بہ نسبت اور کواکب کے زیادہ ظاہر اور زیادہ معلوم تھے اُنکے مجمع کا یا اُس صورت کا جو مجمع کواکب سے خیال کی گئی تھی برج نام رکھا جو مشتق تبرج سے ہے پس نتیجہ یہ ہوا کہ برج نام ہے اُس خاص مجمع کواکب کا جو اُس فضائے محیط میں میلان طریق الشمس میں بوضع خاص واقع ہوئے ہیں اس لیئے سمار کو ذات البروج کہنا کچھ بھی منافی ہمارے کلام کا نہیں ہے اور والسماء ذات البروج کہنا بالکل ایسا ہے جیسیکہ والسماء ذات النجوم کہنا اور تبارک الذی جعل

فی السماء بروجاً کہنا ایسا ہے جیسکہ تبارک الذی جعل فی السماء نجوماً کہنا اور ولقد جعلنا فی السماء بروجاً کہنا ایسا ہی ہے جیسکہ ولقد جعلنا فی السماء نجوماً کہنا ۔

بعد اِس تقریر کے اہل تنجیم واہل ہیئت یونانیہ کو ایک اَور مشکل پیش آئی جس سے اُنھوں نے صور بروج کو فلک ہشتم پر اور تقسیم بروج کو فلک نہم پر مانا مگر یہ مسائل علم ہیئت کے ہیں اُس کی بحث کا یہاں موقع نہیں ہے غرضکہ اُنہی کواکب کے مجمع کو جن سے صورت حمل و ثور و جوزا و سرطان وغیرہ کی پیدا ہوتی ہیں اہل عرب بروج کہتے تھے اور اُن کا کہنا صحیح تھا پس قرآن مجید میں بھی اُنھی پر بروج کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے جو ذرا بھی ہمارے بیان کے منافی نہیں ہے اور نہ کسی طرح لفظ بروج کا آسمان کے مجسم بجسم صلب بلوریں ہونے کا مستقاضی ہے ۔

تیسرا قابل بحث کے شاید لفظ "قال" ہو جو آیۂ کریمہ فقال لہا وللارض ئتیا طوعاً او کرھاً قالتا اتینا طائعین میں واقع ہے ۔

مگر ہم نہیں سمجھتے کہ اس میں کیا بحث کی جاوے گی شاید یہ بحث ہو کہ ہرگاہ سماء سے فضائے محیط مرتفع مراد لی ہے اور وہاں کسی لطیف جسم ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کیا گیا تو خلا لازم آیا اور خلا امر وجودی نہیں ہے بلکہ امر عدمی ہے تو وہ کیونکر قابل امر ولایق اطاعت ہو سکتا ہے ۔

مگر یہ خیال اگر کسی کو ہو تو صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمنے محل سیر کواکب کو سماء قرار دیا ہے اور وہ مکانیت سے خالی نہیں اور مکان خالی عن المادہ امر وجودی ہے امر عدمی نہیں ہے ۔ باقی رہی بحث استعمال لفظ قال کی جو خدا کی طرف سے زمین کی نسبت اور آسمانوں کی نسبت کہا گیا اور اسی طرح زمین اور آسمان کی طرف قال کی نسبت کی گئی یہ ایک جُدا بحث ہے جو ما نحن فیہ سے متعلق نہیں ۔

چوتھا لفظ قابل بحث کے "ابواب" کا ہے جو آیت کریمہ لا تفتح لہم ابواب السماء میں واقع ہے ۔ اِس لفظ سے لوگ خیال کرتے ہونگے کہ آسمان میں دروازے ہیں اور جب تک آسمان ایسا ہی مجسم نہو جیسکہ یونانیوں والا آسمان تو اُس میں دروازے اور کواڑ اور کنڈے قفل کیونکر ہو سکتے ہیں ۔

جن علماء کے ذہن میں آسمان کا جسم بہ تقلید یونانیان صلب بلورین جا ہوا تھا اُنھوں نے تو آسمان میں سچ مچ کے دروازے بنا دیئے ہیں لیکن علماء محققین نے فتح ابواب سماء سے خیر و برکت مراد لی ہے چنانچہ اُن کا قول تفسیر کبیر میں اِس طرح پر لکھا ہے ۔ فی قولہ لا تفتح لھم ابواب السماء

اقوال والقول الرابع لا تنزل علیھم البرکة والخیر وھو ماخوذ من قولہ ففتحنا ابواب السماء بماء منھمر۔ یعنی اُن کے لیئے آسمان کے دروازے نہ کھلنے کی تفسیر میں مفسروں کے کئی قول ہیں اُن میں سے ایک یہ قول ہے کہ لاتفتح لھم ابواب السماء کے یہ معنی ہیں کہ اُن پر یعنی کافروں پر خیر و برکت نہ نازل ہوگی اور یہی معنی ہمارے نزدیک صحیح ہیں جو کسی طرح ہمارے بیان کے مخالف نہیں ہیں ؛

سوائے ان الفاظ کے جو مذکور ہوئے اور کوئی لفظ ان آیتوں میں جو قسم دوم میں داخل ہیں قابل بحث کے نہیں معلوم ہوتا ؛

قسم سوم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور جن میں لفظ سماء کا اس نیلی چیز پر جو ہمکو دکھلائی دیتی ہے اطلاق ہوا ہے اُن آیتوں میں بھی لفظ بحث کے قابل ہیں ؛

اول لفظ "باب" جو آیت کریمہ "ولو فتحنا علیھم بابا من السماء" میں واقع ہے اور وہ پوری آیت یوں ہے "ولو فتحنا علیھم بابا من السماء فظلوا فیہ یعرجون لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون"؛

یعنی اور اگر ہم کھول دیں اُن پر دروازہ آسمان سے اور وہ ایسے ہوجاویں کہ سارے دن اُس میں چڑھتے رہیں تو کہیں گے کہ ہماری ڈھٹ بندی ہوئی ہے نہیں تو ہم پر جادو ہوا ؛

لوگ خیال کرتے ہوں گے کہ جب اس آیت میں آسمان کے دروازے کا ذکر ہے اور اُس پر چڑھنے کا بھی بیان ہے تو ضرور آسمان ایسا ہی مجسم ہے جیسا کہ یونانی بیان کرتے ہیں ؛

مگر خود اس آیت سے آسمان میں دروازہ ہونے کا عدم امکان ثابت ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ایک غیر ممکن بات کو فرض کر کر بیان فرماتا ہے کہ اگر آسمان میں دروازہ بھی کھل جاوے اور کافر اُس میں چڑھ بھی جایا کریں تب بھی ایمان نہ لاوینگے اور کہینگے کہ یا ہماری ڈھٹ بندی کی ہے یا ہم پر جادو کیا ہے

پس اس آیت سے ہمارا مطلب ثابت ہوتا ہے نہ یونانیوں کے مقلدوں کا ؛

خدا تعالیٰ کافروں کے حال میں اکثر غیر ممکن باتوں کی نسبت فرمایا کرتا ہے کہ اگر یہ بھی ہو جاوے تب بھی وہ نہ مانینگے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے "ان الذین کذبوا بآیاتنا واستکبروا عنھا لاتفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط" ؛

یعنی بے شک جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور اُن کے سامنے گھمنڈ کیا ہرگز

نہ کھلینگے اُن کے لیئے دروازے آسمان کے یعنی اُن کو خیر و برکت نہ ہوگی اور نہ بہشت میں جاوینگے یہاں تک کہ گھس جاوے اونٹ سوئی کے ناکے میں ؛

اونٹ کا سوئی کے ناکے میں گھس جانا غیر ممکن ہے پس اللہ تعالیٰ کافروں پر خیر و برکت ہونے اور اُن کا بہشت میں جانا ناممکن ہونا اس طرح پر سمجھاتا ہے کہ اگر اونٹ بھی سوئی کے ناکے میں گھس جاوے تو بھی نہ اُن پر خیر و برکت ہوگی اور نہ وہ بہشت میں جاوینگے ؛

اسی طرح آیت ما نحن فیہ میں فرمایا ہے کہ اگر آسمان میں ایسا دروازہ جس میں آدمی آتے جاتے ہیں کھولا جاوے اور کافر اُس میں جانے لگیں جو غیر ممکن ہے تب بھی وہ نہ مانینگے اور کہیں گے کہ ہماری ڈھٹ بندی کی ہے یا ہم پر جادو کیا ہے ؛

تفسیر کبیر میں لکھا ہے " اعلم ان ہذا الکلام ہو المذکور فی سورۃ الانعام فی قولہ ولو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوہ بایدیہم لقال الذین کفروا ان ہذا الا سحر مبین والحاصل ان القوم لما طلبوا نزول الملائکۃ یصرحون بتصدیق الرسول علیہ السلام فی کونہ رسولا من عند اللہ تعالیٰ بین اللہ تعالیٰ فی ہذہ الآیۃ ان بتقدیر ان یحصل ہذہ المعنی لقال الذین کفروا ہذا من باب السحر وہولاء الذین یظن انا نراہم نحن فی الحقیقۃ لا نراہم " ؛

ترجمہ ۔ جاننا چاہیئے کہ اس آیت میں وہی بات ہے جو سورہ انعام میں کہی گئی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے " اور اگر بھیجیں ہم تیرے پاس کاغذ میں لکھا ہوا پھر چھو لیں اُسکو اپنے ہاتھ سے تو بھی جو لوگ منکر ہیں کہینگے کہ یہ اصل میں کچھ نہیں ہے صرف جادو ہے " حاصل یہ ہے کہ جب اہل عرب نے رسول خدا پر رسول اللہ ہونے کا یقین لانے کو فرشتوں کا اُترنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا کہ بتقدیر اگر یہ بھی ہو جاوے تو بھی جو لوگ منکر ہیں کہینگے کہ یہ ایک جادو کی قسم میں سے ہے اور جنکو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں حقیقت میں ہم نہیں دیکھتے ۔ پس جبکہ اس آیت میں آسمان میں دروازہ کا ہونا اور اُس میں کافروں کا چڑھنا یا فرشتوں کا اُترنا بطور محال کے بیان کیا گیا ہے تو باب کا لفظ سما کے اُن معنوں کے جو ہمنے اس آیت میں یا اس قسم سوم میں یعنی اس نیلی چیز کے جو ہمکو بسبب انعکاس شعاع آفتاب گرد ہوا میں دکھائی دیتی ہے لیئے ہیں کچھ بھی منافی نہیں ۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس آیت میں جس چیز پر ہمنے سما کے لفظ کا اطلاق ہونا بیان کیا ہے بظاہر اُسکی حالت ایسی ہونی چاہیئے جس میں دروازہ کھلنے کا اطلاق ہو سکے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ نیلی چیز جو ہمکو اُسکی ایسی ہی

حالت دکھائی دیتی ہے نہایت صاف بغیر کسی پھوٹاؤ اور دڑار کے گنبذ کی چھت کی مانند نہایت پختہ بنائی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور ہمارے خیال میں ڈاٹ لگا ہوا ایک جسم سمائی ہوئی ہے پس اس خیال کے موافق اُس جسم خیالی میں دروازہ کھولنے کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید بندوں کی زبان اور محاورہ میں نازل کیا ہے پس بندوں کے اُس خیالی جسم پر بندوں کے محاورہ کے موافق دروازہ کھولنے کا اطلاق ہوا ہے نہ بطور اصل حقیقت کے +

دوسرا لفظ "سقف" ہے جو آیہ کریمہ وجعلنا السّماء سقفا محفوظا میں آیا ہے اور والسقف المرفوع میں جو لفظ سقف کا ہے اُس سے بھی آسمان مراد ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے سمی السّماء سقفا لانہا للارض کا السقف للبیت یعنی آسمان کو چھت اس لیئے کہا ہے کہ وہ زمین کے لیئے ایسا ہے جیسے گھر کے لیئے چھت +

بلاشبہ یہ نیلی نیلی چیز ہمکو ایسی اوپر دکھائی دیتی ہے کہ گویا دنیا کی چھت ہے مگر اس سے یونانیوں کے مقلدوں کو کیا فائدہ ہے اس لیئے کہ اس نیلی چیز کو جسے خدا نے سقف محفوظ یا سقف مرفوع کہا ہے یونانی بھی تو وہ آسمان نہیں مانتے جس کے وہ قایل ہیں اور علمائے اسلام بھی اُن کی تقلید سے اس نیلی نیلی چیز کو اپنا مسلمہ آسمان قرار نہیں دیتے اور قرآن مجید میں جسکو سقف مرفوع وسقف محفوظ کہا ہے وہ تو یہی نیلی نیلی چیز ہے جو تمام دنیا کے لوگوں کو دنیا کی چھت کی مانند دکھائی دیتی ہے اور عرب کے بادیہ نشین جن کی زبان میں قرآن مجید اُترا اُسی کو سقف مرفوع سمجھتے تھے جو آسمان کہ یونانی قرار دیتے ہیں اور جن آسمانوں کا یا جس آسمان کا ذکر علمائے اسلام کرتے ہیں وہ تو کسی نے دیکھا بھی نہیں پھر کیا معلوم کہ وہ دنیا کی چھت ہے یا چھت کی چھت گیری ہے +

علاوہ اس کے سقف کی مثال دینے سے اُسکا ایسے جسم سے مجسم ہونا جیسا کہ یونانی تسلیم کرتے ہیں کیونکر لازم آتا ہے یہ نیلی نیلی چیز ہمکو اس طرح پر دنیا کو گھیرے ہوئے دکھائی دیتی ہے جیسے گھر کو چھت اور اسی مشابہت سے اُس پر سقف کا اطلاق کیا ہے خواہ وہ اوہن من بیت العنکبوت ہو خواہ اشد من سقف الحدید +

تیسرا لفظ "رفع" کا ہے جو آسمان کی نسبت بولا گیا ہے درحقیقت یہ نیلی چیز جو ہمکو دکھائی دیتی ہے اور جسکو آسمان کہتے ہیں شے مرفوع ہے مگر لفظ رفع سے اُسکا اوپر یا نیچے کے پتر کا سا ہونا کیونکر لازم آتا ہے +

چوتھا لفظ "کسف" کا ہے جس کے معنی ٹکڑوں یا پارچوں کے ہیں یہ لفظ البتہ بحث کے

قابل ہے مگر اوّل ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ ان آیتوں میں جو لفظ سماء کا آیا ہے اُس سے یہی نیلی نیلی چیز جو دکھائی دیتی ہے مراد ہے یا اَور کوئی چیز۔ کچھ شبہ نہیں کہ یہی مراد ہے کیونکہ سورہ سبا کی آیت میں خدا نے فرمایا ہے "او لم یروا الی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض" اور انسان کے ہر طرف یہی نیلی نیلی چیز ہے جسکو آسمان فرمایا ہے اور یہی زمین ہے پھر اس کے آگے جو زمین کے دھنسانے کا اور آسمان سے ٹکڑا گرانے کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی اسی زمین کے دھنسانے اور اسی نیلی نیلی چیز کے ٹکڑا گرانے کا ہے اور سب کے نزدیک اس نیلی نیلی چیز کا ایسا جسم نہیں ہے جس سے حقیقتاً ٹکڑا گرنا ممکن ہو پس جن آیتوں میں "کسفا" کا لفظ ہے وہ یونانیوں کے مقلد مولویوں کے لیئے کچھ مفید نہیں اور نہ اُس سے یونانیوں کا الاجسّم آسمان ثابت ہوتا ہے نہ تیرھویں صدی کے مولویوں کا ۔

علاوہ اس کے اس آیت میں خدا تعالےٰ محسوسات سے اپنی قدرت ثابت کرتا ہے یونانیوں کا مجسم آسمان یا تیرھویں صدی کے مولویوں والا مجسم آسمان محسوس نہیں ہے کیونکہ سوائے اس نیلی چیز کے اَور کچھ انسان کو محسوس نہیں ہے پس غیر محسوس شئے سے ٹکڑا گرانے کا ذکر کرنا اثبات مدعا کو کافی نہیں اس لیئے "کسفا" کا لفظ نہ ہمارے مطلب کے منافی ہے اور نہ یونانیوں کے مقلدوں کے مفید ہے ۔

اصل یہ ہے کہ خدا تعالےٰ قرآن مجید میں بندوں کی زبان میں اور اُنھی کے محاورات کے موافق کلام کرتا ہے اور جب اُن کو کسی محسوس چیز سے ہدایت کرتا ہے یا محسوسات سے اپنے کمال قدرت کو ثابت کرتا ہے تو اُنھی کے خیالات کے موافق اور جس طرح کہ وہ شے محسوس ہوتی ہے اُسی کے مطابق کلام کرتا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر ایسے موقع پر خیالات کی تبدیل اور حقائق اشیاء کے سمجھانے پر متوجہ ہو تو اصلی مقصود روحانی تربیت کا فوت ہو جاوے ۔

تمام انسان اِس نیلی چیز کو سقف گنبدی سمجھتے تھے جیسیکہ وہ دکھلائی دیتی ہے اور ریختہ کی ڈاٹ سے بھی زیادہ مضبوط سمجھتے تھے پس خدا نے مطابق اُن کے خیالات کے اُن کو فرمایا کہ ہمیں ایسی قدرت ہے کہ اگر چاہے تو اُس چیز میں سے بھی جسکو تم ایسا مستحکم سمجھتے ہو تو تم پر ٹکڑا گرا دے اور زمین کو باوصف اس قدر عظمت و استحکام کے دھنسا دے پس ایسے مقامات پر اسبات سے غرض نہیں ہوتی کہ اُس نیلی چیز کا جسم اس قابل ہے کہ اُس میں سے ٹکڑا ٹوٹ کر گر سکے یا نہیں اور اگر ٹکڑا ٹوٹ کر گرنے کے قابل ہے تو وہ ایسا ہی ٹکڑا ہوگا جیسے چھت میں کی پٹیا یا پتھر

ہیں کی بٹیا ٭

علاوہ اس کے "سماء" سے سماء ماتحن فیہ مراد نہیں ہے تفسیر کبیر میں لکھا ہے "کسفا من السماء قرء کسفا بالسکون والحرکة وکلاهما جمع کسفة وهي القطعة والسماء السحاب او الظلة ٭ ٭ روي انه حبس عنهم الريح سبعا وسلط عليهم الرمل فاخذ بانفاسهم لا ينفعهم ظل ولا ماء فاضطروا الى ان خرجوا الى البرية فاظلتهم سحابة وجدوا لها بردا ونسيما فاجتمعوا تحتها فامطرت عليهم نارا فاحترقوا" یعنی کسفا جمع ہے کسفة کی جس کے معنی ٹکڑے کے ہیں اور آسمان سے یا تو بادل مراد ہے یا اَوْرہ کوئی چھائی ہوئی چیز پھر اخیر میں وہ ایک روایت لکھتے ہیں کہ اصحاب ایکہ نے جو کہا تھا کہ ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرادو تو اُنپر عذاب اس طرح پر نازل ہوا کہ سات دن تک ہوا بند رہی اور ریت یا غبار جو آسمان میں چڑھ گیا تھا اُنپر چھاگیا اور اُن سب کا دم گھٹنے لگا نہ اُن کو کوئی سایہ دار چیز فایدہ دیتی تھی اور نہ پانی پھر وہ بیقرار ہوئے اور جنگل میں نکل جانا چاہا اتنے میں ایک بادل اُن پر چھاگیا اُن کو ٹھنڈک معلوم ہوئی اور ہلکی ہلکی ہُوا بھی لگی اور سب اُن کے نیچے آن کر جمع ہو گئے پھر اُس میں سے اُن پر آگ برسنے لگی پھر سب جل گئے ۔ پس جبکہ سماء سے اس مقام پر سماء ماتحن فیہ ہی مراد نہو تو "کسف" کے لفظ سے سماء ماتحن فیہ کے مجسم ہونے پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے اور خدا کو محل عذاب میں یہ بات فرمانی کہ ہم چاہیں زمین کو دھنسادیں یا بادل کا ٹکڑا گرادیں یا کافروں کا یہ کہنا کہ اگر تم سچے ہو تو بادل کا ایک ٹکڑا ہی زمین پر اُتار دو کوئی ایسی بات نہیں ہے جسپر کچھ اعتراض ہو سکے کیونکہ اگر بادل زمین پر گر پڑے تو نہایت سخت عذاب سے لوگ برباد ہو جاویں ٭

علاوہ اس کے مقام تہدید میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اصلی مقصود اُس کا نتیجہ ہوتا ہے زمین کے دھنسانے اور آسمان کا ٹکڑا گرانے سے صرف یہ مقصود ہے کہ خدا اُن کے برباد کرنے پر قادر ہے پس مقصد کو چھوڑنا اور خواہ نخواہ لفظی بحث کے پیچھے پڑنا تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ کرنا ہے اور ایسی علمیت جتانے سے اسلام کو اور قرآن کو بدنام کرنا اور اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ قرآن اور علم یا قرآن اور حالت موجودات یا قرآن وحقایق اشیا متحد نہیں ہیں اللهم اني اعوذبك من مثل هذا العلم فانه حجاب اکبر ٭

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ "واما التهديد فبقوله ان نشاء نخسف بهم الارض يعني نجعل عين نافعهم ضارهم بالخسف والكسف" یعنی خدا نے کافروں کو اس کہنے سے تہدید

کی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو زمین کو دھنسا دیں یعنی اگر ہم چاہیں تو جو چیز خاص تمہارے مفید ہے تمہارے مضر کر دیں دھنسا کر ٹکڑا ٹکڑا کر دو لا شک فی قدرتہ ۔

نکتہ ۔ قرآن مجید میں بہت باتیں بطور کنایہ کے فرمائی ہیں اُس سے خاص اُس بات کا ثبوت مقصود نہیں ہوتا بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ مخاطب کا ذہن اُس سے اُس کے لازم بلزوم عقلی یا عادی کی طرف منتقل ہو جاوے ۔ اسیطرح بعضی دفعہ ایک صورت محسوسہ اس لیئے بیان کیجاتی ہے کہ جو معنی مراد ہیں اُسکی تصویر مخاطب کے ذہن میں آجاوے اور اُس سے اُس صورت محسوسہ کا اثبات مقصود نہیں ہوتا پس وہ لوگ سیاق قرآن مجید سے واقف نہیں ہیں جو اُن کنایوں سے یا اُس صورت محسوسہ سے خاص اُسی کا ثبوت مقصود سمجھتے ہیں پس ان آیتوں میں جو " او نسقط علیہم کسفاً من السماء ۔ یا ۔ فاسقط علینا کسفا من السماء آیا ہے یہ سمجھنا کہ اس سے آسمان کے واقعی ٹکڑوں کا ثبوت ہوتا ہے نہایت غلطی ہے بلکہ یہ صرف بیان بالکنایہ ہے اور اُس کا لازم مقصود ہے ۔

شاہ ولی اللہ صاحب تفسیر فوز الکبیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ " کنایت آنست کہ حکمے اثبات کنند و قصد ثبوت عین آں باشد بلکہ قصد آنست کہ انتقال کند ذہن مخاطب بلازم آں بلزوم عادی یا عقلی چنانکہ از عظیم الرماد معنی کثرت ضیافت و از یداہ مبسوطتان معنی سخاوت ادراک می شود و تصویر معنی مراد بصورت محسوسہ از ہمیں قبیل است و آں بابے است واسع و اشعار عرب و خطب ایشاں و قرآن عظیم و سنت حضرت پیغامبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بآں مشحون است و اجلب علیہم بخیلک و رجلک تشبیہ دادہ شد برئیس دزداں چوں یاران خود را آواز دہد کہ ازیں سو حملہ کن و ازاں سو درآ وجعلنا من بین ایدیہم سداً و من خلفہم سداً ۔ وجعلنا فی اعناقہم اغلالا تشبیہ دادہ شد اعراض ایشاں را از تدبر آیات بکسے کہ او را مغلول کردہ باشند یا بر ہر جہت او سدے بنا کردہ باشند پس اصلا نمیتوانند و اضمم جناحک من الرھب یعنی مجموع خاطر شو پراگندگی نفس بگذار و نظیر ایں باب در عرف آنست کہ چوں شجاعت کسے را تقریر کنند بشمشیر اشارہ کنند کہ ایں طرف میزند و آں طرف میزند و مقصود جز غلبہ او بر اہل آفاق بصفت شجاعت نباشد گو در تمام عمر شمشیر بدست نگرفتہ باشد یا گویند فلاں می گوید کہ در زمین کسی را نمی بینم کہ با من مبارزت تواند کرد و یا گویند کہ فلاں خود چنیں میکند و اشارہ کنند بہیئتے کہ اہل مبارزت در وقت غلبہ بر خصم می کنند گو کہ ایں شخص گاہے ایں کلمہ نگفتہ باشد و ایں فعل نکردہ باشد یا گویند فلاں حلق مرا فراخ کردہ است و دست در گلوئے من انداختہ لقمہ را برکشیدہ است " انتہی ۔

پس جہاں کہیں کہ قرآن مجید میں خداتعالیٰ محسوسات کا بطور عرف عام بیان فرماتا ہے اُس سے اُس کے عین کا ثبوت مقصود نہیں ہوتا ہم بھی کہتے ہیں کہ آسمان گر پڑے آسمان ٹوٹ پڑا یہ ایسی بات ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جاوے کلیجا پھٹ جاوے مگر کبھی اِن الفاظ سے حقیقتاً اُن چیزوں کا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اُس کے لازم بلزوم عقلی یا عادی کا ہوتا ہے فتدبر ٭

پانچویں لفظ "الطی" قابل بحث ہے جس کے مشتقات آیہ کریمہ یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب اور آیہ کریمہ والسّموات مطویات بیمینہ میں آئے ہیں ٭

مگر اِن آیتوں سے یہ خیال کرنا کہ آسمان کاغذ یا کپڑے یا چادر یا رومال کی مانند ایک جسم ہے جو خدا کے ہاتھ پر لپٹ جاوے گا یا جیسے مکتبوں میں لڑکے مکتوب لپیٹ لیتے ہیں اُس طرح لپٹ جاویگا ایک بڑی غلطی ہے یہ کلام مجازاً بولا گیا ہے جس سے مقصود صرف اتنا ہے کہ یہ تمام آسمان و زمین جیسیکہ پہلے نیست تھے پھر نیست ہوجاوینگے ٭

خداتعالیٰ اوّل فرماتا ہے کہ یوم نطوی السّماء کطی السجل للکتب اور اُسی کے ساتھ فرماتا ہے کما بدانا اوّل خلق نعیدہ یعنی یہ فرماکر کہ ہم آسمان کو مکتوب کی مانند لپیٹ لینگے اُسکے مطلب کو بتادیا کہ جس طرح ہمنے پہلے پہل پیدا کرنا شروع کیا تھا پھر ویسا ہی کرینگے اور ایسا کرنا اُسیوقت ہوگا جبکہ یہ سب نیست ہوجاوے گا ٭

تفسیر کبیر میں بہ تحت آیت والسّموات مطویات بیمینہ کے بہت طول گفتگو لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب مجاز ہے اور مجازاً واسطے اظہار قدرت و شان خداتعالیٰ کے بولا گیا ہے ٭

قال صاحب الکشاف الغرض من ھذا الکلام اذا اخذتہ کما ھو بجملتہ ومجموعہ تصویر عظمتہ والتوقف علی کنہ جلالہ من غیر ذھاب بالقبضتہ ولا بالیمین الی جھۃ حقیقتہ او جھۃ مجاز یعنی صاحب تفسیر کشاف کا قول ہے کہ اس کلام سے جبکہ اُس سب کو جمع کرکر لو تو مقصود اُس سے خداتعالیٰ کی عظمت کی تصویر بتانا اور اُس کے جلال کی کُنہ میں متوقف رہنا ہے بغیر اس بات کے کہ مٹھی اور دائیں ہاتھ سے حقیقت میں مٹھی اور داہاں ہاتھ سمجھیں یا مجازاً خیال کریں ٭

بعد اسکے ایک لنبا جھگڑا تاویل کا اور حمل کلام کا حقیقت سے مجاز پر لکھ کر ارقام فرماتے ہیں ولا شک ان لفظ القبضتہ والیمین مشعر لھذہ الاعضاء والجوارح الا ان الدلائل العقلیۃ قامت علی امتناع ثبوت الاعضاء والجوارح للہ تعالیٰ فوجب حمل ھذہ الاعضاء

علی وجوہ المجاز یعنی اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ مٹھی اور داہاں ہاتھ ان اعضا اور ہاتھوں کو جو ظاہرین ہی بتاتا ہے مگر عقلی دلیلوں سے ثابت ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اعضا اور جوارح کا ہونا غیر ممکن ہے اس لیئے واجب ہے کہ مٹھی اور داہاں ہاتھ جو بیان ہوا ہے اُسکو مجاز پہ حمل کریں پس جبکہ دونوں چیزیں مجاز پر حمل ہوئیں تو مٹھی میں اُٹھانا اور ہاتھ پر لپیٹنا بھی یقینی مجاز ہو گیا ؎

ثم قال صاحب الکشاف وقیل قبضتہ ملکہ ویمینہ قدرتہ وقیل مطویات بیمینہ ای مفنیات - یعنی صاحب کشاف نے کہا ہے کہ مٹھی سے تو مُلکِ خدا مراد ہے اور دائیں ہاتھ سے اُسکی قدرت اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دائیں ہاتھ میں لپٹینگے یعنی فنا اور معدوم ہو جاوینگے پس لپیٹنے کے لفظ سے آسمانوں کا حقیقت میں لپیٹنے کے لایق جسم سمجھنا ٹھیک ٹھیک کٹھ ملا ہونا ہے ؎

چھٹے الفاظ "انشقاق و انفراج اور انفطار اور فتح" اور مثال ان کے ہیں کہ ان کے مشتقات یا بہ تبدیل ابواب قرآن مجید میں آئے ہیں - ان الفاظ کی نسبت بھی وہی بحث ہے جو ہم نے بالتفصیل "کسفا" کے لفظ کے تحت میں کی ہے یہی نیلی نیلی چیز جسکو سب لوگ آسمان کہتے تھے اور جانتے تھے اور کہتے ہیں اور جانتے ہیں سب کو ایک مجسم چیز اور چھت کی طرح بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ اُسکی حقیقت سے واقف نہ تھے مگر جیسیکہ وہ دکھائی دیتی تھی اُس قیاس پر اُس کو پھٹنے اور چرنے کے قابل خیال کرتے تھے قرآن مجید جو ٹھیک عرب اوّل کے محاورہ میں اُترا ہے اُنہی کے خیال اور محاورہ کے موافق وہ الفاظ بولے گئے ہیں اور مقصود اُس سے صرف معدوم ہونا اور فنا ہونا موجودات کا ہے پس کسی طرح یہ الفاظ آسمان کی ایسی حقیقت پر اور ایسے جسم پر جیسا کہ یونانیوں نے تسلیم کیا تھا اور جس کی تقلید علماء اسلام نے کی تھی یا جیسا کہ تیرھویں صدی کے مولوی بیان کرنا چاہتے ہیں دلالت نہیں کرتے ؎

شاہ ولی اللہ صاحبؒ فوز الکبیر میں اسلوب قرآن کی بحث میں ارقام فرماتے ہیں کہ "پس اگر برخلاف طور ایشان (یعنی عرب اوّل) گفتہ شود بحیرت در مانند و چیزے نا آشنا بگوش ایشان رسد و فہم ایشان را مشوش سازد" مگر یہ قاعدہ صرف اسلوب قرآن ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی ہر بات میں یہ امر ملحوظ ہے ؎

ایک مقام میں بذیل بیان یعنی آیت محکم شاہ صاحب نے بیان فرمایا ہے کہ "اعتبار دہ معنی

عرب اوّل ست نہ موشگافان زبان مارا کہ موشگافی بیجا وائی است عضال کہ حکم رابستہ شاید بیانند ومعلوم را مجہول" اگرچہ یہ امر شاہ صاحب نے معنی لغت کی نسبت لکھا ہے مگر ایسا قاعدہ ہے جو بہت سی چیزوں کے لیئے مفید ہے مثلاً جیسیکہ عرب سماء کا اطلاق اس نیلی چیز پر کیا کرتے تھے جو ہمکو بطور ایک سقف گنبدی کے دکھائی دیتی ہے تو ہمکو اُسی پر اکتفا کرنا چاہیئے اور زیادہ موشگافی کر کر اور مل مل کر مکھی کو بھینسا بنانا نہیں چاہیئے اسی طرح جبکہ عرب اوّل اسی نیلی چھت کو پھٹنے والی اور چرنے والی اور پوست کھینچنے کے لایق خیال کرتے تھے تو اُن الفاظ کو اُنھی کے خیالات پر مقصور رکھنا چاہیئے نہ یہ کہ اُسکے لازم کو اپنی طرف سے اضافہ کر کر اُس نیلی چھت کو ایسا جسم قرار دیا جاوے جو کاغذ یا کپڑے کی طرح پھٹ سکے یا لپٹ سکے یا بکری کی طرح اُس کا پوست اُتارا جاسکے اگر غور کیا جاوے تو سبع سموات کا لفظ بھی درحقیقت مثبت تعدد آسمانوں کا نہیں ہے کیونکہ عرب کے خیال میں تھا کہ سات آسمان ہیں اور جو کہ اُنھوں نے بجز اس نیلی چھت کے اَور کسی چیز کو نہیں دیکھا تھا اور اُسکو ایک مستحکم جسم سمجھتے تھے اور اِس لیئے اُنھوں نے خیال کیا تھا کہ ساتوں آسمانوں کا ایسا ہی جسم ہوگا اور پھر اِس خیال سے اُن کا تو بر تو ہونا بھی اُن کے ذہن میں جما ہوا تھا اُنھی کے خیال کے موافق قرآن مجید میں جو عرب اوّل کی زبان و محاورہ میں نازل ہوا ہے وہ سب باتیں بیان ہوئی ہیں اُن کو خواہ نخواہ حقیقت واقعی کا مثبت قرار دینا اسلوب بدیع قرآن مجید کے برخلاف ہے اگر حقیقت اشیاء اُس کے مطابق پائی جاوے جیساکہ قرآن مجید میں موافق خیال عرب اول کے بیان ہوا ہے فہو المراد۔ اور اگر بفرض محال اُس کے برخلاف بیان ہو تو بھی کچھ نقصان یا اعتراض قرآن مجید پر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ عرب اوّل کی زبان میں بولا گیا ہے ہاں جس وقت کہ قرآن مجید یونانی مولویوں اور خیالی فلسفیوں کے ہاتھ آتا ہے اور وہ ہندی کی چندی اور نکات بعد الوقوع نکالنے پر اپنے علم کو اور بے معنی اعتراضات و بحث کو ختم کرنے لگتے ہیں اُس وقت قرآن مجید کا حال صائب کے شعر کا سا ہو جاتا ہے جبکہ اُس نے کہا تھا کہ "شعر مرا بمدرسہ کہ بُرد" غرض ہماری یہ ہے کہ قرآن مجید کو مثل کلام ایک انسان فصیح قحح عرب اوّل کے خیال کر کر اُس کے الفاظ کے معنی لگائے جاویں نہ مثل فلاسفہ یونان کے کلام کے ومن لم یعتقد بہذا فقد ضل سواء السبیل ۔

ساتویں الفاظ "اللہ اکبر" قابل لحاظ کے ہیں خدا تعالیٰ موافق خیال عرب اوّل کے اپنی قدرت کاملہ کو بیان فرماتا ہے کہ آسمانوں کا اور زمین کا بنانا انسان کے پیدا کرنے سے زیادہ

مشکل یا سخت تر ہے حالانکہ خدا کے نزدیک نہ آسمان و زمین کا پیدا کرنا مشکل ہے نہ انسان کا مگر اس مقام پر انہی کے خیال کے موافق خدا نے فرمایا کہ جس چیز کی خلقت کو تم ایسا مشکل یا سخت جانتے ہو تو خدا کو تمہارا پیدا کرنا یا پھر دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اب انصاف سے دیکھا جاوے کہ اس طرز کلام سے اشد کے معنی لو ہے یا تانبے کے پتر کی مانند جسم کے قرار دینے کیسی نا سمجھی کی بات ہے اور پھر اسکو ایک مسئلہ مستحکم قرار دینا اور اس کے برخلاف کہنے والے کو کافر کہنا خود کفر میں گرنا ہے ونعوذ باللہ منہا *

تفسیر کبیر میں تحت تفسیر آیۃ کریمہ "أأنتم اشد خلقا ام السماء" کے لکھا ہے کہ "انہ استدلال علی منکر البعث فقال أأنتم اشد خلقا ام السماء فنبھھم علی امر یعلم بالمشاھدۃ وذلک لان خلقۃ الانسان علی صغرہ وضعفہ اذا اضیف الی خلق السماء علی عظمھا وعظم احوالھا فبین تعالی ان خلق السماء اعظم واذا کان کذالک فخلقھم علی وجہ الاعادۃ اولی ان یکون مقدورا للہ تعالی فکیف ینکرون ذلک ونظیرہ قولہ اولیس الذی خلق السموات والارض بقادر علی ان یخلق مثلھم وقولہ لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس والمعنی اخلقکم بعد الموت اشد ام خلق السماء ای عندکم فی تقدیرکم فان کلا الامرین بالنسبۃ الی قدرۃ اللہ واحد"

یعنی تفسیر کبیر میں أأنتم اشد خلقا ام السماء کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جو لوگ بعث کے منکر تھے ان پر دلیل لانے کے لیئے خدا نے فرمایا ہے کہ تمہارا پیدا کرنا مشکل یا سخت تر ہے یا آسمان کا پس ان کو ایسی بات سے جس کو وہ علانیہ دیکھتے تھے خبردار کیا کیونکہ جس وقت انسان کی خلقت کو جو ضعیف اور صغیر ہے آسمان سے نسبت دی جاوے جو ایسا بڑا ہے اور اس میں بہت بڑی بڑی حالتیں ہیں تو خدا نے بتایا کہ آسمان کا پیدا کرنا بڑا کام ہے اور جبکہ یہ بات ہے تو تمہارا پھر پیدا کرنا کچھ بڑی بات نہیں تو بدرجہ اولی خدا کی قدرت میں ہوگا پھر کیونکر تم اس کا انکار کرتے ہو۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسیکہ خدا نے فرمایا ہے کہ جس نے آسمان و زمین پیدا کیئے کیا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ انہی کی مانند اور پیدا کرے یا جیسیکہ خدا نے فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا آدمیوں کے پیدا کرنے سے بڑا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آیا مرنے کے بعد تمہارا پیدا کرنا مشکل ہے یا تمہارے نزدیک آسمانوں کا پیدا کرنا مشکل ہے اگرچہ خدا کی قدرت کے نزدیک تو یہ دونوں باتیں یکساں ہیں یعنی کچھ مشکل نہیں ہیں پس اب غور کا مقام ہے کہ لفظ اشد سے آسمانوں کا سخت جسم ہونا کیونکر ثابت ہوتا ہے *

اور اگر لفظ اشد سے مستحکم و مضبوط کے معنی لیئے جاویں تو بھی اُس سے یہ سمجھنا کہ آدمی کے پوست سے آسمان کا پوست اور اُس کے جسم سے آسمان کا جسم اور اُس کی ہڈی پسلی سے آسمان کی ہڈی پسلی زیادہ مضبوط اور سخت ہے نادانی کے سوا اَور کچھ نہیں ہے۔ بے شک آسمان اور زمین اور پہاڑ اور درخت کو ہم دیکھتے ہیں کہ انسان سے زیادہ پایدار ہیں۔ اسی زمین پر اور اسی آسمان کے تلے ہزاروں لاکھوں نبی اور ولی اور شہدا اور صالحین آئے اور گذر گئے سکندر و دارا جمشید و فریدوں بھی ہوئے اور گذر گئے۔ بہت سے کفر کے فتوی دینے والے پیدا ہوئے اور گذر گئے۔ بہت سے مسلمان خدا و رسول پر دل و جان سے ایمان رکھنے والے کافر بنائے گئے اور گذر گئے ہزاروں کافر و مرتد اور خدا کے وجود کے بھی منکر پیدا ہوئے اور گذر گئے اور ایک دن ہم بھی اور ہمارے کفر کے فتوے دینے والے بھی گذر جاویں گے اور اپنے اپنے اعمال لیکر خدا کے سامنے حاضر ہوں گے وانی لا اعلم ما یفعل بی وما یفعل بہم ولکنی ادجو رحمت ربی انہ ھو ارحم الراحمین اور باوجود ان سب حوادث کے آسمان اور زمین ویسے ہی ہیں جیسے کہ تھے تو ضرور کوئی پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے أانتم اشد خلقا ام السماء مگر اُس سے یہ مراد لینی کہ ہم مٹی کے ہیں اور آسمان لوہے کا اس چودھویں صدی کے مولویوں کے سوا جو مکہ معظمہ و مدینہ منورہ سے بھی کفر کا تحفہ لانے والوں کے یار غار ہیں اور کس سے ہوسکتا ہے وانا افوض امری وامرکم الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد ۔

ساتواں لفظ "امساک" کا ہے خدا نے فرمایا کہ وُہی تھام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے کیسی صاف اور سیدھی بات ہے ہم آسمان کو ایک گنبد کی چھت کی مانند دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ تھمی ہوئی ہے اور ہم پر گرتی نہیں اسی خیال کے موافق اگر ایک فصیح عرب اول کہے کہ کسی صاحب قدرت نے آسمان کو زمین پر گرنے سے تھام رکھا ہے تو اُس کا یہ کہنا بالکل سچ اور صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہے تو خدا کا یہ کہنا بھی کہ میں نے آسمان کو زمین پر گرنے سے تھام رکھا ہے صحیح ہے اس قول پر اپنی طرف سے زیادہ حاشیے لگانے کہ آسمان پر فرشتے رہتے ہیں اس لیئے ضرور ہے کہ وہ سخت و صلب ہو تاکہ فرشتے اُس پر ٹک سکیں اور جبکہ وہ سخت و صلب ٹھہرا تو ضرور ہے کہ اُسکا لوہے کے پتھروں کا سا جسم ہو اور جب وہ ایسا ہوا تو ضرور ہے کہ بوجھل اور ثقیل لاکھوں۔ کروڑوں۔ پدموں بے انتہا من کا ہو محض لغو اور واہیات بات

ہے اور قرآن مجید کے اسلوب بدیع کے بالکل مخالف ہے ✤

آٹھواں لفظ "بنا" کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ فرمایا ہے کہ میں نے آسمان کو پیدا کیا بلاشبہ وہی خالق ہے بنا کا لفظ اور خالق کا دونوں ہم معنی یا ہم مراد ہیں کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ خدا نے آسمان کو نہیں بنایا بلاشبہ ہمکو دکھائی دیتا ہے کہ ہمارے لیئے ایک محل ہے جس میں ہزاروں لاکھوں گیاس اور میگنٹ کی روشنی سے بھی عمدہ روشنی کے مصابیح روشن ہیں وہ ایسی خوبصورت ہمکو دکھائی دیتے ہیں جیسیکہ بلور کی ہانڈیوں اور فانوسوں میں میگنٹ کی روشنی ہورہی ہے پس یہ جال جو ہمکو آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہے اسی کو خدا بتاتا ہے کہ میں نے آسمان کو تمہارے لیئے محل بنایا ہے کمبختو میری عبادت کرو۔ میری وحدانیت کا اقرار کرو۔ میرے رسول کی تابعداری کرو۔ جو کوئی میرا اور میرے رسول کا اقرار کرے اسکو کافر مت کہو۔ نہ مانو تو جہنم میں جاؤ۔ بس خدا کے کلام کا تو اسیقدر مطلب ہے آگے اسپر حاشیئے لگانے اور کہنا کہ جب بنا کا اطلاق ہوا ہے تو ضرور اسکی بنیاد کوہ قاف پر پڑی ہوگی اور جب اسکو محل کہا ہے تو وہ ضرور گنبد کی چھت کی طرح ڈاٹ لگاکر بنایا گیا ہوگا اور اینٹ پتھر کی جگہ بلور کے پتھر لگائے گئے ہونگے یا کانچ کے شیشہ کی طرح ڈھالا گیا ہوگا اور کچھ نہیں تو لندن کے کرسٹل پلیس کی طرح تو ضرور ہوگا محض بیہودہ نادانی ہے ✤

قسم چہارم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور جن میں لفظ سموات کا آیا ہے اُن میں کئی لفظ بحث کے قابل ہیں ✤

اوّل۔ لفظ "سموات" بحث یہ ہے کہ اس لفظ کا ہمیشہ جمع ہی پر اطلاق ہوتا ہے یا مفرد پر بھی تفسیر کبیر میں لکھا ہے "وانما قال کانتا رتقا ولم یقل کن رتقا لان السموات لفظ الجمع والمراد بہ الواحد الدال علی الجنس قال الاخفش السموات نوع والارض نوع ومثلہ ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا" یعنی اللہ صاحب نے کہا ہے کہ آسمانوں اور زمین دونوں کے مونھ بند تھے یعنی آسمانوں اور زمین دونوں کے یعنی آسمانوں کو ایک کہا اور زمین کو ایک کہا اور یہ نہیں کہا کہ سب آسمانوں کے جو بہت سے ہیں مونھ بند تھے اور زمین کا مونھ بند تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سموات جمع کا صیغہ ہے لیکن اس سے ایک بھی مراد لیا جاتا ہے کیونکہ وہ سب آسمانوں کے ایک طرح کا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اخفش کا قول ہے کہ سموات ایک نوع ہے اور زمین ایک نوع اور اسی کی مانند خدا نے فرمایا کہ اللہ تھامتا ہے

آسمانوں کو اور زمین کو کہ وہ دونوں ٹل نہ جاویں - اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سموات کے لفظ سے سماء بھی مراد ہوتا ہے اسی طرح سے سماء پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے اس لیئے کہ اُسکا ہر جزو سماء ہے - کقولہ تعالیٰ ثم استوی الی السماء فسوٰھن سبع سموات پس اس قسم میں ہمنے جو آیتیں لکھی ہیں اُن میں سے بعضی آیتوں کو قسم پنجم میں بھی لکھا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اُن میں جو لفظ سموات کا آیا ہے اگر اُس سے سماء بصیغہ مفرد مراد لیا جاوے تو تو وہ آیتیں قسم چہارم میں داخل رہتی ہیں بلکہ قسم سوم میں شامل ہوسکتی ہیں اور اگر اُس سے جمع ہی مراد لیجاوے تو پھر اُن کا ٹھکانا بجز قسم پنجم کے اور کہیں نہیں ہوسکتا ؛

دوسرا - لفظ "خلق" قابل بحث ہے ہر گاہ ہمنے فضائے محیط کو سماء اور اُس کے طبقات کو جو بسبب وجود کواکب کے یا اور کسی حد ظاہر کے پیدا ہوگئے ہیں سموات کہا اور اسبات کا بھی دعویٰ نہیں کیا کہ اُس میں کوئی جسم سیال اثیری ہے یا نہیں تو گویا ہمنے شے معدوم کو سماء و سموات کہا یا ایسی چیز کو سماء و سموات کہا جس کا کوئی وجود جسمانی نہیں ہے تو پھر اُسپر خلق کا اطلاق کیونکر صادق آتا ہے ؛

مگر یہ تمام خیالات کج فہمی سے پیدا ہوتے ہیں سیدھی سمجھ کا آدمی ان خیالات کی غلطی بخوبی سمجھ لیتا ہے ؛

اول تو یہ کہنا کہ عدم غیر مخلوق ہے نہایت غلطی ہے - عدم محض نہ کبھی موجود تھا اور نہ کبھی موجود ہوگا پس ایسی چیز جو کبھی موجود ہی نہیں ہوسکتی اُسکی نسبت یہ کہنا کہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق محض نادانی ہے - باقی رہا عدم ممکن جسکو عدم الشئے سے تعبیر کیا جاتا ہے موجود بھی ہوتا ہے اور جب موجود ہو تو وہ بلا شبہ مخلوق ہے - پس جو حقیقت آسمان کی ہمنے بیان کی اُسپر معدوم غیر موجود ہونے کا اطلاق نہیں ہوسکتا بلکہ معدوم الجسم کہہ سکتے ہیں اور شے مخلوق کے لیئے یا جسپر مخلوق ہونے کا اطلاق ہوتا ہے اُس کا مجسم ہونا ضرور نہیں ہے - خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خلق الموت والحیاۃ حالانکہ موت اور حیات کوئی شے جسمانی نہیں ہے - پھر فرمایا ہے کہ خلق اللیل والنہار وجعل الظلمات والنور حالانکہ رات ظلمت یعنی عدم النور کا نام ہے اور لیل و نہار یعنی رات دن اور نور و ظلمت دونوں جسمانی نہیں ہیں پس خلق کا لفظ نسبت سموات کے ہمارے کلام کے منافی نہیں ہے ؛

استوا اور خلق دونوں کی مراد واحد ہے قال الامام فی تفسیرہ - ثم استوی الی السماء

كناية عن ايجاد السماء والارض يعني استوا كے لفظ سے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا مراد ہے ٭

تیسرا لفظ "رتق وفتق" قابل بحث ہے معنے اس آیت کے ساتھ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ مع تفسیر کے لکھدیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ ہمارے کلام کے منافی نہیں۔ ہمارے نزدیک تو اس مقام پر سموات بادلوں سے مراد ہے جنپر بسبب کثرت وتعدد کے جمع کا صیغہ بولا گیا ہے اور بڑی تائید اس کی اس بات سے ہوتی ہے کہ اسی آیت میں خدا فرماتا ہے وجعلنا من الماء كل شي حي اور صداقت اس آیت کی ہر شخص ہمیشہ اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے بادل آتے ہیں اور ٹھیرے رہتے ہیں اور نہیں برستے پھر اللہ تعالی اُن کا مونھ کھولتا ہے۔ اُن سے مینھ برستا ہے زمین خشک ہو جاتی ہے کھیتی نہیں رہتی کچھ اُگانے کے قابل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالی اُس کا مونھ کھولتا ہے سب چیز اُس میں پیدا کرتا ہے اور یہ سب باتیں ہمیشہ تمام لوگ دیکھتے رہتے ہیں بعض علماء اسلام نے یہود کی تقلید سے یہ خیال کیا تھا کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ آسمان وزمین آپس میں چمٹے ہوئے تھے جیسے بدن پر کھلڑی خدا نے زمین کی کھلڑی کھینچکر آسمان بنا دیا مگر یہ صرف یہودیوں کا قصہ ہے اُسی کی تقلید سے اُن علماء نے قرآن کی بھی تفسیر کی ہے جن لوگوں کو خدا نے مخاطب کیا ہے وہ آسمان وزمین کی پیدایش کے وقت کہاں تھے جو وہ دیکھتے کہ آسمان زمین سے بدن کی کھلڑی کی مانند چپٹا ہوا اٹھایا نہیں ٭

اکثر مفسرین نے بھی اس آیت کی تفسیر ہمارے قول کے مطابق کی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ ہمنے سموات کا اطلاق بادلوں پر کیا ہے اور اُنھوں نے اس نیلی چھت پر جو ہمکو دکھائی دیتی ہے چنانچہ ہم اُسکو تفسیر کبیر سے نقل کرتے ہیں ٭

قال الامام في القول الثالث وهو قول ابن عباس واكثر المفسرين ان السموات والارض كانتا رتقا بالاستواء والصلابة ففتق الله السماء بالمطر والارض بالنبات والشجر ونظيره قوله تعالى والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع ورجحوا هذا الوجه على سائر الوجوه لقوله بعد ذلك وجعلنا من الماء كل شي حي وذلك لا يليق الا وللماء تعلق بما تقدم ولا يكون كذلك الا اذا كان المراد ما ذكرنا فان قيل هذا الوجه مرجوح لان المطر لا ينزل من السموات بل من سماء واحد وهي سماء الدنيا قلنا انما اطلق عليه لفظ الجمع

لان کل قطعة منها سماء کما یقال ثوب اخلاق وبرمة اعشار واعلم ان علی ھذا التاویل یجوز حمل الرویۃ علی الابصار"

یعنی امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس آیت کی نسبت تیسرا قول یہ نقل کیا ہے۔ ابن عباس کا اور اور بہت سے مفسروں کا یہ قول ہے کہ آسمان و زمین بسبب سختی اور پٹ پڑ ہونے کے موند بند تھے پھر مونھ کھولا اللہ تعالیٰ نے آسمان کا مینہہ سے اور زمین کا نباتات اور درخت اُگانے سے اور اُسی کی مانند خدا کا یہ قول ہے قسم ہے پھرنے والے یا برسنے والے بادل کی اور اُگانے والی پھٹاؤ والی زمین کی اور اس وجہ کو تمام وجھوں پر ترجیح دی ہے خدا تعالےٰ کے اس قول کی دلیل سے جو اسی کے بعد ہے کہ کیا ہمنے ہر چیز کو پانی سے زندہ اور اس آیت کا پہلی آیت سے جب ہی جوڑ ملتا ہے جبکہ پہلی آیت کو پانی سے کچھ تعلق ہو اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ وجہ ضعیف ہے اس لیئے کہ مینہہ آسمانوں سے نہیں آتا بلکہ ایک آسمان سے جو دنیا کا آسمان ہے اُترتا ہے تو اس کا جواب ہم یہ دینگے کہ دنیا کے آسمان پر جمع کا صیغہ اس لیئے بولا گیا ہے کہ اُس کا ہر ایک ٹکڑا آسمان ہے جس طرح کہ عرب بولتے ہیں ثوب اخلاق اور برمۃ اعشار۔ اب یہ بات بھی جاننی چاہیئے کہ اس تاویل پر جائز ہے کہ رویت کے لفظ کے معنی آنکھوں سے دیکھنے کے کیے جاویں۔

قسم پنجم میں جو آیتیں لکھی ہیں اُن کے الفاظ و معانی کی تشریح اُنھی کے ساتھ ہے پس اب کوئی لفظ آیات قرآنی میں میری دانست میں ایسا نہیں رہا جسپر بحث درکار ہو۔

اب مَیں اپنے اس آرٹکل کو ختم کرتا ہوں اور پھر کبھی فرصت میں انشاء اللہ تعالیٰ نسبت احادیث کے جو اس باب میں ہیں بحث کیجاویگی۔ واللہ المستعان ٭

نمیقہ

ماکان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

مکرمی میری سمجھ تو سب سے نرالی ہے۔ مَیں تو جناب رسول خدا صلعم کو خاتم النبیین جانتا ہوں بوجہ ختم نبوت یا رسالت کے اور ایسے خاتم کو تاخر زمانی اور افضلیت دونوں

لازم ہیں ✦

اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بادشاہ نے بہت سی نعمتیں اپنی جنگلی اور وحشی رعیت کے تقسیم کرنے کو رکھی ہوں اور یہ ٹھہرایا ہو کہ جوں جوں ان وحشیوں کو عقل و تمیز آتی جاویگی ووں ووں عمدہ نعمتیں اُن میں تقسیم ہوتی جاوینگی پس ضرور ہوگا کہ جو نعمتیں اُن کو اول دی جاویں گو فی نفسہ وہ اچھی اور عمدہ ہوں مگر اُس کے بعد کی نعمتیں یقینی پہلے سے اچھی ہوں گی یہاں تک کہ سب سے اخیر جو نعمت دی جاوے وہ سب سے اچھی ہوگی ✦

اب فرض کرو کہ اُس بادشاہ نے اُن نعمتوں کے تقسیم کرنے والے بہ ترتیب مقرر کیئے ہر ایک نے اپنی باری میں مطابق عقل اور تمیز اُن وحشیوں کے نعمتیں دینی شروع کیں اور اسی طرح درجہ بدرجہ نعمتیں تقسیم ہوتی رہیں یہاں تک کہ اخیر نعمت رہ گئی اور سب سے اخیر بانٹنے والا جو تھا اُسکی باری آئی۔ اُس وقت وہ لوگ بھی اُس نعمت کے لینے کے قابل ہو گئے تھے وہ اخیر بانٹنے والا آیا اور اخیر نعمت بانٹ گیا۔ پس وہ خاتم القاسمین ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ اخیر زمانہ میں آیا اور نہ اس وجہ سے کہ اُس کے بعد کوئی بانٹنے نہیں آئیگا کیونکہ یہ دونوں باتیں تو خاتمیت کے لوازم سے ہیں بلکہ در اصل وہ اس وجہ سے خاتم ہے کہ وہ خاتم نعمت ہے وھو خاتم لانہ قد ختمت النعمۃ بتقسیمہ اور جبکہ وہ نعمت اخیر سب سے عمدہ و افضل تھی تو اس خاتم کا بھی سب سے افضل ہونا لازم ہے اور جو کہ تدریج زمانی بھی اُسکو لازم تھی اس لیئے اُس خاتم کو تاخر زمانی بھی لازم ہے ✦

بعینہ یہی مثال نبوت کی ہے دین اللہ کا نعمت ہے اور بندوں میں تقسیم کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ انبیاء سابقین مناسب حال اُمت سابقہ کے وہ نعمت تقسیم کرتے آئے یہاں تک کہ جبکی اخیر دفعہ باری تھی اور اخیر نعمت باقی رہ گئی تھی اور اُسکی تقسیم کا زمانہ بھی آگیا تھا وہ آیا اور وہ نعمت دے گیا وہ نعمت ختم ہوگئی رسالت اور نبوت بھی ختم ہوگئی اور خود اُس نعمت کے مالک نے پکار کر کہدیا "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" پس تعدد خاتم کسی معنی پر لو ممتنع بالذات ہے اور شرکت من حیث الذات اور من حیث العرض دونوں ممتنع ہیں۔ اثر ابن عباس کی صحت کا میں قایل نہیں ہوں جبکہ رسالت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی عام تھی تو خاتمیت بھی بمعنی مذکور عام تھی ✦

ہاں فیض الٰہی کبھی ختم نہیں ہونے کا بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید

دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

مگر سب اُسی کو گا مینگے ہمارے پیا کہہ گئے صلعم جیسکہ انبیاء بنی اسرائیل میں بہت سے ایسے نبی گذرے جو اپنے پہلے نبی کے دین کو قایم کرتے رہے پس ہمارے میاں کی امت میں بھی بہت سے ایسے گذرے اور گذرینگے جو دین محمدی کی حقیقت قایم کیا کرینگے اور مجدد کہلاویں گے اور لوگ اُن کو کافر کہا کئیے اور کہا کرینگے بھائی یہ باتیں کتابیں پڑھنے سے حل نہیں ہوتیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے سینہ کا نور لو تب اِس مرحلہ کو طے کرو وقل اوتیت من اللہ تعالیٰ نور من انوار المحمدیۃ صلعم واللہ علی مانقول وکیل ؞

بھائی تم سمجھو کہ ہر ایک کو اپنے پیا سے جدی جدی راہیں ہوتی ہیں کوئی اُسکی باتوں ہی پر مرتا ہے کوئی اُسکی چتون پر ہی لوٹتا ہے کوئی اُسکی ادا کا دیوانہ ہے کوئی پہاڑ کی چوٹی پر سایہ دار سبزوں میں اپنے دل کا دوتارہ بجا کر یہ گا رہا ہے ۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

پس جو شخص کہ اپنے تئیں اُمت محمدی کہتا ہے اور تصدیق کرتا ہے محمد رسول اللہ کی تو یقینی تمام بزرگیوں کا آنحضرت صلعم میں اقرار کرتا ہے پھر کیونکر خیال ہوسکتا ہے کہ اُسکے کسی کلام سے گو کہ وہ ہر طبقہ میں خاتم کا ہونا ہی ہو گمان بد کیا جاسکتا ہے وہ بھی دیوانہ ہے مگر ایک ادا پر ہم بھی دیوانے ہیں مگر اُسکی سب اداؤں پر ۔ جو لوگ مسلمان ہیں اور بزرگ ہیں اور علماء میں سے ہیں اور ہمارے فخر ہیں جن کی کفش برداری کے بھی ہم لائق نہیں اُن پہ بدظنی نہیں چاہئیے بھائی اگر وہی کافر ہوں تو کیا ہم تم مسلمان ہوں گے ۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھم والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ؞

دافع البہتان

جناب حضرت سید الحاج مولانا مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب بہادر سب آرڈینٹ جج گورکھپور نے ایک کتاب مسماۃ بہ تائید الاسلام تحریر فرمائی ہے جس میں مجھ پر بہت سے

اتہام کیئے ہیں اگرچہ مَیں ایسی باتوں کی نسبت کچھ پرواہ نہیں کرتا مگر بہت سے دوست بجد ہیں کہ جن عقاید کو جناب سید الحاج نے اتہاماً تمہاری طرف منسوب کیا ہے اُن کی نسبت بلا بحث و استدلال صرف اتنا لکھو کہ حقیقت میں وہ تمہارا عقیدہ ہے یا تم پر اتہام ہے پس مَیں اُن کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں ؛

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مجموعہ موجودہ اسلام مخاطب یعنی میرے نزدیک قطعاً باطل ہے۔ یہ محض اتہام ہے۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے میں نے ایک مقام پر جہاں یہ بحث کی ہے کہ مذاہب مختلفہ میں کون سا مذہب سچ ہو سکتا ہے اور بعد ایک لمبی تقریر کے بیان کیا ہے کہ مذہب اسلام کے سوا اَور کوئی مذہب سچ نہیں ہو سکتا وہاں مَیں نے لکھا ہے کہ اسلام سے میری مراد یہ مجموعہ احکام نہیں ہے کیونکہ اُس میں احکام منصوصہ اور اجتہادیات اور قیاسیات سب شامل ہیں جن میں خطا کا احتمال ہے اس مقام پر میری مراد مذہب اسلام سے صرف احکام منصوصہ ہیں پس یہ کہنا کہ مخاطب کے نزدیک مجموعہ موجودہ اسلام قطعاً باطل ہے کیسا غلط اور کتنا بڑا اتہام ہے ؛

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مجموعہ اسلام مخاطب یعنی میرے نزدیک خلاف مرضی الٰہی ہے ؛

نعوذ باللہ من ھذہ الکلمات ۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا ۔ میرے نزدیک کوئی مذہب سوائے مذہب اسلام کے مطابق مرضی الٰہی کے نہیں ہے ؛

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ احکام معاد پر اعتقاد دلانا اور صحیح جاننا مخاطب کے نزدیک مانع ترقی ہے ؛

لعنت خدا کی ہو اُس پر جس نے یہ لکھا ہو اور جس کا یہ اعتقاد ہو میں نے یہ لکھا ہے کہ جب اس سچے مذہب (یعنی اسلام) میں بھی لغو خیالات اور بد تعصبات مل جاتے ہیں تو وہ ویسا ہی ان کی ترقی کا مارج ہوتا ہے کجا یہ لفظ اور کجا وہ عقیدہ جو سید الحاج نے میری نسبت لکھا ہے جس وقت اُنہوں نے یہ کتاب لکھی ہے شاید خود اُن کو احکام معاد پر یقین نہ تھا کیونکہ اگر یقین ہوتا تو وہ ضرور خیال فرماتے کہ مرنا بھی ہے خدا کے سامنے جانا ہے مَیں کیونکر ایک شخص پر ایسا اتہام کروں ؛

جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ معجزات انبیا کے اعتبار سے مجرد نبی کے قول پر یقین لانا مخاطب کے نزدیک باطل ہے ؎

اس عبارت کا مطلب شاید مصنف ہی سمجھیں تو سمجھیں اَور کوئی تو سمجھ نہیں سکتا مگر صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ جناب سید الحاج میرے آرٹکل کا جو مطلب سمجھے ہیں وہ غلط سمجھے ہیں مینے اُس آرٹکل میں صرف شرف عقل ثابت کیا ہے ؎

جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ ایجاد شریعت مخاطب کے یعنی میرے نزدیک ضرور ہے ؎

لعنت اللہ علی قایلہ وعلی معتقدہ میرے اعتقاد میں شریعت محمدیہ خاتم شریعت ہے جیسیکہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبوت ہیں ؎

جناب سید الحاج نے ایک فقرہ میں پانچ اتہام میری نسبت کیئے ہیں - ایک اتباع سواد اعظم و اتفاق جمہور مخاطب کے نزدیک باطل ہے - دوم - کسی عالم کے قول کا اعتبار نہیں نہ سند لانی چاہیے - سوم - مسلمات مذہبی سے انکار کرنا نہ بدعت ہے نہ کفر ہے - چہارم تقلید آئمہ اربعہ کی ظلمت وضلالت ہے - پنجم - نفو حدیث پر اعتماد لانا بیجا ہے ؎

یہ سب کچھ جو لکھا ہے سب غلط ہے اور تمام تر مضامین کو تحریف کیا ہے فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ وہ لکچر جو آزادی رائے پر ہے اور جسکی تحریف جناب سید الحاج نے فرمائی ہے اُس کا مطلب سمجھنے کو ابھی مدت چاہیئے پس اسیقدر لکھنا کافی ہے کہ جناب سید الحاج کا یہ استنباط غلط ہے وہ مطلب نہیں سمجھے یا دانستہ تحریف کی ہے ؎

جناب سید الحاج نے پھر ایک فقرہ میں دو اتہام کیئے ہیں - ایک جو مسئلہ شرعیہ تہذیب مصطلحہ مخاطب کے خلاف ہو باطل ہے - دوم - خصوصاً کثرت ازدواج - سوم - واسترقاق پہلا اور دوسرا امر محض بہتان ہے میرے عقیدہ میں کوئی مسئلہ شرعی تہذیب کے خلاف ہے ہی نہیں اور جس تعدد ازدواج کی نسبت شرع میں اجازت ہے وہ عین تہذیب ہے اور شہوت رانی کے لیئے شرع کو ٹٹی بنانا بہایم کی مانند ہونا ہے ؎

تیسرا امر البتہ اسیقدر صحیح ہے یہ تو اکثر علماء متقدمین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آیہ کریمہ فاما منا بعد واما فداء سے استرقاق ممنوع ہے مگر وہ علماء اُسکو منسوخ مانتے ہیں مَیں منسوخ نہیں مانتا ؎

جناب سید الحاج ایک وصوکہ کی عبارت میں میری نسبت واعظین و صوفیہ و علماء مدرسین پر سب وشتم کرنا لکھتے ہیں ٭

یہ گول گول عبارت جس میں کل واعظین و صوفیہ و علماء داخل ہوں سید الحاج کو لکھنی مناسب نہ تھی جن مکار واعظین و صوفیہ اور علماء بدنام کن نیکونامے چند کی نسبت میں نے لکھا ہے اُن کی نسبت سب لکھتے آئے ہیں مولانا روم کی مثنوی دیکھو۔ امام غزالی رح کی احیاء العلوم پڑھو ٭

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مینے احکام معاد مثل جنت و نار۔ صراط و میزان و صور و حشر اجساد وغیرہ و عذاب قبر وغیرہ جو محسوسات نہیں ہیں باطل ٹھہرائے ہیں ٭

یہ محض اتہام ہے میں نے ایک حرف بھی اب تک اُن کی نسبت نہیں کہا نعیم جنت و وعید جہنم پر اور بعث بعد الموت پر میں اعتقاد رکھتا ہوں باقی رہی اُن کی کیفیات۔ وہ ہر شخص موافق اپنے مذاق کے بیان کرتا آیا ہے چنانچہ امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم ان باتوں سے پُر ہے ٭

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ صرف فرایض پر عمل کرنا وہ بھی نیچر کے موافق ہوں کافی ٹھہرایا ہے ٭

اگرچہ اس میں بھی تدلیس کی ہے مگر بلا شبہ میرا اعتقاد ہے کہ جس قدر کہ فرایض مذہب اسلام میں ہیں وہ فطرت اللہ یعنی نیچر کے مطابق ہیں اور بلا شبہ صرف فرائض کا ادا کرنا اور گناہوں سے بچنا بہشت میں جانے کو کافی ہے ٭

جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ جو عبادت خلاف نیچر ہو اُس کو مَیں نے باطل ٹھہرایا ہے ٭

اس میں بھی تحریف کی ہے کیونکہ مَیں نے کہا ہے کہ زہد و ریاضت کو صرف راتوں کو جاگنے اور ذکر و شغل کرنے اور نفل پڑھنے اور نفل روزہ رکھنے میں منحصر سمجھنا (قطع نظر اسکے کہ اُن کا ایسا کرنا اور حد اعتدال سے گذر جانا قانون قدرت کے برخلاف ہے مقصود شارع ہے یا نہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عبادت بھی) مگر اُسکے سوا اَور نیک باتوں کو عبادت نہ سمجھنا جو اُن سے زیادہ مفید ہیں بڑی غلطی ہے۔ کجا یہ مضمون اور کجا یہ اتہام جو جناب سید الحاج نے باین ہمہ دینداری مجھپر کیا ہے ٭

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ جس قدر عادات و حسنات خلاف نیچر ہوں اُن کو میں نے

باطل ٹھہرایا ہے ؛

مگر جناب سید الحاج یہ نہیں سمجھے کہ جس قدر نیک عادتیں اور حسنات ہیں وہ نیچر یعنی فطرت اللہ کے برخلاف ہیں ہی نہیں کیا یہ جناب سید الحاج عادت خلاف فطرت کو حسن سمجھتے ہیں !!! ؛

وہ میرا قول نقل کرتے ہیں کہ مذہب خدا کا قول اور فطرت خدا کا فعل ہے دونوں ایک ہیں ؛

کیا جناب سید الحاج کو اس میں شک ہے۔ کیا اُن کے نزدیک خدا کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے !!!

جناب سید الحاج میرا قول نقل کرتے ہیں کہ طریقہ لباس و اکل و شرب و اخلاق و عادات ایسی اختیار کرنی چاہئیں جس سے تہذیب یافتہ قوموں کی نظر میں حقارت نہو ؛

کیا جناب سید الحاج کی خواہش اس کے برخلاف ہے کیا اپنی قوم کو تمام تہذیب یافتہ قوموں کے سامنے حقیر و ذلیل رکھنا چاہتے ہیں کیا اُنکی مرضی ہے کہ مسلمان ہمیشہ ذلیل رہیں اور تربیت یافتہ قوموں کی نگاہ میں اُن کی کچھ قدر و عزت نہو !!!

جناب سید الحاج میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ مَیں ترقی قومی کو دیگر حسنات پر ترجیح دیتا ہوں دل و جانم فدائے این الزام جناب سید الحاج باد۔ بلاشبہ میرا یہ عقیدہ ہے یہی مذہب ہے اور یہی قول ہے اور خدا اِسی قول پر میرا خاتمہ کرے کہ بعد ادائے فرائض کے کوئی عبادت قومی بھلائی میں کوشش کرنے سے بہتر نہیں ہے اللھم احینا علیہ وامتنا علیہ آمین ہاں البتہ خود غرض نفس کے بندے قومی بھلائی میں کوشش کرنیکو بیفایدہ سمجھتے ہیں ؛

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مَیں نے توہین حرمین شریفین کی ہے اور اُسکے ثبوت پر میرا یہ قول نقل کیا ہے کہ خواجہ سرا روضہ متبرکہ رسالت مآب صلعم پر اور خانہ کعبہ پر متعین کیئے ہیں اور یہ ہیجڑے کے چھوٹے مسلمان اُسکو باعث افتخار جانتے ہیں ؛

ناظرین انصاف کرینگے کہ اِس فقرہ سے توہین حرمین شریفین استنباط کرنا جناب سید الحاج کے علم و اجتہاد اور دیانت اور دینداری کا کیسا بڑا ثبوت ہے کیا یہ استنباط دیدہ و دانستہ اتہام نہیں ہے مسلمانوں میں خواجہ سراؤں کا رواج اسلام کو داغ لگانے والا ہے کیونکہ سوائے مسلمانوں کے اور کسی قوم میں یہ رواج نہیں ہے پھر جو فعل کہ حرام و ممنوع شرعی ہے اُسکے مرتکب ہوتے ہیں اور

پھر اُنہی لوگوں کو حفاظت روضہ مطہرہ اور خانہ کعبہ پر تعین کرتے ہیں اور ان ہیئے کے پھوٹوں کو رسول خدا صلعم سے بھی شرم نہیں آتی کہ آں حضرت کے حکم کے برخلاف کام کرتے ہیں اور پھر اُنہی کو روضہ مبارک کے سامنے لیجاتے ہیں اور حیات النبی کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں اگر غیرت اور خدا و رسول سے شرم ہوتی تو چینی بھر پانی میں ڈوب مرتے مگر اس سے بھی زیادہ تعجب ہمکو یہ ہے کہ ہمارے مخدوم مبشر بہ بشارات عجیبہ سید الحاج جناب مولانا علی بخش خاں صاحب بہادر سب آرڈینیٹ جج گورکھپور اعنی قاضی القضاۃ شریعت انگریزیہ فرماتے ہیں کہ حرمین شریفین میں خواجہ سراؤں کی تعیناتی کو بُرا جاننا توہین حرمین شریفین ہے۔ سُبحان اللہ و بحمدہٖ سُبحان اللہ و بحمدہٖ!!!

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مَیں نے تعلیم دینیات کی جو مروج ہے غیر مفید ٹھہرائی ہے اور اُسکی دلیل میں میرا یہ قول نقل کیا ہے کہ "زمانہ حال میں دینیات کی تعلیم بھی مسلمانوں میں مفید طریقہ پر نہیں ہے اور کوئی علم مفید مروج نہیں ہے" ✦

اے مسلمانو۔ انصاف کرو کہ میرے اِس قول کا یہ مطلب ہے جو جناب سید الحاج نے نکالا ہے کیا اُن کا ایسا لکھنا اتہام نہیں ہے اور کیا دیدہ و دانستہ اُنھوں نے یہ غلط نہیں لکھا ہے۔ کُجا طریقہ تعلیم کو غیر مفید کہنا اور کُجا تعلیم دینیات کو غیر مفید کہنا ✦

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مَیں نے جو تمہید غلامی کے آرٹیکل میں لکھی ہے اس سے سب وشتم انبیاء سابقین اور لاحقین اور صحابہ و اہل بیت و عام امت مرحومہ کی لازم آتی ہے ✦

یہ قول اُن کا محض غلط ہے قبل نزول امتناع کسی فعل کے اُسکے مرتکبین کو گنہگار اور مرتکب فعل حرام کا جاننا صرف جناب سید الحاج کا عقیدہ ہے۔ ایک زمانہ میں حقیقی بہن سے نکاح منع نہ تھا اور بعض نبی انبیاء سابقین میں سے اسکے مرتکب ہوئے اسی طرح حقیقی دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا منع نہ تھا متعدد انبیاء اس فعل کے مرتکب ہوئے۔ شراب کی حرمت جب تک نہ ہوئی تھی تمام انبیاء سابقین اور اکثر صحابہ اُسکے مرتکب ہوئے پس اب اگر کوئی شخص یہ بیان کرے کہ بہن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں لانا حرام ہے۔ شراب پینی حرام ہے تو وہ کیا انبیاء سابقین اور صحابہ کرام پر سب وشتم کرتا ہے ✦

جو کچھ مَیں نے نسبت غلامی کے لکھا ہے اول میری تحقیق دریافت کرنی چاہیئے تھی میرا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ کسی نبی نے انبیاء سابقین سے اور لاحقین سے جناب خاتم الانبیاء تک

کسی عورت پر بغیر نکاح کے تصرف کیا ہو آیمہ اہل بیت علیہم السلام نے اُن عورتوں سے جو لڑائی میں قید ہوئی تھیں نکاح کیا تھا جس طرح کہ جناب سید الحاج آیمہ اہل بیت پر تہمت لگانا چاہتے ہیں اُس طرح بغیر نکاح بطور لونڈی کے کسی کو تصرف میں نہیں لائے سُنّی صرف اس مطلب سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا حق ہونا شیعوں پر ثابت ہو آیمہ اہل بیت پر لونڈیوں کے تصرف کی تہمت لگاتے ہیں ورنہ وہ ازدواج مطہرات منکوحہ اہل بیت علیہم السلام تھیں صحابہ و تابعین کی نسبت بھی کوئی کافی ثبوت اس بات کا نہیں ہے کہ قیدی عورتوں کو بطور لونڈیوں کے بلا نکاح اُنھوں نے تصرف کیا ہو اور کچھ شبہ نہیں کہ آیہ کریمہ اما منا بعد واما فداء اخرالایۃ ہے جو اُساریٰ کے حق میں نازل ہوئی اور جس سے غلامی معدوم ہو گئی پس جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو اُسکی نسبت یہ کہنا کہ انبیاء و صحابہ و اہل بیت پر سب و شتم لازم کیا ہے کیسا اتہام ہے +

جب سلطنت سلاطین کے ہاتھ آئی پھر مفتیوں کو اور قاضیوں کو کیا ڈر تھا - آیت اما منا بعد واما فداء کو مٹا دیا اور ملا دو پیازہ کے قاضی بن گئے قطع نظر اس کے بعد غزوات وانقراض زمانہ خلافت خمسہ حقہ کونسی لڑائی جہاد جایز خالصاً للہ واسطے اعلاء کلمۃ اللہ کے تھا جس کی بندی کو جناب قاضی و مفتی نے حلال کر دیا تھا اور جس طرح کہ مکہ معظمہ میں لونڈی و غلام بیچے جاتے ہیں یہ کونسی شرع کی رُو سے جایز ہیں شریعت محمدیہ کی رُو سے تو یقینی حرام ہیں +

ہاں ایک الزام میرے اوپر ٹھیک ہے کہ مَیں نے برخلاف جمہور مسئلہ استرقاق کا بیان کیا ہے مگر جب میں دل سے یقین کرتا ہوں کہ خدا اور کتاب اللہ اور محمد رسول اللہ صلعم تینوں میرے ساتھ ہیں اور یہ میرا یقین کامل اور نہایت پختہ ہے تو مجھ کو اس اختلاف سے کچھ ڈر نہیں ہے بفرض محال اگر میری سمجھ نے غلطی بھی کی ہو تو بھی اس اختلاف کا کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ مجھ کو کامل یقین ہے کہ معدومی استرقاق منصوص قرآنی ہے اور عین مرضی خدا و رسول کی پس ممکن ہے کہ جناب سید الحاج یا اَور مسلمان کہیں کہ مَیں غلطی پر ہوں الاان امور کے سبب کافر کہنا اور سب و شتم انبیاء و صحابہ و آیمہ اہل بیت علیہم السلام کا اتہام کرنا کچھ دیانت کی بات نہیں ہے یہ بھی یاد رہے کہ میری تحقیق میں غلامی کسی شریعت کا حکم شرعی نہ تھا فتدبر ولا تقل مالیس لک بہ علم +

جناب سید الحاج میرا قول نقل کرتے ہیں کہ احکام نیچر (یعنی فطرت اللہ) کبھی نہیں ٹوٹنے کا

اور پھر اُس پر تفریع فرماتے ہیں کہ معہذا احکام حشر و نشر و فنا باطل ٹھیرینگے ٭

مگر مَیں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ جناب یہ میرا مطلب نہیں ہے حضور نے قصداً یا خطاءً غلطی فرمائی ہے حشر و نشر و فنا خود نیچر و فطرت اللہ میں داخل ہے اور جب وہ ہوگا عین نیچر ہوگا افسوس ہے کہ جناب کو نہ قرآن مجید لفظ فطرت اللہ کی تحقیق ہے اور نہ انگریزی لفظ نیچر کی مگر قلم پکڑ کر جو دل میں آتا ہے اٹکل پچّو تحریر فرما دیتے ہیں ٭

جناب سید الحاج مجھ پر اتہام فرماتے ہیں کہ مَیں کل احادیث کی صحت کا انکار کرتا ہوں ٭

لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ العَلِیِّ العَظِیم ۔ یہ محض غلط اتہام میری نسبت ہے مَیں خود بیسیوں حدیثوں سے جو میرے نزدیک روایتاً و درایتاً صحیح ہوتی ہیں استدلال کرتا ہوں ٭

جناب حضرت سید الحاج میری نسبت اتہام فرماتے ہیں کہ قواعد صرف و نحو و معنی و بیان و اصول کے موافق معنی قرآن و حدیث کے لینے جایز نہیں ٭

محض کذب و اتہام ہے اور لفظ "جایز نہیں" ایک عجیب لفظ ہے ۔ بہر حال میں نے اُس سے زیادہ نہیں کہا ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب نے تفسیر فوز الکبیر میں لکھا ہے ۔ بلاشبہ معنی قرآن کے موافق محاورہ عرباؤں کے لینے چاہئیں جس زبان و محاورہ میں قرآن مجید نازل ہوا ہے ٭

جناب سید الحاج مجھ پر یہ اتہام کرتے ہیں کہ اگر علوم جدیدہ میں مذہب اسلام خلل انداز ہو تو مذہب اسلام کا چھوڑ دینا لازم ٹھہرایا ہے ٭

سُبحان اللہ کیا دادِ سخن فہمی دی ہے جناب یہ مطلب نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ مذہب اسلام ایسا پختہ ہے کہ کتنے ہی علوم جدیدہ کیوں نہ پڑھے جاویں الا مذہب اسلام سے بداعتقادی نہیں ہوسکتی ہاں ایسے لچر اصول مذہب کے جیسے کہ جناب سید الحاج نے اختیار فرمائے ہیں اور جن میں کے بڑے دو اصول بہتان کرنا اور اتہام لگانا اور کلمہ گوؤں کو کافر کہنا ہے اُن کا چھوڑنا تو مَیں لازم ٹھہراتا ہوں ٭

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مَیں نے اعتراض فلسفیانہ قرآن شریف پر کیئے ہیں اور اُسپر میرے بیان کو بطور دلیل کے لائے ہیں کہ ہیئت جدیدہ کی تردید کسی کتاب میں نہیں ہے اور جو تفسیر عالموں نے نطفہ سے انسان کے پیدا ہونے کی لکھی ہے وہ فن تشریح سے غلط معلوم ہوتی ہے ٭

اگر انصاف و دیانت دنیا میں باقی ہے تو جناب سید الحاج منبع البہتان کے اتہام کو خیال کیا جاوے کہ کہاں قرآن مجید پر اعتراض کرنا اور کہاں عالموں کی تفسیر کو غلط بتانا یا یہ کہنا کہ ہیئت جدیدہ

کی تردید کسی کتاب میں نہیں ہے ٭

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مَیں نے ایڈیسن و اسٹیل کو پیغمبر ٹھہرایا ہے ٭ مگر مجھ سے پہلے فردوسی و انوری و سعدیؒ کو لوگ پیغمبر ٹھہرا گئے ہیں اگر مَیں نے اسٹیل و ایڈیسن کو پیغمبر ٹھہرایا تو کچھ گناہ نہیں کیا ٭ ہاں شاید جناب سید الحاج اس لیئے خفا ہوئے ہونگے کہ مینے جناب ممدوح کو پیغمبر کیوں نہیں ٹھہرایا خیر معاف فرمائیے اس لیئے کہ مَیں جناب ممدوح کا مرتبہ اُس سے بھی زیادہ سمجھتا ہوں وہ تو پیغمبران سخن تھے الّا میں جناب سید الحاج کو خدائے بہتان و اتہام جانتا ہوں ٭

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مَیں نے بمقابلہ فلسفیات جدیدہ کے قرآن و حدیث کو بیکار قرار دیا ہے اور ادلۂ ثلاثہ شرعیہ کا بطلان بیان کیا ہے ٭

لعنۃ اللہ علی قایلہ وعلی معتقدہ وعلی من ینسب ھذا القول الی من لم یعتقدہ ولم یقلہ اسی قدر کہنا بس ہے کیا فائدہ ہے ایسے اتہامات سے اور کیا نتیجہ جناب سید الحاج نے اسمیں سمجھا ہے ٭

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مَیں نے خاتم الانبیاء صلعم کو نیچرل اسٹ ٹھہرایا ہے ٭ مَیں نے تو یہ لفظ نہیں کہا اور اگر جناب سید الحاج نے بنظر تحقیر یہ لفظ جناب خاتم المرسلین کی نسبت ارقام فرمایا ہے تو اُس کا مظلمہ خود جناب سید الحاج کی گردن پر رہیگا کیونکہ سید الحاج کے ہم مشرب علماء کے فتووں سے پہلے ہی ثابت ہو چکا ہے کہ نبی کی نسبت کلمہ تحقیر کا بلا قصد نقل کرنا بھی کفر ہے پس ایسے کلمہ کا ایجاد کر کے کہنا بطریق اولیٰ کفر ہوگا ٭

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مَیں نے مادہ عالم کو ازلی و ابدی ٹھہرایا ہے۔ اگر لفظ مادہ سے کوئی شے علاوہ ذات باری کے مراد ہے تو ایسا اعتقاد کرنے والے پر تو مَیں لعنت بھیجتا ہوں اور اُسکو کافر سمجھتا ہوں اور اگر مادہ سے عین ذات باری مراد ہو (گو لفظ مادہ کا اطلاق اسپر غلط ہوگا) جیسا کہ بڑے بڑے اکابر بزرگان دین اہل وحدت وجود کا مشرب ہے تو مَیں کہتا ہوں کہ بلاشبہ خدا ازلی و ابدی ہے وللہ درمن قال ٭

فلولاہ ولولانا لما کان الذی کانا
فانا اعبد حقا و ان اللہ مولانا
وانا عینہ فاعلم اذا ماقلت انسانا

فلا تعجب بانسان فقد اعطاک برهانا

فکن حقا وکن خلقا تکن باللہ رحمانا

وعد خلقہ منہ تکن روحا وریحانا

فاعطیناہ مایبدو بہ فینا واعطانا

فصار الامر مقسوما بایاہ وایانا

فاحیاہ الذی یدری بقلبی حین احیانا

وکنا فیہ اکوانا وازمانا واحیانا

ولیس بدائم فینا ولکن ذاک احیانا

افسوس ہے کہ جناب سید الحاج کو ان مضامین پر غور کرنے کو ایک مدت درکار تھی مگر انہوں نے بے سوچے سمجھے جو چاہا لکھ دیا۔ ولا تقف مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولاً ؛

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میں نے لکھا ہے کہ شبہ دوسرے خدا کے وجود کا زایل نہیں ہوسکتا ؛

اس کا مطلب کیا ہے آیا یہ مطلب ہے کہ میں معتقد دوسرے خدا کا ہوں تو میں لعنت بھیجتا ہوں مشرک پر اور دو اور تین یا اُس سے زیادہ خدا ماننے والے پر اور اگر یہ مطلب نہ ہو تو جناب سید الحاج کا تحریف کرکر مطلب بیان کرنا ایک قسم کا اتہام ہے۔ جو تقریر کہ میں نے اُس مقام پر بیان کی ہے اُس پر ایک شبہ وارد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہم ایسے شبہات پر شرعاً مکلف نہیں ہیں ؛

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے لکھا ہے کہ اعتقادیات جو خلاف نیچر ہوں باطل ہیں اور عملیات معینہ فقہا باطل ہیں ؛

جناب سید الحاج آپ اُس آرٹیکل کا جو میں نے فلسفیانہ بمقابلہ ایڈیسن لکھا ہے مطلب نہیں سمجھے جو کچھ آپ نے لکھا ہے سب غلط ہے یہ اُس کا مطلب نہیں ہے ؛

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک علاوہ مذہب اسلام کے دوسرے مذاہب بھی سچے ہوسکتے ہیں ؛

میں نہیں جانتا کہ یہ مطلب سید الحاج نے کہاں سے استنباط فرمایا ہے میرا تو یہ مذہب ہے کہ مذہب اسلام ہی سچا مذہب ہے اور جو مذہب سچا ہوگا وہ اسلام ہی ہوگا ؛

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ جہاد سے میری مراد اُس قسم کی لڑائی ہے جیسی مثلاً جرمن اور فرانس میں ہوئی تھی نہ واسطے قایم ہونے دین اور اعلاء کلمتہ اللہ کے ؛

یہ تحریر جناب سید الحاج کی اتہام محض ہے جبکہ وہ دیدہ و دانستہ اتہام کرنے پر مستعد ہیں تو اُس کا علاج کیا ہے بلا شبہ میری دانست میں جہاد جبراً مسلمان کرنے کے لیئے نہیں ہے بلکہ صرف اعلائے کلمتہ اللہ کے لیئے ہے جیسا کہ میری تحریروں سے ظاہر ہے ؛

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اسلام صرف اسی قدر کا نام ہے کہ خدا کو ماننا اور بندوں کے ساتھ برادری برتنا اسپر میرا یہ قول سند لائے ہیں کہ "سچے مذہب اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ خدا کو ایک جاننا اور انسان کو اپنا بھائی سمجھنا" اب صاحب تمیز خود غور کرینگے کہ جناب سید الحاج نے لفظ "اسیقدر کا نام ہے" اپنی طرف سے بڑھا کر اور میرے مطلب کو تحریف کر کر کیا عمدہ داد دینداری دی ہے ؛

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ دارد
وائے گر در پسِ امروز بود فردائے

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اہل سنت وغیرہ جو فرقے اسلام کے ہیں سب باطل ہیں صرف ملت نیچریہ حق ہے ؛

مَیں چاہتا ہوں کہ جناب سید الحاج اور ہم دونوں ملکر کہیں کہ لعنت اللہ علے الکاذبین اور ہمارے اور اُن کے دوست پکار کر کہیں ہشتی بار۔ معلوم نہیں کہ جناب سید الحاج نے ایسی لغو اور بیہودہ باتوں سے کیا فائدہ سمجھا ہے ؛

جناب سید الحاج لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک جو مسئلہ شرعیہ خلاف عقل و مخالف نیچر ہو وہ باطل ہے ؛

معلوم نہیں کہ جناب سید الحاج اُلٹی راہ کیوں چلتے ہیں یہ کیوں نہیں فرماتے کہ میرے عقیدہ میں کوئی مسئلہ شریعت حقہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خلاف عقل و خلاف فطرت اللہ یعنی نیچر کے نہیں ہے ؛

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کین رہ کہ تو میروی بترکستان است

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث صحیح کو اپنے خلاف دیکھکر باطل سمجھا ہے اور

شیطنت سیکھنے کا کنایہ ابوہریرہ پر کیا ہے +

جو حدیث ضعیف یا موضوع کہ جناب سید الحاج کے نزدیک صحیح ہو یہ کچھ ضرور نہیں کہ سب لوگ اُسکو صحیح سمجھیں۔ جناب سید الحاج کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہوگی میرے نزدیک نہیں ہے اور شیطنت سیکھنے کی نسبت کا جناب حضرت ابوہریرہؓ کی طرف جناب سید الحاج نے مجھ پر اتہام کیا ہے خود کیا ہے مجھ پر لگایا ہے۔ مَیں تو اس حدیث ہی کو صحیح نہیں سمجھتا۔ جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا تھا کہ حضرت ابوہریرہ نے عمل آیۃ الکرسی کا شیطان سے سیکھا (نعوذ باللہ منہا) اُس پر مَیں نے لکھا کہ جناب مولوی علی بخش خان صاحب بہادر سب آرڈینیٹ جج گورکھپور نے اپنے رسالہ "شہاب ثاقب" صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیطان کے شاگرد ہوئے اور عمل آیت الکرسی کا اُس سے سیکھا۔ اس عبارت کے بعد میں نے لفظ نعوذ باللہ منہا کا بھی لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ مَیں قول جناب سید الحاج کو غلط جانتا ہوں اُس پر جناب سید الحاج نے مجھ پر یہ اتہام کیا ہے کہ مَیں نے شیطنت سیکھنے کا کنایہ ابوہریرہ پر کیا ہے افسوس ہے کہ جناب سید الحاج کو ایسی باتیں لکھنے میں کچھ لحاظ بھی نہیں ہوتا +

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا یہ بیان ہے کہ مادہ عالم منجملہ صفات باری ہے لہذا وہ عین ذات ہے اور اُس کا خالق اللہ تعالیٰ نہیں ہے ورنہ اپنی ذات کا خود خالق ہوگا اور فنا ہونا مادہ عالم کا بھی متعذر ہے اور عالم پر تقدم ذات باری کو نہیں ہے اور ذات باری دہی ہے +

کیا عجیب سمجھ جناب سید الحاج کی ہے اور کیا عمدہ مقدمات اس میں ترتیب دیئے ہیں کہ شیخ اکبر کی روح خوش ہو گئی ہوگی۔ پھر جو کچھ لکھا ہے محض غلط لکھا ہے۔ جناب بلاشبہ صفات باری اُسکی عین ذات ہیں مگر یہ مسئلہ آپ کی سمجھ سے باہر ہے اس میں آپ کیوں دخل فرماتے ہیں الّا اس قدر آپ کو معلوم کرنا چاہیئے کہ جو کچھ آپ سمجھے ہیں وہ سب غلط ہے اور جو الفاظ آپ نے ارقام فرمائے ہیں وہ میرے نہیں ہیں یہ سب آپ کے دل کے بنائے ہوئے الفاظ ہیں ابھی تو آپ حاجی ہی ہوئے ہیں مگر جب منصور کے رتبہ پر پہونچیئے گا جب میرے اُن فقروں کے معنی سمجھیئے گا جو میں نے صفات و ذات کی عینیت میں لکھے ہیں +

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا بیان ہے کہ نکات بلاغت و اشارۃ النص و دلالۃ النص باطل ہیں +

غلط ہے۔ میرا یہ قول نہیں ہے بلاشبہ میری سمجھ ہے کہ قرآن مجید کے معنی اُسی طرح پر لینے

چاہئیں جس طرح اعراب عرب سمجھے تھے اور جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا ہے یہی مشرب شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے جیسا کہ اُنھوں نے تفسیر فوز الکبیر میں لکھا ہے یہاں تک کہ جو باتیں قواعد نحو مقررہ سیبویہ و فراء کے خلاف قرآن مجید میں ہیں اُن کی تاویل کو بھی شاہ ولی اللہ صاحب نے بیجا قرار دیا ہے اور عرب اوّل کے محاورہ کو خلاف قاعدہ مقررہ نحو قرآن مجید میں تسلیم کیا ہے اور اُسی کو صحیح مانا ہے مگر مجھ کو شبہ ہے کہ جناب سید الحاج مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کو بھی مسلمان جانتے ہیں یا نہیں کیونکہ اہل بدایوں اُن کی بھی تکفیر کرتے ہیں ؛

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے اصول و فروع اسلام سے اپنے اختلاف کا اقرار کیا ہے ؛

یہ الفاظ تو جناب سید الحاج کے دل کے بخارات ہیں مگر بلاشبہ اس زمانہ میں جو مسائل مُسلمانوں میں رایج ہیں اُن میں سے چند مسائل سے مجھ کو اختلاف ہے اس لیئے کہ میری دانست میں وہ مسائل خلاف شرع ہیں اصول و فروع سے اختلاف ہونا جو جناب سید الحاج تحریر فرماتے ہیں یہ محض اتہام ہے ؛

اب میں اُن چند عقیدوں کا ذکر کرتا ہوں جو جناب سید الحاج مولوی علی بخش خاں صاحب نے اپنی طرف سے گھڑ کر لکھے ہیں اور اتہاماً میری طرف منسوب کیئے ہیں ؛

عقیدہ اوّل

جناب سید الحاج نے اس عقیدہ کو میری طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے ایک مادہ اور ایک ذات باری دو چیزوں کو ازلی ٹھہرایا ہے اور لکھا ہے کہ تقدم ذات باری کا مادہ وجود عالم پر نہیں ہے اور پھر لکھا ہے کہ ذات باری خالق مادہ اصلی عالم کی نہیں ہے اور نہ اُسکے فنا پر قادر ہے ؛

ان میں سے ایک بھی میرا عقیدہ نہیں ہے اور نہ میں نے کہیں یہ باتیں بیان کی ہیں جو اُنھوں نے لکھی ہیں محض بہتان اور افترا ہے ؛

ذات اور صفات باری کی نسبت تین مذہب مُسلمانوں میں قدیم سے چلے آتے ہیں۔ایک یہ کہ صفات باری عین ذات ہیں۔دوسرے یہ کہ غیر ذات ہیں۔تیسرے یہ کہ نہ عین ہیں نہ غیر ہیں۔ میں مذہب اوّل کو صحیح سمجھتا ہوں اور اسی قدر میں نے بیان کیا ہے اور اس سے زیادہ جس قدر

بیان ہے وہ سب افترا اور بہتان ہے اور نہ وہ میرے الفاظ ہیں جو جناب سید الحاج نے لکھے ہیں ؛

عقیدہ دوم

جناب سید الحاج اس عقیدہ کو میری طرف منسوب فرماتے ہیں کہ ذات باری علت تامہ وجود ہر شے کی نہیں ہے۔ ذات باری تعالیٰ کو خالق کل شے کہنا حقیقت میں غلط ہو جاویگا گو مجازاً صحیح ٹھہرے ؛

جناب سید الحاج نے مجھ پر یہ سب افترا اور بہتان کیا ہے۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے میں نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ ذات باری تمام کائنات کی علت العلل ہے ؛

عقیدہ سوم

جناب سید الحاج نے اتہاماً میرا یہ عقیدہ ٹھہرایا ہے کہ مادہ عالم کا قیامت کے روز فنا ہونا ممتنع بالذات ہوگا وکل من علیہا فان صحیح نہ ٹھہریگا ؛

جناب سید الحاج نے محض اتہام کیا ہے میرا یہ عقیدہ نہیں میں نے لکھا ہے کہ اگر تمام موجودات کے عوارض نوعیہ یا شخصیہ معلوم ہو جاویں تو جو کچھ باقی رہیگا وہ ناقابل عدم ہوگا وقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ۔ کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربك ذو الجلال والاکرام اس قول کی حقیقت جناب سید الحاج نہیں سمجھے اُن کو شیخ اکبر کی کتابیں پڑھنی چاہئیں اور مسئلہ وحدت وجود کو سمجھنا چاہئیے جب سید اکبر کے قول کو سمجھینگے ؛

عقیدہ چہارم

پھر جناب سید الحاج نے اِس عقیدہ کا میری نسبت اتہام کیا ہے کہ ذات باری مادی ہے یا یوں کہو کہ مادہ اور غیر مادہ سے مرکب ہے یا محل مادہ کا ہے ؛

افسوس ہے کہ جناب سید الحاج کو بہتان پر بہتان لگانے میں کچھ لحاظ نہیں ہوتا۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے بلکہ ایسا اعتقاد رکھنے والے کو میں کافر سمجھتا ہوں ؛

عقیدہ پنجم

بلاشبہ میں ذات اور صفات باری کی عینیت کا قائل ہوں مگر اس عقیدہ میں جناب سید الحاج نے یہ نتیجہ اپنی طرف سے نکالا ہے کہ یہ کہنا غلط ٹھہریگا کہ مفہوم صفات کا باہم متمیز اور متغایر ہے اور اس صورت میں حقیقت علم و قدرت وغیرہ متحد الحقیقت ہوں گے مگر یہ سمجھ خود اُن کی ہے میری نہیں وہ مسئلہ عینیت ذات و صفات کو سمجھے ہی نہیں اس کا علاج یہ ہے کہ کسی سے سیکھیں فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون ؂

عقیدہ ششم

جناب سید الحاج نے بغیر سوچے سمجھے ان لفظوں سے میرا عقیدہ بیان کیا ہے کہ ذات باری کو قانون فطرت کے توڑنے یا تبدیل اور تغیر کرنے پر اختیار نہیں ہے بلکہ ممتنع بالغیر ہو گیا ہے ؂

یہ بالکل اتہام محض ہے قانون فطرت کبھی نہیں ٹوٹتا کیونکہ جو کچھ خدا کرتا ہے وُہی قانون فطرت ہے ؂

نیچر ایک انگریزی لفظ ہے اور وہ ٹھیک مرادف ہے لفظ فطرت اللہ اور قانون قدرت کے ابھی بہت مدت چاہیئے کہ جناب سید الحاج ان لفظوں کے معنی سمجھیں ؂

عقیدہ ہفتم

میری ایک تقریر کا جناب سید الحاج نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دوسرا علت العلل کسی دوسرے عالم کا ممتنع عقلی نہیں ہے ؂

اس میں بھی جناب سید الحاج نے تحریف کی ہے اور مطلب کو اُلٹا بیان کیا ہے مینے بیان کیا ہے کہ مذہب اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ "وہ ہستی جسکو ہم اللہ کہتے ہیں واحد فی الذات ہے یعنی مثل اُسکے دوسری ہستی نہیں اور اُسکے ثبوت میں ایک تقریر کی ہے اور ایجاد عالم سے اُس پر استدلال کیا ہے اور پھر تسلیم کیا ہے کہ اس تقریر پر وہ شبہ جو ابن کمونہ کا ایک مشہور شبہ ہے اور جس کے حل کرنے میں بڑے بڑے علماء عاجز رہے ہیں وارد ہوتا ہے مگر وہ ایک خیالی اور وہمی شبہ ہے بعد یقین دلانے کو کافی نہیں اور مذہب اسلام میں ایسی باتوں پر تکلیف نہیں ہے۔ کجا یہ تقریر اور کجا وہ اتہام جو جناب سید الحاج نے کیا ہے ایسے لفظوں سے جو نیک دل سے نہیں نکل سکتے ؂

عقیدہ ہشتم

اِس عقیدہ میں میری نسبت متعدد اتہام خلط ملط کر کے اُنھوں نے جمع کیئے ہیں اِس لیئے ہم قولہ قولہ کر کے اُسکی تفصیل کرینگے ؛

قولہ - سوائے عقل کے کوئی رہنما نہیں - بے شک عقل رہنما ہے اور اسلام اور کُفر میں جو تمیز کرنیوالی ہے وہ بھی عقل ہے - جناب سید الحاج نے اس کتاب میں عقل سے کام نہیں لیا اسیواسطے غلطی میں پڑے اور اگر دیدہ و دانستہ اتہام کیا ہے تو بھی عقل سے کام نہیں لیا ؛

قولہ - حسن و قبح تمام اشیاء اور احکام کا عقلی ہے نہ شرعی - متقدمین اہل اسلام کے اسکی نسبت دو مذہب ہیں - ایک یہ کہ حسن و قبح تمام چیزوں کا عقلی ہے - دوسرے یہ کہ شرعی ہے میرے نزدیک بلاشبہ پہلا مذہب صحیح ہے ؛

قولہ - لہذا باوجود قانون قدرت کے یعنی نیچر کے بعثت انبیاء کی ضرورت نہیں ہے - غالباً یہ عقیدہ اور یہ سمجھ خود جناب سید الحاج کی ہوگی - نہ میرا یہ عقیدہ ہے نہ میں نے یہ کہا بلکہ بعثت انبیاءً نیچر کی رُو سے ضروری ہے ؛

قولہ - لاکھوں نیچرل اسٹ موجود ہیں اور وہ خود پیغمبر ہیں - میرا تو یہ عقیدہ نہیں ہے شاید جناب سید الحاج اُن کو پیغمبر جانتے ہونگے ؛

قولہ - لندن کے پیغمبروں میں ایڈیسن اور اسٹیل تھے - جس طرح کہ کسی شخص کامل کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ خدائے سخن ہے یا پیغمبر سخن ہے جیسے کہ اس شعر میں ہے ؛

در نظم سہ کس پیمبرانند
فردوسی و انوری و سعدی

اسی طرح ایک مقام پر میں نے اسٹیل اور ایڈیسن کو لنڈن کے پیغمبر کہا ہے مگر جو کہ جناب سید الحاج عقل کو رہنما نہیں سمجھتے اس لیئے وہ سمجھ گئے کہ وہ سچ مچ کے پیغمبر ہیں جو خدا کی طرف سے مذہب لاتے ہیں یا دانستہ اتہام کیا ہے ؛

قولہ - اِس صورت میں ختم ہونا نبوت کا نبی آخر الزمان پر صحیح نہ ہوگا ؛

یہ عقیدہ کفر یہ میرا تو نہیں ہے کیونکہ میں تو تقلید موجودہ کو بھی شرک فی النبوت سمجھتا ہوں مگر غالباً جناب سید الحاج کا یہ عقیدہ ہوگا کیونکہ وہ تقلید موجودہ یعنی شرک فی النبوت کو جائز سمجھتے

ہیں۔ غرضکہ جو امر میری نسبت جناب سید الحاج نے منسوب کیا ہے مَیں تو کہتا ہوں لعنت اللہ علی قایلہ و معتقدہ۔ اُمید ہے کہ جناب سید الحاج فرماویں کرمش باد ✦

عقیدہ نہم

اس عقیدہ کے اتہامات کو بھی ہم قولہ قولہ کر کے بیان کرینگے ✦

قولہ۔ قانون فطرت یعنی نیچر کے خلاف کوئی امر ظہور میں آنا ممکن نہیں ہے لہذا معجزات انبیا پر یقین لانا صحیح نہ ہوگا۔ یہ قول جناب سید الحاج کا محض غلط ہے جو شخص کہ فطرت اللہ اور قانون قدرت اور نیچر کے معنی ہی نہ جانتا ہو اُسکو دخل در معقولات کیا ضرور ہے۔ جناب سید الحاج نے خود اپنی غلطی سے سمجھ لیا ہے کہ معجزات انبیاء خلاف فطرت اللہ یا خلاف نیچر ہیں حالانکہ کوئی معجزہ کسی نبی کا خلاف نیچر اور خلاف فطرت اللہ نہیں ہے صرف ثبوت اُسکے وقوع کا درکار ہے اور جب ثابت ہو کہ فلاں امر واقع ہوا تو بلا شبہ اُسپر یقین کیا جاویگا اور یہ بھی یقین کیا جاویگا کہ فطرت اللہ یعنی نیچر کے مطابق ہے گو کہ اُسکی ماہیت ہماری سمجھ میں نہ آوے کیونکہ ہزاروں کام نیچر کے ایسے ہیں جن کی ماہیت ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ سید الحاج صاحب نے بڑی غلطی کی ہے جو یہ لکھا ہے کہ سب باتیں یعنی معجزات انبیاء قانون فطرت کے توڑنیوالے ہیں حالانکہ وہ قانون فطرت کے پورا کرنیوالے ہیں۔ اور یہ بھی غلطی کی ہے جو یہ لکھا ہے کہ اگر معجزات انبیاء مان لیئے جاویں تو تمام عقلیات کے خلاف اقرار کرنا پڑتا ہے حالانکہ یہ محض غلط ہے ✦

قولہ۔ لامحالہ انبیاء کو اسیقدر سمجھنا چاہیئے کہ وہ نیچرل اسٹ حکیم تھے بلکہ سب سے زیادہ محمد رسول اللہ صلعم نیچرل فیض کے جاری کرنیوالے تھے اور اُمی ہونا اسی واسطے تھا کہ سوائے نیچر کے اُور کسیطرح کا میل نہ ہونے پاوے۔ معلوم نہیں جناب سید الحاج نے الفاظ نیچر اور نیچرل اسٹ کس ارادہ سے لکھے ہیں اگر اِن الفاظ سے اُن کا ارادہ انبیاء کی شان میں اور جناب رسول خدا صلعم کی شان میں کچھ حقارت کرنے کا ہے تو اُسکے مُجرم اور گنہگار خود جناب سید الحاج ہیں نہ مَیں اُس سے بری ہوں انبیاء کو مَیں نیچرل اسٹ حکیم نہیں کہتا مگر بیشک وہ اُس فیض کے جاری کرنے والے ہیں جس کا ذکر خدا نے فرمایا ہے فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا۔ مَیں تو پیغمبروں اور نیچرل اسٹ حکیم میں ایسا فرق سمجھتا ہوں جیسا کہ راعی اور غنم میں میرے اعتقاد میں خلقت انبیاء کی دیگر انسانوں سے ایک نوع جداگانہ ہے بشر صرف اُسکی جنس ہے اور صاحب الوحی ہونا اُسکی فصل ہے اور یہ ایک ملکہ

ہے جو خلقت انبیاء میں پیدا کیا ہے پس جس طرح کہ حیوان اور انسان میں ناطق فصل ہے اسی طرح انسان اور انبیاء میں ذوالوحی ہونا فصل ہے کما قال اللہ تعالیٰ بلسان نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد پس ایسے شخص کی نسبت (جس کا اعتقاد نسبت انبیاء وہ ہے جو جناب سید الحاج کے وہم وگمان میں بھی نہ گذرا ہوگا اور غالباً اب بھی جناب ممدوح اس نکتہ کو نہ سمجھینگے کیونکہ اس نکتہ کے سمجھنے کو نور سینہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روشنی ملنی چاہیئے جب سمجھ میں آتا ہے) کیسا بہتان اور کتنا بڑا اتہام ہے۔ بلاشبہ رسول خدا صلعم کے اُمّی ہونے میں بڑی حکمت یہی تھی کہ خاص ذات باری کا فیض پہونچے نہ اَور کسی کا مگر اس فیض کا لکف تا نچشی نہ دانی ؏

عقیدہ دہم

اِس عقیدہ میں بھی میری نسبت کسی قدر اتہام بہ تحریف مراد جناب سید الحاج نے ارقام فرمائے ہیں جن کو میں بیان کرتا ہوں ؏

قولہ۔ ملائکہ سے مراد قوائے انسانی ہیں۔ میرا یہ قول ہے کہ ملک کے لفظ کا قوائے انسانی پر بھی اطلاق ہوا ہے اور میں نے کسی ایسے وجود کا جو علاوہ انسان کے ہو اور ملک کا اطلاق جس پر کیا جاوے انکار نہیں کیا ہے ؏

قولہ۔ شیطان کا وجود نہیں۔ میں شیطان کے وجود کا قائل ہوں مگر انسان ہی میں وہ موجود ہے خارج عن الانسان نہیں اگرچہ میرا ارادہ ہے کہ میں اس عقیدہ سے رجوع کروں کیونکہ اس زمانہ میں بہت سے شیطان مجسم دکھائی دیتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ اَور اکابر بھی وجود شیطان خارج عن الانسان کے منکر ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

نفس شیطاں ہم ز اصل واحدے
بُود آدم را حسود و ساجدے

عقیدہ یازدہم

اس عقیدہ میں عجیب خلط بحث کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا قصداً لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنا چاہا ہے گو ہم اُن کے قولوں کو نقل کرتے ہیں ؏

قولہ۔ بغیر لحاظ اصول تفسیر اور بدون اعتبار اقوال جمہور مفسرین و شان نزول کے قرآن کے معنی اپنی رائے سے کہنے جائز ہیں۔ جناب سید الحاج کا یہ قول تمامتر اتہام ہے اور اصلی مطلب کو تحریف کیا ہے اصول تفسیر کو میں انسانوں کے بنائے ہوئے قاعدہ سمجھتا ہوں خدا کی طرف سے وہ قاعدے نہیں اُترے اقوال مفسرین و شان نزول آیات کی جن کی سندیں موجود ہیں وہ معتبر ہیں۔ جن کی سندیں نہیں ہیں وہ معتبر نہیں ہیں۔ پس یہ سیدھی بات ہے جسکو جناب سید الحاج نے تحریف کیا ہے ✦

قولہ۔ اور قرآن کے معنی جس قدر نیچر اور فلسفہ کے خلاف ہوں اُسکو خواہ مخواہ نیچر اور فلسفہ کے اقوال سے ملا دینا چاہیئے۔ یہ ایسی تقریر ہے جیسیکہ ایک جلا ہوا کسی شخص کی اچھی بات کو بھی بُرا کرکے دیکھاتا ہے۔ فلسفہ قدیم تو ایک لغو چیز ہے اُسکے مطابق تو قرآن کا ہے کو ہونیگا مگر فطرت اللہ بیشک نہایت عمدہ اور مستحکم چیز ہے اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ نہ قرآن اُسکے برخلاف ہے اور نہ وہ قرآن کے برخلاف۔ مگر جناب سید الحاج نے جلے کٹے لفظوں میں اُسکو بدصورت کرکر دکھایا ہے ✦

قولہ۔ مقدم تر واسطے یقین لانے کے قول فلاسفہ یورپ کا ہے اُسکے موافق جو آیت قرآن کی نہو وہ جس طرح ہو سکے مطابق کر دینی چاہیئے۔ یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کسی کا مونھ چڑائے اور یہ نہ سمجھے کہ چڑانے والے ہی کا مونھ ٹیڑھا ہوتا ہے واقعیت اور حقیقت وہ شے ہے جو قابل تقدم ہے اور قرآن مجید کا اُس سے مخالف ہونا محالات سے ہے اور اُسی کی تطبیق کرنا ہمارا طریق ہے۔ جناب سید الحاج جو چاہیں اُس کا نام رکھیں آیندہ دیکھکر مونھ چڑانے سے کسی دوسرے کا نقصان نہیں ہے ✦

عقیدہ دوازدہم

اس عقیدہ میں جناب سید الحاج نے تین باتیں میری نسبت کہی ہیں۔ ایک یہ کہ توریت اور انجیل پر مضبوط اعتقاد ہے۔ ان لفظوں کے معنی میں نہیں سمجھا اگر یہ مطلب ہے کہ جیسا قرآن مجید میں اُن پر اعتقاد رکھنے کا حکم ہے ایسا اعتقاد ہے تو یہ صحیح ہے۔ اور اگر کوئی اور معنی اُنہوں نے قرار دیئے ہیں تو غلط ہے۔ دوسری تحریف لفظی اُن میں نہیں ہوئی۔ ہاں یہ سچ ہے میں تحریف لفظی کا قائل نہیں بلکہ تحریف معنوی کا قائل ہوں مگر محمد اسمٰعیل بخاری بھی تحریف لفظی کا قائل نہیں۔ تیسرے اور وہ سب صحیح اور درست ہے۔ اگر اس سے یہ مطلب ہے کہ انجیل میں جو کچھ

لکھا ہے وہ سب صحیح اور درست ہے تو تو جناب سید الحاج کا یہ اتہام ہے اور اگر اَور کچھ مطلب ہو تو وہ میں سمجھا نہیں ؛

عقیدہ سیزدہم

اس عقیدہ میں نعیم جنت اور وعید دوزخ کو بیان کر کر میرا یہ عقیدہ لکھا ہے کہ یہ سب چیزیں اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہیں۔ جناب سید الحاج کے نزدیک اگر حور کی یہی حقیقت ہے جیسیکہ ایک خوبصورت رنڈی اور غلمان کی یہ حقیقت ہے جیسیکہ ایک خوبصورت لونڈا۔ تو تو بلاشبہ مَیں کہتا ہوں کہ اس حقیقت پر وہ محمول نہیں ہیں اور اگر اَور کوئی حقیقت ہو تو اُسکو جناب سید الحاج نے بیان نہیں کیا میرا اعتقاد نعیم جنّت کی نسبت اور علیٰ ہذا القیاس وعید جہنم کی نسبت یہ ہے کہ لاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر ؛

قولہ۔ علوم عقلیہ کے خلاف کوئی حکم معاد قابل تسلیم نہیں ہے۔ اس قول میں بھی اُلٹی راہ چلے ہیں۔ میرے نزدیک کسی حکم معاد کی صحت پر امتناع عقلی نہیں ہے ؛

عقیدہ چہاردہم

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے ہر فعل کا مختار ہے۔ مسئلہ بین الجبر والاختیار کا غلط ہے۔ اِس مطلب کو بھی بگاڑ کر بیان کیا ہے۔ بیشک میرے نزدیک بین الجبر والاختیار تو کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان اپنی جبلت اور فطرت میں مجبور اور اپنی قدرت میں مختار ہے خدا کرے کہ ان لفظوں کا مطلب جناب سید الحاج سمجھ لیں ؛

عقیدہ پانزدہم

کوئی حدیث قابل یقین نہیں ہے لہذا عمل کرنا کسی حدیث پر یا سنت نبوی قرار دینا غلطی ہے اس عقیدہ میں تحریف اور اتہام دونوں کو دخل دیا ہے۔ کوئی حدیث قابل یقین نہیں۔ اسکی جگہ یہ کہنا چاہیئے کہ خبر احاد مفید ظن ہے مفید یقین نہیں اور پچھلا فقرہ بالکل اتہام ہے۔ مَیں عمل احادیث پر بلحاظ مراتب اُن کے ثبوت کے لازم سمجھتا ہوں ؛

عقیدہ شانزدہم

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا عقیدہ ہے کہ اجماع است یا اتباع جمہور مسلمین کا یا سند ثانی کسی عالم کے قول سے بیجا ہے اجماع قابل حجت نہیں۔ اس عقیدہ میں بھی سچائی کو تبدیل کیا ہے یوں کہنا چاہیئے کہ اجماع امت یا اتباع جمہور مسلمین یا اجماع جس کی سند قرآن مجید اور حکم پیغمبر صلعم سے نہو قابل حجت نہیں اگرچہ کوئی مسئلہ غیر منصوصہ ایسا نہیں ہے جس پر اجماع اُمت یا اتفاق مسلمین یا اجماع ہوا ہو بلکہ تمام مسائل غیر منصوصہ مختلف فیہ ہیں ؛

عقیدہ ہفتدہم

اس عقیدہ میں بھی جناب سید الحاج نے اپنی معمولی کارسازی کی ہے جیسا کہ تفصیل ذیل سے ظاہر ہوتی ہے ؛

قولہ۔ اصول فقہ واجتہادیات مجتہدین وقیاسات آئمہ دین ومسئلہ رجم کو صحیح سمجھنا غلط اور ظلمت اور ضلالت ہے۔ میرا یہ قول ہے کہ اصول فقہ علما کے بنائے ہوئے قاعدے ہیں منزل من اللہ نہیں اجتہادیات اور قیاسات آئمہ دین کے یحتمل الخطا والصواب ہیں اُن کا درجہ مثل وحی منزل من اللہ کے نہیں۔ مسئلہ رجم قرآن مجید میں نہیں ہے اگر ہو تو جناب سید الحاج دکھلادیں بشبر طیکہ یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ پر عمل نفرماویں ؛

قولہ۔ تقلید کرنا کسی بشر کی کفر اور شرک ہے صحابہ ہوں خواہ اہلبیت رضی اللہ عنہم اجمعین خواہ آئمہ اربعہ کسی کی تقلید کرنا نہ چاہیئے۔ جو الفاظ تشدد کے جناب سید الحاج نے ارقام فرمائے ہیں یہ سب دل کے بخارات ہیں جو اُمنڈتے ہیں میرا تو صرف یہ عقیدہ ہے کہ سوائے رسول خدا صلعم کے کسی کی تقلید واجب نہیں ہے اور سوائے رسول خدا صلعم کے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا قول وفعل دینیات میں بلا دلیل حجت ہو اور جو شخص کسی کو ایسا سمجھے وہ مشرک فی النبوت ہے ؛

عقیدہ ہژدہم

جناب سید الحاج نے جو تحریفات اس عقیدہ میں کی ہیں وہ حسب تفصیل ذیل ہیں ؛

قولہ۔ کوئی مسئلہ شرعیہ قابل قبول نہیں ہے جو نیچر کے مطابق اور علوم جدیدہ عقلیہ کے موافق

نہ ہو۔ یہاں بھی جناب سید الحاج نے اُلٹی راہ اختیار کی ہے میرا یہ قول ہے کہ کوئی مسئلہ شرعی یعنی فطرت اللہ کے برخلاف نہیں ہے اور علوم حقہ اور اسلام میں اختلاف نہیں ہے ؛

قولہ ۔ بغیر وحی کے جو کچھ رسول خدا صلعم اپنی رائے سے فرماتے تھے وہ بھی قابل اتباع نہیں اس عقیدہ میں ایسی تحریف کی ہے کہ زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین بنا دیا ہے ۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ احکام دین سے جو کچھ کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا یا کیا وہ سب وحی سے فرمایا اور وحی سے کیا اور وہ سب واجب الاتباع ہے اور نسبت اُمور دنیا کے خود رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم اس سے زیادہ اَور کوئی میرا عقیدہ نہیں ؛

استرقاق یعنی غلامی کا جو ذکر جناب سید الحاج نے کیا ہے اُس کے ابطال کو تو وحی منزل من اللہ کتاب اللہ میں موجود ہے ؛

عقیدہ نوزدہم

اس عقیدہ میں جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ غزوات اور جہاد سے مراد یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم سے قتال کرے جیسے کہ مثلاً جرمن اور فرانس میں لڑائی ہوئی ۔ یہ تحریر میرے عقیدہ کی نسبت جناب سید الحاج کی غلط اور بالکل غلط اور سرتاسر اتہام ہے تمام غزوات صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لیئے ہوئے تھے نہ لونڈیوں اور لونڈوں کی لالچ سے جس کے اثبات کے درپے جناب سید الحاج ہو رہے ہیں ؛

عقیدہ بستم

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سیرت ہشامی اور ابن اسحٰق وغیرہ سب واہیات اور الف لیلے اور مہابھارت کے برابر ہیں ۔ بلاشبہ میں ان کتابوں کو نہایت غیر معتبر جانتا ہوں ہزاروں روایتیں غلط اور بے سند اُن میں مندرج ہیں اور کچھ روایتیں صحیح بھی ہیں ؛

عقیدہ بست ویکم

جناب سید الحاج نے میرا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے کہ جس قدر کتب حدیث و تفسیر و فقہ و اصول فی زماننا پڑھائی جاتی ہیں اُن سے سوائے فساد مذہب اور بدتہذیبی اور خرابی دنیا اور عقبی کے

کچھ فائدہ نہیں ۔لہٰذا اُن کی تعلیم قطعاً موقوفی کے لایق ہے ۔ جو کلمات کہ جناب سید الحاج نے اس عقیدہ میں ارقام فرمائے ہیں وہ توسب اُن کے دل کے بخارات ہیں وہ الفاظ میرے نہیں ہیں ہاں میرے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ علم کلام جو حکمت یونان کے مقابل میں بنایا گیا تھا اس زمانہ میں محض بیکار ہے اور علما پر فرض ہے کہ علم کلام کو از سر نو اس طرح پر تدوین کریں کہ وہ بمقابلہ حکمت اور علوم جدیدہ کے جو اس زمانہ میں رائج ہیں بکار آمد ہو۔ کتب تفسیر میں جو بے سند حدیثیں اور بے سند قصتے اور کہانیاں لکھدی ہیں اُن میں جو جو بہی غلط اور موضوع ہیں اُن کی تنقیح ضرور ہے ۔ مَیں کہتا ہوں کہ قرآن مجید اور احادیث کا پڑھنا صرف عمل کرنے کے لیئے مقصود ہے ۔ مگر اس زمانہ میں اُسپر عمل کرنے کے لیئے نہیں پڑھا جاتا کیونکہ بسبب اُس تقلید کے جسکو مَیں ضلالت کہتا ہوں کوئی حکم کیسا ہی صاف اور روشن قرآن و حدیث میں موجود ہو مگر تقلید یہ اُسپر عمل نہیں کرینگے تو پھر اُن کے پڑھنے سے کیا فائدہ ہے ۔ بخاری طاق میں رکھی رہی کسی کے سینہ میں رکھی رہی دونوں برابر ہیں ۔ دیکھو مثلاً جو حدیثیں حنفی مذہب کے خلاف بخاری میں ہیں حنفی اُسپر عمل کرنے کو بدعت یا ضلالت سمجھتے ہیں اور زبان سے بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہتے ہیں ۔ پس ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ بخاری کی جن حدیثوں پر تمنے یا تمہارے امام صاحب نے عمل نہیں کیا آیا اُن کو امام صاحب نے یا تمنے کیا سمجھا ۔ حدیث رسول اللہ سمجھا یا نہیں ۔ اگر حدیث رسول اللہ سمجھا اور پھر عمل نہ کیا تو یہ کیسا ایمان ہے اور اگر اُسکو حدیث رسول اللہ ہی نہیں سمجھا بلکہ اُسکو یوں ہی ایک ضعیف قول سمجھ لیا یا حدیث تو سمجھا مگر نا قابل عمل تو پھر صرف میرا ہی کیا قصور ہے ۔ میں نے تو سیرت ہشامی کو ہی ضعیف کہا تھا ۔ تمنے اور تمہارے امام صاحب نے تو بخاری کو رطب و یابس اقوال کا مجموعہ سمجھ لیا ہے پھر اُسکو زبان سے اصح الکتب کہنا اور درحقیقت اپنی رائے کو بخاری کی حدیثوں پر ترجیح سمجھنا کیسی بیہودہ بات ہے اسی لیئے مَیں یہ کہتا ہوں کہ قرآن و حدیث عمل کرنے کے لیئے پڑھو اور جو مسئلہ اُس میں پاؤ اُسپر عمل کرو خواہ وہ شافعی کے مطابق ہو خواہ حنفی کے اور اگر عمل کرنے کے لیئے نہیں پڑھتے تو اُن کا پڑھنا محض بے فائدہ ہے اور مَیں کچھ شک نہیں کرتا کہ جس کا دل نور ایمان سے منور ہے وہ یقینی میرے اس قول کو حق سمجھیگا +

عقیدہ بست و دوم

جناب سید الحاج نے جو خدا ناترسی اس عقیدہ کے بیان کرنے میں کی ہے میں سمجھ نہیں سکتا کوئی انسان کبھی پر کیونکر ایسا اتہام کرسکتا ہے خیر جو اُن کے قول ہیں وہ لکھتا ہوں ✤

قولہ۔ جب علوم جدیدہ کے یا انگریزی کے پڑھنے سے معلوم ہو کہ مذہب اسلام میں ضعف پیدا ہوگا تو مذہب اسلام کا ترک کردینا لازم ہے۔ میں اسکے جواب میں کہتا ہوں کہ جس شخص نے یہ بات کہی ہو اور جس کا یہ اعتقاد ہو اُسپر خدا کی لعنت ہو اور اتہام کرنے والے سے خدا مواخذہ کرے جس مواخذہ کے وہ لایق ہے۔ ہزاروں آدمیوں کو یہ خیال ہے کہ انگریزی پڑھنے سے اور علوم جدیدہ سیکھنے سے عقیدہ اسلام میں ضعف آجاتا ہے یا دہریہ اور لامذہب ہوجاتا ہے میں نے کہا اگر مذہب اسلام تمہارے نزدیک کوئی ایسا بودا مذہب ہے کہ علوم جدیدہ پڑھنے سے اسمیں ضعف آتا ہے تو اس مذہب ہی کو چھوڑدو جس کا علانیہ یہ مطلب ہے کہ مذہب اسلام ایسا نہیں ہے مذہب اسلام نہایت سچا ہے اور اسکے اصول نہایت پختہ ہیں نہ انگریزی پڑھنے سے اسمیں ضعف آتا ہے نہ علوم جدیدہ پڑھنے سے الحاد پیدا ہوتا ہے مگر چونکہ ہمارے جناب سید الحاج کا دل کفر کی طرف زیادہ مائل ہے اس لیئے اُنھوں نے اس عمدہ مطلب کو برعکس بیان کیا ہے ✤

قولہ۔ کتب دینی کا پڑھانا واسطے قایم رکھنے عقاید کے نہیں چاہیئے۔ جناب سید الحاج نے محض غلط کہا ہے اور میرے مطلب کو بالکل بدل دیا ہے میری یہ رائے ہے کہ جو اختلاف کہ مسائل مذہبی اور علوم جدیدہ میں بظاہر معلوم ہوتا ہے اور جس کے سبب لوگ مذہب سے بدعقیدہ ہوجاتے ہیں اُسکی حفاظت کے لیئے کتب موجودہ کافی نہیں ہیں بلاشبہ علم کلام ازسرنو تدوین ہونا چاہیئے جو علوم جدیدہ کے مقابلہ میں بکار آمد ہو ✤

عقیدہ بست وسوم

اس عقیدہ کے بیان میں بھی جناب سید الحاج اپنی کارسازی سے نہیں چوکے۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ صرف قرآن کے احکام منصوصہ قابل تسلیم ہوسکتے ہیں بشرطیکہ نیچر اور علوم جدیدہ کے مطابق ہوں جو شرط کہ جناب سید الحاج نے لگائی ہے غالباً وہ خود اُن کا عقیدہ ہوگا۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ قرآن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو فطرت اللہ یعنی نیچر اور اُس کے کارخانہ قدرت کے برخلاف ہو ✤

قولہ۔ بہشت میں جانے کے واسطے قید عمل الصالحات کی لگانی باطل ہے۔ میں تو کسی قید کو باطل

نہیں کہتا مگر تین باتیں بلاشبہ کہتا ہوں۔ ایمان لانا بلاشبہ ذریعہ نجات ہے بخشش کے لیے اعمال پر گھمنڈ نہیں چاہیئے۔ خدا کی رحمت پر بھروسا ہے۔ سوائے شرک کے سب گناہوں کو خدا معاف کریگا۔ غالباً کوئی مسلمان سوائے جناب سید الحاج کے ایسا نہ ہوگا جو ان تینوں باتوں پر اعتقاد نہ رکھتا ہوگا۔ قال رسول اللہ صلعم من قال لا الٰہ الا اللہ مستیقنا بہا قلبہ فدخل الجنۃ وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر ؛

عقیدہ بست و چہارم

اس عقیدہ میں تو جناب سید الحاج نے قیامت ہی کردی ہے کیونکہ جھوٹ لکھنے اور اتہام کرنے کی کوئی حد باقی نہیں رہی نہ خدا کا خوف کیا ہے نہ رسول سے شرم کی ہے اس لیئے ہم اُن کے الفاظ موٹے قلم سے لکھتے ہیں اور اُس کے قایل پر لعنت بھیجتے جاتے ہیں تاکہ جو اُسکا مستحق ہو اُس کے اوپر پڑے ؛

قولہ۔ کوئی فعل اگرچہ شعار کفر ہی میں سے کیوں نہ ہو مثلاً۔

انکار کرنا نبوت انبیاء سابقین کا

لعنت اللہ علی قایلہ و علی معتقدہٖ

یا کتب سماویہ سابقہ کا ؛ یا وجود ملائکہ کا

لعنت اللہ علی قایلہ و علی معتقدہٖ ۔ لعنت اللہ علی قایلہ و علی معتقدہٖ

یا معاذ اللہ قرآن شریف کا عمداً بول و براز میں آلودہ کردینا یا پھینک دینا

لعنت اللہ علی قایلہ و علی معتقدہٖ

یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانا باوجود قطعیت نص کے

لعنت اللہ علی قایلہ و علی معتقدہٖ

یا کسی نبی کو معاذ اللہ گالی دینا

لعنت اللہ علی قایلہ وعلی معتقدہٖ

یا بہشت و دوزخ اور قیامت آنے کا منکر ہو جانا

لعنت اللہ علی قایلہ وعلی معتقدہٖ

یا ضروریات دین کا انکار کرنا

لعنت اللہ علی قایلہ وعلی معتقدہٖ

کسی آدمی کو کافر نہیں بناتا

کہاں ہیں میرے یہ اقوال اور کہاں ہیں میری یہ تمثیلیں جو جناب سید الحاج نے ـــــ کو بھی بات کر کر میری نسبت منسوب کیے ہیں۔ میرا قول وہی ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے لا نکفر اھل القبلۃ۔ میرا وہی قول ہے جو تمام اکابر دین کا ہے کہ اصل ایمان تصدیق قلبی ہے اور جب تک کہ وہ تصدیق انسان کے دل میں ہے کوئی فعل اُس کا اُسکو بینہ وبین اللہ کافر نہیں کرتا۔ دیکھو کہ جناب سید الحاج برابر کفر کا اتہام کرتے ہیں مگر ہم بدستور اُن کو مسلمان اور نیک اور حاجی اور سید الحاج سمجھتے ہیں اور اُن کے کسی فعل سے اُن کو کافر نہیں کہتے ؎

نسبت سجدہ بت و قشقہ کے میں نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ زنار کی نسبت بہ تحت بیان حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم کے یہ لکھا ہے کہ بعض عالموں نے مشابہت سے مشابہت فی خصوصیات الدین مراد لی ہے مثلاً زنار پہننا یا صلیب رکھنا یا ٹیکہ لگانا یا اعیاد کفار کو بطور عید اختیار کرنا یا اُس میں شریک ہونا۔ اگرچہ یہ رائیں کسی قدر عمدہ معلوم ہوتی ہیں مگر میں اُن کو پسند نہیں کرتا اور نہ حدیث کی یہ مراد قرار دیتا ہوں اس لیئے کہ میرے نزدیک قطعیات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر دل سے یقین رکھتا ہے اُسکا کوئی فعل مع یقین مذکور کے اُسکو کافر نہیں کر سکتا۔ پس اگر اُس قول پر جس پر ابو جہل کی نجات منحصر تھی اُسکو یقین ہے تو گو وہ کسی قوم کے ساتھ تشابہ کرے ولو فی خصوصیات الدین وشعایر الکفر کالزنار

والصلیب دیلا اعیاد وہ کافر نہیں ہو سکتا۔ کیا ہم دیوالی و سہرہ میں اپنے ہندو دوستوں سے اور نوروز میں اپنے پارسی دوستوں سے اور بڑے دن میں اپنے عیسائی دوستوں سے ملکر اور معاشرت و تمدن کی خوشی حاصل کرکر کافر ہو جاوینگے۔ نعوذ باللہ منہا ؛

بت کو سجدہ کرنا سیتلا کے تھان کو سجدہ کرنا۔ مدار صاحب کی چھڑیوں کو پوجنا۔ اولیاء اللہ کی قبروں کو سجدہ کرنا۔ اُن کا طواف کرنا سب برا ہے۔ ہزاروں مسلمان یہ باتیں کرتے ہیں مگر تو اُن کو کافر نہیں جانتا کیونکہ مسجود میں جب تک الہ ہونے کا یقین نہ ہو اُس وقت تک اُن کے سجدہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ ہاں بلا شبہ نہایت سخت گناہ کبیرہ ہے اور یہی تحقیق علمائے محققین کی ہے۔ خدا کرے کہ ہمارے زمانہ کے جناب سید الحاج نیک دلی سے ان امور پر غور کریں ؛

عقیدہ بست و پنجم

جناب سید الحاج نے اس عقیدہ میں جو اتہام کیئے ہیں وہ بھی قولہ قولہ کرکے بیان کیئے جاوینگے ؛

قولہ۔ ترک دنیا و زہد و کسر نفس و شب بیداری و روزہ داری۔ کثرت نماز نفل وغیرہ اذکار و اشغال و وظائف جس قدر کہ معمول اور مرسوم ہیں سب بیفائدہ ہیں۔ مگر جناب سید الحاج نے یہ عقیدہ اپنا بیان کیا ہے تو خیر جو عقیدہ اُن کا ہو وہ ہو۔ اور اگر میرا عقیدہ بیان کیا ہے تو میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ رہبانیت اسلام میں ممنوع ہے۔ لا رھبانیۃ فی الاسلام۔ اور سوائے اوراد ماثورہ کے اور سوائے اُس زہد و تقویٰ کے جس کی ہدایت جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور سب بدعت ہے ؛

قولہ۔ مثلاً روزہ تیس روز کا بالخصوص رمضان میں وہ بھی گرمی کے موسم میں فرض نہ ٹھہرے گا۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علے معتقدہ۔ میرا یہ قول وہ عقیدہ نہیں ہے۔ جتنے روزے کہ فرض اور سُنت ہیں وہ بالکل نیچر کے مطابق ہیں۔ ہاں بدعتیوں نے جو بغیر اللہ روزے نکالے ہیں جیسے سوا پہر کا روزہ علی مشکل کشا کا اور تین تین کاٹے کا روزہ اور مثل اُسکے اُن کو بدعت اور خلاف نیچر جانتا ہوں ؛

قولہ۔ تھوڑی سی بھی شراب جو پکا متوالا نکردے یا اُس قدر جوا کھیلنا جو بے قید نہ بنا دے حرام اور ممنوع نہ ہوگا۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے ؛

قولہ - تصویر مجسم بنانا جو واسطے یادگاری کے ہو حرام اور ممنوع نہ ہوگا - میں نے اس امر کی نسبت کہ تصویر مجسم یا غیر مجسم شرعاً جائز ہے یا غیر جائز کبھی کچھ نہیں کہا - ہاں میں اس قسم کی یادگاریوں کو پسند کرتا ہوں اگر وہ شرعی گناہ ہیں تو میرا اُن کو پسند کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ میں شامت اعمال سے اور گناہ کی باتوں کو پسند کرتا ہوں ؛

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو

آں کس کہ گنہ نکرد چوں زیست بگو

قولہ - قرآن شریف میں صرف لفظ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا وارد ہے اُس کی زیادہ تصریح نہیں ہے الی قولہ - اسی طرح نماز مرسوم اور معمول کو اختیار کیا جاوے تو وہی ظلمت اور ضلالت تقلید کی اور کفر محض کا اختیار کرنا ہوگا - لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ نہ میرا یہ قول ہے اور نہ میرا یہ اعتقاد ہے ؛

قولہ - صلوٰۃ سے مراد مطلق دعا پڑھ لینی ہوگی اور وہی واسطے ادائے فرض کافی ہے باقی جو ترکیب صلوٰۃ پنجگانہ کی مقرر ہے وہ اصول مخترعہ و فقہ محدثہ و احادیث موضوعہ و اجماع مردود کا اتباع ہے اور اسی کا نام کفر ہے - لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ - نہ میرا یہ قول ہے اور نہ میرا یہ اعتقاد ؛

قولہ - باقی رہی زکوٰۃ - اُسکی مقدار بقدر چالیسویں حصہ مال کے مقرر کرنی اور اُسکے مسائل سے فتاوہائے فقہیہ کا معمور ہونا وہی ظلمت اور ضلالت - کفر اور شرک ہے - لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ - نہ میرا یہ قول ہے نہ میرا یہ اعتقاد ہے ؛

قولہ - حج خانہ کعبہ الخ - حج خانہ کعبہ کو میں فرض سمجھتا ہوں من استطاع الیہ سبیلا مگر سودی روپیہ قرض لیکر مکہ جانے سے لندن کا جانا بہتر جانتا ہوں اور حاجی جی کہلانے کی خوشی حاصل کرنے کو اور اُس خوشی میں پھولنے کو اور جھوٹی بشارات بیان کرنے کو اور کسی خادم کے فریب میں آکر سند اور خطاب لینے کو اور اُن جھوٹی باتوں پر ناز کرنے کو البتہ میں حرام سمجھتا ہوں ؛

جو بدعات کہ مکہ معظمہ میں ہوتی ہیں اور جو خلاف شرع رسول خدا صلعم ہیں وہ اس وجہ سے کہ مکہ والے کرتے ہیں جائز نہیں ہو سکتیں لونڈی اور غلام جس طرح کہ مکہ میں بیچے جاتے ہیں اور خواجہ سرا بنائے جاتے ہیں اور مکہ معظمہ اور روضہ منورہ جناب رسول خدا صلعم میں خواجہ سرا معین ہیں یہ سب خلاف شرع ہیں اور جو مسلمان ہیئے کے پھوٹے اور دل کی آنکھوں کے اندھے اُن کو اچھا جانتے

ہیں محض جاہل ہیں۔ روضہ مطہرہ رسول خدا صلعم پر خواجہ سراؤں کا متعین کرنا میری انست میں
ایسی بے ادبی ہے کہ اُس سے زیادہ اَور کوئی بے ادبی نہیں ہو سکتی۔ وللناس فیما یعشقون
مذاہب ؛

عقیدہ بست و ششم

آیت خلق سبع سموات طباقا سے مراد سات آسمان نہیں ہیں بلکہ یہ آیت علوم
جدیدہ کے خلاف ہے۔ یہ اعتقاد جناب سید الحاج کا میرے اعتقاد میں تو علوم جدیدہ بالکل اُس
آیت کے مطابق ہیں ؛

عقیدہ بست و ہفتم

جو ترتیب پیدایش انسان کے نطفہ سے بچہ تک قرآن شریف میں وارد ہے اور مفسرین نے
معنی اُسکے بیان کیئے ہیں وہ علوم جدیدہ کے خلاف ہے لہذا نا قابل تسلیم ہے۔ لعنت اللہ علی
قایلہ وعلی معتقدہ۔ میرا تو یہ قول ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ وارد ہے وہ بالکل تشریح اور علوم
جدیدہ کے مطابق ہے مگر مفسرین نے اُس کے معنی بیان کرنے میں غلطی کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ
جناب سید الحاج خدا کو اور مفسرین کو یا پیغمبر صلعم کو اور مفسرین کو ایک مرتبہ میں سمجھتے ہیں اور اس لیئے
قرآن اور تفسیر میں کچھ فرق نہیں کرتے ؛

عقیدہ بست و ہشتم

منخنقہ کی حرمت قرآن میں منصوص نہیں ہے لہذا حلال ہے۔ لعنت اللہ علی قایلہ وعلی
معتقدہ۔ یہ لعنت اسواسطے کہی ہے کہ اِس عقیدہ میں جو عام لفظ بیان کیئے ہیں وہ کذب اور
اتہام ہے۔ میرا ہرگز اعتقاد نہیں ہے کہ عموماً منخنقہ حلال ہے۔ یہ بھی مَیں نے نہیں کہا کہ حرمت
منخنقہ منصوص نہیں ہے صرف ایک خاص آیت کے معنوں میں بحث کی ہے کہ اس خاص آیت میں
طیور منخنقہ کی حرمت منصوص نہیں ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ اگر کوئی شخص یہ بات کہے کہ آیۂ کریمہ
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ
عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ میں حرمت زنا منصوص نہیں اور اُس شخص کا عقیدہ جناب سید الحاج

یہ قرار دیں کہ اُس کے عقیدہ میں زنا کی حرمت قرآن میں منصوص نہیں ہے جناب سید الحاج کو مسلمان پر اتہام کرنے میں خدا خدا کا بھی ڈر کرنا چاہیئے ؛

عقیدہ بست و نہم

ایک سے زیادہ ازواج منع ہیں - لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ ؛

عقیدہ سی ام

معراج جسمانی بے اصل ہے صرف خواب میں مسجد اقصیٰ نظر آگئی تھی وغیرہ - اور شق صدر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی بے اصل ہے - ضد سے ایک شخص دوسرے کی بات کو بگاڑ کر اور صلیت چھپا کر دوسرے پیرایہ میں بیان کر سکتا ہے - اصل اسکی صرف اتنی ہے کہ نسبت معراج جناب رسول خدا صلعم کے تین مذہب ہیں - اوّل - مذہب حضرت عائیشہ صدیقہ اور بعض صحابہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ معراج روحانی تھی نہ جسمانی ؛

دُوسرا - مذہب چند اکابر دین کا ہے - اور وہ یہ ہے کہ معراج بیت المقدس تک جسمانی تھی اور وہاں سے ملاء اعلےٰ تک روحانی ؛

تیسرا - مذہب عام جو سب میں مشہور ہے کہ تمام معراج جسمانی تھی ؛ میری یہ رائے ہے کہ جہاں تک اس مسئلہ پر اور قرآن مجید و احادیث پر غور کیا جاتا ہے تو مذہب حضرت عائیشہ صدیقہ کا ٹھیک اور درست معلوم ہوتا ہے وُہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے - پس جو شخص اس معاملہ میں جو الفاظِ طنز میری نسبت کہتا ہے درحقیقت حضرت عائیشہ صدیقہ اور بعض صحابہ کی نسبت کہتا ہے جن کا وہ مذہب ہے ؛

شق صدر کی نسبت بھی چند مذہب ہیں بعضوں کا قول ہے کہ پانچ دفعہ شق صدر واقعہ ہوا اکثروں کا قول ہے کہ ایک دفعہ ایام طفولیت میں واقع ہوا - پادریوں نے ان روایات ضعیفہ غیر معتبر کی بنا پر یہ استدلال کیا ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو صرع کی بیماری تھی اور حالت صرع میں جو کیفیت واقع ہوتی تھی اُسی کو راویوں نے شق صدر تعبیر کیا ہے - مَیں نے ان تمام روایتوں کی بقدر اپنی طاقت کے تحقیقات کی اور معلوم ہوا کہ وہ روایتیں محض نا معتبر ہیں - تیسرا مذہب محققین کا یہ تھا کہ واقعہ شق صدر ایک جزو ہے اُن تمام واقعات کا جو شب معراج کو واقع ہوئے تھے یہی

روایت میرے نزدیک صحیح و معتبر تھی۔ یہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے۔ پس اب جناب سید الحاج اپنے دل کے بخارات نکالنے کو جو چاہیں سو لکھیں۔ خدا اُن سے سمجھے گا۔ اور جو کہ وہ دلوں کا حال جاننے والا ہے اُسکے سامنے ریاکاری کسی کی پیش نہ جاویگی میں اپنے اعمال و نیت کی ضرور جزا یا سزا پاؤں گا۔ اور جناب سید الحاج اپنے اعمال و نیت کی ضرور جزا یا سزا پاویں گے۔ نہ وہ میری قبر میں سووینگے نہ میں اُن کی قبر میں سوؤں گا۔ پس اتنی بات کو جتنا وہ چاہیں بڑھا کر لکھیں +

مجھے امید ہے کہ جو کوئی میری اس تحریر کو دیکھیگا تعجب کرے گا کہ جناب سید الحاج نے کیوں ایسے سخت اور محض غلط بہتان مجھ پر کیئے ہیں۔ مگر ظاہرا اُسکے دو سبب معلوم ہوتے ہیں۔ اوّل صرف اُس خیالی اور بے اصل خوشی کا حاصل کرنا کہ لوگ جناب سید الحاج کو کہیں کہ واہ کیا مسلمان ہیں۔ حضرت مسلمان عالم ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جب بدایوں میں تشریف لیجاتے ہونگے تو دو چار محلہ کے آدمی آن کر کہتے ہوں گے کہ واہ کیا لکھا ہے اور جناب سید الحاج خوش ہوتے ہونگے۔ دگر ہیچ۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جناب سید الحاج نے جب یہ رسالہ لکھا ہے قریب اُسی زمانہ کے حج کو تشریف لیجانے والے تھے۔ اُنہوں نے خیال کیا ہوگا کہ لاؤ حج کو جاتے ہی ہیں۔ جتنے گناہ کرنے ہیں سب کر لیں۔ حج کے بعد تو سب پاک ہو ہی جاویں گے۔ جیسیکہ بعض آدمی جب مسہل لینا چاہتے ہیں تو خوب بد پرہیزی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسہل سے سب نکل جاوے گی۔ مگر جناب سید الحاج کو معلوم کرنا چاہیئے کہ حج و زیارت میں جو بشارتیں آپ کو ملی ہوں ملی ہوں۔ اور جو خطاب آپ کو ملا ہو جن کا تذکرہ آپ دن رات فرمایا کرتے ہیں اور حج سے آپ کے سب گناہ معاف ہو گئے ہوں۔ اور شبلی و جنیدؒ کے مرتبہ پر پہونچ گئے ہوں بلکہ اُس سے بھی اعلےٰ۔ مگر حق العباد کبھی نہ حج سے بخشے جاتے ہیں اور نہ کسی بشارت سے۔ پس آپ نے جو اتہام مجھ پر کیئے ہیں جب تک میں ہی نہ معاف کروں معاف نہیں ہو سکتے۔ پس مقتضائے ایمانداری یہ ہے کہ آپ حج دوا محرم کا احرام باندھیئے اور گناہوں کی معافی چاہیئے ورنہ روز جزا کو آپ کو اپنی کرتوتوں کا مزا معلوم ہو جاویگا۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط المستقیم +

تشبہ

تحقیق معنی من تشبہ بقوم فھو منھم

امیر الامراء افتخار العلماء سید خیر الدین احمد وزیر سلطنت ٹونس نے جو نہایت عمدہ کتاب

اقوم المسالک عربی زبان میں لکھی ہے جس پر وہاں کے بڑے بڑے علما کی تقریظیں چھپی ہیں اور اُس کا ترجمہ حال ہیں جناب خلیفہ سید محمد حسن خاں بہادر وزیر ریاست پٹیالہ کی عالی ہمتی اور فیاضی کی وجہ سے اُردو میں مسمیٰ بہ نظم الممالک چھپا ہے اُس میں ہم ایک مختصر تقریر سید خیرالدین احمد مصنف اصل کتاب کی جو تشابہ کے باب میں اُنھوں نے لکھی ہے نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے :-

دوسری بات جو اِس تالیف کا باعث ہے اُن غافل لوگوں کا ہوشیار کرنا اور متنبہ کرنا ہے جو ایک اچھی بات کو صرف اس خیال سے اختیار نہیں کرتے کہ وہ ظاہرا اُن کی شریعت میں نہیں ہے اور اِس غلط خیال کا منشا یہ ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے لوگوں کی جملہ باتوں کو اسی قابل سمجھتے ہیں کہ اُن کو ترک کیا جاوے خواہ وہ باتیں کسی قوم کی عادات میں سے ہوں خواہ تدابیر ملکیہ سے متعلق ہوں یہاں تک کہ وہ غافل لوگ غیر مذہب والے کی تالیفات کو بھی پڑھنا بُرا سمجھتے ہیں اور اگر کوئی شخص اُن کے سامنے غیر مذہب کی تالیفات یا عمدہ باتوں کی تعریف کرے تو وہ اُس شخص کو بھلا کہنے پر مستعد ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ بات بالکل حماقت کی ہے اور سراسر خطا ہے اس لیئے کہ جو کام فی نفسہ اچھا ہو اور ہماری عقل بھی اُسکو تسلیم کرے خصوصاً وہ کام جسکو کبھی ہم لوگ ہی کیا کرتے تھے اور غیروں نے اُسکو ہم سے ہی اوڑا لیا ہے تو ایسے کام سے انکار کرنے یا اُس کے چھوڑ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ جب وہ کسی زمانہ میں ہماری ہی قوم کی عملدرآمد میں تھا تو ہمکو ایسے کام کے پھر حاصل کرنے میں نہایت شوق اور تمنا ظاہر کرنی چاہیئے اور گو یہ بات مسلم ہے کہ ہر اہل مذہب اپنے مذہب کے سامنے دوسرے کے مذہب کو ضلالت خیال کرتا ہے لیکن اِس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ غیر مذہب والے کی دنیوی باتیں بھی بری ہو جاویں یا جو کام کہ مصلحت ملکی کے لحاظ سے اُس نے کیا ہے وہ بھی ضلالت ہو جاوے اور ہم کو اُن کاموں میں غیر مذہب والی قوم کا اتباع ممنوع ہو۔ دیکھو فرنگیوں کا ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی قوم کا کوئی کام اچھا دیکھتے ہیں فوراً اُس کے کرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ اپنی ایسی ہی باتوں کے سبب سے آج اپنی ترقی اور بلندی کے اُس رُتبہ پر ہیں جس کو سب لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور حقیقت میں ہر ایک پرکھیئے دانشمند کا کام بھی یہی ہے کہ جو بات اُس کے سامنے پیش آوے خواہ وہ کسی کا قول ہو یا فعل ہو اُسکو نظر امتیاز سے تاڑ کر جانچے اور اگر اُس کو اچھا دیکھے تو فوراً اخذ کر لے اور دل سے اُس کو بہتر سمجھے گو اُس کا موجد دین میں سچا ہو یا جھوٹا اسلیئے کہ

حق بات کچھ لوگوں سے نہیں پہچانی جاتی بلکہ لوگ بات سے پہچانے جاتے ہیں اور حکمت مسلمانوں کے لیئے بمنزلہ گمشدہ چیز کے ہے جہاں کہیں اُسکو پاوے فوراً لیلے ۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل فارس محاربہ کے وقت اپنے شہروں کے گرد خندقیں کھود لیتے ہیں تاکہ دشمن کے مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رہیں۔ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرما کر غزوہ احزاب میں مدینہ کے گرد خندقیں کھودیں تاکہ مسلمان بھی اس تدبیر پر عمل کیا کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قول کی خوبی کی طرف دیکھو قائل کے حال کی طرف مت دیکھو اور جبکہ ہمارے متقدمین نے غیر ملت کے لوگوں سے علوم منطق کو نفع کی چیز سمجھ کر اپنی زبان میں ترجمہ کرلیا اور اسکے رواج کو مستحسن جانا یہاں تک کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جو شخص منطق نہ جانتا ہو گویا علم اُس کا کچا ہے تو پھر ہمکو کس چیز نے منع کردیا ہے کہ ہم اس زمانہ میں غیر ملت قوم کی جن باتوں کو اپنے حق میں نافع اور کارآمد دیکھیں اُن کو نہ یاد کرلیں اور جن باتوں کی طرف ہمکو مکاید اعدا سے محفوظ رہنے اور صدہا منفعتوں کے حاصل کرنے میں نہایت حاجت ہو اُن کو اختیار نہ کریں۔ کتاب سنن المہتدین میں شیخ المراق المالکی نے صاف لکھا ہے کہ غیر قوم کے ساتھ جن باتوں میں مشابہت ممنوع ہے وہ صرف وہی باتیں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں اور جن باتوں کو غیر ملت کے لوگ موافق طریقہ مندوبہ یا مباح یا واجب کے کرتے ہوں اُن کو ہم صرف اس خیال سے نہیں چھوڑ سکتے کہ غیر ملت کے لوگوں کا بھی اُن پر عملدرآمد ہے اس واسطے کہ ہماری شریعت نے ہمکو غیر قوم کے ساتھ ان باتوں میں مشابہ ہونے سے منع نہیں کیا جن کو وہ قوم بھی کارخانہ قدرت کی اجازت سے کرتی ہو اور حاشیہ درمختار میں علامہ شیخ محمد بن عابد بن الحنفی نے تو یہاں تک تصریح لکھا ہے کہ جن باتوں میں مخلوق خدا کی بہتری اور ترقی ہو اگر اُن کے کرنے میں ہم کسی غیر ملت قوم کے ساتھ مشابہ ہوجاویں تو کچھ خرابی نہیں ہے اور بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ جو لوگ فرنگیوں کی باتوں کے اتباع سے سخت انکار کرتے ہیں وہ اپنی بھلائی کی باتوں میں تو انکار کرتے ہیں اور جو باتیں اُن کے حق میں مضر ہیں اُن میں اُن کی مشابہت سے کچھ اُن کو انکار نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ صریح فرنگیوں کا بنا ہوا کپڑا پہن کر خوش ہوتے ہیں اور اُنہیں کا اسباب گھروں میں رکھتے ہیں اور اُنھیں کے ہتیار اور دوا اور ضرورت کی چیزیں استعمال میں لاتے ہیں مگر اُن چیزوں کو اُن کی تدبیروں سے کام میں لانے سے بڑا پرہیز کرتے ہیں

حالانکہ اِن باتوں سے پرہیز کرنے میں اُن کے مُلکی انتظام اور مُلکی ترقی دونوں میں بڑا نقصان اور خرابی پہنچتی ہے اور وہ خرابی کچھ پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر ہے اور گویا اِس سبب سے ہی ان میں ایک عیب رہتا ہے اس لیئے کہ جب وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کے سامان میں دوسری قوم کے محتاج ہیں تو گویا علم میں وہ اُس قوم سے پست درجہ ہیں اور اُن کی مُلکی ترقی میں یہ نقصان رہتا ہے کہ وہ اپنے مُلک کی پیداوار وغیرہ کے ثمرہ سے نفع نہیں اُٹھا سکتے حالانکہ ترقی ملک کی یہی علامت اور اُس سے یہی مقصود ہے اور تصدیق اسکی ہمارے اِس مشاہدہ سے ہوتی ہے کہ ہماری قوم کے صناع لوگ اپنی صنعت اور دستکاری سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتے مثلاً جو لوگ روئی بوتے ہیں یا بکریوں کی اُون تراش کر درست کرتے ہیں اور سال بھر اُس پر جان مارتے ہیں وہ اپنی سال بھر کی محنت کی پیداوار یعنی رُوئی اور اُون وغیرہ کو تھوڑی ہی قیمت پر فرنگیوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں اور جب اُسی روئی اور اُون سے وہ لوگ تھوڑے سے عرصہ میں اپنی صناعی کی بدولت طرح طرح کے کپڑے بُن کر لاتے ہیں تو پھر وُہی ہماری قوم کے لوگ جنھوں نے اُن کو روئی دی تھی اُنھیں کو چوگنی قیمت دیکر کپڑا خریدتے ہیں غرض کہ ہمکو اپنے ملک کی اصلی پیداوار کی قیمت مِل جاتی ہے اور کسی قسم کی ہنرمندی یا صناعی سے ہم اُس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے ۔ پس جب ہم یہ بات دیکھیں کہ ہمارے ملک میں سے یہ چیز جاتی ہے اور یہ چیز آتی ہے اور اِس بات کا اندازہ کریں کہ آنے والی چیز کا خرچ اور جانے والی چیز کی آمدنی مساوی ہے تو یہاں تک تو گویا خیریت ہے تھوڑا ہی سا ضرر ہے اور جب ہمکو جانے والی چیز کی قیمت کم ملی اور آنے والی چیز کی قیمت چہار چند دینی پڑی تو یقین کر لو کہ ایسا ملک آج نہ تباہ ہوا کل تباہ ہوگا ؛

سحر

جادو برحق ہے اور کرنے والا کافر ہے

اِس مثل کے دوسرے جملہ سے تو ہمکو بحث نہیں ہاں پہلے جملہ سے بحث ہے ۔ کیا سچ مچ یہ بات برحق ہے کہ جادو برحق ہے ؟ آؤ اِس کی تحقیق کریں اور دیکھیں کہ بحیثیت اسلام کی رُو سے کیا بات ہے ؛

لوگ کہتے ہیں کہ جناب سرورِ انبیاء پیغمبر خدا محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کردیا تھا

خدا تو فرماتا ہے کہ کافر آں حضرت صلعم کو کہتے تھے کہ اسپر تو جادو کر دیا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے سورہ اسریٰ میں فرمایا ہے کہ کافر آپس میں کہتے ہیں کہ تم جو محمد کی پیروی کرتے ہو تو اس سے

اذ یقول الظالمون ان یتبعون الا رجلا مسحورا - آیت ۵۰

زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ ایک آدمی کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے پیروی کرتے ہو ❖

ہاں فرعون بھی موسیٰ کو کہتا تھا کہ تجھ پر جادو کر دیا ہے چنانچہ خدا تعالےٰ نے اسی سورہ میں

فقال له فرعون انی لاظنک یا موسی مسحورا - آیت ۱۰۳

فرمایا ہے کہ جب حضرت موسیٰ خدا تعالیٰ کی قدرت کی نو نشانیوں سمیت فرعون کے پاس آئے تو فرعون نے کہا کہ اجی موسیٰ میں تو سمجھتا ہوں کہ تم پر جادو کر دیا ہے ❖

ایک اور جگہ بھی خدا نے فرمایا ہے کہ کافر آں حضرت صلعم کو کہا کرتے تھے کہ اُن پر تو جادو کر دیا ہے - چنانچہ سورہ فرقان میں فرمایا ہے - کہ

وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحوراً - آیت ۹

کافروں نے کہا کہ تم جو محمد کی پیروی کرتے ہو تو اس سے زیادہ نہیں کہ ایک ایسے آدمی کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے ❖

پس قرآن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافر ہو جو یہ کہے کہ پیغمبر پر جادو کر دیا تھا مگر اس زمانہ کا باوا آدم ہی نرالا ہے اب بڑے بڑے عالم یہ کہتے ہیں کہ جو یہ نہ کہے اور اسپر یقین نہ کرے کہ آں حضرت صلعم پر جادو کر دیا تھا تو وہ کافر ہے - زمانہ اُلٹ گیا ہے - سچ بات ہے - واللہ بالناس قلب ❖

اگر ہم یہ کہیں کہ نعوذ باللہ منہا اگر جناب پیغمبر خدا صلعم کی ذات مبارک پر باوصف استعداد تقدس و طہارت و نوری ہونے کے جادو ہو جاتا تھا تو ہم اس بات پر کیونکر یقین کریں کہ کونسی بات انہوں نے جادو ہونے کی حالت میں فرمائی ہے اور کون سی جادو اُتری ہوئی حالت میں فرمائی ہے تو ہمارے زمانہ کے علماء فرماتے ہیں کہ یہ دوسرا کفر بکا - مگر کچھ ہی ہو ہم تو یقین نہیں کرتے کہ آں حضرت صلعم پر جادو ہوا تھا ❖

اہل سنت وجماعت کا تو (جن کا ہم بھی دم بھرتے ہیں) یہ اعتقاد ہے کہ جادو برحق ہے اور جادو کے زور سے آدمی ہوا میں اُڑ سکتا ہے اور جادو کے زور سے آدمی گدھے کی صورت اور گدھا آدمی کی صورت بن جاتا ہے پچھلی دونوں باتوں میں سے پہلی بات تو یقینی غلط ہے

اور پچھلی کے سچ ہونے میں شبہ پڑتا ہے کیونکہ اگر یہ سچ نہ ہوتا تو کوئی بھی جادو کو نہ مانتا۔ بہرحال جب وہ ہماری یہ باتیں سنتے ہیں تو ہمکو دور دور کرتے ہیں بعضے مہذب و نیک آدمی یوں فرماتے ہیں کہ قد

اعتزل عنا جس کی تاویل ہم یوں کرتے ہیں ای عن صراط المعوج ٭

وہ سُنّی مسلمان جن کو لوگ معتزلی کہتے ہیں وہ تو جادو کے منکر ہیں اور پیغمبر خدا صلعم پر جادو ہونے سے تو نہایت سخت انکار کرتے ہیں جب ان سے کہتے ہیں کہ میاں بہت سی حدیثیں اور روایتیں سحر کے برحق ہونے میں آئی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ جو دلیلیں سحر کے غلط ہونے میں ہیں وہ تو یقینی ہیں اور روایت احاد ظنی ہے اور اس لائق نہیں ہے کہ یقینی کا معارضہ کر سکے ٭

خیر یہ تو ایک تمہید تھی۔ ہم تو اس بات کی تفتیش میں ہیں کہ ٹھیٹ مذہب اسلام میں جادو کی کچھ اصل ہے یا نہیں ٭

سحر کے معنی جس کو ہم اپنی زبان میں جادو کہتے ہیں عربی لغت کی کتابوں میں یہ لکھے ہیں کہ جو واقعہ کسی لطیف و دقیق امر سے ہوا ہو اور اُس کے ہونے کا سبب پوشیدہ ہو وہ سحر ہے ٭

ان لغوی معنوں پر خیال کر کر بعض عالموں نے سحر کی آٹھ قسمیں بیان کی ہیں ٭

اوّل بذریعہ تسخیر کواکب کے۔ اِس قسم کے جادوگروں میں سے بعضے تو یہ سمجھتے تھے کہ افلاک و کواکب فی نفسہ واجب الوجود ہیں اور اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے یہی کرتے ہیں۔ اور بعضے کہتے تھے کہ وہ فی نفسہ تو واجب الوجود نہیں ہیں مگر مبدء اول سے جو تغیرات عالم میں ہوتے ہیں یہ کواکب و افلاک اُن کا واسطہ ہیں اور فاعل تام کو منفعل تام سے ملا دیتے ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ جب فاعل تام منفعل تام سے مل جاویگا تو بالضرور فعل تام ظاہر ہوگا۔ اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ افلاک و کواکب اگرچہ مخلوق ہیں مگر اُن میں جان اور عقل و سمجھ ہے اور اُن کو اس عالم میں نیک و بد کرنے کا بالکل اختیار ہے۔ پس ان تینوں عقیدوں کے جادوگر بذریعہ اعمال و پڑھنت کے کواکب کی تسخیر میں مشغول رہتے تھے تا کہ کواکب کو جو مدبر عالم ہیں اپنا تابع کر لیں اور جب کسی کو قتل کرنا چاہیں تو کہدیں کہ اقتل یا مریخ اور مریخ فی الفور اسکو مار ڈالے اور اسی طرح جس کا بھلا کرنا چاہیں بھلا کر دیں۔ اور جس پر سے آفت و سختی ٹالنی چاہیں ٹال دیں۔ اور جس پر ڈالنی چاہیں ڈال دیں۔ اور جسکو جس مرض میں چاہیں مبتلا کر دیں پھر وہ کسی طبیب کے علاج سے اچھا نہو سکے اور اُسی میں رینگ رینگ کر مر جاوے ٭

مگر اِس مقام پر اتنی بات سمجھنی چاہیئے کہ نجوم و جادو میں جو بذریعہ تسخیر کواکب ہوتا ہے فرق ہے

منجم تو صرف یہ بتلاتا ہے کہ فلاں شخص کے طالع میں فلاں کوکب تھا اور اب جو کواکب وراس و ذنب فلاں فلاں مقام پر آئے ہیں تو اب اُس پر فلاں آفت آوے گی یا یہ راحت پہونچے گی یا اُس وقت پر فلاں کام کرنا حسب مقصود ہوگا یا سفر اچھا ہوگا پس نجومی گویا آیندہ کی باتوں کی بلحاظ تاثیرات کواکب خبر دیتا ہے مگر کوئی امر نسبت تسخیر کواکب نہیں کرتا اور نہیں بتلاتا اس لیئے وہ صرف منجم ہے اور جادوگر نہیں مگر جب کہ وہ اُس آفت کے دفع ہونے کو کوئی عمل کرے یا پاٹ کرے یا پڑہنٹ پڑہے تو وہ بھی بذریعہ تسخیر کواکب کے منجم کے سوا ایک جادوگر بھی ہے جیسا کہ ہندو پنڈتوں جوشیوں کا اکثر دستور ہے *

دوسری قسم جادو کی وہ باتیں قرار دی ہیں جو خیال اور وہم اور نفس انسانی کے ذریعہ سے ظہور میں آتی ہیں یعنی اس قسم کا جادوگر اپنے نفس انسانی میں اور قوت واہمہ و خیال میں بذریعہ مشق اور ورزش اور مجاہدات کے ایسی طاقت بہم پہونچا لیتا ہے کہ دوسرے شخص پر طرح طرح کے اثر ڈال سکتا ہے اور اُس دوسرے شخص کے وہم کو ایسا مغلوب کر دیتا ہے کہ جو چیز درحقیقت موجود نہیں ہے وہ اُسکو فی الواقع موجود معلوم ہوتی ہے اور یہ بات ہر شخص کو اور ہر قوم و مذہب کے آدمی کو بقدر قوت و طاقت اُس کے نفس انسانی کے حاصل ہو سکتی ہے اس قسم کے سحر سے ساحر صحیح و تندرست آدمیوں کو بیمار اور بیماروں کو صحیح و تندرست کر سکتا ہے بھلے چنگوں پر خواب مقناطیسی مستولی کر سکتا ہے *

تیسری قسم جادو کی وہ باتیں قرار دی ہیں جن کا ہونا باستعانت ارواح خیال کیا گیا ہے اس قسم کے ساحر یقین کرتے ہیں کہ علاوہ مخلوقات موجودہ محسوسہ کے زمین پر ارواحیں بھی ہیں اور وہ جواہر قائمہ بالذات ہیں نہ تو وہ متحیز ہیں اور نہ کسی متحیز میں حلول کی ہوئی ہیں اور وہ اپنے افعال پر قادر ہیں اور عالم و مدرک الجزئیات ہیں اور انسان میں حلول کر کر نفس انسانی یا نفس حیوانی میں مل سکتی ہیں *

اسی قسم کی ارواحوں میں وہ لوگ جن و پری کو بھی شامل کرتے ہیں اور اُن میں سے جو نیک یعنی بے شر ہیں اُن کو مسلمان اور جو شریر ہیں اُن کو کافر ٹھہراتے ہیں مگر معتزلی جن کے وجود کے بھی قایل نہیں ہیں *

اسی قسم کی ارواحوں میں وہ بعض انسانوں کی ناپاک ارواحوں کو بھی شامل کرتے ہیں اور بھوت پلیت کو بھی انہی میں سمجھتے ہیں سو وہ یہ بھی یقین کرتے ہیں کہ یہ ارواحیں اشکال مختلفہ میں بھی با حلول کبھی دوسرے جسم کے ظاہر ہو سکتی ہیں اور لوگوں کو خوبصورت یا ہیبت ناک شکلوں میں

دکھائی دیتی ہیں پس اس قسم کے ساحر بذریعہ اعمال و پڑہنت اور خوشبو جلانے کے اُن کی تسخیر کرتے ہیں ؛

یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ مسلمان عامل بھی اسی قسم میں داخل ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ بعوض سفلی ارواحوں کے علوی ارواحوں کو مسخر کرتے ہیں اور اسی سبب سے اُن کے منتروں اور پڑہنتوں میں بڑے بڑے فرشتوں جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل کے نام ہوتے ہیں اور اپنے تئیں علوی عامل اور دوسروں کو سفلی عامل قرار دیتے ہیں لیکن اگر سچ پوچھو تو نہ کالی بھلی نہ سفید ؛

چوتھی قسم سحر کی وہ قرار دی ہے جو خیال یا نظر یا حس کی غلطی سے ایک امر دوسری حالت پر جو اسکی اصلی حالت سے عجیب تر ہے دکھائی دیتا ہے جیسیکہ بھان متی گولیوں کے اڑانے یا ایک بٹہ سے دوسرے بٹہ میں نکالنے یا ایک گولی میں سے دوسری گولی بنانے میں کرتی ہے یا بنیٹی شعلہ کو چکر کر دکھاتا ہے یا تھیئیٹر کے کمرہ میں پردوں کے لگانے سے دریا و سمندر و جہاز و پہاڑ و کوسوں کا جنگل دکھائی دیتا ہے وعلیٰ ہٰذالقیاس ؛

پانچویں قسم سحر کی وہ امور قرار دیئے ہیں جو بذریعہ صنائع و اعمال ہندسیہ و جرثقیل کے ظاہر ہوتے ہیں جیسیکہ ایک آدمی ہزاروں من بوجھ کھینچ لیتا ہے یا گھڑی اپنے آپ چلتی ہے وقت پر بجتی ہے - اُس میں سے چڑیا نکلتی ہے جتنے بجے ہوں وتنے دفعہ نہایت خوش آوازی سے بولتی ہے پر پھیلاتی ہے اور پھر جھٹ اپنے گھونسلے میں جا بیٹھتی ہے انگریزی کھلونوں میں طرح طرح کے عجائبات ہوتے ہیں - چڑیاں اُڑتی ہیں - چہچہاتی ہیں - ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر جا بیٹھتی ہیں - پانی بہتا ہے - چڑیاں اُس میں پانی پیتی ہیں - باجے والے باجا بجاتے ہیں - آنکھیں اور گردن ہلاتے ہیں - ناچنے والے تال و سم پر ناچتے ہیں - لڑنے والے لڑتے ہیں - دونوں طرف سے سوار نکلتے ہیں - ایک دوسرے کو مارتا ہے - بگل والا بگل بجاتا ہے اور طرح طرح کے کرتب دکھاتا ہے جس سے بڑے بڑے شخصوں کی عقل حیران ہو جاتی ہے - اور ہمارے زمانہ کے جناب مولوی صاحب قبلہ تو خوب غور کرنے و کان لگا کر سُننے کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ واللہ فیہ دو ؛ لیکن بعض عالموں کی یہی رائے ہے کہ ایسی بات کو سحر میں داخل کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ اُس کے اسباب معلوم ہیں - مگر میں دست بستہ اُن کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ جناب جن کو آپ اب تک سحر سمجھ رہے ہیں اُن میں سے بھی بہت سوں کے اسباب معلوم ہو گئے ہیں ؛

چھٹی قسم سحر کی وہ امور قرار دیتے ہیں جو بذریعہ خواص ادویہ کے ظہور میں آتے ہیں مگر اگلے زمانہ میں یہ باتیں بہت کم معلوم تھیں سبب سے کہ علم کیمیا یعنی کمسٹری کو ترقی ہوئی اُس وقت تک بہت ہی

عجیب عجیب باتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ سچ ہے اگر جناب مولوی صاحب دو ہواؤں میں سے پانی بہتا ہوا دیکھیں جس سے وضو بھی کر سکیں روزہ بھی کھول سکیں اور ضرورت ہو تو نہا بھی سکیں تو وہ بیچارے اُسکو جادو نہ کہیں تو اور کیا کہیں ✦

ساتویں قسم سحر کی وہ باتیں ہیں جن کا ظہور میں لانا بذریعہ تاثیر اسماء کے بیان کیا جاتا ہے اور اس قسم کے ساحر خیال کرتے ہیں کہ بہت سے الفاظ اور اسماء کے لیئے مؤکل ہیں اور اُن اسماء کو طریقہ مخصوصہ و تعداد معینہ اور پرہیز مقررہ سے پڑھنے اور اُن کی زکات دینے سے وہ مؤکل اُسکے تابع ہو جاتے ہیں اور وہ ایسے زبردست ہیں کہ بھوت پلیت۔ دیو۔ جن۔ پری اور آسمان و زمین اور جو کچھ کہ اُن میں ہے سب اُسکے تابع ہیں پس جب وہ مؤکل اس ساحر کے جسکو عامل بھی کہتے ہیں تابع ہو گئے تو وہ سب چیزوں پر قادر ہو گیا۔ جنّوں کو شیشہ میں بند وہ کر لیتا ہے۔ بیماروں کو وہ اچھا کر دیتا ہے۔ درندہ جانوروں کو وہ فرماں بردار بنا لیتا ہے۔ کنوئیں میں سے پینے کو پانی اُبال لیتا ہے۔ پھر کوئی "یا بدّوح" کا عمل جانتا ہے اور کوئی "یا ہو" کا اور جسکو اسم اعظم معلوم ہو گیا پھر اُسکا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ✦

جو لوگ قرآن مجید کی آیتوں کو بطور عمل کے پڑھتے ہیں اور کسی میں وسعت رزق کی اور کسی میں کشود کار کی اور کسی میں شفاء امراض کی تاثیر سمجھتے ہیں وہ بھی قریب قریب انہی کے ہیں۔ قرآن مجید کی کسی آیت یا سورۃ میں اس قسم کی تاثیر نہیں ہے نہ قرآن مجید کوئی عملیات کی کتاب ہے نہ اِن کاموں کے لیئے نازل ہوا ہے۔ وہ تو سیدھا سادھا خدا کا کلام ہے اور اس لیئے نازل ہوا ہے کہ لوگ اُس سے نصیحت پکڑیں اور جو احکام اُس میں ہیں اُس پر عمل کریں ✦

آٹھویں قسم سحر کی لگائی بجھائی ہے کہ اِدھر کی بات اُدھر جا کہی اور اُدھر کی اِدھر۔ دو ایک باتیں اپنی طرف سے ملا دیں دوست کو دشمن کر دیا اور دشمن کو دوست۔ آپس میں دوستوں کے رنج ڈلوا دیا جورو خصم کو چھوڑوا دیا۔ بھائی بھائیوں میں۔ باپ بیٹوں میں رنج کروا دیا۔ بلاشبہ اس زمانہ کے لوگوں میں یہ ایک نہایت چلتا ہوا عمل ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں ✦

یہ تمام اقسام بلحاظ لغوی معنی سحر کے اقسام سحر میں داخل کیئے گئے ہیں۔ ورنہ قسم چہارم و پنجم و ششم و ہشتم میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس پر اطلاق سحر کا بمعنی عرفی ہو سکے۔ قسم دوئم پر سحر کا اطلاق بمعنی لغوی یا مجازاً بمعنی عرفی ہو سکتا ہے کیونکہ اُس زمانہ میں اس قسم کی باتوں پر بھی سحر کا اطلاق ہوتا تھا ورنہ درحقیقت وہ بھی سحر نہیں ہے بلکہ ایک فعل منجملہ افعال قوائے انسانی کے ہے

جیسیکہ قسم ششم بذریعہ خواص ادویہ کے ہے قرآن مجید میں صرف اسی قسم کے افعال پر اطلاق سحر بلحاظ
عرف عام ہوا ہے ؛

البتہ قسم اول و سوم و ہفتم اگر سچ ہو تو سحر بمعنی عرفی ہے کیونکہ عرف عام میں جادو اسی کو کہتے
ہیں جس سے بلا تعلق کسی مادہ کے صرف بذریعہ تسخیر کواکب یا ارواح و ہمار کے اور بغیر کسی وسیلہ
قدرتی کے بطریق خرق عادت بلکہ برخلاف نیچر یعنی برخلاف قانون قدرت کے کوئی امر ظہور پذیر
ہو اور فی الواقع ایسا ہی ہو جاوے جیسا کہ ظہور میں آوے ۔ مثلاً ہم قلم کو کہیں کہ گھوڑا ہو جا۔ وہ سچ مچ
کا گھوڑا ہو جاوے ۔ اگر آدمی اڑنا چاہے تو درحقیقت وہ ہوا میں اڑتا پھرے اور اگر کسی کو گدھا
بنانا چاہے تو درحقیقت وہ گدھا بن جاوے گو قانون قدرت کیسا ہی اُس کے برخلاف ہو پس
ہم جو سحر کے برحق ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اس کو بے اصل بتلاتے ہیں تو انہی تین قسم کے
سحروں کو بے اصل و جھوٹ بتلاتے ہیں اور عرف عام میں انہی تینوں قسموں پر حقیقتاً اطلاق سحر کا
ہوتا ہے اور قسم ثانی پر صرف مجازاً اور باقی قسموں کو عرف عام میں کوئی شخص سحر نہیں کہتا۔ پس
اس آرٹیکل میں ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان اقسام ثلثہ سحر کی اصلیت اور واقعیت کا ثبوت قرآن مجید
میں نہیں ہے بلکہ ان پر یقین رکھنا ٹھیٹ مذہب اسلام کے برخلاف ہے اور جو کہ یہی تین قسمیں اگر
سچ ہوتیں تو حقیقتاً سحر ہوتیں مگر جو کہ وہ بے اصل ہیں اس لیئے ہم سحر کے منکر ہیں ؛

قرآن مجید میں بہت جگہ لفظ سحر و ساحر و مسحور آیا ہے اور اکثر جگہ کفار کی زبان سے وہ لفظ نقل
کیا گیا ہے کہ کفار انبیاء علیہم السلام کے کاموں کو جادو اور ان کو جادوگر اور ان کی پند و نصیحت کی
باتوں کو ایسے شخص کی باتیں جس پر جادو کر دیا گیا ہو اور وہ لغو اور بے سر و پا باتیں بکا کرے کہا کرتے
تھے پس اس طرح پر کفار کا قول نقل کرنے سے سحر کا حق ہونا لازم نہیں آتا ۔ مثلاً اگر ہم کہیں کہ کیمیاگر
یہ کہتے ہیں یا یہ کرتے ہیں تو اس کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کیمیا یعنی سونا و چاندی بنانے کے
درحقیقت سچ و برحق ہے بلکہ اس سے صرف اتنا مطلب ثابت ہوتا ہے کہ ایسے اشخاص کا وجود ہے
جو اپنے تئیں کیمیاگر کہتے ہیں اور وہ ایک کام کرتے ہیں جس کو کیمیا بنانا کہتے ہیں اور یہ کچھ ضرور
نہیں کہ فی الواقع وہ کام بھی ایسا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں ۔ زمانہ نزول قرآن مجید میں ایسے لوگ
موجود تھے جو ساحر کہلاتے تھے اور وہ ایسے افعال بھی کرتے تھے جن کو وہ سحر سمجھتے تھے پس
قرآن مجید میں سحر و ساحر کا ذکر ہونے سے ایسے اشخاص اور ان کے افعال کا وجود ثابت ہوتا ہے
نہ سحر کے برحق ہونے کا ۔ ہاں بعض مقام ایسے ہیں جہاں بعض واقعات کا سحر سے وقوع میں آنا مذکور

ہوا ہے۔ اسی کے بیان پر ہمکو متوجہ ہونا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ وہ واقعات کس قسم کے ہیں اگر وہ ایسے ہیں جن کا ظہور بذریعہ تاثیر قوت نفس انسانی ہوا ہے تو درحقیقت وہ سحر نہیں ہے بلکہ بطور عرف عام یا غلط عام جیسا کہ کفار سمجھتے تھے اُسپر اطلاق لفظ سحر کا ہوا ہے اور اگر وہ اَور قسم کے واقعات ہیں جو اقسام سہ گانہ سحر سے علاقہ رکھتے ہیں جن سے ہم منکر ہیں تو ہمکو اُسکی توجیہہ بیان کرنی یا تاویل کرنی ضرور ہوگی مگر ہمارے نزدیک قرآن مجید میں تاویل جائز نہیں ہے۔ بقول شخصے۔

آب و رنگ خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

اس لیئے ہم نہایت استحکام سے کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی واقعہ ایسا مذکور نہیں ہے جو اقسام سہ گانہ سحر مذکورہ بالا سے علاقہ رکھتا ہو ✦

بڑے سے بڑا قصہ سحر کا جو قرآن مجید میں مذکور ہے وہ قصہ موسیٰ اور فرعون کے ساحروں کا ہے مگر اُس میں کچھ بھی اشارہ اُن اقسام ثلثہ سحر کی نسبت نہیں ہے جن کے برحق ہونے کو ہم حق سمجھتے ہیں۔ اُس قصہ میں جو کچھ بیان ہے وہ نفس انسانی کی قوت کا ظہور ہے اور اس وجہ سے کہ اُس زمانہ کے کافر اسکو بھی سحر سمجھتے تھے قرآن مجید میں اُس پر لفظ سحر کا اطلاق ہوا ہے ورنہ درحقیقت وہ امور جو فرعون کے ساحروں نے کیئے اور جو امر کہ حضرت موسیٰ نے کیا وہ ظہور قوت نفس انسانی کا تھا مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام میں از روئے خلقت کے وہ قوت اقویٰ ہوتی ہے اس لیئے حضرت موسیٰ سحرہ فرعون پر غالب آئے تو فرعون نے یہی کہا کہ "انه لکبیر کم الذی علمکم السحر" یعنی موسیٰ تمہارا گرو ہے جس نے تمکو جادو سکھایا ہے ✦

نفس انسانی میں ایک ایسی قوت برقی اور مقناطیسی موجود ہے جو خود اُس پر اور اُس کے خیال پر اور دوسروں پر اور دوسروں کے خیال پر اثر کرتی ہے اُس کے اثر متعدد طرح پر ہوتے ہیں اُن میں سے یہ بھی ہے کہ شئے غیر موجود حقیقتاً موجود معلوم ہوتی ہے۔ خواب میں آدمی تمام چیزوں کو جو اُس نے خواب میں دیکھی ہیں حقیقتاً موجود سمجھتا ہے حالانکہ کوئی چیز بھی موجود نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ کبھی اپنے تئیں ہوا میں اُڑتا ہوا جانتا ہے اور کبھی جہاز میں اور کبھی ریل میں اور کبھی گھوڑے پر اور کبھی پیدل کوسوں کا سفر کرتا ہوا دیکھتا ہے اور حقیقت میں وہ پلنگ پر چادر اوڑھے پڑا ہوتا ہے زیادہ تعجب ہے کہ خواب میں اُسکو دن ہوتا ہے رات ہوتی ہے سَو سَو برس کا زمانہ خواب میں گذر جاتا ہے مگر اسکو سوتے ہوئے گھڑی دو گھڑی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ جاگتے میں بھی کبھی اُس کا

ایسا حال ہوجاتا ہے کہ شے غیر موجود کو علانیہ موجود دیکھتا ہے۔ بزرگ مقدس لوگ نہایت
شوق و استغراق سے جب عید کا چاند تلاش کرتے ہیں تو کبھی اُن کی آنکھوں کے سامنے
چاند کی چمک پھر جاتی ہے اور بعضی دفعہ آنکھوں کے سامنے تھوڑی دیر کے لیئے ہلال کی
صورت جم جاتی ہے حالانکہ درحقیقت وہ موجود نہیں ہوتی اور یہ دونوں باتیں اس امر کی دلیل
ہیں کہ خود اپنے آپ پر اُس قوت کا اثر پڑتا ہے۔ بعض مجنون آدمی اُن لوگوں کو جن کا اُن کے
دل میں خیال بندھ گیا ہے اپنے سامنے کھڑا و بیٹھا و باتیں کرتا دیکھتے ہیں اور مثل شخص موجود
کے اُس سے سوال و جواب کرتے ہیں اور اُس کے سوالات اور اُسکی باتیں اُن کو سنائی دیتی
ہیں حالانکہ کوئی شئے موجود نہیں ہوتی اور یہ اثر اُسی قوت نفس انسانی کا ہے جو بسبب وقوع
امورات محیر طبعی کے ایک طرف مائل ہوگئی ہے ✦

دوسروں پر نفس انسانی کا اثر پڑنا تو ایسا بدیہی ہے کہ جب چاہو اُس کا تجربہ ہو سکتا ہے یہ
قوت مشق اور مجاہدہ سے قوی بلکہ اقوی ہوجاتی ہے اور بعضوں میں فطرتی قوی ہوتی ہے اور تمام
اُن کے خیالات اُن کو مرئی ہوتے ہیں یہاں تک کہ جس مرے ہوئے شخص کا وہ خیال کرتے ہیں
اُس کی صورت خیالی جسکو وہ مُردے کی روح سے تعبیر کرتے ہیں اُسی زرق برق کے لباس سے جو
وہ مُردہ پہنتا تھا اُن کے سامنے مرئی ہوتی ہے اس قوت نفسانی کا اثر دوسرے شخص پر چھونے
سے دم ڈالنے سے پھونک دینے سے نگاہ گھورنے سے توجہ ڈالنے سے منتقل ہوتا ہے اور
علمی اصطلاح میں اثر ڈالنے والے کو عامل اور جس پر اثر ڈالا گیا ہو اُسکو معمول کہتے ہیں اس قوت کا
ایسا قوی اثر ہے کہ معمول کی تمام طاقت اور تمام ارادہ اور خیال بالکل عامل کے تابع ہوجاتا ہے
عامل جب غیر موجود چیز کو کہتا ہے کہ ہے معمول اپنے خیال میں اُسکو واقعی موجود سمجھتا ہے اور اُسپر
وہی حالت طاری ہوجاتی ہے جو درصورت واقعی موجود ہونے اُس شے کے ہوتی اور جب موجود
شے کو عامل کہتا ہے کہ نہیں ہے معمول اُسکو یقیناً جانتا ہے کہ نہیں ہے یہاں تک کہ اگر عامل
معمول کی کسی قوت کو کہتا ہے کہ نہیں ہے تو معمول ایسا ہی ہوجاتا ہے کہ گویا درحقیقت وہ قوت
اُس میں نہیں ہے۔ جن مُردہ شخصوں کا موجود ہونا عامل بیان کرتا ہے معمول اُن شخصوں کو اُسیطرح
حاضر و موجود دیکھتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اُن کی ارواحوں کی پیکر ہیں پس جو قصہ موسیٰ و سحرۂ
فرعون کا قرآن میں مذکور ہے وہ اسی قوت نفس انسانی کا نتیجہ ہے نہ وقوع کسی امر خلاف قانون قدرت
کا چنانچہ الفاظ قرآن مجید سے بھی اسی امر کا اشارہ پایا جاتا ہے ✦

سورہ طٰہٰ میں خدانے بیان کیا ہے - کہ جب حضرت موسیٰ آگ کے پاس پہونچے تو اُن کو پکارا گیا اور ایک خدا کی عبادت کا حکم ملا اور وحی سے القا ہوا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے - موسیٰ نے کہا کہ میری لاٹھی ہے جس کو ٹیک لیتا ہوں اور اُس سے بھیڑوں کو ہنکاتا ہوں اور اَور کام میں بھی آتی ہے پھر وحی سے القا ہوا کہ اے موسیٰ اُسکو پھینک دے (یہاں قرینہ کلام مقتضی ہے کہ پھینک دینے کا نتیجہ بھی القا ہوا مگر جو کہ نتیجہ آگے مذکور ہوا اس لیئے بلحاظ بلاغت کلام اِس جگہ بیان نہیں کیا) پھر موسیٰ نے اُسکو پھینک دیا

قال القها یاموسیٰ فالقاها فاذا هي حية تسعیٰ قال خذها ولا تخف سنعيدها سيرتها الاولی - سورہ طٰہٰ آیت ۲۰ - ۲۲

تو وہ یک بیک چلتا ہوا سانپ تھا پھر وحی سے القا ہوا کہ اُس کو پکڑ لے اور مت ڈر ہم پھر پہلے ہی سا کر دیں گے ❖

سورہ نمل میں خدانے بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ آگ کے پاس پہونچے تو اُن کو پکارا گیا کہ جو کچھ آگ میں اور آگ کے گرد ہے اُس کو ہمنے برکت دی ہے پاک اللہ تمام عالموں کا پروردگار ہے اے موسیٰ بے شک مَیں خدا ہوں سب پر غالب حکمت والا ❖

اِس کے بعد وحی سے موسیٰ کو القا ہوا کہ اپنی لاٹھی پھینک دے (یہاں قرینہ کلام مقتضی ہے کہ موسیٰ نے لاٹھی پھینک دی اور وہ سانپ دکھائی دی) پھر اُنھوں نے اُسکو دیکھا کہ سانپ کی طرح ہلتی ہے تو پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹے اور پھر پلٹ کر رُخ نہ کیا القا ہوا کہ اے موسیٰ مت ڈر میرے پاس پیغمبر نہیں ڈرا کرتے ❖

والق عصاك فلما راٰها تهتز كانها جان ولی مدبرا ولم يعقب ياموسیٰ لا تخف اني لا يخاف لدي المرسلون - سورہ نمل - آیت ۱۰

پس اِن دونوں آیتوں کے لفظوں پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لاٹھی حضرت موسیٰ کو سانپ دکھائی دی تھی اور درحقیقت وہ لاٹھی ہی تھی اور کلمہ سنعيدها سيرتها الاولی اور کلمہ كانها جان سے اسکی طرف اشارہ پایا جاتا ہے علاوہ اس کے جو آیتیں آیندہ مذکور ہونگی اُن میں بہت صفائی سے بیان ہوا ہے کہ وہ لاٹھی سانپ معلوم ہوتی تھی ❖

کیفیت جو یہاں حضرت موسیٰ پر طاری ہوئی یہ اُسی قوت نفس انسانی کا ظہور تھا جس کا اثر خود اُن پر ہوا تھا اور اُس کے بعد جو واقعات ہوئے وہ وہ ہیں جن میں قوت نفس انسانی کا اثر

دوسروں پر ہوا تھا ٭

جب حضرت موسیٰ کو معلوم ہو گیا کہ اُن کی قوت نفس انسانی سے لاٹھی سانپ دکھلائی دیتی ہے تو وہ اُسکو بطور خدا کی قدرت کے ایک نشانی کے لیکر فرعون پاس آئے فرعون نے کہا اگر تم کوئی نشانی لائے ہو تو لاؤ اگر سچے ہو تو موسےٰ نے اپنی لکڑی ڈالدی تو یکایک وہ لکڑی صاف اژدہا تھی ٭

> فالقی عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین۔
> سورہ اعراف آیت ۱۰۴۔ و سورہ شعرا آیت ۳۱

مفسرین نے اور نیز صاحب تفسیر کبیر نے ان آیتوں کی تفسیر میں وہی قصے اور نکات دور از کار لکھے ہیں جیسی کہ عادت مفسرین کی ہے اور روایات بے سند و اقوال بے سر و پا بھر دیئے ہیں مگر ایک جملہ صاحب تفسیر کبیر نے لکھا ہے وہ غور کے قابل ہے آیت سورہ شعرا کی تفسیر میں امام صاحب نے لکھا ہے کہ "خدا کا جو یہ قول ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا کہ اگر میں تجھ کو علانیہ کوئی بات دکھاؤں جب بھی تو مجھے قید کریگا تو یہ کہنا اس بات پر دلیل ہے کہ لاٹھی کے ڈالنے سے پہلے خدا تعالیٰ نے حضرت موسےٰ کو بتلا دیا تھا کہ وہ اژدہا ہو جاویگی کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو جو بات حضرت موسیٰ نے کہی وہ نہ کہتے پھر جب حضرت موسیٰ نے لاٹھی پھینکی تو وہ چیز ظاہر ہوئی جس کا وعدہ اللہ نے کیا تھا پھر وہ لاٹھی علانیہ اژدہا ہو گئی اور علانیہ اژدہا ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ وہ لاٹھی دیکھنے والوں کو ہلنے سے اور اور تمام نشانوں سے اژدہا معلوم ہوئی"۔ لفظ تبین للناس یعنی دیکھنے والوں کو اژدہا معلوم ہوئی قابل غور ہے جو صاف اُسی قوت نفس انسانی کی تاثیر پر دلالت کرتا ہے بھلا یہ لفظ تو ایک مفسر کے ہیں جن کی نسبت جو چاہے انکار کرے مگر اگلی آیتوں میں خدا نے ایسے ہی لفظ فرمائے ہیں جن سے وہی بات ثابت ہوتی ہے جو ہم کہتے ہیں ٭

> اعلم ان قوله اولو جئتك بشئ مبين يدل على ان الله تعالى قبل ان القى العصا عرفه بانه يصيرها ثعبانا ولولا ذلك لما قال ما قال فلما القى عصاه ظهر ما وعده الله به فصار ثعبانا مبينا والمراد انه تبين للناظرين انه ثعبان بحركاته وبسائر العلامات ٭
> تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۵۲ ٭

اس بیان تک دو باتیں معلوم ہو گئیں ایک یہ کہ حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجنے پہلے

خدا نے اُن کو بتلا دیا تھا کہ اگر تو لاٹھی پھینک کر کہیگا کہ سانپ ہے تو وہ سانپ یا اژدھا دکھائی دے گی - دوسرے یہ کہ جب حضرت موسیٰ فرعون کے پاس آئے اور خدا کا پیغام پہونچایا تو فرعون نے اُس کی تصدیق کے لیئے کوئی نشانی چاہی - ہمارا قول ہے کہ معجزہ دلیل صحت نبوت نہیں ہے مگر بلاشبہ وہ حجت الزامی مسکت للخصم ہے نہ مفید یقین پس حضرت موسیٰ نے بطور حجت الزامی کے بھی نشانی اُس کو دکھائی کہ لاٹھی ڈالی اور اژدھا کر دکھایا - اس پر فرعون نے اپنے ملک کے بڑے بڑے عالموں اور ساحروں اور امیروں کو جمع کیا اور وہ سمجھ گئے کہ کس وجہ سے موسیٰ کی لکڑی سانپ یا اژدھا ہو کر دکھلائی دی اور اُنھوں نے کہا کہ ہم بھی ایسا کرتوت کر سکتے ہیں چنانچہ اِس مباحثہ کے لیئے ایک دن مقرر ہوا اور سب لوگ جمع ہوئے ؛

اِس اکھاڑہ میں جو کچھ ہوا اس کا ذکر کئی جگہ قرآن مجید میں آیا ہے - سورہ یونس میں مذکور ہے کہ جب فرعون کے ساحر آگئے تو حضرت موسیٰ نے اُن سے کہا کہ ڈالو تم کیا ڈالتے ہو جب اُنھوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے کہا جو کچھ تم نے کیا یہ جادو ہے اللہ تعالیٰ ابھی اس کو جھوٹا کر دے گا بے شک اللہ تعالیٰ مفسدوں کے کام کو نہیں سنوارتا ؛

فلما جاء السحرة قال لهم موسى القوا ما انتم ملقون فلما القوا قال موسى ما جئتم به السحر ان الله سيبطله ان الله لا يصلح عمل المفسدين - سورہ یونس آیت ۸۰ و ۸۱

اور سورہ شعرا میں فرمایا ہے کہ موسیٰ نے فرعون کے ساحروں سے کہا کہ ڈالو تم کیا ڈالتے ہو پھر اُنھوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ڈال دیں (جو سانپ و اژدھے ہو گئیں) اور پکار اُٹھے کہ فرعون کے جی ہم ہی موسیٰ پر غالب ہیں (موسیٰ نے تو صرف ایک لاٹھی ڈال کر سانپ یا اژدھا بنایا تھا اور فرعون کے ساحروں نے متعدد لاٹھیاں اور رسیاں ڈال کر اُن کو سانپ اور اژدھا بنا دیا اسی لیئے اُنھوں نے فرعون کے جی پکارے کہ ہم موسیٰ پر غالب ہوئے) پھر جب موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ یکایک اُن سب کو نگلنے لگی جن کو فرعون کے

قال لهم موسى القوا ما انتم ملقون فالقوا حبالهم وعصيهم وقالوا بعزة فرعون انا لنحن الغالبون فالقى موسى عصاه فاذا هي تلقف ما يافكون - سورہ شعرا - آیت ۴۳ - ۴۴

ساحروں نے دھوکا بنایا تھا ✦

ایک لامذہب اس مقام پر کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت موسٰے نے اپنی لاٹھی پہلے ڈالکر سانپ بنایا ہوتا تو کیا عجیب ہے کہ سحرہ فرعون اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو اس طرح پر ڈالتے کہ حضرت موسٰے کے سانپ کو نگل جاتیں مگر یاد رہے کہ ہم ایسے اعمال کو حجت الزامی قرار دیتے ہیں نہ برہان لمی تو لامذہب کے اس قول سے ہماری تحقیق پر یا سچائی مذہب پر کوئی جرح واقع نہیں ہوتی ✦

اور سورہ اعراف میں خدا تعالے نے فرمایا ہے کہ سحرہ فرعون نے کہا کہ اے موسٰے

قالوا یا موسیٰ اما ان تلقي واما ان نكون نحن الملقين قال القوا فلما القوا سحروا اعين الناس واسترهبوهم وجاؤ بسحر عظيم و اوحينا الى موسى ان الق عصاك فاذا هي تلقف ما يافكون - سورہ اعراف آیت ۱۱۰-۱۱۴

یا تم ڈالو یا ہم ڈالیں موسٰے نے کہا کہ ڈالو پھر جب اُنھوں نے ڈالا تو جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں پر اور ڈرا دیا اُن کو اور بڑا جادو کیا اور القا کیا ہمنے موسٰے کو ڈال دے اپنی لاٹھی پھر یکایک وہ نگلنے لگی جو دھوکا اُنھوں نے بنایا تھا سحروا اعین الناس کا لفظ جو اس آیت میں ہے اُس کا ٹھیک ترجمہ ہماری زبان میں ٹھٹ بندی کرنا ہے ✦

اور سورہ طٰہ میں خدا تعالے نے یوں فرمایا کہ سحرہ فرعون نے کہا کہ اے موسٰے یا تو تم ڈالو نہیں تو ہم پہلے ڈالتے ہیں موسٰے نے

قالوا یا موسیٰ اما ان تلقي واما ان نكون اول من القى قال بل القوا فاذا حبالهم وعصيهم يخيل اليه من سحرهم انها تسعى فاوجس في نفسه خيفة موسى قلنا لا تخف انك انت الاعلى والق ما في يمينك تلقف ما صنعوا انما صنعوا كيد ساحر ولا يفلح الساحر حيث اتى - سورہ طٰہ - آیت ۶۸ - ۷۲ ✦

کہا کہ ہاں تم ڈالو پھر یکایک اُن کی رسیوں اور اُن کی لاٹھیوں کی طرف موسٰے نے خیال کیا کہ اُن کے جادو کے سبب سے چلتی ہیں پھر موسٰے کو جی ہی میں ڈر سا ہوا تو ہمنے القا کیا کہ مت ڈر تو ہی اُن پر غالب ہے اور ڈال دے جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے تاکہ نگل جاوے جو کچھ کہ اُنھوں نے بنایا ہے جو کچھ اُنھوں نے بنایا ہے وہ جادوگروں کا مکر ہے اور جادوگر کو فلاح

نہیں ہے جہاں جاوے ❁

سورہ اعراف کی آیت میں جس پر باقی آیتیں بھی محمول ہیں ایک جملہ آیا ہے کہ سحروا اعین الناس یعنی ڈھٹ بندی کر دی پس یہ جملہ صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ درحقیقت وہ لاٹھیاں یا رسیاں سانپ و اژدھے نہیں ہوگئی تھیں بلکہ بسبب تاثیر قوت نفس انسانی کے جو ساحروں نے کسب سے حاصل کی تھی وہ رسیاں و لاٹھیاں لوگوں کو سانپ و اژدھا معلوم ہوتی تھیں حضرت موسٰے نے جو کچھ کیا وہ بھی مقتضائے قوت نفس انسانی تھا مگر وہ قوت حضرت موسٰے میں فطرتی اور اقوی تھی ❁

لانه یفسر بعضها بعضا

اس مقام پر ہم چند باتوں میں بحث کریں گے اوّل امر ما نحن فیہ سے یعنی اس سے کہ حقیقتاً جادو کوئی چیز نہیں ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جب سحرہ فرعون نے اپنی رسیاں و لاٹھیاں ڈال دیں تو انھوں نے لوگوں پر ڈھٹ بندی کر دی اس لفظ ڈھٹ بندی پر کہنے والوں نے دلیل پکڑی ہے کہ سحر صرف دھوکہ ہے قاضی کا قول ہے کہ اگر جادو برحق ہوتا تو وہ لوگوں کے دلوں پر جادو کرتے نہ ڈھٹ بندی کرتے پس ثابت ہوا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے لوگوں کے خیال میں عجیب باتیں ڈالی تھیں۔ باایں ہمہ حقیقت میں وہ باتیں ایسی نہ تھیں جیسی کہ لوگوں کے خیال میں پڑی تھیں "یعنی وہ لاٹھیاں اور رسیاں درحقیقت سانپ اور اژدھے نہیں بنی تھیں بلکہ صرف لوگوں کے خیال میں ایسی معلوم ہوتی تھیں اور یہ بات اُسی تاثیر قوت نفس انسانی کے سبب سے تھی حقیقتاً کوئی جادو نہ تھا ❁

ثم قال تعالیٰ فلما القوا سحروا اعین الناس واحتج به القایلون بان السحر محض التمویه قال القضی لو کان السحر حقا لکانوا قد سحروا قلوبهم لا اعینهم فثبت ان المراد انهم تخیلوا احوالا عجیبة مع ان الامر فی الحقیقة ما کان علی وفق ما خیلوه۔ تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۶۸۲۔ سورہ اعراف

دوسری بحث یہ ہے کہ اگر حضرت موسٰی کو بھی وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ دکھائی دیں اور انکو خوف ہوا تو اُن پر بھی سحرہ فرعون کے کرتب کی خواہ وہ جادو ہو یا ڈھٹ بندی یا تاثیر قوت نفس

سحرہ فرعون اثر ہوا جس سے حضرت موسےٰؑ کی نبوت پر بٹہ لگتا ہے مگر ہم اِس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت موسےٰؑ کو وہ رسیاں و لاٹھیاں سانپ دکھلائی دی تھیں اور اِس سبب سے وہ ڈر گئے تھے اگلے علماء نے بھی اِس بات سے انکار کیا ہے مگر جو تفسیر کی ہے وہ ٹھیک نہیں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ترجمہ میں بھی علانیہ چوک کی ہے مولوی رفیع الدین صاحب نے اُسکی کُچھ درستی کی ہے مگر بہ خوبی نہیں ہوئی۔ اور شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ بھی ٹھیک نہیں ہے ہم پہلے اگلے علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ پھر اپنی سمجھ بیان کرینگے +

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ابن عباس سے روایت کی گئی ہے کہ موسےٰؑ کے خیال تک پہنچا کہ اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ ہیں موسیٰ کی لاٹھی کی مانند پھر وحی بھیجی اللہ نے کہ ڈال دے اپنی لاٹھی۔ اِس پر محققوں کا قول ہے کہ ایسا ہونا ناجائز ہے اس لیئے کہ ہرگاہ حضرت موسےٰؑ خدا کی طرف سے پیغمبر تھے تو وہ پکے تھے اور اُن کو یقین تھا کہ فرعون والے اُن پر غالب نہونگے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ لوگ جو کُچھ مقابلہ میں لاویں گے وہ جادو اور جھوٹ ہوگا اور اِس یقین کے ساتھ اُن کو خوف ہونا ممکن ہے اگر کہا جاوے کہ کیا خدا نے نہیں کہا کہ موسیٰ کے جی میں ڈر ہوا تو ہم کہیں گے کہ اِس آیت میں یہ نہیں ہے کہ وہ ڈر اُن کو اِس سبب سے ہوا تھا بلکہ شاید حضرت موسےٰؑ کو ساحروں کے سحر سے اُن کی دلیل کے پیچھے پڑ جانے سے خوف پیدا ہو +

وروي عن ابن عباس رضي الله عنهما انه خيل الى موسى عليه السلام ان حبالهم وعصيهم حيات مثل عصاء موسى فاوحي الله عز وجل اليه ان الق عصاك قال المحققون ان هذا غير جايز لانه عليه السلام لما كان نبيا من عند الله تعالى كان على ثقة ويقين من ان القوم لم يغلبوه وهو عالم بان ما اتوا به على وجه المعارضة فهو من باب السحر والباطل ومع هذا الجزم فانه يمتنع حصول الخوف فان قيل اليس انه تعالى قال فاوجس في نفسه خيفة موسے قلنا ليس في الآية ان هذه الخيفة انما حصلت لاجل هذا السبب بل لعله عليه السلام خاف من وقوع التاخير في ظهور حجة موسے عليه السلام على سحرهم +
تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۸۲ - سورۂ اعراف +

تفسیر کبیر میں دوسرے مقام پر اِس سے بھی زیادہ صاف لکھا ہے کہ ابن وہب سے

جو روایت کی گئی ہے کہ سحرہ فرعون نے لوگوں کی آنکھوں پر اور موسیٰ کی آنکھ پر جادو کر دیا

فاما ماروی عن وھب انھم سحروا اعین الناس وعین موسٰے علیہ السلام حتے تخیل ذلک مستدلا بقولہ تعالٰی فلما القوا سحروا اعین الناس وبقولہ تعالٰی یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی فھذا غیر جایز لان ذلک الوقت وقت اظھار المعجزۃ والادلۃ وازالۃ الشبھۃ فلو صار بحیث لا یمیز الموجود عن الخیال الفاسد لم یتمکن من اظھار المعجزۃ فحینئذ یفسد المقصود فاذن المراد شاھد امرًا سے لولا علمہ بانہ لا حقیقۃ لذالک الشئے لظن فیھا انھا تسعی ۔ تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۵۴

تھا اور خدا کے اس قول کو دلیل پکڑا ہے کہ جب اُنھوں نے اپنی رسیاں و لاٹھیاں ڈالیں تو جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں پر اور خدا کے اس قول پر دلیل کی ہے کہ خیال گیا موسیٰ کا اُس کی طرف اُن کے جادو سے کہ وہ چلتی ہیں سو یہ بات ناجایز ہے اس لیئے کہ یہ وقت تھا وقت معجزہ دکھلانے کا اور دلیل قایم کرنے کا اور شبہ دُور کرنے کا پھر اگر موسیٰ ایسے ہو گئے تھے کہ موجود چیزیں اور خیال فاسد میں تمیز نہیں کر سکتے تھے تو معجزہ دکھلانے پر بھی قادر نہ ہوتے اور ایسے وقت میں مقصد خراب ہو جاتا پس اب یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک ایسی چیز دیکھی کہ اگر نہ جانتے ہوتے کہ اس چیز کی کچھ حقیقت نہیں ہے تو اُسکو خیال کرتے کہ وہ چلتی ہیں" پس یہ قول ہیں اگلے عالموں کے اور گو تفسیر کیسی ہی ہو مگر اُن کے نزدیک یہ بات محقق ہے کہ سحرہ فرعون کے سحر کا اثر حضرت موسٰے پر نہیں ہوا اور نہ اُنھوں نے اُن کی رسیوں اور لاٹھیوں کو چلتا جانا اور نہ اس سبب سے اُن کو کچھ ڈر ہوا ؛

ہمارا بھی یہی قول وہی مذہب ہے مگر سمجھ میں اور بیان میں کسی قدر فرق ہے خود جملہ سحروا اعین الناس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسٰے اس سے مستثنیٰ تھے اس لیئے کہ اس مقام پر حضرت موسٰے ایک شخص بہ مقابل سحرہ فرعون کے تھے اور اس لیئے ہر بات میں جو اُن سے متعلق ہو قابل ذکر خاص کے تھی مگر جب اُن کا ذکر نہیں کیا تو عام طرح پر کہنے میں وہ شامل نہیں ہو سکتے مثلاً کلوا و للوا دو پہلوان لڑ رہے ہوں اور کوئی دیکھنے والا کہے کہ کلوا نے ایسا داؤں کیا کہ سب دنگ رہے ۔ اس کلام کے سیاق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قایل نے جو لفظ سب کہا ہے اُس میں کلوا کو بھی داخل کرنا مقصود نہ تھا بلکہ سب دیکھنے والوں کا شامل کرنا مقصود تھا اسیطرح خدا کے اس کلام میں کہ لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا حضرت موسیٰ داخل نہیں ہو سکتے ؛

دوسری جگہ جو خدا نے فرمایا کہ یخیل الیہ من سحرہم انہا تسعے اس کا ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ کیا ہے کہ "نمودار شد پیش موسےٰ بسبب سحر ایشاں" "یخیل" کے لفظ کا ترجمہ "نمودار شد" صریح غلط ہے۔ مولوی رفیع الدین صاحب نے ترجمہ کیا ہے کہ "خیال بندھا تھا طرف اُس کے جادو اُن کے سے" یہ پرانی اُردو بھی ہے جس کا مطلب بخوبی سمجھنا ذرا مشکل ہے۔ مولوی عبد القادر صاحب نے ترجمہ کیا ہے کہ "اُس کے خیال میں آئے ہیں اُن کے جادو سے" کچھ شبہ نہیں کہ یہ ترجمہ بھی پہلے اُردو ترجمہ کا بھائی ہے اور ان تینوں ترجموں کا یہ خیال ہے کہ حضرت موسےٰ پر سحرہ فرعون کے جادو کا اثر ہوا تھا۔

مگر قرآن مجید کا مطلب صاف ہے کہ اگرچہ حضرت موسےٰ کو وہ رسیاں اور لاٹھیاں چلتی ہوئی نہیں معلوم ہوئیں مگر اُنھوں نے خیال کیا کہ اُن کے سحر کے سبب سے لوگوں کو چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔

اسی خیال پر وہ ڈر گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں بھی تو یہی کروں گا کہ اپنی لاٹھی کو اژدھا دکھلاؤں گا۔ پس مجھ میں اور اُن میں فرق کیا ہوگا لوگ بول اُٹھیں گے کہ دونوں برابر چھوٹے مگر اللہ نے القا کیا کہ تو بڑھ کر رہیگا تیری لاٹھی سب کو نگلنے لگیگی پس اسی تقویت پر موسیٰ نے جوں ہی اپنا لٹھ ڈالا وہ اژدھا سحرہ فرعون کے سانپوں سپولیوں کو نگلتا ہوا دکھلائی دیا اور موسیٰ کی جیت ہوگئی جادوگر قدموں پر آگرے فرعون بول اُٹھا کہ یہ بڑا جادوگر ہے پس یہ تمام واقعہ ہے حضرت موسیٰ و سحرہ فرعون کا اور اس واقعہ کو اُن اقسام ثلثہ سحر سے جن سے ہمنے انکار کیا ہے اور جادو کو برحق نہیں مانا کچھ تعلق نہیں ہے۔

دوسرا قصہ قرآن مجید میں ہاروت و ماروت کے سحر کا ہے۔ سورہ بقر میں خدا تعالیٰ یہودیوں کی بداعتقادیاں اور خرابیاں بیان کرتے کرتے فرماتا ہے کہ جب اُن کے پاس خدا کی طرف سے کوئی پیمبر آیا سچ بتاتا ہوا اُس چیز کو یعنی توراۃ کو جو اُن کے پاس ہے تو جن کو وہ کتاب ملی ہے اُنہی کے ایک گروہ نے خدا کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا کہ گویا جانتے ہی نہیں اور اُس چیز کی پیروی کی جس کو شیطان یعنی

ولما جاءهم رسول من عند الله مصدق لما معهم نبذ فريق من الذين اوتوا الكتب كتاب الله وراء ظهورهم كانهم لا يعلمون واتبعوا ما تتلوا الشياطين على ملك سليمان وما كفر سليمان ولكن الشياطين كفروا يعلمون الناس السحر وما انزل على الملكين

ببابل هاروت وماروت وما يعلمان
من احد حتی يقولا انما نحن فتنة فلا تكفر
فيتعلمون منهما ما يفرقون به بين المرء
وزوجه وما هم بضارين به من احد الا
باذن الله ويتعلمون ما يضرهم ولا ينفعهم
ولقد علموا لمن اشتراه ما له فی الاخرة
من خلاق ولبئس ما شروا به انفسهم لو
كانوا يعلمون - سورہ بقر آیت ۹۵ و ۹۶ +

کافر لوگ حضرت سلیمان کے عہد سلطنت میں
پڑھتے تھے سلیمان نے کفر نہیں کیا مگر شیطانوں
یعنی کافروں نے کفر کیا کہ لوگوں کو سحر سکھلاتے
اور اُس گروہ نے اِس چیز کی پیروی کی جس کو
وہ اپنے زعم میں سمجھتے تھے کہ دو فرشتوں پر
جن کا نام ہاروت و ماروت ہے اُتاری گئی ہے
حالانکہ وہ دونوں نہیں سکھاتے کسی کو یہاں تک
کہ کہتے ہیں کہ ہم تو فتنہ ہیں پھر مت کافر ہو پھر
سیکھتے اُن دونوں سے وہ چیز جس سے جدائی
ڈالیں جورو خصم میں حالانکہ وہ کسی کو اپنے جادو سے کچھ نقصان پہونچانے والے نہیں مگر خدا
کے حکم سے اور وہ لوگ سیکھتے وہ چیز جو اُن کو ضرر پہونچاتی نہ اُن کو نفع دیتی اور بیشک یہ بات
اُنھوں نے جان لی ہے کہ جو کوئی اُسکو خرید ے اُس کو آخرت میں کچھ فائدہ نہیں اور بیشک
برا ہے جو اُنہوں نے اپنی جانوں کے بدلے بیچا اگر وہ جانتے ہوتے "

ظاہرا اِن آیتوں میں کچھ مشکلات نہیں ہیں اور ہمنے ترجمہ میں بھی ان آیتوں کے مطلب کو
کسیقدر صاف کردیا ہے مگر مفسرین نے ان آیتوں کی تفسیر میں عجیب عجیب لغو اور بے سروپا
قصے بیان کیئے ہیں جو سب کے سب محض بے اصل ہیں - ہم اُن لغو اور مہمل قصوں کا تو ذکر
نہیں کرتے مگر چند اقوال جو قابل لحاظ ہیں نقل کرتے ہیں +

مفسرین کو اس مقام پر یہ مشکلیں پیش آئی ہیں کہ ہاروت و ماروت تو دو فرشتے تھے پھر اگر وہ
سحر سکھلاتے تھے تو کافر تھے مگر فرشتے کافر نہیں ہوسکتے - دوسرے یہ کہ خدا نے کہا ہے کہ یہودیوں
نے توریت کو پس پشت ڈال کر اُس چیز کی پیروی کی جو ہاروت و ماروت پر اُتاری گئی تھی اور یہ
کیونکر ہوسکتا ہے کہ خداتعالے فرشتوں پر سحر کی تعلیم جو کفر و باطل ہے نازل کرے +

اِن مشکلوں کے دُور کرنے کو بعض عالموں نے کہا ہے کہ وہ فرشتے نہ تھے چنانچہ تفسیر کبیر
میں لکھا ہے کہ حسن ملکین لام کے زیر سے پڑھتے
تھے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں اور ضحاک
سے اور ابن عباس سے بھی لام کے زیر ہی سے

قراء الحسن ملكين بكسر اللام وهو مروی
ايضا عن الضحاك وابن عباس ثم اختلفوا

فقال فقال الحسن کانا علجین اتلفین ببابل یعلمان الناس السحر وقیل کانا رجلین صالحین من الملوک - تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۴۵۴ سورہ بقر ۔

پڑھتا روایت کیا گیا ہے پھر اُن میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ وہ کون تھے حسن کا قول ہے کہ وہ دونوں بابل میں عجم کے کافروں میں سے تھے بغیر ختنہ کیئے ہوئے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دونوں بادشاہوں میں سے صالح آدمی تھے ۔

دوسری مشکل کے حل کرنے کو بعض عالموں نے اس آیت میں معطوف الیہ کو اَول بدل کر دیا ہے اور کہا ہے کہ وما انزل کا عطف ہے

ان موضعہ جو عطفا علی ملک سلیمان و تقدیرہ ماتتلوالشیاطین افتراء علی ملک سلیمان وعلی ما انزل علی الملکین وھواختیار ابی مسلم رحمۃ اللہ علیہ وانکر فی الملکین ان یکون السحر نازلا علیھما - تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۳۱۵ - سورہ بقر ۔

ملک سلیمان پر اور اُس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ پڑھتے تھے شیطان تہمت کر کر مُلک سلیمان پر اور اُس پر جو اُتارا گیا تھا دو فرشتوں پر اِس بات کو ابو مسلم نے اختیار کیا ہے اور اِس بات سے کہ دو فرشتوں پر جادو نازل ہوا تھا انکار کیا ہے ۔

ثم انہ رحمۃ اللہ سلک فی تفسیر الایۃ نھجا آخر یخالف قول اکثر المفسرین فقال کما ان الشیاطین نسبوا السحر الی ملک سلیمان مع ان ملک سلیمان کان مبرا عنہ فکذلک نسبوا ما انزل علی الملکین الی السحر مع ان المنزل علیھما کان مبراء عن السحر وذلک لان المنزل علیھما کان ھو الشرع والدین والدعاء الی الخیر وانما کانا یعلمان الناس ذلک مع قولھما انما نحن فتنۃ فلا تکفر توکیدا لبعثھم علی القبول والتمسک وکانت طایفۃ تتمسک وکانت طایفۃ

پھر خلاف سے ابو مسلم نے اِس آیت کی تفسیر میں دوسری راہ اختیار کی ہے جو اکثر مفسرین کے قول کے برخلاف ہے اور یہ کہا ہے کہ جس طرح شیاطین نے سلیمان کی بادشاہت کی طرف جادو کو منسوب کیا تھا حالانکہ سلیمان کی بادشاہت جادو سے پاک تھی اسی طرح اُنہوں نے اُن دونوں فرشتوں پر جو نازل ہوا تھا اُسکو بھی جادو کی طرف نسبت کیا تھا حالانکہ جو کچھ اُن فرشتوں پر اُترا تھا جادو ہونے سے پاک تھا اس لیئے کہ جو کچھ اُن پر اُترا تھا وہ شرع اور

تتمسك واخرى تخالف وتعدل عن ذلك
ويتعلمون منهما اى من الكفر والفتنة
مقدار ما يفرقون به بين المرء وزوجه
فهذا تقرير مذهب ابى مسلم۔ تفسیر کبیر
جلد ١ صفحہ ٣٥٤ سورہ بقر۔

دین اور نیک کاموں کی ہدایت کرتا تھا اور اُن کا
یہ کہکر کہ ہم فتنے ہیں تم کافر مت بنو لوگوں کو
سکھانا قبول کرنے اور ماننے پر مبعوث ہونے
کی دلیل ہے۔ ایک گروہ تھا کہ اُسکو مانتا تھا
اور دوسرا گروہ جو مخالفت کرتا تھا اور اس بات
سے ٹل جاتا تھا اور سیکھتا تھا اُن میں سے یعنی
کفر و فتنہ میں سے اس قدر جس سے جُدائی ڈال دے خصم جورو میں یہ بیان ہے مذہب
ابی مسلم کا۔

بعض عالموں نے اَور ہی معنی کہے وہ بولے کہ لفظ ما دونوں جگہ نافیہ ہے اور وما

ان یکون ما بمعنی الجحد ویکون معطوفا
علی قوله تعالی وما کفر سلیمان کانه قال لم
یکفر سلیمان ولم ینزل علی الملکین سحر
لان السحرة کانت تضیف السحر الی سلیمان
وتزعم انه مما انزل علی الملکین ببابل هاروت
وماروت فرد الله علیهم فی القولین وقوله
ما یعلمان من احد جحد نفیا اے لا
یعلمان احدا بل ینهیان عنه اشد النهی
واما قوله تعالی حتی یقولا انما نحن فتنة اے
ابتلاء وامتحان فلا تکفر وهو کقولک ما
امرت فلانا بكذا حتى قلت له ان فعلت كذا
فلك كذا اے ما امرته به بل حذرته عنه۔
تفسیر کبیر جلد ١ صفحہ ٣٥٤۔

انزل علی الملکین کا عطف ماکفر سلیمان پر
ہے گویا خدا نے یہ کہا ہے کہ نہیں کافر ہوا سلیمان
اور نہیں اُتارا فرشتوں پر جادو کیونکہ ساحر
جادو کو حضرت سلیمان کی طرف لگاتے تھے و
گمان کرتے تھے کہ جادو وہ چیز جو بابل میں
دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اُتارا ہے۔ پھر
اللہ تعالی نے اُن کی اِن دونوں باتوں کو مردود
کردیا اور یہ جو آیت میں ہے کہ ما یعلمان من
احد یہاں بھی ما بمعنی نفی کے ہے یعنے وہ
دونوں نہیں سکھاتے تھے کسی کو بلکہ اُس کے
سیکھنے سے منع کرتے تھے نہایت درجہ کا منع
کرنا اور یہ جو خدا نے کہا کہ حتی یقولا انما نحن
فتنة اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم
بلا اور امتحان ہیں پھر کافر مت بنو یہ ایسی بات ہے
جیسی کہ تم کہو کہ میں نے نہیں حکم دیا اُس شخص
کو ایسا کرنے کا یہاں تک کہ میں نے اُسکو کہا کہ اگر تو ایسا کرے گا تو تیرا یہ حال ہوگا پس اس کا بھی

مطلب ہے کہ میں نے اُسکو حکم نہیں دیا بلکہ منع کیا اور ڈرایا ؛

یہ ہیں تقریریں پچھلے عالموں کی اِن آیتوں کی تفسیر میں اور ان تقریروں میں جو کچھ کچا پن یا پکا پن ہے وہ سوچنے والے اور غور کرنیوالے شخص پر ظاہر ہے ہمارا مقصد اِن کے نقل کرنے سے صرف یہ ہے کہ اگلے عالموں میں بھی ہاروت ماروت کے فرشتہ ہونے سے اور اِس بات سے کہ خدا کی طرف اُن پر جادو کا علم نازل ہوا تھا انکار کیا ہے ؛

ہماری سمجھ میں اِس آیت کے معنی ایسے صاف اور آسان اور روشن ہیں کہ چٹیل میدان اور خشک پہاڑ کی گھاٹیوں میں اُونٹ لیجانے والوں کو بھی جن کے سمجھانے کو قرآن اُترا تھا کچھ شبہ نہیں رہتا ہاروت و ماروت قرآن مجید میں غیر منصرف آئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ عجمی ہیں دو شخصوں کے نام ہیں جو اُس زمانہ کے لوگوں کے نزدیک نہایت صالح تھے اور اُن کی نیکی یا اعمال کے سبب اُس زمانہ کے لوگ بطور مدح اُن کو فرشتہ کہتے تھے جس طرح کہ زلیخا کی سہیلیوں نے حضرت یوسفؑ کو دیکھکر کہا تھا کہ ماھذا بشرا ان ھذا الاملک کریم اُس زمانہ کے لوگ اسی طرح اُن کے معتقد ہوں گے جیسے مسلمان حضرت شیخ غوث محمد گوالیری کے اعمال کے معتقد ہیں۔ بہرحال خدا نے یہودیوں کی نسبت فرمایا کہ اُنھوں نے توریت کو پیٹھ کے پیچھے پھینکا اور اُس چیز کی پیروی کی جس کو سلیمان کے وقت میں کافر پڑھا کرتے تھے اور وہ یہی اعمال سحر وغیرہ تھے اور اُنھوں نے اُس چیز کی پیروی کی جس کو وہ اپنے زعم باطل میں سمجھتے تھے کہ بابل میں ہاروت و ماروت پر جو اُن کے زعم میں مثل فرشتوں کے تھے اُتاری گئی ہے حالانکہ یہ کام اور یہ زعم ان کا غلط تھا پس اِس جگہ پر قرآن مجید میں جو لفظ ملکین اور ما انزل کا آیا ہے وہ حکایتاً اُن لوگوں کے خیال کے مطابق آیا ہے جو اُسکو ایسا سمجھکر اُسکی پیروی کرتے تھے نہ حقیقتاً اور اِس لیئے یہ سمجھنا کہ درحقیقت وہ فرشتے تھے اور درحقیقت کوئی چیز خدا نے اُن پر نازل کی تھی صریح غلطی ہے ؛

اَب پھر ہم اپنے مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں اس آیت سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ہاروت و ماروت لوگوں کو عموماً سحر یا جورو خصم میں مفارقت دلوا دینے کا عمل سحر لوگوں کو سکھلاتے تھے اور یہ بات ہمارے مخالف نہیں جیسا کہ کیمیا گر کیمیا کے بہت سے نسخے بتاتے ہیں مگر یہ کہ وہ سحر برحق تھا یا مؤثر فی الحقیقت تھا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اُس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے اور اُسکی تین دلیلیں انھی آیتوں میں موجود ہیں ؛

اوّل یہ کہ وہ خود ہاروت و ماروت سیکھنے والوں سے کہتے تھے کہ یہ نہایت خراب کام ہے تم مت سیکھو یہ بات کچھ تعجب کی نہیں اِس زمانہ میں بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کوئی برا کام جانتے ہیں مگر جب کوئی ان سے سیکھنا چاہتا ہے تو کہتے ہیں کہ خراب کام ہے کیوں سیکھتے ہو مگر جب سیکھنے والا اصرار کرتا ہے تو سکھا دیتے ہیں پس یہ کلام ہاروت و ماروت ایک عام مجراء طبعی کے موافق تھا جس سے بے حقیقت ہونا سحر کا مترشح ہوتا ہے +

دوسرے یہ کہ خود خدا نے فرمایا ہے کہ وہ کسی کو بسبب اپنے سحر کے کچھ نقصان پہونچانیوالے نہ تھے اور یہ کہنا نص صریح اس بات پر ہے کہ سحر کچھ اثر نہیں تھا اور یہی معنی سحر کے باطل ہونے کے ہیں آگے جو خدا نے فرمایا کہ الّا باذن اللہ اس کے یہ معنی سمجھنا کہ اُن کا سحر خدا کے حکم پر اثر کرتا تھا محض غلطی و ناسمجھی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عامل یا جادوگر کسی کام کے لیئے عمل یا جادو پڑھتا ہے اور وہ کام اُس کی خواہش کے مطابق ہوجاتا ہے اور شبہ پڑتا ہے کہ عمل یا جادو کے اثر سے ہوا ہے اِس شبہ مٹانے کو خدا نے فرمایا الّا باذن اللہ یعنی ایسی حالت میں جو کام ہوجاتا ہے وہ خدا کے حکم سے ہوجاتا ہے۔ کچھ جادو یا عمل کے سبب سے نہیں ہوتا +

تیسرے یہ کہ آخر میں انہی آیتوں کے خدا نے فرمایا ہے کہ جو کچھ وہ سیکھتے ہیں وہ اُن کو کچھ نفع نہیں دیتے پس اِس سے زیادہ اَور کیا ثبوت ہوگا کہ جادو میں کچھ اثر نہیں ہے اور یہی امر جادو کا باطل ہونا ہے پس کچھ شبہ نہیں کہ قرآن کی رُو سے جادو باطل ہے +

تفسیر القرآن

سورة الجن مكية وهي ثمان وعشرون اٰية وركوعان



سورہ جن

مکے میں اُتری اِس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔ اس سورۃ میں لفظ جن آیا ہے اور اسی لفظ کے سبب اِس کا نام سورہ جن ہوا ہے۔ ہمارے قدیم عالموں اور مفسروں نے اپنی معمولی عادت کے مطابق اس سورۃ میں جو کچھ بیان ہوا ہے اسکو بھی ایک عجیب و غریب قصہ

بنایا ہے اُن کے خیال میں آیا کہ اس مقام پر لفظ جن سے وہ مخلوق مراد ہے جسکو عوام الناس جن خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ہوائی آگ کے شعلہ سے بنی ہوئی مخلوق ہے جو دکھلائی نہیں دیتی ۔ مگر طرح بطرح شکلوں میں بن جانے اور انسانوں کے سروں پر آنے اور اُن کو تکلیف دینے یا اُن کا کام خدمت کرنے کی قدرت رکھتی ہے ۔ یہ خیال صحیح ہو یا غلط مگر اس سورت میں لفظ جن سے وہ جن جو لوگوں کے خیال میں ہے ہرگز مراد نہیں ہے ۔ لفظ جن لفظ اجتنان سے مشتق ہے جس کے معنی چھپے ہوئے کے ہیں اور عربی زبان کے محاورہ میں جو چیز پوشیدہ ہو اُس پر جن کا اطلاق کرسکتے ہیں یہاں تک کہ پیٹ کے بچے کو بھی جنین اسی لیئے کہتے ہیں کہ وہ پیٹ کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے ۔ مکہ کے کافروں کی عادت تھی کہ چھپ چھپ کر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں سُنا کرتے تھے اسی طرح چند آدمیوں نے جن کا اس سورۃ میں ذکر ہے چھپ کر جناب رسول خدا صلعم کو قرآن پڑھتے سُنا اور اُن کے دلوں پر اثر ہوا اور وہ ایمان لے آئے اور بہ سبب اس کے کہ اُنھوں نے پوشیدہ ہو کر سُنا تھا اُن پر نفر من الجن کا اطلاق ہوا ۔ ہمارے مفسروں نے اُن کو سچ مچ کا جن بنا دیا خدا تعالےٰ نے ان لوگوں کا چھپ کر قرآن سُننا اور ایمان لانا اور جو کچھ اُنھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے جاکر کہا آنحضرتؐ صلعم کو وحی سے بتلا دیا +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱) قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا +

(۱) کہدے اے محمدؐ کہ مجھ کو وحی سے معلوم ہوا ہے کہ چند چھپے ہوئے شخصوں نے مجھ کو قرآن پڑھتے سُنا پھر اُنھوں نے کہا کہ ہمنے ایک عجب قرآن سُنا +

(۲) يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا +

(۲) جو اچھی بات بتلاتا ہے ہم تو پر اُس پر ایمان لائے اور ہرگز ہم اپنے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرینگے +

جن لوگوں نے چھپ کر قرآن سُنا۔ یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور بُت پرست تھے۔ ہمارے ہاں کے قدیم عالم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ بے شک وہ چاروں مذہب والے تھے مگر اس قدر زیادہ بڑھا دیا ہے کہ وہ سب جن تھے کیونکہ اُن کے نزدیک جنوں میں یہودی مذہب کے اور عیسائی مذہب کے اور آتش پرست اور بت پرست سب طرح کے جن ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ کہ حسن نے ذکر کیا کہ اُن میں یعنی جنوں میں یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور بُت پرست جن تھے ہم اسیقدر کہتے ہیں کہ حضرت وہ جن نہ تھے آدمی تھے۔ اُن لوگوں میں جو لوگ عیسائی تھے اور حضرت عیسے کو ابن اللہ جانتے تھے انہوں نے کہا۔

وذکر الحسن ان فیھم یہود ونصاری ومجوسا ومشرکین۔ تفسیر کبیر صفحہ ۱۳۷ جلد ۶

(۳) وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ○

(۳) اور ہمارا پروردگار بہت بڑا ہے نہ اُس نے کوئی جورو کی ہے نہ اُس کا کوئی بیٹا ہے۔

(۴) وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ○

(۴) اور بے شک یہ بات تھی کہ ہمارے بے وقوف (یعنی اُن کے پیشوا) خدا پر جھوٹ بولتے تھے۔

(۵) وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ○

(۵) اور بے شبہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ انسان اور جنات کبھی خدا پر جھوٹ بات نہ کہیں گے۔

جن لوگوں کا یہ قول ہے وہ یقین کرتے تھے کہ جنات بھی مثل انسان کے مخلوق ہے اسلیئے اُنھوں نے اس مقام پر انسان اور جنات دونوں کا نام لیا پس یہ تصور نہ کرنا چاہیئے کہ اس مقام پر خدا تعالیٰ نے جن کی کچھ حقیقت بتائی ہے کیونکہ یہ اُن لوگوں کے قول کا بیان ہے جنھوں نے چھپ کر قرآن سُنا تھا اور اُن لوگوں میں جو لوگ کفار عرب تھے اُنھوں نے کہا۔

(۶) وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن

(۶) اور یہ بات ٹھیک ہے کہ ایسے لوگ تھے جو پناہ مانگتے تھے مرد جناتوں سے پھر اُن کی

فزادوھم رھقاً ۔ | ڈھٹائی زیادہ ہو گئی تھی ۔

عرب کے کافروں کے جو لوگ پیشوا تھے اُن کی عادت تھی کہ جب سفر میں یا شکار میں کسی میدان میں جا کر اُترتے تو لوگوں کے دکھلانے کو وہاں کے جنوں کے سردار سے پناہ مانگتے تھے اور اس سبب سے اُن کے پیرو کافروں میں ان کی توقیر اور ان کا ادب اور ڈر بڑھ جاتا تھا اور خود اُن کے پیشواؤں کے دلوں میں تکبر و غرور زیادہ سماجاتا تھا اِسی بات کا ذکر اِس آیت میں ہے اور اُن لوگوں میں جو لوگ یہودی تھے اور یقین کرتے تھے کہ بعد حضرت موسےٰ کے کوئی پیغمبر صاحب شریعت نہ ہوگا۔ اُنہوں نے کہا۔

(۷) وانھم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث اللہ احداً ۔	(۷) اور بے شک لوگوں نے سمجھا تھا جیسا کہ تم سمجھے ہو کہ کسی پیغمبر کو خدا نہیں بھیجے گا ۔

اور اُن لوگوں میں سے جنہوں نے چھپ کر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھتے سُنا تھا جو لوگ نجومی آتش پرست تھے اور ستاروں کی گردش سے سعادت و نحوست اور غیب کی باتیں سمجھتے تھے اُن لوگوں نے کہا۔

(۸) وانا لمسنا السماء فوجدنھا ملئت حرساً شدیداً و شھباً ۔	(۸) اور بلاشبہ ہمنے ڈھونڈ ڈالا آسمانوں کو پھر ہمنے اُسکو سخت چوکیداروں اور آگ کے بھڑکتے شعلوں سے بھرا ہوا پایا ۔
(۹) وانا کنا نقعد منھا مقاعد للسمع فمن یستمع الان یجد لہ شھاباً رصداً ۔	(۹) اور بے شک ہم آسمانوں کے بیٹھنے کی جگہ میں سُننے کے لیئے بیٹھتے تھے پھر اب جو کوئی سُنتا ہے تو اپنے لیئے ایک بھڑکتا ہوا آگ کا شعلہ تاک میں لگا پاتا ہے ۔
(۱۰) وانا لا ندری اشر اُرید بمن فی الارض ام اراد بھم ربھم رشداً ۔	(۱۰) اور ہم نہیں جانتے کہ بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے اُن لوگوں کے لیئے جو زمین پر ہیں یا اُن کے پروردگار نے اُن کے لیئے بھلائی کا ارادہ کیا ہے ۔
(۱۱) وانا منا الصلحون ومنا	(۱۱) اور بے شبہ ہم میں سے نیک بھی ہیں

دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَائِقَ قِدَدًا +

اور ہم میں سے دوسری طرح کے بھی ہیں ہم مختلف راہوں پر ہیں +

(۱۲) وَاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا +

(۱۲) اور بیشک ہمنے جان لیا کہ ہرگز ہم خدا کو نہیں ہرا سکتے زمین میں اور نہ اُسکو ہرا سکتے ہیں بھاگ کر +

(۱۳) وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ یُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا +

(۱۳) اور بیشک جب ہمنے ہدایت کی بات سُنی اُس پر ایمان لائے پھر جو کوئی اپنے خدا پر ایمان لاوے تو اُسکو کسی قسم کے نقصان اور زیادتی کا ڈر نہیں +

(۱۴) وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا +

(۱۴) اور بے شبہ ہم میں فرماں بردار بھی ہیں اور نافرمان بھی ہیں پھر جو کوئی فرماں بردار ہوئے تو اُنھوں نے بھلائی کا قصد کیا +

(۱۵) وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا +

(۱۵) اور جو نافرمان ہوئے تو وہ دوزخ کے کندے ہوئے +

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا اُن لوگوں کے اقوال کا بیان تھا جنھوں نے چھپ کر قرآن سُنا تھا اور اسی بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور بُت پرست تھے کیونکہ اُن کی باتوں میں پہلی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے نہ [illegible] جورو کی ہے اور نہ اُس کے کوئی بیٹا ہے ہمارے پیشواؤں نے خدا پر تہمت لگائی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا سمجھنا عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ پس جن لوگوں نے اس عقیدہ کے غلط ہونے کا اقرار کیا بیشک وہ عیسائی تھے +

دوسری بات اُنھوں نے یہ کہی کہ انسانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو جناتوں سے پناہ چاہتے تھے یہ طریق عرب کے بت پرست کافروں کا تھا اور جن لوگوں نے اس عقیدہ کو قرآن سنکر غلط سمجھا بلاشبہ وہ لوگ عرب کے بُت پرست کافر تھے +

تیسری بات اُنھوں نے یہ کہی کہ ہم سمجھتے تھے کہ خدا کسی پیغمبر کو نہیں بھیجنے کا - یہ عقیدہ یہودیوں کا تھا وہ سمجھتے تھے کہ جو شریعت موسٰے کو دی گئی ہے وہ ابدی ہے اب کوئی پیغمبر صاحب شریعت مبعوث نہیں ہونے کا جن لوگوں نے قرآن سُن کر اس عقیدہ کو غلط جانا اور اس بات پر یقین کیا کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور پیغمبر پر نازل ہوا ہے اور ایک پیغمبر آخرالزمان صاحب شریعت مبعوث ہوا ہے وہ لوگ بلاشبہ یہودی تھے +

چوتھی بات اُن لوگوں نے یہ کہی کہ ہم جو بیٹھ بیٹھ کر آسمانوں میں سے غیب کی باتیں سُنتے تھے اب سُننے والوں پر شہاب ثاقب مارے جاتے ہیں - اس کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اس بات کے کہنے والے مجوسی آتش پرست تھے اُس فرقہ کے پیشوا نجوم پر یقین رکھتے تھے اور ستاروں کے مقامات سے غیب کی خبریں دیتے تھے اور ہر ایک کے بھلائی بُرائی تبلاتے تھے پس جن لوگوں نے قرآن مجید سُن کر اس عقیدہ کو غلط سمجھا اور اس پر ایمان لائے کہ نجومی جھوٹے ہیں اور غیب کی بات کوئی نہیں جان سکتا اور خدا کو نہ کوئی ہرا سکتا ہے اور نہ اُس کو جیت سکتا ہے نہ اُس سے بھاگ سکتا ہے بلاشبہ وہ لوگ مجوسی تھے یعنے آتش پرست +

اب اس مقام پر ایک اور بات بھی بیان کرنے کے قابل ہے - ہمارے قدیم عالموں نے ان پچھلی آیتوں کو بھی بطور ایک عجیب قصہ کے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلعم کے مبعوث ہونے سے پہلے جن اور شیطان آسمان دنیا تک جاتے تھے اور چپکے سے کان لگا کر ملاء اعلےٰ میں جو باتیں فرشتے کرتے تھے چوری سے سُن لیتے تھے اور اس چوری سے وہ جان جاتے تھے کہ دنیا میں کیا ہونیوالا ہے اور کاہنوں اور جادوگروں اور نجومیوں وغیرہ کو جو اُن کی پوجا کرتے تھے غیب کی خبر دیتے تھے - جب آں حضرت صلعم مبعوث ہوئے تو شیطانوں اور جنوں کا اوپر جانا اور چوری سے ملاء اعلےٰ کی باتیں سُننا بند ہو گیا اور آسمان میں بہ نسبت سابق کے چوکی پہرہ زیادہ بڑھ گیا ہے - جگہ جگہ چوکیدار بیٹھ گئے اور آگ کے شعلے بھی بڑھا دیئے یہاں تک کہ کوئی جگہ خالی نہیں رہی اب جو شیطان یا جن آسمان پر باتیں سُننے جانا چاہتا ہے اُس پر شہاب ثاقب کی مار پڑتی ہے اور رات کو جو ہم ستارے ٹوٹتے دیکھتے ہیں یہ وہی شعلہ ہائے آتشیں ہیں جو شیطانوں اور جنوں کو مارے جاتے ہیں +

مگر یہ سب باتیں غلط اور لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں - مذہب اسلام اور خدائے پاک کا کلام ان دُور از کار قصوں سے پاک ہے اس مقام پر اُن نجومیوں کا قول جو قرآن سُن کر ایمان لائے تھے

نہایت خوبی اور فصاحت و بلاغت سے استعارے میں بیان کیا گیا ہے نجومی کہتے ہیں کہ ہمنے آسمان کو بہت ڈھونڈا یعنی اُس کے ستاروں کی گردش اور اُن کی سعادت و نحوست پر غور و فکر کی مگر اُسکو چوکیداروں اور آگ کے شعلوں سے بھرا ہوا پایا یعنے کوئی راہ ایسی نہیں پائی جس سے درحقیقت غیب کی بات دریافت کرسکیں اور جو کچھ بھلائی یا بُرائی انسان کے لیئے ہونے والی ہے اُسکو ادل بدل کردیں ◆

لفظ لمس جو قرآن مجید میں آیا ہے اُس کے معنی چھونے کے ہیں مگر اُس سے ڈھونڈنے کا مطلب لیا جاتا ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ لمس کے معنی چھونے کے ہیں اُس سے مراد لی گئی ہے ڈھونڈنا تلاش کرنا کیونکہ چھونیوالا بھی تلاش کرنیوالا اور دریافت کرنیوالا ہوتا ہے

اللمس لمس فاستعیر للطلب لان الماس طالب متعرف یقال لمسہ والتمسہ

عربی زبان میں چھولیا یعنی ڈھونڈلیا بولا جاتا ہے۔ جناب مولوی عبدالقادر صاحب نے اسکا ٹٹولنا نہایت عمدہ ترجمہ کیا ہے کیونکہ اُردو زبان میں ٹٹولنا چھو کر دریافت کرنے اور صرف کسی بات کے دریافت کرنے دونوں پر بولا جاتا ہے اسی طرح لفظ لمس عربی محاورہ میں دونوں پر بولا جاتا ہے مگر ہمنے بنظر مزید توضیح ڈھونڈنا ترجمہ اختیار کیا ہے پس جن لوگوں نے کہ لفظ لمس پر خیال کرکر یہ قصہ بنالیا ہے کہ جن و شیطان آسمان تک جاتے تھے اُنھوں نے محض غلطی کی ہے ◆

اب وہی نجومی کہتے ہیں کہ ہم بہت بیٹھ بیٹھ کر آسمانوں کی باتیں سُنا کرتے تھے یعنی اُس کے ستاروں کی گردش سے غیب کی باتیں سمجھا کرتے تھے مگر اب اس قرآن کو سُننے اور ایمان لانے کے بعد ہمکو یہ یقین ہوا ہے کہ جو کوئی نجوم سے غیب کی بات دریافت کرتا ہے تو اُس کے لیئے بجز آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلہ کے اور کچھ نہیں ہے یعنی کوئی چیز غیب کی دریافت نہیں کرسکتا اور کوئی نہیں جان سکتا کہ خدا کا کیا ارادہ ہے بھلائی کا یا بُرائی کا۔ اس بیان سے صرف اس قدر مطلب ہے کہ علم نجوم کے ذریعہ سے غیب کی بات دریافت کرنے کا درحقیقت رستہ بند ہے کسیطرح خدا کی بات دریافت نہیں ہوسکتی۔ خدا سے نہ کوئی جیت سکتا ہے نہ اُسکی مشیت سے بھاگ سکتا ہے۔ پس اِن باتوں کو ہمنے قرآن سے سُنکر اُس پر ایمان لے آئے قرآن مجید کا صاف صاف یہ مطلب ہے جس کو لوگوں نے عوام الناس کے سامنے عجیب عجیب باتیں کہنے کے لیئے ایک

ایسا قصہ بنایا ہے جس پر کوئی ذی عقل یقین نہیں کرسکتا مگر غور کرنے سے ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ یہ صرف ایک ساختہ قصہ ہے قرآن مجید کا یہ مطلب نہیں ہے۔ مفسرین کی گھڑت ہے کہ ایک لفظ کی مناسبت سے اُس کے تمام لوازمات کو اکٹھا کر کے ایک خیالی قصہ بنا لیتے ہیں ÷

اب خدا تعالےٰ نے اس قصہ کو بیان فرما کر تمام لوگوں کی ہدایت کی طرف توجہ فرمائی اور آں حضرت صلعم کو لوگوں میں وعظ فرمانے کی طرف متوجہ کیا اور آں حضرت کو فرمایا کہ۔

(۱۶) وان لو استقاموا علے الطریقۃ لاسقینھم ماءً غدقاً ÷

(۱۶) اے محمد تو لوگوں سے کہدے کہ مجھ پر تو وحی آئی ہے کہ اگر لوگ سیدھی راہ پر قایم رہتے تو ہم اُن کو پیٹ بھر کر پانی پلاتے ÷

(۱۷) لنفتنھم فیہ ومن یعرض عن ذکر ربہ یسلکہ عذاباً صعداً ÷

(۱۷) تا کہ اُس میں اُن کو آزماتے اور جو منہ موڑے اپنے پروردگار کی یاد سے ڈالے گا اُسکو چڑھنے والے عذاب میں ÷

(۱۸) وان المسجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً ÷

(۱۸) اور مسجدیں اللہ کے لیئے ہیں پھر اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو ÷

(۱۹) وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ کادوا یکونون علیہ لبداً ÷

(۱۹) اور جب خدا کا بندہ کھڑا ہوا کہ پکارے اپنے اللہ کو تو اُس پر غول پر غول چڑھنے کو ہوئے ÷

(۲۰) قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احداً ÷

(۲۰) کہدے کہ میں تو اپنے ہی پروردگار کو پکارتا ہوں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ÷

(۲۱) قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشداً ÷

(۲۱) کہدے کہ میرے اختیار میں تمہارے لیئے نہ بُرا کرنا ہے اور نہ بھلا کرنا ÷

(۲۲) قل انی لن یجیرنی من اللہ احد ولن اجد من

(۲۲) کہدے کہ بے شک خدا سے مجھے کوئی نہ بچاوے گا اور نہیں پاؤنگا سوا کوئی

دونه ملتحداً ◆

جگہ پناہ کی پاؤں گا ◆

(۲۳) الا بلغا من الله و رسلته و من یعص الله و رسوله فان له نار جهنم خلدین فیها ابداً ◆

(۲۳) سوائے پہونچانے خدا کے حکموں اور اُس کے پیغاموں کے اور جس نے خدا کی اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی تو اُن کے لیئے جہنم کی آگ ہے ہمیشہ اُس میں رہیں گے ◆

(۲۴) حتی اذا راوا ما یوعدون فسیعلمون من اضعف ناصرا و اقل عدداً ◆

(۲۴) یہاں تک کہ جب دیکھینگے کہ وہی ہوا جو اُن سے کہا گیا تھا تب جانیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور گنتی میں بھی کچھ نہیں ◆

(۲۵) قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل له ربی امداً ◆

(۲۵) کہدے کہ مَیں نہیں جانتا کہ جو وعدے تم سے کیے گئے ہیں کیا وہ قریب ہونیوالے ہیں یا میرا پروردگار اُن کو کردے گا دُور دراز ◆

(۲۶) علم الغیب فلا یظهر علی غیبه احداً ◆

(۲۶) وہ غیب کی بات جانتا ہے پھر اپنی غیب کی بات کسی کو نہیں جتلاتا ◆

(۲۷) الا من ارتضی من رسول فانه یسلک من بین یدیه و من خلفه رصداً ◆

(۲۷) سوائے اُس کے جس کو پیغمبر کرنا پسند کرتا ہے پھر وہی رکھتا ہے اُس کے آگے اور اُس کے پیچھے نگہبانی ◆

(۲۸) لیعلم ان قد ابلغوا رسلت ربهم و احاط بما لدیهم و احصی کل شیء عدداً ◆

(۲۸) تاکہ جان لے کہ بیشک اُنھوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہونچا دیئے اور گھیر لیا ہے اُس چیز کو جو اُن کے پاس ہے اور گن لیا ہے ہر چیز کو ایک ایک کر کے ◆

سورۃ الفیل مکیۃ وھی خمس آیات

سورہ فیل

مکہ میں اتری اس میں پانچ آیتیں ہیں اس سورۃ میں لفظ فیل آیا ہے اور اس سبب سے اس کا نام "سورہ فیل" ہوا ہے یعنی وہ سورۃ جس میں ہاتی کا نام ہے یا ہاتی والوں کا قصہ ہے۔

ابرھۃ الاشرم یمن کا بادشاہ جو عیسائی مذہب کھتا تھا اُس نے کعبہ کے ڈھانے کے ارادہ سے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسکو اور اُس کے لشکر کو برباد کردیا وہی قصہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں فرمایا ہے۔

مفسرین کی عادت ہے کہ اصل بات کو بڑھا کر کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اس اصلی واقعہ کو بھی کہانی کی صورت پر بنا لیا ہے اور اپنی تفسیروں میں اس طرح لکھا ہے کہ جب ابرھہ کا لشکر ہاتیوں سمیت کعبہ کے پاس آیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کے پرند جانوروں کو حکم دیا کہ مسور یا چنے کے دانہ کے برابر ایک کنکری چونچ میں اور ایک ایک دونوں پنجوں میں لیکر جاؤ اور ابرھہ کے لشکر پر چھوڑ دو۔ اُن پرندوں نے ایسا ہی کیا اور کنکری جس کے سر پر پڑی پار نکل گئی سارا لشکر برباد ہو گیا اور اس قصہ کے لیئے کچھ بے اصل روایتیں بھی گھڑلی ہیں اور لفظی مناسبت سے تمام اُس کے لوازمات از خود خیال کر لیئے ہیں۔ قرآن مجید میں اس طرح پر یہ قصہ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید سے صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ ابرھہ کے لشکر پر ایک آفت پڑی اور وہ برباد ہو گیا۔ اس آفت کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے مگر قرآن مجید کی سیاق عبارت سے اور تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفت وبائی چیچک کی بیماری تھی جو ابرھہ کے لشکر میں دفعتاً زمانہ محاصرہ مکہ میں پھیلی اور بہت سے آدمی اور جانور چیچک سے مر گئے اور سارا لشکر تباہ ہو گیا اسی واقعہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں فرمایا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(۱) اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ	(۱) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے خدا نے

باصحاب الفيل ﴿	ہاتی والوں کے ساتھ کیا کیا ﴿
(۲) الم يجعل كيدهم في تضليل ﴿	(۲) کیا اُن کے فند کو بیکار نہیں کیا ﴿
(۳) وارسل عليهم طيراً ابابيل ﴿	(۳) اور بھیجے اُن پر وبالوں کے غول ﴿
(۴) ترميهم بحجارة من سجيل ﴿	(۴) جو اُن پر پتھر (یعنی آفت) ڈالتے تھے جو اُن کے لیئے لکھے ہوئے تھے ﴿
(۵) فجعلهم كعصف مأكول ﴿	(۵) پھر کر دیا اُن کو جیسے کرم کھائی کھیتی ﴿

اس سورۃ میں چند لفظ ایسے ہیں جن کے سبب سے لوگوں نے دھوکا کھایا ہے اور اصلی بات کو چھوڑ کر قصہ بنا لیا ہے اِس لیئے اُن لفظوں کی تحقیق ضرور ہے ﴿

طیراً کا لفظ جو اس میں ہے وہ لفظ طایر کی جمع ہے مگر مفرد پر بھی اطلاق ہوتا ہے جیسکہ صراح میں لکھا ہے وقد يقع الطير على الواحد جیسا کہ قرآن میں بھی اللہ تعالے نے فرمایا ہے فيكون طيراً باذن الله پس طیراً اور طایر دونوں کے ایک معنی ہیں ﴿

ان دونوں لفظوں کے لغوی معنی پرند جانور کے ہیں مگر شومی اور وبال اور بدفالی اور بدشگونی پر بھی اُن کا اطلاق ہوتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ عرب والے پرند جانوروں کے اڑنے سے شگن و بدشگن لیا کرتے تھے اس لیئے جب کسی پر آفت آتی تھی تو کہتے تھے کہ جری لفلان الطاير بكذا[1] یعنی اس کی چڑیا اسی طرح پر اڑی ہے پس اس سبب سے طائر کا لفظ بھی وبال اور شامت پر اطلاق ہونے لگا ﴿

لغات قرآن میں اس آیت کی تفسیر کہ طایرکم معکم یہ لکھی ہے کہ اى شؤمكم من عند انفسكم یعنی تمہاری چڑیا تمہارے ساتھ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا وبال تمہاری ہی ذات سے ہے اور تفسیر ابن عباس میں بھی طایرکم کے معنی مصائبکم کے لکھے ہیں یعنی تمہاری چڑیا سے تمہاری مصیبتیں مراد ہیں ﴿

طیر کا لفظ بھی اِن ہی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے چنانچہ صراح میں لکھا ہے کہ منه قولهم لا طير الا طير الله پس اس مقام پر اس سورۃ میں طیر کے لفظ سے وبال اور مصیبت مراد ہے جو ابرہہ کے لشکر پر پڑی مگر جو کہ اس لفظ کے معنی پرند جانور کے بھی ہیں اسلیئے لوگوں نے

---

[1] لغات القرآن ﴿

اُس کے لیئے ایک کہانی بنالی ہے ؛

ابابیل سے وہ پرند جانور مراد نہیں ہے جو گھروں کی چھت میں یا پُرانے مکانوں میں پرچل کا گھونسلا بنا کر رہتے ہیں اور شام کو مغرب کے وقت اُڑتے ہیں بلکہ اِس لفظ کے معنی کثرت کے ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی فوج فوج اس کا ترجمہ کیا ہے اور شاہ رفیع الدین صاحب نے جماعت جماعت اور شاہ عبدالقادر صاحب نے ٹنگ ٹنگ ؛

تفسیر معالم التنزیل میں ہے ابابیل کثیرۃ متفرقۃ یتبع بعضھا بعضاً یعنی ابابیل کہتے ہیں بہت سی متفرق چیز کو جو ایک دوسرے کے پیچھے ہو اور اِسی سبب سے ہمنے ابابیل کا ترجمہ غول کیا ہے ؛

حجارہ - ایک یہ لفظ ہے جس کے سبب سے لوگوں نے یہ قصہ گھڑ لیا ہے یہ جمع ہے حجر کی اور لغوی معنی اس کے پتھر کے ہیں اور لفظ ترمیھم جو اُس کے ساتھ ہے تو اُس سے اَور بھی لوگوں کو یہ خیال جم گیا کہ وہ پرند جانور پتھر مارتے تھے - مگر بات یوں نہیں ہے اصل یہ ہے کہ پتھر مارنے سے مراد مصیبت ڈالنا ہے اُردو محاورہ میں بولتے ہیں کہ پتھر پڑے ہیں یعنی آفت پڑی ہے - عرب میں بھی یہ محاورہ ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے رومی بحجارۃ الارض ای بداھیۃ یعنی زمین کے پتھر ڈالے گئے یعنی مصیبت میں مبتلا ہوا ؛

وفي حديث الاحنف قال علي حين ذدب معاويه عمراً للحكومة القد رميت بحجر الارض اى بداهة عظيمة تثبت ثبوت الحجر في الارض نهايه ابن اثير ومجمع بحار الانوار -

یعنی نہایہ ابن اثیر اور مجمع بحار الانوار میں لکھا ہے کہ جب معاویہ نے عمر بن العاص کو عامل کرنے کے لیئے بلایا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اُس پر زمین کے پتھر مارے گئے یعنی اٹل مصیبت پڑی جیسے کہ پتھر زمین سے اٹل ہوتا ہے ؛

لفظ سجیل - جبکہ مفسرین نے لفظ حجارہ سے اُس کے لغوی معنی پتھر کے لیئے تو لفظ سجیل کے بھی اُنھوں نے پتھر کے معنی لیئے یعنی مٹی کے پتھر اور اِس لیئے شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ کھنگر کردیا ہے یعنی وہ اینٹیں جو پژاوہ میں گل جاتی ہیں اور ایک دوسرے سے ملکر ڈھیم ہو کر بہت سخت ہو جاتی ہیں ؛

مگر سجیل یعنی سجل بھی آیا ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے - قولہ تعالیٰ من سجیل اے من

سجیل ای مما کتب لہم انہم یعذبون بہا قال اللہ تعالیٰ ما ادراک ما سجین کتاب مرقوم والسجیل بمعنی السجین قال الازہری ہذا احسن مما مر فیہا عندی یعنی من سجیل کے معنی ہیں سجل کے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز سے خدا نے اُن کے لیئے لکھا تھا کہ عذاب دیئے جاویں گے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا جانتا ہے تو اے محمد کہ کیا ہے سجین وہ لکھی ہوئی کتاب ہے اور سجیل کے بھی وہی معنی ہیں جو سجین کے ہیں اور ازہری کا قول ہے کہ یہی معنی میرے نزدیک سجیل کے لفظ کے اُن سب معنوں سے بہتر ہیں جو اوپر گذرے پس اب معنی بالکل صاف ہو گئے اور اسی لیئے ہم نے سجیل کا ترجمہ "جو اُن کے لیئے لکھے ہوئے تھے" کیا ہے ؛

لفظ عصف کے معنی ہیں خراب ہوئی یا روندی ہوئی یا کٹی ہوئی یا چری ہوئی یا کیڑے کھائی ہوئی زراعت کے خواہ اُس کے پتوں کا یہ حال ہو گیا ہو خواہ بالوں کا خواہ پتوں اور بالوں دونوں کا۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ والاحتمال الثانی علی ہذا الوجہ ان یکون التشبیہ واقعا بورق الزرع اذا وقع فیہ الاکال وھو ان یاکلہ الدود یعنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ تشبیہ ہے کھیتی کے پتوں سے جس میں کیڑا لگ گیا ہو اور اُس کو کیڑوں نے کھا لیا ہو اور اسی سبب سے میں نے کعصف مأکول کا ترجمہ کیا ہے "جیسی کیڑا کھائی کھیتی"؛

قاموس اور صراح میں لکھا ہے کعصف مأکول ای کزرع قد اکل حبہ وبقی تبنہ ؛

یعنی قاموس و صراح میں لکھا ہے کہ عصف ماکول کے معنی ایسی کھیتی کے ہیں جس کے دانے کھا لیئے ہوں اور ڈنٹھل باقی رہ گئے ہوں ؛

بیان القصہ

عرب کی ملکی روایتوں میں یہ قصہ تواتر کو پہونچ گیا ہے اور جس زمانہ میں یہ واقع ہوا اُس زمانہ سے عرب میں ایک نئے سنہ کا شمار کیا جاتا ہے جس کو عام الفیل کہتے ہیں اور اس واقعہ کے بعد اسی سال میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ہیں اور قصہ یہ ہے کہ ابرہۃ الاشرم ابی مسکوم عیسائی مذہب اور یمن کا حاکم تھا اُس نے جرجنتیو اُسقف کی تحریک سے جس کو اسکندریہ کے بطریق نے بھیجا تھا صنعاء یمن میں ایک کلیسیا بنوایا اور چاہا کہ اہل عرب مکہ کا حج

چھوڑدیں اور اس کلیسیا کا حج کیا کریں مکہ والوں نے نہ مانا تب ابرھہ نے ۵۷۰ء میں مکہ پر اس ارادہ سے چڑھائی کی کہ کعبہ کو مسمار کردے اور ابرھہ کے ساتھ کعبہ کے مسمار کرنے کے لیے ہاتی بھی تھے اس سبب سے وہ لوگ اصحاب الفیل کہلانے لگے اور وہ برس جس میں یہ چڑھائی ہوئی عام الفیل کے نام سے مشہور ہوا جبکہ انھوں نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا اُن میں ایک سخت وبا چیچک کی پھیلی اور ابرھہ اور اُس کا تمام لشکر اس وبا سے ہلاک اور برباد ہوگیا اور محاصرہ چھوڑکر بھاگ گیا اور چونکہ ایسے وقت میں اس وبا کا واقع ہونا مکہ معظمہ کے محفوظ رہنے کا سبب ہوا اسی کا ذکر خدا تعالیٰ نے اس سورۃ میں فرمایا ہے ۰

تحقیق القصّہ

اب ہمکو یہ بات کہ جب مکہ معظمہ کا محاصرہ ابرھۃ الاشرم نے کیا تو درحقیقت اُس کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی تھی ثابت کرنا باقی رہا ہے اور یہ بھی بیان کرنا ہے کہ اس سورۃ میں خدا تعالےٰ نے بھی اسی واقعہ کا ذکر کیا ہے نہ اور کسی قصہ کا ۔ پس اب ہم اول امر کو مفصلہ ذیل دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں ۰

اوّل ۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے واصیب ابرھۃ فی جسدہ وخرجوابہ معھم یسقط انملۃ انملۃ کلما سقطت منہ انملۃ اتبعھا منہ مدۃ تمت قیحا و دما حتی قدموا بہ صنعاء وھو مثل یعنی ابرھہ کے بدن میں بیماری ہوگئی اُسکی انگلیاں گرنے لگیں اُن میں سے پیپ اور خون بہتا تھا یہاں تک کہ جب صنعاء میں آیا تو لنجا تھا اس کیفیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چیچک کی بیماری میں ابرھہ بھی مبتلا ہوا تھا ۰

دوم ۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے ۔ قال ابن اسحاق وحدثنی عبداللہ بن ابی بکر عن عمرۃ بنت عبد الرحمن بن اسعد بن زرارۃ عن عایشۃ قالت رایت قاید الفیل وسایسہ بمکۃ اعمیین مقعدین یستطمان یعنی حضرت عایشہؓ سے روایت ہے کہ انہیں نے کہا دیکھا ابرھہ کے فیلبان اور چرکٹے کو مکہ میں کہ وہ اندھے ہوگئے تھے ۔ اس روایت میں بھی جو کیفیت مندرج ہے اُس سے بھی صاف پایا جاتا ہے کہ چیچک کی بیماری سے وہ اندھے ہوگئے تھے ۰

سوم ۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے قال ابن اسحاق وحدثنی یعقوب بن عیینہ انّہ

حدث ان اول ما رویت الحصبتہ والجدری بارض العرب ذلک العام یعنی سیرت ہشامی میں لکھا ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ یعقوب ابن عینیہ نے یہ بات کہی کہ ملک عرب میں اسی برس پہلے پہل چیچک کی بیماری نمودار ہوئی ٭

چہارم - واقدی میں لکھا ہے فکان ذلک اول ما کان الجدری والحصبہ یعنی یہی وقت تھا کہ پہلے پہل چیچک کی بیماری ہوئی ٭

پنجم ثعلبی نے کتاب العرائس کے باب قصۂ اصحاب الفیل میں لکھا ہے " وولی ابرھۃ ومن معہ ھاربا فجعل ابرھۃ یسقط عضواً عضواً حتی مات ٭ ٭ وھو اول وقت رئی الجدری والحصبۃ یعنی بھاگ گیا ابرھہ اور جو لوگ کہ اس کے ساتھ تھے اور ابرھہ کے اعضا گل گل کر گرتے تھے یہاں تک کہ مر گیا ٭ ٭ اور یہ پہلا وقت ہے جو چیچک کی بیماری نمودار ہوئی ٭

ششم - تفسیر صافی میں ہے فجعلت ترمیھم بھا حتی جدرت اجسامھم فقتلھم بھا وما کان قبل ذالک رئی شئی من الجدری یعنی پتھر مارتے تھے یہاں تک کہ اُن کے بدنوں میں چیچک نکل آئی اسی نے اُن کو مار ڈالا اور اس سے پہلے چیچک کی بیماری نمودار نہیں ہوئی تھی ٭

ہفتم - تفسیر مجمع البیان میں ہے فما التقی احد منھم الا اخذتہ الحکۃ وکان لا یحک الانسان منھم جلدہ الا تساقط لحمہ یعنی اُن میں سے جسکو پتھر لگا اس کے بدن میں کھجلی پیدا ہوئی اور اُن میں سے جو شخص کھجلاتا تھا اُس کا گوشت گر پڑتا تھا - یہ حالت خاص چیچک کی بیماری کی ہے ٭

ہشتم - کشاف میں ہے عن عکرمہ من اصابیہ جدرتہ وھو اول جدری ظھر یعنی عکرمہ کا قول ہے کہ وہ پتھر جس کو لگا اسکو چیچک نکل آئی اور وہی زمانہ تھا جسمیں پہلے پہل چیچک نکلی ٭

نہم - تفسیر کبیر میں لکھا ہے روی عکرمۃ عن ابن عباس قال لما ارسل اللہ الحجارۃ علی اصحاب الفیل لم یقع حجر علی احد منھم الا نفط جلدہ واثار بہ الجدری وھو قول سعید ابن جبیر یعنی تفسیر کبیر میں لکھا کہ عکرمہ نے ابن عباس کا قول نقل کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل پر پتھر ڈالے تو جس شخص پر پتھر پڑا اُسکی جلد پھد پھدا اُٹھی اور چیچک کا

زرد ہوگیا اور یہ قول سعید ابن جبیر کا ہے ۔

دہم۔ گبن کی تاریخ رومیہ (باب ۵۰) کے حاشیہ پر ولیم اسمتھ نے اور ترجمہ انگریزی قرآن کے سورۃ الفیل کے حاشیہ پر راڈول نے رلیسک کی کتاب معالجات عرب اور ہرگیل السان کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ عرب میں اوّل مرتبہ چیچک کا مرض ابرھہ کی چڑھائی کے وقت نمودار ہوا تھا ۔

یہ روایتیں بالکل یقین دلاتی ہیں کہ ابرھہ کے لشکر پر جو آفت پڑی وہ بلاشک چیچک کی وبا تھی ۔

اَب ہم بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے بھی اسی واقع کے ہونے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے ۔

اوّل۔ بڑی عُمدہ تشبیہ جو قرآن مجید میں ابرھہ کے لشکر کی عصف ماکول سے دی گئی ہے وہ بالکل مرض چیچک کی پوری تشبیہ ہے کیونکہ چیچک کی بیماری میں بھی انسان کا بدن کیڑے سے کھائی ہوئی چیز کے بالکل مشابہ ہوجاتا ہے ۔

دوم۔ حجر کا لفظ بھی اس مرض کی طرف اشارہ کرتا ہے اس لیئے کہ حجر و حصبہ کے ایک معنی ہیں اور حصبہ چیچک کے مرض کو کہتے ہیں ۔

سوم۔ سجیل سے بھی اگر وُہی مراد لیجاوے جو مفسرین نے لی ہے یعنی دوزخ کی آگ میں پکی ہوئی کنکریاں تو وہ بھی چیچک کے دانوں کے نہایت مناسب ہے ۔

چہارم۔ ابابیل کا لفظ بھی اس مرض کی حالت سے نہایت مناسبت رکھتا ہے اس لیئے کہ ابابیل ایسی کثرت کو کہتے ہیں جو گروہ گروہ میں پے در پے ہو۔ مرض چیچک کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ ایک غول آج اس مرض میں مبتلا ہوا دوسرا غول کل اور علےٰ ہذالقیاس ۔

پس قرآن مجید میں جس آفت کا ابرھہ پر نازل ہونا مذکور ہوا ہے اگرچہ اُس کا نام نہیں لیا گیا مگر اُس کے الفاظ اور اُس کی تشبیہیں مرض چیچک سے ایسی مناسب ہیں کہ اُس سے صاف مرض چیچک کی وبا کا ابرھہ کے لشکر میں واقع ہونا پایا جاتا ہے ۔

جواب اعتراض ملاحدہ

اب اس مقام پر کوئی ملحد یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ اگر یہ واقعہ وقوع میں آیا تو اس سے کعبہ کی

کچھ بزرگی اور کرامات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک اتفاقی واقعہ تھا اور ایسے واقعے دنیا میں
بہت ہوا کرتے ہیں چنانچہ ھیروڈوٹس کی تاریخ سے جو چار سو برس پیشتر حضرت مسیح
کے تھا ثابت ہوتا ہے کہ ڈلفی کے مندر پر جو یونان میں تھا ایک دفعہ ایرانیوں نے پانچ سَو
برس قبل مسیح کے چڑھائی کی جب اُس کے قریب پہونچے تو آسمان پر سے بجلی گری اور مندر
کے بعض مکانات گرے اور ایرانی اُس میں دب کر مر گئے اور باقی خوف سے بھاگ گئے اور
پھر تین سو برس پیشتر گال والوں نے اُس پر چڑھائی کی اور اسی طرح ایک عجیب واقعہ سے جسکا
ذکر پاسانیاس نے لکھا ہے گال والے پس پا ہوگئے پس اِس واقعہ کے ہونے سے کعبہ کی کیا
کرامات ثابت ہوتی ہے +

مگر ایسا اعتراض کرنا اعتراض کرنے والوں کی غلطی ہے کعبہ کی بزرگی کسی کرامت کے ظاہر
ہونے سے نہیں ہے بلکہ اُس کی بزرگی صرف اِس وجہ سے ہے کہ خاص خدا کا نام پکارنے کو
ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے بنایا گیا تھا +

اس سورت میں بھی خدا تعالےٰ نے یہ واقعہ کچھ کعبہ کی کرامات ثابت کرنے کو نہیں بیان کیا
بلکہ اپنی قدرت کاملہ کی ایک شان بیان کی ہے۔ تمام قدرتیں خدا تعالےٰ کے قوانین قدرت
کے طور پر ظہور میں آتی ہیں انسان کا پیدا کرنا درختوں کا پیدا کرنا۔ پھول پھل کا پیدا کرنا سب
قوانین قدرت کے مطابق ہوتا ہے لیکن اُن سب میں اظہار قدرت اور شان خدا تعالیٰ کی ہوتی
ہے اسیطرح اِس واقع میں بھی جو قوانین قدرت کے مطابق واقع ہوا خدا تعالیٰ کی شان اور قدرت
پائی جاتی ہے جس کا ذکر خدا تعالےٰ نے انسان کی نصیحت کو اس سورہ میں فرمایا ہے ہاں البتہ
اس بیان سے کعبہ معظّم کی یہ عزت ثابت ہوتی ہے کہ جس واقعہ سے کعبہ محفوظ رہا خدا نے
بطور اظہار اپنی شان وقدرت کے اُس کا ذکر کیا مگر ڈلفی کے مندر کا کبھی نام بھی
نہیں لیا +

کافر

اگلے زمانہ میں بھی گذرے ہیں

ان دنوں میں جناب مولوی محمد مسیح الدینخاں بہادر رئیس کاکوری علاقہ لکھنؤ کے

کتب خانہ سے ایک تفسیر مسمی بہ "کشف الاسرار" ہمارے ہاتھ آئی ہے۔ اُس کتاب کا اور اُس کے مصنف کا حال ہم پھر کبھی لکھینگے اسوقت اُس نے جو تفسیر اُن آیتوں کی لکھی ہے جن کی تفسیر میں ہمارے زمانہ کے احباب ہمکو کافر بتاتے ہیں بعینہٖ اس مقام پر لکھتے ہیں اور دکھلاتے ہیں کہ اگلے زمانہ کے مفسر بھی کافر تھے ❖

اس تفسیر کے مصنف کا ہم ابھی نام نہیں بتاتے جب خوب اُس کی تکفیر کے فتوے ہولینگے تب نام بتاوینگے ❖

سورۃ النّساء

اس مفسر نے حضرت عیسیٰؑ کی نسبت تین باتیں قریب قریب اُسی کے بیان کی ہیں جو ہم کہتے ہیں ❖

اوّل یہ کہ خدا نے کسی دوسرے شخص کی صورت حضرت عیسیٰؑ کی صورت کے مشابہ نہیں بدل دی تھی بلکہ اس مفسر کا مذہب یہ ہے کہ رؤسا یہود نے ایک شخص غیر کو دیدہ و دانستہ کہ یہ حضرت عیسیٰؑ نہیں ہے مار ڈالا اور صلیب پر لٹکا دیا اور عوام سے یہ کہکر دکھا دیا کہ وہ عیسیٰ ہے جس کو ہمنے مار ڈالا ہے ❖

دوسرے یہ کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر نہیں چلے گئے اور جب ان دونوں باتوں کو ملایا جاوے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عیسےٰ مثل اَور انبیا کے اسی دنیا میں اپنی موت سے مرے ❖

تیسرے یہ کہ اس مفسر کا مذہب یہ ہے کہ معراج بالجسد نہیں ہوئی تھی بلکہ بالروح خواب میں ہوئی تھی ❖

فما قولکم یا ایہا المکفرین المسلمین فی حق مثل ہذہ المفسرین المومنین ❖

عبارت تفسیر مذکور یہ ہے :-

اور اُن کا یہ کہنا کہ ہمنے عیسیٰؑ مریم کے بیٹے خدا کے رسول کو مارا یعنی اُن کا یہ کہنا اور ایسا اُن کا دعوی کرنا اُن میں مشہور تھا حالانکہ نہ انہوں نے حضرت عیسےٰ کو مارا نہ اُنھوں نے حضرت عیسےٰ کو صلیب پر لٹکایا مگر لوگوں کے لیئے

"وقولہم انا قتلنا المسیح ابن مریم رسول اللہ" ای اشتہر بہذہ الدعوی عندہم

"وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم"
افهم هذه العبارة واعرف الفرق بينها
وبين قوله لو قال ولكن شبه الله لهم او
اشتبه عليهم فانه لو قال شبه الله تدل
على كرامتهم اوتشبه لهم بعيسى واحد
ليرضيهم بقتل واحد وان لم يكن عيسى
ولقد كان تعالى قادرا على اكرام عيسى
عليه السلام وان ينجيه منهم بغير
ذلك ولو قال اشتبه دل على انهم اشتبه
عليهم كلهم مثلا ومتى اشتبه الشئ فيجوز
ان يكون هو المشار اليه في نفس الامر
وقد اشتبه كما يجوز ان يكون غيره
وقد اشتبه ايضا وقد نسب الضمير
الى عيسى اعنى اشار اليه فلزم ان لا نقول
شيئا من ذلك فقوله شبه بهذه العبارة
وما بعدها يدل على ما نقله الجبائى انه
لما رفع عيسى عليه السلام خاف رؤساء
اليهود من اتباع اليهود لعيسى وميلهم
الى من مال معه منهم فعمدوا الى رجل
فقتلوه وصلبوه على مكان عال بعد
قتله ولم يمكنوا احدا من الدنو منه
فتغيرت وتنكرت صورته وقالوا قتلنا
عيسى وموهوا على بقية قومهم فاختلفوا
"وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه"
وذلك انه من حين رفع "ما لهم به من

اُن کی صورت بنادی پس اس عبارت کو سمجھنا
چاہیئے اور جس طرح خدا نے کہا ہے اُس میں اور
اس طرح کے کہنے میں کہ اللہ نے اُن کے لیے
عیسیٰ کی سی صورت بنادی یا مشابہ کردیا اللہ
نے اُن کے لیے فرق کرنا چاہیئے کیونکہ اگر یوں
کہتے کہ اللہ نے اُن کے لیے عیسیٰ کی سی
صورت بنادی تو اس سے تو یہودیوں کی بزرگی
ثابت ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی خاطر
سے ایک شخص کی حضرت عیسیٰ کی سی صورت
بنادی تاکہ یہودیوں کو اُس ایک کے مارڈالنے
سے رضامند کردے گو کہ وہ عیسیٰ نہو حالانکہ
اللہ تعالیٰ حضرت عیسے علیہ السلام کی بزرگی قایم
رکھنے پر قادر تھا اور حضرت عیسیٰ کو اس طرح پر
صورت بدل دینے کے سوا اَور طرح پر بھی بچا
سکتا تھا اور اگر یوں کہا جاتا کہ اللہ تعالےٰ نے
مشابہ کردیا تو ثابت ہوتا کہ کل یہودیوں کے
لیئے مشابہ کردیا تھا اور جو چیز کہ اس طرح پر مشابہ
ہوجاوے تو یہ کہنا کہ وہ چیز نفس الامر میں وہی
ہے جایز ہوگا کیونکہ مشابہ ہوگئی ہے جس طرح
کہ جایز ہے کہ وہ اَور ہو اور مشابہ ہوگئی ہو اَور
اس کلام میں عیسیٰ ہی کی طرف نسبت ہے یعنی
اُنہیں کی طرف اشارہ ہے تو لازم آیا کہ ان دونوں
طرح نہ کہتا کہ عیسیٰ کی سی صورت بنادی تھی یا
مشابہ کردیا تھا اللہ نے اُن کے لیے پس خدا تعالیٰ کا
اس طرح کہنا کہ لوگوں کے لیئے صورت بنادی

علم الا اتباع الظن وما قتلوه" ثم قال
"يقينا" فهم عن يقين منهم اعني من
ادعى قتله يتيقن انهم ما قتلوه وهم
الذين شبهوا لبقية الناس منهم وبقية
الناس هم الذين شبه لهم رجل بعيسى
ممن قد كان يشبهه فجاءت العبارة
منبئة بصورة الواقعة ولو شبه الله لهم
انسانا بعيسى فقتلوه لم يكن قولهم إنا
قتلنا المسيح بعجيبة ولا كذبا اذ لو اتى انسان
امراة تشبه زوجته بحيث لا يشك فيها
لم يكن زانيا وقوله تعالى ما قتلوه وما
صلبوه دل على انهم قتلوا انسانا اولا ثم
صلبوه بعد القتل وهذا القصد منهم و
لهذا لم يقل اشتبه فانه لم يشتبه
عليهم بل الرؤساء شبهوا وغيرهم شبه
لهم ولم يقل ايضا شبهه الله كما تقدم و
اما الذين اختلفوا فيه فهم غير الرؤساء
لانهم كلهم كانوا يهودا غير ان بعضهم
خالف بعضا في الايمان به فاخبر الله
عن بقية اليهود والنصارى بقوله وان
الذين اختلفوا فيه اي في الايمان به لا في
قتله لفي شك منه فعاد قوله وما قتلوه
راجعا الى الرؤساء والمتيقنين بانهم لم
يقتلوه بل شبهوا وقوله ان الذين اختلفوا
فيه راجع الى اليهود والنصارى معا و

اور جو اس کے بعد ہے دلالت کرتا ہے اسی پر
جو جبائی نے نقل کیا ہے کہ جب عیسیٰ اٹھائے
گئے تو سرداران یہود نے اس خوف سے کہ
یہود عیسیٰ کے پیرو نہ ہو جاویں اور ان کی طرف
نہ جھک جاویں جو عیسیٰ کی طرف مائل ہیں یہ
قصد کیا کہ ایک آدمی کو مار کر اونچے پر صلیب
پر لٹکا دیا اور کسی کو اس کے پاس نہ آنے دیا
جب کہ بگڑ گیا اور صورت بدل گئی تو اپنی باقی
قوم سے کہا کہ ہم نے عیسیٰ کو مار ڈالا اور دھوکہ
دیا اپنی باقی قوم کو پس ان میں آپس میں جھگڑا
ہوا اور جو اس میں جھگڑ رہے ہیں وے تو
البتہ شک میں ہیں اور اس لیئے شک میں ہیں کہ
جن سے عیسیٰ اٹھائے گئے ان کو کچھ علم
نہیں ہے مگر ظن کی پیروی کرتے ہیں اور عیسیٰ
کو نہیں مارا ہے پھر کہا یقیناً یعنی ان کو تو
یہ یقین ہے یعنی جو قتل کا دعویٰ کرتے ہیں
وے بے شک جانتے ہیں کہ انہوں نے
نہیں مارا اور انہوں ہی نے اپنے باقی آدمیوں
کو شبہ میں ڈال دیا ہے اور یہ باقی آدمی وے
ہی ہیں جن کے لیئے مشابہ کیا گیا ایک آدمی
جو حضرت عیسیٰ کے مشابہ تھا پس یہ عبارت
صورت واقعہ کی خبر دیتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ
ایک آدمی کو ان کے لیئے عیسیٰ کی سی صورت
بنا دیتا اور وے اسکو مار ڈالتے تو ان کا یہ
قول کہ ہم نے مسیح کو مار ڈالا کچھ تعجب کی بات

لهذا المرتقل اختلفوا في قتله وقوله ما لهم به من علم عايد الى اليهود والنصارى اى غير الرؤساء ومن ههنا تدل على استغراق الجنس وقوله الا اتباع الظن اى ان اتباعهم لما فعله الرؤساء وادعواه اتباع ظن ولما ذكر الظن من المتبعين تبعه بذكر اليقين من القائلين للمشبه مع نفي القتل عن عيسى فقال وما قتلوه اي وذلك الاخبار منا بقولنا ما قتلوه هو عن يقين منهم ولا يفهم انهم قتلوه شكا بل رفعه الله عليه وكان الله عزيزا حكيما ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

نہ ہوتی اور نہ جھوٹ ہوتا اس لیئے کہ اگر ایک آدمی ایک عورت سے جماع کرے جو اسکی زوجہ کے مشابہ ہو اس طرح پر کہ اس میں کچھ شک نہ ہو تو یہ زانی نہیں ہوگا اور یہ قول اللہ تعالے کا کہ نہ اُسکو مارا اور نہ صلیب پر لٹکایا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اُنہوں نے ایک آدمی کو پہلے مارا پھر بعد قتل کے صلیب پر لٹکایا اور یہ اپنے ارادہ سے کیا اسی لیئے نہیں فرمایا کہ اُن پر مشابہ ہوگیا تھا کہ اُن پر تو نہیں مشابہ ہوا تھا بلکہ رؤسا نے صورت بنادی تھی اور غیر رئیسوں کے لیئے صورت بنادی تھی اور اس لیئے نہیں کہا کہ اللہ تعالے نے صورت بنادی تھی جیسا کہ پہلے گذر چکا اور جن میں اختلاف ہوا وے رئیسوں کے سوا اور یہود ہیں کہ وے تو سب یہود ہی تھے ہاں مگر اُن میں کچھ آدمیوں نے دوسروں کی مخالفت کی عیسیٰ پر ایمان لانے میں پس اللہ تعالیٰ نے باقی یہود اور نصاریٰ سے خبر دی اپنے اس قول میں کو جنہوں نے اُس میں اختلاف کیا (یعنی اُس پر ایمان لانے میں اختلاف کیا نہ یہ کہ اُس کے قتل میں اختلاف کیا) وے البتہ شک میں ہیں پس یہ قول خدا تعالیٰ کا کہ نہیں مارا راجع ہے رؤسا کی طرف جن کو یقین تھا کہ اُنہوں نے نہیں قتل کیا بلکہ صورت بنادی اور یہ قول اللہ تعالیٰ کا کہ جنہوں نے اُس میں اختلاف کیا راجع ہے طرف یہود اور نصاریٰ دونوں کے اور اسی لیئے نہیں فرمایا کہ اختلاف کیا اُنہوں نے اُس کے قتل میں اور یہ قول اللہ تعالے کا کہ اُن کو کچھ خبر نہیں ہے رئیسوں کے سوا باقی یہود اور نصاریٰ کی طرف راجع ہے اور من کا لفظ یہاں سب کے شامل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور یہ قول خدا تعالے کا کہ وے ظن کی پیروی کرتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی پیروی کرتے ہیں جو اُن کے روسا نے کیا اور دعویٰ کیا اور یہ ظن کی پیروی ہے اور جب کہ پیروی کرنے والوں کی طرف سے ظن بولا تو اُس کے بعد یقین کا ذکر کیا اُن کی جانب سے جنہوں نے شبہ میں ڈالا باوصف نہ قتل

ہونے عیسٰے کے پس فرمایا کہ نہیں مارا ہے اُسکو اور ہماری یہ خبر دینی کہ اُسکو نہیں مارا ہے یہ اُنکے یقین کی خبر ہے اور یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اُنھوں نے شک سے مارا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو اپنی طرف اُٹھالیا ہے اور ہے اللہ عزت والا دانا ۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ عیسٰی کو اللہ نے اُٹھایا اپنی طرف ایسا ہے جیسے یہ قول کہ ہمنے اُٹھایا اُسکو بڑے مرتبہ پر اور جیسے ابراہیم کا یہ قول نقل کیا کہ مَیں جاتا ہوں اپنے پروردگار کے پاس اور ایسا ہی ہے یہ قول کہ اُٹھاویگا اللہ تعالیٰ اُن کو جو ایمان لائے تم میں سے اور جن کو علم ملا بڑے درجوں پر اور خود اللہ تعالےٰ کا یہ قول کہ اللہ نے اسکو اُٹھایا اپنی طرف یہ فایدہ دیتا ہے کہ یہ بدن کا اُٹھانا نہیں ہے اِس لیئے کہ اللہ تعالےٰ کسی جگہ اور مقام میں نہیں ہے جیسا کہ شہیدوں کے حق میں کہا گیا ہے کہ خدا کے پاس ہیں رزق دیئے جاتے ہیں خوش ہیں اور اُن کے بدن تو مٹی میں مردہ پڑے ہیں اور روایت کیا گیا ہے کہ ابراہیم اور موسٰے اور اِن کے سوا اَور نبیوں کو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں دیکھا اور اِس میں کچھ شک نہیں کہ اُن میں سے کوئی مع بدن کے نہیں اُٹھایا گیا اور ہمکو یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اپنی عقلوں پر ایسا بوجھ ڈالیں جس کو اُٹھا نسکیں اِس لیئے کہ یہ عقول پابند ہیں اسباب کی اور اِن کی ادراک کی ایک حد ہے اور معراج میں اِس سے

واما قوله تعالی بل رفعه الله الیه فهو کقوله تعالی ورفعناه مکاناً علیاً وکقوله عن ابراهیم انی ذهب الی ربی ومثله یرفع الله الذین امنو منکم والذین اوتوا العلم درجات ونفس قوله تعالی بل رفعه الله الیه یعطی ان هذا الرفع لیس بجسد لان الله تعالی لیس فی مکان وحیز بل کما قیل فی الشهداء عند ربهم یرزقون فرحین واجسامهم فی التراب جیف وقد روی ان ابراهیم وموسیٰ وغیرهما راهم النبی صلی الله علیه وسلم لیلة المعراج ولاشك انه ما منهم احد رفع بالجسد ونحن فلا یجوز لنا ان نحمل علی عقولنا ما لیس فی وسعها لانها مبعدة متناهیة واما الاسراء فلا شرف اذا کان بجسد النبی صلی الله علیه وسلم بعد ان قد رای ما راه وصدق الله تعالی بقوله ما کذب الفواد ما رای ولا نقص اذا کان الاسراء بالروح دون الجسد وکان نوما ولا خلاف فی ان ابراهیم و

وآدم موسیٰ لم یکونوا فی السماء باجسادٍ وکذالك وامٔ وھذا انما نقوله لانه الاقرب فی الاذھان مع اننا لا ننکر ان الله تعالیٰ یفعل مایشاء من قم جبل فی الھوی وبحر من الماء فی السحاب وغیرہ فکیف لا یرفع جسد نبی له ولکن شرف الرسول ثابت بما لا یدفعه الخصم وکذالك الاعتراف بقدرة الباری تعالیٰ فلا نزاع اذا حصل المراد وکذالك الکلام فی عیسیٰ علیه السلام والله اعلم بالانبیاء ویجب ان تعلم ان الله تعالیٰ انما اذن للرؤساء ومکنھم بما فعلوہ من انھم قتلوا انسانا وشبھوہ لبنی اسرائیل وادعوا انه عیسیٰ جمیع ذلك بحکمة الھیة من الله سبحانه ذلك ان ھذا الامر بعینه رحمة فی حق من امن بعیسیٰ وفتنته فی حق من کفربه ٭

کچھ زیادہ خوبی نہیں بڑھ جاتی اگر وہ مع جسد کے مانی جاوے کہ حضرت نے دیکھا جو کچھ دیکھا اور خدا تعالیٰ نے اُس کی اپنے اِس قول سے تصدیق کی کہ جھوٹ نہ جانا دل نے جو کچھ دیکھا تھا اور کچھ نقصان نہیں ہے اس میں کہ معراج روح کو بغیر بدن کے سوتے ہوئے ہوئی ہو اور اس میں تو کچھ اختلاف نہیں ہے کہ ابراہیم اور آدم اور موسیٰ تو آسمان پر مع بدن کے نہ تھے اور ایسے ہی اُن کو دیکھا اور یہ ہم اس لیئے کہتے ہیں کہ یہی ذہن کے قریب ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کرسکتا ہے جو چاہے کہ ایک پہاڑ کو ہوا میں اُٹھادے اور ابر میں ایک دریا بہادے اور اِس کے سوا اَور جو کچھ چاہے پس کس طرح نہیں اُٹھا سکتا اپنے ایک نبی کا بدن لیکن نبی کی بزرگی ایسی ماننی چاہیئے جس کا دشمن انکار نہ کرسکے اور ایسے ہی خدا کی قدرت کا اقرار۔ پس جھگڑا نہ چاہیئے جب مطلب حاصل ہو جاوے اور ایسے ہی کلام ہے عیسیٰ کے اُٹھا لینے میں اور خدا تعالیٰ اپنے نبیوں کے حال کو خوب جانتا ہے اور ضرور تجھ کو یہ جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہودیوں کے سرداروں کو یہ کرنے دیا اور اُن کو اُس پر قدرت دی جو اُنہوں نے کیا کہ ایک آدمی کو مارا اور اُس کو اُور سب بنی اسرائیل پر مشتبہ کیا اور دعویٰ کیا یہ عیسیٰ ہی ہے۔ یہ سب کام حکمت الٰہی سے خالی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب کام عیسیٰ کے پیروؤں کے لیئے باعث رحمت کا ہوا اور اسی سے اُن یہودیوں میں جنہوں نے عیسیٰ کو نہ مانا تھا فتنہ پھیلا ٭

اخبار نور افشاں

مطبوعہ ۳۱۔ اگست ۱۸۷۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ جب کسی مشرک کو مذہب اسلام کی دعوت کی جاتی ہے اور وہ پوچھتا ہے کہ مذہب اسلام کے قبول کرنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ تو اُس سے یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ تو جنت میں داخل ہوگا اور اِس وعدہ کو سُن کر وہ مسلمان ہونے کی خواہش کرتا ہے لیکن دوسرے مشرک اُسے اِس طرح بہکاتے ہیں کہ مذہب اسلام میں تہتر فرقے ہیں اور ناجی اُن میں سے ایک ہی ہے اور بہتر فی النار ہیں اور فرقہ ناجیہ کا بتحقیق معلوم ہونا نہایت دشوار ہے اور جس فرقہ میں تو جائیگا بہتر فرقے اُس کے فی النار ہونے کی گواہی دیں گے۔ یہ بات سُن کے وہ شخص متحیر ہو کے مسلمان ہونے سے باز رہتا ہے اور اشاعت و ترقی اسلام میں نقصان ہوتا ہے اور ایسا اتفاق اکثر ہوا ہے کہ جب بعض بُت پرستوں کو اسلام کی دعوت کی گئی اور وہ مذہب اسلام کی طرف متوجہ ہوئے تو مخالفوں نے اُن کو مضامین مذکورہ سُنا کے روک دیا یہاں تک کہ وہ مغالطہ میں آکے دوسری طرف متوجہ ہو گئے بلکہ اکثر عوام کو خواہ شیعہ ہوں در خواہ سُنّی ہوں جب عیسائی یہ مغالطہ دیتے ہیں تو وہ بھی متحیر ہو کے اسلام سے منحرف ہوتے اور مذہب عیسائی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح سے مذہب اسلام میں یوماً فیوماً تنزل ہوتا ہے ترقی کا تو کیا ذکر ہے اُس کا قیام دشوار معلوم ہوتا ہے پس اِس وقت میں مشرکین و عوام اسلام کو کتنے مسائل بتا کے یہ وعدہ کیا جائے کہ اگر تم اِن پر قائم رہو گے تو ہر فرقہ اسلامیہ کے نزدیک ضرور نجات پاؤ گے کیونکہ جب تک ایسا وعدہ نہ کیا جائے گا تب تک مشرکین اسلام کو قبول کریں گے اور نہ عوام اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور اسلام کی ترقی رکی رہے گی بلکہ یوماً فیوماً کمی ہوگی بینوا فتوجروا۔

راقم

سید عبد اللہ الہ آبادی

جواب از طرف اڈیٹر تہذیب الاخلاق

یہ مسئلہ اسلام کا نہیں ہے کہ مذہب اسلام میں تہتر فرقے ہیں اور ناجی ان میں سے ایک ہی ہے ۔ یہ تو ایک موضوع روایت ہے جسکو اُس زمانہ کے لوگوں نے جبکہ مسلمانوں میں باہم مسائل فروعی میں اختلاف پڑا اپنی تائید کے لیئے بنالی ہے اُس روایت کا موضوع ہونا روایتاً و درایتاً محققین کے نزدیک ثابت ہے سچا مسئلہ اسلام کا صرف یہ ہے :۔

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه فَدَخَلَ الْجَنَّة

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اُس کے ساتھ لازم و ملزوم ہے پس اسلام اسیقدر ہے اور اسی کی تعلیم اور اسی پر یقین نجات کے لیئے کافی ہے ✦

عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفاتیح الجنة شہادة ان لا الہ الا اللہ رواہ احمد ✦

مراسلات

میرے ہادی رہنمائے حقیقت مولانا مولوی سید احمد خاں صاحب ۔ ایک عرصہ سے جناب کی ہمدردی محبت آمیز دیکھکر دل سے ہزار ہزار بار یہی صدا اُٹھتی ہے مرحبا سید مرحبا جب آپکی بوڑھی عمر پر خیال آتا ہے اور آپ کی جوان کوششوں پر دھیان جاتا ہے ۔ آپکی سچی محبت پر دل جمتا ہے ۔ دل سے بے قصد یہ آواز آتی ہے ۔ بجز آپ کے اس زمانہ میں کوئی اس لائق نہیں ہے جس کو ہادی حقیقت اور مخزن اسرار کا خطاب دیا جاوے ۔ افسوس آپ کے نعرہ جاں سوز کی اُسوقت لوگوں کے کان میں آواز پہونچی جبکہ بہت نوجوان لوگ مذہب اسلام چھوڑ بیٹھے (یہ واقعہ صرف موجودہ اسلام کی تاریکی سے ہوا) جو مسلمان طالب علم اپنے مذہب سے برگشتہ تھے آپکی پاک طبیعت نے اُن کے دل پر ایسا اثر اسلام کا کیا جو سنبھالکر پھولے نہیں سماتے یعنی دنیا میں اُن کے لیئے وہ بندوبست کیا جس سے وہ مالامال اور شاداب ہیں ۔ اور آخرت کے وہ نکتہ بتائے جو بے سبب دل پر اپنا نقش کر کے اُن کے چال چلن میں ایسا اثر کرتے ہیں جو بالکل ہادی اور رحمدل ہو جاتے ہیں اور خدا تو اس پیر مغاں کی

عمر ہزار برس کر - اب کچھ فرصت دیکھکر جناب سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں جس پر مدت سے لوگوں کا مباحثہ ہورہا ہے - یہ مباحثہ آپ تک پہونچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ کی تحقیق پر آپ کے دم بھرنے والوں کا دل تسلی ہوجاوے گا - مسئلہ یہ ہے کہ اکثر کٹھ ملا کہتے ہیں کہ "ترکوں کی ہم لوگوں کو وضع اختیار کرنی نہیں چاہیئے کیونکہ وہ لوگ لامذہب ہیں وجہ لامذہب ہونے کی یہ بتاتے ہیں کہ وہ اپنی ڈاڑھیوں کو منڈاتے ہیں - کیونکہ وہ لوگ اسکو تہذیب میں بڑا دخل سمجھتے ہیں - اور بہت کام خلاف شرع کرتے ہیں یہاں تک کہ سلطان اور خدیو مصر وغیرہ بھی اس کے مرتکب ہیں" - اب میں جناب سے پوچھتا ہوں کہ آیا یہ فعل دنیاوی باتوں سے تعلق رکھتا ہے یا دینی سے ؟ اگر دینی سے ہے تو کیا کوئی صحیح حدیث اس باب میں ہے بعض اکابر کا جو یہ مذہب ہے کہ جائز ہے تو اُن کی حجت قابل تسلیم ہے یا نہیں - اگر یہ تحقیق تہذیب الاخلاق میں درج فرماویں تو اور ہزارہا لوگ واقف ہوجاویں گے - زیادہ والسلام

ازمقام روپڑ

مورخہ ۲۹ - اکتوبر ۱۸۷۶ء

جواب از طرف سید احمد

اِس عنایت نامہ میں جو خیالات ظاہر کیئے ہیں اُس میں کئی غلطیاں ہیں - اوّل یہ کہ ڈاڑھی رکھنے یا منڈانے کو تہذیب میں کچھ دخل نہیں ہے بال جو انسان کے سر پر اور مونھ پر خدا نے پیدا کیئے ہیں اگر انسان اُن کو ایک پریشانی اور ابتری کی حالت میں رہنے دے جیسے کہ بعض میلے کچیلے بے تمیز جنگلی جانوروں کے ہوتے ہیں تو بلاشبہ وہ پورا وحشیانہ پن ہے اور اگر اُن کو درستی اور خوبی سے رکھے تو وہ تہذیب و شایستگی کی علامت ہے اسی لیئے تمام مہذب قومیں بقدر اپنی تہذیب اور موافق اپنے خیالات کے بال بناتی ہیں و موافق اپنے مذاق تہذیب و خیالات کے اُن کو آراستہ کرتی ہیں مگر یہ خیال کہ ڈاڑھی منڈانا تہذیب میں داخل ہے ایک محض غلط خیال ہے ؛

دوسرے ترکوں کی پیروی کو اس وجہ سے منع کرنا کہ وہ ڈاڑھی منڈاتے ہیں اور اسکو داخل تہذیب سمجھتے ہیں اور بہت کام خلاف شرع کرتے ہیں ایک دوسری غلطی ہے کیونکہ اس دلیل کا نتیجہ صرف یہ نکلتا ہے کہ اُس امر میں اُن کی پیروی نہ چاہیئے جو خلاف شرع ہو نہ یہ کہ دلیل

تو ہو خاص اور نتیجہ نکالا جاوے عام۔ ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعد تسلیم کرنے اس امر کے کہ وہ کام خلاف شرع ہے اور پھر اُس کی پیروی کی جاوے بلکہ جہاں تک بحث ہے وہ اس میں ہے کہ درحقیقت وہ کام خلاف شرع ہے یا نہیں۔ ترک شراب بھی پیتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے اگر یہ امر سچ ہو تو جیسے ہمکو اُن کے اس کام کی پیروی کرنا بُرا ہے ویسے ہی صرف اس کام ناجائز کے سبب اُن کے اَور عمدہ دھندا بدہ مباح کاموں کی پیروی چھوڑنا بھی ویسا ہی بُرا ہے ۔

تیسری غلطی خیالات کی اس عنایت نامہ سے یہ پائی جاتی ہے کہ کسی مہذب قوم کی پیروی کرنے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُس کے تمام کاموں کی بلا لحاظ اس بات کے اور غور کے کہ وہ فی نفسہ اچھے ہیں یا بُرے پیروی کرنا مقصود ہوتا ہے اگر یہ خیال ہو تو محض ایک غلط اور نہایت مضر خیال ہے بلکہ ہمیشہ جس بات کو اختیار کیا جاوے اول اُسکی بھلائی اور بُرائی پر غور کرنی واجب ہے۔ جو عمدہ بات کسی قوم کی ہو اُسکو لینا اور بُری کو چھوڑنا واجب ہے ورنہ ایک گڑھے میں سے نکلنا اور دوسرے میں گرنا ہے ۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہمکو مسند افتا کی گدی پر بیٹھنا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف دو امر ہمکو مقصود ہیں اول یہ کہ مذہب اسلام پر جو جھوٹے الزام لگائے گئے ہیں اور اُس کو مانع تہذیب و شایستگی و مخالف انسانیت و تمدن و حسن معاشرت قرار دیا گیا ہے اُن غلط الزاموں کی غلطی ٹھیٹ مذہب اسلام کی رُو سے ظاہر کردیں۔ دوسرے جو امر کہ خلاف تہذیب مسلمانوں میں مروج ہیں اُن کو دُور کریں پس ڈاڑھی جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا بشرطیکہ وحشیانہ پن سے نہ رکھی جاوے تہذیب کے برخلاف نہیں ہے چنانچہ ہزاروں۔ لاکھوں۔ کروڑوں اشخاص جو نہایت مہذب قوم کے ہیں ڈاڑھی رکھتے ہیں اور ہمارے ملک کے بھی خوبصورت گورے رنگ کے چہروں پر بشرطیکہ گورا رنگ ہو کالی ڈاڑھی نہایت خوبصورت اور بھلی معلوم ہوتی ہے (ہاں جب سفید ہو جاوے تو مُنڈانے کے قابل ہو جاتی ہے بشرطیکہ مونھ کی جھریاں اور گالوں کے گڑھے اور مونھ کا پوپلا پن صورت کو بدنما نہ کردے) اس کے سوا مونھ کی رونق اور شجاعت و بہادری و رُعب اُس سے پایا جاتا ہے پس اُس کا رکھنا یا منڈانا ہماری بحث سے خارج ہے اور ہم اُس پر بحث کرنا نہیں چاہتے کیونکہ ہم قطعاً اُن مسایل سے جن کو مانع تہذیب نہیں سمجھتے بحث نہیں کرتے اگر ڈاڑھی منڈانی ناجائز ہو تو اُس سے ہمارا کچھ حرج نہیں اگر جایز ہو تو ہمارا کچھ حرج نہیں لیکن اگر ڈاڑھی کو ایک ٹٹی بنایا جاوے جس کی اوجھل شکار کھیلا جاوے تو اس سے تو منڈانا ہی بہتر ہے ۔

اگر ڈاڑھی منڈانی ناجایز ہے تو بیچارے ترکوں پر کیا الزام ہے - ہندوستان کے بڑے بڑے مقدس مولوی صاحب جبہ و عمامہ بھی ڈاڑھی منڈاتے ہیں - اتنا فرق ہے کہ ترک تو ڈاڑھی منڈا کر فرشتہ کی سی صورت ہوجاتے ہیں اور یہ حضرت مقدسین بیچاپن جاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاڑھی کا اطلاق جیسا کل ڈاڑھی پر ہے ویسا ہی جزو ڈاڑھی پر ہے اگر ڈاڑھی کا منڈانا ناجایز ہے تو اُس کے جزو کا بھی ناجایز ہے - اگر کوئی شخص ایک طرف کی ڈاڑھی منڈا دے آدھ ایک طرف کی رہنے دے یا بیچ میں سے منڈا دے اور دونوں طرف گل مچھے رہنے دے وہ بھی ایسی ہی ناجایز ہوگی جیسی کہ کل ڈاڑھی کا منڈانا - آپ حضرات مقدسین کو دیکھتے ہوں گے کہ جمعہ کی صبح کو اشراق کی نماز کے بعد نائی حاضر ہوتا ہے اور اصلاح مبارک بناتا ہے - اصلاح میں کیا ہوتا ہے کہ گالوں پر سے ڈاڑھی مونڈی جاتی ہے اور ایک قوسی خط میں قریب مدور کے کیجاتی ہے ہونٹ اور ٹھوڑی کے بیچ میں ایک بچکانی بنائی جاتی ہے اور دونوں طرف سے مونڈی جاتی ہے - پھر حلقوم مبارک سے لیکر ٹھوڑی اور جبڑے کے قریب تک مونڈی جاتی ہے بعض مقدسوں کو اپنے پھولے پھولے محبّب گالوں کے کھولنے کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ ریش مبارک صرف بطور ایک جھالو کے رہ جاتی ہے پس کیا یہ ڈاڑھی منڈانا نہیں ہے جو بیچارے ترکوں فرشتہ صورتوں پر طعن کیا جاتا ہے ✦

قصص و احادیث تفاسیر

ہم اکثر اپنی تحریروں میں لکھتے ہیں کہ تفاسیر کے قصے اور تفسیروں کی حدیثیں لایق اعتماد کے نہیں ہیں اور اسی سبب سے ہم اُن کو لغو و مہمل سمجھتے ہیں اور اُن پر جب تک کہ درایتاً اُنکی صحت نہ معلوم ہو اعتماد نہیں کرتے ✦

اِن دنوں میں ہمارے زمانہ کے مقدسین و متبحرین میں جھگڑا ہوا تھا ایک گروہ کا باستدلال اثر ابن عباس یہ اعتقاد تھا کہ زمینیں اوپر تلے سات ہیں اور ہر ایک پر ایسا ہی آسمان - چاند - سورج - ستارے ہیں اور ہر ایک زمین میں ایک ایک باوا آدم اور ایک ایک نبی آخرالزمان ہے پس صرف محمد رسول اللہ صلعم ہی خاتم الانبیاء نہیں ہیں بلکہ چھ اور بھی ہیں - دوسرے گروہ مقدسین نے اُن کو کافر بتایا اور فتوی گفر دیئے گئے اُن کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی گئی آخر یہاں تک

نوبت پہونچی کہ مکہ معظمہ کے علما سے اُس میں فتویٰ پوچھا گیا اور وہ فتوے بطور ایک رسالہ کے مصر میں چھاپا گیا ہے جو اس وقت ہمارے سامنے رکھا ہوا ہے ہمکو اُس بحث اور فتوے سے تو غرض نہیں مگر اُس میں دو مقدمے ہیں جن میں وہی مضامین نسبت قصص تفسیروں کے اور اُن کی حدیثوں کے لکھے ہیں جو ہم اُن کی نسبت لکھتے ہیں پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُن دونوں مقدموں کو مع ترجمہ کے اس مقام پر لکھدیں تاکہ لوگ جانیں کہ ہمارے سوا اور بہت سے اکابر مکہ معظمہ بھی اُن قصص و حدیثوں کو لغو و نا معتبر سمجھتے ہیں ؛

وهذه هي المقدمات

المقدمة الثامنة

في المغازي والملاحم والتفسير توجد الروايات الكثيرة ونقل بعض المفسرين اكثر القصص والروايات عن الاسرائيليات قال الشوكاني في الفوائد المجموعة في الاحاديث الموضوعة في اخر الباب الاول من كتاب الفضائل قال احمد بن حنبل ثلث كتاب ليس لها اصل المغازي والملاحم والتفسير قال الخطيب هذا محمول على كتب مخصوصة في هذه المعاني الثلثة غير معتمد عليها لعدم عدالت ناقليها وزيادة القصص فيها اما كتب التفسير فمن اشهرها الكتابات للكلبي ومقاتل بن سليمان قال احمد في تفسير الكلبي من اوله الى آخره كذب لا يحل النظر فيه وقد حمل هذا على الاكثر (انتهى) ثم قال اقول لا شك ان كثيرا من كلام الصوفية

مقدمہ آٹھواں

مغازی اور ملاحم اور تفسیر میں بہت روایات پائی جاتی ہیں اور اکثر مفسرین نے بہت زیادہ قصّے اور روایتیں یہودیوں سے نقل کی ہیں شوکانی نے فوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ کی کتاب الفضائل کے باب اوّل کے آخر میں کہا ہے کہ کہا ہے امام احمد بن حنبل نے تین کتابیں ہیں کہ جن کی کچھ اصل نہیں ہے مغازی اور ملاحم اور تفسیر خطیب نے یہ کہا ہے کہ اس سے چند خاص کتابیں مراد ہیں اس فن کی جن پر اعتماد نہیں ہے کہ اُن کے راوی عادل نہیں ہیں اور اُن میں قصّے بڑھا دیئے ہیں اور تفسیر کی کتابوں سے بہت مشہور دو کتابیں کلبی کی اور مقاتل بن سلیمان کی ہیں کہا ہے احمد نے کہ تفسیر کلبی کے حق میں یہ کہا ہے کہ

على الكتاب العزيز هو بالتحريف اشبه منه بالتفسير بل غالب ذلك من جنس تفاسير الباطنة وتحريفاتهم ومن جملة التفاسير تفسير ابن عباس فانه مروي عن طريق الكذابين كالكلبي والسدي والمقاتل ذكر معنى ذلك السيوطي وقد سبقه الى معناه ابن تيمية ومن كان من المفسرين تنفق عليه الاحاديث الموضوعة كالثعلبي والواحدي والزمخشري فلا يحل الوثوق بما يرويه عن السلف من التفسير فانه اذا لم يفهم الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يفهم الكذب على غيره قال المحدث الدهلوي ولي الله رحمة الله في الفوز الكبير في اصول التفسير ودرينجا بايد دانست كه قصص انبيائے سابقين در حديث كم مذكور شده اند اين قصص طويله عريضه كه مفسرين تصريح روايت آں ميكشند همه منقول از علماء اہل كتاب است الا ماشاء الله ودر صحيح بخاري آمده مرفوعاً (لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم) انتهى كلامه بلفظه ٭

ثم قال آنچه محمد بن اسحاق و واقدي و كلبي دريں باب افراط كرده اند و در زير ہر آيتے قصہ آورده اند نزديك محدثين اكثر آں غير صحيح است و در اسناد آں نظر است ٭

اول سے آخر تک جھوٹ ہے اُسکو دیکھنا بھی حلال نہیں ہے اور اُس کے یہ معنی کیئے گئے ہیں کہ اُن میں سے اکثر جھوٹ ہیں اور پھر کہا ہے کہ کہتا ہوں میں کہ کچھ شک نہیں ہے کہ صوفیہ نے جو تاویلات کلام اللہ میں کی ہیں وہ بھی بمنزلہ تحریف کے ہیں نہ تفسیر کے بلکہ اکثر وہ تفسیر ایسی ہیں جیسے فرقہ باطنیہ کی تفسیر اور تحریفات ہیں اور تفسیروں میں سے ایک تفسیر عبد اللہ بن عباس کی ہے کہ وہ منقول ہے جھوٹے راویوں کے ذریعہ سے جیسے کلبی اور سدی اور مقاتل سیوطی نے اس کے یہ معنی کہے ہیں اور اُس سے پہلے ابن تیمیہ نے بھی یہی کہے تھے کہ مفسرین سے جو ایسا ہے کہ احادیث موضوعہ کو ذکر کرتا ہے جیسے ثعلبی اور واحدی اور زمخشری (جس کی تفسیر کشاف بہت مشہور ہے) وہ جو تفسیر سلف سے روایت کرے اس پر بھی اعتماد نہ کرنا چاہیئے کہ جب وہ رسول ہی کی طرف جھوٹی روایت کو نہیں سمجھتا تو اوروں کی طرف کس طرح جھوٹ کو سمجھے گا۔ محدث دہلوی یعنی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فوز کبیر میں جو اصول تفسیر میں کہا ہے کہ یہ جاننا چاہیئے کہ پچھلے نبیوں کے قصے حدیث میں بہت کم مذکور ہوئے ہیں یہ بڑے سے لمبے چوڑے قصے کہ مفسرین اُن کے لکھنے کی تکلیف اُٹھاتے ہیں یہ سب اہل کتاب سے منقول ہیں اور صحیح بخاری میں

یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب پس ان قصوں کی بھی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب ⁂

اور پھر کہا ہے کہ محمد ابن اسحاق اور واقدی نے اس باب میں بہت زیادتی کی ہے اور ہر آیت کی ذیل میں قصہ بیان کیا ہے۔ محدثوں کے نزدیک اکثر وہ صحیح نہیں ہے اور اُس کی اسناد میں تامل ہے ⁂

المقدمة العاشرة

قال التفتازاني في شرح العقايد النسفيه ذيل شرح قول المصنف والاولى ان لا نقتصر على عدد في الايمان بالانبياء (الخ) ان خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرايط المذكورة في اصول الفقه لا يفيد الا الظن ولا عبرة بالظن في باب الاعتقادات خصوصاً اذا اشتمل على اختلاف الروايات وكان بموجبه مما يفضي الى مخالفة ظاهر الكتاب وهو ان بعض الانبياء لم يذكر للنبي عليه السلام ويحتمل مخالفة الواقع وهو عد النبي من غير الانبياء او غير النبي من الانبياء (انتهى كلامه بلفظه) وقال الخيالي في حاشية قوله على تقدير اشتماله على جميع الشرايط مثل العقل والضبط والعدالة والاسلام وعدم الطعن انتهى كلامه بلفظه ⁂

دسواں مقدمہ

علامہ تفتازانی نے شرح عقاید نسفی میں مصنف کے اس قول کی ذیل میں کہ بہتر یہی کہ نبیوں پر ایمان لانے میں کسی عدد خاص پر اکتفا نہ کرے کہ اس معاملہ میں جو حدیث آئی ہے وہ خبر احاد ہے اور وہ حدیث جسکا راوی حضرت سے ایک ہی ہو اگر اُس میں وہ ساری شرائط بھی پائی جاویں جو اصول فقہ میں مذکور ہیں تو اس سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے اور در باب اعتقاد کے ظن کا کچھ اعتبار نہیں اور خاص کر جبکہ اُس میں اختلاف روایات کا ہو اور اُس کے مطلب سے مخالفت ظاہر قرآن کی لازم آتی ہو اور وہ یہ ہے کہ بعض نبیوں کا ذکر حضرت سے نہیں کیا گیا اور نیز اس روایت میں احتمال مخالفت واقع کا بھی ہے کہ کوئی نبی غیر نبیوں میں نہ داخل ہو جاوے یا غیر نبی نبیوں میں شمار ہو جاوے ⁂

اور خیالی نے اپنے حاشیہ میں کہا ہے کہ وہ شرائط جو حدیث میں معتبر ہیں یہ ہیں عقل اور

حافظہ کا درست ہونا اور عادل ہونا اور اسلام اور اُس میں کسی نے طعن نہ کیا ہو ⁂

خاتمہ پر اِن لوگوں کی مُہریں ہیں

عبدالرحمن بن عبداللہ سراج الحنفی مفتی بمکۃ المکرمۃ ⁂

رحمت اللہ یہ ہندوستان کے معروف و مشہور مولوی رحمت اللہ صاحب ہیں ⁂

احمد بن زینی دحلان مفتی الشافعیہ بمکۃ المحمیہ ⁂

محمد بن عبداللہ بن حمید مفتی الحنابلہ بمکۃ المشرفہ ⁂

حسین بن ابراہیم مفتی المالکیہ ببلد اللہ المحمیہ ⁂

ابراہیم بن محمد سعید ⁂

السید محمد الکتبی الحنفی الخطیب والامام والمدرس بالمسجد الحرام ⁂

محمد الحسینی الطندنائی الحنفی بالازہر ⁂

عبد القادر الدنیشانی الحنفی بالازہر ⁂

محمد سالم العباسی العابدی الشافعی بالازہر ⁂

محمد مطاع الشحیمی الشافعی الحسینی بالازہر ⁂

السید محمد الطیب الشافعی بالازہر ⁂

علی بن قاسم بن العباس الیمنی احد مجاورین الازہر ⁂

محمد صادق مدراسی الحنفی القادری ⁂

خطبہ میں بادشاہ کا نام

چند روز ہوئے کہ ہمنے پاپونیر میں نسبت خطبہ جمعہ کے ایک تحریر دیکھی تھی جس میں بعض خطبوں کا ترجمہ بھی تھا جمعہ کا خطبہ ہو یا عیدین کا مسلمانوں کے مذہب کے بموجب اُس میں صرف خدا کی تعریف اور مُسلمانوں کو نیکی اختیار کرنے کی نصیحت ہونی چاہیئے۔ خطبہ کی کوئی عبارت مذہباً معین نہیں ہے بلکہ خطیب خود اپنے علم و استعداد و لیاقت کے موافق خطبہ پڑھتا ہے یا اَور لوگوں نے جو خطبے لکھے ہیں اور جو چھپے ہوئے یا قلمی لوگوں کے پاس ہوتے ہیں اُن میں سے

کوئی خطبہ پڑھ دیتا ہے۔ خطبہ کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے عیسائیوں میں سرمن مگر پاینیر میں اس بات کی کافی بحث نہیں کی گئی تھی کہ آیا خطبہ میں بادشاہ کا نام لینا بھی کوئی مذہبی مسئلہ ہے اور مذہب کی رُو سے جائز ہے یا نہیں اور اسی بحث کو ہم اپنے اس آرٹکل میں لکھنا چاہتے ہیں ؛

پیغمبر خدا صلعم کے وقت میں اور خلفائے راشدین کے وقت میں کسی کا نام خطبہ میں نہیں پڑھا جاتا تھا مگر جو محاربات کہ صحابہ میں واقع ہوئے تھے اور اُس کے سبب سے باہمی نزاع قایم ہو گئی تھی اور خلفائے راشدین کی نسبت سب و شتم کا رواج ہو چلا تھا اُس کے مٹانے کو خطبہ میں خلفائے راشدین اور عمین مکرمین کا نام لیئے جانے کا رواج ہوا تاکہ معلوم ہو کہ یہ سب واجب التعظیم اور قابل ادب ہیں اور فقہا نے اسکو مندوب یعنی اچھا قرار دیا اُس کے بعد بخوبی تحقیق نہیں ہوتا کہ کس خلیفہ سے جو حقیقت میں بادشاہ تھے اُن کا نام خطبہ میں لینا شروع ہوا تاریخ الخلفاء سیوطی سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۸ھ ہجری مطابق ۸۱۳ء کے محمد امین کی خلافت میں اُس کا نام مع اُس کے لقب کے جس میں فخریہ الفاظ تھے خطبہ میں لیا گیا اور امیر المومنین کا لقب تحریرات میں لکھا گیا چنانچہ اُس میں لکھا ہے کہ علی بن محمد نوفلی نے اور

وقال علي بن محمد النوفلي وغيره لم يدع للسفاح ولا للمنصور ولا للمهدي ولا للهادي ولا للرشيد علي المنابر باوصافهم ولا كتب في كتبهم حتى ولي الامين فدعي له بالامير علي المنابر وكتب عنه من عبد الله محمد الامين امير المومنين وكذا قال العسكري في الاوايل اول من دعي له بلقبه على المنابر الامين ؛

اُس کے سوا اَور لوگوں نے کہا ہے کہ سفاح اور منصور اور مہدی اور ہادی اور رشید کے لیئے ممبروں پر اور اُس کی تعریفیں کر کے دُعا نہیں کی گئی اور نہ ان کے فرمانوں میں کچھ فخریہ لفظ لکھے گئے مگر جبکہ امین خلیفہ ہوا تو اُس کے لیئے ممبر پر امیر کہہ کر دعا کی گئی اور اُس کی طرف سے فرمانوں میں لکھا گیا **عبد اللہ محمد الامین امیر المومنین** اور عسکری نے بھی اوایل میں لکھا ہے کہ سب سے اول امین کے لیئے ممبروں پر اُس کا لقب لیکر دُعا کی گئی ؛

مگر اب ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ فقہا کی جن کی رائے و اجتہاد پر مذہب اسلام کا مدار رہ گیا ہے

کیا راٗے ہے۔ دُرِّ مختار میں جو نہایت معتبر فقہ حنفی کی کتابوں میں سے ہے لکھا ہے کہ خطبہ میں بادشاہ کے لیئے دُعا کرنا کوئی مذہبی ثواب کا کام نہیں ہے صرف قہستانی نے لکھا ہے کہ بادشاہ کا نام لینا کچھ مضایقہ نہیں - اور بحر الرائق میں ہے کہ بادشاہ کا نام لینا ثواب نہیں ہے اس لیئے کہ یہ امر محدث یعنی بدعت ہے۔ خطبہ میں صرف نصیحت ہونی چاہیئے ٭

چنانچہ دُرِّ مختار اور اُس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ثواب ہے ذکر کرنا خلفائے اربع راشدین اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں چچا حضرت حمزہ اور حضرت عباسؓ کا اور ثواب نہیں ہے بادشاہ وقت کے لیئے دُعا کرنا (فرض ہو کہ اسی دُعا کے ساتھ بادشاہ کا نام بھی لیا جاتا ہے) مگر قہستانی نے اُسکو جائز لکھا ہے یہ مضمون تو دُرِّ مختار میں ہے اور درمختار کے حاشیہ میں جس کا نام رد المحتار ہے یہ لکھا ہے کہ قہستانی کی یہ عبارت ہے کہ خلفائے اربع اور عمین مکرمین کے نام کے بعد بادشاہ وقت کے لیئے دُعا کیجاوے کہ وہ عدل اور بھلائی کرے مگر اُسکی ایسی تعریف کرنے سے پرہیز کیا جاوے جسکو عالموں نے کفر و گمراہی کہا ہے چنانچہ یہ مطلب ترغیب میں اور اَور کتابوں میں لکھا ہے دُرِّ مختار کے مصنف نے جو لفظ جائز قہستانی کی طرف منسوب

وندب ذكر الخلفاء الراشدين والعمين لا الدعاء للسلطان وجوزه القهستاني كذا في الدر المختار - قوله وجوزه القهستاني الخ عبارته ثم يدعو لسلطان الزمان بالعدل والاحسان متجنبا في مدحه عما قالوا انه كفر وخسران كما في الترغيب وغيره الخ واشار الشارح بقوله وجوزه الى حمل قوله ثم يدعو الخ على الجواز لا الندب لانه حكم شرعي لا بد له من دليل وقد قال في البحر انه لا يستحب لما روي عن عطاء حين سئل عن ذالك فقال انه محدث وانما كانت الخطبة تذكيرا كذا في رد المحتار حاشيه الدر المختار ٭

کیا ہے اور ثواب ہونے کو منسوب نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے کہ ثواب افعال میں ایک حکم شرعی ہے جس کے لیئے کسی دلیل شرعی کا ہونا ضرور ہے (اور بادشاہ کے نام لینے اور اُس کے لیئے دُعا کرنے کی کوئی شرعی دلیل نہیں) اور بحر الرائق میں مذکور ہے کہ بہتر نہیں ہے بادشاہ کا نام لینا اور اُس کے لیئے دُعا کرنا کیونکہ عطاء ابن یسار تابعی سے روایت ہے کہ جب اُن سے اس کی نسبت پوچھا گیا تو اُنھوں نے کہا کہ یہ نئی بات نکالی ہوئی ہے خطبہ میں تو صرف نصیحت ہوا کرتی تھی ٭

اس تمام تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ میں بادشاہ کا نام لینا اور اُس کے لیئے دُعا کرنا کوئی

مذہبی مسئلہ نہیں ہے بلکہ مذہب کی رُو سے بدعت و محدث ہے وللہ درمن قال کل محدث (ای فی الدین) بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ ۔

جس طرح کہ خلفائے بغداد اپنے فخر و شیخی کے لیئے خطبوں میں اپنا نام لواتے تھے اُسی طرح ہندوستان کے بادشاہ بھی اپنا نام خطبوں میں لواتے تھے مگر مذہب کے بالکل برخلاف تھا میں نے بھی اکبر شاہ و بہادر شاہ کا نام باوجودیکہ کچھ بھی بادشاہت اُن کی باقی نہیں رہی تھی۔ دلی کی مسجدوں کے خطبوں میں اور بیرونجات کی بھی بہت سی مسجدوں میں لیا جاتا سُنا ہے مگر ہندوستان کی بہت سی مسجدیں ایسی بھی تھیں کہ شاہ عالم کے بعد اُن میں کسی بادشاہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا اسلیئے کہ اکبر شاہ و بہادر شاہ کو خطبہ میں بادشاہ کے نام سے ملقب کرنا وہ جھوٹ سمجھتے تھے اور خطبہ میں اسکا استعمال کرنا جھوٹ کا استعمال کرنا جانتے تھے ۔

شاہ عالم کے بعد جن مسجدوں میں اکبر شاہ و بہادر شاہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا وہ دو قسم کی ہو گئی تھیں جو لوگ کہ اپنی نادانی سے یہ سمجھتے تھے کہ کسی مسلمان بادشاہ کا نام لینا چاہیئے گو وہ ہمیں کا بادشاہ ہو اُنھوں نے تو سلطان روم کا نام لینا شروع کر دیا۔ اور شاید بمبئی کلکتہ اور ایسے ہی دُور دراز کے شہروں میں اُس کا رواج ہوا مگر اکثر مسجدوں میں کسی بادشاہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا بلکہ اَور باقی مسجدوں میں مسلمانوں کے حق میں صرف یہ دُعا ہوتی تھی کہ " اللھم ایدی المسلمین بالسلطان العادل (بعضی جگہ سُلطان کے لفظ کے بدلے امام کا لفظ کہا جاتا ہے) والخیر والطاعۃ واتباع سنن سید الموجودات یعنی اے خدا مُسلمانوں کی مدد کر بادشاہ عادل کی حکومت سے اور اُن کی مدد کر بھلائی کرنے سے اور خدا کی فرماں برداری اور رسول کی پیروی کرنے سے جو تمام موجودات کے سردار ہیں" یہی دُعا ہندوستان کی اکثر مسجدوں میں پڑھی جاتی ہے۔ پس جو بادشاہ ہم پر عدل و انصاف سے حکومت کرے ہمارے مذہبی فرائض میں دست اندازی نہ کرے۔ ہماری جان و مال کی حفاظت کرے۔ ہمارے حقوق ہم کو عطا کرے وہ بھی اُس دُعا میں داخل ہے۔ یہ دُعا درحقیقت کسی بادشاہ کے لیئے نہیں ہے بلکہ عام مُسلمانوں کی بھلائی کے لیئے ہے۔ پس یہ خیال کہ کسی بادشاہ کا خطبہ میں نام لینا کسی مذہبی مسئلہ پر مبنی ہے اور مُسلمانوں کو اُس بادشاہ کے مذہب کی رُو سے کوئی مذہبی اطاعت واجب ہے صحیح نہیں ہے ۔

شیخ الاسلام

شیخ الاسلام کا عہدہ سلطنت ٹرکی میں درحقیقت ایک بہت بڑا معزز عہدہ ہے شیخ الاسلام بحیثیت اپنے عہدہ کے اُس کونسل خاص کا ممبر بھی ہے جس کا پریسیڈنٹ وزیراعظم ٹرکی ہوتا ہے اور جس کو مجلس باب العالی کہتے ہیں ؀

یہ عہدہ ہمیشہ ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جو بہت بڑا عالم اور حنفی مذہب ہو اور مسایل فقہ حنفی سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو اُسکو کوئی ایسا حق یا اختیار نہیں ہے کہ کوئی جدید حکم مثل حکم شرع کے جاری کرسکے یا اُن حکموں میں سے جو شرع میں ہیں کوئی حکم منسوخ یا ترمیم کرسکے بلکہ اس کا کام صرف یہ ہے کہ جو واقعات پیش آویں اُن کی نسبت بتادے کہ فقہ حنفی کا حکم کیا ہے یا جن احکام کا اجرا منظور ہو اُن کی نسبت بتادے کہ فقہ کے مطابق ہیں یا نہیں اگرچہ اُس کو پہلے تو بہت زیادہ اختیار تھا مگر اب بھی کسی قدر اختیار رکھتا ہے کہ جن احکام کو خلاف شرع سمجھے اُن کے عدم اجرا میں بحث و کوشش کرے ؀

اِن اسباب سے شیخ الاسلام کو گویا تمام امور کلی و جزوی سلطنت میں ایک گونہ مداخلت ہو جاتی ہے مثلاً جب وزیروں نے سلطان عبدالعزیز یا سلطان مراد کا معزول کرنا مناسب سمجھا تو اُس میں شیخ الاسلام کا اتفاق ضرور تھا اور اُس سے ایک فتوے لیا گیا کہ سلطان عبدالعزیز یا سلطان مراد لایق بادشاہت نہیں رہا اُس کا عزل کرنا احکام شریعت کے موافق درست ہے جب دوسرا بادشاہ اُس کی جگہ قایم کیا گیا تو شیخ الاسلام سے اُس کا استحقاق بادشاہت تسلیم کرانا ہوا ؀

چونکہ مسلمانوں نے یہ ٹھہرا رکھا ہے کہ عقاید مذہبی اور معاملات دنیوی اور انتظامات ملکی سب کا تقلیداً بموجب فقہ حنفی کے ہونا چاہیئے (جو نا واجب تقلید اصلی باعث اُن تمام خرابیوں کا ہے جو سلطنت اسلامیہ میں پائی جاتی ہیں) اس سبب سے ہر ایک امر متعلق انتظام سلطنت میں شیخ الاسلام کو مداخلت ہے۔ زمین پر مالگذاری مقرر کرنے۔ ٹیکس یا جزیہ لگانے۔ تجارتی احکام جاری کرنے۔ ملکی قانون جاری کرنے۔ عدالتوں کے تقرر کرنے۔ عدالتوں کی کاروائی کے ضوابط مقرر کرنے۔ انفصال حقوق کے اصول میں۔ جنگی معاملات میں۔ غیر سلطنتوں سے صلح نامہ

کرنے میں - فوج کے آراستہ کرنے میں - یہاں تک کہ فوج کی وردی و ہتیار اور قواعد کے طریقہ میں بھی اُسکو مداخلت ہوتی تھی +

مسلمانوں کا گو وہ کسی مُلک کے ہوں یہ خیال نہیں ہے کہ شیخ الاسلام کی روح میں کوئی ایسی بات ہے جس کا حکم ماننا ضرور ہے جیسیکہ رومن کیتھلک عیسائیوں کا پوپ کی نسبت خیال ہے بلکہ وہ اُس کے حکم کو اس خیال سے واجب التعمیل سمجھتے ہیں کہ وہ فقہہ حنفی کا سب سے بڑا عالم تسلیم کیا جاتا ہے اور جو وہ حکم دیتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ بے شک وہ فقہہ و شریعت کے مطابق ہے جس کی پیروی مسلمان مذہباً ضرور سمجھتے ہیں +

اگلے زمانہ میں جبکہ ترکوں میں جہالت اور ناتہذیبی زیادہ تھی اُس وقت تک شیخ الاسلام کو ان تمام باتوں میں پوپ کی مانند بہت بڑا کامل اختیار تھا مگر رفتہ رفتہ بہت سی باتوں میں کم ہوتا گیا اور سلطان محمود کے وقت سے اُس کے اختیاروں میں بہت کمی ہوگئی ابتو شیخ الاسلام صرف شیر کی کھال رہ گئے ہیں جو باتیں بطور فتویٰ شریعت لوگوں میں مشہور کرنی ہوتی ہیں جیسے حال میں اشتہار جہاد یا اعلام نامہ عدم زیادتی نسبت عیسائیان مشتہر کیا گیا ہے وہ شیخ الاسلام کی معرفت ہوتا ہے عدالتوں میں ابھی اُسکو مداخلت ہے گو پہلے کی نسبت کسیقدر کم ہو +

ایک زمانہ وہ تھا کہ شیخ الاسلام کا تبدیل کرنا ترکوں کے لیئے کچھ آسان کام نہ تھا وہ جھٹ سلطان کے کافر یا عیسائی ہوجانے کا فتویٰ دیدیتا تھا اور لوگوں میں بغاوت پھیلانی شروع کردیتا تھا مگر دیکھو کہ اب کسقدر زمانہ بدل گیا ہے کہ ہم دوشنبہ کی تاربرقی سے پاتے ہیں کہ شیخ الاسلام مثل ایک نوکر کے موقوف کردیا گیا اور دوسرا شیخ الاسلام اُسکی جگہ مقرر ہوگیا - ہمارے یورپین ہمعصر مُسلمانی مذہب کے اصولوں سے بخوبی واقفیت نہیں رکھتے اِس لیئے وہ شیخ الاسلام کی نسبت معلوم نہیں کیا خیالات رکھتے ہیں - پانیونیر لکھتا ہے کہ "تھوڑا عرصہ ہوا کہ ہمنے اشتہار جہاد کی نسبت مباحثہ کیا تھا یہ اشتہار اُس شیخ الاسلام نے مشتہر کیا تھا جو اب اُس معزز عُہدے سے موقوف ہوگیا ہے اور ہمنے بھروسہ کر کے اس امر کا یقین کرایا تھا کہ برٹش انڈیا کے مُسلمانوں کے دلوں پر اُس فتویٰ جہاد سے کچھ اثر نہو گا گو اُن لوگوں کی ہمدردی ترکوں کے واسطے کیسی ہی کیوں نہ ہو علےٰ ہذالقیاس شیخ الاسلام کی برطرفی ایک ایسی بات ہے جس کا اثر قسطنطنیہ پر بہ گر قیصر ہند کی مسلمان رعایا پر شمہ بھر بھی اُس کا کچھ اثر نہ ہوگا" +

ہم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شیخ الاسلام مُسلمانی مذہب کے مطابق کوئی چیز نہیں ہے کوئی

شخص خواہ مخواہ اُس کا حکم ماننے پر مجبور نہیں ہے جو شخص کہ اُس کا حکم نہ مانے اُسکے ایمان میں اُس کے مذہب میں کسی قسم کا نقصان نہیں آسکتا نہ کوئی گناہ اُس پر ہوتا ہے۔ یہ عہدہ کوئی مذہبی عہدہ نہیں ہے جیسکہ پوپ کا عہدہ خیال کیا جاتا ہے۔ ہر شخص کو آزادی ہے کہ شیخ الاسلام کے احکام پر غور کرے اگر اُس کے نزدیک وہ حکم غلط ہو اُس کو رد کردے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ نہ کوئی اُس کا حکم اُن پر واجب التعمیل ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت ٹرکی کے مسلمانوں کی حالت سے ازروئے احکام مذہب اسلام کے بالکل مختلف ہے ہندوستان کے مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں اور اُس کے امن میں رہتے ہیں۔ برخلاف اسکے ٹرکی کے مسلمان ایسے نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دونوں کے لیئے احکام مذہبی مختلف ہیں شیخ الاسلام کا کوئی حکم ہندوستان کے مسلمانوں سے مذہباً متعلق نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا مذہباً یہ فرض ہے کہ اپنے بادشاہ کی جس کی وہ رعیت ہیں اور جس کی امن میں مذہبی آزادی سے وہ بسر کرتے ہیں ہمیشہ اُس کے تابع رہیں گو وہ ترکوں کے ساتھ کیسی ہی ہمدردی رکھتے ہوں اور گو ٹرکی میں اور خود قسطنطنیہ میں کچھ ہی ہوا کرے۔ فرض کرو کہ اگر خود انگلش گورنمنٹ بجائے روس کے ہوتی اور ترکوں کا ملک بظلم چھین لینا چاہتی اور گو اس بات سے کیسا ہی رنج وغم اور غصہ اور آزردگی ہندوستان کے مسلمانوں کو ہوتی اُس پر بھی مذہب کی رُو سے ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوستان میں جہاں اُن کو امن اور مذہبی آزادی ہے بجز انگریزی گورنمنٹ کی اطاعت کے اور کچھ چارہ نہیں ہے ہم اپنے یوروپین دوستوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ٹرکی میں کچھ ہی انقلاب ہوا کریں اور کچھ ہی احکام جاری ہوا کریں اُن کا اثر ہندوستان میں مذہب کی رو سے کچھ نہیں ہو سکتا مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو امور خلاف مراد ٹرکی ہوتے ہیں اُن سے ہندوستان کے مسلمانوں کو از حد رنج وغم و غصہ ہوتا ہے۔ مخالفان ٹرکی سے از حد ناراض ہوتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بات کہ مسلمان سلطان کو ایک مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں اور اس لیئے اُسکی ہمدردی کرتے ہیں ایک لغو و مہمل بات ہے بلکہ یہ ہمدردی ایک قدرتی طبعی بات ہے اور تعلیم سے اور اخبارات سے اور سفر کی آسانی سے جو اس زمانہ میں حاصل ہے اور جن کے سبب سے سلطنت ٹرکی میں ہندوستان کے مسلمانوں کی آمد و رفت بہت زیادہ ہو گئی ہے اُس ہمدردی کو بہت کچھ ترقی ہو گئی ہے ؂



ملک یمین

ان دنوں ہیں تمام دنیا کے مسلمانوں میں روم و روس کی لڑائی کا چرچا ہے۔ لڑائیاں تو آپسمیں بادشاہوں کے ہوا ہی کرتی ہیں اور چرچا بھی لڑائیوں کا ہوا ہی کرتا ہے مگر جو رنج و غم مسلمانوں کا ہے وہ روسیوں اور بلگیریا والوں کے اُن ظلموں کا ہے جو انھوں نے مسلمانوں پر کیئے ہیں۔ سینکڑوں بے گناہ مسلمانوں کو پکڑ کر مار ڈالا اور نہایت بے رحمیوں سے مارا۔ بڈھوں اور بچوں اور عورتوں کو قتل کیا جن عورتوں کی گود میں شیرخوارہ بچے تھے اُن کو بھی قتل کیا اور اُن شیرخوارہ بچوں کو زندہ اُنہی لاشوں میں ڈالدیا کہ رو رو کر۔ چلا چلا کر اور جانوروں کے پنجوں سے زخمی ہوکر سسک سسک کر مر گئے۔ یہ واقعات اگرچہ بیحد غم دلانے والے ہیں مگر چنداں رنج میں ڈالنے والے نہیں ہیں کیونکہ ان سب کا آخری نتیجہ موت تھی۔ پس مرنے سے کیا ڈرنا وہ کسی نہ کسی طرح آگئی تکلیف اُٹھا کر جان گئی یا آسانی سے جان نکل گئی مگر سب سے زیادہ رنج اور غصہ اور غیرت اور کاہش طبع جو مسلمانوں کو ہے وہ روسیوں کی اور بلگیریا والوں کی اُس نالائق حرکت سے ہے جو انھوں نے کنواری لڑکیوں۔ بیاہی عورتوں۔ بڈھی بیواؤں سے بطور ملک یمین کے کیا مقام پیرا سے جو تار برقی آیا ہے اُس میں لکھا ہے کہ "ہر ایک سمت سے لوگ بھاگ بھاگ کر اُن مقاموں کو آتے ہیں جہاں پناہ ملنے کی توقع ہوتی ہے اور مرد اور عورت بلکہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے قتل کی ایسی خبریں اپنے ساتھ لاتے ہیں جن کو سن کر کلیجا پھٹ جاتا ہے روسی سپاہی مسلمانوں کی جوروؤں اور کنواری لڑکیوں کو پکڑ لیتے ہیں اور اُن کو خراب کرتے ہیں اس طرح پر سینکڑوں عورتیں خراب کی گئیں" پس یہ واقعہ سب سے زیادہ مسلمانوں کو رنج دیتا ہے اور تمام دنیا کے لوگ اس پچھلی حرکت کو نہایت وحشیانہ و نالائق حرکت خیال کرتے ہیں۔ اُس وحشی انسان پر غور کرنا چاہیئے جس نے ایسی عورت کو پکڑ لیا ہو جس کا بیٹا میدان میں مقتول پڑا ہے اور جس کا خصم زخمی تڑپ رہا ہے اور وہ رو رہی ہے اور چلا رہی ہے اور یہ اُسکو پچھاڑ کر اُس کے ساتھ درخت کے نیچے یا اپنے تمبو کے تلے وہ وحشیانہ حرکت کرتا ہے جسکو بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کافر سے کافر کیوں نہو ہمکو یقین ہے کہ وہ روسیوں اور بلگیریا والوں کی اس حرکت پر اُن کو لعنت و نفرین کرتا ہوگا۔ کیسے سے کیسا ہی متعصب مسلمان ہو وہ بھی جی میں کتنوں کو اپنے بارے میں وحشیانہ حرکت سمجھتا ہوگا ہم نے سُنا ہے کہ کافروں نے بھی اس امر کو ناپسند کیا ہے

اور چند عیسائی سلطنتوں نے ان ظلموں کی بابت روسیوں سے کیفیت طلب کی ہے مگر ہمکو بڑا خوف ہے کہ کہیں نورالآفاق کے پچھلے پرچے جس میں ہمارے شفیق مولوی محمد علی صاحب نے ہمارے رسالہ تبریۃ الاسلام عن شین الامۃ والغلام کا جواب لکھا ہے اور کہیں ہمارے مخدوم و مکرم مولوی علی بخش خاں صاحب کے رسالے جن میں اُنھوں نے ایسی حرکات کو مذہب اسلام میں جایز قرار دیا ہے روسیوں کے ہاتھ نہ لگ گئے ہوں اور وہ اُن کو اپنی برأت کی دلیل میں پیش نہ کریں اور جواب دیں کہ یہ باتیں کچھ وحشیانہ پن کی نہیں ہیں جن لوگوں کے ساتھ ہمنے کیا ہے وہ اپنے مذہب کی رُو سے اور اپنے خدا کے حکم کے بموجب دوسرے لوگوں کے ساتھ ایسی حرکتیں کرنی جایز سمجھتے ہیں اور نعوذ باللہ اپنے بزرگوں کی نسبت ان افعال کو منسوب کرتے ہیں۔ پھر ہم ان افعال میں کیوں مجرم ہیں ہاں عورتوں اور بچوں کے قتل کا گناہ ہمپر ہے مگر تصرف علی ملک الیمین کی نسبت جواب پوچھنا بیجا ہے۔ ہمکو نہایت رنج و افسوس ہے مسلمانوں کی ایسی جاہلانہ باتوں پر جو اسلام کو ایسی بدباتوں سے داغدار کرتے ہیں اور جو باتیں اسلام میں نہیں ہیں صرف اپنی ہوائے نفسانی سے اُس میں داخل کرتے ہیں جس ہندوستان کے مسلمان کو ہمارے مسئلہ حریت اساری میں شبہ ہوا اسکو جناب مولوی محمد علی صاحب اور جناب مولوی علی بخش خاں صاحب کے رسالوں کو پڑھنا ضرور نہیں ہے وہ سید ھا بلگیریا میں چلا جاوے اور جو زیادتیاں عورتوں اور کنواری لڑکیوں پر ہوتی ہیں اُن کو دیکھے اور فیصلہ کرے کہ ایسی حرکتوں کا کسی مذہب میں بھی جائز ہونا ہو سکتا ہے افسوس ہے اُن مسلمانوں پر جو ایسی باتیں مذہب اسلام میں جائز بتاتے ہیں اور مذہب اسلام کو بدنام کرتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ افسوس ہے مسلمانوں کی اس حالت پر کہ ایسوں کو تو مقدس مسلمان تصور کرتے ہیں اور جو کوئی مذہب اسلام کو ان نجس باتوں سے پاک بتاوے اور ثابت کرے کہ یہ خدا کا حکم نہیں ہے اور نہ مذہب اسلام میں جائز ہے بلکہ مذہب اسلام اس عیب سے پاک ہے اُس کو کافر و ملحد و کرسٹان و نیچریہ بناتے ہیں وسیعلمون من ھو اشد ظلما و کفراً ٭

مہدی آخر الزمان

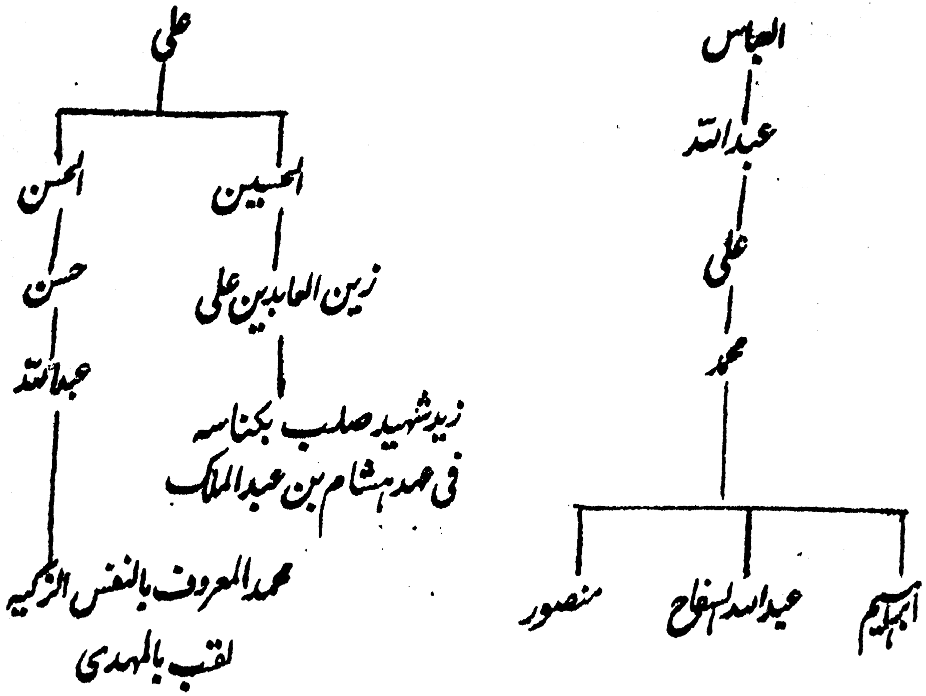
اُن غلط قصّوں میں سے جو مسلمانوں کے ہاں مشہور ہیں ایک قصہ امام مہدی آخر الزمان کے

پیدا ہونے کا ہے۔ اس قصہ کی بہت سی حدیثیں کتب احادیث میں بھی مذکور ہیں مگر کچھ شبہ نہیں کہ سب جھوٹی اور مصنوعی ہیں جب کہ ایک محقق کیا باعتبار واقعات تاریخی کے اور کیا باعتبار اُن کے راویوں کے اُن پر غور کرتا ہے تو اُن کا غلط اور نامعتبر اور وضعی ہونا آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے اور یہ بات بھی کھل جاتی ہے کہ ان حدیثوں کے بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ چنانچہ ہم اُن حدیثوں کو اول مع تاریخی واقعات کے بیان کرتے ہیں اور ان کا وضعی ہونا دکھلاتے ہیں اور پھر محدثین کے طریقہ پر اُن کے راویوں کی نسبت بحث کریں گے اور راویوں کا نامعتبر ہونا دکھلاویں گے جس سے ثابت ہو جاویگا کہ مہدی آخرالزمان کی بشارت کوئی اصلی بشارت نہ تھی بلکہ اُس زمانہ کے لوگوں کی صرف ایک حکمت عملی اور خلافت ہاتھ آجانیکی تدبیروں میں سے ایک تدبیر تھی اور اُن سے کسی ایسے مہدی کی جو مسلمانوں نے تصور کر رکھا ہے اور جس کا قیامت کے قریب ہونا خیال کیا ہے بشارت مقصود نہیں تھی ✦

جب کہ خلفائے اربع کی خلافت ختم ہوگئی اور حضرت امام حسن نے بھی خلع خلافت کیا اور مستقل خلافت خاندان بنی اُمیّہ میں چلی گئی تو بنی ہاشم اور بنی فاطمہ کے دل سے پھر خلافت حاصل کرنے کا جوش کبھی کم نہیں ہوا۔ اُسی حالت میں واقع کربلا واقع ہوا جس سے بہت لوگوں کا دل بنی اُمیّہ کی طرف سے متنفر اور بنی فاطمہ کی طرف مائل ہوا ✦

مگر جیسا کہ بنی فاطمہ خلافت کا اپنے تئیں مستحق سمجھتے تھے بنی عباس بھی کچھ کم خواستگار خلافت کے نہ تھے کیونکہ وہ بھی بنی ہاشم تھے اور تمام بنی ہاشم اپنے تئیں آل محمد یعنی آں حضرت صلعم کا کنبہ سمجھتے تھے۔ بنی عباس کو یہ بھی یقین تھا کہ بنی فاطمہ سے خلافت کا کام نہیں چلنے کا مگر ہم چلا لینگے چنانچہ جب بنی عباس خراسان میں اپنی خلافت کی تدبیر کر رہے تھے اُس وقت بنی فاطمہ کے دل میں بھی اُس کا جوش ہوا تھا کہ تم سے یہ کام نہیں ہونے کا ترجمہ تاریخ طبری میں مندرج ہے کہ آنگاہ یعنی (بزمانہ تحریک خراسان در خلافت بنی عباس) طمع افتاد بنی ہاشم را اندر خلافت و فضل ابن عبدالرحمن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بیتے چند گفت و عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما داد و او را تحریص کرد بر طلب ولایت و ابوالحسن گفت کہ با عبداللہ بن الحسن بن علی بن ابی طالب و علی بن عبداللہ بن العباس ہمی رفتیم داؤد بن علی فرا نزدیک عبداللہ بن حسن شد و گفت اگر تو فرمودی پسران خویش را محمد و ابراہیم تا اندر آمدندے فرمادہ وجوب کردندے نیک بودے کہ دولت بنی اُمیہ اندر شوریدہ ہمی بینی کہ خبر ہائے خراسان چگونہ

ہمی آید و تباہ شدہ است و عبداللہ بن الحسن گفت ہنوز آں ہنگام نیست کہ مارا باید آمدن عبداللہ
بن علی گفت یا ابا محمد شما را بر بنی اُمیہ ظفر نباشد ظفر مارا بود و منم کہ ایشاں را بکشیم و کار از ایشاں
بستانم و ما ذالک علی اللہ بعزیز پس عبداللہ بن الحسن خاموش شد و چیزے نگفت
(ورق ۴۰۹ صفحہ ۲)



غرض کہ اخیر زمانہ خلفائے بنی اُمیہ میں جبکہ اُن کی خلافت میں کسی قدر ضعف بھی ہو گیا تھا
اور اُن کے ظلم و تعدی سے اہل حجاز ناراض بھی تھے بنی عباس اور بنی فاطمہ بہت سی تدبیریں
اور ترغیبیں خلافت حاصل کرنے کو کر رہے تھے۔ اس خلفشار میں لوگوں کے چار گروہ ہو گئے
ایک گروہ تو خلفائے بنی اُمیہ کا طرفدار تھا جو مسند خلافت پر جلوہ آرا تھے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو
عبداللہ بن زبیر کی خلافت پر مائل تھا جنھوں نے مکہ معظمہ میں دعویٰ خلافت کا کیا تھا۔ تیسرا
گروہ وہ تھا جو بنی عباس میں سے خلیفہ ہونے کی تدبیریں تھا اور چوتھا وہ تھا جو بنی فاطمہ میں سے
خلیفہ ہونے کا طرفدار تھا۔

بنی اُمیہ والے گروہ کو تو بجز اس کے کہ وہ اُن کی خلافت قائم رکھنے میں کوشش کریں اور مخالفوں
سے لڑیں اور اُن کو قتل و برباد کریں اور کوئی کام نہ تھا مگر تین فریق جو باقی رہے اُن کی تدبیریں
البتہ غور کے قابل ہیں۔ عبداللہ بن زبیر کے طرفداروں کو کچھ زیادہ کارروائی کا موقع نہیں ملا مگر
بنی عباس و بنی فاطمہ کے طرفداروں نے نہایت عاقلانہ تدبیریں اختیار کی تھیں سب سے مقدم یہ

یہ تھی کہ اُن کی طرف سے لوگ دُور دُور ملکوں میں جاتے تھے اور لوگوں کو بنی امیہ سے برخلاف اور اُن کی خلافت پر مائل کرتے تھے اور سب سے بڑا ذریعہ لوگوں کے برانگیختہ کرنے کا اُن وضعی حدیثوں کا پھیلانا اور لوگوں کو سنانا تھا جن سے اُن لوگوں کے استحقاق خلافت کو جن کے طرفدار اُن حدیثوں کو بناتے تھے بطور پیشین گوئی کے تقویت ملتی تھی - وہ ان پیشین گوئیوں میں یہ تو کہہ نہیں سکتے تھے کہ کوئی دوسرا پیغمبر ہونے والا ہے جس کی اطاعت سب کو چاہیئے اسلیئے اُنھوں نے لفظ مہدی کا اختیار کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ایک شخص جو خدا کی طرف سے ہدایت کیا گیا ہے عدل و انصاف کرنیوالا پیدا ہوگا جس کی اطاعت سب کو چاہیئے اور اُن وضعی حدیثوں میں اُس مہدی کی ایسی نشانیاں بتاتے تھے جو اُن لوگوں پر صادق آتی تھیں جن کا وہ خلیفہ ہونا چاہتے تھے چنانچہ یہ امر اُن واقعات کو حدیثوں سے مطابق کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے ؛

عبداللہ بن زبیر کا زمانہ بہت نہیں چلا جبکہ ۶۰ھ ہجری میں مطابق ۶۸۰ء کے یزید تخت پر بیٹھا اور واقعہ کربلا بھی ہو چکا تو اہل حجاز اُس کی بدکاریوں سے نہایت ناراض تھے - عبداللہ بن زبیر نے یزید سے بیعت نہیں کی تھی اور حجاز کے لوگ اُن کی طرف مائل تھے پس عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں اپنے آپ کو خلیفہ کیا اور عراق و حجاز و یمن و بصرہ کے لوگوں نے اُن کی اطاعت قبول کی یزید نے اُن سب ملکوں کو باغی قرار دیا اور مدینہ منورہ کے قتل و غارت کے بعد عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کو مکہ پر فوج بھیجی - وہ مکہ میں محصور ہو گئے اور لڑائی ہوئی مگر یزید کے مرجانے کے سبب سے وہ فوج واپس آئی ؛

یزید کے بعد معاویہ ابن یزید خلیفہ ہوا - مگر اُس نے خلافت چھوڑ دی اور ۶۵ھ ہجری مطابق ۶۸۴ء عیسوی کے عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا اُس نے اپنے وزیر حجاج کو مع فوج کثیر عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کو مکہ پر روانہ کیا عبداللہ پکڑے گئے اور ۷۳ھ ہجری مطابق ۶۹۲ء کے اُن کو سولی دیکر مار ڈالا ؛

یہ فوج کشی جو دوسری دفعہ ہوئی نہایت سخت تھی اور اس غرض سے کہ لوگ عبداللہ بن زبیر کی مدد کریں اُن لوگوں نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر کے طرفدار تھے اُن کے لیئے حدیثیں بنالیں اُنھی حدیثوں میں سے وہ حدیث بھی ہے جو ابوداؤد نے ام سلمہ سے روایت کی ہے جس میں

۱ - (قتادہ) عن ام سلمۃ عن النبی صلعم

قال یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من اهل المدینة هاربا الی مکة فیاتیه ناس من اهل مکة فیخرجونه وهو کاره فیبایعونه بین الرکن والمقام ویبعث الیه بعث من الشام فیخسف بهم بالبیداء بین مکة والمدینة فاذا رای الناس ذلک اتاه ابدال الشام وعصائب اهل العراق فیبایعونه ثم ینشاء رجل من قریش اخواله کلب فیبعث الیهم بعثا فیظهرون علیهم ذلک بعث کلب والخیبة لمن لم یشهد غنیمة کلب فیقسم المال ویعمل فی الناس لسنة نبیهم صلعم ویلقی الاسلام بجرانه الی الارض فیلبث سبع سنین (تسع سنین) ثم یتوفی ویصلی علیه المسلمون ۔

ابو داؤد صفحہ ۲۳۳

قتادہ بھی ایک راوی ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ " ام سلمہ نے آنحضرت صلعم کا فرمانا بیان کیا کہ ایک خلیفہ کے مرنے پر اختلاف واقع ہوگا پھر ایک شخص مدینہ میں سے بھاگ کر مکہ میں آوے گا پھر اُس کے پاس مکہ کے لوگ آویں گے اور اُسکو خلیفہ بنانے کے لیئے نکالینگے اور وہ خلیفہ ہونیکو ناپسند کریگا پھر لوگ اُس سے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے بیچ میں بیعت کرینگے پھر شام سے اُسپر لشکر چڑھ کر آویگا پھر وہ لشکر مکہ و مدینہ کے درمیان کے میدان میں دھنس جاویگا جب لوگ یہ بات دیکھینگے تو شام کے ابدال یعنی بزرگ لوگ اور عراق کے لشکر اُس کے پاس چلے آوینگے اور اُس سے بیعت کرینگے پھر ایک شخص قریش میں سے جس کی قوم بنی کلب رشتہ میں ماموں اد ہوگی اُٹھے گا اور ایک لشکر اُن پر بھیجے گا اور وہ اُن پر فتح پاویں گے اور یہ لشکر قوم کلب کا ہوگا ۔ افسوس ہے اُس شخص پر جو کلب کی لوٹ میں موجود نہ ہو پھر وہ شخص مال کو تقسیم کرے گا اور لوگوں میں اُن کے پیغمبر کے طریقہ پر عمل کریگا اور اسلام کو زمین پر پھیلا دے گا پھر سات برس یا نو برس جیتا رہیگا پھر مرجاویگا اور مسلمان اُس کی نماز پڑھینگے ۔

یہ شروع شروع زمانہ اس قسم کی حدیثوں کے بننے کا ہے اور ابھی تک مہدی کا لفظ وضع نہیں کیا گیا ہے مگر محدثین نے مہدی ہی سے اس حدیث کا بھی تعلق سمجھا ہے اور اسی لیئے ابوداؤد نے باب المہدی میں اس حدیث کو لکھا ہے مگر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن زبیر کے لیئے بنائی گئی تھی مدینہ سے مکہ میں آنا اور بین الرکن والمقام بیعت کا ہونا اور یعلی وقوع شام کا لشکر بغیر فتح کے واپس چلا گیا اُس کے دھنس جانے سے کنایہ کرنا اور عراق سے لشکر

آنا جس نے عبداللہ بن زبیر کی اطاعت قبول کی تھی یہ سب ایسے اشارے اس پیشین گوئی میں ہیں کہ ہیر پھیر کر سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو پیشین گوئی اس میں ہے وہ عبداللہ بن زبیر ہی اُسکی مصداق ہیں ✦

بنی فاطمہ نے جو تدبیر خلافت مغصوبہ کے دوبارہ حاصل کرنے کی کی تھی وہ مدت تک جاری رہی مگر افسوس ہے کہ کامیاب نہ ہوئے ✦

سب سے پہلے کوشش وہ تھی جو یزید کے وقت میں ہوئی اور اہل کوفہ کی خواہش پر حضرت امام حسینؑ نے مسلم ابن عقیل کو وہاں بھیجا اور پھر خود بھی روانہ ہوئے اور صحرائے ماریہ میں فرات کے کنارہ ۶۱ھ ہجری مطابق ۶۸۰ء کے مع بہتر رفقا کے شہید ہو گئے ✦

مگر بنی فاطمہ کے دل سے یہ دعویٰ زائل نہیں ہوا جبکہ ۱۰۵ ہجری مطابق ۷۲۴ء کے ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو زید ابن علی بن حسین علیہم السلام نے جو مدت سے اپنی خلافت کی تدبیر کر رہے تھے اور جابجا اُن کے نقیب پھیلے ہوئے تھے کوفہ میں دعویٰ خلافت کیا مگر جب ہشام کی فوج آئی تو صرف پانسو آدمیوں نے ساتھ دیا شکست ہوئی اور حضرت زید شہید ہوئے یعنی کناسہ میں سولی دیدی گئی ✦

جو لوگ کہ بنی فاطمہ سے گرویدہ تھے اور زید شہید کی خلافت چاہتے تھے اُنہوں نے اس لیے کہ لوگ بنی فاطمہ کیطرف رجوع کریں اور زید شہید کی خلافت کے حامی ہوں وضعی حدیثیں بنا کر لوگوں میں پھیلانی شروع کیں اب ایسا مضمون اُن حدیثوں میں بیان ہونے لگا جس سے پایا جاوے کہ بنی فاطمہ میں سے خلیفہ ہونے کی پیشین گوئی ہوئی ہے اس مضمون کی بہت سی حدیثیں کتابوں میں پائی جاتی ہیں چنانچہ ابو داؤد میں حضرت علیؓ سے روایت ہے جس میں کا ایک راوی فطر بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے آں حضرت صلعم کا فرمانا بیان کیا کہ اگر دنیا سب چلی جاوے اور صرف ایک دن ہی باقی رہ جاوے تو بھی ضرور خدا تعالےٰ میری اہل بیت میں سے ایک شخص کو کھڑا کرے گا جو دنیا کو عدل سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم سے بھری ہوگی ✦

۲ (فطر) عن علی عن النبی صلعم لو لم یبق من الدنیا الا یوم لبعث اللہ رجلا من اہل بیتی یملاءھا عدلا کما ملئت جورا ✦

(ابو داؤد صفحہ ۲۳۲)

اسی طرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث غالباً حاکم کی مستدرک سے نقل کی ہے کہ ابو سعید نے کہا کہ آں حضرت صلعم نے ذکر کیا کہ اِس اُمت پر ایک بلا پڑے گی یہاں تک کہ کوئی شخص اُسکے ظلم سے بچنے کو کوئی ٹھکانا نہ پاویگا پھر اللہ تعالےٰ ایک شخص میری اولاد اور میری اہل بیت سے کھڑا کرے گا اور اُس کے سبب سے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم وجور سے بھر گئی ہوگی اُس سے آسمان کے رہنے والے اور زمین کے رہنے والے راضی ہوں گے اور آسمان اپنی بوندوں میں سے ذرا بھی نہیں چھوڑے گا جو نہ برسائی ہو اور زمین نباتات میں سے کچھ نہ چھوڑے گی جو نہ اُگائی ہو یہاں تک کہ زندے مردوں کو یاد کریں گے اور اسی حالت میں وہ سات یا آٹھ یا نو برس زندہ رہیگا ؛

۳ - عن ابی سعید قال ذکر رسول اللہ صلعم بلاء یصیب ھذہ الامۃ حتی لا یجد الرجل ملجاء الیہ من الظلم فیبعث اللہ رجلا من عترتي واھل بیتي فیملاء بہ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا یرضي عنہ ساکن السماء وساکن الارض لا تدع السماء من قطرھا شیئا الا صبتہ مدرارا ولا تدع الارض من نباتھا شئیا الا اخرجتہ حتی یتمني الاحیاء الاموات یعیش في ذلک سبع سنین او ثمان سنین او تسع سنین - (مستدرک حاکم) مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۲

کچھ عجب نہیں ہے کہ اسی زمانہ میں اُس شخص کے لیئے جس کی نسبت گھم گھم میں پشین گوئی ہوتی چلی آتی تھی مھدی لقب وضع ہوا کیونکہ مھدی کا لقب انھی حدیثوں کے ساتھ شامل ہے جن میں بنی فاطمہ اور اہل بیت میں سے خلیفہ ہونے کی بشارت ہے اور وہ حدیثیں بھی جن میں مھدی کا لقب بیان ہوا ہے متعدد کتابوں میں ہیں چنانچہ ابوداؤد میں ام سلمہ سے جس کے راویان میں علی بن نفیل بھی ایک راوی ہے یہ حدیث مذکور ہے کہ ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسولخدا صلعم سے سُنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میری آل میں سے اور فاطمہؓ کی اولاد میں سے مھدی ہوگا ؛

۴ - (علی بن نفیل) عن ام سلمۃ قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول المھدي من عترتي من ولد فاطمۃ ؛

(ابوداؤد - صفحہ ۲۳۲)

اور ابوداؤد ہی میں ایک دوسری حدیث ابی سعید خدری سے ہے جس میں عمران القطان بھی ایک راوی ہے اور وہ یہ ہے کہ سعید خدری نے آنحضرت صلعم کا یہ فرمانا بیان کیا کہ مہدی مجھ میں سے ہے چمکتی ہوئی پیشانی اور اونچی ناک والا بھر دیگا زمین کو عدل و انصاف سے جیسیکہ بھر گئی ہوگی جور و ظلم سے اور وہ مالک رہیگا سات برس تک جو حلیہ اس حدیث میں بیان ہوا ہے گویا وہ حلیہ زید شہید کا ہے ⁂

۵ - (عمران القطان) عن سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلعم المھدی منی اجلی الجبھۃ اقنی الانف یملاء الارض قسطا وعدلا کما ملئت جورا وظلماء یملک سبع سنین ⁂

(ابوداؤد - صفحہ ۲۳۲)

اتفاقات زمانہ سے حضرت زید شہید اور اُن کے بیٹے حضرت یحیی اپنے ارادہ میں کامیاب نہوئے اور ہشام کے ہاتھ سے شہید ہوئے - حضرت یحیی نے شہید ہوتے وقت وصیت کی کہ میرے بعد محمد بن عبداللہ کیطرف رجوع کرنا حضرت محمد پر پوتے ہیں حضرت امام حسن علیہ السلام کے انہی کا خطاب نفس زکیہ اور لقب المہدی ہے چنانچہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ فرقہ زیدیہ حضرت زید شہید اور اُن کے بیٹے حضرت یحیی کی امامت کے قائل ہیں پھر وہ خراسان کی طرف گئے اور خورجان میں شہید ہوگئے شہید ہوتے وقت اُنھوں نے محمد بن عبداللہ بن حسن بن الحسن السبط کے حق میں وصیت کی اُن کو نفس زکیہ کہتے ہیں اُنھوں نے حجاز میں خروج کیا اور مہدی اُن کا لقب دیا گیا پھر منصور کا لشکر اُن پر چڑھ آیا اور وہ شہید ہوگئے" ⁂

۱ - قال الزیدیۃ بامامۃ ابنہ یحیی من بعد زید فمضی الی خراسان وقتل بالخورجان بعد ان اوصی الی محمد بن عبداللہ بن حسن بن الحسن السبط ویقال لہ النفس الزکیہ فخرج بالحجاز وتلقب بالمہدی وجائتہ عساکر المنصور فقتل ⁂

(ابن خلدون صفحہ ۱۶۷)

حضرت محمد بن عبداللہ کی خلافت مستحکم کرنے کو اور اس غرض سے کہ لوگ اُن کے معتقد اور اُن کے گرویدہ ہو جاویں اُن کے طرفداروں نے بہت سی وضعی حدیثیں پھیلائیں اُنہیں میں سے وہ حدیث بھی ہے جو ابوداؤد میں لکھی ہے اور جس میں ہارون اور عمرو بن ابی قیس اور ابو اسحٰق بھی

راوی ہیں اور وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت علی نے اپنے بیٹے امام حسن کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ میرا بیٹا سید ہے جیسے کہ پیغمبر خدا نے اُن کا نام رکھا ہے اور قریب ہے کہ اُس کی اولاد میں سے ایک شخص نکلے گا جس کا نام وہی ہوگا جو تمہارے نبی کا نام ہے اور انھیں کا سا خلق ہوگا مگر صورت میں اُن کے مشابہ نہ ہوگا پھر اُن کا بیان کیا کہ وہ بھر دے گا زمین کو عدل سے" محمد ابن عبد اللہ حضرت امام حسن کے پرپوتے تھے اور محمد ہی اُن کا نام تھا پس انکی خلافت پر لوگوں کو راغب کرنے کے لیئے یہ حدیث بنائی گئی ۔

۶ - (ھارون عمرو بن ابي قيس ابو اسحٰق شيعي) قال علي ونظر الى ابنه الحسن قال ان ابني هذا سيد كما سماه النبي صلعم وسيخرج من صلبه رجل يسمى باسم نبيكم صلعم يشبهه في الخلق ولا يشبهه في الخلق ثم ذكر قصة يملاء الارض عدلا (ابو داؤد صفحہ ۲۳۳) ۔

علاوہ اس کے اور بہت سی وضعی حدیثیں ہیں جن میں مہدی کا محمد نام ہونے کی بشارت ہے چنانچہ ابو داؤد میں ایک حدیث ہے جسمیں عاصم بھی ایک راوی ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود نے نبی صلعم کا فرمانا بیان کیا کہ اگر دنیا بجز ایک دن کے کچھ نہ باقی رہی تو بھی اللہ تعالے ضرور اُس دن کو بڑھا دیگا تا کہ اللہ اُس میں ایک شخص کو مجھ میں سے یا یہ کہا کہ میری اہلبیت میں سے کھڑا کریگا جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اور اُس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق اور فطر راوی نے اس قدر اور بڑھایا کہ وہ بھر دیگا زمین کو عدل و انصاف سے جیسے کہ وہ بھر گئی ہوگی ظلم و جور سے اور سفیان کی حدیث میں ہے کہ نہ جاویگی یا نہ گذرے گی دنیا یہاں تک کہ میرے اہلبیت میں سے عرب کا ایک شخص مالک ہوگا جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا" محمد ابن عبد اللہ

۷ - (عاصم) عن عبد الله بن مسعود عن النبي صلعم لو لم يبق من الدنيا الا يوما لطول الله ذلك اليوم حتى يبعث الله فيه رجلا مني او من اهل بيتي يواطي اسمه اسمي واسم ابيه اسم ابي - زاد فطر يملاء الارض قسطا و عدلا كما ملئت ظلما وجورا وفي حديث سفيان لا تذهب او لا تنقضي الدنيا حتے يملك العرب رجل من اهل بيتي يواطي اسمه اسمي (ابو داؤد - صفحہ ۲۳۲)

حجاز میں خروج کیا تھا اور اسی لیئے اس حدیث میں عرب کا نام بھی داخل کیا گیا ۔

ترمذی میں بھی اسی قسم کی مندرجہ ذیل حدیثیں ہیں اور اُن سب میں عاصم بھی ایک راوی ہے اور وہ حدیثیں یہ ہیں عبد اللہ نے کہا

۸ - (عاصم) عن عبد الله قال قال رسول الله صلعم لا يذهب الدنيا حتي يملك العرب رجل من اهل بيتي يواطي اسمه اسمي (ترمذي صفحہ ۳۷۱)	کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ دنیا نہیں جانے کی جب تک کہ میری اہلبیت میں سے ایک شخص عرب کا مالک ہو جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا ۔
۹ - (عاصم) عن عبد الله عن النبي صلعم قال يلي رجل من اهل بيتي يواطي اسمه اسمي (ترمذی صفحہ ۳۷۱)	پھر انہی عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا کہ والی ہوگا ایک شخص میری اہلبیت میں سے جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا ۔
۱۰ - (عاصم) عن ابي هريرة قال لو لم يبق من الدنيا الا يوما لطول الله ذلك اليوم حتي يلي الخ (ترمذي صفحہ ۳۷۱)	اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر دنیا سے بجز ایک دن کے باقی نہ رہے تو ضرور اللہ تعالیٰ اُس دن کو بڑھا دیگا تاکہ والی ہو ایک شخص میری اہلبیت میں سے جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا ۔

ابن ماجہ میں بھی اس قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں - ایک حدیث میں جس کے راویوں میں یاسین العجلی بھی راوی ہے یہ آیا ہے کہ حضرت

۱۱ (یاسین عجلي) عن علي قال قال رسول الله صلعم المهدي منا اهل البيت يصلحه الله في ليلة (ابن ماجه صفحہ ۲۹۹)	علیؑ نے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ المہدی ہم میں سے ہماری اہل بیت میں سے ایک رات میں اللہ تعالیٰ اُس کے سب کام درست کردیگا ۔
۱۲ - (علي بن نفيل) عن سعيد بن مسيب قال كنا عند ام سلمة فتذاكرنا المهدي فقالت سمعت رسول الله صلعم يقول المهدي من ولد فاطمة (ابن ماجه صفحہ ۲۹۹)	ایک اور حدیث میں جس میں علی بن نفیل بھی راوی ہے سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ ہم ام سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہدی کا ذکر کر رہے تھے ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلعم سے سُنا ہے کہ وہ کہتے تھے مہدی اولاد فاطمہ سے ہوگا ۔

۱۳۔ (عکرمۃ بن عمار علی بن زیاد) عن انس ابن مالک قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول نحن ولد عبد المطلب سادۃ اھل الجنۃ انا وحمزۃ وعلی وجعفر والحسن والحسین والمھدی (ابن ماجہ صفحہ ۲۴۹)

ایک اور حدیث میں جس میں علی بن نفیل بھی راوی ہے سعید بن مسیّب کا بیان ہے کہ ہم ام سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہدی کا ذکر کر رہے تھے ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلعم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ہم اولاد عبد المطلب سردار اہل جنت ہیں اور وہ کون ہیں میں ہوں اور حمزہ اور علی اور جعفر اور حسن اور حسین اور المہدی"۔

غور کرو کہ اس حدیث کے بنانے والے نے جو خاص بنی فاطمہ کا طرفدار معلوم ہوتا ہے کس حکمت سے حضرت عباس کا نام اولاد عبد المطلب سے چھوڑ دیا ہے تاکہ بنی عباس کے دعویٰ خلافت کو تقویت نہ پہونچے۔ حالانکہ طرفداران بنی فاطمہ و طرفداران بنی عباس دونوں اکثر شیعی تھے مگر جو جس کا طرفدار تھا اُس کے مفید کام کرتا تھا۔

بنی عباس نے اپنی تدبیروں میں نہایت کامیابی حاصل کی اور آخرکار وہ خلیفہ ہو گئے۔ بنی عباس میں سے ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس نے اپنے تئیں بلقب امام ملقب کیا مگر وہ مروان کی قید میں پڑے اور قتل ہوئے۔ اس واقعہ سے بنی عباس کی تدبیروں میں کچھ نقصان نہیں آیا اس لیے کہ ابو مسلم خراسانی نے جو نہایت دانشمند اور مدبر شخص تھا محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس سے خفیہ بیعت کر لی تھی اور وہ خراسان میں اس لیے گیا ہوا تھا کہ لوگوں کو بنی عباس کے خلیفہ ہونے پر مائل کرے ابو مسلم پاس وہاں خوب جمعیت جمع ہو گئی اور بنی عباس کی طرف لوگوں کے دل مائل ہو گئے۔ ابو مسلم نے "نقیب آل محمد" اپنا لقب اختیار کیا کیونکہ بنی عباس بھی آل محمد کہلاتے تھے اور اپنی طرف سے ستّر نقیب اطراف میں لوگوں کو بنی عباس کی خلافت پر مائل کرنے کے لیے روانہ کیے اور کل دوستداران آل عباس کے لیے سیاہ لباس تجویز کیا اور اُن کے لشکروں کے جھنڈے بھی سیاہ قرار پائے۔

اُس زمانہ میں سب سے بڑا نسخہ لوگوں کو گرویدہ کرنے کا حدیثوں کا پیش کرنا تھا اس لیے بنی عباس کے طرفداروں نے ایسی وضعی حدیثیں بنائیں جن سے خلیفہ یا مہدی ہونے کی پیشین گوئی بنی عباس کے حق میں نکلتی تھی اور مسلمانوں کو اُن کی مدد کرنا اُن حدیثوں کی رو سے ضرور ثابت ہوتا تھا چنانچہ اسی قسم کی وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ میں مندرج ہے اور وہ

۱۴- عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلعم اذا رأیتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فاتوھا فان فیھا خلیفۃ اللہ المھدی رواہ احمد والبیھقی فی دلائل النبوۃ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۳)	یہ ہے کہ "ثوبان نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس وقت تم دیکھو سیاہ جھنڈوں کو خراسان کی طرف سے آتے ہوئے تو اُن کی اطاعت کرو بیشک اُنہی میں خلیفۃ اللہ مہدی ہوگا" اس حدیث کے مضمون سے صاف پایا جاتا ہے کہ ابومسلم نے جو اپنے لشکر کے جھنڈے

سیاہ قرار دیئے تھے اس لیئے ہوا خواہان بنی عباس نے یہ حدیث وضع کر کر لوگوں میں پھیلائی تھی۔ تاکہ لوگ اُن کے مطیع ہوجاویں ؂

اس سے بھی زیادہ وضعی ایک اَور حدیث ہے جو ابوداؤد میں مذکور ہے۔ انہی ہنگاموں اور تدبیروں کے زمانوں میں جو نسبت خلافت کے ہورہی تھیں ایک شخص الحرث قوم ازد میں سے تھا اور وہ بھی خراسان میں بنی اُمیہ کے گروہ میں تھا مگر اُس نے خلیفہ بنی اُمیہ کی اطاعت کو چھوڑ دیا اور ہوا خواہان بنی عباس میں شامل ہوگیا چنانچہ تاریخ ابن خلدون میں لکھا ہے۔ کہ

کان الحرث عظیم الازد بخراسان فخلع سنۃ ستۃ عشر ولبس السواد ودعا الی کتاب اللہ وسنۃ نبیہ والبیعۃ الرضا علی ما کان علیہ دعاۃ بنی عباس ھناک (ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۹۲)	"حرث ایک شخص قوم ازد کا خراسان میں تھا اُس نے ۱۱۶ھ میں خلیفہ بنی اُمیہ کی اطاعت کو چھوڑ دیا اور سیاہ لباس پہن لیا اور لوگوں کو خدا کی کتاب و پیغمبر کی سُنت پر چلنے اور اُس طریقہ کو پسند کرنے پر جس پر کہ بنی عباس کے ہواخواہ بیعت لے رہے تھے مشغول ہوا" اس حرث کے لیئے بھی ایک

حدیث بنائی گئی اور لوگوں میں پھیلائی گئی جو ابوداؤد میں مندرج ہے اور جس میں ہارون و عمرو بن ابی قیس و ہلال ابن عمرو بھی راوی ہیں اور وہ حدیث یہ ہے کہ "حضرت علی نے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ نہر فرات کے

۱۵- (ھارون عمرو بن ابی قیس ھلال ابن عمرو) عن علی قال قال رسول اللہ صلعم یخرج رجل من وراء النھر یقال لہ الحارث	اُس طرف سے ایک شخص خروج کرے گا جسکو حارث حراث کہینگے اُس کی سرداری میں ایک شخص ہوگا جس کو منصور کہینگے بسا دیگا اور جگہ

حارث علی مقدمتہ رجل یقال له منصور یوطن او یمکن لال محمد کما مکنت قریش لرسول الله صلعم وجب علی کل مومن نصره (ابو داؤد صفحہ ۲۳۳)

دیگا آل محمد کو جس طرح کہ جگہ دی قریش نے رسول خدا صلعم کو واجب ہے ہر مسلمان پر اُس کی مدد۔ یہ منصور وُہی ہیں بنی عباس میں سے جو خلیفہ ہوتے۔ پس اِن تمام واقعات کے مطابق کرنے سے کس شخص کو شبہ باقی رہتا ہے کہ یہ سب حدیثیں وقت کی مناسبت سے اور اپنے مقاصد کے حاصل کرنے کے لیئے بنالی گئی تھیں ❖

اسی قسم کی کئی حدیثیں ابن ماجہ میں ہیں اُنہی میں سے وہ حدیث ہے جس میں یزید ابن ابی زیاد بھی راوی ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ

۱۶ (یزید ابن ابی زیاد) عن عبد الله قال بینما نحن عند رسول الله صلعم اذ اقبل فتیه من بنی هاشم فلما راهم النبی صلعم اعز ورقت عیناه وتغیر لونه قال فقلت ما نزل نری فی وجهك شیئا نکرهه فقال انا اهل بیت اختار الله لنا الآخرة علی الدنیا وان اهل بیتی سیلقون بعدی بلاء وتشدیدا وتطریدا حتی یاتی قوم من قبل المشرق معهم رایات سود فیسألون الخیر فلا یعطونه فیقاتلون فینصرون فیعطون ما سالوا فلا یقبلونه حتی یدفعوها الی رجل من اهل بیتی فیملاها قسطاً کما ملؤها جورا من ادرك ذلك منکم فالیاتهم ولو حبوا علی الثلج۔ (ابن ماجہ صفحہ ۲۰۸)

”عبد اللہ نے کہا کہ ایک دفعہ ہم رسول خدا صلعم کے پاس تھے کہ دفعتہً بنی ہاشم کے چند گبرو آگئے جب اُن کو رسول خدا صلعم نے دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ عبد اللہ نے عرض کیا کہ کیا بات ہے جو آپ کے چہرہ مبارک سے ایسی بات پائی جاتی ہے جو ہمکو ناخوش کرتی ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے ہم اہل بیت کے لیئے دنیا پر آخرت کو پسند کیا ہے اور قریب ہے کہ میری اہل بیت میرے بعد بلاؤں اور تشددمیں اور ڈاواں ڈول ہوجانے میں پڑیگی یہاں تک کہ مشرق کی جانب سے ایک قوم آوے گی جس کے ساتھ سیاہ جھنڈے ہونگے پھر وہ ایک نیک بات کا سوال کریگی پھر اُن کو وہ نہیں ملیگا پھر وہ لڑینگے اور فتح پاویں گے اور جو مانگتے تھے وہ ملجاویگا پھر وہ

اُسکو قبول نہ کرینگے یہاں تک کہ اُسکو میری اہل بیت میں سے ایک آدمی کو دیدیں گے اُسوقت کہ ایک شخص میری اہل بیت میں سے کو دیدیا جاویگا پھر وہ بھر دیگا دنیا کو انصاف سے جسطرح کہ وہ بھر گئی ہوگی ظلم سے جو شخص تم میں سے اُسکو پاوے تو اُن کا ساتھ دے گو کہ برف پہ گھسٹ گھسٹ کے ہو" ؛

ابومسلم نے جو لوگوں کو بنی عباس کی خلافت پر مائل کیا تھا مدت تک اُس نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ کس شخص کو وہ خلیفہ ہونا چاہتا ہے جب بہت لوگ جمع ہوگئے اور لشکر بہم پہونچ گیا اور خراسان میں بخوبی ضبط ہوگیا اُس وقت اُس نے عبداللہ ابوالعباس کا نام ظاہر کردیا اور اُسکو خلیفہ مشہور کردیا۔ پس یہ حدیث صرف اس تدبیر کے پورا کرنے کو بطور پیشین گوئی بنائی گئی تاکہ عبداللہ کی خلافت کا اثر اور استحکام لوگوں کے دلوں پر جم جاوے ؛

ابن ماجہ میں ایک اَور حدیث بھی ہے جس میں عبدالرزاق ابی قلابہ بھی راوی ہے اور وہ یہ ہے کہ " ثوبان نے کہا کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ تمھارے خزانہ پر تین شخص مارے جاوینگے وہ سب خلیفہ کے بیٹے ہوں گے پھر اُن میں کسیکو نہ ملیگا پھر مشرق کی جانب سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے اور تمکو ایسا قتل کرینگے کہ کسی قوم نے نہ کیا ہوگا اُس کے بعد اَور کچھ فرمایا۔ جو راوی کو یاد نہیں رہا پھر یہ فرمایا کہ جب تم اُن کو دیکھو تو اُن سے بیعت کرو گو کہ برف پر گھسٹ کر جانے سے ہو کیونکہ وہ ہو گا خلیفۃ اللہ المہدی" ؛

۱۷ (عبدالرزاق ابی قلابہ) عن ثوبان رض قال قال رسول اللہ صلعم تقتتل عن کنزکم ثلاثۃ کلھم ابن خلیفۃ ثم لا یصیر الی واحد منھم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق فیقتلونکم قتلا لم یقتلہ قوم ثم ذکر شیئا لا احفظہ فقال اذا رایتموہ فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج فانہ خلیفۃ اللہ المھدی۔ (ابن ماجہ صفحہ ۲۹۷)

جب کہ بنی اُمیہ کے خاندان کی خلافت ختم ہونے کو ہوئی اور بنی عباس کا ستارۂ اقبال عروج پر ہوا تو ان جھگڑوں میں اس قدر خونریزیاں ہوئی تھیں کہ درحقیقت کسی قوم میں نہوئی تھیں بنی اُمیہ اور اُن کے طرفدار سب قتل ہوئے محمد بن علی کے سامنے ایک حمام میں ستر گروہ بنی اُمیہ کے قتل ہوئے تھے اور پھر اُن کی لاشوں پر بچھونا بچھا کر کھانا کھایا گیا تھا عبداللہ ابوالعباس کا نام سفاح بسبب بے انتہا خونریزی کے پڑ گیا تھا اس خونریزی پر خاک

ڈالنے اور بنی عباس کی خلافت مستحکم کرنے کے لیئے یہ حدیث بنائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ اس خوں ریزی کی پیشین گوئی ہوچکی تھی اور ضرور ہونیوالی تھی ؀

ابن ماجہ میں ایک اور حدیث ہے کہ عبداللہ بن الحارث زبیدی نے کہا کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ مشرق کی جانب سے لوگ خروج کریں گے اور مہدی کے لیئے سلطنت و حکومت قایم کریں گے ؀

۱۸۔ (ابن لهيعة) عن عبدالله ابن الحارث بن زبيدي قال قال رسول الله صلعم يخرج ناس من المشرق فيوطون للمهدي يعني سلطانه (ابن ماجه صفحه ۳۰۰)

بنی عباس کی کوششوں کا آخرکار نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ ابوالعباس سفاح سپڑپوتے حضرت عباس کے مستقل خلیفہ ہوگئے اُن کے مرنے کے بعد ابوجعفر منصور دوانقی اُن کا بھائی سنہ ۱۳۶ ہجری مطابق ۷۵۳ء کے خلیفہ ہوا اسی کے وقت میں محمد بن عبداللہ حضرت امام حسن کے پروتے نے دعوی خلافت کیا تھا جو انجام کار قتل ہوئے۔ اس کے مرنے کے بعد ابوعبداللہ محمد بن منصور ۱۵۸ ہجری مطابق ۷۷۵ء عیسوی کے خلیفہ ہوئے اور اُنھوں نے المہدی اپنا لقب قرار دیدیا تاکہ لوگ جان لیں کہ المہدی جس کی پیشین گوئیاں تھیں وہ آچکا اب کوئی نہیں آنے والا۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ آیندہ کا فساد اور دعوئ مہدیت بند ہو ؀

ان تمام حالات کو پڑھ کر ضرور ہمارے اس آرٹکل کے پڑھنے والوں کے دل میں یہ خیال جاویگا کہ یہ کیوں قرار دیا گیا ہے کہ جب یہ واقعات پیش آئے تو اُس وقت اُن کے مطابق یہ حدیثیں اپنے اپنے اغراض کے لیئے بنالی گئیں برعکس اس کے یہ کیوں نہیں قرار دیا جاتا کہ یہ سب حدیثیں تھیں اور جو پیشین گوئیاں اُن میں تھیں اُنہی کے مطابق یہ سب واقعات پیش آئے ؀

مگر اس کا سبب ذرا سے غور کرنے میں بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔ دیکھو یہ حدیثیں دو گروہ سے متعلق ہیں۔ ایک بنی فاطمہ سے اور ایک بنی عباس سے۔ ایک قسم کی حدیثوں میں المہدی کا ہونا بنی فاطمہ میں بیان ہوا اور اُس کی اطاعت و نصرت پر حکم ہے۔ اور ایک قسم کی حدیثوں میں بنی عباس میں المہدی کا ہونا اور اُسکی مدد و اعانت کرنے کا حکم ہے۔ اگر درحقیقت کوئی المہدی ہوتا تو وہ بنی فاطمہ میں سے ہوتا یا بنی عباس میں سے نہ یہ کہ دو مختلف شاخوں میں سے۔ پس

صاف پایا جاتا ہے کہ کوئی پیشین گوئی المہدی کی نہ تھی بلکہ ہر ایک فریق نے اپنی اپنی تائید کے لیئے حدیثیں بنا لی تھیں ۔

جن حدیث کی کتابوں میں یہ حدیثیں مندرج ہیں اگر وہ کتابیں قبل ان واقعات کے تصنیف ہو چکی ہوتیں اور اُن میں یہ حدیثیں مندرج ہوتیں تو البتہ ایک بات قابل اعتماد کے ہوتی مگر وہ سب کتابیں حدیث کی جن میں یہ حدیثیں ہیں ان واقعات کے بہت دنوں بعد تالیف ہوئی ہیں۔ ان حالات سے جو ہمنے بیان کیئے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب واقعات سنہ ۱۵۸ ہجری سے پہلے ختم ہو چکے تھے اور اُن حدیث کی کتابوں کے مصنف سب اُس زمانہ کے بعد تھے اور وہ کتابیں سب اُس زمانہ کے بعد تالیف ہوئی ہیں جس کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے ۔

نام	سنہ پیدائش	سنہ وفات
محمد اسمٰعیل بُخاری	۱۹۴	۲۵۶
مُسلم	۲۰۴	۲۶۱
ابو عیسےٰ محمد ترمذی	۲۰۹	۲۷۹
ابو داؤد	۲۰۲	۲۷۵
ابو عبدالرحمن احمد نسائی	۲۱۵	۳۰۳
ابو عبداللہ محمد ابن ماجہ	۲۰۹	۲۹۳

اس رائے کی زیادہ تقویت اس بات سے ہوتی ہے کہ امام مالک سنہ ۹۵ ہجری میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۷۹ ہجری میں فوت ہوئے اور یہ تمام واقعات اُن کے سامنے گذرے مگر اُن کی کتاب موطا میں کوئی حدیث المہدی کی پیشین گوئی کی نہیں ہے اور نہ بُخاری و مسلم میں ہے ۔

ایک بڑا دھوکا لوگوں کو یہ پڑتا ہے کہ جب سُنتے ہیں یا دیکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں مندرج ہے تو بلا غور اُس کو مان لینا چاہتے ہیں حالانکہ مصنفین صحاح ستہ نے جہاں تک اُن سے ہو سکا ہے اُنہوں نے روایت کی تنقیح میں بڑی کوشش کی ہے یعنی جتنی المقدور جن راویوں کو معتبر سمجھا اور اُنہوں نے جو حدیث نقل کی اُسکو کتاب میں مندرج کیا مگر اُن حدیثوں کی تنقیح بلحاظ اُن کے واقعات مندرجہ اور اُن کے مضامین کے جو درایت سے تعلق رکھتے ہیں پڑھنے والوں کی تحقیق پر چھوڑا ہے مگر افسوس ہے کہ اس زمانہ کے پڑھنے والے اُسکی تنقیح کی طرف مطلق متوجہ نہیں ہوتے ۔

یہ حدیثیں جو ہمنے بیان کیں اگرچہ اُنہی کتب میں مندرج ہیں جو صحاح میں کہلاتی ہیں لیکن اُن کے راوی بھی معتبر نہیں ہیں اور اس لیئے یہ حدیثیں روایت کی تنقیح کے مطابق بھی جو محدثین کے اصول مسلمہ میں سے ہے قابل رد کرنے کے ہیں پس اَب ہم بموجب اصُول محدثین کے ان حدیثوں کا مردود ہونا بیان کرتے ہیں - ابن خلدون نے ان حدیثوں کے راویوں کی نسبت جو بحث ہے نہایت خوبی سے ایک جگہ جمع کردی ہے اور ہم اُسی کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں ؛

ہمارے آرٹکل کے پڑھنے والے دیکھیں گے کہ ہمنے ہر حدیث کے پہلے بعض راویوں کا نام دو ہلالی خط کے بیچ میں لکھ دیا ہے اُس سے مطلب یہ ہے کہ اُس حدیث کے راویوں میں سے وہ شخص بھی ایک راوی ہے اور وُہی شخص نامعتبر ہے اور اُسی کے راوی ہونے کی وجہ سے وہ حدیث قابل اعتبار اور لایق قبول کے نہیں رہی پس اَب ہم ہر ایک کی نسبت جو جرح ہے وہ لکھ دیتے ہیں ؛

۱ - (قتادہ) وقتادہ مدلس وقد عنعن فیہ والمدلس لا یقبل من حدیثہ الا ما صرح فیہ بالسماع - (ابن خلدون صفحہ ۲۶۳)

ابو داؤد کی روایت میں قتادہ ایک راوی ہے اور وہ مدلس ہے یعنی بیچ کے راویوں کے نام چھوڑ جاتا ہے اور اُس نے اُس حدیث کو عن عن کر کر بیان کیا ہے اور مدلس کی بیان کی ہوئی حدیث بغیر اس کے کہ وہ اُس کا سُننا صاف نہ بیان کرے قبول نہیں ہو سکتی ؛

۲ - (فطر) قال العجلی حسن الحدیث و فیہ تشیع قلیل وقال ابن معین ثقۃ شیعی وقال احمد بن عبد اللہ بن یونس کنا نمر علی فطر وھو مطروح لا نکتب منہ وقال مرۃ کنت امر بہ وادعہ مثل الکلب وقال الدارقطنی لا یحتج بہ وقال ابوبکر بن عیاش ما ترکت الروایۃ عنہ

عجلی نے فطر کے حق میں کہا ہے کہ اُس کی حدیثیں اچھی ہیں اور اُس میں کچھ شیعہ پن ہے اور ابن معین نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے شیعہ ہے اور احمد بن عبد اللہ بن یونس نے کہا ہے کہ ہم فطر کے سامنے کو چلے جاتے تھے اور اُسکو چھوڑ دیتے تھے اُس سے کچھ نہیں لکھتے تھے یعنی ہم اُسکو لایق اخذ روایت کے نہیں جانتے تھے اور مرہ نے کہا ہے کہ میں اُسکو مثل

الا اسرع مذهبه وقال الجرجانی نہ الخ غیر ثقة (صفحہ ۲۶۲)

کہتے کہ چھوڑکر چلا جاتا ہوں اُس سے روایت نہیں کرتا ہوں اور دارقطنی نے یہ کہا ہے کہ اسکی روایت سے استدلال نہ کرنا چاہیئے اور ابوبکر بن عیاش نے کہا ہے کہ میں نے فطر کی روایت تو اُس کی خرابی مذہب کے سبب سے چھوڑ دی ہے اور جوجانی نے کہا ہے کہ وہ کج رائے ہے قابل اعتبار کے نہیں ہے ٭

۳۔ (حاکم) قال البلقینی قد جمع الحافظ الذهبی زهاء مائة حدیث موضوع من احادیث المستدرک وشنع علیه غایة التشنیع فی بعض المواضع وقال الحافظ ابن حجر انما وقع للحاکم التساهل لانه سود الکتاب لینقحه فاعجلة المنیة او بغیر ذالک فتری الحرم (صفحہ ۱۱)

حاکم کے حق میں بلقینی نے کہا ہے کہ ذہبی نے بقدر سو حدیث موضوع کے جمع کی ہیں جو حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہیں اور اُسپر بہت تشنیع کی ہے اور بُرا کہا ہے اکثر جگہ اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ حاکم سے مستدرک میں تساہل اس لیئے ہوا کہ اُس نے یہ کتاب لکھی تھی کہ پھر اُسی میں سے احادیث صحیحہ کا انتخاب کرے گا مگر اس سے پہلے مرگیا ٭

(۱۴) بیہقی اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے مستدرک اور کتب بیہقی کو طبقہ سوم کہ جس میں احادیث صحیح اور حسن اور ضعیف اور متہم بالوضع بھی ہیں شمار کیا ہے۔ **قولہ**۔ طبقہ ثالثہ احادیثے کہ جماعہ از علماء متقدمین بزمان بخاری و مسلم یا معاصرین آنہا یا لاحقین بآنہا در تصانیف خود روایت کردہ اند بالتزام صحت نہ نمودہ وکتب آنہا در شہرت وقبول در مرتبہ طبقہ اولے و ثانیہ نہ رسیدہ ہرچند مصنفین آن کتب موصوف بودند بہ تبحر در علوم حدیث و وثوق و عدالت وضبط واحادیث صحیح وحسن وضعیف بلکہ متہم بالوضع نیز دراں کتب یافتہ می شود ورجال آں کتب بعضے موصوف بعدالت وبعضے مستور وبعضے مجہول واکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہا نشدہ اند بلکہ اجماع برخلاف آنہا منعقد گشتہ ودریں کتب ہم تفاصیل وتفاوت ہست بعضہا اقوی من البعض۔ اسامی آں کتب این است مسند شافعی سنن ابن ماجہ مسند دارمی مسند ابی یعلی موصلی مصنف عبد الرزاق مصنف ابی بکر شیبہ مسند عبد بن حمید مسند ابی داؤد طیالسی سنن دارقطنی صحیح ابن حبان مستدرک حاکم کتب بیہقی کتب طحاوی تصانیف طبرانی ٭

(۴ و ۱۲) علی بن نفیل قد ضعفہ ابو جعفر العقیلی وقال لا یتابع علی بن نفیل علیہ ولا یعرف الا بہ (صفحہ ۲۶۲)	علی بن نفیل کو عقیلی نے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے اس میں اُس کا اَور کوئی تابع نہیں ہے اور وہ اسی روایت سے معلوم ہوا ہے اور کوئی روایت اُسکی کہیں نہیں مروی ہوئی ٭
(۵ نمبر) عمران القطان اختلف فی الاحتجاج بہ انما اخرج لہ البخاری استشہادا ولا وکان یحیی القطان لا یحدث عنہ وقال یحیی بن معین لیس بالقوی وقال مرۃ لیس بشئ وقال احمد بن حنبل ارجوان یکون صالح الحدیث وقال یزید بن الزریع کان حروریا وکان یری السیف علی اھل القبلۃ وقال النسائی ضعیف (صفحہ ۲۶۳)	عمران قطان میں اختلاف ہے کہ اُس کی روایت حجت ہو سکتی ہے یا نہیں بخاری نے اس کی روایت تو دوسری روایت کی تائید اور تقویت کے لیئے ذکر کی ہے اس کی اصل روایت نہیں بیان کی ہے اور یحیی قطان تو اس کی حدیث نہیں لیتے تھے اور یحیی بن معین نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے اور مرہ نے کہا ہے کہ وہ کچھ نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ شاید اُس کی حدیثیں اچھی ہوں اور

یزید بن الزریع نے کہا ہے کہ اُس کا عقیدہ خوارج کا سا تھا اور اہل قبلہ پر تلوار پکڑنا اور اُن سے لڑنے کا قائل تھا اور نسائی نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے ٭

(۶) ھارون عمرو بن ابی قیس ابو اسحاق شیعی ھارون سکت ابو داود علیہ وقال فی موضع فی ھارون ھو من ولد الشیعۃ وقال السلیمانی فیہ نظر (صفحہ ۲۶۲)	ہارون اور عمرو بن ابی قیس اور ابو اسحاق شیعی کا یہ حال ہے کہ ہارون کے حال سے ایک جگہ تو ابو داود نے سکوت کیا اور دوسری جگہ کہا ہے کہ وہ شیعوں میں سے ہے اور سلیمانی نے کہا کہ اُس میں نظر ہے ٭
عمرو بن ابی قیس قال ابو داود فی عمرو بن قیس لا باس بہ فی حدیثہ خطاء وقال الذھبی صدوق لہ اوھام (صفحہ ۲۶۲)	عمرو بن ابی قیس کے حق میں داود نے یہ کہا ہے کہ اُس کا ڈر نہیں ہے اُس کی حدیث میں خطا ہوتی ہے - ذہبی نے کہا ہے کہ وہ سچا ہے مگر اُس کو کچھ اوھام اور شبہات

ہو گئے ہیں ؛

عربی	اردو
ابو اسحاق الشیعی وان خرج عنه الشیخان في الصحیحین فقد ثبت انه اختلط آخر عمره وروایته عن علي مقطوعة (صفحه ۲۶۲)	ابو اسحاق شیعی کی روایت اگرچہ بخاری اور مسلم میں مذکور ہیں مگر یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ آخر میں بھک گئے تھے اور حضرت علی رض سے اُن کی روایت متصل نہیں ہے ؛
(۷ و ۸ و ۹ و ۱۰) عاصم قال العجلي كان يختلف عليه في زر وابي وائل يشير بذلك الى ضعف روايتهما عنه وقال محمد بن سعد كان ثقة الا انه كثير الخطاء ؛	عجلی نے کہا ہے کہ عاصم نے جو روایتیں زر اور ابی وائل سے کی ہیں اُن میں اختلاف ہے اس سے اشارہ ہے کہ ان دونوں سے اس کی روایتیں ضعیف ہیں اور محمد بن سعد نے کہا ہے کہ وہ اچھا ہے مگر اُس کی حدیث میں اکثر خطا ہوتی ہے ؛
في حديثه وقال يعقوب بن سفيان في حديثه اضطراب وقال عبد الرحمن بن ابي حاتم قلت لابي ان ابا زرعة يقول عاصم ثقة قال ليس محله هذا وقد تكلم فيه ابن علية فقال كل من اسمه عاصم سيّئ الحفظ وقال ابو حاتم محله عندي محل الصدق صالح الحديث ولم يكن بذلك الحافظ واختلف فيه قول النسائي وقال ابن حراش في حديثه نكرة وقال ابو جعفر العقيلي لم يكن فيه الا سوء الحفظ وقال الدارقطني في حفظه شئ وقال يحيي القطان ما وجدت رجلا اسمه عاصم الا وجدته رديّ الحفظ وقال ايضا سمعت شعبة يقول حدثنا عاصم بن ابي النجود و	اور یعقوب ابن سفیان نے کہا ہے کہ اس کی حدیث میں اضطراب ہے اور عبدالرحمن بن ابی حاتم نے کہا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابو زرعہ یہ کہتا ہے کہ عاصم ثقہ ہے کہا اُس کا یہ درجہ نہیں ہے اور ابن علیۃ نے اُس میں کلام کیا ہے اور کہا ہے جتنوں کا نام عاصم ہے اُن کا حافظہ اچھا نہیں ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اُس کا درجہ یہ ہے کہ وہ سچا ہے اور لایق حدیث کے ہے مگر کچھ بہت یاد رکھنے والے نہیں ہیں اور نسائی کے قول اُس کے حق میں مختلف ہیں اور ابن حراش نے کہا ہے کہ اُسکی حدیث میں امر قابل انکار بھی ہوتا ہے اور

فی الناس ما فیہا وقال الذہبی ثبت فی القراۃ وہو فی الحدیث دون الثبت صدوق فہم وہو حسن الحدیث وان احتج احد بان الشیخین خرجا لہ فنقول اخرجا مقرونا بغیرہ لا اصلا لہ (صفحہ ۲۶۱)

ابو جعفر عقیلی نے کہا ہے اُس میں سوا اُسکے نقص حافظہ کے اَور کچھ عیب نہ تھا اور دارقطنی نے کہا ہے کہ اُسکی یاد میں کچھ نقص تھے اور یحیٰی قطان نے کہا ہے کہ میں نے کسی عاصم کی یاد اچھی نہیں پائی اور کہا ہے کہ مَیں نے سُنا ہے شعبہ سے کہ کہتے تھے مجھ سے حدیث کہی عاصم بن ابی النجود نے اور آدمیوں میں شہور ہے جو اُس کا حال ہے اور ذہبی نے کہا ہے کہ قراءت میں تو وہ بہت اچھا ہے اور حدیث میں اس سے کم ہے سچا ہے اور اچھی حدیث والا ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بخاری اور مسلم نے تو اُس سے روایت کی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اُس سے دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی اُنھوں نے روایت کی ہے اور اصل اُسی کی روایت نہیں کی ۔

(۱۱) یاسین عجلی قال البخاری فیہ نظر وہذہ اللفظۃ من اصطلاحہ قویۃ بالتضعیف جدا و اورد لہ ابن عدی فی کامل وذہبی فی المیزان ہذا الحدیث علی وجہ الاستنکار لہ وقال ہو معروف بہ (صفحہ ۲۶۶)

یاسین عجلی کے حق میں بخاری نے کہا ہے کہ اُس میں نظر ہے اور بخاری کی اصطلاح میں یہ لفظ بہت زیادہ ضعیف کہنا ہے اور ابن عدی نے کامل میں اور ذہبی نے میزان میں یہی حدیث اُس پر انکار کے لیے ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ وہ تو مشہور ہے اس حدیث کے معاملہ میں ۔

(۱۲) عکرمۃ بن عمار علی بن زیاد ۔ عکرمہ بن عمار قد ضعفہ بعض و ثقہ آخرون وقال ابو الرازی ہو مدلس فلا یقبل منہ الا ان یصرح بالسماع (صفحہ ۲۶۷)

عکرمہ بن عمار اور علی بن زیاد عکرمہ بن عمار کو تو بعض نے ضعیف کہا ہے اور بعض نے اچھا کہا ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ مدلس ہے یعنی راوی چھوڑ دیتا ہے اسکی وہ حدیث ماننی چاہیے جس کو بتصریح یہ کہے کہ میں نے سُنا ہے ۔

علی بن زیاد ۔ قال الذہبی فی المیزان

علی بن زیاد کے حق میں ذہبی نے کہا ہے کہ

لاندری من هو وقد تکلم فیه الثوری ؛	ہم نہیں جانتے وہ کون ہے اور ثوری نے بھی اس میں کلام کیا ہے ؛
قالو اراہ یفتی فی مسائل ویخطی فیہا و قال ابن حبان کان ممن فحش عطاءفلا تحتج بہ۔ (صفحہ ۲۶۷)	کہا ہے کہ ثوری نے اُسکو دیکھا کہ بہت مسئلوں میں حکم دیتا تھا اور اُن میں خطا کرتا تھا اور ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ بہت زیادہ صرف کرتا تھا اور دیتا تھا تو اُس کی حدیث سے حجت نہیں لا سکتے ؛
(۱۵) ہلال بن عمرو مجہول (صفحہ ۲۶۲)	ہلال بن عمرو مجہول ہے اُس کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا کہ کیسا ہے ؛
(۱۶) یزید بن ابی زیاد۔ قال فیہ شعبة کان رفاعا یرفع الاحادیث التی لا تعرف مرفوعة وقال محمد ابن الفضل کان من کبار ائمة الشیعة وقال احمد بن حنبل لم یکن بالحافظ وقال مرة حدیثہ لیس بذلک و قال یحیی بن معین ضعیف قال ابو زرعہ لان یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ وقال ابو حاتم لیس بالقوی وقال الجرجانی سمعتہم یضعفون حدیثہ وقال ابن عدی ہو من شیعة اہل الکوفہ ومع ضعفہ یکتب حدیثہ رواہ مسلم لکن مقرونا بغیرہ وبالجملة فالاکثرون علی ضعفہ وقد صرح الائمہ بضعف ہذا الحدیث قال ابو قدامہ سمعت ابا سلمة یقول فی حدیث یزید عن ابرہیم لو حلف عندی خمسین یمینا قسامة ما صدقتہ (صفحہ ۲۶۵)	شعبہ نے یزید بن ابی زیاد کے حق میں کہا ہے کہ وہ تو یونہیں اُن حدیثوں کو حضرت رسول اللہ صلعم تک مرفوع کر دیتا تھا جس کا رفع ثابت نہیں ہوا اور محمد بن الفضل نے کہا ہے وہ تو شیعوں کا بڑا پیشوا تھا اور احمد بن حنبل نے بھی کہا ہے کہ وہ یاد رکھنے والا نہ تھا اور مرہ نے کہا ہے کہ اُس کی حدیث ایسے درجہ کی نہیں ہے اور یحیی بن معین نے اُسکو ضعیف کہا ہے اور ابو زرعہ نے یہ کہا ہے کہ وہ اس لایق ہے کہ اُس کی حدیث لکھی جاوے اور اُس کی حدیث سے حجت نہ لانی چاہیئے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے اور جرجانی نے کہا ہے کہ میں نے سُنا ہے علماء کو کہ اُس کی حدیث کی تضعیف کرتے تھے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ تو کوفہ کے شیعوں میں سے ہے اور باوجود ضعف کے

اُس کی حدیث لکھ لیجاوے مسلم نے اُس سے روایت کی ہے لیکن دوسرے سے ملی ہوئی اُور اکثر اُسکو ضعیف کہتے ہیں اور سب آئمہ نے بتصریح اس حدیث کو ضعیف کہا ہے ابو قدامہ نے کہا ہے کہ میں نے ابوسلمہ سے سُنا ہے کہ وہ یزید کی حدیث کو جو اُس نے ابراہیم سے روایت کی ہے یہ کہتے تھے کہ اگر وہ میرے سامنے پچاس مرتبہ اپنے علم پر قسم کھا کر بھی کہے تو میں اُسکو سچا نہ مانوں ٭

(۱۷) عبدالرزاق وابي قلابہ - عبدالرزاق بن همام كان مشهورا بالتشيع وعمي في اخر وقته وقال ابن عدى حديث باحاديث في الفضائل لم يوافقه عليها احد ونسبوه الى التشيع (صفحہ ۲۶۷)

عبدالرزاق بن ہمام تو شیعہ ہونے میں مشہور تھا اور آخر عمر میں اندھا بھی ہوگیا تھا اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اُس نے فضائل میں ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جو کسی نے نہیں کی اور اُسکو تو سب نے تشیع کی طرف نسبت کیا ہے ٭

ابو قلابہ ذكره الذهبي وغيره انه مدلس وفيه السفيان وهو مشهور بالتدليس وعنعنا ولم يصرحا بالسماع فلا تقبل (۲۶۷)

ابو قلابہ کے حق میں ذہبی اور اَوروں نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ مدلس ہے اور اس حدیث کے راویوں میں سفیان سے بھی جو تدلیس میں مشہور ہے اور ان دونوں نے یہ حدیث عن عن کرکے روایت کی ہے اور صاف اپنا سماع نہیں بیان کیا تو نہیں قبول کی جاسکتی ٭

(۱۸) ابن لهيعه - قال الطبراني تفرد به ابن لهيعه وقد تقدم لنا في حديث على الذي خرجه الطبراني في معجمة الاوسط ان ابن لهيعه ضعيف (صفحہ ۲۶۸) ٭

ابن لہیعہ کی حدیث کو طبرانی نے یہ کہا ہے کہ یہ صرف اُسی سے مروی ہے اور ہم پہلے حضرت علی کی حدیث میں جو طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کی ہے کہہ چکے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ٭

وعبدالله بن لهيعة ضعيف معروف الحال وفيه عمرو بن جابر الحضرمي وهو اضعف منه وقال احمد بن حنبل روي عن جابر مناكير

عبداللہ ابن لہیعہ کے ضعیف ہونے کا حال تو مشہور ہے اور اس حدیث میں عمرو بن جابر بھی اس کے ساتھ شریک ہے اور وہ

وبلغني انه كان يكذب وقال النسائي ليس بثقة قال كان ابن لهيعة شيخا احمق ضعيف العقل وكان يقول علي في السحاب وكان يجلس معنا فيبصر سحابة فيقول هذا علي قدمر في السحاب (صفحه ۲۶۶)	اُس سے بھی زیادہ ضعیف ہے اور احمد بن حنبل نے کہا ہے وہ تو بہت منکر حدیثیں جابر سے نقل کرتا ہے اور مجھ کو یہ دریافت ہوا ہے کہ وہ جھوٹ کہتا ہے اور کہا ہے نسائی نے کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ ابن لہیعہ ایک بوڑھا احمق آدمی تھا اور یہ

کہا کرتا تھا کہ علی مرتضی ابر میں ہیں اور ہمارے پاس بیٹھا تھا جب ابر کو دیکھتا تو یہ کہتا کہ یہ علی تھے جو ابر میں گئے ۔

جس وقت حدیث کے راویوں کی نسبت بحث ہوتی ہے اُس وقت یہ مشکل پیش آتی ہے کہ کسی راوی کو ایک شخص نامعتبر قرار دیتا ہے اور دوسرا اُسکو معتبر سمجھتا ہے مگر اصول حدیث میں سے یہ قاعدہ مسلم ٹھہرا ہے کہ جرح تعدیل پر مرجح ہوتی ہے ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جس شخص نے کسی کو معتبر سمجھا ہے اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس نے اُس میں کچھ نقص نہیں پایا پس گویا اس کی شہادت ایک نفی کی شہادت ہے اور جس نے اُسکو نامعتبر قرار دیا ہے اُس نے اُس میں نقص پایا ہے اور اس لیئے اُس کی شہادت ایک مثبت ہے جو منفی پر مقدم ہے پس جو لوگ اُن راویوں کو معتبر قرار دیتے ہیں اُس سے جو جرح کہ اُن پر کی گئی ہے وہ زایل نہیں ہو سکتی اور اس لیئے اُن کی بیان کی ہوئی روایت معتبر نہیں ہو سکتی ۔

اِن راویوں میں سے بعض کی نسبت شیعہ ہونے کی وجہ سے جرح کی گئی ہو گو ہمارے نزدیک صرف شیعہ ہونا وجہ کافی جرح کی نہ ہو لیکن ایسے موقع میں جس میں یہ حدیثیں مذکور ہوئی ہیں کوئی حدیث جو کسی فریق کے طرفدار نے اُس فریق کے حق میں شہرت دی ہو قابل اعتماد نہیں ہو سکتی اور اسی وجہ سے ہماری دانست میں وہ حدیثیں جو شیعوں نے بنی فاطمہ و بنی عباس کی نسبت مشہور کی تھیں اعتماد کے لائق نہیں ہیں ۔

معلوم ہوتا ہے کہ خود اُس زمانہ میں بھی جب کہ سب واقعات ہو رہے تھے اور یہ حدیثیں پھیل رہی تھیں ایسے بھی لوگ تھے جو مہدی کے منکر تھے کیونکہ اُس وقت ایک حدیث بنائی گئی کہ جو شخص مہدی کا انکار کرے وہ کافر ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر اُس وقت میں منکرین مہدی موجود نہ ہوتے تو اُس حدیث کے بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور وہ حدیث

عن جابر قال قال رسول الله صلعم من كذب بالمهدي فقد كفر ومن كذب بالدجال فقد كذب ؏
(فوايد الاخبار لابي بكر العسكاف)

یہ ہے - فوايد الاخبار مصنفہ ابی بکر العسکاف میں جابر سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی جھٹلاوے مهدی کے ہونے کو وہ کافر ہوگیا اور جو جھٹلاوے دجال کے ہونے کو وہ جھوٹا ہوگیا ؏

مگر یہ حدیث بھی محض جھوٹی اور وضعی ہے ابن خلدون نے اس کی نسبت لکھا ہے کہ یہی

وحسبك هذا غلوا والله اعلم بصحة طريقه الى مالك ابن انس على ان ابى بكر العسكاف عندهم متهم وضاع (صفحه ۲۶۱)

بات کافی ہے کہ یہ نہایت غلو ہے اور خدا ہی اس حدیث کی صحت کے طریقہ کو مالک ابن انس تک جانتا ہوگا - علاوہ اس کے یہ بات ہے کہ ابوبکر العسکاف اہل حدیث کے نزدیک متہم ہے اور بہت بڑا جھوٹی حدیثیں بنانے والا ہے ؏

یہ تمام جھگڑے تو بنی فاطمہ اور بنی عباس کے تھے جو اپنے تئیں مستحق خلافت سمجھتے تھے مگر اس میں بعض اُستاد اُور کود پڑے اور اُنہوں نے ایک لفظ حدیث میں بدل کر اُمتی کا

١٩ - (زيد العمي) عن ابي سعيد الخدري قال سئلنا عن النبي صلعم فقال ان في امتى المهدي يخرج يعيش خمسا او سبعا او تسعا فيجئى اليه الرجل فيقول يا مهدي اعطني اعطني قال فيحسي له في ثوبه ما استطاع ان يحمله ؏
(ترمذي صفحه ۳۷۱)
(ومثل هذا في ابن ماجه صفحه ۷۳۹)

لفظ داخل کردیا تاکہ مهدی کا پیدا ہونا صرف بنی فاطمہ یا بنی عباس پر موقوف نہ رہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ "ابوسعید خدری نے کہا کہ ہمنے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا حضرت نے فرمایا کہ میری اُمت میں مهدی ہوگا وہ خروج کرے گا اور پانچ برس یا سات برس یا نو برس جیتا رہیگا پھر اُس کے پاس ایک شخص آویگا اور کہے گا اے مهدی مجھے دو مجھے دو حضرت نے فرمایا کہ پھر مهدی اُسکو دونوں لپیں بھر کر اسکے کپڑے میں ڈالیگا جس قدر وہ اُٹھا سکے" ؏

یہ حدیث تو ترمذی کی ہے اور اسی طرح کی ایک حدیث ابن ماجہ میں ہے اور اُسمیں بھی اُمتی کا لفظ ہے مگر ان دونوں حدیثوں میں زید العمی ایک راوی ہے جو نامعتبر ہے اور اسی سبب سے یہ حدیث مردود ہے - ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ابو حاتم نے اسکے حق میں کہا ہے کہ اُس کی حدیث ضعیف ہی لکھ لیجاوے اور سند نہ پکڑی جاوے اور یحیٰی بن معین نے ایک دوسری روایت میں کہا ہے کہ وہ کچھ چیز نہیں ہے اور مرہ نے کہا ہے کہ اُنکی حدیث اور وہ تو ضعیف ہے اور ابو زرعہ نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے واھی حدیثیں کہتا ہے اور ابو حاتم نے بھی یہی کہا ہے وہ تو ایسا نہیں ہے اور شعبہ نے اُس سے حدیث روایت کی ہے اور نسائی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے ٭

زید العمي - قال فیه ابو حاتم ضعیف یکتب حدیثه ولا یحتج به وقال یحیي بن معین في روایة اخرى لاشي وقال مرة یکتب حدیثه وهو ضعیف وقال ابو زرعة لیس بقوي واهي الحدیث وقال ابو حاتم لیس بذلك وقد حدث عنه شعبة وقال النسائي ضعیف (صفحه ۲۶۳ و ۲۶۴)

اس حدیث کی بدولت دنیا میں بڑے بڑے کام ہوئے بہت سے لوگوں نے بلالحاظ اس بات کے کہ وہ بنی فاطمہ ہیں یا بنی عباس صرف اُمتی ہونے کی دلیل سے مہدیت کا دعویٰ کیا اور کبھی زیادہ اور کبھی کم لوگ اُن کے معتقد ہوگئے یہاں تک کہ ایک فرقہ مہدیہ قایم ہوگیا جن کا اعتقاد یہ ہے کہ مہدی موعود آیا اور گذر گیا شیخ مبارک ابو الفضل کا باپ بھی مہدویہ فرقہ میں سے تھا ٭

مگر جبکہ عام لوگوں نے دیکھا کہ جن لوگوں نے مہدیت کا دعویٰ کیا اُن کے آنے سے دُنیا میں وہ تبدیلیاں واقع نہیں ہوئیں جن کے ہونے کی وہ توقع کرتے تھے اُنہوں نے مہدی موعود کا آنا دنیا کے خاتمہ ہونے کے قریب قرار دیا اور دجال کے پیدا ہونے اور حضرت مسیح کے آسمان پر سے اُترنے کے زمانہ سے مہدی موعود کے ہونے کا زمانہ ملا دیا اور اسی پر اب عام مُسلمانوں کا اعتقاد ہے مگر ہمارے اس آرٹکل سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ مہدی کے آنے کی کوئی پیشین گوئی مذہب اسلام میں ہے ہی نہیں بلکہ وہ سب ایسی ہی جھوٹی روایتیں ہیں جیسیکہ دجال اور مسیح کے آنے کی ٭

شیعوں نے اس سے بڑھکر کام کیا وہ یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ مہدی پیدا ہوئے جبکہ وہ

دو ڈھائی برس کے ہوئے تو فرشتے اُن کو اٹھا لے گئے اور ایک غار میں چھپا رکھا ہے گو سینکڑوں برس گذر گئے مگر وہ اس غار میں زندہ موجود ہیں اور چھپے ہوئے بیٹھے ہیں جب دنیا اخیر ہونے کو ہوگی تو وہ نکلینگے اور دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دیں گے اور اخیر زمانہ کے امام اور مہدی ہونگے +

امام کے معنی پیشوا کے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اوّل اوّل یہ لقب ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس نے اختیار کیا تھا کیونکہ اُس وقت اُن کو ملک پر کچھ حکومت نہ تھی اور اسلیئے خلیفہ یا امیر کا لقب اختیار نہیں کر سکتے تھے پس بامید آیندہ امام کا لقب اختیار کیا تھا جب ہی سے پیشوایان دین کو یہ لقب ملنے لگا۔

چنانچہ دوازدہ امام کا (جن میں سے بارھویں شیعوں کے مذہب کے مطابق امام مہدی ہیں جو غائب ہو گئے ہیں) اسی وجہ سے امام لقب ہوا ہے +



حصّہ سوم

مضامین متفرق

ذکر ٹرکی یعنی روم کی مجلسوں کا

مسٹر ولیم ہوورڈ رسل صاحب کے روزنامچہ میں سے کچھ تھوڑا سا حال پرنس آف ویلز یعنی ولیعہد سلطنت انگلستان اور پرنسس آف ویلز یعنی ولیعہد بیگم سلطنت انگلستان کے روم میں جانے اور سلطان روم سے ملاقاتیں ہونے کا لکھتے ہیں ۔

یہ دونوں شاہی خاندان انگلستان کے نگین تاج ۱۸۶۸ء میں دارالسلطنت قسطنطنیہ میں گئے تھے اور کئی روز تک سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کے ہاں مہمان رہے انہی مہمانیوں کے جلسوں میں سے دو جلسوں کا حال لکھتے ہیں ۔

ایک رات سلطان نے پرنس اور پرنسس آف ویلز اور اُن کے ساتھ کے اُمراء کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کی دعوت کی ڈالما بخشی محل جو بڑا عمدہ اور نہایت نامی محل ہے جلسہ دعوت کے لیئے

تجویز ہوا۔ قریب سات بجے کے پرنس اور پرنسس آف ویلز اُس محل میں تشریف لائے علی پاشا وزیر عظم سلطان روم نے استقبال کیا اور ملاقات کے بڑے کمرے میں لیگیا جہاں اَور وزرائے سلطنت روم بھی حاضر تھے چند لمحہ گذرے تھے کہ سلطان عبدالعزیز خان سلطان روم بھی وہاں تشریف لائے اور پرنسس آف ویلز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں ڈال کر کھانا کھانے کے کمرے میں سے گئے اَور اُن کے پیچھے اَور تمام مہمان درجہ بدرجہ اُس کمرہ میں آئے۔ میز جس پر کھانا تناول فرمایا مستطیل تھی اور ایک سرا اُس کا گول تھا اُس گول سرے کی طرف بیچمیں سلطان اور ایک طرف پرنس آف ویلز اور ایک طرف پرنسس آف ویلز رونق افروز ہوئے ❊

پرنسس آف ویلز کے بعد علی پاشا وزیر عظم سلطنت روم اور اُن کے بعد مسس الیٹ اور اُن کے بعد جنرل اگناٹیف اور مسٹر الیٹ اور اُن کے بعد دیگر وزرائے سلطنت روم کرسیوں پر میز کے پاس بیٹھے اور پرنس آف ویلز کے بعد میڈم اگناٹیف اور اُن کے بعد مسٹر بوری اور اُن کے بعد مسس گرے اور اُن کے بعد اَور وزراء اور اُمرائے سلطنت روم میز کے پاس کرسیوں پر بیٹھے ❊

سلطان کے سامنے سوائے وزیر اعظم کے اَور کوئی وزیر بیٹھتا نہیں تھا یہ پہلا جلسہ ہے جسمیں سلطان نے اپنے اَور وزیروں کو بھی اپنے ساتھ بٹھلایا ❊

میز پر مسلمان اور عیسائی سب چوبیس آدمی تھے اور میز عمدہ برتنوں اور نفیس گلدستوں سے خوب سجی ہوئی تھی اور ڈالما بخشی محل کا کھانا کھانے کا کمرہ اپنی عمدگی اور آراستگی میں اور نہایت عمدہ بلوری جھاڑ و فانوس میں مشہور ہے ❊

سلطانی کھانے کا طرز نہایت عجیب تھا اور فرنچ اور ترکش یعنی رومی دونوں قسم کے کھانے تھے کھانا کھانے میں سلطان نے پہلے پرنسس آف ویلز سے باتیں کیں اور علی پاشا (جو انگریزی خوب جانتا ہے) اُن دونوں میں مترجم ہوا ❊

اُس کے بعد سلطان نے پرنس آف ویلز سے باتیں کیں اور عرفی بھی جو سلطان کی کرسی کے پیچھے کھڑا تھا اُن میں مترجم ہوا وہ اسی واسطے سلطان کی کرسی کے پاس کھڑا تھا کہ جب سلطان اور پرنس آف ویلز آپس میں باتیں کریں تو وہ ترجمان ہوں ❊

سلطان کا ایک خاص باجا نہایت نفیس پاس کے کمرے میں بج رہا تھا سب نے نہایت خوشی و خوبی سے کھانا کھایا اور جب میز پر سے اُٹھے تو سلطان پرنسس آف ویلز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں ڈالکر زنانہ خانہ میں لیگیا اور اَور لیڈیاں بھی اندر گئیں والدہ سلطانہ یعنی سلطان بیگم نے

اُٹھکر استقبال کیا اور پرنسس آف ویلز سے باتیں کرنے لگیں اور میڈم مہمان اُن میں ترجمان ہوئیں اور پرنس آف ویلز اور اَور امرا و رؤسا حرم ٹپ مینے کے کمرے میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد سلطان بھی زنانہ خانہ سے باہر آئے اور ملاقاتی چھوٹے کمرہ میں پرنس آف ویلز کے ساتھ بیٹھکر باتیں کرنے لگے۔ جب پرنسس آف ویلز اور اَور لیڈیاں بیگمات سے ملاقات اور بات چیت کر کر فارغ ہوئیں اور باہر تشریف لائیں اُس وقت سب مہمان سلطان سے رخصت ہوئے اور جلسہ ختم ہوا ❊

دُوسرا جلسہ برٹش امباسڈر کے ہاں یعنی سفیر سلطنت انگلستان کے ہاں ہوا جو روم میں رہتا ہے سفیر سلطنت انگلستان نے پرنس اور پرنسس آف ویلز کے لیئے برٹش امباسٹی ہیں یعنی اُس مکان میں جہاں سفیر انگلستان رہتے ہیں بہت عالیشان شاہانہ بال دینا چاہا اور بنظر اظہار اپنے نہایت خوشی اور خاطر اور تواضع ایسے عالیشان عزیز مہمانوں کے سلطان نے برٹش امباسڈر کے ہاں اُس بال میں تشریف لانا منظور کیا تمام بادشاہتوں کے امباسڈر اور وزراء اُس بال میں حاضر تھے اور چھ سو چٹھیاں بلاوے کی اُمرا و رؤساء اور افسران فوجی اور ملکی کو تقسیم ہوئی تھیں تمام لوگ وقت پر آحاضر ہوئے۔ ہر ایک شخص نہایت عمدہ اور نفیس پوشاک پہنے ہوئے تھا نو بجے کے بعد پرنس اور پرنسس آف ویلز وہاں رونق افروز ہوئے۔ برٹش امباسڈر اور مسِس الیٹ نے استقبال کیا۔ امباسٹی کے پھاٹک میں سمندری فوجی لوگ کھڑے تھے اُنھوں نے سُرخ اور نیلے رنگ کی مہتابیاں روشن کرنے سے خوشی و تعظیم دونوں کا اظہار کیا وہ بڑا کمرہ جس میں بال تھا نہایت عمدہ آراستہ تھا اور گارڈ آف آنر کا پہرا موجود تھا اور اندر و باہر کمرے کے انواع انواع اقسام کے پھول و گلدستے سجے ہوئے تھے ❊

تھوڑی دیر بعد سلطان عبدالعزیز خاں بھی تشریف لائے اور بہت سے وزراء و اراکین سلطنت اُن کے ساتھ تھے پرنس آف ویلز اور برٹش امباسڈر نے استقبال کیا اور سمندری فوج نے سرخ اور نیلے رنگ کی مہتابیاں روشن کرنے سے تعظیم اور خوشی کا اظہار کیا پرنسس آف ویلز اور مسِس الیٹ پہلی سیڑھی پر استقبال کو کھڑی تھیں سب مہمان اور میزبان بخوشی و خورمی اُس بڑے ہال میں جہاں بال تھا داخل ہوئے اور سلطان نے اپنی کرسی پر تشریف رکھی اور اُس کی بغل میں ادھر اُدھر پرنس اور پرنسس آف ویلز اپنی اپنی کرسیوں پر تشریف فرما ہوئے معمولی بال شروع ہوا آدھی رات کے بعد سلطان وہاں سے رخصت ہوئے مگر وہاں وہ جلسہ صبح تک رہا ❊

سلطان کا لنڈن میں آنا اور ملکہ معظمہ سے ملنا اور ولیعہد سلطنت انگلستان کا اور ولیعہد بیگم کا وہاں جانا ایک نہایت عمدہ تاریخی واقعات سے ہے اور تمام دنیا کی آنکھوں میں اُس محبت اور دوستی کا جو روم اور انگلستان یا یوں کہو کہ ایک مسلمان اور عیسائی سلطنت میں ہے بڑا ثبوت ہے +

جب سلطان لنڈن میں تشریف لائے تھے اور انڈیا آفس میں اُن کی دعوت ہوئی تھی تو اُس بڑے ہال میں بطور یادگاری محبت اور دوستی عیسائی اور مسلمان سلطنت کے نقش کرسنت اور کراس کا ملا کر کھودا گیا ہے +

کرسنت کہتے ہیں پہلی تاریخ کے چاند کو اور یہ ہلال کی صورت چاند کا نشان مسلمانی سلطنت کا ہے اور کراس کہتے ہیں صلیب کو جو عیسائی مذہب میں مقدس نشان ہے انڈیا آفس کے ہال میں ہلال اور اُس کے بیچ میں صلیب کا نقش کھودا ہے جو عیسائی اور مسلمانی سلطنت کی دوستی اور محبت پر دلالت کرتا ہے +

ہمکو اُمید ہے کہ ہندوستان کے لوگ بھی اِن حالات اور واقعات سے عُمدہ نصیحت پکڑیں گے اور اپنے حالات پر غور کر کر تہذیب اخلاق اور حسن معاشرت کی ترقی میں کوشش کریں گے +

مصر اور اُس کی تہذیب

مشہور ہے کہ مُسلمانی ریاستوں میں سے مصر نے تہذیب و شایستگی میں بہت ترقی کی ہے اسلیے ہم اُس کا کچھ حال جو ہماری آنکھ کا دیکھا ہے لکھتے ہیں +

مصر کی تہذیب و شائستگی کا حال بیان کرنے کے لیئے وہاں کے باشندوں کو چار فرقوں میں تقسیم کرنا چاہیئے +

اوّل۔ یورپین یعنی فرنچ اور اٹالین اور گریک اور کچھ انگریز جو بطور رعایا یا تجار وہاں بسے ہوئے ہیں +

دوم۔ مسلمان اُمراء و رؤساء و عہدہ دار جو اُس مُلک میں رہتے ہیں یعنی اعلیٰ درجہ کے مُسلمان باشندے مصر کے +

سوم۔ عیسائی مصری یعنی مصر کے رہنے والے جنھوں نے قدیم یا حال کے زمانہ میں عیسائی

اختیار کیا ہے اور جو اکثر قبطی نسل کے ہیں +

چہارم ۔ متوسط درجہ اور ادنیٰ درجہ کے مسلمان باشندے مصر کے +

یورپ کی قومیں جو مصر میں ہیں اگرچہ وہ بہ نسبت اُن یورپین قوموں کے جو خاص یورپ میں رہتی ہیں تہذیب و شائستگی میں گھٹی ہوئی ہیں لیکن پھر بھی نہایت مہذب اور شائستہ اور تربیت یافتہ ہیں اُن کے مکان نہایت صاف اور بخوبی بقدر اپنے اپنے مقدور کے آراستہ پھولوں اور پھولدار درختوں اور بیلوں کو جابجا مکان پر چڑھانے سے پیراستہ ہیں ہر ایک یورپین کا مکان اسی طرح پر بقدر اپنے مقدور کے آراستہ ہے اِلّا بہت مفلس یورپین جو قدیم شہر کے اندر عام لوگوں سے ملے ہوئے رہتے ہیں اور جن میں سے ایک شخص گریک کے گھر میں خود گیا تھا مثل عام مصریوں کے گھروں کے خراب ہیں +

یورپین کی عورتیں بھی نہایت خوبی اور صفائی سے رہتی ہیں نفیس نفیس لباس پہنے ہوئے پھرتی ہیں بات چیت نہایت تہذیب اور شائستگی سے کرتی ہیں اور یورپین مرد عموماً صاف اور درست معمولی لباس کوٹ پتلون پہنے ہوئے رہتے ہیں اِلّا یورپ کی ٹوپی سَو میں دو چار پہنتے ہونگے ورنہ سب کے سب ترکی لال ٹوپی پھندے دار پہنتے ہیں اُن کا لباس اور بدن اور کھانا اور کھانے کے برتن پاک صاف اُجلے اور درست رہتے ہیں۔ یورپین زن و مرد اپنی یورپ کی زبان بھی بولتے ہیں اور عربی بھی خوب بولتے ہیں جو بالفعل تمام مصریوں کی زبان ہے۔ بات چیت ان لوگوں کی نہایت شائستہ اور مہذب اور لہجہ گفتگو مثل مہذب آدمیوں کے لہجہ کے ہے +

مُسلمان اُمرا و رؤسا و عہدہ داران نے بالکل اپنا قدیم طریقہ اور قدیم لباس اور پرانا طرز زندگی چھوڑ دیا ہے سب کے سب کوٹ پتلون پہنتے ہیں اور لال پھندنے دار ترکی ٹوپی اوڑھتے ہیں مثل یورپین کے اپنے مکانات کو صاف اور پھولوں اور پھولدار درختوں سے آراستہ رکھتے ہیں میز و کرسی پر بیٹھتے ہیں چھری کانٹے سے کھانا کھاتے ہیں اکثر فرنچ اور عربی اور ترکی تینوں زبانیں جانتے ہیں اُن کی نسبت مجھ کو کہنا چاہیئے کہ اگر بالکل یورپین کی مانند مہذب نہیں ہو گئے ہیں تو اُنکی پُوری پُوری نقل تو ضرور کی ہے +

عیسائی مصری بھی تہذیب و شائستگی میں کم نہیں۔ اُنھوں نے اپنے ہم مذہب یوروپین بھائیوں کا سا برتاؤ اور طریقہ اختیار کیا ہے میں دو ایک عیسائی مصریوں سے ملا اور اُن کو تہذیب و شائستگی میں

آراستہ پایا وہ سب قبطی نسل کے تھے اور اُن میں سے ایک شخص باوجودیکہ بجز عربی زبان کے اَور کوئی زبان نہیں جانتا تھا مگر ہربات اور عادت اور بات چیت میں مثل یوروپین جنٹلمین کے مہذب تھا۔ مصری عیسائی لڑکیوں کے پڑھانے کے لیئے مشنریوں نے اسکول بھی بنائے ہیں اور اُن لڑکیوں کو عربی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے اور انجیل اور اَور دعاؤں کی کتابیں عربی زبان میں پڑھائی جاتی ہیں ۞

متوسط درجہ اور ادنٰے درجہ کے مُسلمان مصری جو بہت کثرت سے ہیں نہایت خراب اور ابتر حالت میں ہیں میلے اور نہایت میلے اور لباس نہایت خراب اکثر نیلا کرتا جس کا گریبان کھلا ہوا ہے پہنے ہوئے ہیں اور ٹانگوں میں کوئی چیز نہیں بالکل ننگی اور کپڑا ایسا میلا کہ شاید پہننے کے بعد کبھی دھونے کی نوبت نہیں آتی ہوگی۔ پاس بٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔ بدن و کپڑوں میں سے بُری سی بو آتی ہے ۞

متوسط درجہ کی عورتوں کی حالت بہ نسبت مردوں کے اچھی معلوم ہوتی ہے مگر ادنی درجہ کی عورت و مرد کی نہایت خراب حالت معلوم ہوتی ہے اور جو کہ یہی لوگ سب سے زیادہ کثرت سے ہیں اس لیئے مصر باعتبار خلقت کے آنکھ میں نہایت بُرا اور خراب معلوم ہوتا ہے اگر مصر کے بازاروں میں جاؤ اور عام طور پر وہاں کی خلقت پر نظر ڈالو تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسیکہ ہندوستان میں قحط کے دنوں میں بھٹنیر کی طرف کے لوگ عورت و مرد نیلے کُرتے پہنے ہوئے اور تباہ حالت میں چلے آتے ہیں تمام یوروپین کیا مرد اور کیا عورت اُن لوگوں میں ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے اندھیری رات میں تارے یا کوڑے میں موتی ۞

اس درجہ کے لوگوں کا لہجہ گفتگو ایسا ناشایستہ اور خراب ہے کہ اُن کی نامہذب آواز کی دل پر چوٹ لگتی ہے بہت بلند اور حلق میں نکلنے والی اور نہایت درشت آواز سے جس میں گون کی رگیں تن جاتی ہیں باتیں کرتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو جانور آپس میں لڑتے ہیں اور باوجودیکہ وہاں مسلمان گورنمنٹ ہے تب بھی اس فرقہ کے لوگ یوروپین کے سامنے بسبب اپنے ناشایستہ اور نامہذب ہونے کے نہایت ذلیل ہیں اور جانوروں سے بدتر اُن کا حال ہے سلطنت اسلام ہے الا اسلام صرف ان مسلمانوں کے ناشایستہ اور ناتربیت یافتہ ہونے سے غیر قوموں کی آنکھ میں ذلیل ہے ۞

پہلے پہل جب مَیں نے مصریوں کو آپس میں بات چیت کرتے دیکھا تو مَیں نے خیال کیا کہ بسبب

عربی زبان ہونے کے جس میں حروف حلقی زیادہ ہیں اُن کا لہجہ ایسا خراب ہے مگر میں نے جب قبطی عیسائیوں کو دیکھا جو تربیت یافتہ تھے اُن کا لہجہ نہایت سُبک اور آواز نرم اور آہستہ بات کرنا سب عُمدہ تھا اُن کے موتھ سے لفظ پیارے معلوم ہوتے تھے اور عورتوں کے موتھ سے تو وہ عربی لفظ نہیں نکلتے تھے بلکہ پھول جھڑتے تھے ٭

مجھ پر میری عمر میں ایک زمانہ ایسا گُذرا کہ تھوڑی دیر کے لیئے میں نے خیال کیا کہ شاید جین مذہب حق ہے جبکہ مَیں نے تمام چیزوں کو آفت میں اور جینیوں کے مندر کو امن میں دیکھا اور مصر کی سیر میں مجھ پر ایک زمانہ ایسا گذرا کہ تھوڑی دیر کے لیئے مَیں نے خیال کیا کہ شاید عیسائی مذہب حق ہے کیونکہ ہر مقام پر جو خوبی اور عزت اور برکت خدا نے عیسائیوں کو دی ہے وہ اَور کسی کو نہیں دی پس کیا شرم کی بات ہے کہ مسلمان اپنے نامہذب اور ناشایستہ ہونے سے اسلام کو داغ لگائیں اور اُسکو حمیت اسلامی کے برخلاف نہ سمجھیں ٭

معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی عورتوں میں باہر نکلنے کا عام رواج ہے غریب عورتیں پیادہ پھرتی ہیں اور ذی مقدور خاندان کی عورتیں بروم اور فٹن اور چرٹ پر سوار ہو کر پھرتی ہیں مگر باہر پھرنے کا ایک خاص قسم کا لباس ہے کہ اُس میں بجز آنکھوں کے اَور کچھ نہیں معلوم ہوتا آنکھوں کے نیچے ناک پر سیاہ رنگ کا لنبا ہاتی کی سونڈ کی طرح ایک کپڑا لٹکاتی ہیں جس سے نہایت ہیبت ناک صورت ہو جاتی ہے اُن کی ہیئت مجموعی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا ممی قبر میں سے نکل کر پھرتی ہے ٭

امیر عورتوں کے باہر نکلنے کا لباس اُن سے کسی قدر بہتر ہے خدیو مصر کی بیگمات جو حرم کہلاتی ہیں ایک دفعہ سواری میں مجھ کو ملیں نہایت عمدہ بروم میں کھلے میدان سوار تھیں چار گھوڑے جُتے ہوئے تھے اور گورے کوچوان انگریزی وردی پہنے ہوئے پشتیبر گھوڑوں کو ہانکتے تھے ایک یورپین فوجی افسر گھوڑے پر سوار آگے آگے تھا اور چار سوار مصری فوجی پیچھے تھے اور ایک حبشی خواجہ سرا گھوڑے پر سوار ساتھ ساتھ تھا ٭

یہ بات خیال کرنی کہ مصری گورنمنٹ نے اپنے مُلک کو مہذب اور شایستہ کرنے میں کس قدر کامیابی حاصل کی ہے ایک نہایت مشکل کام ہے کیونکہ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیئے اُس مُلک کے حالات سے نہایت واقفیت ہونی چاہیئے تاہم باوجودیکہ عام لوگ ایسی خراب اور ذلیل و ناشائستہ حالت میں ہیں اس پر بھی تہذیب و شایستگی کی بہت ترقی معلوم ہوتی ہے۔ شہر جو کہ

نہایت میلا اور خراب اور بد وضع مردوں کے رکھنے کی بد بودار تہ خانوں کی مانند تھا نہایت
عمدہ ہوتا جاتا ہے۔ شہر کے غربی جانب بلاق تک ایسا عمدہ شہر آراستہ ہوا ہے کہ دیکھنے سے
تعلق ہے نہایت نفیس سڑکیں اور جابجا حوض و فوارہ اور چوکوں میں خوبصورت خوبصورت
پھولوں کے باغیچہ طیار ہوگئے ہیں تمام دوکانیں اور بالکل مکانات اور ہوٹلیں انگریزی طور پر
تیار ہیں مصر کا شہر غربی جانب کا بلاق تک ہرگز افریقہ کا شہر نہیں معلوم ہوتا بلکہ یورپ کا عمدہ نفیس
شہر معلوم ہوتا ہے صرف دو نقص عظیم پائے جاتے ہیں ایک تو یہ کہ یہ خوبی جس قدر ہوئی گورنمنٹ
کی طرف سے ہوئی۔ رعایا ایسی مہذب نہیں ہے کہ وہ خود یہ سب کام کرے۔ دوسرے یہ کہ شہر
کی اس نفیس طرف جس قدر آبادی ہے وہ اکثر یورپین کی ہے اور وہی رہتے ہیں اور عیش و آرام
کرتے ہیں اور فرحت اور خوش حالی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور مسلمان اب تک اکثر اسی نرشی خانہ
میں بند رہتے ہیں اور ذلت اور نکبت سے نہیں نکلے ؛

مصر میں اس کی گورنمنٹ کی کوشش سے تہذیب و شائستگی پھیلنے کا ایک اور بڑا نشان یہ ہے
کہ تعلیم کے قواعد کسی قدر رائج ہوتے جاتے ہیں مصر کے مدرسہ کو جو خدیو کا مدرسہ کہلاتا ہے میں نے
دیکھا نہایت عمدہ ہے اور وہاں صرف تعلیم ہی نہیں ہوتی بلکہ لڑکوں کو تہذیب و شائستگی بھی سکھائی
جاتی ہے تمام لڑکے نو عمر نہایت عمدہ اور خوبصورت وردی پہنے ہوئے تھے۔ انگریزی بوٹ اور
کوٹ پتلون و سرخ ترکی ٹوپی پھندنے دار پہنے ہوئے اور میز و کرسی پر اپنی اپنی جماعتوں میں بیٹھے
ہوئے نہایت خوبصورت دکھائی دیتے تھے ہر ایک علم پڑھنے والوں کی وردی کی رنگت میں یا کسی
خاص وضع کے تمغے کا فرق تھا تمام علوم و فنون عربی زبان میں جو اُن کے ملک کی زبان ہے پڑھائے
جاتے ہیں علاوہ اس کے انگریزی اور فرنچ اور جرمن زبان سکھلائی جاتی ہے اور انجام کار لایق لڑکوں کو
تکمیل علم کے لئے جرمنی و فرانس اور لنڈن میں بھیجا جاتا ہے ؛

ہر قسم کا ہنر مصریوں میں ترقی پر ہے تمام کام ریل کے چلانے کا مصری خود آپ کرتے ہیں دھوئیں
کی کل سے کام لیتے ہیں دھوئیں کا پمپ اور دھوئیں کا ہل گنوار دہقانوں کو چلاتے میں نے دیکھا
کاغذ بنانے کی کل جو دھوئیں سے چلتی ہے مصری چلاتے ہیں اور کاغذ بناتے ہیں۔ دھوئیں
کی کل سے مصری چھاپے خانے کا کام کرتے ہیں یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کے سبب مصریوں کو
ہندوستان کے مسلمانوں سے باوجودیکہ ہندوستان کے مسلمان اُن سے بہت زیادہ خوشحال ہیں
فوقیت دیتے ہیں ؛

میوزیم مصر کا یعنی عجایب خانہ ایسا عمدہ ہے کہ مصر کی پرانی چیزوں کے لیئے اپنا نظیر نہیں رکھتا پرانی لاشیں جو ممی کہلاتی ہیں اور پورانی صنایع مصر کی نہایت خوبصورتی اور عمدگی سے آراستہ ہیں اور بہت فائدہ بخش عبرت انگیز اور حیرت خیز ہیں *

ولیم ہورڈ رسل صاحب نے جو ایک مشہور نامی گرامی قابل شخص ہیں اپنے روزنامچہ میں مصر کی گورنمنٹ کی نسبت ایک رائے لکھی ہے جو کہ نہایت دلچسپ ہے ہم اُس کو اس مقام پر لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

"اس بات کی نسبت رائے دینی کہ مصر ترقی کی حالت میں ہے یا تنزل کی اُس وقت ہوسکتی ہے جبکہ اُس ملک کے حالات کا ایک خاص علم ہو۔ نامی لوگ جو مصر میں جاتے ہیں اُن کے ساتھ مدارات کرنے میں اسمٰعیل پاشا کو یورپ کی شایستہ اور مہذب قوموں سے کچھ سیکھنا نہیں ہے ممکن ہے کہ یہ بات لوگوں کی حیثیت کے لیئے کسوٹی نہ ہو اور نہ میں اُس کے کسوٹی ہونے پر استدلال کرتا ہوں مگر اس سے یہ مقصود ہے کہ انگلستان کے لوگ بے تمیزی سے اُسکی نکتہ چینی نہ کریں بلکہ اُس قوم کی جسکی عزت اُس کے بادشاہ کی ذات میں ہے شکر گزاری کریں *

میں تمام ہندوستان میں پھرا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی اجنبی شخص گو کہ وہ فہیم ہو لیکن ہندوستان کے حالات سے ناواقف ہو صرف رعایا اور دہقانی اور قصباتی بازاریوں سے ظاہری صورت دیکھکر انتظام انگریزی کی نسبت اتہام لگائے اور اپنی رائے قائم کرے تو کیسی مشکل کی بات ہے کلکتہ میں گورنر جنرل یا کسی صوبہ میں چیف کمشنر یا کوئی کلکٹر یا جج ملکی اور ادنی عہدہ دار کو مع اُس کے ملازمین اور چپراسیان اردلی اور جلوس سواری کے رعایا کی حیثیت سے مقابلہ کرو اور غور کرو کہ محل کے رہنے والوں کی کیا کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ خیال کرو کہ تمنے ہندوستان کے لوگوں سے ڈونگ اسٹریٹ میں سلطان کے ہال کا ایک گونہ مفت خرچ دلایا ہے غور کرو کہ اس عملداری میں جو دنیا میں نہایت عمدہ ہے (یعنی انگریزی عملداری میں) کیا کیا ہوتا ہے تب مسلمان حکمران (یعنی خدیو مصر) پر پتھر پھینکو جو فی الحقیقت اپنی رعایا کو اُسی حال میں رکھنا چاہتا ہے جس حال میں اُن کے باپ دادا رہتے تھے اور باوصف اس کے اُس نے اپنے ملک کو ضروری باتوں میں کامیابی بخشی ہے اور ترقی دی ہے اُس نے سڑکیں اور پانی کے جھرنے بنوائے دارالسلطنت یعنی شہر قاہرہ کو آراستہ کیا ہنر اور محنت کو بڑھایا اور جہاں تک اُس سے ہوسکا اُس نے اُس زنجیر کو توڑ ڈالا جو مسلمانوں کو عیسائیوں سے جدا کرتی ہے *

فرض کرو کہ اگر اسمٰعیل پاشا ہر آدمی کو جو اُس کے ملک میں رہتے ہیں اُن کے گھر سے اور اُنکے پیشہ سے چھوڑا کر چند سال کے لیئے سرکاری خدمت پر مجبور کرے تو اُس حالت میں اُسکے اطوار کی نسبت کیا کچھ نہ کہا جاویگا ✦

فرض کرو کہ اگر اسمٰعیل پاشا کروڑوں اپنی رعایا سے کہے کہ تمکو محصول دینا پڑے گا اور جو میں حکم دوں گا وہی کرنا ہوگا لیکن تمکو کوئی جلیل عہدہ سلطنت میں نصیب نہ ہوگا اور فوجی اور جہازی اور سول کے کاموں میں بجز ادنی کاموں کے اور کوئی کام تمکو نہ ملیگا تو ہملوگ کس قدر اُسکو لعنت ملامت کرینگے" ✦

مسٹر رسل کی یہ رائے درحقیقت نہایت عُمدہ اور منصفانہ ہے اور جیسے عالی رُتبہ اور فیاض طبیعت کے وہ ہیں اُسی رُتبہ کی یہ رائے ہے مگر نامہذب گورنمنٹ اور نامہذب قوم کو اُسکو پڑھکر پھولنا اور خوش ہونا نہیں چاہیئے مہذب اور تربیت یافتہ گورنمنٹ میں اگر کوئی نقص ہوتا ہے تو ہزاروں بھلائیاں بھی ہوتی ہیں جیسیکہ اُن گورنمنٹوں میں جن کی طرف مسٹر رسل صاحب نے اشارہ کیا ہے مگر نامہذب اور ناتربیت یافتہ گورنمنٹ میں یہ ہوتا ہے کہ اُس میں بُرائی ہی بُرائی دکھائی دیتی ہے اور بھلائی ایسی قلیل ہوتی ہے جو خیال میں نہیں آتی اگر یہ بات سچ ہو جیسا کہ مسٹر رسل نے خیال کیا ہے کہ مسلمان حاکم یعنی خدیو مصر اپنی رعایا کو اُسی حالت میں رکھنا چاہتا ہے جس حالت میں اُن کے باپ دادا تھے تو حقیقت میں وہ حاکم کافر اور ظالم فرعون سے کچھ اور زیادہ درجہ نہیں رکھتا ہے اور جو بھلائی کہ اُس نے کی ہو اُس بھلائی سے زیادہ نہیں ہے جو فراعنہ مصر رعایا کو ظلم سے بیگار میں پکڑ کر کام لیتے تھے اور پیاز اور سوکھی روٹی کھانے کو دیکر اُن کے ساتھ بڑی نیکی کرتے تھے۔ جو گورنمنٹ کہ اپنی رعایا کی ترقی کی دل سے خواہاں نہیں وہ حقیقت میں گورنمنٹ نہیں ہے بلکہ رعایا کی دشمن ہے ✦

مہذب قوم اور نامہذب قوم میں بھی یہی فرق ہوتا ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ مہذب قوم میں کوئی نقص یا عیب یا بُرائی نہ ہو مگر البتہ یہ ہوتا ہے کہ اُن بُرائیوں کے ساتھ لاکھوں کروڑوں بھلائیاں بھی ہوتی ہیں مگر نامہذب قوم میں بجز بُرائیوں کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ نامہذب قومیں گناہ کو ایسے بُرے طور سے استعمال کرتی ہیں جس سے اُس گناہ [illegible] بہیں بہت زیادہ عام اور تمام قوم کو خراب کرنیوالی ہو جاتی ہیں مہذب قومیں اگرچہ وہی یا اُسی قسم کا گناہ کرتی ہیں مگر وہ اس طرح پر وقوع میں آتا ہے کہ اُسکی بدی عام ہونے نہیں پاتی قوم کی قوم کو غارت و تباہ نہیں کرتی۔ سچ ہے۔

شرط سلیقہ ہے ہر ایک کام میں ٭ عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیئے

نامہذب قوم نیکی بھی ایسی بُری طرح کرتی ہے کہ یا تو وہ نیکی نیکی نہیں رہتی یا غیر مفید اور بے محل ہو جاتی ہے مہذب قوم جو نیکی کرتی ہے وہ ایسے سلیقہ اور خوبی سے کرتی ہے کہ وہ نیکی زیادہ عمدہ اور بہت مفید اور برمحل ہوتی ہے ٭

نامہذب قوموں میں اعتدال نہیں ہوتا نیکی کی طرف اگر متوجہ ہوتی ہیں تو اُس کو اتنا کھینچتی ہیں کہ ٹوٹ جاتی ہیں۔ بدی کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو اُسکو اتنا بڑھاتی ہیں کہ شیطان کے بھی کان کاٹتی ہیں ٭

اِس زمانہ میں ہمارے بھائی ہند مُسلمان صاحبوں کا یہ حال ہے کہ اگر کسی مہذب قوم کا ذکر اُن کے سامنے کرو تو اُس قوم کی بُرائیوں اور عیبوں کا ذکر کرتے ہیں اے صاحب یہ کون کہتا ہے کہ مہذب قوموں میں کوئی عیب نہیں ہوتا مگر یہ تو دیکھو کہ اُن میں اُن عیبوں کے ساتھ بہت سی بھلائیاں اور خوبیاں بھی ہیں ہم اُن کے عیبوں کو کیا تکیں جبکہ ہم میں عیب ہی عیب بھرے ہیں مثل مشہور ہے کہ "چھاج بولے تو بولے چھلنی کیا بولے جس میں نو سو بہتر چھید" ٭

نظامیہ سلسلہ تعلیم

ہم مختصر طور پر اُس سلسلہ تعلیم کا ذکر کرتے ہیں جو بالفعل ہندوستان کے مُسلمانوں میں رائج ہے اور جو سلسلہ نظامیہ کہلاتا ہے۔ مقصود ہمارا اِس کے بیان سے صرف اتنا ہے کہ لوگ اِس بات پر غور کریں کہ بلحاظ حالات اور علوم مروجہ زمانہ حال کے آیا یہ سلسلہ اور طریقہ تعلیم کافی اور مفید ہے یا واقعی اس میں کچھ تغیر و تبدیل کی ضرورت ہے ٭

ہم اس آرٹکل میں اس پر کچھ بحث کرنی نہیں چاہتے اور صرف اُن علوم اور اُنکی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو بالفعل درس میں داخل ہیں تاکہ جو لوگ اُس پر بحث کرنے پر آمادہ ہوں اُنکو کسیقدر امداد ملے ٭

علم صرف۔ اس میں مفصلہ ذیل کتابیں پڑھائی جاتی ہیں میزان۔ منشعب۔ پنج گنج۔ زبدہ۔ صرف میر۔ فصول اکبری۔ شافیہ۔ نقود الصرف۔ دستور المبتدی ٭

علم نحو۔ اِس میں مفصلہ ذیل کتابیں درس میں ہیں۔ مائۃ عامل۔ شرح مائۃ عامل۔ نحو میر۔

ہدایۃ النحو۔ کافیہ۔ ضوء شرح ملا ۔

علم معانی و بیان و بدیع ۔ اس میں یہ کتابیں پڑھتے ہیں۔ مختصر معانی تمام۔ مطول تا بحث ما انا قلت ۔ ملا زادہ مختصر ۔

علم ادب ۔ اس میں یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ مقامات حریری چند مقالہ ۔ دیوان متنبی چند صفحہ ۔ سبعہ معلقہ ۔ حماسۃ العرب ۔ نفحۃ الیمین ۔ العجب العجاب ۔

علم منطق ۔ اس میں مفصلہ ذیل کتابیں درس میں ہیں۔ ایساغوجی ۔ قال اقول ۔ میر ایساغوجی ۔ شرح تہذیب ملا یزدی ۔ بدیع المیزان ۔ قطبی ۔ میر قطبی ۔ تصورات ۔ شرح سلم ملا حسن ۔ تصدیقات شرح سلم ملا حمد اللہ ۔ تصورات ۔ شرح سلم قاضی مبارک میر زاہد رسالہ غلام یحیی ۔ حاشیہ بحر العلوم بر میر زاہد رسالہ ملا جلال ۔ میر زاہد ملا جلال ۔

علم طبعی و الٰہی ۔ اس میں تین کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ میبذی تمام ۔ صدرا تا فلکیات ۔ شمس بازغہ تمام ۔

علم حساب ۔ اس میں ایک کتاب پڑھتے ہیں۔ خلاصۃ الحساب ۔

علم ہندسہ ۔ اس میں تحریر اقلیدس کا صرف پہلا مقالہ داخل درس ہے اور بعض طلبہ چار مقالے اور بعض چار سے بھی زیادہ پڑھتے ہیں ۔

علم ہیئت ۔ اس میں یہ کتابیں داخل ہیں۔ تشریح الافلاک با منہیات (اور بعضے تصریح شرح تشریح الافلاک بجائے تشریح الافلاک با منہیات کے پڑھتے ہیں) توضیح ۔ سبعہ شداد ۔ شرح چغمینی ۔

علم کلام ۔ اس میں یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ شرح عقاید نسفی ۔ خیالی ۔ شرح مواقف ۔ میر زاہد امور عامہ ۔ شرح عقاید جلالی ۔ عقیدہ حافظ ۔ حاشیہ فاضل قرہ باغی بر شرح عقاید جلالی ۔

علم فقہ ۔ اس میں یہ کتابیں پڑھاتے ہیں۔ عبادات شرح وقایہ ۔ معاملات ہدایہ ۔ کنز الدقائق تمام ۔ مختصر وقایہ و قدوری ۔

علم اصول ۔ اس میں یہ کتابیں داخل درس ہیں۔ شاشی ۔ نور الانوار ۔ توضیح ۔ تلویح ۔ مسلم الثبوت ۔ دایر الاصول ۔ حسامی ۔

علم تفسیر ۔ اس میں یہ کتابیں پڑھاتے ہیں۔ جلالین ۔ بیضاوی ۔ چند جزو ۔ کشاف ۔ مدارک ۔

علم فرائض۔ اسمیں صرف ایک کتاب پڑھتے ہیں۔ فرائض شریفی +

علم مناظرہ۔ اسمیں بھی ایک کتاب پڑھتے ہیں۔ رشیدیہ +

علم وضع آلات۔ اس میں بھی ایک کتاب پڑھتے ہیں۔ رسالہ اسطرلاب مسمی بست بابی محقق طوسی +

اصول علم حدیث۔ اس میں ایک کتاب نخبۃ الفکر پڑھتے ہیں اور بعضے اُس کی شرح بھی پڑھتے ہیں +

علم حدیث۔ اس میں مفصلہ ذیل کتابیں ہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ موطا۔ صحاح ستہ مگر ان کو صرف تیمناً وتبرکاً تھوڑا تھوڑا پڑھکر سند لے لیتے ہیں اور بعضے سب کتابیں کامل پڑھتے ہیں صحاح ستہ یہ ہیں۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ جامع ترمذی۔ صحیح نسائی۔ سنن ابی داؤد۔ سنن ابن ماجہ +

علم لغت میں۔ قاموس +

علم طب میں۔ قانونچہ۔ موجز۔ کلیات نفیسی۔ معالجات سدیدی۔ شرح اسباب۔ حمیات شیخ +

سُنی اور شیعہ کی تعلیم میں کُچھ فرق نہیں فقط اتنا تفاوت ہے کہ مذہبی کتابیں جو فہرست مذکورہ بالا میں مندرج ہیں سُنیوں کی ہیں شیعہ مذہبی کتابوں مندرجہ بالا کی جگہ اَور کتابیں پڑھتے ہیں اور مذکورہ بالا کتابوں میں سے بھی بعض کتابیں پڑھتے ہیں مثل مسلم الثبوت وشرح عقاید نسفی و میرزاہد امور عامہ اور بعض مشکوٰۃ شریف یا صحیح بخاری اور بیضاوی وکشاف میں سے بھی کُچھ کُچھ پڑھتے ہیں اور خاص کتابیں اپنے مذہب کے لحاظ سے بہ تفصیل ذیل اُن کے درس میں ہیں +

علم فقہ میں۔ حدیقۃ المتقین۔ جامع عباسی۔ مختصر نافع۔ شرح صغیر۔ شرح لمعہ دمشقی۔ شرائع الاسلام جواہر الکلام فی شرح شرایع الاسلام +

علم اصول فقہ میں۔ معالم الاصول۔ اساس الاصول۔ زبدۃ الاصول۔ قوانین +

علم کلام میں۔ تجرید۔ شرح تجرید علامہ حلی۔ کشف الحق۔ شرح کشف الحق قاضی نور اللہ۔ شرح باب حادی عشر +

علم حدیث میں۔ اصول کافی۔ من لایحضرہ الفقیہ۔ تہذیب۔ استبصار +

تفسیر میں۔ مجمع البیان +

یہ سلسلہ جو ہمنے بیان کیا سلسلہ تعلیم ہے۔ اس سے فراغ کے بعد جو کتابیں بڑے بڑے علماء کے استعمال میں رہتی ہیں اور جن کے پڑھنے پڑھانے پر وہ نہایت ناز اور فخر کرتے ہیں یہ ہیں۔ کُتب فارابی۔ فصوص الحکم۔ جمع بین الرائین۔ رسالہ تحقیق عقل۔ کتب شیخ الرئیس شفا۔ اشارات عیون الحکمت۔ کُتب شیخ مقتول۔ حکمۃ الاشراق۔ تلویحات۔ ہیاکل النور۔ شرح ابن کمونہ بر ہیاکل النور شرح علامہ شیرازی بر ہیاکل۔ کُتب میر باقر۔ افق المبین۔ ایماضات۔ قبسات تقدیسات وغیرہ۔ کتب محقق طوسی۔ تحریر مجسطی۔ تذکرہ وغیرہ اور علیٰ ہذا القیاس اسی قسم کی کتابیں ہیں جو بلحاظ شوق اور وقت پڑھنے میں آتی ہیں۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ ذی عقل اور دانشمند لوگ غور کر کر اس بات کی تنقیح فرماویں کہ آیا یہ سلسلہ کافی ہے یا تبدیل کی اس میں ضرورت ہے +

امیر الامراء جناب سید خیر الدین صاحب بہادر

وزیر مملکت ٹونس

چند روز سے ہماری خواہش اپنے ہمقوموں سے یہ ہے کہ وہ تہذیب شایستگی میں ترقی کریں اور تعصب کو جس کا منشا جہل مرکب ہے چھوڑیں اور اچھی باتوں کو گو وہ کسی قوم کی ہوں اور جو شریعت اسلامیہ میں بھی مباح ہوں اختیار کریں تاکہ مہذب قوموں کی نگاہ میں ذلیل و خوار نہوں۔ ہمکو اِس بات کے بیان کرنے سے نہایت خوشی ہے کہ صرف ہماری ہی یہ رائے یا یہ خواہش نہیں ہے بلکہ جو بڑے بڑے عالم اور مدبر بلاد اسلامیہ کے ہیں اُن کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ ہم اس دعوے کی سند پر جناب امیر الامراء سید خیر الدین صاحب بہادر وزیر مملکت ٹونس کی رائے کا خلاصہ اس مقام پر مندرج کرتے ہیں +

ٹونس کنارہ افریقہ پر ایک چھوٹی سی خود مختار اسلامی سلطنت ہے وہاں کا بادشاہ بی آف ٹونس کہلاتا ہے۔ اُسکے وزیر سید خیر الدین صاحب نے نہایت عمدہ اور فصیح عربی زبان میں ایک کتاب یورپ کی سلطنتوں کے حال میں لکھی ہے اور اُس کا نام اقوم المسالک فی احوال الممالک رکھا ہے وہ کتاب ٹونس میں چھپی ہے اور اُس کی ایک جلد ہمارے پاس موجود ہے اُس کتاب کے مصنف نے اُس کے دیباچہ اور مقدمہ میں سبب اُس کتاب کی تالیف کا بیان کیا ہے جو

آگے لکھا جاتا ہے اور جس سے اُس مجرب مدبر اور عالم کی رائے واضح ہوتی ہے +

وھو ھذا:-

خطبہ کتاب اقوم المسالک

اما بعد فیقول جامع ھذہ الورقات ارشدہ اللہ تعالیٰ الی اقوم الطرقات انی بعد ان تأملت تاملا طویلا فی اسباب تقدم الامم وتاخرھا جیلاً فجیلاً مستنداً فی ذلک لما امکن تصفحہ من التواریخ الاسلامیۃ والافرنجیۃ مع ما حررہ المؤلفون من الفریقین فیما کانت علیہ وآلت الیہ الامۃ الاسلامیۃ وما سیئول الیہ امرھا فی المستقبل بمقتضی شواھد التی قضت التجربۃ بان تقبل النتیجات الی الجزم بما لا اظن عاقلا من رجال الاسلام یناقضہ او ینھض لہ دلیل یعارضہ من اننا اذا اعتبرنا تسابق الامم فی میادین التمدن وتحزب عزائمھم علی فعل ما ھو اعود نفعا واعون لا یتھیأ لنا ان نمیز ما یلیق بنا علی قاعدۃ محکمۃ البنا الا بمعرفۃ احوال من لیس من حزبنا لا سیما من حق بنا وحل بقربنا ثم اذا اعتبرنا ما حدث فی ھذہ الازمان من الوسائط التی قربت تواصل الابدان والاذھان ثم نتوقف ان نتصور الدنیا بصورۃ بلدۃ متحدۃ تسکنھا امم متعددۃ حاجۃ بعضھم لبعض متاکدۃ وکل منھم وان کان فی مساعیہ الخصوصیۃ غریم نفسہ فھو بالنظر الی ما ینجر بھا من الفوائد العمومیۃ مطلوب لسائر بنی جنسہ فمن لاحظ ھذین الاعتبارین اللذین لا تبقی المشاھدۃ فی صحتھما ادنی رین وکان بمقتضی دیانتہ من الدارین ان الشریعۃ الاسلامیۃ کافلۃ بمصالح الدارین ضرورۃ ان التنظیم الدنیوی اساس متین لاستقامۃ نظام الدین یسوءہ ان یری بعض علماء الاسلام المعول لامانتھم مراعاۃ احوال الوقت فی تنزیل الاحکام معرضین عن استکشاف الحوادث الداخلیۃ واذھانھم عن معرفۃ الخارجیۃ خلیۃ ولا یخفی ان ذلک من اعظم العوائق عن معرفۃ ما یجب اعتبارہ علی الوجہ اللائق فیحسن من اساۃ الامۃ الجھل بامراضھا او صرف الھمۃ الی اقتناء جواھر العلوم مجردۃ عن اعراضھا کما انہ یسوء ما الجھل بذلک من بعض رجال السیاسۃ والتجاھل من بعضھم رغبۃ فی اطلاق الریاسۃ

فلذلك هجس ببالي ما استذكيت لاجله ذبالي من اني لو جمعت بعض ما استنتجته
منذ سنين باعمال الفكر والروية مع ما شاهدته اثناء اسفاري للبلدان الا
وربادية التي ارسلني الى بعض ودلها الهمام الطود الرفيع الاسمي والكهف المنيع الاحمى
جناب ولي النعم وزكي الاخلاق والشيم من لم تزل عزائمه كاسمه صادقة
والسنة الانام بالثناء عليه ناطقة لم يخل سعيي من فايدة خصوصا اذا صادف
افئدة على حماية بيضة الاسلام متعاضدة واهم تلك الفوايد عندي التي في
هذا التاليف مناط قصدي تذكير العلماء الاعلام بما يعينهم على معرفة ما يجب
اعتباره من حوادث الايام وايقاظ الغافلين من رجال السياسة وسائر الخواص
والعوام ببيان ما ينبغي ان تكون عليه التصرفات الداخلية والخارجية وذكر
ما تتأكد معرفته من احوال الامم الافرنجية خصوصا من لهم بنا مزيد اختلاط وشديد علقة وارتباط مع
ما او لعوا به من صرف الهمم الى استيعاب احوال سائر الامم واستنباط ذلك ببعض مسافات الكرة الذي لحق شامها بابلها
فجمعت ما تيسر بعون الله مستحدثاتهم المتعلقة بسياستي الاقتصاد والتنظيم
مع الاشارة الى ما كانوا عليه في العهد القديم وبيان الوسائل التي ترقوا بها في
سياسة العباد الى غاية القصوى من عمران البلاد كما اشرت الى ما كانت عليه
امة الاسلام المشهود لها حتى من مورخي اوربا الاعيان بسابقية التقدم في
مضماري العرفان والعمران وقت نفوذ الشريعة في احوالها ونسج سائر التصرفات
بمنوالها والغرض من ذكر الوسائل التي اوصلت الممالك الاوربادية الى ما هي عليه
من المنعة والسلطنة الدنيوية ان نتخير منها ما يكون بحالنا لايقا ولنصوص
شريعتنا مساعدا وموافقا عسى ان نسترجع منها ما اخذ من ايدينا ونخرج باستعماله
من ورطات التفريط الموجود فينا الى غير ذلك مما تتشوق اليه نفس الناظر في
هذا الموضوع المحتوي من الملاحظات النقلية والعقلية على ما نشره بطي فصوله
يضوع وسميته اقوم المسالك في معرفة احوال الممالك مرتبا له على مقدمة و
كتابين يشتمل كل منهما على ابواب وبهداية الله نستوضح مناهج الرشد والصواب
والجري في هذا المجال وان كان فوق طاقتي لكن اغضاء الفضلاء مأمول في جنب
فاقتي وصدق النية كفيل ان شاء الله تعالى ببلوغ الامنية +

المقدمة

لما كان السبب الحامل على الشئ متقدما عليه طبعا ناسب ان نقدمه وضعا ولم نكتف بالايماء في الخطبة الى ما دعانا لجمع هذا التاليف بل راينا من المهم ان نعود الى ايضاحه ههنا ونبنى عليه ما اردنا ايراده في المقدمة فنقول ان الباعث الاصلي على ذلك امران آيلان الى مقصد واحد احدهما اغراء ذوي الغيرة والحزم من رجال السياسة والعلم بالتماس ما يمكنهم من الوسائل الموصلة الى حسن حال الامة الاسلامية وتنمية اسباب تمدنها بمثل توسيع دوائر العلوم والعرفان و تمهيد طرق الثروة من الزراعة والتجارة وترويج سائر الصناعات ونفي اسباب البطالة واساس جميع ذلك حسن الامارة المتولد منه الامن المتولد منه الامل المتولد منه اتقان العمل المشاهد فى الممالك الاوربياوية بالعيان وليس بعده بيان ثانيهما تحذير ذوى الغفلات من عوام المسلمين عن تماديهم فى الاعراض عما يحمد من سيرة الغير الموافقة لشرعنا بمجرد ما انتقش في عقولهم من ان جميع ما عليه غير المسلم من السير والتراتيب ينبغي ان يهجر وتاليفهم في ذلك يجب ان تنبذ ولا تذكر حتى انهم يشددون الانكار على من يستحسن شيأ منها وهذا على اطلاقه خطأ محض فان الامر اذا كان صادرا من غيرنا وكان صوابا موافقا للادلة لا سيما اذا كنا عليه واخذ من ايدينا فلا وجه لانكاره واهماله بل الواجب الحرص على استرجاعه واستعماله وكل متمسك بديانته وان كان يرى غيره ضالا في ديانته فذلك لا يمنعه من الاقتداء به فيما يستحسن في نفسه من اعماله المتعلقة بالمصالح الدنيوية كما تفعله الامة الافرنجية فانهم ما زالوا يقتدون بغيرهم في كل ما يرونه حسنا من اعماله حتى بلغوا في استقامة نظام دنياهم الى ما هو مشاهد وشان الناقد البصير تمييز الحق بمسبار النظر فى الشئ المعروض عليه قولا كان او فعلا فان وجده صوابا قبله واتبعه سواء كان صاحبه من اهل الحق او من غيرهم فليس بالرجال يعرف الحق بل بالحق تعرف الرجال والحكمة ضالة المؤمن ياخذها حيث وجدها .

ولما اشار سلمان الفارسي رضي الله عنه على رسول الله صلى الله عليه وسلم
بان عادة الفرس ان يطوقوا مدنهم بخندق حين يحاصرهم العدو اتقاء من هجومه
عليهم اخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم برايه وحفر خندقا للمدينة في غزوة
الاحزاب عمل فيه بنفسه ترغيبا للمسلمين وقال سيدنا علي كرم الله وجهه لا تنظر الى
من قال وانظر الى ما قال واذا ساغ للسلف الصالح اخذ مثل المنطق من غير اهل
ملتهم وترجمته من لغة اليونان لما راوه من الالات النافعة حتى قال الغزالي رحمه الله
من لا معرفة له بالمنطق لا يوثق بعلمه فاي مانع لنا اليوم من اخذ بعض المعارف التي
نرى انفسنا محتاجين اليها غاية الاحتياج في دفع المكائد وجلب الفوائد وفي سنن
المهتدين للعلامة الشيخ المراق المالكي مانصه ان ما نهينا عنه من اعمال غيرنا
هو ما كان على خلاف مقتضى شرعنا اما ما فعلوه على وفق الندب او الايجاب او الاباحة
فانا لا نتركه لاجل تعاطيهم اياه لان الشرع لم ينه عن التشبه بمن يفعل ما
اذن الله فيه وفي حاشية الدر المختار للعلامة الشيخ محمد بن عابدين الحنفي
مانصه ان صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا تضر على انا اذا تاملنا في حالة
هؤلاء المنكرين لما يستحسن من اعمال الافرنج نجدهم يمتنعون من مجاراتهم فيما
ينفع من التنظيمات ونتائجها ولا يمتنعون فيما يضرهم وذلك انا نراهم يتنافسون
في الملابس واثاث المساكن ونحوها من الضروريات وكذا الاسلحة وسائر اللوازم
الحربية والحال ان جميع ذلك من اعمال الافرنج ولا يخفى ما يلحق الامة بذلك من الشين
والخلل في العمران وفي السياسة اما الشين فبالاحتياج للغير في غالب الضروريات
الدال على تاخر الامة في المعارف واما خلل العمران فبعدم انتفاع صناع البلاد باصطناع
نتائجها الذي هو اهم من اصول المكاسب ومصداق ذلك ما نشاهده من
ان صاحب الغنم منا ومستولد الحرير وزارع القطن مثلا يقتحم تعب ذلك سنة
كاملة ويبيع ما ينتجه عمله للافرنجي بثمن يسير ثم يشتريه منه بعد اصطناعه
في مدة يسيرة باضعاف ما باعه به وبالجملة فليس لنا الان من نتائج ارضنا
الا قيمة موادها المجردة دون التطورات العلمية التي هي منشاء توفر الرغبات منا و
من غيرنا ثم اذا نظرنا الى مجموع ما يخرج من المملكة وقايسناه بما يدخلها فان

وجدناهما متقاربين خف الضرر واما اذا زادت قيمة الداخل على قيمة الخارج فحينئذٍ يتوقع الخراب لا محالة ۔

ترجمہ خطبہ کا

حمد و نعت کے بعد کہتا ہے مؤلف اس کتاب کا اللہ اُس کو سیدھی راہ بتا دے کہ جب میں نے دنیا کی مختلف قوموں کی ترقی اور تنزل کے اسباب کو نہایت فکر و تامل کے ساتھ دیکھا اور مسلمانوں اور انگریزوں کی تواریخ سے جہاں تک ممکن تھا ڈھونڈ ڈھونڈ کر اُن کو نکالا اور جو کیفیت مسلمان لوگوں کے اُن حالات کی جو اُن پر ابتدائے زمانہ میں طاری تھے اور جو فی زماننا طاری ہیں اور جو آیندہ تجربہ کی رو سے اُن پر طاری ہونیوالے ہیں انگریز اور مسلمان مورخوں نے لکھی ہے اُسکو بھی مینے دیکھا تو خواہ مخواہ مجھ کو یہ یقین ہو گیا (اور میرے اس یقین کا شاید کوئی مرد مسلمان مخالف نہو گا اور نہ اُس کی مخالفت کے واسطے وجہ نکلیگی) کہ جب ہم ایک قوم کی ترقی اور انتظام مملکت کی خوبی کا خیال کریں اور اُس کی ہمت کو بھلائی اور نفع کی باتوں پر حد سے زیادہ مائل پاویں تو اس صورت میں ہمکو اپنی بھلائی کی باتوں کے اچھی طرح پر سمجھنے اور جانچنے کے لیئے بجز اس کے اور کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ہم ایک ایسی قوم کے حالات کو نظر تامل سے دیکھیں جو ہمارے گروہ کی نہیں ہے اور اُسکی ترقی کے اسباب کو دریافت کریں خصوصاً اُس قوم کے حالات کو جو ہمارے قرب وجوار میں ہی رہتی ہو اور پھر ہم اُن جدید ہنرمندیوں اور کمالات کو خیال کریں جو فی زماننا علم و عمل کے موافق ہونے سے پیدا کی گئی ہیں اور ان باتوں کا لحاظ کر کے ہم تمام دنیا کو یہ سمجھیں کہ گویا ساری دنیا بمنزلہ ایک شہر کے ہے جس میں مختلف قومیں اس قسم کی رہتی ہیں جن کی ضرورتیں باہم ملی جلی ہیں اور ایک دوسری پر موقوف ہے اور یہ خیال کریں کہ گو ہر ایک فرقہ اپنی خاص ضرورتوں میں اپنے ہی نفس کا محتاج ہے مگر بلحاظ اُن فوائد کے جو سب کی نسبت عام ہیں سب قومیں ایک دوسرے کی محتاج ہیں پس جو شخص ان سب باتوں پر غور کرے گا جو ہمارے تجربہ کی رُو سے بلاشبہ صحیح ہیں اور یہ بھی اپنی دیانت کی رو سے جانتا ہو گا کہ شریعت اسلامیہ دین و دنیا دونوں کی مصلحتوں پر مشتمل ہے کیونکہ دنیوی معاملات کی اصلاح امور دینیہ کے استحکام کی بنیاد ہے اُس شخص کو یہ بات نہایت بڑی معلوم ہوگی کہ وہ ایسے علماء اسلام کو جو بسبب اپنی امانت اور دیانت کے اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ احکام شرعیہ کے جاری کرنے میں مصلحت وقت کا بھی ضرور لحاظ رکھیں غوامض اور دقایق شرعیہ کے

کھولنے اور مصالح دینیہ کی حقیقت بیان کرنے سے پہلو تہی کرتا دیکھے اور دانستہ اغماض کرتا پاوے یا ایسے علماء کی عقلیں ظاہری اور باطنی مصلحتوں کے سمجھنے سے قاصر ہوں اور اُن کے ذہن اُن سے خالی رہیں کیونکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ ایسے خاص لوگوں کا ایسا ہونا عوام الناس کو بہتری اور ترقی کی اُن باتوں کے دریافت کرنے سے محروم رکھتا ہے جو اُن کے لیئے ضرور ہیں۔ بھلا انصاف کرو کیا یہ بات کچھ اچھی ہے کہ طبیب ہی مریضوں کے حال سے غافل ہو یا یہ بات کسی کو زیبا ہے کہ وہ صرف ایک چیز کی اصلیت تو دریافت کرلے اور اُس کے لوازم اور عوارض سے جاہل رہے اور جیسی یہ بات بُری معلوم ہوتی ہے اسی طرح یہ بات بھی بُری معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ صاحب سیاست ہیں وہ سیاست کے طریقوں سے جاہل ہوں یا اپنی ریاست کی باگ چھوڑ دینے کے واسطے دانستہ تجاہل کریں پس جب مجھ کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ ترقی کے سامان بغیر دریافت کرنے کسی ترقی یافتہ قوم کے حالات کے ہرگز ہم کو میسّر نہیں آسکتے تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر مَیں اُن سب باتوں کو بطور کتاب کے جمع کرکے لکھوں جو مَیں نے برسوں کی فکر اور تجربہ سے حاصل کی ہیں اور جن کو مَیں نے اپنی آنکھ سے یورپ کے اُس سفر میں دیکھا ہے جس پر مجھ کو میرے ایسے آقائے نامدار نے مامور کیا تھا جو نہایت منعم اور معظم اور بلند رُتبہ پاکیزہ اخلاق پسندیدہ خصلت ہے اور جس کے ارادے ہمیشہ اُس کے نام کی مثل صادق ہوتے رہتے ہیں اور جس کی تعریف میں تمام دنیا رطب اللسان ہے تو شاید میری یہ محنت رایگان نہ جاویگی خصوصاً اُس حالت میں جبکہ بہت سے لوگ یکدل ہوکر شریعت غرائے اسلام کی حمایت کرنے پر مستعد ہونگے اور سب سے بڑا کام اِس کتاب کے تالیف کرنے سے مَینے اپنے دل میں یہ ٹھہرایا تھا کہ مَیں اُس کے ذریعہ سے بڑے بڑے نامی علمار کو اُن باتوں سے آگاہ کروں جن کی اطلاع سے اُن لوگوں کو ایسی باتوں کے دریافت کرنے میں مدد ملیگی جن کی حسب تقضائے زمانہ اور مصلحت وقت ہمکو نہایت بڑی ضرورت ہے اور اُن باتوں کا ذکر کروں جن پر فی زماننا انسان کے جملہ معاملات ظاہری و باطنی کا مدار ہونا چاہیئے تاکہ جو اہل سیاست بلکہ علی العموم جو لوگ خواب غفلت میں ہیں وہ سب بیدار ہوجاویں اور یہ بھی ارادہ کیا کہ کچھ حالات انگریزی قوم کے خصوصاً اُن لوگوں کے جن کے ساتھ ہمکو زیادہ خصوصیت اور ربط وضبط اور سخت تعلق ہے بیان کروں اور اُن کے حالات کے ساتھ انگریزی قوم کی اُن عالی ہمتیوں کا بھی ذکر کروں جن کی بدولت اُنھوں نے تمام دنیا کی قوموں کے حالات مفصل دریافت کرلیئے ہیں اور اس کام کو اُنھوں نے اپنی سیر سیاحت

اور تمام عالم کے سفر سے اپنے اوپر آسان کیا ہے پس میں نے اپنے ارادہ کے موافق اس کتاب میں اُن سب باتوں کو جمع کیا جو انگریزی قوم نے تدابیرِ ملکیہ سے متعلق نظم ونسق کی غرض سے ایجاد کی ہیں۔ جہاں تک کہ خدا نے مجھ پر آسان کیا اور ان جدید باتوں کے ضمن میں مَیں نے اُن باتوں پر بھی ایما کر دیا جو زمانہ سابق یعنی عہد قدیم میں انگریزوں کے ہاں رائج تھیں اور اُن طریقوں کو بھی بیان کیا جن کی بدولت انگریزی قوم نے سیاست مدن میں ایسی ترقی حاصل کی ہے جس کے سبب سے وہ ترقی ملک کی حد پر پہونچ گئی ہیں اور اسی طرح مَیں نے اس کتاب میں اُمت اسلامیہ کے اُن قدیمی حالات کو بیان کیا ہے جن سے اس قوم کے کمالات اور فضائل کی وہ کیفیت معلوم ہوتی ہے جو اُس زمانہ میں تھی جب کہ احکام شریعہ اپنے اپنے موقع پر جاری تھے اور جملہ معاملات اپنے اپنے طریقہ سے برتے جاتے تھے اور انگریزی قوم کے تمام معاملات نظم ونسق اور طریقہ سیاست اور تمدن کو مَیں نے اس غرض سے بیان کیا ہے کہ مسلمان لوگ بھی اُن میں سے جن باتوں کو اپنے حسب حال اور اپنے حق میں بہتر دیکھیں اُن کو اختیار کر لیں اور جو باتیں ہماری شریعت کے مخالف نہیں ہیں بلکہ مساعد ہیں اُن کو اپنے برتاؤ میں داخل کریں تاکہ وہ شاید اس تدبیر سے پھر اپنے اُن کمالات کو حاصل کر لیں جو کسی زمانہ میں ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں اور شاید ہم اس ذریعہ سے اپنے ہاں کی اس تفریط کے گرداب سے نجات پاویں جو آجکل لوگوں میں پھیل رہی ہے اور علاوہ ان باتوں کے اور بہت سی عقلی اور نقلی باتیں اس کتاب میں ایسی ہیں جن کو دیکھنے والا نہایت شوق سے دیکھے گا اور اس کتاب کا نام اقوم المسالك في معرفة احوال الممالك رکھا ہے (یعنی نہایت سیدھی راہ مملکتوں کا حال دریافت کرنے کے باب میں) اور اس کتاب کو میں نے ایک مقدمہ اور دو حصوں پر منقسم کیا ہے اور اس کے ہر ایک حصہ میں متعدد باب ہیں اور اللہ کی ہدایت سے مجھ کو توقع ہے کہ وہ سیدھے راستے مجھ پر کھول دیگا اور چونکہ ایسے مشکل کام کا سرانجام میری بساط سے بڑھکر تھا اس لیئے مجھ کو علماء اور فضلاء سے اس بات کی اُمید ہے کہ وہ میری خطا سے چشم پوشی فرماوینگے اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو کام صدق نیت اور خلوص قلب سے کیا جاتا ہے اُس میں کامیابی عطا کرنے کا خود اللہ ہی کفیل ہو جاتا ہے۔

ترجمہ مقدمہ کتاب کا

جب ہر چیز کا اصلی سبب اُس کے وجود پر مقدم ہوتا ہے تو اُس سبب کو کتاب میں بھی بیان کرنا

زیبا معلوم ہوتا ہے اور مجھ کو یہ بات منظور نہیں ہے کہ مَیں اِس کتاب کے سبب تالیف کا اظہار
صرف اُسیقدر کافی سمجھوں جس قدر کہ مَیں نے خطبہ میں ایماءً بیان کر دیا بلکہ مَیں اُس کی تصریح اِس
موقع پر بھی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ جو بات مجھ کو اِس مقدمہ میں بیان کرنی منظور ہے اُسکی بنا
یہی سبب تالیف ہے چنانچہ کہتا ہوں میں کہ اِس کتاب کے تالیف کرنے اور اس میں مطالب
مذکورہ بالا کے بیان کرنے کی ضرورت مجھ کو دو وجہ سے معلوم ہوئی اگرچہ اُن دونوں وجہوں کا
مآل واحد ہی ہے ایک تو ان میں سے غیرت دلا کر برانگیختہ کرنا غیرت دار عقلمند عالم صاحب ثروت
اہل سیاست مسلمانوں کا اِس بات پر کہ وہ ذرا ہوشیار ہو کر اُن وسیلوں کو دریافت کریں جن کے
سبب سے مُسلمانوں کی یہ حالت آیندہ اصلاح پذیر ہو اور جن کے سبب سے اُن کے علم وفضل اور
طریق تمدن وغیرہ میں ترقی ہو اور جن کی بدولت اُن کی ثروت اور عزت کے سامان مہیا ہوں
مثلاً تجارت یا زراعت یا صناعی اور دستکاری کے کام رونق پکڑیں اور ان سب کاموں کے
اسباب اُن کے لیئے پیدا ہو جاویں اور جن باتوں سے اُن پر ذلت اور افلاس چھا رہا ہے وہ
سب رفع ہو جاویں اور ایسی بہبودی کی باتوں کی جو حقیقت میں انتظام ملکی اور طرق سیاست کی
اصلاح ہے کہ اُس اصلاح سے امن پیدا ہوتی ہے اور امن سے دلوں کی آرزوئیں بڑھتی ہیں اور
آرزو پیدا ہونے سے کام مضبوط ہوتا ہے جیسا کہ ہم سب لوگ ممالک یورپ میں آنکھوں سے
مشاہدہ کرتے ہیں اور جس کا بیان ہم نہیں کرسکتے اور دوسری بات جو اِس تالیف کا باعث ہے
اُن غافل لوگوں کا ہوشیار کرنا اور متنبہ کرنا ہے جو ایک اچھی بات کو بھی صرف اِس خیال سے
نہیں اختیار کرتے کہ وہ ظاہراً اُن کی شریعت میں نہیں ہے اور اِس غلط خیال کا منشا یہ ہے کہ
وہ دوسرے مذہب کے لوگوں کی جملہ باتوں کو اِسی قابل سمجھتے ہیں کہ اُن کو ترک کیا جاوے خواہ وہ
باتیں کسی قوم کی عادات میں سے ہوں خواہ تدبیر ملکیہ سے متعلق ہوں اور وہ غافل لوگ غیر مذہب
والے کی تالیفات کو پڑھنا بھی بُرا سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اُن کے سامنے غیر مذہب
کی تالیفات یا عمدہ باتوں کی تعریف کرے تو وہ اُس شخص کو بھی بُرا بھلا کہنے پر مستعد ہو جاتے ہیں
حالانکہ یہ بات بالکل حماقت کی ہے اور سراسر خطا ہے اس لیئے کہ جو کام فی نفسہ اچھا ہو اور ہماری عقل
بھی اُسکو تسلیم کرے خصوصاً وہ کام جسکو کبھی ہم لوگ ہی کیا کرتے تھے اور غیروں نے اُسکو ہم سے ہی
اُڑا لیا ہے تو ایسے کام سے انکار کرنے اور یا اُسکو چھوڑ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ جب وہ
کام کسی زمانہ میں ہماری ہی قوم کے عملدرآمد میں تھا تو ہمکو ایسے کام کے پھر حاصل کرنے میں

نہایت شوق اور تمنا ظاہر کرنی چاہیئے اور گو یہ بات مسلم ہے کہ ہر اہل مذہب اپنے مذہب کے سامنے دوسرے کے مذہب کو ضلالت خیال کرتا ہے لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ غیر مذہب والے کی دنیوی باتیں بھی بُری ہو جاویں یا جو کام مصلحت ملکی کے لحاظ سے اُس نے کیا ہے وہ بھی ضلالت ہو جاوے اور ہمکو اُن کاموں میں غیر مذہب والی قوم کا اتباع ممنوع ہو دیکھو انگریزوں کا ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی قوم کا کوئی کام اچھا دیکھتے ہیں فوراً اُسکے کرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ اپنی ایسی ہی باتوں کے سبب سے آج اپنی ترقی اور بلندی کے اُس رتبہ پر ہیں جس کو سب لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور حقیقت میں ایک بڑے پڑھے دانشمند کا کام بھی یہی ہے کہ جو بات اُسکے سامنے پیش آوے خواہ وہ کسی کا قول ہو یا فعل ہو اُسکو نظر امتیاز سے تاڑ کر جانچے اور اگر اُسکو اچھا سمجھے تو فوراً اخذ کر لے اور دل سے اُسکو بہتر سمجھے گو اُس کا موجد دین کے لحاظ سے سچا ہو یا جھوٹا اس لیئے کہ حق بات کچھ لوگوں سے نہیں پہچانی جاتی بلکہ لوگ حق بات سے پہچانے جاتے ہیں اور حکمت مسلمان کے لیئے بمنزلہ ایک گمشدہ چیز کے ہے کہ جہاں کہیں اُسکو پاوے فوراً لیلے ۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل فارس محاربہ کے وقت اپنے شہروں کے گرد خندقیں کھود لیتے ہیں تاکہ دشمن کے مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رہیں ۔ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس رائے کو پسند فرما کر غزوہ احزاب میں مدینہ کے گرد خود خندق کھودی تاکہ اور مسلمان بھی اِس تدبیر پر عمل کیا کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قول کی خوبی کی طرف دیکھو قائل کے حال کی طرف مت دیکھو اور جبکہ ہمارے متقدمین نے غیر ملت کے لوگوں سے علوم منطقیہ کو نفع کی چیز سمجھ کر اپنی زبان میں ترجمہ کر لیا اور اُس کے رواج کو مستحسن جانا یہاں تک کہ امام غزالی علیہ الرحمتہ نے لکھا ہے کہ جو شخص منطق نہ جانتا ہو گویا اُس کا علم کچا ہے تو ہمکو کس چیز نے منع کر دیا ہے کہ ہم بھی اِس زمانہ میں غیر ملت قوم کی جن باتوں کو اپنے حق میں نافع اور کارآمد دیکھیں اُن کو نہ کریں اور جن باتوں کی طرف ہمکو مکائد اعداء سے محفوظ رہنے اور منفعتوں کے حاصل کرنے میں نہایت حاجت ہو اُن کو اختیار نہ کریں کتاب سنن المہتدین میں شیخ المراق المالکی نے صاف لکھا ہے کہ غیر قوم کے ساتھ جن باتوں میں مشابہت ممنوع ہے وہ صرف وُہی باتیں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں ورنہ جن باتوں کو غیر ملت کے لوگ

موافق طریقہ مندوبہ یا مباح یا واجب کے کرتے ہوں اُن کو ہم صرف اس خیال سے نہیں
چھوڑ سکتے کہ غیر ملت کے لوگوں کا بھی اُن پر عملدرآمد ہے اس واسطے کہ ہماری شریعت نے
ہمکو غیر قوم کے ساتھ اُن باتوں میں مشابہ ہونے سے منع نہیں کیا جن کو وہ قوم بھی کارخانہ
قدرت کی اجازت سے کرتی ہو اور حاشیہ درمختار میں علامہ شیخ محمد بن عابدین الحنفی نے تو
یہاں تک بہ تصریح لکھا ہے کہ جن باتوں میں مخلوق خدا کی بہتری اور ترقی ہو اگر اُن کے کرنے میں
ہم کسی غیر ملت قوم کے ساتھ بھی مشابہ ہو جاویں تو کچھ خرابی نہیں ہے اور بڑے تعجب کی
بات یہ ہے کہ جو لوگ انگریزی قوم کی باتوں کے اتباع سے سخت انکار کرتے ہیں وہ اپنی بھلائی
کی باتوں میں تو انکار کرتے ہیں اور جو باتیں اُن کے حق میں مضر ہیں اُن میں کچھ اُن کو انکار نہیں
ہے کیونکہ وہ لوگ انگریزی بُنا ہوا کپڑا پہن کر خوش ہوتے ہیں اور انگریزی اسباب گھروں میں
رکھتے ہیں اور انگریزی ہتیار اور اَور ضرورت کی چیزیں استعمال میں لاتے ہیں مگر اُن چیزوں کو
انگریزی تدبیر سے کام میں لانے میں بڑا پرہیز کرتے ہیں حالانکہ اِن باتوں سے اُن کے مُلکی
انتظام اور مُلکی ترقی میں بڑا نقصان اور خرابی پڑتی ہے اور وہ خرابی کچھ پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر
ہے اور گویا اس سبب سے اُن میں ایک عیب رہتا ہے اس لیئے کہ جب وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کے
سامان میں دوسری قوم کے محتاج ہیں تو گویا علم میں وہ اُس قوم سے پست درجہ میں اور اُن کی
ملکی ترقی میں یہ نقصان رہتا ہے کہ وہ اپنے مُلک کی پیداوار وغیرہ کے ثمرہ سے نفع نہیں اُٹھا
سکتے حالانکہ ترقی ملک کی یہی علامت اور اُس سے یہی مقصود ہے اور تصدیق اِسکی ہمارے اِس
مشاہدہ سے ہوتی ہے کہ ہماری قوم کے صنّاع لوگ اپنی صنعت اور دستکاری سے کچھ فائدہ حاصل
نہیں کرتے مثلاً جو لوگ رُوئی بوتے ہیں یا بکریوں کی اُون تراش کر درست کرتے ہیں اور سال بھر
اُسپر جان مارتے ہیں وہ اپنی سال بھر کی محنت کی پیداوار یعنی رُوئی اور اُون وغیرہ کو تھوڑی سی قیمت
پر انگریزی قوم کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں اور جب اُسی روئی اور اُون سے انگریز لوگ تھوڑے سے عرصہ
میں اپنی صناعی کی بدولت طرح طرح کے کپڑے بُن کر لاتے ہیں تو پھر وہی ہماری قوم کے لوگ جنھوں
نے اُن کو روئی دی تھی انگریزوں کو چوگنی قیمت دیکر کپڑا خریدتے ہیں غرض کہ ہمکو اپنے مُلک کی
صرف اصلی پیداوار کی قیمت مِل جاتی ہے اور کسی قسم کی ہنرمندی یا صناعی سے ہم اُس سے فائدہ
نہیں اُٹھا سکتے پس جب ہم یہ بات دیکھیں کہ ہمارے مُلک میں سے یہ چیز جاتی ہے اور یہ چیز آتی
ہے اور اِس بات کا اندازہ کریں کہ آنیوالی چیز کا خرچ اور جانے والی چیز کی آمدنی مساوی ہے تو

یہاں تک گویا خیریت ہے تھوڑا ہی سا ضرر ہے اور جب ہمکو جانے والی چیز کی قیمت کم ملے اور آنے والی چیز کی قیمت چہار چند دینی پڑی تو یقین کر لو کہ ایسا مُلک آج نہ تباہ ہوا کل تباہ ہوگا۔

حکایت

ایک نادان خداپرست اور دانا دنیادار کی

کیا عجیب بات ہے اَن ہوئی اور اَن سُنی۔ دو شخص پچھلی رات کو جنگل میں چلے جاتے تھے صبح ہونے ہی کو تھی کہ اُن کے سامنے روشنی کا ایک شعلہ نمودار ہوا۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے شعلہ میں آواز آئی کہ میں خدا ہوں میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ تب تو یہ دونوں گھبرائے اور ننگے پاؤں جوڑ آگے بڑھے۔ قدموں کو ہاتھ لگایا اور ہاتھوں کو چوما اور کہا کہ اے پیارے خدا۔ ہم تو تجھ کو ملکوں میں ڈھونڈ پھرے مگر تو تو ہمارے پاس ہی نکلا۔ اَب ہم پر مہربانی کر۔

شعلہ میں سے آواز آئی کہ تمھاری دُعا قبول ہوئی۔ کل صبح کو نور کے تڑکے تم دونوں میں سے ایک اِس پہاڑ پر اور دوسرا اِس دوسرے پہاڑ پر جو دکھائی دیتے ہیں آحاضر ہو جو تمھاری تمنّا ہوگی دی جاوے گی۔

سارا دن اور ساری رات دونوں کو بیقراری میں گذرا اور ہر ایک اپنے دل میں منصوبے کرتا رہا کہ کیا مانگوں کیا مانگوں۔ اتنے میں وقت آ پہونچا اور یہ دونوں اپنے اپنے پہاڑوں پر جا حاضر ہوئے اتنے میں جھاڑی چمکنے لگی اور خدا کی آواز آئی۔ دونوں لبیک لبیک کہہ کر چلا اُٹھے۔ جھاڑی میں سے آواز آئی جو مانگنا ہو مانگو۔ خداپرست نے کہا کہ مجھ کو اپنی محبت اور چند روزہ دنیا کی مزخرفات سے نفرت دے۔ دنیادار نے کہا کہ مجھ کو نیک کاموں کے لیئے دُنیا دے۔ خدا کے ہاں کس بات کی کمی اور کاہے کی دیر تھی۔ جو اُنھوں نے کہا وہی ہو گیا۔ وہ دونوں پہاڑ پر سے اپنے اپنے گھر آئے ایک خدا کی محبت سے نہال اور دوسرا دُنیا کی جاہ و حشمت سے مالامال۔

خداپرست خدا کی محبت میں چور تھا اور اپنے دوست دنیادار کے حال پر افسوس کرتا تھا کہ کس طرح دُنیا کے کاموں میں مصروف ہے اور اُسکو خدا کی عبادت اور زہد و تقوے سے سوا اور کچھ کام نہ تھا مگر دُنیا کی طرف سے نہایت عاجز اور ذلیل۔ کبھی کبھی زکوٰۃ دینے کا جو ثواب ہے اُس کے حاصل کرنے کی خواہش ہوتی تھی مگر مقدور نہ تھا کہ اُس دولت کو حاصل کرے۔ حج کرنے کا

شوق دل میں اُٹھتا تھا الا بے استطاعتی کے سبب سے مجبور تھا اپنی قوم کو خدا پرست ہونیکی راہ بتاتا تھا مگر بے استطاعت اور بے مقدور قوم کیا کرے - پراگندہ روزی پراگندہ دل - کسی سے کچھ بن نہیں آتا تھا ؛

اِن بیچارہ کا یہ حال کہ نان شبینہ کو محتاج - کپڑا بدن پر نہیں کہ جس سے ستر ڈھانکیں - روٹی کھانے کو نہیں کہ بدن میں عبادت کی طاقت آوے - چار ناچار شہر چھوڑنا پڑا - لوگوں سے کنارہ گزیں ہونے پر مجبور ہوا - جنگل میں جا بسیرا کیا - وحوش و طیور سے جا صحبت کو گرم کیا - دنیا اور دُنیا کے کاموں سے نفرت کی اور خدا اور خدا کی محبّت سے اُلفت کی ؛

فاقے پر فاقے ہوتے تھے مگر یہ شیر خدا کی محبت سے سیر تھے مگر جب تین تین دن کے فاقے گذرنے لگے تو مردار کھانے یا ایک ٹکڑا روٹی کا مانگنے پر مستعد ہوئے - لکڑی ٹیکتے ٹیکتے پاؤں لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے کسی گانوں گنویں میں جاتے ہیبت مبارک دیکھکر گانوں کے کُتّے پیچھے پڑتے یہ بیچارے خدا پرست کُتّوں سے بچتے بچاتے ہشت ہشت کرتے کسی کے دروازہ تک پہونچتے کسی نے دیا تو لے لیا ورنہ دوسرا دروازہ جا دیکھا جب قوت لایموت جھولی میں آیا پھر اُس سے زیادہ سوال کرنا حرام سمجھا کسی کنوئیں کے کنارہ پر بیٹھے سوکھے بھیک کے ٹکڑے چبائے کسی چلتے کنوئیں پر جا کھڑے ہوئے پانی کے دو چلو پی لیئے خدا کے نور کے شعلے سینہ میں بھڑکتے تھے مگر نکل نہ سکتے تھے جس سے دنیا روشن ہو ؛

رفتہ رفتہ اُن کی بزرگی کا شہرہ پھیلا - دُور و نزدیک کے لوگوں نے زیارت کا قصد کیا - لوگ جمع ہونیلگے - منّتیں ماننے لگے - ہر ایک نے اپنے مطلب کی دُعا منگوانی چاہی کسی نے بیٹے کی خواہش کی - کسی نے دولت چاہی کسی نے روزگار کی تمنّا کی کسی نے تجارت کی ترقی کی آرزو کی - ان کو تو دنیا کی باتوں سے نفرت تھی - لاٹھی لے سامنے ہوئے - لوگوں کو سمجھانیلگے دنیا چند روز ہے اسکے لیئے کیوں ولولہ کرتے ہو - ولولہ کے لایق تو دین کی باتیں ہیں - دُنیا کو چھوڑو اور دین کی باتیں کرو ؛

عقلمند اور نیک بخت آدمی اُن کو بہت بزرگ سمجھتے تھے - مگر اُن کی نصیحتوں سے متعجب ہوتے تھے کہ اگر سچ مچ دینداری یہی ہے تو دنیا کا کیا حال ہوگا اور دنیا کا کیونکر کام چلیگا پیغمبر کا بھی زمانہ گُذرا صحابیوں کا بھی زمانہ گُذرا کسی نے دنیا کو نہیں چھوڑا - مگر دنیا کو دین کے لیئے برتا - وہ احکام شرعی کو بجالاتے تھے - کینہ و بغض و حسد سے دل کو صاف رکھتے تھے - دغا و فریب اور جھوٹ سے بچتے تھے اور اچھے خاصے دُنیادار تھے - مولوی روم نے بھی یہی کہا ہے -

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

طوطے کی طرح اللہ اللہ جپنا اور یا ہو کبوتر کی مانند غوٹر غوں غوٹر غوں کرنا اللہ کی یاد نہیں ہے بلکہ اُس نے جو چیزیں ہمکو مرحمت کی ہیں اُن کو اُسی کے کام میں صرف کرنا خدا کی یاد ہے۔ عقل ہمکو خدا نے اس لیئے دی ہے کہ اُس کی صنایع و بدایع پر غور کریں۔ اُسکی عجایب قدرت کو دیکھیں اور اُس کے وجود ازلی و ابدی بے ضد و ند پر یقین کریں آنکھ ناک حس و حرکت اس لیئے بخشی ہے کہ ہماری عقل کے مصاحب اور مددگار ہوں نطق ہمکو اس لیئے دیا ہے کہ ہم اَوروں کو اپنے خیالات کا فائدہ پہونچاویں مال و متاع اس لیئے ہمارے لیئے مہیا کیا ہے کہ ہم خود بھی اُس سے فایدہ اُٹھاویں اور اَوروں کو بھی فائدہ پہونچاویں یہ کیسا وحشیانہ طریقہ ہے جس میں اپنی ذاتی غرض کے سوا اَور کچھ مدنظر ہی نہیں ؞

گر آں گلیم خویش بروں می برد زموج
من سعی میکنم کہ بدارم غریق را

بعضے دس پانچ سَو پچاس آدمی جو اُنہی سے بیوقوف تھے خداپرست صاحب کے گرد ہوئے دنیا کو اپنے خیال کے موافق چھوڑ چھاڑ دھونی رما مسلمان جوگی جی کے ساتھ ہو لیئے اور دُنیا کے عیش و آرام اور اُس کے کاروبار کو ترک کر کر خدا کی خیالی محبت میں سرشار ہو گئے ؞

اَب خیال کرو اِن بزرگواروں سے اِسلام نے کیا عزت پائی اور اُن کے حال سے اسلام کی صورت کیسی دکھائی دی۔ اسلام ایسا دکھائی دیا جیسے ایک ضعیف پیرمرد بزرگ پر کڑھا یا ہوا مَیلا بدن ٹوٹے دانت ہڈی پر چمڑا چمٹا ہوا کنپٹیاں ملتجی ہوئیں پیٹ پیٹھ سے ملا ہوا کمر کبھڑی ٹانگیں ٹھہری۔ ہاتھ پانوں کانپتے ہوئے لڑکھڑا لڑکھڑا لاٹھی ٹیک ٹیک ایک قدم آگے دھرا اور کپکپا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا پھٹی گدڑی پڑی ہوئی ادھر سے ران کھلی اُدھر سے چوتڑ کھلا جدھر گئے اُدھر ہزاروں مکھیاں چمٹ گئیں۔ اُدھر کُتے بھوں بھوں کر کر پیچھے پڑ گئے جس قوم کے سامنے سے نکلے اُس نے نفرت کی ہر طرف سے دُور دُور پرے پرے کی آواز سُنی اور ذلت کے لیئے مسلمان دنیا میں ضرب المثل ٹھہرے۔ سُبحان اللہ ان نادان خداپرست نے خوب اسلام کی صورت دیکھائی اور نہایت اُس کی عزت بنائی ؞

اَب دنیادار صاحب کا حال سُنیئے۔ جب وہ گھر آئے۔ دوست۔ آشنا۔ بھائی بند جمع ہوئے

لعنت ملامت کرنے لگے کہ دنیا کا لالچی ۔ دنیا کا کتا ۔ ایمان اسلام سے بے بہرہ ۔ دنیا کے عیش و آرام میں غرق اور اسی کا طالب دین کے بدلے دنیا لیکر آیا ہے ؛

یہ بیچارہ چپ اُن جاہلوں سے کیا کہے ۔ اپنے دل میں کہتا ہے کہ مینے تو نیک کاموں کے لیئے دنیا لی ہے ۔ اگر دنیا کو نیک کاموں کے لیئے برتا جاوے تو وہ تو ہزاروں زہد و تقویٰ اور جنگل میں بیٹھنے اور مالا جپنے سے بہتر ہے ؛

خدا نے جو کچھ ہم پر فرض کیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اگر ہم " واللہ لا ازید ولا انقص " کے مضمون پر یقین کریں تو صرف فرائض کے ادا کرنے سے قطعی بہشتی ہیں ۔ باقی رہی اوپر کی نیکی وہ نادان خدا پرست بننے سے حاصل نہیں ہوتی ۔ ہمکو دینداری کے لیئے دنیا کے کاموں میں مصروف ہونا چاہیئے ۔ محرمات شرعیہ سے بچنا اور مباحات شرعیہ کے مزے اوڑانا اور دنیا کو نیک کاموں میں برتنا بھی سب سے بڑی نیکی اور اصلی خدا کی عبادت ہے ؛

پھر وہ اس سوچ میں گیا کہ کسی قوم پر خدا کی خفگی اور خدا کی لعنت ہونے کی کیا نشانی ہے ۔ ہر چند سوچتا تھا کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا ۔ لوگوں سے پوچھتا تھا پر تشفی نہ پاتا تھا ۔ آخر ایک دن قرآن مجید پڑھتے پڑھتے یہودیوں کے حال میں یہ آیت اُس نے پڑھی " وضربت علیھم الذلة والمسکنة وباؤ بغضب من اللہ " یہ پڑھتے ہی وہ چلا اُٹھا کہ پالیا پالیا بے شک دنیا میں قومی ذلت خدا کے غضب کی نشانی ہے دنیا میں غریب مسکین ۔ محتاج ہر قوم میں ہوتے ہیں مگر جب قومی ذلت اور قومی مسکنت دنیا میں ہو جاتی ہے تو وہ ٹھیک نشانی خدا کے غضب اور خدا کے لعنت کی ہوتی ہے ؛

اب تو اس کا دل شیر ہوا اور ڈھارس بندھی اور کہا کہ بیشک میں نے اُس نادان خدا پرست سے اچھا کام کیا ہے میں نے تو نیک کاموں کے لیئے دنیا کو اختیار کیا ہے ۔ اب تو میں دنیا ہی سے دین کو لے لوں گا اور ایسے ایسے لنگڑے ۔ لولے ۔ بوڑھے ٹھیٹرے نادان خدا پرستوں کو کوڑی کوڑی پر خرید کر پھینک دوں گا ۔ پہ ۔ اے خدا جیسے کہ تو نے میری دعا قبول کی ہے میرے ساتھ رہ اور نیک کاموں میں دنیا کو برتنے دے ؛

اب وہ اس سوچ میں گیا کہ اس دنیا کو کیونکر نیک کاموں میں برتوں ۔ سب سے پہلے یہ خیال کیا کہ بھوکوں کو روٹی اور ننگوں کو کپڑا دو ۔ پھر اپنے دل میں کہا کہ بات تو اچھی ہے کرنی تو چاہیئے پر اس سے قومی ذلت تو نہیں جاتی جو خدا کے غضب کی نشانی ہے ؛

پھر سوچا کہ حافظ نوکر رکھکر قرآن بہت سے پڑھواؤ۔ لوگوں سے چلہ کھنچواؤ۔ ختم خواجگان کرواؤ۔ بخاری شریف کی منزلیں پڑھواؤ۔ پھر ہنسا کہ اس سے کیا فایدہ۔ ایک کا کھایا دوسرے کے پیٹ میں کب آتا ہے ؛

پھر سوچا کہ سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ مسجدیں بنواؤ اور ٹوٹی مسجدوں کی جو خدا کے گھر ہیں مرمت کے لیئے روپیہ اکٹھا کرو اور جھاڑ فانوس روشن کرو پھر ہنسا اور کہا کہ زندہ خدا کے زندہ گھر یعنی قوم کے دل ٹوٹے پڑے ہیں دل کی آنکھوں کے پھوٹ جانے سے بے نور ہو رہے ہیں مسجد کس کے لیئے بناؤں اور چراغ کس کے لیئے جلاؤں ؛

پھر سوچا کہ مکہ شریف روپیہ بھیجدو۔ وہاں کے غریبوں پر بانٹو۔ ایک ایک کے لاکھ لاکھ ملینگے روپیہ بھیجکر حاجیوں کے لیئے رباطیں بنواؤ اور خیر جاری کا ثواب کماؤ۔ پھر ہنسنے لگا کہ کیا بیوقوفی کی بات ہے جہاں شدید ضرورت ہے وہیں روپیہ خرچ کرنے سے زیادہ ثواب ہے دیکھنا چاہیئے کہ جو ضرورت مکہ میں پہلے تھی وہ اب بھی ہے یا نہیں ہمارے ملک اور ہماری قوم میں جو ضرورت ہے وہ اُس سے زیادہ ہے۔ رباطیں بنوانے اور متولیوں کی آمدنی کردینی بری نہ سہی مگر جب ہماری قوم کے گھروں پر چھپر نہیں ہیں تو مکہ میں رباطیں بنوانے سے کیا منفعت ہے ؛

ایک صاحب اُٹھے کہ اجی سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ غریبوں کو جہاز کرایہ کردو اور مکہ حج کو بھیجدو۔ اُس نے کہا کہ ہاں اپنی تو بڑی نیک نامی ہے مگر خدا کے نزدیک تو پشیمانی ہے۔ خدا نے جس پر جو بات فرض نہیں کی میں اُس پر فرض کرنیوالا ہوں ؛

بڑے خیر خواہ اور عقلمند جو تھے وہ اُٹھے کہ میاں عربی کا مدرسہ قایم کرو۔ قال اللہ وقال الرسول کا ذکر سنو۔ حدیث۔ تفسیر۔ فقہ پڑھاؤ۔ ہمارے ہاں کی معقول۔ منطق۔ حکمت۔ فلسفہ ڈوبی جاتی ہے اُسکو پھیلاؤ۔ مگر یہ شخص سوچا کہ علوم دینیہ قوم کے زیور ہیں مگر جب قوم ہی نہیں تو وہ زیور کون پہنے گا۔ پرانی حکمت اور فلسفہ کو اب کوڑی کو بھی کوئی نہیں پوچھتا اُس سے قومی ترقی اور قومی عزت کی کیا توقع ہے ؛

غرضکہ سب کی باتیں اُس نے سُنیں اور کہا کہ یہ سب مکر کی باتیں یا شیطان کا نیکی کی صورتیں جلوہ افروز ہو کر دھوکے میں ڈالنا ہے ان سب کو چھوڑو اور نیک نیت سے خدا پر بھروسا کرکے قومی عزت اور قومی ترقی کی فکر کرو اور اصلی نیک کام میں دنیا کو برتو ؛

اُس نے سمجھا کہ بھلا سب سے بڑا سبب قومی ذلت کا آپسمیں ہمدردی کا نہ ہونا ہے میری قوم

خودغرضی کی بیماری میں مبتلا ہے - اپنے فایدے کے لیئے ہزاروں محنتیں کرتے ہیں اور اچھا
کپڑا پہننے اور چین سے سونے اور ہنس ہنس کر میٹھی میٹھی باتیں بنا دینے کو تمام اخلاق اور لیاقت
کا منتہا سمجھتے ہیں - قوم کی بھلائی اور رفاہ عام کی طرف مطلق توجہ نہیں ہے اُس نے اس بیماری
کو کھونا چاہا اور فرض پنجگانہ ادا کرنے کے بعد قرآن کی تلاوت اور اوراد مندوبہ و اعمال مشایخ کے بدلے
اپنی قوت لسانی اور مراقبہ قلبی کو اس طرف متوجہ کیا خلوت میں اس بات کی فکر کی کہ یہ بیماری کیونکر
جاوے جلوت میں پند و نصایح تقریر بیان سے اسی بات کا چرچا اگرچہ بہت سی نا اُمیدیاں اُسکو
پیش آئی گئیں الّا اپنے ارادہ میں مستحکم اور ثابت قدم رہا اور یہ سمجھا کہ اس کام میں جتنا میرا وقت صرف
ہوتا ہے وہ اُس مندوب عبادت سے جس کو لوگ عبادت سمجھتے ہیں کچھ کمتر عبادت میں صرف
نہیں ہوتا ؛

اُس نے بقدر اپنی طاقت کے مسائل شرعیہ اور حقایق و معارف قرآن و حدیث پر غور کیا اُس نے
دیکھا کہ علمائے سابق نے اپنے زمانہ کے علم کے موافق بہت سی باتیں ایسی کہی ہیں جو زمانہ حال میں
بقینی غلط اور جھوٹی ثابت ہوئی ہیں اور تمام مسلمانوں نے اُن علماء کے غلط اقوال کو مثل احکام شارع
سمجھ رکھا ہے اور اس سبب سے اسلام کو یہ مضرت پہونچی ہے کہ جو لوگ زمانہ حال کے علوم سے واقف
ہوتے ہیں وہ مذہب اسلام کو غلط سمجھتے ہیں حالانکہ مذہب اسلام میں غلطی نہیں ہے بلکہ اُن علماء کے
اقوال میں غلطی ہے چند روز تک تو اُس نے اُن علماء کا بڑا ادب کیا پھر وہ سمجھا کہ علماء کے اقوال کا غلط
ہونا مذہب اسلام میں کچھ نقص نہیں لاتا اگر بالفرض ابوبکر و عمرؓ نے کسی بات میں غلطی کی ہو تو بھی مذہب
اسلام پر کچھ داغ نہیں لگتا پھر اور بیچارے مولوی ملا کس شمار قطار میں ہیں - تب اُس نے علماء
وقت کی خدمت میں رجوع کی اور ہر ایک کے آگے ہاتھ جوڑے ناک رگڑی کہ خدا کے واسطے
آپ ان غلطیوں کے رفع کرنے پر مستعد ہو جیئے - یہ بیچارہ خود جاہل صرف دو چار لفظ سے آشنا تھا
خود کیا کر سکتا تھا - مگر جب کوئی متوجہ نہیں ہوا تب اُس نے کہا کہ جو عقل خدا نے مجھکو دی ہے
اُسکو کام میں لانا اور اپنے خیالات کو دوسروں تک پھیلانا خاص میری عبادت ہے - اُس نے
ملامت کرنیوالوں کی ملامت کا ڈر نہ کیا اور اسلام کی محبت کو ابو حنیفہ و شافعی - مالک و حنبل کی
محبت سے زیادہ سمجھا اور نیک نیتی اور صرف اسلام کی محبت سے جو کیا سو کیا اور اُس کے عوض اپنے
ہم مذہبوں سے جو سنا اُسکو بخندہ پیشانی گوارا کیا ؛

اُس نے بہادرانہ طور سے مذہب کو عقل کے سامنے ڈال دیا کہ جس طرح چاہو جانچو سچا سچا ہی ہے

اُس نے مذہب کو حقایق موجودات سے موازنہ کیا اور دنیا کو یہ دکھلانا چاہا کہ خدا کا قول یعنی مذہب اور خدا کا فعل یعنی فطرت موجودات دونوں ایک ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کا مبدأ ایک ہی ہے ۔

اُس نے اپنی قوم سے تعصبات اور پابندی رسومات اور اوہام مذہبی کے جو حقیقت میں مذہب سے متعلق نہ تھے چھوڑانے پر کوشش کی تاکہ لغو خیالات سے لوگوں کے دل پاک ہوں اُس نے لوگوں کو اس بات پر رغبت دلائی کہ اچھی باتیں جن میں ہوں اُن کو لو اور بُری باتیں جن میں ہوں اُن سے پرہیز کرو جو علوم غیر قوم اور غیر مذہب کے لوگوں نے پیدا کیئے ہیں بلا تعصب سیکھو جس زبان کے ذریعہ سے وہ علم آسکتے ہوں خواہ وہ انگریزی ہو یا فرانسیسی۔ یونانی ہو یا لاطنی۔ سب کو سیکھو اور اپنی قوم میں پھیلاؤ تاکہ اُن کو عجائبات قدرت الٰہی زیادہ تر معلوم ہوں اور دنیا حاصل کرنے کی بھی لیاقت ہو ۔

صنایع و بدایع ہر قسم کے جو کسی قوم میں ہوں اُن کو اپنی قوم میں لانے کی کوشش کی تجارت کے اصول پر غیر قوموں نے عمدہ طور پر قایم کیئے ہیں اُن کی اپنی قوم میں مروج ہونے کی خواہش کی اور اِن تمام باتوں سے یہ مقصود تھا کہ قوم کی مسکنت اور اُس کے باعث سے جو ذلت ہے وہ رفع ہو اور قوم آسودہ حال ہو اور اپنی قوم کے لوگوں کو سنبھالے اور شعار اسلامی کو بجا لاسکے جس سے اسلام کو رونق ہو ۔

اُس نے خیال کیا کہ طریقہ تمدن و معاشرت اگر خراب ہے تو وہ بھی ذلت قومی کا باعث ہے اُس نے اپنی قوم کے طریقہ معاشرت و تمدن کے ادنے ذلیل درجہ سے اعلے درجہ پر تبدیل ہونے کی کوشش کی تاکہ اسلام پر سے یہ جھوٹا دھبہ کہ خرابی معاشرت و تمدن کا باعث اسلام ہے مٹ جاوے ۔

قوم کا معزز اور ذلیل نظر آنا اُن کے طریقہ لباس اور اکل و شرب اور چال چلن اخلاق اور عادات پر بہت زیادہ منحصر ہے اُس نے اُن کی درستی پر کوشش کی اور طہارت اور صفائی اور اُجلاپن اور لباس اور اکل و شرب کے طریقہ کو بہت اعلے اور عمدہ درجہ پر پہونچانا چاہا جس کے سبب سے اَور قوموں کی نظر حقارت جو اسلامی قوم کے ساتھ تھی وہ نہ رہی اُس نے خوب غور کیا تھا کہ اسلام ایک مٹی کا پتلا بن کر دنیا کے سامنے نہیں آسکتا وہ اُس کے پیرووں کی خصلت اور افعال سے دکھائی دیتا ہے پس اُن کا طریقہ زندگی ایسا عمدہ و پاک صاف کیا جاوے جس سے اسلام کی جو اصلی

صورت ہے دنیا کو نظر آوے ٭

فرض کرو کہ یہ سب خواہشیں پوری ہوگئیں تو ان کی بدولت اسلام کی کیسی صورت دکھائی دی۔ ایسی دکھائی دی جیسے ایک نورانی فرشتہ جس نے رحمت کے پر پھیلا کر تمام عالم کو اپنی رحمت سے ڈھانپا ہے۔ پس بڑی نادانی اور کم سمجھی کی بات ہے جو دنیادار کے ان کاموں کو دنیا کے کام سمجھے اور عین خدا کی عبادت نہ جانے ٭

عام تعلیم پرشیا میں

پرشیا واقع جرمنی کی عام تعلیم کی بابت ۱۸۶۱ء میں ایک رپورٹ چھپی تھی اُس کا خلاصہ ہم اس لیئے لکھتے ہیں تاکہ ہندوستان کے مسلمان جانیں کہ تربیت یافتہ قوموں میں کس درجہ تک تعلیم کی ترقی ہے ٭

۱۸۶۱ء میں پرشیا میں پچیس ہزار ایک سَو چھپن سرکاری ابتدائی سکول تھے اور آٹھ سَو تیرہ خانگی۔ جن کی کل میزان چھبیس ہزار نو سَو اُنہتّر ہوئی ٭

سرکاری اسکولوں میں ستائیس لاکھ تہتّر ہزار چار سَو تیرہ لڑکے و لڑکیاں پڑھتی تھیں اور خانگی اسکولوں میں اڑتالیس ہزار تین سو بیالیس جس کی میزان اُٹھائیس لاکھ ایک ہزار سات سو پچپن ہوتی ٭

پرشیا کے مُلک کی آبادی ایک کروڑ چوراسی لاکھ اکیانوے ہزار دو سَو بتّیس آدمیوں کی ہے اس حساب سے فی سات سو بارہ آدمیوں میں ایک سکول ہوتا ہے اور اوسط لڑکوں کا فی اسکول ایک سَو دس کے قریب پڑتا ہے ٭

اِن اسکولوں کے سوا چار سو تینتالیس چھوٹے لڑکوں کے پڑھنے کے لیئے مکتب تھے جنمیں بتّیس ہزار سات سو پینتالیس لڑکے پڑھتے تھے ٭

اعلیٰ تعلیم کے مدرسہ اس سے علاوہ ہیں مگر ۱۸۶۱ء میں کُل طالب علم جو تمام مدرسوں اور اسکولوں اور مکتبوں میں پڑھتے تھے اُن کی تعداد بتّیس لاکھ چھیانوے ہزار پانسو چھیالیس تھی۔ اور کُل مدرس چھتّیس ہزار تین سو چودہ تھے جن میں سے تینتیس ہزار تریسٹھ مرد اور تین ہزار دو سَو اکیاون عورتیں تھیں اور متوسط اور اعلےٰ مدرسوں میں نو ہزار نو سَو تیرہ مدرس تھے ٭

اُسی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۶۱ء میں اُن لوگوں میں جو فوج میں بھرتی تھے اسبات کا تخمینہ کیا گیا کہ کس قدر آدمی بن پڑھے ہیں تو معلوم ہوا کہ فی صدی دو آدمی بن پڑھے تھے مگر یہ زمانہ اَب گیا۔ اس عرصہ میں اَب اَور زیادہ ترقی تعلیم کی ہوگئی ہے۔ جب مَیں ولایت میں تھا تو ایک جرمنی عالم سے میری بہت ملاقات تھی اور اُن سے جرمنی کی تعلیم کا بہت ذکر رہتا تھا وہ مجھ سے فرماتے تھے کہ اَب پرشیا میں فی ہزار ایک آدمی بھی بن پڑھا بمشکل نکلیگا +

اَب ہندوستان کے مُسلمانوں کے حال پر خیال کرو کہ اگر اُن میں پڑھے ہوئے آدمی تلاش کیئے جاویں تو فی ہزار ایک آدمی بھی پڑھا ہوا بمشکل نکلیگا پس غور کرنے کا مقام ہے کہ ہمکو اپنی قومی ترقی اور تربیت وشایستگی کے لیئے کیا کچھ کرنا ہے +

جو حال کہ ہمنے اوپر بیان کیا اُس میں سرکاری اسکولوں اور سرکاری کالجوں کا نام آیا اُس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ اُن اسکولوں اور کالجوں کا خرچ سرکاری خزانہ میں سے دیا جاتا ہے۔ نہیں تمام اسکولوں اور مکتبوں اور کالجوں کا خرچ رعایا دیتی ہے مگر وہاں تعلیم کے باب میں ایک خاص قانون ہے اُس کے مطابق جو اسکول یا مدرسے قایم ہیں وہ سرکاری کہلاتے ہیں اور باقی خانگی۔ ورنہ حقیقت میں وہ سب رعایا کی طرف سے ہیں +

جرمنی میں جو رعایا کی تعلیم کا قانون ہے نہایت ہی عمدہ ہے مگر وہ قانون ہندوستان سے جہاں مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہیں کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا بلکہ انگلنڈ اور ویلز میں بھی اُس کے مطابق عملدرآمد ہونا نہایت دشوار ہے چہ جائیکہ ہندوستان اور اس لیئے ہماری یہ رائے ہے کہ جب تک کہ ہندوستان کی ہر ایک قوم خود آپ اپنی قوم کی تربیت کی طرف متوجہ نہ ہوگی اور خود آپ اپنی قوم کی تعلیم کا بندوبست نہ کرے گی اُس وقت تک قومی تعلیم کا ہونا غیر ممکن ہے +

جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے لغو خیالات اور بیہودہ تعصّبات میں مبتلا ہیں اور اپنی قوم کی بھلائی اور اُن کی تعلیم وتربیت کی کچھ فکر نہیں کرتے ہمارا دل جلتا ہے اور کمال رنج ہوتا ہے اُس وقت ہمارا قلم نہیں رُکتا اور زبان حال سے میر کا یہ شعر پڑھتا ہے۔

ضبط کروں مَیں کب تک آہ

چل رے خامہ بسم اللہ

اور پھر کہتا ہے جو کہتا ہے اور لکھتا ہے جو لکھتا ہے +

غیر مفید تعلیم

جو تعلیم کہ حسب احتیاج وقت نہ ہو وہ غیر مفید ہے۔ ایک عقلمند آدمی کا قول ہے کہ اگر حسب احتیاج وقت لوگوں کی تعلیم و تربیت نہ ہو تو اُس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ لوگ اوّل مفلس اور محتاج اور پھر نالایق اور کاہل اور پھر ذلیل و خوار اور پھر چور و بدمعاش ہو جاتے ہیں ؛

پچھلی حالت تو اب تک مسلمانوں کی نہیں پہونچی مگر اسی طرح زمانہ چلا گیا تو بہت جلد یہ نوبت بھی آجاوے گی مگر اور سب باتیں تو فضل الٰہی سے ٹھیک ٹھیک پوری ہو گئی ہیں اب یہ بات دیکھنی چاہیئے کہ یہ حالت مسلمانوں کی درحقیقت اسی سبب سے ہوئی یا نہیں مفلسی کا اصلی سبب جہل ہے اور غیر مفید علوم کا عالم اور جاہل دونوں برابر ہیں اس لیئے کہ اُن سے نہ لوگوں کو کچھ فائدہ ہوتا ہے اور نہ وہ خود کچھ اپنا بھلا کر سکتے ہیں ؛

بالفعل جو علوم کہ مسلمانوں میں مروج ہیں وہ بلاشبہ غیر مفید ہیں اور حسب احتیاج وقت نہیں اور یہی باعث اُن کی مفلسی اور محتاجی کا ہے چنانچہ ہم اُن علوم کا مختصر ذکر اس مقام پر کرتے ہیں ؛

عِلمِ دین - اہل مذہب کے لیئے علم دین کبھی وقت غیر مفید نہیں ہو سکتا اس لیئے کہ خود اُس کی ذات کو ہر وقت اُس کی احتیاج ہے ہاں اُس کے مفید یا غیر مفید ہونے سے اُسوقت بحث کی جا سکتی جبکہ اُس کے فائدہ کا متعدی کرنا یا غیر مذہب والوں کے حملہ سے اُس کی حفاظت منظور ہو مگر جو طریقہ تعلیم دینیات کا مسلمانوں میں بالفعل رایج ہے وہ ان دونوں پچھلی باتوں میں سے ایک کے لیئے بھی مفید نہیں یونانی فلسفہ کا تو زمانہ جس کے مقابلہ کے لیئے علم کلام نکالا تھا گیا مگر جو اعتراضات تاریخی اور علمی مذہب اسلام پر زمانہ حال میں وارد کیئے جاتے ہیں اُن کا جواب تو درکنار شاید اُن کے سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں ہے اس لیئے کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ حال میں دینیات کی تعلیم بھی مسلمانوں میں مفید طریقہ پر نہیں ہے ؛

عِلمِ لسان - اس علم سے سات علم متعلق ہیں - لغت - صرف - نحو - معانی - بیان - بدیع - انشاء - یہ سب علوم اکثر بزبان عربی اور کبھی بزبان فارسی مسلمانوں میں پڑھائے جاتے ہیں مگر یہ سب علوم فی نفسہ کچھ علوم نہیں ہیں بلکہ حصول علم اور اُس کی تدوین اور اُس کے بیان

کے لیئے آرہیں پس اگر علم لسان ذریعہ حصول علوم مفیدہ نہیں ہے تو محض بیفایدہ ہے عربی زبان اس زمانہ میں بجز علم دین کی شق اوّل کے اور کسی قسم کے مفید علوم حاصل کرنے کے لیئے ذریعہ نہیں ہے اور اس لیئے سوائے ایک حالت کے اَور تمام حالتوں میں وہ علوم محض غیر مفید ہیں ✚

علم منطق - یہ بلاشبہ مفید ہے مگر فی نفسہ کچھ مفید نہیں بلکہ جب اور علوم مفیدہ کے شامل استعمال کیا جاتا ہے جب مفید ہوتا ہے مگر مسلمانوں میں دو وجہ سے یہ علم بھی غیر مفید ہو گیا ہے اوّل اس لیئے کہ کسی علم مفید کی تعلیم ہی نہیں رہی جس کے ساتھ استعمال میں آنے سے اس علم کو مفید قرار دیا جاوے دوسرے اس لیئے کہ اس علم کے اصول نہایت مختصر ہیں جو بکارآمد ہیں مسلمانوں نے اسکو اسقدر غیر مفید طول دیا ہے کہ ایک عمر تصور و تصدیق ہی کی بحث میں گذر جاتی ہے اور نہ کسی کا تصور ہوتا ہے نہ کسی کی تصدیق اور اس لیئے اسکو خود غیر مفید کر دیا ہے ✚

علم طبعی الٰہی - ایک فقرہ ایک لفظ ایک حرف اس علم کا اس زمانہ میں مفید نہیں نہ دین کے کام کا نہ دنیا کے بقول شخصے - نہ لیپنے کا نہ پوتنے کا ✚

عِلم حساب - عِلم هندسه - یہ دونوں علم بلاشبہ نہایت مفید ہیں مگر مسلمانوں میں ان کی تعلیم جس قدر مروج ہے وہ کچھ بھی مفید نہیں - بڑے سے بڑے عالم وحید العصر اور فرید الدہر جناب مولوی صاحب وقبلہ کو لے لو - تحصیلی مکتبوں کا ہوشیار لڑکا ان دونوں علموں کو اُن سے بہتر و مفید تر جانتا ہوگا پس جس مقدار سے کہ یہ علوم مسلمانوں میں مروج ہیں اور عمل تقسیم تک خلاصتہ الحساب پڑھ لینے اور تحریر اقلیدس کا مقالہ اوّل ختم کر لینے پر فضیلت کی پگڑی بندھائی جاتی ہے محض غیر مفید ہیں ✚

علم هیئت - ایک اصول اور ایک مسئلہ اس علم کا جو عربی زبان میں ہے صحیح نہیں - من اوّلہ الی آخرہ غلط اور خلاف واقع ہے پس جو چیز کہ غلط اور خلاف واقع ہے وہ کبھی مفید نہیں ہو سکتی پس شرح چغمینی اور مجسطی پڑھنے سے کیا نتیجہ مفید حاصل ہو سکتا ہے ہاں البتہ جہل مرکب ترقی پاتی جاتی ہے ✚

علم آلات - ہم کیوں اس کا تذکرہ کرتے ہیں اس لیئے کہ مسلمانوں میں مروج ہی نہیں مگر دیکھنا چاہیئے کہ یہ علم مسلمانوں میں ہے بھی یا نہیں جب ہم تلاش کرتے ہیں تو بڑے بڑے عالموں کے کتب خانے میں چند ورق کا رسالہ جر ثقیل اور دو یا تین صفحہ کا رسالہ عمل کرہ اور

بیس باب کا رسالہ اصطرلاب پاتے ہیں اور جب اَور زیادہ تلاش کرتے ہیں اور مُلکوں مُلکوں میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں تو ایک عربی نام اور کتاب "آلات رصد برجندی" پاتے ہیں مگر پھر پوچھنا پڑتا ہے کہ اسکو کوئی جانتا ہے تو اُس گھسیارہ کے منشی کی طرح جو دیکھتا ہے وہ روتا ہے بہرحال اگر اُن کو کوئی جاننے والا دیکھے بھی تو زمانہ حال کے آلات کے مقابل میں محض لغو اور بیہودہ اور غیر مفید خیال کرے ؂

علم طب۔ اس علم کا پردہ مَوت وحیات نے ڈھانک رکھا ہے۔ یعنی جتنے معالج ہیں اُن کے علاج سے لوگ مرتے بھی ہیں اور جیتے بھی ہیں مگر جب زمانہ حال کی طب اور اُس کے کمال اور اُس کی تحقیقات کا مقابلہ کیا جاوے تو ثابت ہوگا کہ علم طب جو مسلمانوں میں رایج ہے اگر اسمیں ترقی نہ کی جاوے تو اُس کی کامل فایدہ مندی نہیں ہے ؂

اَب مُسلمانوں کے علوم کی تشریح تمام ہوگئی اور بخوبی ظاہر ہوگیا کہ اُن میں کوئی علم مفید مروّج نہیں ہے اور یہی باعث اُن کی ذلت و مسکنت کا ہے پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ تعصب کو چھوڑیں اور بعد تحقیقات اور مباحثہ کے سلسلہ تعلیم مُسلمانوں کا ایسا قایم کریں جو اُن کے دین و دنیا دونوں کے لیئے مفید ہو ؂

تُرک

اسلام کا نتیجہ نیک چلن ہونا ہے اگر ہم دیکھیں کہ کسی ملک کے مُسلمانوں میں نیک چلنی نہیں ہے تو ہمکو یقین کرنا چاہیئے کہ اسلام صرف اُن کے مونھ ہی مونھ میں ہے حلق کے نیچے ذرا بھی نہیں اُترا گو اُنھوں نے اپنے تئیں کیسا ہی جبہ اور عمامہ سے مقدس بنایا ہو اور نمازیں پڑھ پڑھ کر اور تسبیحیں ہلا ہلا کر قدوس جتایا ہو ؂

اسلام جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی نیکیاں تعلیم کرتا ہے۔ نہیں نہیں جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی نیکیوں کو دل میں بٹھا دیتا ہے اُسی طرح تمدن اور حُسن معاشرت کی جو نیکیاں ہیں اُن کو بھی اپنے پیروؤں کے برتاؤ میں ایسا ملا جُلا دیتا ہے کہ کسی طرح اُس سے الگ نہیں ہوسکتیں اور بطور فطرتی عادتوں کے دکھائی دیتی ہیں اور طبیعت ثانی ہونے سے بھی بڑھکر اصلی طبیعت ہوجاتی ہیں ؂

اخلاقی اور روحانی نتیجہ اُس کا خدا ہی کو ماننا اور اُسی پر بھروسا رکھنا اور ہر حال میں اُسکی مرضی پر شاکر رہنا اور تمام مصیبتوں پر نیک دلی سے صبر کرنا ہوتا ہے اور تمدنی نتیجہ اُس کا اپنے ہم جنسوں سے

محبت کرنا اور ہر ایک کے ساتھ نیکی اور سچائی اور پوری پوری صداقت سے پیش آنا ہوتا ہے -
رحمدلی اور صدق مقال یعنی ہر بات میں سچ بولنا اسلام کا تائیل یعنی لقب ہے - دغا و فریب سے
بچنا اُس کی ڈگری یعنی اُس کا منصب ہے - اب دیکھو کہ ہندوستان کے مُسلمانوں میں کتنے ہیں
جن کا ایسا برتاؤ ہے ؛

افسوس کہ ہمنے اپنی بدچلنی سے اسلام کو کیسا داغ لگایا ہے - شہادت زُور گویا مفلس مسلمانوں کا
پیشہ ہو گیا ہے - ہندوستان کی عدالتوں میں جس وقت ہندو گواہ آتے ہیں تو منصف جج کو گو وہ مسلمان
ہی کیوں نہ ہو اِس بات پر غور کرنی پڑتی ہے کہ آیا اُس کی شہادت سچ ہے یا نہیں مگر جس وقت
مسلمان گواہ آیا اور اُس نے اپنا نام بتایا اور جج کو ظن غالب اُس کے جھوٹے ہونے کا ہو گیا جب تک
کہ کسی اَور قرینہ سے اُسکے سچے ہونے کا گمان نہو - مسلمان سودا بیچنے والے بہ نسبت اَور قوموں
کے بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں اور فریب کرتے ہیں کسی چیز کی اصلی قیمت ہرگز نہ کہینگے اور ہمیشہ
اِس بات پر قصد رہیگا کہ مشتری سے جہاں تک ممکن ہو زیادہ قیمت لیجاوے ؛

جب کہ ہم کسی قوم کے سوداگروں اور خوردہ فروشوں میں یہ بات دیکھتے ہیں کہ تمام اشیا کی
ایک قیمت خاص معین ہے وُہی کہتے ہیں اور وُہی لیتے ہیں تو ہمکو مسلمانوں کی خراب عادت یعنی
جھوٹ قیمت کہنے اور پھر چکاتے چکاتے نصف سے بھی بعض اوقات کم پر بیچنے سے کیوں نہ رنج ہو اور
ہم کیونکر نہ اِس بات کا خیال کریں کہ اسلام نے کچھ بھی اُن کے دلوں پر اثر نہیں کیا ہے ؛

اگر تمام دُنیا کے مسلمان ایسے ہی ہوتے تو بڑی مشکل پیش آتی اس لیئے کہ خود اسلام کی نسبت بہت کچھ
شُبہ پڑتا مگر نہایت خوشی کی بات ہے کہ اَور ملک کے مُسلمانوں کا حال دیکھکر یقین آتا ہے کہ اسلام
بلاشبہ روحانی اور اخلاقی اور تمدنی نیکیاں بخشنے والا ہے ؛

مسٹر جان ریسل ہوبل صاحب نے ٹرکی کے حالات میں ایک تاریخ لکھی ہے اُس میں اُنھوں نے
جو کچھ حال ترکوں کا لکھا ہے اُس کا انتخاب اِس مقام پر لکھتے ہیں تاکہ ہندوستان کے مُسلمان اُسکو
دیکھکر عبرت اور غیرت پکڑیں ؛

وہ لکھتے ہیں کہ " جس کسی نے ترکوں کے چال چلن کا حال لکھا ہے اُس نے ماں اور لڑکوں
کی محبت کا ضرور ذکر کیا ہے ماں کی شفقت اور لڑکوں کا ادب یہ دونوں باتیں طرفین کی طرف سے
نہایت مستحکم اور لازوال ہوتی ہیں اِسی کے ذریعہ سے عورتوں کو وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو فرنگستان
میں نہیں ہے عورت کو خانہ داری میں بالکل اختیار رہتا ہے ہم لوگوں میں (یعنی اہل فرنگ میں)

اگر عورت تمام عمر اُس کے حاصل کرنے کی کوشش و محنت کرے تو بھی وہ اختیار اُسکو حاصل نہیں ہو سکتا ۔

وہ کہتے ہیں کہ "کثرت ازدواج ترکوں میں اسقدر زیادہ اور ایسی عام بلا نہیں ہے جیسا کہ لوگ عموماً تصور کرتے ہیں" ۔

اُن کا قول ہے کہ "اسلام عورتوں کی طرف نہایت رحمدل ہے ۔ قرآن میں صاف لکھا ہے کہ جو کوئی نیک کام کرتا ہے اور خدا پر یقین رکھتا ہے مرد ہو یا عورت بہشت میں جاویگا" ۔

وہ لکھتے ہیں کہ "مس پارڈہ جو ۱۸۳۶ء میں ٹرکی میں تھیں اور وہ ترکوں کے زنانہ میں جایا کرتی تھیں ترکوں کے گھر کی چال چلن سے نہایت خوش تھیں اور ترکوں کی عورتوں کی نیکی اور پارسائی کی تصدیق کرتی ہیں ۔

مسٹر سی ہوایٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ میں امیروں کی عورتیں اپنے وقت کو اُسی طرح پر صرف کرتی ہیں جیسیکہ اَور دارالریاست کی عورتیں ۔ فرق یہ ہے کہ اُن کے خاندان میں اتفاق زیادہ ہوتا ہے ۔ لڑکے اپنے والدین کا ادب زیادہ کرتے ہیں اور بی بی شوہر کی زیادہ مطیع ہوتی ہے ۔ عورتوں کا دل اور اصول چلن کا نہایت کم خراب ہوتا ہے ۔ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کا بُرا دستور جاری نہیں ہے اور نہ یہ کوئی قاعدہ کی بات ہے بلکہ ایسی حالت مستثنیٰ ہے ۔ رزیل اور اوسط درجہ کے لوگوں میں بھی شاذ و نادر ایسے لوگ ملینگے جنہوں نے دو عورتوں سے شادی کی ہو ۔ نہایت درجہ کے امیر لوگوں میں بھی یہ دستور مستثنیٰ ہے ۔

مسٹر جان کارنی صاحب کیمبرج والے یہ فرماتے ہیں کہ "ترکوں کی عجیب ایمانداری کا کچھ ذکر کرنا عین انصاف ہے ۔ جب کہ میں گلیٹیا میں وارد ہوا تو میرا اسباب ایک مزدور نے اُٹھا لیا اور ہم آگے بڑھے ۔ جب ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں لوگوں کی بہت کثرت تھی تو وہ مزدور میری نظر سے غایب ہو گیا اور ہم لوگ ایک قہوہ خانہ میں گئے ۔ میں نے یہ خیال کیا کہ وہ مزدور میرا اسباب لیکر بھاگ گیا مگر سیوڈن کا رہنے والا کپتان جہاز کا جو پہلے بھی اس بندر میں آیا تھا کہنے لگا کہ ایسے کام کرنا یہاں کوئی جانتا بھی نہیں ۔ تھوڑے عرصہ میں ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ غریب مزدور اُسی راہ سے پھرا چلا آتا ہے اور گھبرایا ہوا ہر چہار طرف دیکھتا آتا ہے ۔ بازاروں میں اکثر دوکاندار اپنی دوکان اور اسباب کو کھلا ہوا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور کچھ اندیشہ نہیں ہوتا ۔ دین لین میں کوئی شاذ و نادر فریب دینے کی کوشش کرتا ہے ۔ ٹرکی یعنی روم کی سلطنت کے مختلف حصوں میں میں نے سفر کیا

اور اثنائے سفر میں غریبوں کے جھونپڑوں اور امیروں کے مکانوں میں رہا مگر کبھی ایک خرمہرہ کا بھی میرا نقصان نہیں ہوا"۔

یونانیوں نے جبکہ تریپولٹ زا مقام کی ٹرکی عورتوں پر ظلم کیا امیروں کی عورتوں کو رزیل قوم کی عورتوں میں ملا دیا۔ اُن کے مرد رشتہ دار ذبح کر ڈالے تاہم جس صبر و قناعت کے ساتھ اُن عورتوں نے اُس تکلیف کو گوارا کیا نہایت قابل تعریف کے ہے۔ خدا کی شکایات یا بیفایدہ افسوس کبھی اُن کی زبان سے نہیں نکلا۔ وہ یہی کہتی تھیں کہ خدا کی یہی مرضی ہے اور سب تکلیفوں کو نہایت صبر و شکر سے گوارا کرتی تھیں۔ ترک مرد بھی رنج و تکلیف کو نہایت صبر سے برداشت کرتے ہیں مگر ترک عورتیں تو گویا رنج و محنت کی برداشت کی روحیں ہیں"۔

اس مقام پر ہمکو کچھ ہندوستان کے شریف خاندانوں کی عورتوں کا بھی حال لکھنا مناسب ہے بلاشبہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ مسلمان شریف خاندانوں کی عورتیں جیسی نیک اور ایماندار اور خدا کی شاکر اور رنج و مصیبت میں صابر ہیں شاید تمام دنیا کی عورتوں سے سبقت رکھتی ہیں۔ خدا کی عبادت اور دل کی نیکی اور بے انتہا رحمدلی۔ والدین کا ادب۔ شوہر کی محبت اور اطاعت۔ تمام رشتہ مندوں کی اُلفت اور رنج و راحت میں اُن کے ساتھ شرکت۔ اولاد کی پرورش خانہ داری کا انتظام جس دلی نیکی اور خالص ایمانداری سے وہ کرتی ہیں بیان سے باہر ہے۔ نہایت خوشی میں بھی وہ خدا ہی کو پکارتی ہیں کہ اے خدا تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمکو یہ خوشی دی اور نہایت مصیبت میں بھی وہ خدا ہی کو پکارتی ہیں۔ اُن کی زبان پر یہ ایک مثل ہے کہ مصیبت کے وقت بھی خدا ہی کو نہ پکاریں تو کیا کریں۔ دیکھو بچے کو ماں ہی مارتی ہے پر بچہ ماں ہی ماں پکارتا ہے۔ جو جو مصیبتیں ہماری یاد میں ہندوستان کی مسلمان عورتوں پر اتفاقات زمانہ سے پڑیں اور جس صبر و شکر و قناعت اور استقلال اور خدا پر بھروسہ رکھنے میں اُنھوں نے اُسکو سہا حقیقت میں دنیا کی عجائبات میں سے ہے۔ ہماری رائے میں اسلام کی عزت جس قدر کہ ہندوستان میں رکھی ہے صرف مسلمان عورتوں نے رکھی ہے اور جب اُس کے ساتھ کافر مسلمان مردوں کا چال چلن جو اُن کے ساتھ ہے خیال کیا جاوے تو عورتوں کی نیکی ایسے درجہ پر پہونچ جاتی ہے جو حد بیان سے خارج ہے۔

ہماری رائے یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ صرف زبان سے مسلمان گننے اور ٹخنوں سے اونچا پاجامہ اور بیچ کے گریبان کا کُرتا اور گول عمامہ پہننے اور صف نماز پڑھ لینے

دل خوش کر لینے اور صرف دن بھر کا فاقہ کر کر شام کو لذیذ چیزوں اور نفیس شربتوں سے افطار کرنے ہی کو اسلام نہ سمجھیں بلکہ اُس کے ساتھ اُن تمام نیکیوں پر بھی خیال کریں جو اسلام کے نتیجے ہیں اور جب تک کہ انسان کے افعال اور خواہش اور معاملات اور اخلاق اور تمدن اور معاشرت میں اُن کا ظہور نہیں ہوتا اُس وقت تک ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسلام نے اُن میں کچھ اثر کیا ہے ؞

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

خدیو مصر کی محلسرا

جبکہ ہم یہ خواہش کرتے ہیں کہ ہم اپنے بھائیوں کو غیر قوم کے اُن خیالات سے مطلع کریں جو وہ ہماری زندگی بسر کرنے کی نسبت رکھتے ہیں تو ہمکو نہایت مشکل پیش آتی ہے اس لیئے کہ تربیت یافتہ قومیں جس طرح اپنی زندگی بسر کرتی ہیں اُن سے ہمارے بھائی ہند واقف نہیں ہیں اور یہ بھی بڑے شکر کا مقام ہے کہ غیر قوم کے لوگ بھی بخوبی اِس بات سے واقف نہیں ہیں کہ ہم لوگ کس طرح اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اگر واقف ہوتے تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ وہ اَور بھی کس قدر زیادہ حقارت اور ذلت کی نظر سے ہمکو دیکھتے ؞

ہم لوگ روپیہ خرچ کرنے میں مہذب قوموں سے بہت زیادہ فضول خرچ ہیں ہم کچھ روپیہ خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتے ہمارے اخراجات زندگی بسر کرنے کے اُن مہذب قوموں کے اخراجات سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اگر ہم ہندوستان کے کسی نواب یا راجہ یا مسلمان امیر یا متمول ہندو کے اخراجات کا تخمینہ کریں تو بلاشبہ مہذب قوم کے اُسی درجہ کے امیروں سے زیادہ نکلیگا مگر افسوس اسپر آتا ہے کہ باوجود اِن سب باتوں کے مہذب قوم کے لوگ فرشتوں کی مانند صفائی اور لطافت اور خوبی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور ہم مانند ایک نہایت کچیلے جانور کی بہت لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یورپ کی قوموں کی طبیعت میں ایک قدرتی صفائی اور لطافت ہے اور ایشیا کی قوموں کی طبیعتوں میں قدرتی کثافت اور غلاظت ہے یہ بھی ایک دلائے ہے کہ ایشیا کی قوموں کی رسومات مذہبی ایسی ہیں جو انسان کی طبیعتوں کو کثافت کا عادی کر دیتی ہیں ؞

مگر یہ رائے کسی طرح تسلیم نہیں ہوسکتی اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ انسان کے مہذب ہونے کے لیئے آب وہوا اور موقع ملک کو بہت بڑا دخل ہے مگر ایشیا کا ملک یا ہندوستان ایسا نہیں ہے جو وہاں کے باشندوں علی الخصوص مسلمانوں کو تہذیب میں ترقی کرنے کا مانع ہو۔ مذہب اسلام جبکہ وہ تعصبات اور توہمات سے جن نے ہندوستان میں اُسکو نسبت اور مُلکوں کے بھی زیادہ گھیر لیا ہے پاک صاف ہو تو وہ انسان کے مہذب ہونے کا خود ذریعہ ہے۔ چہ جائیکہ وہ مارج یا مزاحم ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ تربیت اور عادت کو بہت بڑا دخل ہے ہماری تربیت ایسے ناقص طریقہ پر ہوتی ہے جس کے سبب سے ہماری طبیعتوں میں صفائی اور نفاست نہیں رہتی ؛

ابراہیم پاشا خدیو مصر کا بڑا بیٹا جبکہ چھوٹا تھا تو اُس کے باپ اسمٰعیل پاشا خدیو مصر نے یہ تدبیر سوچی کہ اُس کی پرورش یوروپین عورتوں کے ذریعہ سے ہو تاکہ اُسکو بچپن ہی سے صفائی اور مہذب قوموں کی مانند زندگی بسر کرنے کی عادت پڑے۔ حقیقت میں یہ تدبیر نہایت عمدہ اور نہایت دانشمندی کی تھی چنانچہ اُس نے لنڈن سے ایک عورت کو جس کا نام ایملین لاٹ تھا اس کام کے لیئے نوکر رکھکر بلایا اور وہ چند روز ابراہیم پاشا پر نوکر رہی جبکہ وہ اپنے ملک میں واپس گئی تو اُس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "حرم لیف" رکھا ہے یعنی محلسرائے کی رہنے والی بیگمات کی زندگی بسر کرنے کا حال۔ ہم اُس کتاب سے بالفعل مفصلۂ ذیل مضمون منتخب کرکے لکھتے ہیں اور آیندہ اَور بھی لکھینگے اور اُمید کرتے ہیں کہ ان حالات سے ہمارے بھائیوں کو غیر قوم کے خیالات کا کچھ حال جو وہ ہماری زندگی بسر کرنے کی نسبت رکھتے ہیں معلوم ہوگا ؛

وہ لکھتی ہے کہ "جب میں محلسرائے میں داخل ہوئی تو مجھ کو ایک کمرہ رہنے کو ملا مگر اُس کمرہ کا سامان ایسا خراب تھا جسے دیکھکر مجھے کمال نفرت ہوئی وہ کمرہ خود بھی نہایت چھوٹا اور خراب تھا اور کچھ بھی سامان اُس میں نہ تھا۔ ہمارے مُلک (یعنی لنڈن) کی اشراف بی بیوں کے ہاں جو عورتیں مزدوری کرنے کو آتی ہیں وہ بھی ایسے کمرہ میں دو رات بھی بسر نہ کریں گی۔ اُس کمرہ میں نہ بیٹھنے کے لیئے کوئی کُرسی تھی اور نہ لکھنے کے لیئے کوئی میز تھی اور نہ کپڑا پہننے کے لیئے کوئی علیحدہ جگہ تھی" ؛

مذکورہ بالا تحریر سے یہ بات معلوم ہوگی کہ مہذب قوم کے لوگ کم درجہ کے بھی اپنے رہنے کے کمرہ میں کن چیزوں کو اشد ضروری سمجھتے ہیں اور لکھنے اور پڑھنے کے سامان نہ ہونے سے

کیسا تعجب کرتے ہیں ؛

وہ لکھتی ہے کہ " اُس کمرہ کے پلنگ کا بچھونا ایسا خراب اور سخت مثل تخت کے تھا کہ ہمارے وطن (یعنی انگلنڈ) میں اگر نہایت غریب گنوار کی چھوٹی سی جھونپڑی میں بھی ایسا بستر ہوتا تو اُس جھونپڑہ کی بے عزتی ہوتی ۔ مجھ کو اپنے وطن کے گھر کا خیال آتا اور خدیو مصر کے محل میں آنے کا نہایت ہی افسوس ہوتا ۔ ہر دم یہی کہتی تھی کہ اگر نہ آتی تو بہتر ہوتا ؛

اُس کمرہ میں نہ تو کوئی سنگار میز تھی اور نہ اُن لوازمات ضروری میں سے کوئی چیز تھی جو عورتوں کی خوابگاہ میں ہونی چاہیئے ۔ پھول سجانے کے لیئے کوئی گلدان تک نہ تھا " ؛

مذکورہ بالا فقرہ سے تفاوت خیالات بخوبی واضح ہوتا ہے کہ مہذب قوم کے ادنےٰ لوگ بھی جن چیزوں کو ضروری سمجھتے ہیں ہم کو اُن کا کبھی خیال بھی نہیں آتا ؛

وہ لکھتی ہے کہ " البتہ اُس کمرہ میں قالین بچھا ہوا تھا اور کھڑکی کے پاس مشجر سے منڈھی ہوئی ایک کوچ رکھی ہوئی تھی ۔ سب سے بڑی عجیب چیز جو اُس میں تھی وہ کپڑے رکھنے کی دراز دار الماری فرانس کی بنی ہوئی تھی اور گویا یہ خاص خاطرداری کے لیئے تھی کیونکہ روم اور مصر کی عورتیں پہننے کے کپڑے بخاریوں میں رکھتی ہیں جو دیواروں میں مثل طاق کے بنتی ہیں " ؛

وہ لکھتی ہے کہ " بیگمات کے بیٹھنے کے دو کمرے تھے اُن میں نہایت عمدہ قالین بچھے ہوئے تھے مگر جا بجا سفید چربی کے داغ پڑے ہوئے تھے ۔ سبب یہ تھا کہ بے تمیزی سے لونڈیاں ہاتھوں میں شمعیں جلا کر لیئے ہوئے اِدھر اُدھر پڑی پھرتی ہیں اور چربی کی بوندیں قالین پر ٹپکتی جاتی ہیں اور وُہی بچھا رہتا ہے ۔ دیواروں کے پاس مشجر کپڑے سے منڈھی ہوئیں کوچین بچھی تھیں اور بیچ دیوار میں بہت بڑا آئینہ زمین سے چھت تک کا لگا ہوا تھا ۔ چھت نقش و نگار سے آراستہ تھی ۔ بیچ میں سنگ مرمر کی ایک میز جسکے پایوں پر گلٹ کا کام تھا رکھی ہوئی تھی اور اُس کے چاروں پایوں پر آٹھ آٹھ بتی کے چار جھاڑ چاندی کے جن میں سُرخ رنگ کی فانوسیں چڑھی ہوئی تھیں رکھے ہوئے تھے ۔ تمام مکان میں تصویر رکھی نہ تھی کچھ سامان بے ترتیب رکھا ہوا تھا اور بہت سی چیزیں وہاں نہ تھیں جن کی درحقیقت مکان کی آراستگی کے لیئے ضرورت تھی ۔ کافی رکھنے کی چھوٹی بقدر رکابی کے گول میزوں پر سیپ کی پچی کاری بہت خوبصورت تھی مگر جو کہ میری نظر میں اپنے وطن کے امیروں کے ڈرائینگ روم کی سجاوٹ

اور غمگی سامان کی سمائی ہوئی تھی۔ اس لیئے یہ سب چیزیں نہایت حقیر معلوم ہوتی تھیں۔ غرضکہ محلسرائے کا یہ حال تھا کہ کہیں کوئی چیز ہے اور کہیں نہیں ہے اور ایسا مکان معلوم ہوتا تھا کہ جیسا چاہیئے ویسا آراستہ نہیں ہوا" ⁂

مجھے افسوس ہے کہ املین لاٹ نے ہندوستان میں آکر کسی ہندوستان کے نواب یا راجہ کی نوکری نہیں کی اگر ہندوستان کی محلسراؤں کا حال دیکھتیں تو اور بھی زیادہ خوش ہوتیں ⁂

یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اُس زمانہ سے جس کا حال املین لاٹ نے لکھا ہے مصر اب بہت زیادہ ترقی پر ہے اور یورپ سے زیادہ اختلاط ہونے کے سبب تہذیب و شایستگی میں اُسنے بہت ترقی کی ہے ⁂

مُصلحان معاشرت مسلمانان

ہم سے پہلے بھی ایسے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی طرز معاشرت و طریقہ تمدن میں ترقی کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہوئے ہیں اُن کا کچھ مختصر حال لکھنا مسلمانوں کی واقفیت کے لیئے بہتر ہوگا ⁂

اوّل

سلطان محمود خاں مرحوم سلطان روم

یہ بادشاہ ۱۸۰۸ء میں تخت پر بیٹھا اور ۱۸۳۹ء میں فوت ہوا ⁂

ہماری رائے میں مسلمانوں میں سب سے اوّل یہ سلطان ہے جس نے مسلمانوں کے اخلاق اور طریق معاشرت میں تہذیب شروع کی۔ تعصبات مذہبی کو جو درحقیقت اخلاق محمدی کے برخلاف تھے بالکل چھوڑ دیا۔ اپنے تمام مختلف مذہب کی رعایا کو اجازت دی کہ مطابق اپنے مذہب کے اپنی اپنی رسومات مذہبی ادا کریں۔ خود عیسائی گرجاؤں کی جو اُسکے ملک میں تھے مرمت کرادی جبکہ اُس نے رفاہ عام کے کاموں میں ایک لاکھ پیاسٹر (یہ ایک ٹرکی سکہ چاندی کا ہے) بانٹے تو گریک اور ارمنی چرچوں کو بھی برابر حصہ دیا ⁂

اپنے ملک میں اسکول مقرر کیئے اور کل مذہب کے لوگوں یہودی۔ عیسائی۔ مسلمان سب کو

برابر بلا تعصب تعلیم دینی شروع کی ÷

سیتلا کی بیماری موقوف ہونے کے لیئے ٹیکا لگانے کا نہایت خوبی سے رواج دیا شفاخانے مقرر کیئے جس میں فرنچ ڈاکٹر کام کرتے تھے۔ ڈاکٹر ڈس گالیر صاحب لکچر دیا کرتے تھے اور سلطانی حکیموں کو حکم تھا کہ وہ بھی اُن کا لکچر سُننے کو حاضر ہوا کریں ÷

سنہ ۱۸۳۰ء میں اس سلطان نے غلامی کے رواج کو جو محض خلاف شرع جاری تھا موقوف کردیا اور تمام گرکیے جو بطور غلامی پکڑے گئے تھے چھوڑدیا اور غلام آزاد کردیئے کیونکہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق اور خصوصاً آیت انما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم اور آیت فاما منا بعد واما فداء کے حکم کے مطابق کوئی شخص کسی کا غلام نہیں ہوسکتا ÷

اسی بادشاہ کے عہد میں تُرکی زبان میں اخبار شروع ہوا اور پانچویں نومبر سنہ ۱۸۳۱ء کو پہلا اخبار چھپا جس کا نام **تقویم وقایع** رکھا گیا تھا ÷

ترک ایسے جاہل اور بیجا تعصب مذہبی میں مبتلا تھے کہ علم تشریح انسان سیکھنے کو بھی تصویر کا بنانا جایز نہ سمجھتے تھے۔ سلطان نے خود اپنی تصویر بنوائی اور سرجری سکول قایم کیا جو دوسری جنوری سنہ ۱۸۳۲ء کو کھولا گیا تھا اور حُکم دیا کہ کتب تشریح مع تصاویر تصنیف کی جاویں اور چھاپی جاویں اور پڑھائی جاویں ÷

اس سُلطان نے ترکوں کا لباس اور طریق زندگی درست کرنے میں بڑی کوشش کی وہ خوب جانتا تھا کہ مہذب قوموں کے سامنے عزت حاصل کرنی اور حقارت سے نکلنا اور برابر کی مُلاقات اور دوستی رکھنی بغیر اس کے کہ لباس اور طریقہ زندگی نہ درست کیا جاوے بالکل ناممکن ہے ÷

اس نے دفعتاً اپنی سپاہ کی وردی بدل دی اور بالکل انگریزوں کی سی کردی صرف ٹوپی کا فرق تھا۔ ڈاکٹر والش صاحب لکھتے ہیں کہ ترکی کی زمین پر قدم رکھتے ہی پہلی چیز جو میں نے دیکھی اور جس نے مجھ کو حیران کردیا وہ تعلیمیافتہ اور خوبصورت وردی پہنی ہوئی شکل سپاہیوں کی تھی اور افسر فوج کے ولنگٹن کوٹ اور پتلون اور بوٹ پہنے ہوئے تھے ÷

اس سلطان نے خود بھی ترکی لباس اور دسترخوان پر پایا پائیدار خوان پر کھانا رکھکر ہاتھ سے کھانا ترک کردیا اور لباس میں کوٹ پتلون اور سُرخ ٹوپی جو فیس کہلاتی ہے پہننی شروع کی ÷

میز و کرسی پر چمچہ اور چھری اور کانٹے سے کھانا شروع کیا ڈاکٹر والش صاحب نے سلطان محمود کو دیکھا تھا کہ وہ لکھتے ہیں کہ سلطان کی یورپین پوشاک اور یورپین طریقہ تناول طعام اور خوبی اوصاف اور شایستگی عادات میں اور ترکوں کی قدیم جہالت اور ناشایستگی میں آسمان و زمین کا فرق ہے ؛

اس بادشاہ نے جو نصیحت اور تدبیر مملکت اپنے جانشینوں کے لیئے چھوڑی تھی وہ یہ ہے کہ سب کو برابر پناہ اور حقوق ہوں مسلمان پہچانے جاویں اور لوگوں سے صرف مسجدوں میں اور عیسائی صرف گرجاؤں میں اور یہودی صرف سنیگاہیں ؛

یہ تھے اصلی اصول اسلام کے جب سلطان محمود نے عمل کرنا شروع کیا تھا اور ہم ہندوستان کے عالموں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ سلطان نے یہ سب کام علماء پایہ تخت کے فتووں سے کیئے تھے مگر وہ لوگ ہندوستان کے لوگوں کی طرح جاہل اور متعصب نہ تھے اس سلطان کی پورے قد کی تصویریں نے وارسیل کے پلیس میں دیکھی تھی جو پیرس دار السلطنت فرانس میں ہے اسکو یورپین لباس اور سرخ ٹوپی نہایت ہی سوہاتی تھی - خدا اسپر رحمت کرے کہ اس نے مسلمانوں کو مہذب و شایستہ بنانے کے لیئے سب سے اول کوشش کی ؛

دوم

سلطان عبد المجید خان مرحوم سلطان روم

یہ سلطان پہلی جولائی ۱۸۳۹ء کو تخت پر بیٹھا اور ۱۸۶۲ء میں فوت ہوا ؛

اس سلطان نے بالکل سلطان محمود کے طریقہ کی پیروی کی - بالکل یورپین کوٹ و پتلون اور تمام یورپین لباس پہنتا تھا صرف ٹوپی سرخ ترکی کی ہوتی تھی - میز پر چھری کانٹے چمچے سے کھانا کھاتا تھا اور تمام تعصبات کو جو مذہب اسلام کی رو سے لغو تھے چھوڑ دیا تھا اور روز بروز عیسائی قوموں سے محبت اور دوستی بڑھاتا جاتا تھا ؛

سب سے اول اور عمدہ کام جو اس بادشاہ سے بن آیا اور جس کے سبب مسلمان ہمیشہ اس کے احسانمند رہینگے تمام یورپ کی اعلےٰ سلطنتوں سے اور بخصوص انگریزوں سے خاص محبت و اخلاص پیدا کرنا تھا جس کے سبب سلطنت روم کی منجملہ یورپ کی سلطنتوں کے شمار ہوئی

اور جو عہدنامہ ۱۸۵۶ء میں یورپ کی سلطنتوں میں ہوا اُس عہدنامہ میں یہ مسلمانی سلطنت
بھی شامل ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کریمیا کی لڑائی میں جو اس بادشاہ سے اور روسیوں سے ہوئی
تھی انگریز اور فرنچ نے سلطان کی مدد کی اور اس مسلمانی سلطنت کو بچا لیا ورنہ آج دنیا میں
مسلمانی سلطنت کا نام بھی نہ ہوتا۔ پس حقیقت میں تمام دنیا کے مسلمانوں پر انگریزوں اور
فرنچوں کا مگر بالتخصیص انگریزوں کا اس قدر احسان ہے کہ جب تک مسلمانی سلطنت قایم
ہے بلکہ جب تک مسلمان دنیا میں ہیں اُس کے شکر اور مراسم احسانمندی کو ادا نہیں کر سکینگے۔
مسلمانوں کی خوش قسمتی سے سلطان کو ایک نہایت لایق اور جامع جمیع صفات وزیر ہاتھ
آیا تھا جس کا نام رشید پاشا تھا۔ اگر ہم سلطان عبدالمجید خاں کے ادب کا پاس نہ کرتے تو
اُن لوگوں کی فہرست میں جنھوں نے مسلمانوں کے حالات معاشرت میں اصلاح و ترقی کی
سلطان محمود خاں کے بعد رشید پاشا کا نام نامی اور لقب گرامی لکھتے۔ اُس نے ترکوں کے
تمام لغو اور بیہودہ تعصبات کو جن کو اُنھوں نے غلط دینداری کے رنگ میں رنگا تھا اور جو
درحقیقت مذہب اسلام سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے تھے اور جو درحقیقت مسلمانوں کے تربیت یافتہ اور
مہذب ہونے کے مانع تھے بہ خوبی غور کیا اور قرآن مجید کے استدلال و رسند سے اور نہ زید و عمرو
کی تقلید سے اُن تمام تعصبات کی تردید کی اور یورپ کے طریقوں کے اختیار کرنے کا جواز لکھا
اور سلطان عبدالمجید خاں نے اُسکو پسند کیا اور تمام علماء اور مسلمانوں میں اور تمام رعایا میں اُس کے
مشتہر کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ تمام تحریر بطور فرمان لکھی گئی جو ترکی زبان میں "ہٹ شریف" کے
نام سے ملقب ہے۔

۳- نومبر ۱۸۴۱ء کو ایک بہت بڑے عالیشان مکان میں خود سلطان اور اُسکے تمام وزراء
اور علماء اور سول و فوج کے افسر اور تمام سلطنتوں کے سفیر جو انباسٹر کہلاتے ہیں اور شیخ و
مشایخ کبار اور ہر درجہ کے امام اور گریک اور ارمنی چرچ کے بشپ جو پیٹریارک کہلاتے ہیں اور
علماء یہود جو ربی کہلاتے ہیں اور تمام اہل حل و عقد جمع ہوئے اور رشید پاشا نے وہ ہٹ شریف
پڑھا اور سب نے آمنّا و صدّقنا کہا۔ یہ دن سلطان عبدالمجید خاں کی سلطنت میں ایسا مبارک دن
تھا جس پر سے ہزار عید قربان ہونی چاہئیں۔ یہ دن نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کی قوم کی جان
تھا اور حقیقت میں رشید پاشا مسلمانوں کی قوم کی زندگی کا سبب تھا۔ خدا اُس پر
رحمت کرے۔

سلطان عبدالمجید خاں نے جو اس زور شور سے مسلمانوں کے حالات کی بہتری چاہی اور اُن کے لغو تعصبات کو جو غلط دینداری کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے دفعتاً توڑ دیا تو عام جاہل لوگوں اور اُن کٹ ملاؤں نے جن کی مثال ایسی تھی کہ۔ چارپائے بر وکتابے چند۔ اُنھوں نے بہت غل مچایا اور عوام میں ایک ناراضی پیدا ہوئی اور اُسکو کرسٹان کہنے لگے۔ مگر جب رفتہ رفتہ لوگوں کو معلوم ہوتا گیا کہ سلطان نے کیا کچھ بھلائی اور بہتری اسلام کی اور مسلمانوں کے ساتھ کی ہے تو سب لوگ دل سے سلطان کو چاہنے لگے ٭

ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ ایک دفعہ سلطان کوٹ پتلون پہنے ہوئے اور لال ترکی ٹوپی اوڑھے ہوئے گھوڑے پر سوار نماز کے لیئے بایزید کی مسجد کو جاتا تھا راستہ میں عورتوں کے غول نے بادشاہ کو گھیر لیا اور دیکھکر بہت خوش ہوئیں اور آپس میں کہنے لگیں کہ کیا ہمارا بیٹا خوبصورت نہیں ہے۔ اب اس بات سے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ سلطان کو کس قدر لوگ عزیز سمجھنے لگے تھے ٭

اس سلطان نے اپنی سلطنت میں نہایت عمدہ کام کیئے۔ انگریزوں اور فرنچ سے نہایت استحکام اور سچائی سے دوستی قایم کی۔ عدالتوں کے لیئے قوانین بنائے اور فرانس کے طریقہ پر تمام انتظام سلطنت قایم کیا ۱۸۴۶ء میں پبلک انسٹرکشن کی کونسل بنائی۔ نئی یونیورسٹی قائم کی۔ نارمل اسکول قایم کیئے اور اُس کے وقت میں اتنی ترقی ہوئی کہ قسطنطنیہ میں تیرہ اخبار فرنچ اور ترکی اور گریک زبان میں چھپنے لگے تھے ٭

ماشر الی سینی صاحب ایک فرنچ مؤرخ نے اس سلطان کے زمانہ کے حال میں لکھا ہے کہ ترک نہایت بہادر اور ذہین آدمی ہیں اور نہایت ایماندار مسلمان جو نہایت عجیب طرز پر اپنے مذہب کے ذریعہ سے اپنے چال چلن درست کرنے پر متوجہ ہیں ٭

سوم

سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم

یہ اس عہد کا بادشاہ ہے جس کی ذات مبارک سے روم کا تخت سلطنت مزین ہے خدا اُسکو اور اُس کی سلطنت کو سلامت رکھے یہ سلطان بھائی ہے سلطان عبدالمجید خاں کا

۱۸۶۲ء میں اپنے بھائی کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا ؛

اس سلطان نے سب سے زیادہ مُسلمانوں میں تربیت و شایستگی پھیلانے میں قدم بڑھایا ہے اور انگریزوں اور فرنچ اور آسٹریا سے اَور بھی زیادہ دوستی و اخلاص پیدا کیا ہے ؛ لباس میں اور طریقہ زندگی میں اپنے سابقین کی صرف پیروی ہی نہیں کی بلکہ روز بروز اُسمیں ترقی کرتا گیا۔ بے تعصبی اور سچی دوستی اور محبت کا جو اُس نے فرنچ اور انگریزوں سے پیدا کی ہے ۱۸۶۷ء میں بخوبی ثبوت ہوگیا جب کہ سلطان پیرس دارالسلطنت فرانس میں بطور مہمان کے آیا اور امپرر نیپولین کے ساتھ کھانے اور تمام جلسوں میں شریک رہا اور وہاں کی سیر و سیاحت کر کر لنڈن میں صرف دوستی اور اخلاص کے سبب ملکہ معظمہ وکٹوریا دام ظلہا سے ملاقات کرآیا اور کھانوں اور دعوتوں اور جلسوں میں شریک رہا ؛

سب سے زیادہ عزت جو سلطان نے لنڈن میں کمائی ملکہ مسلمانوں کی قوم کو بلکہ اُن کے اخلاق مذہبی کو دی وہ صرف یاد رکھنا اُس احسان کا تھا جو لارڈ پالمرسٹن نے کریمیا کی لڑائی میں ترکوں کو مدد دینے سے کیا تھا وہ عالی ہمت فیاض لارڈ جو زمانہ جنگ کریمیا میں وزیر اعظم سلطنت ملکہ معظمہ وکٹوریا کا تھا مرگیا تھا مگر اُن کی بی بی لیڈی پالمرسٹن زندہ تھی سلطان خود لیڈی پالمرسٹن کے پاس اُن کے شوہر عالی وقار کا شکر ادا کرنے گیا اور جتنی بڑی عزت کا یہ کام سلطان سے ہوا شاید آیندہ تمام عمر اُسکو ایسا دوسرا کام کرنا نصیب نہیں ہونے کا ؛

اس مقام پر ہم ہندوستان کے مُسلمانوں سے سر اسٹافورڈ نارتھ کوٹ اُس زمانہ کے سکرٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا یعنی وزیر ہندوستان کے اُس احسان کا ضرور ذکر کرینگے کہ جب سلطان لنڈن میں تشریف رکھتے تھے تو اُنھوں نے ہندوستان کی طرف سے سلطان کو انڈیا آفس میں بلایا اور ہماری طرف سے دعوت کی۔ جب میں لنڈن میں گیا تھا تو میں نے انڈیا آفس کے اُس خوبصورت بڑے ہال کو جس میں ہماری طرف سے سلطان کی دعوت ہوئی تھی دیکھا تھا اور سر اسٹافورڈ نارتھ کوٹ کا بہت بہت شکر کیا تھا ؛

پھر اُسی دوستی اور اخلاص کا استحکام ۱۸۶۸ء میں اَور زیادہ روشن ہوا کہ پرنس آف ویلز اور پرنسس آف ویلز یعنی ولیعہد ملکہ معظمہ اور ولیعہد بیگم قسطنطنیہ میں سلطان کے ہاں مہمان تشریف لے گئے اور باہم دوستی اور محبت سے جلسوں اور دعوتوں میں شریک رہے ؛

اُس کے بعد امپرس آف فرانس یعنی فرانس کے بادشاہ بیگم سلطان کے ہاں مہمان تشریف

لیگئیں اور اُسی طرح کھانے اور پینے اور دعوتوں کے جلسے رہے ✤

پھر امپرر جوزف یعنی شہنشاہ اسٹریا سلطان کے ہاں مہمان تشریف لیگئے اور چونکہ سلطان کے ملک کی اور آسٹریا کی حد بالکل پیوستہ ہے اور جا بجا ملاصق ہے اس لیئے سلطان نے حق ہمسائے کو جس کا ادب بموجب مذہب اسلام زیادہ تر ہے زیادہ عزیز سمجھا اور خاص اُسی محل میں جس میں خود رہتا تھا اپنے ساتھ شہنشاہ آسٹریا کو اُتارا۔ دن رات باہم صحبت رہی۔ کھانے پینے میں شریک رہے۔ سب ایک میز پر بیٹھکر کھاتے تھے صرف سلطان کا نماز پڑھنا اور شہنشاہ آسٹریا کا چرچ میں جانا مسلمان اور عیسائی ہونا بتاتا تھا اور اس کے سوا کچھ فرق نہ تھا ✤

گریک اور ارمنی چرچوں کے لیئے بشب اور پیٹریارک اسی طرح سلطان مقرر کرتا ہے جس طرح کہ اگر خود اُنہی مذہبوں کا کوئی بادشاہ ہوتا اور وہ مقرر کرتا اُس کے ہاں تمام عہدہ دار اعلے سے اعلے بھی بلحاظ مذہب کے عہدوں پر مقرر ہیں اور آپس میں ایسا اطمینان اور اعتماد ہے کہ سفارت کے عہدوں تک جس میں ہزاروں رازکی باتیں ہوتی ہیں عیسائی اور مسلمان سب مقرر ہیں۔ یہ کیسی عمدہ اور خوشی کی بات ہے کہ مسلمان سلطان کی طرف سے دربار حضور ملکہ معظمہ میں جو سب سے بڑا دربار ہے اور سلطان کو سب سے زیادہ تعلق اور غرض اُس عالی شان دربار سے ہے موسورس پاشا جو گریک ہے انباسڈر یعنی سفیر مقرر ہے ✤

ترکوں کی تربیت اور شایستگی اور تہذیب کا اب یہ حال ہے کہ اُن کا تمام لباس کوٹ و پتلون اور قمیص و واسکٹ بالکل یورپ کی مانند ہے ایک قسم کا فراک کوٹ ہے جو وہ استعمال کرتے ہیں اور تمام اُمرا اور شریف لوگوں کا یہی لباس ہے صرف ترکی ٹوپی جدا ہے سب نے زمین پر کا بیٹھنا چھوڑ دیا ہے میز و کرسی پر بیٹھتے ہیں۔ میز پر چھری کانٹوں سے کھانا کھاتے ہیں اُن کے مکان کی آراستگی اور طریقہ زندگی بالکل یورپین کا سا ہو گیا ہے ✤

علی پاشا وزیر سلطنت نہایت عمدہ انگریزی پڑھا ہوا ہے لنڈن میں اُس نے تعلیم پائی ترکوں کا لباس نہایت عمدہ اور خوبصورت ہو گیا ہے۔ خوش وضع پتلونیں اور پاؤں میں سیاہ نفیس انگریزی بوٹ اور سیاہ سیاہ نفیس بانات کے کوٹ اور سر پر لال ٹوپی جو فیس کہلاتی ہے نہایت خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ صفائی اور نفاست اور آراستگی مکانات بالکل یورپ کی مانند ہے۔ جب وہ لوگ اپنی ہمسایہ قوموں فرنچ اور انگریزوں میں مل کر بیٹھتے ہیں تو ہمچو اہی معلوم ہوتے ہیں اور اُمید ہے کہ روز بروز اور زیادہ مہذب ہوتے جاوینگے۔ پس ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی ہم یہی چاہتے

ہیں کہ اپنے تعصبات اور خیالات خام کو چھوڑیں اور تربیت اور شایستگی میں قدم بڑھائیں ۔

ترقی علوم

مسلمانوں میں ترقی علوم کی ایک عجیب سلسلہ سے ہوئی ہے ۔ سب سے اوّل بنیاد ترقی علوم کی جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی کہ اُنھوں نے زید ابن ثابت کو تعین کیا کہ قرآن مجید کو اوّل سے آخر تک یکجا جمع کر کر بطور ایک کتاب کے لکھ دیں چنانچہ اُنھوں نے لکھا جیسا کہ اب موجود ہے ۔

دوسری نوبت مسلمانوں کے علوم کو اُس وقت ترقی ہوئی جبکہ لوگوں نے حدیث کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اگرچہ اوّل اوّل لوگ اسکو برا جانتے تھے (اور شاید اُن کی رائے صحیح ہو) مگر دوسری صدی میں سب نے اُس کی ضرورت کو قبول کیا اور حدیثوں کو جمع کرنے اور حدیث کی کتابوں کے لکھنے کی طرف متوجہ ہو گئے ۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ سب سے اوّل کس نے اس کام کو شروع کیا بعضے کہتے ہیں کہ سب سے اوّل امام عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج بصری نے جنھوں نے ۱۵۰ھ ہجری میں وفات پائی کتاب تصنیف کی اور بعضے کہتے ہیں کہ ابو نصر سعید ابن عروبہ نے جنھوں نے ۱۵۶ھ ہجری میں انتقال کیا کتاب تصنیف کی اور بعضے کہتے ہیں کہ ربیع ابن صبیح نے جو ۱۶۰ھ ہجری میں مر گئے سب سے اوّل کتاب لکھی اور اسی زمانہ کے قریب میں سفیان بن عیینہ اور مالک ابن انس کی تصنیفات مدینہ میں اور عبداللہ ابن وہب کی تصنیفات مصر میں اور معمر اور عبدالرزاق کی تصنیفات یمن میں اور سفیان ثوری اور محمد ابن فضیل ابن غزوان کی کوفہ میں اور حماد ابن سلمہ اور روح بن عبادہ کی بصرہ میں اور ہشیم واسط اور عبداللہ ابن مبارک کی خراسان میں شایع ہوئیں ۔

تیسری نوبت مسلمانوں کے علوم کی ترقی اُس وقت ہوئی کہ بعض لوگوں نے عقاید مذہبی میں اختلاف کیا اور فرق بدع و اہوا کا شیوع ہوا اور علم کلام میں کتابیں تصنیف ہونی شروع ہوئیں پھر اسی علم کلام کو اَور زیادہ ترقی ہو گئی جبکہ تردید مسائل فلسفہ یونانیہ بھی جو عقاید اسلام کے برخلاف تھے اس میں شامل کیے گئے ۔ سب سے اوّل اس علم میں حارث محاسبی نے کتاب تصنیف کی جو حضرت امام احمد حنبل کا ہمعصر تھا ۔ اوّل اوّل علما اور اتقیا اس علم کو زندقہ و

سمجھتے تھے پھر رفتہ رفتہ اُنکی ایسی ضرورت معلوم ہوئی کہ فرض کفایہ تک نوبت پہنچ گئی ÷

چوتھی دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی خلفاء عباسیہ کے عہد میں ہوئی کہ یونانیوں کے علوم یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوئے اور مسلمانوں میں رائج ہوئے۔ اوّل اوّل ان علوم کے پڑھنے والوں پر بھی کفر و ارتداد کے فتوے ہوئے مگر چند روز بعد یہی علوم مدار فضیلت و کمال قرار پائے ÷

پانچویں دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی اُس وقت ہوئی جبکہ مسلمان عالموں نے معقول و منقول کی تطبیق کو ایک امر لازمی اور ضروری سمجھا اور یقین کیا کہ بغیر اس کے انسان کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا ÷

اس فن میں سب سے زیادہ کمال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حاصل کیا۔ اُن کی کتاب احیاء العلوم گویا سرچشمہ اس فن کا ہے۔ اگرچہ ابتدا میں امام غزالی کی نسبت بھی کفر کے فتوے ہوئے اور اُن کی کتاب کے جلا دینے کے اشتہار کیئے گئے مگر آخر کو حجۃ الاسلام اُن کا لقب ہوا اور اُن کی کتاب کو تمام عالم نے تسلیم کیا ÷

اُس کے بعد بہت کم کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں مگر اخیر زمانہ میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرف متوجہ ہوئے اور کتاب حجۃ اللہ البالغہ لکھی جو بلحاظ اُس زمانہ کے درحقیقت نہایت عمدہ اور عجیب لطیف کتاب تھی ÷

مگر اب یہ تمام وقت جن کی کہانی ہمنے بیان کی گذر گئے اور اب بڑی ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں دو طرح پر علوم کی ترقی ہو ÷

اوّل جس طرح کہ قدیم یونانی فلسفہ اور حکمت ہم مسلمانوں نے حاصل کی تھی اب فلسفہ و حکمت جدیدہ کے حاصل کرنے میں ترقی کریں کیونکہ علوم یونانیہ کی غلطی اب علانیہ ظاہر ہو گئی ہے اور علوم جدیدہ نہایت عمدہ اور مستحکم بنیاد پر قایم ہوئے ہیں ÷

دوسرے یہ کہ جس طرح علماء سابق نے معقول یونانیہ اور منقول اسلامیہ کی مطابقت میں کوشش کی تھی اسی طرح حال کے معقول جدیدہ اور منقول اسلامیہ قدیمہ کی تطبیق میں کوشش کیجاوے تاکہ جو نتایج ہمکو پہلے حاصل ہوئے تھے وہ اب بھی حاصل ہوں ÷

اس کام کے کرنے میں بلاشبہ بہت سے نادان بُرا کہینگے اور زبان طعنہ دراز کرینگے مگر ہمکو اسپر کچھ خیال کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ جن اگلے لوگوں نے ایسا کیا تھا اُن کا بھی یہی حال ہوا تھا مگر آخر کو

سب لوگ اُسی کی قدر کرینگے ؞

علوم جدیدہ

ہماری تحریروں میں اکثر لفظ "علوم جدیدہ" آتاہے۔ غالباً اُس کی مراد میں لوگوں کوشبہ رہتا ہوگا اس لیئے اُس کی تفسیر کرنی مناسب علوم ہوتی ہے ؞

واضح ہو کہ علوم جدیدہ سے تین قسم کے علوم مراد ہیں ایک وہ جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے زمانہ میں مطلق نہ تھے اور اَب حال میں ایجاد ہوئے ہیں۔ مثلاً جیالوجی اور ایلکٹرسٹی وغیرہ دوسرے وہ علوم جن کا نام تو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ میں تھا مگر جن اصول پر وہ علوم مبنی تھے وہ اصول غلط ثابت ہو کر متروک ہوگئے اور اَب نئے اصول قایم ہوئے جنکو اصول قدیمہ سے کچھ مناسبت نہیں اور بجز اتحاد نام کے اَور کچھ باقی نہیں رہا۔ مثلاً علم ہیئت اور کمسٹری وغیرہ۔ تیسرے وہ علوم جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے زمانہ میں بھی تھے اور اُن کے اصولوں میں بھی کچھ اختلاف نہیں ہوا مگر اب اُن کو کمال وسعت ہوگئی ہے کہ زمانہ حال میں بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں مثلاً میکینکس یعنی علم آلات جو ہمارے ہاں بلفظ علم جرثقیل مستعمل ہے اور علم حساب جبر مقابلہ علم ہندسہ وغیرہ۔ پس ہم اپنے ناظرین پرچہ ہذا سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ جہاں ہماری تحریر میں علوم جدیدہ کا لفظ دیکھیں اُس سے ہماری مراد اِن تینوں قسموں سے کسی قسم کو یا کل کو مجموعاً و منفرداً تصور فرماویں ؞

مقاصد تہذیب الاخلاق

ہمارے اِس پرچہ کی عمر سوا برس کی ہوئی اور تریسٹھ مضمون اس میں چھپے اَب ہمکو سوچنا چاہیئے کہ ہمکو اس سے قومی تہذیب اور قومی ترقی حاصل ہونے کی کیا توقع ہے ؞

انسان ایک ایسی ہستی ہے کہ آیندہ کی خبر اسکو نہیں ہو سکتی مگر گزشتہ زمانہ کے تجربہ سے آیندہ زمانہ کی اُمیدوں کو خیال کر سکتا ہے۔ پس ہمکو اس پرچہ کی بابت آیندہ زمانہ کی پیشین گوئی کرنے کے لیئے پچھلے حالات اور واقعات پر نظر کرنی چاہیئے ؞

جب ہم کچھ اوپر پچھلے ڈیڑھ سو برس کی دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم پاتے ہیں کہ لنڈن میں بھی

وہ زمانہ ایسا ہی تھا جیسا کہ اب ہندوستان میں ہے اور وہاں بھی اُس زمانہ میں اسی قسم کے پرچے جاری ہوئے تھے جن کے سبب تمام چیزوں میں تہذیب و شایستگی پیدا ہوئی تھی پس اوّل ہم اُن پرچوں کا کچھ حال بیان کرتے ہیں اور پھر اِس پرچہ تہذیب الاخلاق کو اُن سے مقابلہ کرینگے اور پھر آیندہ کی حالت ہندوستان کا اُسپر قیاس کر کر اپنی قومی ترقی کی نسبت پیشین گوئی کرینگے*

جب کہ یورپ میں باہمی ملکی لڑائیوں کا زمانہ تھا تو بہت سے بڑے بڑے شہروں میں اخبار کا چھپنا اور پھیلنا شروع ہو گیا تھا اور خاص لنڈن میں بھی اخبار چھپنے لگا تھا مگر اپنی قوم کی روزمرّہ کی زندگی اور اُن کے مزاج اور عادت اور خصلت پر نکتہ چینی کرنے اور اُس میں سے بُرائیوں کے نکالنے اور عُمدہ اور نیک خصلتوں کو ترقی دینے کا کسی کو کسی مُلک میں خیال نہ تھا ہاں البتہ فرنچ لوگوں نے اسپر کچھ خیال کیا تھا اور سولھویں صدی میں مانٹین صاحب نے جو ایک مشہور فرنچ عالم تھے خصلت و عادت پر کچھ مضمون چھپوائے تھے۔ اُس کے بعد لابردے صاحب نے جو ایک فرنچ عالم تھے ایک کتاب چھاپی تھی جس میں چودھویں لوئی بادشاہ فرانس کے دربار کی بناوٹوں کو نہایت سلیقہ کی طعنہ زنی سے بیان کیا تھا لیکن کسی شخص کو یہ خیال نہ آیا تھا کہ کوئی ایسا پرچہ یا رسالہ نکلے جو جلد جلد ایک مناسب میعاد پر چھپا کرے اور قومی برائیوں کو جتایا کرے اور لوگوں کو قومی بھلائی کی ترقی پر رغبت دلاتا رہے مگر خدا نے یہ کام لنڈن کے پیغمبروں اور سویلزیشن کے دیوتاؤں سر رچرڈ اسٹیل اور مسٹر اڈیسن کی قسمت میں لکھا تھا*

سر رچرڈ اسٹیل صاحب نے ۱۷۰۹ء میں ایک پرچہ نکالا جس کا نام ٹیٹلر تھا اس کے اصلی ایڈیٹر تو اسٹیل صاحب تھے مگر اڈیسن صاحب بھی کبھی کبھی مدد دیتے تھے۔ یہ پرچہ ہفتہ میں تین دفعہ چھپتا تھا۔ پہلا پرچہ اس کا بارھویں اپریل ۱۷۰۹ء کو نکلا تھا*

سر رچرڈ اسٹیل صاحب نے خود کہا ہے کہ اُن کی غرض اِس پرچہ کے نکالنے سے یہ تھی کہ انسان کی زندگی جو جھوٹی بناوٹوں سے عیب دار ہوتی ہے اُسکے عیب کریں اور مکاری اور جھوٹی شیخی کو مٹا دیں اور بناوٹی پوشاک کو اُتاریں اور اپنی قوم کی پوشاک اور گفتگو اور برتاؤ میں عام سادہ پن پیدا کریں*

اس پرچہ کے صرف دو سو اکہتر (۲۷۱) نمبر چھپے چنانچہ اخیر پرچہ اسکا دوسری جنوری ۱۷۱۱ء کو چھپا اور پھر بند ہو گیا*

اس کے بعد سر رچرڈ اسٹیل اور مسٹر اڈیسن صاحب نے ملکر ایک اَور پرچہ نکالا اور اُس کا نام

"اسپکٹیٹر" رکھا تھا۔ یہ پرچہ ہر روز چھپتا تھا اور وُہی دونوں صاحب اخیر تک اُس میں مضمون لکھا کرتے تھے۔ پہلا پرچہ اس کا یکم مارچ ۱۷۱۱ء کو چھپا تھا اور صرف تین سو پینتیس نمبر اس کے چھپے تھے ٭

یہ پرچہ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھا اور صرف ٹیٹلر ہی کو اس نے نہیں بھلا دیا تھا بلکہ اُس زمانہ میں جس قدر کتابیں اس قسم کی تصنیف ہوئی تھیں اُن سب پر فضیلت رکھتا تھا۔ عمدہ عمدہ اخلاق و آداب اس میں لکھے جاتے تھے۔ خویش و اقارب کے ساتھ سلوک کرنے کے عمدہ قاعدے اُس میں بیان ہوتے تھے اس بات کا کہ انسان اپنی اُس قوت کو جس کا نام شوق ہے کس طرح دیکھ بھال اور سوچ بچار کر کس بات میں صرف کرے نہایت عمدگی سے ذکر ہوتا تھا اور ہر ایک مضمون نہایت خوبی اور بردباری اور عجیب و غریب مذاق سے بھرا ہوا تھا ٭

یہ پرچہ اس لیئے بھی بے انتہا تعریف کا مستحق ہے کہ اس نے طرز تحریر لوگوں کو سکھا دی اور لوگوں کی گفتگو کو جو بُرے کلمات اور بد محاورات اور ناپاک قسموں سے خراب ہو رہی تھی درست کر دیا ٭

ہر روز صبح کو یہ پرچہ نکلا کرتا تھا اور حاضری کھانے کے وقت تک لوگوں کے پاس آجاتا تھا۔ اور حاضری ہی کی میز پر لوگ اُس کو پڑھا کرتے تھے ۱۷۱۳ء میں اس کا چھپنا موقوف ہو گیا ٭

اُس کے بعد سر رچرڈ اسٹیل نے مسٹر اڈیسن صاحب کی مدد سے ایک اَور پرچہ نکالا جس کا نام گارڈین تھا۔ یہ پرچہ بھی ہر روز چھپتا تھا اور صرف ایک سو چھہتر نمبر اس کے نکلے تھے کہ بند ہو گیا ٭

اس کے بعد اٹھارھویں صدی میں بہت سے پرچے اسی مقصد سے نکلے مگر اُن میں سے راملر اور ادونچرر اور ایڈلر اور ہیرالڈ اور مرر اور لونجر نے کچھ شہرت پائی اور ان کے سوا اور کسی کو کچھ فروغ نہ ہوا ٭

اِن پرچوں کے جاری ہونے سے انگریزوں کے اخلاق اور عادات اور دینداری کو نہایت فائدہ ہونچا اور ہر ایک کے دل پر اُن کا اثر ہوا جس زمانہ میں کہ پہلے پہل ٹیٹلر نکلا ہے انگلستان کے لوگوں کی جہالت اور بد اخلاقی اور ناشایستگی نفرت کے قابل تھی وہ ضد اور لوگ کیا مرد کیا عورت تحصیل علم سے نفرت رکھتے تھے اور علم پڑھنے کو خود فروشی و بادہ فروشی کہتے تھے اور کمینوں کا

کام سمجھتے تھے۔ علم جو اب عام لوگوں میں پھیلا ہوا ہے شاذونادر کہیں کہیں پایا جاتا تھا علم کا دعویٰ تو درکنار جہالت کی شرم بھی کسی کو نہ تھی۔ عورت کا پڑھا لکھا ہونا اُس کی بدنامی کا باعث ہوتا تھا۔ اشرافوں کے جلسوں میں امورات سلطنت کی باتیں ہوتی تھیں اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کی بدگوئی کیا کرتی تھیں قسموں پر قسمیں کھانا اور خلاف تہذیب کے باتیں کرنا گویا ایک بڑی وضعداری گنی جاتی تھی۔ قماربازی اور شراب خواری اور خانہ جنگی کی کچھ حد نہ تھی۔ چارلس دوم کے عہد میں جو خرابیاں تھیں وہ شریف اور اعلےٰ درجہ کے لوگوں کی گویا عادت ہو گئی تھی۔ بیلوں اور ریچھوں کو کتوں سے پھڑوانا۔ لوگوں کو انعام دیکر لڑوانا اور خود ایسے تماشوں کو دیکھکر خوش ہونا گویا ہر ایک امیر کے شوق کی بات تھی ؂

اِن تمام خرابیوں کی درستی میں اسٹیل اور اڈیسن نہایت ہی سرگرم تھے اور جس سرگرمی سے وہ اُس میں مصروف ہوئے ویسی ہی کامیابی بھی اُس میں اُن کو ہوئی ؂

اسپکٹیٹر میں ایک دفعہ لکھا تھا کہ ”میں اخلاق میں خوش طبعی کی جان ڈالونگا اور خوش طبعی کو اخلاق سے ملاؤں گا تاکہ جہاں تک ممکن ہو اُس کے پڑھنے والے دونوں باتوں میں نصیحت پاویں اور تاوقتیکہ لوگ ان تمام خرابیوں سے جن میں اِس زمانہ کے لوگ پڑے ہیں سنبھل نہ جاویں ہر روز اُن کو نصیحت کی باتیں یاد دلاتا رہوں گا کیونکہ جو دل ایک دن بھی بیکار پڑا رہتا ہے اُس میں بے شمار عیب جڑ پکڑ جاتے ہیں جن کے ریشے بہت ہی مشکل سے دُور ہوتے ہیں سقراط کی نسبت ایسا کہا گیا ہے کہ اُس نے فلسفہ کو آسمان سے اُتارا اور انسانوں میں بسایا مگر میں اپنی نسبت صرف اتنا ہی کہلانا چاہتا ہوں کہ میں نے فلسفہ کو مدرسوں اور مکتبوں کے کتب خانوں کی کوٹھڑیوں میں سے نکالا اور جلسوں اور چاء و قہوہ پینے کی مجلسوں تک میں پھیلایا اور ہر ایک دل میں بسایا“ ؂

اسٹیل اور اڈیسن کی ایسی عمدہ تحریریں ہوتی تھیں کہ اُن کا اثر صرف مجلسوں کی تہذیب و زبان و گفتگو کی شایستگی ہی پر نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس زمانہ کے مصنفوں پر بھی اُس کا نہایت عمدہ اثر ہوا تھا ؂

ڈاکٹر ڈریک صاحب کا قول ہے کہ عام لوگوں کو علم ادب کا شوق اُسی وقت سے ہوا جب کہ ٹیٹلر چھپنا شروع ہوا اور اسپکٹیٹر اور گارڈین نے اس شوق کو اَور زیادہ بھڑکا دیا۔ اِن پرچوں کی تاثیر صرف لمحہ دو لمحہ کے لیئے نہ تھی بلکہ انگلستان میں ہر فرقہ کے لوگوں میں نہایت مضبوطی سے

پھیل گئی تھی - ان پرچوں سے علم کو جو فائدہ ہوا وہ ہمیشہ یاد رہیگا - ان پرچوں نے اوّل اوّل نہایت خوش اسلوبی سے گذشتہ و حال کے زمانہ کے عمدہ اور لایق مصنفوں کو بتلایا اور اُن کی خوبیوں کی قدر کرنے کا شوق دلایا - مشہور ہے کہ ملٹن صاحب کی پاریڈیز لاسٹ کا جو نہایت عمدہ اور بے نظیر کتاب ہے انھی پرچوں کی بدولت فروغ ہوا - ان پرچوں کے مذاق تحریر اور خیالات کے رنگ ڈھنگ نے بُری تحریروں کے اسباب کو بتا دیا اور جھوٹی عبارت آرائی اور لغو انشا پردازی کو جو کسبیوں کے بناؤ سنگار کی مانند تھی اور رنڈیوں کے سے طعنے مہنے یا لونڈوں کی سی گالم گلوچ کو تحریروں میں سے بالکل دور کر دیا - اچھی و بُری تحریروں میں تمیز کرنا اور سنجیدہ اور متین نکتہ چینی اور اَور تحقیقات کا شوق پیدا کیا - ذہانت اور متانت دونوں کو ترقی دی اور تحریر میں مناسبت اور تہذیب کا خیال لوگوں کے دل میں بٹھا دیا - ان باتوں سے ان پرچوں کے پڑھنے والے لایق اور عالم مصنفوں کی تصنیفوں سے حظ اُٹھانے لگے اور تمیز کے ساتھ اُن کی قدر کرنے لگے ؛

اڈیسن صاحب کی تحریروں سے بالتخصیص طرز عبارت بہ نسبت سابق کے بہت زیادہ صاف و شستہ و سلیس نہایت دلچسپ ہو گئی اور درحقیقت اڈیسن صاحب کی تحریر سے انگریزی زبان کے علم انشا میں ایک انقلاب عظیم واقع ہو گیا - باوجودیکہ زمانہ حال میں تحریروں کے عیب و ہنر کو لوگ خوب جانچتے ہیں اس پر بھی اڈیسن صاحب کی تحریر پر بجز تعریف کے اَور کچھ نہیں کہہ سکتے ؛

علاوہ ان باتوں کے اسپکٹیٹر کے پرچوں میں انسان کے خیالات کے مخرج اور اُن خیالات سے جو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں اُن کی تفریق نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے بتلائی گئی اور اس سے نتیجہ یہ ہوا کہ شاعروں کے خیالات اور اُن کے اشعاروں کی خیال بندی نہایت عمدہ اور درست ہو گئی - لغو اور بے سر مضمون اشعار میں سے خارج ہو گئے اور اُن کی جگہ پُر تاثیر مضمونوں نے جگہ پائی - ہر ایک کو لایق اور قابل مصنفوں کی تحریروں کے جانچنے اور اُن کی قدر کرنے اور اُن سے مزا اُٹھانے کی لیاقت پیدا ہو گئی اور رفتہ رفتہ تمام قوم عالم اور محقق کے لقب کی مستحق ٹھہر گئی - اسپکٹیٹر کے پڑھنے والوں کو علم انشا کی وہ خوبی جو اڈیسن کے ذہن میں تھی معلوم ہوئی سب لوگ اُس کی تحریر کے لطف و صفائی کی تعریف کرنے لگے اور سب لوگوں کو ایسے شخصوں کی تحریروں کے جانچنے کی جو علم انشا میں ناموری کے خواہاں

ہوتے تھے لیاقت حاصل ہوگئی ؛

ان پرچوں سے صرف علم ادب اور علم انشا ہی میں ترقی نہیں ہوئی بلکہ اخلاق اور عادت اور خصلت کو بھی بہت کچھ ترقی ہوئی - نیکی کے برتاؤ میں جو خود انسان کی اپنی ذات سے اور اپنے خویش و اقربا - دوست آشنا - یگانہ و بیگانہ سے علاقہ رکھتی ہے نہایت اعلے درجہ کی تہذیب حاصل ہوئی اور خود تہذیب و شایستگی کو ایسی عمدہ صیقل ہوئی جس کی آج تک کوئی نظیر نہیں - ملکی امورات کی بحث و مباحثہ میں جو تیزی و عداوت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے وہ تھوڑے سے عرصہ میں نہایت کم ہوگئی اور جو لیاقت کہ صرف بحث و مباحثہ میں صرف ہوتی تھی وہ خوشگوار پانی کی مانند خوبصورت نہروں میں بہنے لگی جنہوں نے اخلاق اور علم و ادب کو سیراب کر کر لوگوں کے دلوں کے بُرے اور خراب جوش کو پاک و صاف کر دیا ؛

ہندوستان میں ہماری قوم کا حال اُس زمانہ سے بھی زیادہ بدتر ہے اگر ہماری قوم میں صرف جہالت ہی ہوتی تو چنداں مشکل نہ تھی مشکل تو یہ ہے کہ قوم کی قوم جہل مرکب میں مبتلا ہے علوم جن کا رواج ہماری قوم میں تھا یا ہے اور جس کے تکبر اور غرور سے ہر ایک بھولا ہوا ہے دین و دنیا دونوں میں بکار آمد نہیں - غلط اور بے اصل باتوں کی پیروی کرنا اور بے اصل اور اپنے آپ پیدا کیئے ہوئے خیالات کو امور واقعی اور حقیقی سمجھ لینا اور پھر اُن پر فرضی بحثیں بڑھاتے جانا اور دوسری بات کو گو وہ کیسی ہی سچ اور واقعی کیوں نہ ہو نہ ماننا لفظی بحثوں پر علم و فضیلت کا دارمدار ہونا اُن کا نتیجہ ہے ؛

علم ادب و انشا کی خوبی صرف لفظوں کے جمع کرنے اور ہموزن اور قریب التلفظ کلموں کے تُک ملانے اور دُور از کار خیالات بیان کرنے اور مبالغہ آمیز باتوں کے لکھنے پر منحصر ہے یہاں تک کہ دوستانہ خط و کتابت اور چھوٹے چھوٹے روزمرّہ کے رقعوں میں بھی یہ سب بُرائیاں بھری ہوئی ہیں - کوئی خط یا رقعہ ایسا نہ ہوگا جس میں جھوٹ اور وہ بات جو حقیقتاً میں دل میں نہیں ہے مندرج نہ ہو - خطوط رسمیہ کے پڑھنے سے ہرگز تمیز نہیں ہو سکتی کہ حقیقت میں اس خط کا لکھنے والا ایسا ہی ہمارا دوست ہے جیسا کہ اس میں لکھا ہے یا یہ صرف معمولی مضمون ہے جس کے لکھنے کا عموماً رواج پڑ گیا ہے - پس ایسی طرز تحریر نے تحریر کا اثر ہمارے دلوں سے کھو دیا ہے اور ہمکو جھوٹی اور بناوٹی تحریر کا عادی کر دیا ہے ؛

فن شاعری جیسا ہمارے زمانہ میں خراب اور ناقص ہے اُس سے زیادہ کوئی چیز بُری نہ ہوگی

مضمون تو بجز عاشقانہ کے اَور کچھ نہیں ہے وہ بھی نیک جذبات انسانی کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ اُن بد جذبات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ضد حقیقی تہذیب و اخلاق کے ہیں ؛

خیال بندی کا طریقہ اور تشبیہ و استعارہ کا قاعدہ ایسا خراب و ناقص پڑ گیا ہے جس سے ایک تعجب تو طبیعت پر آتا ہے مگر اُس کا اثر مطلق دل میں یا خصلت میں یا اُس انسانی جذبہ میں جس سے وہ متعلق ہے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ شاعروں کو یہ خیال ہی نہیں ہے کہ فطرتی جذبات اور اُن کی قدرتی تحریک اور اُن کی جبلی حالت کا کسی پیرایہ یا کنایہ و اشارہ یا تشبیہ و استعارہ میں بیان کرنا کیا کچھ دل پر اثر کرتا ہے۔ ملٹن کی پاربیڈیز لاست کچھ چیز نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ انسان کی طبیعت کی حالت کی تصویر ہے جس کا ہر ہر شعر دل میں گھر کرتا جاتا ہے۔ شکسپیر میں کچھ نہیں ہے بجز اس کے کہ اُس نے انسان کا نیچر یعنی قدرتی بناوٹ طبیعت کو بیان کیا ہے جو نہایت موثر انسان کی طبیعت پر ہے ؛

علم دین تو وہ خراب ہوا ہے جیسا خراب ہونے کا حق ہے۔ اُس معصوم سیدھے سادے سچے اور نیک طبیعت والے پیغمبر نے جو خدا تعالیٰ کے احکام بہت سدھاوٹ و صفائی و بے تکلفی سے جاہل اَن پڑھ بادیہ نشین عرب کی قوم کو پہونچائے تھے اُس میں وہ نکتہ چینیاں باریکیاں گھسیڑی گئیں اور وہ مسائل فلسفیہ اور دلائل منطقیہ ملائی گئیں کہ اُس میں اُس صفائی اور سدھاوٹ اور سادہ پن کا مطلق اثر نہیں رہا بمجبوری لوگوں کو اصلی احکام کو جو قرآن و معتمد معتمد حدیثوں میں تھے چھوڑنا پڑا اور زید و عمرو کے بنائے ہوئے اصول کی پیروی کرنی پڑی ؛

علم مجلس اور اخلاق اور برتاؤ دوستی کا ایک ایسے طریقہ پر پڑ گیا ہے جو نفاق سے بھی بدتر ہے اخلاق صرف مونھ پر میٹھی میٹھی باتیں بنانے اور اوپری تپاک جتانے کا نام ہے۔ آپس میں دو شخص ایسی محبت اور دل سوزی کی باتیں کرتے ہیں کہ دیکھنے سننے والے اُن دونوں کو یک مغز و دو پوست سمجھتے ہیں مگر جب اُن کے دل کو دیکھو تو یک پوست و دو مغز سے زیادہ بے میل ہیں صرف مکاری اور ظاہر داری کا نام اخلاق رہ گیا ہے اور بے ایمانی اور دغا بازی کا نام ہوشیاری ؛ گفتگو پر خیال کرو تو عجب ہی لطف دکھائی دیتا ہے اگرچہ اکثر لفظ تو نہیں ہوتے مگر ہزاروں اکثر مضمون زبان سے نکلتے ہیں۔ نہایت مہذب اور معقول و ثقہ و نیک و دیندار آدمی بھی اپنی گفتگو میں تہذیب و شایستگی کا مطلق خیال نہیں کرتے۔ دوست کی بات کو جھوٹ کہدینا۔ دوست کی نسبت جھوٹ کی نسبت کردینا یہ تو ادنیٰ ادنیٰ روزمرہ کی بات ہے۔ ایک نہایت نیک آدمی اپنے

بڑے مقدس دوست کے بیٹے سے عین حالت تپاک اور خوش اخلاقی اور جوش محبت کی باتوں میں کہہ رہا تھا کہ تمھارے باپ تو جھوٹوں کے بادشاہ ہیں وہ تو دن رات سینکڑوں غپیں ہانک دیتے ہیں۔ اُن کی بات پر کیا اعتبار ہے۔ پس افسوس ہے ہمکو خود اپنے پر کہ ہمارے ایسے دوست ہیں ٭

اگر اشراف جوان دوستوں کی محفل میں جاؤ تو سُنو کہ وہ آپس میں کیسی گالم گلوچ اور فحش باتیں ایک دوسرے کی نسبت کرتے ہیں۔ ایک نہایت معزز شریف خاندانی آدمی نے جو صاحب تصانیف ہیں اور اُردو کے علم ادب میں مشہور ہیں تیس منٹ مجھ سے دوستانہ گفتگو کی اور مَیں نے خوب خیال کر کر گنا کہ اُن کے موُنھ سے چھتیس لفظ گالیوں کے نکلے جس میں سے کچھ اپنی نسبت تھیں اور کچھ اُس کتاب اور اُسکے مصنف کی نسبت جس کا ذکر تھا اور کچھ اِدھر اُدھر بیٹھنے والوں اور سُننے والوں کی نسبت ٭

امیروں کا حال دیکھو تو اُن کو دن رات بٹیر لڑانے اور مرغ لڑانے اور کبوتر اوڑانے اور اَور اسیطرح تمام لغویات میں اپنی زندگی بسر کرنے کے سوا اَور کچھ کام دھندا نہیں ٭

نیکی پر متوجہ ہوتے ہیں تو اُسکو اتنا گھونٹتے ہیں کہ بدمزہ ہو جاتی ہے اور جب بدی پر آتے ہیں پھر تو شیطان کے بھی کان کترتے ہیں ٭

غرضکہ جو کچھ اُس زمانہ میں فرنگستان میں تھا وہی کچھ بلکہ اُس سے بھی زیادہ اب ہندوستان میں موجود ہے اور بلاشبہ ایک ٹیٹلر اور اسپکٹیٹر کی یہاں ضرورت تھی سو خدا کا شکر ہے کہ یہ پرچہ اُنھیں کے قایمقام مُسلمانوں کے لیئے ہندوستان میں جاری ہوا۔ مگر افسوس کہ یہاں کوئی اسٹیل اور اڈیسن نہیں ہے ٭

اسٹیل اور اڈیسن کو اپنے زمانہ میں ایک بات کی بہت آسانی تھی کہ اُن کی تحریر اور اُن کے خیالات جہاں تک کہ تھے تہذیب و شایستگی و حسن معاشرت پر محدود تھے۔ مذہبی مسایل کی چھیڑ چھاڑ اُن میں کچھ نہیں تھی۔ ہم بھی مذہبی خیالات سے بہت بچنا چاہتے ہیں مگر ہمارے ہاں تمام رسمیں اور عادتیں مذہب سے ایسی مل گئی ہیں کہ بغیر مذہبی بحث کیئے ایک قدم بھی تہذیب و شایستگی کی راہ میں نہیں چل سکتے۔ جس بات کو کہو کہ چھوڑ دو فوراً جواب ملیگا کہ مذہباً ثواب ہے۔ اور جس بات کو کہو کہ سیکھو اسی وقت کوئی بول اُٹھیگا کہ مذہباً منع ہے۔ پس ہم مجبور ہیں کہ تہذیب و شایستگی اور حسن معاشرت سکھانے میں ہمکو مذہبی بحث کرنی پڑتی ہے ٭

مذہبی بحث کا ایک عجیب سلسلہ ہے کہ ایک چھوٹی سی بات پر بحث کرنے سے بڑے بڑے مسائل اور اصول مذہب بحث میں آجاتے ہیں اور اس لیئے لاچار کبھی ہمکو فقہ سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصول فقہ سے اور کبھی حدیث سے بحث کرنی ہوتی ہے اور کبھی اصول حدیث سے اور کبھی تفسیر سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصول تفسیر سے ۔ پس ہندوستان میں صرف اسٹیل اور اڈیسن ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مقدس لوتھر کی بھی بہت بڑی حاجت ہے ؛

اسٹیل اور اڈیسن کی خوش قسمتی تھی کہ اُن کے زمانہ کے لوگ اُن کی تحریروں کو پڑھتے تھے اور قدر کرتے تھے اور ہماری یہ بدنصیبی ہے کہ ہماری تحریروں کو مذہب کے برخلاف کہا جاتا ہے اور اُن کا پڑھنا باعث عذاب سمجھا جاتا ہے ۔ اسٹیل اور اڈیسن اپنے ہر پرچہ کے مشتہر ہونے کے بعد واہ واہ کی آواز سُننے سے اپنی محنت و مشقت ۔ فکر و خیال کی کلفت کو دور کرتے ہوں گے اور ہم اپنی تحریروں کے مشتہر ہونے کے بعد بجز لعنت و ملامت سُننے کے اور کسی بات کی توقع نہیں رکھتے ہیں ۔ اسٹیل و اڈیسن جن لوگوں کی بھلائی کرتے تھے اُن سے بھلا سُنتے ۔ ہم جن کی بھلائی چاہتے ہیں اُن سے بُرائی پاتے ہیں ۔ جن کے حق میں بھلا کہتے ہیں اُن سے بُرا سُنتے ہیں ۔ اسٹیل اور اڈیسن کو ہزاروں دل اپنی طرف کر لینے کچھ مشکل نہ تھے اور ہمکو ایک دل بھی اپنی طرف کرنا نہایت مشکل ہے ۔ اسٹیل اور اڈیسن کو بنے بنائے دل اپنی طرف جھکانے تھے ہمکو یہ مشکل ہے کہ دل بھی ہم ہی کو بنانا ہے اور ہم ہی کو اُس کا جھکانا ہے ؛

لوگ ہمارے اِن خیالات کو جنون اور مالیخولیا بتلاتے ہیں مگر دیوانہ بکار خود ہوشیار ۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور اسی قلیل زمانہ میں ہمنے کیا کچھ کیا ہے اس لیئے ہم آیندہ کی بہتری کی خدا سے توقع رکھتے ہیں اور اچھے دن آنے والوں کی پیشین گوئی کرتے ہیں گو اُن کے آنے کا زمانہ ہم نہیں جانتے مگر یقین کرتے ہیں کہ ضرور بیشک آنیوالے ہیں ؛

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم اس مسکین پرچہ کے ذریعہ سے ہندوستان میں وہ کچھ کرینگے جو اسٹیل اور اڈیسن نے انگلستان میں کیا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ہمسے ہوسکتا ہے ہم اپنا فرض پورا کرتے ہیں و اللّٰه در من قال السعي مني والاتمام من اللّٰه تعالیٰ ؛

طریقہ تعلیم مُسلمانان

کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان نے جو ایک سلیکٹ کمیٹی اس لیئے مقرر کی تھی کہ وہ کمیٹی بعد غور و فکر و مباحثہ باہمی کے ایک رپورٹ لکھے کہ مُسلمانوں کی تعلیم کے لیئے کونسا عُمدہ طریقہ ہے اور کون کون سی زبان اور کون کون سے علوم اور کس طرح پر اُن کو پڑھائے جاویں چنانچہ اس مطلب پر کمیٹی مذکورہ نے رپورٹ لکھی ہے۔ اُس میں اُنیس ممبر تھے اور سب کی رائے اُس طریقہ تعلیم پر متفق ہوئی۔ اوّل سید احمد خاں سکرٹری نے ایک تمہیدی تقریر کی اور پھر طریقہ تعلیم بیان کیا اور پھر ممبروں نے اُس پر رائے دی چنانچہ اُس سب کو ہم اس مقام پر مندرج کرتے ہیں ؛

گُفتگو تمہیدی

سید احمد خاں نے ممبروں سے یہ بات کہی کہ اس امر سے جس کی نسبت ہم رپورٹ تحریر کرتے ہیں یہ مقصد نہیں ہے کہ ہملوگ صرف وُہی بات لکھیں جو زمانہ حال کے مناسب ہو اور جو اِس وقت انجام بھی ہو سکے بلکہ یہ مقصد ہے کہ حالات اور حیثیات موجودہ سے قطع نظر کر کے ہمکو وہ تجویز کرنی چاہیئے جو پوری پوری اور ٹھیک ٹھیک اعلیٰ درجہ پر مُسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تاکہ ہمکو معلوم ہو جاوے کہ ہمکو درحقیقت کیا کرنا ہے اور بالفعل ہم کس قدر کر سکتے ہیں ؛

سید احمد خاں نے ممبروں سے کہا کہ تجویز اور عمل اِن دونوں میں بڑا فرق ہے۔ تجویز ہمیشہ ہمکو پُوری اور کامل کرنی چاہیئے اور اُس تجویز پر عمل اُسقدر جتنا کہ ہم وقتاً فوقتاً کر سکتے ہوں فرض کرو کہ ہمکو ایک بہت عالیشان مکان بنانا ہے جب ہم اُس کا نقشہ تجویز کرینگے تو اُس تمام مکان کا پورا کامل نقشہ تجویز کرینگے اور جب اُس کی تعمیر شروع کریں گے تو اُسیقدر کرنے کی تعمیر شروع کریں گے جس قدر کی تعمیر کا بالفعل ہمکو مقدور ہے۔ اِس سے یہ فائدہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ وہ مکان عالیشان مطابق نقشہ مجوزہ کے طیار ہو جاویگا اور اگر ہم بلا پورا اور کامل نقشہ سوچے تعمیر شروع کر دینگے تو ہمنے اُس مکان میں سے کچھ نہ بنایا ہوگا بلکہ اُس مکان کے بنانے کے لیئے پھر کُسقدر عمارت کا بھی ڈھانا پڑے گا جو بے نقشہ سوچے تعمیر کی تھی۔ میرا مقصد اِس تقریر اور تمثیل سے

یہ ہے کہ اِس وقت طریقہ تعلیم مسلمانوں کا پورا اور کافی تجویز کیا جاوے اور اِس بات کا خیال نہ ہو کہ آیا اِس وقت ہم اُسکو کر بھی سکتے ہیں یا نہیں ❖

سید احمد خاں نے کہا کہ اس وقت دو ایک باتیں اَور عرض کرنی چاہتا ہوں کہ آپ صاحب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ تعلیم ہمیشہ کسی ایک خاص مقصد کے لیئے نہیں ہوتی اور نہ کسی ایک گروہ کثیر کا ہمیشہ ایک ہی مقصود ہوتا ہے بلکہ ایک گروہ کثیر میں سے مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد ہوتے ہیں۔ ہم جس طریقہ تعلیم کے قرار دینے کی فکر میں ہیں وہ ایک بہت بڑے گروہ سے علاقہ رکھتا ہے اور یقینی مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد تعلیم سے ہیں پس اسوقت ہمکو ایسا طریقہ تعلیم تجویز کرنا چاہیئے جو مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد کے پورا کرنے کو کافی ہو ❖

سید احمد خاں نے اس مطلب کو دوبارہ زیادہ تر وضاحت سے بیان کیا اور یہ بات کہی کہ مثلاً ہم مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہے جو گورنمنٹ کے اعلےٰ اعلےٰ عہدوں کے حاصل کرنے اور انتظام گورنمنٹ میں شامل ہو کر دنیاوی عزت حاصل کرنے اور اپنے ملک کو فایدہ پہونچانے کی آرزو رکھتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ اُسکو گورنمنٹ کے عُہدوں کے حاصل کرنے کا کُچھ خیال نہیں ہے بلکہ وہ اپنی قوت بازو سے بذریعہ تجارت یا اجرائے کارخانجات کے اپنی معاش پیدا کرنے کی خواہشمند ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ وہ صرف اپنی جائداد اور اپنے علاقجات کی درستی اور اپنے روزمرہ کی زندگی کے امورات کو بخوش اسلوبی انجام دینے کی آرزو رکھتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ علوم وفنون کو حاصل کرنا اور اُن میں واقفیت کامل حاصل کرنا پسند کرتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ اُس کو اِن تمام چیزوں سے چنداں تعلق نہیں ہے بلکہ وہ بلحاظ اپنی معاد کے علوم دین میں دستگاہ کامل حاصل کرنا اور اُسی میں اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اور ایک جماعت عوام الناس کی ہے جن کے لیئے کسیقدر عام تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔ باایں ہمہ ہر ایک کو اپنی اولاد کی نسبت یہ خواہش ہے کہ اُس کے عقاید مذہبی بھی درست رہیں اور وہ ادائے فرایض مذہبی سے بھی غافل نہ ہو جاوے۔ پس جبکہ ہم تمام مسلمانوں کی تعلیم کا طریقہ قرار دیتے ہیں تو ہمکو ایسی تجویز کرنی چاہیئے جس سے تمام مقاصد مذکورہ اور نیز دیگر مقاصد جو تعلیم سے متعلق ہیں حاصل ہوں ❖

سید احمد خاں نے یہ بھی کہا کہ جب آپ سب صاحب ان مقاصد پر غور فرماویں گے جنیں سے امور معظمہ کو میں نے ابھی بیان کیا تو آپ یقین کریں گے کہ کسی قوم کو یہ سب مقاصد جب تک کہ

وہ خود ان مقاصد کے حاصل کرنے پر مستعد نہ ہو حاصل نہیں ہو سکتے پس ہمکو اپنے تمام مقاصد کے انجام کو صرف گورنمنٹ ہی پر منحصر رکھنا نہ چاہیئے بلکہ یقین کرنا چاہیئے کہ اُن تمام مقاصد کا گورنمنٹ سے حاصل ہونا غیر ممکن اور مانند ممتنع بالذات کے ہے پس اس وقت ہمکو دو قسم کی تجویزیں کرنی چاہئیں۔ ایک کامل اور پوری ادنی سے اعلے درجہ کی تعلیم تک کی جو ہمارے تمام مقاصد کو پورا کر سکیں اور جن میں ہمکو گورنمنٹ سے اُسکی تعمیل کرانے کی کچھ خواہش نہ ہو بلکہ ہمکو خود اپنی سعی اور کوشش سے آپ اُس کا انجام کرنا مدنظر ہو +

دوسری تجویز ہمکو اس بات کی کرنی چاہیئے کہ جب تک کہ ہم اُس اول تجویز کو انجام دیں یا اُسکے انجام دینے کے لائق ہوں اُس وقت تک اُن اصول و قواعد سے جو گورنمنٹ نے تعلیم کے لیئے مقرر کیئے ہیں کیونکر فائدہ اُٹھاویں اور ہمارے متعدد مقصدوں سے جون جونسا مقصد تعلیم معینہ گورنمنٹ سے حاصل ہو سکتا ہے اُسکو ہم کیونکر حاصل کریں +

سید احمد خاں نے کہا کہ ایک بات میں اَور کہنی چاہتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ میری یہ بات میرے شریک ممبروں کو بُری معلوم ہو گی اگرچہ افسوس ہے کہ میں اپنے شریکوں کو رنجیدہ کرتا ہوں مگر چونکہ میری رائے میں وہ بات بالکل سچ ہے اس لیئے میں اُس کے کہنے پر مجبور ہوں اور وہ بات یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ جب مسلمانوں میں کچھ تعلیم کی تحریک ہوتی ہے تو اُن کی سعی ہمیشہ اسی بات پر مقصور ہوتی ہے کہ وُہی پورانا موروثی طریقہ تعلیم کا اور وُہی ناقص سلسلہ نظامیہ درس کتب کا اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں اُسی پورانے طریقہ پر مسلمانوں نے کئی مدرسہ تعلیم کے لیئے جونپور۔ علیگڈھ۔ کانپور۔ سہارنپور۔ دیوبند۔ دہلی۔ لاہور میں جاری کیئے ہیں مگر میں نہایت سچے دل سے کہتا ہوں کہ وہ محض بیفایدہ اور محض لغو ہیں اُن سے کچھ بھی قومی فایدہ ہونے کی توقع نہیں ہے +

زمانہ اور زمانہ کی طبیعت اور علوم اور علوم کے نتایج سب تبدیل ہو گئے ہیں۔ ہمارے ہاں کی قدیم کتابیں اور اُن کا طرز بیان اور اُن کے الفاظ مستعملہ ہمکو آزادی اور راستی اور صفائی اور سادہ پن اور بے تکلفی اور بات کی اصلیت تک پہونچنا نہیں تعلیم نہیں کرتے بلکہ برخلاف اُسکے دھوکہ میں پڑنا اور پیچیدہ بات کہنا اور ہر بات کو لون مرچ لگا دینا اور ہر امر کی نسبت غلط اور خلاف واقع الفاظ شامل کر دینا اور جھوٹی تعریف کرنا اور زندگی کو غلامی کی حالت میں رکھنا اور تکبر اور غرور کو خود پسندی کا نتیجہ بنانا اور اپنے ابنائے جنس سے نفرت کرنا۔ ہمدردی کا نہ رکھنا۔ مبالغہ آمیز باتوں کا عادی کرنا

گذشتہ زمانہ کی تاریخ کو بالکل نا تحقیقی ہیں ڈالنا اور واقعات واقعی کو مثل قصہ وکہانیوں کے بنادینا سکھاتے ہیں اور یہ تمام باتیں حال کے زمانہ اور حال کے زمانہ کی طبیعت کے مناسب نہیں ہیں اور اس لیئے بجائے اس کے کہ مسلمانوں کو اُن سے کچھ فایدہ ہو مضرت حاصل ہونیکی توقع ہے اول تو یہی کس قدر بڑی مضرت ہے کہ اُن کی عمر بیفایدہ چیز میں ضایع کی جاتی ہے۔ پس مَیں چاہتا ہوں کہ میرے معزز شریک ممبر میری اس گفتگو سے رنجیدہ نہوں بلکہ بوقت تجویز طریقہ تعلیم کے اُن باتوں پر بھی لحاظ رکھیں خواہ اُسکو پسند کریں خواہ ناپسند کریں *

لارڈ میکالی صاحب نے جبکہ وہ ہندوستان کی عام تعلیم کی بورڈ کے میر مجلس تھے اور اُس زمانے میں گورنمنٹ کالجوں میں ایشیائی طریقہ تعلیم جاری تھا گورنمنٹ کالجوں کی نسبت ایک رپورٹ لکھی تھی اُس کا منتخب مَیں اس مقام پر بیان کرتا ہوں۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ اگر گورنمنٹ کی رائے بندوبست موجودہ کو (یعنی ایشیائی تعلیم مروجہ اس وقت کو) غیر مبدل رکھنے پر ہو تو میری عرض یہ ہے کہ میرا میر مجلسی سے استعفا منظور ہو۔ مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ مَیں اُس میں کچھ کام نہیں آسکتا مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ اُس شے کو مجھ کو اپنی تقویت دینی ہوتی ہے جس کی نسبت مجھکو خوب یقین ہے کہ وہ صرف ایک دھوکہ ہے۔ مجھکو یقین ہے کہ موجودہ بندوبست سچ کی جلدی ترقی کرنے کی طرف نہیں بلکہ معدوم ہونیوالی غلطیوں کی طبعی موت کے توقف کرنے پر رجوع کرتا ہے۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ ہمکو تعلیم عام کے بورڈ کے معزز نام کا بالفعل کچھ حق نہیں ہے۔ ہم ایک بورڈ یعنی مجلس ہیں واسطے اُڑانے سرکاری روپیہ کے اور واسطے چھاپنے ایسی کتابوں کے جو کم قیمت ہیں۔ اُس کاغذ سے جسپر وہ چھاپی جاتی ہیں جب کہ وہ کورا تھا اور واسطے جھوٹی دلیری دینے نامعقول تواریخ اور نامعقول الٰہیات اور بیہودہ طبابت اور بیہودہ علم مذھبی کے اور واسطے تیار کرنے ایک فرقہ ایسے طالب علموں کے جو اپنی طالب علمی کو اپنے اوپر ایک بوجھ اور عیب پاتے ہیں" *

لارڈ میکالی صاحب کے الفاظ جو نسبت مذہب کے ہیں اُن کو چھوڑ دو باقی مطلب پر غور کرو کہ بالکل سچ ہے پس اب ہمکو اپنا سلسلہ تعلیم ایسا قایم کرنا چاہیئے کہ جو تمام عیبوں سے پاک ہو اور جس سے درحقیقت مسلمانوں کے دین دنیا کی بہتری اور ترقی متصور ہو *

ایک اَور بات بھی قابل اطلاع کے ہے کہ مَیں اکثر مصنفین رسالوں کی بھی رائے دیکھتا ہوں اور ممبروں کی بھی رغبت پاتا ہوں اور اَور لوگوں کی رائے کا بھی رجحان اس طرف دیکھتا ہوں کہ

انگریزی زبان اور علوم کی تعلیم کے ساتھ عربی زبان کی اور اُن علوم کی بھی جو عربی میں ہیں تعلیم دی جاوے مگر یہ رائے اس سبب سے قایم ہوئی ہے کہ اُن لوگوں نے خیال نہیں کیا کہ انگریزی اور عربی کی تحصیل میں کس قدر محنت اور کس قدر وقت درکار رہتا ہے اگر اس بات کو جاری کیا جاویگا اور کوئی حد و تمیز اس کے لیئے مقرر نہ ہوگی تو دونوں میں سے کوئی حاصل نہیں ہونے کا۔ لڑکے نہ اِدھر کے رہینگے نہ اُدھر کے۔ پس مَیں چاہتا ہوں کہ تمام جذبات انسانی کو جن میں سے پرانی رسم کی پابندی سب سے زیادہ قوت رکھتی ہے اور انسان کو ٹھیک بات تک پہونچنے نہیں دیتی ذرا دل کو ٹھنڈا کر کر تجویز کیا جائے کہ درحقیقت کون بات دین و دنیا کے لیئے مفید ہے جو ہمکو کرنی چاہیئے ✦

بیان طریقہ تعلیم

ممبران شریک نے اس تقریر کو باکراہ سُنا اور اس میں سے اس بات پر متفق الرائے ہوئے کہ بلاشبہ تعلیم مسلمانوں کا طریقہ دو قسم کا تجویز کرنا چاہیئے۔ ایک وہ جو خود مسلمان اس کو قایم کریں جس سے اُن کے تمام مقاصد دینی و دنیوی انجام پاویں۔ دوسرے وہ جن سے مسلمان اُن اصول و قواعد سے جو گورنمنٹ نے تعلیم کے لیئے مقرر کیئے ہیں فایدہ اُٹھاویں۔ پس امور مذکورہ حسب تفصیل ذیل پیش ہو

اوّل قواعد تعلیم مسلمانان جن کا قایم کرنا اور جاری کرنا خود مسلمانوں کو لازم ہے ✦

سید احمد خاں نے کہا کہ مَیں نے اِن امور کے سوچنے اور سمجھنے اور غور کرنے میں شاید بہ نسبت اَور ممبروں کے زیادہ وقت صرف کیا ہے اور زیادہ فکر کی ہے مَیں چاہتا ہوں کہ جو طریقہ تعلیم مَیں نے خیال کیا ہے اسکو مَیں بہ ترتیب بیان کر دوں۔ پھر ممبروں کو اُس کے منظور کرنے یا تبدیل کرنے کا بخوبی موقع ہوگا ✦

ذکر علوم

مسلمانوں کی تعلیم دو قسم پر منقسم ہونی چاہیئے۔ ایک تعلیم عام اور دوسری خاص ✦

تعلیم عام مسلمانوں کی علوم مفصلہ ذیل میں ہونی چاہیئے ✦

:-

اوّل دینیات

فقہ۔ اصول فقہ۔ حدیث۔ اصول حدیث۔ تفسیر۔ علم سیر۔ علم عقاید ✦

دوم علم ادب

زبان دانی اور انشاپردازی اُردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی۔ ولیٹن۔ علم تاریخ۔ علم جغرافیہ۔ علم اخلاق۔ مینٹل سائینس یعنی علم قوائے انسانی۔ علم منطق۔ علم فلسفہ۔ علم سیاست مدن یعنی اصول گورنمنٹ۔ علم انتظام مدن یعنی پولیٹکل اکونمی ✦

سوم علم ریاضی

علم حساب۔ علم جبرومقابلہ۔ علم ہندسہ فروعات اعلےٰ علم ریاضی کی ✦

چہارم علم طبیعات

علم سکون۔ علم حرکت۔ علم آب۔ علم ہوا۔ علم مناظر۔ علم برق۔ علم ہیئت۔ علم آواز۔ علم حرارت۔ نیچرالفلاسفی ✦

تعلیم خاص مُسلمانوں کی اِن علوم میں ہونی لازم ہے جن کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے۔ انجینیری۔ اینیمل فزیالوجی یعنی علم حیوانات۔ اینالومی یعنی علم تشریح۔ ذوالوجی حسب اینیل فزیالوجی۔ باٹنی یعنی علم نباتات۔ جیالوجی یعنی علم طبقات الارض۔ منرالوجی یعنی علم جمادات کمسٹری یعنی علم کیمیا ✦

یہ وہ علم ہیں جن میں مسلمانوں کی تعلیم ہونا چاہیئے۔ اُن کی تفریق اور اُن کی مقدار کی تعین ہرایک درجہ تعلیم کے لیئے جُدا جُدا ہوگی اور جس کا اندازہ ہرایک درجہ کی تعلیم کے لیئے کیا جاویگا

طریقہ تعلیم وتربیت

امرا اور اہل مقدور اور ذی دولت مُسلمانوں کے لڑکوں کی تعلیم کے لیئے نہایت ضرور ہے کہ اُن کی عمر دس برس تک نہ پہونچنے پاوے کہ وہ اپنے گھر سے جُدا رکھے جاویں اور اُنکی خاص طور پر

اور خاص نگرانی میں تعلیم ہو اور اس لیئے ضرور ہے کہ کسی شہر کے قریب جس کی آب و ہوا عمدہ ہو اور شہر بھی چھوٹا ہو ایک پُرفضا میدان تجویز کر کے مکانات تعمیر کیئے جاویں اور پھول باغ لگایا جاوے ❖

اُسی عمارت کے شامل ایک مسجد بنائی جاوے جس میں مؤذن و امام مقرر ہو اور ایک کتب خانہ بنایا جاوے اور ایک بڑا کمرہ کھانا کھانے کے لیئے اور ایک بڑا کمرہ ایسے کھیلوں کے کھیلنے کے لیئے جو مکان کے اندر کھیلے جاتے ہیں اور باقی مختصر و مناسب کمرہ اس طرح پر کہ ہر ایک لڑکے کو ایک مناسب کمرہ بیٹھنے اور پڑھنے کو ملے ❖

کسی لڑکے کے ساتھ کوئی خاص خدمتگار نہ رہے بلکہ تمام خدمتگار اُنھیں مکانات کے متعلق نوکر ہوں اور ہر ایک خدمتگار کو کمرے تقسیم کیئے جاویں۔ پس اُن کمروں کے رہنے والے لڑکوں کی خدمت اور کمروں کا جھاڑنا اور آراستہ کرنا اور پلنگوں اور بچھونوں کا درست کرنا سب وُہی لوگ کیا کریں گے ❖

اِن تمام لڑکوں کو ضرور ہوگا کہ مسجد میں ہر روز کی نمازیں جماعت سے پڑھیں اور صُبح کی نماز کے بعد کسی قدر قرآن مجید بموجب اُس قاعدہ کے پڑھ لیا کریں جو تجویز کیا جاوے اور ہر ایک کو ایک قسم کا یکساں لباس پہنایا جاوے اور سب ملکر ایک جگہ وقت معین پر کھانا کھاویں سو اُن کے اوقات پڑھنے اور کھیلنے کے اور جسمانی ورزش کے سب مقرر کیئے جاویں اور ہر ایک لڑکے کو ہر ایک وقت پر جو کام مقرر ہے اُس کا کرنا واجب و لازم ہو ❖

اس مکان پر ایک نہایت لایق اور معتمد شخص بطور اتالیق یا گورنر کے مقرر ہو تاکہ وہ تمام نگرانی اور سب طرح کا بندوبست کرتا رہے اور لڑکوں کی صحت و تندرستی کا نگراں رہے اور اس بات کی خبرداری اور نگرانی کرے کہ تمام لڑکے اوقات معینہ میں وُہی کام کرتے ہیں جو اُس وقت کے لیئے معین ہے یا نہیں ❖

لڑکوں کو اپنے گھر جانے اور ماں باپ اور عزیز اقارب سے ملنے یا اُن کو لڑکوں سے ملنے اور اُن کا آرام و آسایش کا حال دیکھنے کو آنے کے لیئے قواعد مقرر ہوں اور ہمیشہ اُن قواعد کی پابندی رہے ❖

اتفاقیہ بیماری یا اتفاقیہ ضرورت کے واسطے ایک طبیب ملازم رہے اور اس مقام کے سِول سرجن سے بھی بندوبست کر لیا جاوے تاکہ اتفاقیہ اور دفعتاً کی بیماری کی حالت میں طبیب یا ڈاکٹر کا

علاج جیسا کہ اُن لڑکوں کے مربیوں نے اجازت دی ہو ہو سکے - یہ بندوبست صرف اتفاقیہ اور ناگہانی بیماری کے لیئے ہے ورنہ بحالت بیماری زاید اُس کے مربی اُس کے گھر پر لیجاوینگے اور خود جس طرح چاہینگے معالجہ کریں گے ٭

یہ مکان عالی شان اُمرا اور اہل دول کے چندہ سے تعمیر ہونا چاہیئے اور اخراجات ماہواری کا اوسط لگا کر جو لڑکا اُس میں داخل ہو اور سکونت اختیار کرے اُس کے مربیوں سے وہ خرچ لیا جاوے ٭

خوب یاد رہے کہ جب تک ہمارے لڑکے گھروں سے علیحدہ ہو کر اس طرح پر تربیت نہ پاوینگے ہمیشہ خراب اور نالایق اور جاہل اور کمینہ عادتوں کے عادی رہینگے ٭

مدرسۃ العلوم

اُسی شہر میں جہاں یہ مکان تعمیر ہو ایک بہت بڑا عالی شان مدرسہ تعمیر کیا جاوے اور اُس کا نام انگریزی زبان میں "دی محمدن اینگلو اورینٹل کالج" اور عربی زبان میں "مدرسۃ العلوم" رکھا جاوے - اس مدرسہ میں وہ لڑکے امرا اور ذی مقدور لوگوں کے جو اُن مکانات میں رہتے ہیں اور نیز اور مسلمانوں کے جو اُن میں نہیں رہتے عموماً تعلیم پاویں گے ٭

یہ مدرسہ درحقیقت تین مدرسوں پر مشتمل ہوگا - اوّل انگریزی - دویم اردو - سویم عربی فارسی - جو مدرسہ انگریزی کا ہوگا اُس میں بالکل انگریزی پڑھائی جاویگی اور تمام علوم و فنون اور جو کچھ کہ اُس میں تعلیم ہوگا وہ سب انگریزی میں ہوگا - الا ہر طالب علم کو سکنڈ لینگوج بھی پڑھنی ہوگی - لیٹن و اردو یا لیٹن و فارسی - یا لیٹن و عربی - اور اسکو بشمول اپنی تعلیم کے کچھ مختصر کتابیں فقہ و حدیث و عقاید کی اُردو زبان میں پڑھنی ہونگی ٭

اس مدرسہ کے تجویز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اب زمانہ ایسا آتا جاتا ہے کہ جو لوگ گورنمنٹ سے اعلے عہدوں کے پانے کی تمنا رکھتے ہیں اور دنیا میں نہایت اعلے درجہ کی عزت جو رعایائے گورنمنٹ حاصل کر سکتی ہے حاصل کرنا چاہتے ہیں جب تک کہ وہ اعلے درجہ کا کمال انگریزی زبان میں حاصل نہ کریں گے اُس وقت تک یہ بات مسلمانوں کو نصیب نہیں ہونے کی اور ایسا کمال انگریزی میں بغیر اس کے کہ اُسی کو خوب حاصل کریں حاصل ہونا غیر ممکن ہے - پس جو لوگ کہ اس قسم کے

عہدوں اور عزتوں کے خواہاں ہیں اُن کے لیئے یہ تجویز کی گئی ہے ٭

علاوہ اس کے ضرور ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک جماعت اس قسم کی ہو کہ وہ نہایت اعلےٰ درجہ کا کمال انگریزی میں حاصل کرے کیونکہ اُس جماعت سے مُلک کو اور ملک کے لوگوں کو اعلیٰ ترقی تعلیم کو بہت فائدہ ہوگا اور وہ ذریعہ اور منبع شیوع علوم کے بن جاویں گے۔ اُنکی بدولت تمام علوم انگریزی زبان سے اُردو زبان میں آجاویں گے اور اُن کی ذات سے مُلک کو منفعت عظیم پہونچے گی ٭

اُردو مدرسہ۔ اس میں تمام علوم وفنون بزبان اُردو پڑھائے جاوینگے اور جو کچھ تعلیم اس میں ہوگی وہ سب اُردو میں ہوگی۔ البتہ ہر طالب علم کو تین زبانوں میں سے کوئی زبان بطور سکنڈ لینگوج کے اختیار کرنی ہوگی۔ انگریزی۔ فارسی۔ عربی میں اُمید کرتا ہوں کہ جو لڑکا دس بارہ برس کی عمر میں اس مدرسہ میں داخل ہوگا وہ ضرور اٹھارہ برس کی عمر تک تمام سینسز یعنی علوم کو اُردو زبان میں اس قدر تحصیل کریگا جس قدر کہ درجہ بی اے کے لیئے مقرر ہیں اور سکنڈ لینگوج میں اُس کو اس قدر لٹریچر آجاویگی جیسے کہ انٹرنس کلاس تک کے پڑھنے والوں کو آتی ہے ٭

پس اس عمر کے اور اس قدر تحصیل کے بعد طالب علم اُس سکنڈ لینگوج میں سے اُس زبان کی لٹریچر کو جو اُس نے اختیار کی ہے تکمیل کرنی شروع کرے اور تین برس اُسکو اُس کی تکمیل کے لیئے بہت کافی ہوں گے۔ پس اگر اُس نے ان تین برس میں انگریزی زبان کی تکمیل کی ہے تو اُسکو تین برس کی اَور مہلت اس لیئے بخوبی ملیگی کہ وہ عدالت کے قوانین سیکھے اور مختلف عہدوں کے لیئے جو امتحان مقرر ہیں اُن میں امتحان دے اور نوکری گورنمنٹ کی تلاش کرے اور اُسکو حاصل کرے یا اَور کسی کاروبار میں جس میں وہ چاہے مشغول ہو ٭

اور اگر اُس نے ان تین برس میں فارسی زبان کی تکمیل کی ہے تو اُس نے یقینی گورنمنٹ کی نوکری سے تو قطع نظر کرلی ہے کیونکہ وہ تو بغیر انگریزی پڑھے حاصل نہ ہوگی پس اُسکو مہلت ہے کہ جہاں تک چاہے فارسی میں کمال بہم پہونچائے اور شاعر و منشی و ادیب ہو کر دنیا میں اپنا نام یادگار چھوڑ جاوے ٭

اور اگر اُس نے ان تین برس میں عربی زبان کی تکمیل کی ہے تو اُس نے بوجہ مذکورہ بالا سرکاری نوکری سے تو قطع نظر کرلی ہے پس اُس کو بھی عربی زبان میں اور نیز اُن علوم میں جو عربی زبان میں

ہیں اور نیز علوم دین مثل فقہ و حدیث و تفسیر و کلام وغیرہ میں جہاں تک کہ وہ چاہے ترقی کرنے اور کمال بہم پہونچانے کا موقع حاصل ہے ۰

یہ مدرسہ جو اس قسم کا تجویز کیا گیا ہے جس میں اول تمام علوم اُردو زبان میں پڑھائے جاوینگے اس کا سبب یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزی مدرسوں میں کافی لیاقت لڑکوں کو نہیں آتی ایک مشکل اُن کو غیر زبان کا سیکھنا اور دوسری مشکل غیر زبان میں علوم کا سیکھنا ہوتا ہے پس اس تدبیر سے ہمنے اُن کی ایک مشکل کو موقوف کردیا ہے تاکہ وہ بسبب اپنی زبان کے علوم و فنون سے نہایت جلد بخوبی واقف ہو جاویں اور بعد اُس کے دوسری زبان کے لٹریچر میں محنت کرکر جہاں تک اُن سے ہوسکے ترقی کرلیں ۰

اس تدبیر سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بہت کم طالب علم علوم و فنون سے گو کہ وہ اُردو ہی زبان میں کیوں نہوں ناواقف رہینگے اور بہ نسبت حال کے لٹریچر پر محنت کرنے کی زیادہ مہلت ملیگی اور اُن کو اُس زبان کی لٹریچر بہ نسبت حال کے بہت زیادہ آجاویگی ۰

اس بات پر اکثر بحث ہوتی ہے کہ سرکاری کالجوں کی تعلیم سے لیاقت کامل نہیں ہوتی اور کیوں وہ تعلیم انگلستان کے کالجوں کی تعلیم کے برابر نہیں ہے پس میری رائے میں اس کا سبب یہی ہے کہ انگلستان میں تعلیم اُنھیں لوگوں کی زبان میں ہوتی ہے اور تمام علوم و فنون انھیں کی زبان میں ہیں اور ہر وقت اور ہر محل پر اُن کو اپنے علم کی ترقی کا موقع ہوتا ہے برخلاف ہندوستان کے کہ اُن کی تعلیم اُن کی مادری زبان میں نہیں ہے اور اُن کو دوسری زبان پر قادر ہونے میں نہایت مشکل پیش آتی ہے اور اُس پر قادر ہونے تک تمام وقت تحصیل علوم و فنون کا گذر جاتا ہے پس اس تبدیل سے جو اس مدرسہ کے تقرر میں کی گئی ہے اُمید ہے کہ وہ رُکاوٹ نہ رہیگی ۰

جو طالب علم کہ بذریعہ عربی زبان کے علوم تحصیل کرنے پر متوجہ تھے اُن میں بھی یہ نقصان رہتا تھا کہ وہ ان علوم و فنون سے جو نہایت ضروری ہیں ناواقف محض رہتے تھے اور اس تبدیل سے جو طریقہ تعلیم میں کی گئی ہے اُمید یہ ہے کہ وہ بھی ناواقف نہ رہینگے اور عربی زبان میں بھی کمال حاصل کرنے کا اُن کو موقع حاصل رہیگا ۰

عربی فارسی مدرسہ - اس میں ابتداءً کسی علم کی تعلیم نہیں ہونے کی بلکہ جو انگریزی اور اُردو پڑھنے والوں نے اِن دونوں زبانوں میں سے جسکو بطور سکنڈ لینگویج کے اختیار کیا ہوگا اور اُردو میں علوم و فنون پڑھ چکنے کے بعد عربی یا فارسی زبان کے لٹریچر و علوم میں کمال حاصل کرنے کا

ارادہ کیا ہوگا تو اُن کی پڑھائی فارسی عربی میں اعلےٰ درجہ تک کی اِس مدرسہ میں ہوگی ✦
تینوں مدرسے ملکر درحقیقت ایک مدرسہ ہوگا اور جوکہ ہر قسم کے یعنی انگریزی کے اور اُردو فارسی و عربی کے اس میں موجود ہوں گے تو سلسلہ تعلیم ہر ایک مدرسہ کا جو قایم کیا گیا ہے وہ اُستادوں کی تقسیم اوقات سے بخوبی تکمیل پاتا رہیگا ✦

مدارس

یہ چھوٹے چھوٹے مدرسے ہونگے اور ہر شہر و قصبہ و ضلع میں جہاں ان کا قایم ہونا ممکن و مناسب ہو قایم ہونے چاہئیں گے۔ ان میں تعلیم صرف اُن قواعد کے مطابق ہوگی جو اُردو مدرسہ کے لیئے ہیں اور اُسی طرح اس مدرسہ کے طالب علموں کو ایک سکنڈ لینگوج مقرر انگریزی یا فارسی یا عربی اختیار کرنی ہوگی ✦
اس مدرسہ میں اور پہلے مدرسہ اُردو میں صرف اتنا فرق ہوگا کہ اس مدرسہ میں ایک حد معین تک علوم پڑھائے جاویں گے اور جب اُس حد تک طالب علم پہونچ جاویں گے تو اِس مدرسہ سے خارج ہو جاویں گے اور اُن کو اختیار ہوگا کہ اُس سے اعلےٰ درجہ کی تعلیم اگر چاہیں تو مدرسۃ العلوم میں داخل ہوں۔ یہ مدرسے اِس مراد سے ہوں گے کہ مدرسۃ العلوم کے لیئے لڑکے تیار کریں۔ انکی مثال بعینہٖ ایسی ہوگی جیسے گورنمنٹ ضلع اسکول کالجوں کی بھرتی کے لیئے طالب علم طیار کرتے ہیں ✦

مکتب

ہر گانوں اور قصبہ میں جہاں جہاں ہو سکے مکتب قایم ہونے چاہئیں۔ ان میں قرآن شریف بھی پڑھایا جاوے اور اُردو زبان میں کچھ کتابیں اور حساب وغیرہ سکھایا جاوے اور اُردو میں لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاوے اور اِس مکتب میں بھی کسی قدر فارسی اور کسی قدر انگریزی سکنڈ لینگوج ہو۔ فارسی تو صرف اس قدر ہو جس سے اُردو کو مدد پونہچے اور انگریزی نہایت قلیل صرف اتنی کہ حرف پہچان لے۔ چھاپے کے حرفوں میں لکھا ہوا نام پڑھ سکے اور انگریزی ہندسے جو کلوں اور اوزاروں پر لکھے ہوئے ہوتے ہیں اُن کو پہچان سکے تا اگر کسی کل سے کام لینا ہو تو کام لے سکے ✦

اِس مکتب میں قرآن مجید نئے قاعدہ سے پڑھایا جاوے جس میں کُل قرآن شریف چھ مہینے میں بخوبی ختم ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے قرآن مجید کے کُل لفظ بحذف الفاظ مکرر جدا چھانٹ لیئے ہیں اور اُن کو بہ ترتیب دو حرفی و سہ حرفی مرتب کر لیا ہے اور الف بے کے بعد صرف اُن لفظوں کے پڑھا دینے سے کُل قرآن مجید ناظراں پڑھنا بخوبی آجاتا ہے +

اِس مکتب میں نماز پڑھنا بھی بتایا جاویگا اور چھوٹی چھوٹی اُردو کتابیں مسئلوں کی بھی جیسے کہ راہِ نجات ۔ حقیقت الصلوٰۃ وغیرہ ہیں لڑکوں کو پڑھائی جاوینگی +

حفاظی مکتب

جو لڑکے مسلمانوں کے قرآن مجید حفظ کرنا چاہیں یا اشخاص نابینا جو قرآن مجید حفظ کرنے کی زیادہ رغبت رکھتے ہیں اُن کے لیئے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مناسب مقاموں پر مکتب مقرر ہوں جن میں وہ لوگ قرآن مجید حفظ کیا کریں مگر اِس مکتب کو بالکل علیحدہ رکھنا چاہیئے اور کسی مدرسہ یا مکتب کے شامل کرنا نہیں چاہیئے +

عُمرِ تعلیم

اگرچہ ابتداءً جب مدرسے مقرر ہونگے اُن میں عمر کا چنداں لحاظ نہ ہوگا بلکہ منتظمان کی رائے پر اور لڑکوں کی حالت پر اُن کا داخلہ منحصر ہوگا مگر جبکہ انتظام بہ خوبی ہو جاوے اُس وقت ہر ایک قسم کے مدرسہ کے لیئے عمر کی تعین ضرور ہوگی۔ پس لڑکوں کی تعلیم میں اُن کی عُمر کا حسب تفصیل ذیل لحاظ رکھنا چاہیئے کا جس کے لیئے پانچ درجہ قرار دیئے جاتے ہیں +

اوّل چھ برس سے دس برس تک ۔ اس میں چاہیئے کہ لڑکا قرآن مجید پڑھ لے اور کچھ اُردو کتابیں بھی اور مسایل کی چھوٹی چھوٹی کتابیں جیسی راہ نجات او حقیقت الصلوٰۃ وغیرہ ہیں پڑھ لے اور کچھ کچا پکا لکھنا بھی سیکھ لے اور اُس کو اِس قدر استعداد ہو جاوے کہ اُردو عبارت بآسانی پڑھ لکھ سکے اور انگریزی حرفوں اور ہندسوں کو پہچاننا اور نام پڑھ لینا سیکھ لے - یہ وہ تعلیم ہے جس کا مکتبوں میں ہونا چاہیئے +

دوم - گیارہ برس سے تیرہ برس تک - اِس عمر میں اس قدر پڑھ لینا چاہیئے جو روزمرہ کے کاموں اور اسورات متعلقہ زندگی اور معاش کے کام میں درکار ہیں - سیدھے سادھے مسایل مذہبی

وعقاید مذہبی سے بھی واقفیت حاصل ہو۔ یہ وہ تعلیم ہے جو مدارس مجوزہ میں تجویز کی گئی ہے ❖

اہل پیشہ اور غریب آدمی بھی جو اپنے لڑکوں کو اپنے پیشہ میں مصروف کرتے ہیں اس قدر عمر تک لڑکوں کو تعلیم میں رکھنے سے کچھ اپنا ہرج نہیں سمجھتے اور اگر اہل پیشہ کے لڑکے اسقدر درجہ تک کی تعلیم پاجاویں اور ہمارے ملک میں عموماً اس قدر درجہ تک علم پھیل جاوے تو ہندوستان ہندوستان نہیں رہنے کا بلکہ قطعہ جنت ہوجاوے اور ٹھیک ٹھیک ہندوستان جنت نشان کا لقب اُسپر صادق آویگا ❖

سوم۔ چودہ برس سے اٹھارہ برس تک۔ اس عمر میں جملہ علوم وفنون سے جو دین و دنیا میں بکار آمد ہیں واقفیت کلی حاصل ہونی چاہیئے ❖

چہارم۔ اُنیس برس سے اکیس برس تک۔ اس عمر میں خاص علوم اور خاص زبان جس میں طالب علم کمال حاصل کرنا چاہے حاصل کرنے ہونگے ❖

پنجم۔ بائیس برس سے پچیس برس تک۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں طالب علم بعد فراغ تعلیم اُن چیزوں کو پڑھنے اور امتحان دینے میں مشغول رہیگا جن کے ذریعہ سے سرکاری نوکریاں ہاتھ آتی ہیں اور اسی قسم کے حصول معاش کے ذریعوں کو حاصل کرنے میں مشغول ہوگا ❖

یہ پچھلی تینوں قسم کی تعلیمیں وہ ہیں جو مدرسۃ العلوم سے علاقہ رکھتی ہیں ❖

سلسلہ تعلیم

انگریزی مدرسہ کے لیئے ہمکو سلسلۂ تعلیم کے معین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیمبرج اور اکسفورڈ کی دو یونیورسٹیاں ہماری ہدایت کے لیئے موجود ہیں۔ پس ہمیشہ ہمکو اُن کی ہی تقلید اور پیروی سے سلسلہ کتب درسیہ کا معین کرنا اور اُسی طریق پر تعلیم دینا کافی ہوگا ❖

اُردو مدرسہ کے لیئے البتہ ہمکو کتابیں تلاش کرنی اور اُن کا سلسلہ تعلیم قایم کرنا پڑے گا مگر یہ بات کچھ مشکل نہیں ہے۔ سلسلہ کتب درسیہ علوم وفنون بعینہ وہی قایم رہے جو انگریزی میں ہو اُنھیں کتابوں کا جو انگریزی میں علوم وفنون کی پڑھائی جاویں اُردو میں ترجمہ ہو اور اُردو میں پڑھائی جاویں۔ پس ان دونوں مدرسوں میں پڑھائی تو ایک سی ہوگی صرف یہ فرق ہوگا کہ جو کتاب انگریزی مدرسہ میں انگریزی زبان میں پڑھائی جاتی ہے وہ اس مدرسہ میں اُردو میں پڑھائی جاوے گی ❖

عربی و فارسی مدرسہ کے لیئے بھی کتابوں کے متعین کرنے میں چنداں دقت نہ ہوگی فارسی زبان کے علم انشا کی کتابیں نہایت آسانی سے بہت عمدہ اور سادہ منتخب ہو سکتی ہیں جو سلسلہ مناسب سے درس میں داخل ہوں۔ عربی زبان میں جو سلسلہ تعلیم جاری ہے بلاشبہ اُس میں تبدیل عظیم کرنی پڑے گی۔ سلسلہ نظامیہ جو بالفعل جاری ہے محض لغو ہے اور حال کے زمانہ کے مطابق نہیں بلاشبہ اُسکو ترک کرنا اور سلسلہ جدید قایم کرنا پڑے گا +

طالب علموں کو لغو مباحث میں ڈالنا اور الفاظ کی بحث پر اُن کی عمر کو ضائع کرنا محض بیفایدہ ہے بعوض اُس کے یہ بات چاہیئے کہ سیدھے سادے اور صاف مسائل صرف و نحو اُن کو پڑھائے جاویں بغیر کسی بحث کے تاکہ وہ بخوبی بموجب قواعد صرف و نحو عربی کی عبارت پڑھ سکیں +

چند رسالہ منطق خالص کے جو بہت صاف اور سیدھے ہوں اُن کو پڑھانے چاہئیں اور علم معانی بیان کے سیدھے مسئلہ سکھانے چاہئیں اور عربی بولنے اور عربی لکھنے کی مشق کرانی چاہیئے پس اِس قدر تعلیم متعلق علم ادب کو کافی سمجھنا چاہیئے +

اس تعلیم کے لیئے بھی کتابوں کی چنداں مشکل نہیں پڑنے کی۔ کُتب موجودہ میں سے ایسی صاف صاف کتابیں بآسانی منتخب ہو سکتی ہیں اور بعض کتابوں پر ایک عالم نظر ثانی کر کر اور اُن میں سے فضول مباحث کو حذف کر کر کتابوں کو مناسب حال کر دے سکتا ہے +

باقی رہی تعلیم کتب مذہبی کی بالفعل ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ کتب مذہبی میں سے ابتداء سے آخر تک کسی کتاب کے پڑھنے کا رواج نہیں ہے بلکہ مقامات معینہ ہر ایک کتاب کے پڑھکر باقی کتاب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ میری دانست میں اِس طریقہ کو تبدیل کرنا چاہیئے ایک آدھ متن جو عمدہ اور مفید ہو وہ بتمامہ پڑھایا جاوے اور باقی کتابوں میں سے اُن مقامات کا جو اِس زمانہ میں مفید اور بکار آمد ہیں انتخاب کر کر ایک چھوٹی سی کتاب بنائی جاوے۔ مثلاً ھدایہ اُس میں سے عمدہ اور مفید مقامات کا انتخاب کر کر تلخیص الہدایہ اُس کا نام رکھا جاوے جو چند جزو پر ہو اور وہ بتمامہ پڑھا دیا جاوے۔ اسی طرح کتب صحاح ستہ حدیث میں سے احادیث عمدہ و مستند و مفید و ضروری کا انتخاب کر کر تلخیص البخاری و تلخیص المسلم و علے ہذا القیاس چھوٹی چھوٹی کتابیں بنا لیجاویں اور وہ بتمامہ پڑھائی جاویں۔ تفسیر میں جلالین شاید نہایت عمدہ ہے اور انتخاب کی بھی ضرورت نہیں رکھتی مگر وہ نہایت آسان ہے اور اُس سے زیادہ قابلیت کے لیئے دوسری تفسیر ہونی چاہیئے پس وہ تفسیر بیضاوی ہے اُس کی بھی تلخیص کیجاوے اس طرح پر کہ جہانتک

کہ اُس میں مباحث عربیت سے متعلق ہیں وہ انتخاب کر لیئے جاویں اور باقی امور چھوڑ دیئے جاویں غرض کہ اسی طرح کتابوں کے انتخاب اور تلخیص سے ایک سلسلہ کتب درسیہ عربیہ کا قایم کر لیا جاوے پس یہ وہ طریقے ہیں جن سے میری دانست میں تعلیم مسلمانوں کی اس طریق پر جو دین و دنیا کے لیئے مفید ہو جاری ہو سکتی ہے اور نکبت اور جہل جو مسلمانوں میں پھیلتا جاتا ہے اُس کا علاج ہو سکتا ہے مگر ہر شخص یہ بات بخوبی اور بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریقہ تعلیم کا کسیطرح گورنمنٹ اختیار کر سکتی ہے اور نہ سرکاری کالجوں اور اسکولوں میں جاری ہو سکتا ہے خود مسلمان البتہ بخوبی جاری کر سکتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اس کے اجرا کا مقدور بھی رکھتے ہیں صرف ہمت اور محنت اور توجہ درکار ہے ❊

دوم وہ طریقہ جس سے گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں کی تعلیم زیادہ تر مسلمانوں کے مناسب حال ہو جاوے اور اُس سے مسلمان فائدہ اُٹھاویں ❊

مسلمانوں کو چاہیئے کہ گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں کو ایسا تصور کریں کہ صرف انگریزی زبان کی تعلیم کا اس قسم کا مدرسہ ہے جیسا کہ اُن کے لیئے اوپر تجویز ہوا ہے اور تمام علوم و فنون اُس میں بزبان انگریزی تعلیم دیئے جاتے ہیں اور اردو۔ فارسی۔ عربی صرف بطور سکنڈ لینگوج کے ہے اور صرف ان مدرسوں کو زیادہ تر مناسب اور مفید کرنے کے لیئے مفصلۂ ذیل باتوں پر توجہ کریں ❊

اوّل۔ گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ جس قدر انگریزی کی تعلیم اب دی جاتی ہے اُس میں ترقی کی جاوے اور ہر ایک درجہ کی تعلیم بالکل یونیورسٹی کیمبرج اور اکسفورڈ کی برابر کر دیجاوے ❊

دوم۔ یورپ کے طالب علموں کو لٹریچر میں قدرتی دستگاہ ہوتی ہے کہ وہ اُن کی مادری زبان ہے اس لیئے اُن کو تھوڑی تحصیل میں آسکتی ہے مگر ہندوستان کے لیئے کالجوں میں لٹریچر کی پڑھائی زیادہ تر کیجاوے تاکہ لیاقت تحریر و تقریر بخوبی آجاوے ❊

سوم۔ ہر کالج میں بہ تحت انتظام پرنسپل کے ایک کلب مقرر ہو جس کا پریزیڈنٹ پرنسپل ہو اور ہر ہفتہ اُس میں اعلےٰ کلاسوں کے طالب علم اسپیچیں مضامین معین میں کیا کریں اور اگر چھوٹے کلاسوں میں اسکو وسعت دی جاوے اور ہر کلاس کے ماسٹر کے اہتمام میں اُسکے طالب علم ہر ہفتہ اسکی مشق کیا کریں تو ترقی لٹریچر کے لیئے نہایت مفید ہوگا ❊

چہارم۔ مسلمان گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ بشمول ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن ایک کمیٹی مقرر کریں جو اُن کتابوں کو منتخب کرے گی خواہ خود تالیف کرے یا تالیف کریگی جو سکنڈ لینگوج

کی تعلیم کے لیئے درکار ہیں اور اِس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اُردو و فارسی و عربی کی تعلیم کی کتابوں میں جو بطور سکنڈ لینگوچ کے پڑھائی جاتی ہیں کچھ درستی کی جاوے اور کتابیں عمدہ و مفید بصلاح کمیٹی اُس میں داخل کی جاویں تو مسلمان طالب علموں کو رغبت بھی ہوگی اور بہ نسبت حال کے اُن زبانوں کی تعلیم کی بھی ترقی ہوجاوے گی اور جب عربی فارسی کی تعلیم ایک عمدہ قاعدہ پر ہوگی تو مسلمان طالب علموں کو کسی وقت پر اُسکو اعلےٰ درجہ تک ترقی دینے کا موقع حاصل رہیگا ✦

پنجم - بڑے بڑے شہروں اور قصبوں کے مسلمان بمنظوری گورنمنٹ ایک کمیٹی مقرر کریں جو اِس بات کی تحقیقات کیا کرے گی کہ کس قدر مسلمان لڑکے شہر یا قصبہ میں ہیں اور وہ کہاں کہاں پڑھنے لکھنے میں مصروف ہیں اور کیا کرتے ہیں اِن تحقیقات کی کتابیں اور فہرستیں مرتب ہوں اور ہمیشہ سہ ماہی پر اُن کی جانچ پرتال ہوا کرے اور جو لڑکے پڑھتے نہیں ہیں اُس کا سبب بھی دریافت کر کر اُس کتاب میں مندرج کیا کریں ✦

اس کمیٹی میں بجز مسلمانوں کے اَور کوئی شخص اور نہ کوئی یوروپین حاکم شریک ہو مگر اسکی اطلاع و کیفیت ڈایرکٹر پبلک انسٹرکشن پاس جایا کرے اور خرچ اِس کمیٹی کا میونسپل فنڈ سے دیا جاوے ✦

ششم - ہر کالج اور اسکول کے لیئے کمیٹی ہو جس میں مسلمان بھی شریک ہوں اور اُن کو کچھ وقعت اور اختیار بھی دیا جاوے اور اُس کا بائی لاز خود اُنھیں سے بنوایا جاوے اور گورنمنٹ بعد صلاح و ترمیم اُسکو منظور کرے تاکہ گورنمنٹ کالج و اسکول مسلمانوں کے لیئے بطور ایک بی کے متصور ہوں نہ بطور ایک خوفناک چیز کے جیسیکہ اَب تک رہے ہیں ✦

تحصیلی و حلقہ بندی مکتبوں کو بھی اپنے مفید کرنے کے لیئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اُن کے اہتمام اور نگرانی میں زیادہ تر مداخلت کریں اور سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ اپنی طرف سے اور باہمی چندہ سے ایسے ایسے چھوٹے مکتب خود قایم کریں اور گورنمنٹ سے اُس میں نصف روپیہ ملنے کی درخواست کریں ✦

غرض کہ جیسا کہ اَب تک گورنمنٹ کے سررشتہ تعلیم سے مسلمان علیحدہ علیحدہ رہے ہیں برخلاف اُس کے جہاں تک ممکن ہو اُس میں اعانت و مدد کریں اور سررشتہ تعلیم کو ایک اپنی ضروریات سے سمجھیں تاکہ وہ اُس سے فائدہ اُٹھا سکیں اور جو جو نقصان اُس میں ہوں اُس کے رفع کرنے پر

قادر ہوں ٭

یہ تمام باتیں جو اوپر بیان ہوئیں مسلمانوں کو گورنمنٹ کالجوں و اسکولوں سے فائدہ اٹھانے کے لیئے کافی ہیں۔ اس سے زیادہ اور کچھ گورنمنٹ سے درخواست کرنی یا توقع رکھنی محض بیہودہ بات ہے بلکہ اس میں سے بھی بعض باتیں ایسی ہیں کہ گورنمنٹ بمشکل اسکو قبول کریگی ٭

رائے ممبران

اس تجویز کی نسبت کل ممبران سلیکٹ کمیٹی سے صلاح اور مشورہ کیا گیا جو ممبر کہ بنارس میں موجود تھے انھوں نے بالمشافہ اپنی رائیں ظاہر کیں اور جو لوگ کہ بنارس میں موجود نہ تھے ان کے پاس یہ تجویز بھیجی گئی اور انھوں نے بذریعہ تحریر کے اپنی رائیں ظاہر کیں جن کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے ٭

سید احمد خاں ۔ مولوی محمد عارف صاحب ۔ مولوی سید عبداللہ صاحب ۔ محمد یار خاں صاحب مولوی سید زین العابدین صاحب ۔ مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب ۔ مولوی اشرف حسین خاں صاحب مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب اور منشی محمد اکرام حسین صاحب نے بلا کسی اختلاف کے مذکورہ بالا تجویز کو پسند اور منظور کیا اور تمام مراتب مذکورہ بالا سے اتفاق رائے ظاہر کیا ٭

مولوی سید امداد علی صاحب اور مولوی قطب الدین حسن صاحب اور مولوی حمید الدین صاحب اور منشی محمد سبحان صاحب نے بھی بالکلیہ اس تجویز سے اتفاق کیا مگر ان چاروں ممبروں نے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ تلخیص کتب بذریعہ علماء کامل اور متدین کے عمل میں آوے ٭

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے بھی جملہ مراتب مندرجہ بالا سے دلی اتفاق کیا اور یہ لکھا کہ سلسلہ تعلیم میں جو کمی بیشی کی خواہش کی ہے نہایت عمدہ اور مناسب ہے لیکن چونکہ اس رپورٹ میں اُن کتابوں کے انتخاب کا پورا ذکر نہیں ہے جو اس طریقہ میں پڑھائی جاوینگی اس لیئے میں اسباب میں ابھی کچھ رائے نہیں دیتا جب اس کا موقع آویگا تب میں بالتفصیل رائے دوں گا ٭

مولوی عبدالرحمٰن صاحب اور مولوی حفیظ الدین احمد صاحب اور میر بادشاہ صاحب نے بھی تجویز مذکورہ بالا سے اتفاق کیا مگر کتب فقہ و اصول فقہ اور کتب حدیث کی تلخیص کرنے سے اختلاف رائے کیا اور کہا کہ وہ بدستور سابق تعلیم میں رہیں ٭

مولوی سید فرید الدین احمد صاحب نے اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ میں اپنے لائق فائق مسیح عصر حکیم

روشن ضمیر عالی دماغ سید احمد خاں صاحب بہادر سی۔ ایس۔ آئی عمدہ ممبر کی رائے سے بالکل اتفاق
نہیں کر سکتا اُس سخت مرض مہلک اور مزمن مرض جہالت کا کہ جو آجکل جسم اسلامی کو لاحق ہو گیا
ہے اور جس نے اُن کے سارے دین و دنیا کے امور کو نہایت فتور اور نقصان میں ڈال رکھا ہے
جو علاج تجویز کیا ہے وہ محض ایک تصویر خیالی ہے جو حالت موجودہ مسلمانوں سے اس بات کی
توقع وہم بھی نہیں ہو سکتی کہ وہ اُس عمدہ علاج کے اجزائے نافع کو بہم پہونچا کر استعمال کریں میں
اس بات کو نہایت سچائی سے قبول کرتا ہوں کہ وہ نسخہ مجوزہ نہایت بے نظیر و لاجواب ہے اگر
اُس کے استعمال کا امکان ہوتا تو وہ بالکل اُس مرض مہلک کی بیخ و بنیاد کو توڑ ڈالتا اور جسم
اسلامی کو اعلےٰ درجہ کی صحت و طاقت کو پہونچا دیتا اور یقین ہے کہ آیندہ نسلوں میں کوئی وقت
ضرور ایسا آویگا کہ اہل اسلام بخوشی اُس نسخہ کو استعمال کرینگے اور خدا کرے کہ جلد وقت آوے۔ میرے
خیال میں اُس حکیم حاذق کو ضروری تھا کہ وہ دولت اور ہمت اور توفیق موجودہ مسلمانوں پر لحاظ فرما کر
مطابق اُس کے کوئی نسخہ تجویز کرتے کہ جس سے زیادتی اُس مرض کی تو رُک جاتی اور کسی قدر آثار صحت
کے نمایاں ہوتے اور اسی طرح وقتاً فوقتاً بلحاظ حالت موجودہ کے اُس نسخہ میں تبدیل عمل میں لاتے کہ
یہی طریقہ بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے اگر حکیم ممدوح بنظر مہربانی پھر دوبارہ توجہ فرما کر کوئی ایسی
تدابیر تجویز فرماویں کہ جس کا خارج میں موجود ہونا گو بدقت ہو مگر ممکن ہو تو نہایت مناسب و بہتر ہے
اور جب میری رائے یہ قایم ہوئی کہ فی الحال وہ تدبیرات محض خیالی ہیں اور کسی طرح وہ وجود پذیر ہونگی
تو اُن تدابیر کی نسبت مفصل رائے لکھنا محض فضول و بیفایدہ ہے تاہم اِسقدر کہنا ایں ضروری
جانتا ہوں کہ مسلمانوں کے امور معاد کے لحاظ سے اُن کی اعلیٰ اور عمدہ تعلیم میں زبان عربی کو
دوم درجہ قرار دینا نامناسب ہے نہیں بلکہ مضر ہے جب ہم ایک ایسا خیالی منصوبہ قرار دیں کہ جو
عمدہ حالت ترقی تعلیم مسلمانوں کی ہو تو اُس میں حیف ہے کہ زبان عربی درجہ دوم میں قرار پاوے
اور چند ممبروں نے جو در باب تلخیص کتب دینیہ اہل اسلام کے رائے دی ہے اور سید احمد خاں صاحب
سے اختلاف کیا ہے میں اُس میں سید احمد خاں سے بالکل متفق ہوں میں خیال کرتا ہوں کہ
وقتاً فوقتاً علمائے اہل اسلام اس کے درپے رہے ہیں اور بنظر مصالح وقت اور حالت موجودہ
اہل زمان بہ تبدیل عبارت یا اختصار و تلخیص مقامات کتب تالیف کرتے آئے ہیں اور مجھکو اُمید
ہے کہ ہمارے یہاں کے لایق آدمی ہمیشہ اسی عمدہ رائے پر چلتے رہینگے۔ بخاری کی تلخیص کے
یہ معنی نہیں ہیں کہ اُس کے بعض اجزا کو ہم اپنی سمجھ کے موافق قایم رکھیں اور بعض کو نکال دیں

بلکہ تلخیص کے یہ معنی ہیں کہ اُس کے جو مقامات کہ مفید اور مناسب وقت ہیں اُس کو نکال کرکے درس میں داخل کریں اور اس میں کوئی قباحت اور نقصان نہیں ہے اور میں اس میں بھی کوئی قباحت اور نقصان نہیں سمجھتا کہ جو غلطی یا خطا کسی کتاب میں واقع ہے اُسکی گرفت کیجائے اور بلا اندیشہ وہ غلطی ظاہر کردی جاوے - مَیں خیال کرتا ہوں کہ ہمیشہ اوّل طبقہ صحابہ سے لیکر آج تک ہمارے یہاں کے علماء یہی کام کرتے چلے آئے ہیں - صحابہ - تابعین - مجتہدین - فقہاء - محدثین - مشایخ کرام سب کی غلطی و خطاؤں کو بہت صراحت سے علماء نے لکھا ہے اور اِس بات کو بھی بہت احتیاط سے ملحوظ رکھا کہ اگر کسی پر بیجا اعتراض یا ناجایز غلطیاں لگائی گئی ہیں تو اُسکو بدلایل معقول رد کیا اور یہ بھی اسی مقام پر مَیں لکھنا نہایت مناسب جانتا ہوں کہ ہمارے سچے مذہب کا عُمدہ اصول یہ ہے کہ کوئی عالم اور کوئی مجتہد اور کوئی صلحا سے بلکہ کوئی انسان سوائے انبیاء علیہم السّلام کے ایسے درجہ میں نہیں ہیں کہ جن کے کلام میں خطا اور غلطی واقع نہ ہوا ہو اگر آج ہم کسی بڑے سے بڑے عالم کے کلام کی غلطی ظاہر کریں اور اُس کو عُمدہ دلایل سے سچی نیت سے بغرض ہوا خواہی اسلام ثابت کردیں تو کچھ ہم پر اعتراض نہیں ہے ؞

منشی محمد اکبر حسین صاحب نے یہ رائے لکھی کہ مجھ کو جناب سید احمد خاں صاحب بہادر سی ایس آئی کی اعلیٰ اور عمدہ اور حکیمانہ تجویز سے بدل اتفاق کلی ہے - ہرچند مولوی فریدالدین صاحب کا خیال اُس کی تصویر خیالی ہونے کی نسبت مسلمانان ہند کی عادت و عقاید و حالات موجودہ پر نظر کرنیسے کسی وجہ تک صادق آتا ہے اور اِس تدبیر بے نظیر کی تکمیل اجرا کی تمام مرحلہ اُمید و بیم میں معلوم ہوتی ہے لیکن جب ہم اُس تشریح اور توضیح پر نظر کرتے ہیں جو جناب سید احمد خاں صاحب ممدوح نے تجویز اور عمل اِن دونوں چیزوں کے امتیاز کے باب میں فرمائی ہے تو ہم بے تامل متفق الرائے ہو کر خدائے عزوجل سے اپنے عمدہ ارادوں کے پورا ہونے کی دُعا مانگتے ہیں - السعی منی والاتمام من اللّٰہ ؞

جو رائے ممبروں کی اوپر بیان ہوئی اُس سے ظاہر ہے کہ جو طریقہ تعلیم کا تجویز ہوا اُس سے تمام ممبروں نے اتفاق رائے کیا ہے پس اَب میں نہایت خوشی سے اس رپورٹ کو ختم کرتا ہوں اور بموجب ہدایت ممبران سلیکٹ کمیٹی کے تمام ممبران کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان کے سامنے اِس اُمید سے پیش کرتا ہوں کہ ممبران کمیٹی ممدوح درباب تعمیل اور اجرا اس طریقہ تعلیم کے بتدابیر مناسب سعی اور کوشش فرمانی شروع کریں ؞

اختتام سال ۱۲۸۹ سنہ ہجری
و
شروع سال ۱۲۹۰ سنہ ہجری

شکر خدا کا کہ نواسی سنہ نوّے ہوگیا - ہمارے اس پرچہ کو جاری ہوئے سوا دو برس ہوئے - ہمکو خیال کرنا چاہیئے کہ پچھلے سال میں مسلمانوں کی ترقی تعلیم و تہذیب میں کیا کچھ ہوا اور ہمارے اس پرچہ نے کیا کیا اور لوگوں نے اسکو کیا کہا اور ہم نے اپنی قوم سے کیا سہا

حال خود و یاران خود

ہمارے اور ہماری قوم کے حال پر حافظ کا یہ شعر بالکل ٹھیک ہے -

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نیکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

پرانے دل بعضے تو ہمکو بُرا کہتے کہتے ٹھنڈے ہوگئے اور بعضے مہربان اب اَور نئے دل جوش پر ہیں اور ہمکو بُرا کہنے پر نہایت تیز زبان مگر ہمارا دل اپنے کام سے ٹھنڈا نہیں ہے ہمکو وہی جوش محبت و ہمدردی اپنی قوم کے ساتھ ہے اُن کی دین دنیا کی بھلائی اور تہذیب و شایستگی کی دن رات فکر ہے اُن کے غصہ سے ہمکو رنج نہیں - اُن کی سخت کلامی کا ہمکو غم نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ نہیں سمجھتے - جو کچھ کہ وہ کرتے ہیں ہم جب ہی سے جانتے ہیں جب کہ وہ نکرتے تھے -

من عہد تو سخت سست میدانستم
بشکستن آں درست میدانستم
ہر دشمنی اے دوست کہ با من کردی
آخر کردی نخست میدانستم

ہمکو پچھلوں کے حالات سے اور خود اپنے دادا محمد رسول اللہ صلعم کے حالات سے بالکل تسلی ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے عام بھلائی پر کمر باندھی اور عام بُرائی کا دُور کرنا

چاہا اور اپنی قوم کی بہتری اور بہبودی میں کوشش کی تو اُن کو دنیا کے ہاتھ سے اور بالتخصیص اپنی قوم کے ہاتھ سے کیا ملا۔ کوئی سُولی دیا گیا۔ کوئی آرہ سے چیرا گیا۔ کوئی جلاوطن کیا گیا۔ پس ہمکو جو اپنی قوم کے ہاتھ سے ہونا چاہیئے تھا اُس کا کروڑواں حصہ بھی ابھی نہیں ہوا ✦

ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ ہماری قوم نے ہم سے کیا کیا؟ کچھ نہیں کیا۔ بہت کیا تو یہ کیا کہ دو چار خط گمنام سب و دشنام کے لکھ بھیجے۔ ہمنے شکر کیا کہ ہمارا تو کچھ نہیں بگڑا اور اُن کا دل ٹھنڈا ہو گیا ✦

اس سے زیادہ کسی کو غصہ آیا اور کوئی اخبار نویس بھی اتفاق سے اُن کا دوست ہو رہا دو پتھر اور ایک کاٹ کی کل اُن کے ہاتھ میں ہوئی تو اُنھوں نے اپنے دل کے غصہ کو جھوٹ سچ باتیں چھاپ کر یا چھپوا کر ٹھنڈا کیا۔ ہم تو اسپر بھی راضی ہیں مگر اُس دن کا ہمکو افسوس ہے جبکہ وہ لوگ خود اپنی باتوں پر افسوس کریں گے اور سمجھینگے جو سمجھینگے ✦

ہمکو ملحد اور زندیق اور لامذہب کہنا کچھ تعجب نہیں ہے کیونکہ ہماری قوم نے خدائے واحد ذوالجلال کے سوا باپ دادا کی رسم و رواج کو اور اپنے قدیمی چال چلن کو دوسرا خدا مانا ہے اور پیغمبر آخرالزماں محمد رسول اللہ کے سوا اَور بہت سے پیغمبر پیدا کیئے ہیں کتاب اللہ کے سوا انسانوں کی بنائی ہوئی بہت سی کتابوں کو قرآن بنایا ہے اور ہم اُس جھوٹے خدا اور فرضی پیغمبروں اور جعلی قرآنوں کو ایسے ہی برباد کرنیوالے ہیں جیسے ہمارے جد امجد ابراھیم اپنے باپ آذر کے بتوں کے توڑنیوالے تھے ہم سچے خدائے واحد ذوالجلال کا جلال اور سچے پیغمبر محمد رسول اللہ کی نبوت اور سچی کتاب اللہ کی اطاعت دُنیا میں قایم کرنی چاہتے ہیں پھر وہ لوگ ہمکو ملحد و زندیق و لامذہب نہ کہیں اور نہ سمجھیں تو کیا کہیں اور کیا سمجھیں کیونکہ ہم اُن کے خُداؤں اور پیغمبروں اور قرآنوں کو نہیں مانتے ✦

مگر طرفہ یہ ہے کہ ہمکو کرسٹان بھی کہتے ہیں اور ہماری قوم کے ایک اخبار نویس نے چھاپا کہ ہم عیسائی ہو گئے اور ایک گرجا میں جا کر بپتسما یعنی اصطباغ لیا۔ ہمکو اپنی قوم کے حال پر نہایت افسوس آیا کہ اب ہماری قوم کا یہ حال ہو گیا ہے کہ علانیہ جھوٹ بولنے اور جھوٹ چھاپنے میں کچھ شرم و غیرت و حیا نہیں آتی۔ قومی ہمدردی جو خدا کی ایک بڑی نعمت ہے خدا نے ہماری قوم کے دل سے کیسی مٹا دی ہے کہ اُس شخص کو یہ بھی غیرت نہیں ہوئی کہ مَیں ایک مسلمان شخص کی نسبت کس دل اور غیرت سے ایسی جھوٹ بات چھاپ دوں۔ اِن باتوں سے ہمکو بلحاظ

اپنی ذات کے کچھ بھی رنج نہیں ہوتا مگر جو رنج اور غم اور افسوس ہوتا ہے وہ یہی ہوتا ہے کہ افسوس ہماری قوم پر خدا کی کیسی خفگی ہے جو ایسی حالتوں میں گرفتار ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔

کانپور سے ہمکو مختلف صورتوں میں عجیب عجیب آوازیں آتی ہیں جناب حاجی مولوی سیّد امداد العلی صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر نے جو رسالہ مطبوعہ ہمارے پاس بھیجا ہے اُس میں یہ مضمون بطور نصیحت لکھا ہوا ہے :۔

"بعض اہالیان ہند نے واسطے دھوکا دینے حکام وقت کے اپنا طریقہ مذہبی اور لباس مُلکی اور وضع قومی چھوڑ کر برخلاف اپنے ہم مذہبوں اور ہموطنوں اور ہمقوموں اور ہم پیشیوں کے جاکٹ اور پتلون پہننا اور میز و کرسی پر بیٹھکر چھُری کانٹے سے کھانا اور وہ ہیئت جو نصرانیوں کی ہے بنانا اس مراد سے اختیار کیا ہے کہ ہمکو حکام وقت جن کے لباس و طعام کی یہ وضع ہے اپنا مخلص اور مطیع اور پیرو جانیں اور اُن کے محکومین ہمکو حکّام کا ہمسر مانند صاحب لوگوں کے سمجھیں سو نتیجہ اُن کی خبث طینت کا کہ مکر و دغا ہے یوں ظاہر ہے کہ اکثر حُکّام سوا فریبی دغاباز سمجھنے کے اُن کو کچھ اچھا نہیں جانتے ہیں اور اُن کی وضع اور چلن کو بالکل پسند نہیں کرتے ہیں اگرچہ بعض حُکّام ظاہر میں پادری منش اُن کی دلشکنی اس وجہ سے نہیں کرتے ہیں کہ خیال اُنکا یہ ہے کہ شاید اُن کے ذریعہ سے اہل اسلام کے عقاید میں کچھ فتور آسکتا ہے اور اُن کے دلوں میں ہمارے مذہب کی طرف کچھ رغبت پیدا ہوسکتی ہے حالانکہ اس خیال کا وقوع میں آنا ہرگز ممکن نہیں ہے اس لیئے کہ ان صاحبوں کی بے اعتباری نے اہل اسلام کی طبیعتوں میں اس طرح رسوخ نہیں پایا ہے کہ کوئی بات ان کی نکالی ہوئی یا کہی ہوئی یا لکھی ہوئی وہ قبول کرسکتے ہوں بلکہ میرا گمان یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی سچی رائے کو بھی اُن کے ذریعہ سے صحیح اور درست نہیں سمجھ سکتا ہے۔ بہرحال یہ اہالیان ہند کسی طرح اپنی مراد اس طریقے سے نہیں پاسکتے ہیں بلکہ اپنی بدنیتی سے خسر الدنیا والاٰخرۃ ہوسکتے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" :۔

اگرچہ اس تحریر کی وجہ لوگ اور ہی کچھ خیال کرتے ہیں مگر ہم اُن کی اسی بات کا کہ اُنھوں نے ہمکو اپنے ہم مذہبوں اور ہم وطنوں اور ہم قوموں میں شمار کیا شکر ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ۔

عُمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

مگر جب ہم تھوڑی دُور اُور اُس رسالہ کو پڑھتے جاتے ہیں تو پھر یہ فقرہ اپنی نسبت پاتے ہیں۔

"مفتی سعد اللہ صاحب کا فتوئے تکفیر میں جناب سید احمد خاں صاحب کے جو ترجمہ تاریخ پر مرتب ہوا ہے راقم کے پاس موجود ہے معلوم نہیں کہ سید احمد خاں صاحب کے حواریین اُس فتوے پر بھی ایمان رکھتے ہیں یا نہیں"۔

پہلے تو ہم گھبرائے کہ یہ مُفتی سعد اللہ صاحب کون ہیں وُہی ہیں جن کو ہمنے دلّی میں دیکھا ہے اور یہ وُہی مُفتی سعد اللہ صاحب ہیں جنھوں نے لکھنؤ میں ایک نیکبخت مسلمان آل رسوؐل ابن علی اولاد نبی کے کُفر اور قتل کا فتویٰ دیکر عشرہ محرم میں اُن کا سر ہنومان گڑھی سے نیزہ پر چڑھا کر لکھنؤ میں لانا چاہا تھا تو ہمارا دل ٹھنڈا ہوگیا اور سمجھے کہ آل رسوؐل کے قتل و کفر پر فتویٰ دینا اُن کا قدیمی پیشہ ہے۔

مگر جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکّہ معظمہ تشریف لے گئے تھے اور ہمارے کُفر کی بدولت اُن کو حج اکبر نصیب ہوا اُن کے لائے ہوئے فتووں کے دیکھنے کے ہم مشتاق ہیں۔ ؎

یہ ہیں کرامتِ بُتخانۂ مرا اے شیخ
کہ چوں خراب شود خانۂ خُدا گردد

سُبحان اللہ ہمارا کُفر بھی کیا کُفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو ھاجی اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے وللہ درمن قال۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شور بوم خس
توانم آنکہ نیازارم اندرون کسے
حسود را چکنم کو زخود برنج درست

اَب ہمارے محبوب مہدی علی اور ہمارے عزیز مشتاق حسین کا حال سُنو۔ یہ ہمارے دونوں دوست ایسے ہیں جن کا حال کچھ چھپا نہیں ہے۔ مولوی مہدی علی کا علم اُس کی ذاتی خوبیاں۔ اُسکی پیاری پیاری باتیں۔ اُس کی سچی ایمانداری۔ اُس کی فصیح تقریر اُس قابل ہے کہ اگر ہماری قوم کے دل کی آنکھیں اندھی نہ ہوتیں تو اُس کے نام سے فخر کیا کرتے۔

منشی مشتاق حسین کی ذاتی نیکی اور نہایت سخت دینداری بے ریا عبادت سچی خداپرستی۔ غایت تشدد سے نماز روزہ اور احکام شریعت کی پابندی جو درحقیقت بے مثل ہے اس لایق تھی کہ اگر ہماری قوم پر خدا کی خفگی نہ ہوتی تو اُس سے مسلمانی کو فخر سمجھتے۔

مگر خدا نے ایسا اپنا غضب ہماری قوم پر نازل کیا ہے کہ ایک رائے یا ایک مسئلہ یا ایک آبائی رسم و رواج کے اختلاف کے سبب ایک کو نہایت حقارت سے حواری جس سے اشارہ عیسائی کا رکھا ہے اور دوسرے کو ملحد کا خطاب دیا ہے کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ مگر ہمارے ان دونوں دوستوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اُن کو بعوض سچائی اور دینداری کے یہ خطاب اُنہی کی قوم سے ملے ہیں جن کی وہ بہتری چاہتے ہیں۔

نیک باشی و بدت گوید خلق
بہ کہ بد باشی و نیکت گویند

باایں ہمہ ہم خود اپنے مخالفوں کے نہایت مداح و ثنا خواں ہیں اور دل سے اُن کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ اُن میں سے اکثر صرف حمیت اسلامی کے سبب اور بعض اپنی جبلت اور اپنی خلقی سخت مزاجی اور کجرائی کے سبب ہماری مخالفت کرتے ہیں پس ہمارا اور ہمارے اکثر مخالفوں کا مطلب واحد ہے۔ ہم دونوں اسلام کے خیرخواہ اور اپنی قوم کی ترقی چاہنے والے ہیں صرف ہم میں اور ہمارے اُن مخالفوں میں اتنا فرق ہے کہ جو کچھ ہمنے سمجھا اور سوچا اور دیکھا ہے وہ اُنھوں نے سوچا سمجھا دیکھا نہیں۔ جب اُن کے دل کو بھی خدا وہ باتیں سوجھا دیگا جو ہمکو سوجھائی ہیں تو وہ بھی ہمارے ساتھ متفق ہو جاوینگے۔ زید ابن ثابت۔ ابوبکر صدیق اور عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جمع قرآن پر مخالفت ہی کرتے رہے جب تک کہ خدا نے زید ابن ثابت کے دل کو وہ باتیں نہیں سوجھائیں جو ابوبکرؓ و عمرؓ کو سوجھائیں تھیں لیکن جب سوجھائیں تو اُنھوں نے بھی تسلیم کیا کہ واللہ خیر۔ پس ہم اپنے مخالفین کے لیئے یہی دُعا خدا سے مانگتے ہیں کہ اللھم اشرح صدورھم للذی شرحت لہ صدری۔ آمین۔

ذکر پرچہ تہذیب الاخلاق

گذشتہ سال میں بسبب خاص ضرورتوں کے حالات مدرسۃ العلوم مسلمانان زیادہ تر اس پرچہ میں چھاپے گئے اسپر بھی بہت سے وہ مضامین بھی جن کے لیئے یہ پرچہ موضوع ہے مندرج ہوئے۔

ہم نے اپنی قوم کی موجودہ بُرائی اور اُن کی آیندہ کی بھلائی جہاں تک کہ ہو سکی اُن کو دکھائی۔ مذہبی نقایص جو اُنھوں نے یہود و نصاریٰ کی روایتوں سے اور ہندوؤں کے میل جول سے اختیار کیئے ہیں۔ بد رسم و رواج جو اُن میں شامت اعمال سے پڑ گئے ہیں۔ اخلاق کی بُرائیاں جو اُن میں خرابی تربیت سے آگئی ہیں اُن کی کُتب مروّجہ تعلیم کی خرابیاں جس سے وہ کتابیں بے سُود ہو گئی ہیں سب کچھ اُن کو بتلایا ہے ٭

علم ادب اور علم انشا سے بھی ہمنے غفلت نہیں کی کیونکہ ہمنے اپنے آرٹیکلوں کو اُس طرز جدید صاف و سادہ پر لکھا ہے جو دل میں سے نکلنے والی اور دل میں بیٹھنے والی ہے اُس طرز پر لکھنے سے اپنی قوم کو موجودہ علم انشا کی بُرائی کا بتلانا اور اُس میں تبدیل کی ضرورت کا ہونا سمجھایا ہے۔ اور اگر ہمارا خیال غلط نہو تو ہمنے اپنی قوم میں اُس کا کچھ اثر بھی پایا ہے ٭

ہمنے نامی یورپ کے عالموں اڈیسن اور اسٹیل کے مضامین کو بھی اپنی طرز اور اپنی زبان میں لکھا ہے جہاں کہ ہمنے اپنے نام کے ساتھ اے۔ ڈی اور ایس۔ ٹی کا اشارہ کیا ہے اور اپنی قوم کو دکھایا ہے کہ مضمون لکھنے کا کیا طرز ہے اور ہماری اُردو زبان میں اُن خیالات کے ادا کرنے کی کیا کچھ طاقت ہے اور اگر ہماری قوم اسپر متوجہ ہو تو کس قدر اَور زیادہ خوبی اور صفائی اور سادگی اُس میں پیدا کر سکتی ہے ٭

یہ تو ہمنے سُنا کہ بعض لوگوں نے ہمارے پرچہ کا نام تخریب الاخلاق اور تخریب الآفاق رکھا ہے جس طرح کہ ایک پُرانی قوم نے قولوا حطة نغفر لکم خطایاکم و سنزید المحسنین کی جگہ حنطة پڑھا تھا مگر ہم نے کوئی تحریر بطور ریویو کے اسپر نہیں دیکھی جس میں بطور ایک عادل حاکم کے اُسکی بھلائی بُرائی پر مفصل رائے دی ہو ٭

بعض دوستوں نے ہمارے پاس خط بھیجے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہماری تحریر کو اور سادگی عبارت کو پسند کرتے ہیں اور ہمارے مضمونوں کو بھی عمدہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے ایک انگریز دوست نے ہمکو لکھا کہ تہذیب الاخلاق نے یہ ثابت کر دیا کہ اُردو زبان میں بھی ہر قسم کے مضامین اور خیالات عُمدگی اور سادگی سے ادا ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ثابت کیا کہ مذہب اسلام ایسا تنگ و تاریک رستہ نہیں ہے جیسا کہ اَب تک سمجھا جاتا تھا ٭

ہمکو اِس بات کے معلوم ہونے سے بھی بڑی خوشی ہے کہ ہمارے مخالف ہمارے دوستوں سے بھی زیادہ اِس پرچہ کے مشتاق رہتے ہیں اور اِس سے بھی زیادہ خوشی یہ ہے کہ لوگ

اس کے مضامین پر بحث کرتے ہیں اور رد وقدح پر متوجہ ہیں بعض اخبار نویسوں نے ہمارے مضامین کے رد کرنے کا پیشہ اختیار کیا ہے اور بعض جگہ ہمارے مضامین پر بنظر تردید بحث کرنے کو مجلسیں مقرر ہوئی ہیں بعض صاحب اس بات پر متوجہ ہیں کہ اپنی پُرانی ہی کملی کو ہر مجلس کے لایق ثابت کریں۔ کانپور و گورکھپور و مرادآباد سے اُن مضامین کی تردید میں رسالے نکلے ہیں اور نکلنے والے ہیں۔ یہ تمام واقعات ہمارے لیئے نہایت مُبارک آثار ہیں کیونکہ اگر یہ سب باتیں معرض بحث میں نہ آتیں تو ہمکو اپنی تحریروں کے مؤثر ہونے کا کُچھ بھی یقین نہ ہوتا جو عمارت بغیر گہرا کھودے بنتی ہے وہ جلد ڈھے جاتی ہے۔ وُہی مسایل انجام کو ہر دلعزیز ہوتے ہیں جو بعد مباحثہ قایم رہتے ہیں۔ سونا اگر آگ میں نہ تپایا جاوے تو کبھی مُگلرخوں کے گلے کا ہار نہ ہو۔ ہمارا قول ہے کہ "سچ میں بھی کوئی ایسی کرامات نہیں ہے کہ وہ ازخود لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جاوے۔ اُس میں جو کُچھ کرامات ہے وہ یہی ہے کہ مباحثہ کا اُسے خوف نہیں"۔

ہمکو اس بات سے بھی خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے پرچہ کا ایک مضمون ہمارے مُلک کے نامی عربی اخبار **النفع العظیم لاهل هذا الاقلیم** مطبوعہ ۱۴ ذیقعدہ میں بزبان عربی ترجمہ ہو کر چھپا ہے۔ اور مسٹر اڈیسن کا ایک مضمون اُمید پر جو ہمنے اپنی زبان اور اپنی طرز پر چھاپا تھا وہ دوسری طرح پر بطور ترجمہ پٹیالہ اخبار مطبوعہ ۲۰ جنوری ۱۸۷۳ء میں چھپا ہے اور اس سے ہمکو اُمید ہوتی ہے کہ جو راہ ہم اپنے بھائیوں کو دکھانی چاہتے ہیں وہ اُسکو پسند بھی کرتے ہیں۔

در دلش تسلیم و بر لب حرف انکار وصال
گوش گوید بشنود چوں دل ز انداز ش خوش است

اثر تہذیب الاخلاق کا دلوں پر

اگرچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس پرچہ نے لوگوں کے دلوں پر بہت کچھ اثر کیا مگر اتنا تو ضرور کہتے ہیں کہ کچھ تو اثر کیا ہے۔ ہماری قوم کے دل جو مُردہ ہو گئے تھے اُن میں ایک تحریک تو ضرور آگئی ہے۔ ہر ایک دل میں کسی نہ کسی بات کا جوش ہے۔ کوئی اُس کے مضامین ہی کی تردید کی فکر میں ہے۔ کوئی ہماری تکفیر کی دُھن میں ہے۔ کوئی ہماری تحریروں کو سراہتا ہے۔ کوئی اُن

سراہنے والوں کو لعنت و ملامت کرتا ہے۔ مگر ایک نہایت خوشی کی بات یہ ہے کہ بہت لوگوں کو یہ خیال ہو گیا ہے کہ بلاشبہ ہماری قوم خراب ہوتی جاتی ہے اُس کے لیئے کچھ کرنا چاہیئے۔ اگر درحقیقت ہماری تحریروں نے ایسا اثر کیا ہو تو ہمکو یقین کرنا چاہیئے کہ ہماری مراد حاصل ہو گئی ✦

ہمارے ایک دوست نے ہمسے نقل کی کہ ضلع سہارنپور میں ہمارے حال پر بحث ہو رہی تھی ایک شخص نے کہا کہ اُس کے مسلمانوں کے دوست ہونے میں تو کچھ شک نہیں مگر نادان دوست ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ ہے تو وہ کرستان مگر ہماری قوم کی بھلائی اور ترقی اگر ہوگی تو اُسی کرستان سے ہوگی۔ یہ نقل سُنکر مَیں نہایت خوش ہوا اور مَیں نے کہا کہ اگر درحقیقت مجھ سے ایسا ہو تو اِس کرستانی کے خطاب پر ہزار مسلمانی نثار ہے۔

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگاں بدُعا آرزو کنند

صائب نے خود ایک ناواقف شاعر سے پوچھا کہ صائب کیسا شعر کہتا ہے۔ اُس نے نہایت دلی جوش سے کہا کہ آں قرمساق ہمہ خوش میگوید۔ صائب کہتا ہے کہ جیسی عزت مجھکو قرمساق کے لفظ سے حاصل ہوئی اعلےٰ سے اعلےٰ خطاب سے بھی ممکن نہیں۔ اسیطرح خدا کرے کہ یہ لفظ کرستان کا میرے لیئے عزت قومی کا باعث ہو ✦

اس کا اثر تعلیم و تربیت پر

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری کوششوں نے مُسلمانوں کی تعلیم پر اثر نمایاں کیا ہے اب جن مسلمانی مدرسوں میں جاتے ہیں اور جن طالب علموں سے ملتے ہیں اتنی بات تو ضرور سُنتے ہیں کہ جو طریقۂ تعلیم بالفعل مقرر ہے وہ بلاشبہ تبدیل کے لائق ہے۔ بہت سی کتابیں ایسی درس میں داخل ہیں جن سے عمر ضایع ہوتی ہے بعض علوم ایسے پڑھائے جاتے جو نہ دین کے کام کے ہیں نہ دنیا کے۔ جو شخص کہ فارغ التحصیل ہو گیا ہو اگر اُس کے حال پر غور کرو تو صاف معلوم ہوگا کہ دین کے کام کا ہونا تو معلوم دنیا کے بھی کسی کام کا نہیں ہوا ✦

بہت سے لوگوں کی خواہش معلوم ہوتی ہے کہ کسی طرح علوم و فنون جدیدہ چُپکے سے اُن کے ہاتھ آجاویں مگر شرماتے ہیں اور علانیہ اُن کی خواہش کرنے میں اپنی مولویت اور قدوسیت کی کسادبازی سمجھتے ہیں ✦

جا بجا مسلمانوں کے مدرسے قایم ہوتے جاتے ہیں اور ہر جگہ اُن کے قایم کرنے کا چرچا ہے مولوی محمد سخاوت علی صاحب نے جن کی برکت سے قصبہ انبہٹہ ضلع سہارن پور میں ایک مسلمانی مدرسہ قایم ہوا ہے ہمارے ایک دوست سے فرمایا کہ "اگرچہ پہلے بھی ہمکو اپنی قوم کی بھلائی کی فکر تھی مگر کوئی تقاضا کرنے والا اور بار بار جگانے والا نہ تھا۔ اب پرچہ تہذیب الاخلاق نے یہاں تک چوکنا اور آگاہ کیا جس کے سبب اِس قصبہ میں بھی ایک مدرسہ قایم ہوگیا۔ خدا اس پرچہ تہذیب الاخلاق کو ہمارے لیئے ہمیشہ مبارک رکھے اور شیخ نظام الدین صاحب مہتمم مدرسہ کی نیت میں بھی ترقی ہو جو میرے ساتھ بدل متفق ہیں ٭

یہ بھی اُنھوں نے فرمایا کہ ہمارے مدرسہ انبہٹہ کو اور ہمارے ضلع کے کُل مدارس۔ دیو بند۔ سہارنپور۔ گنگوہ کو بڑی تسلی ہے کہ یہ سب مدرسے اُس مدرسۃ العلوم مسلمانان سے جس کے قایم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے مستفیض ہوں گے گویا علیگڈھ ہمارے مدرسوں کے طلبار کا قصر اُمید ہے۔ اگر درحقیقت ہم اپنی ترقی کریں گے تو وہ قصر ہمارے ہی لیئے ہے پس کس قدر ہمکو اُس کے بانیوں کا شکرگذار ہونا چاہیئے"۔ سب سے اخیر مدرسہ جو ہماری تحریروں کے اثر سے قایم ہوا وہ مدرسہ ایمانیہ لکھنؤ ہے جس میں بشمول دیگر علوم معینہ کے مذہب شیعہ اثنا عشریہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور اس سے خیال ہوتا ہے کہ ہماری کوششوں نے شیعہ اور سُنّی دونوں کے دل کو جگا دیا ہے ٭

اگرچہ ہم اپنی رائے میں اِن مدرسوں سے ان فوائد کے حاصل ہونیکی توقع نہیں رکھتے جنکی ہم خواہش رکھتے ہیں۔ اس لیئے ہمکو اُن کے قایم ہونے سے چنداں خوشی نہیں ہے مگر تاہم اس بات سے نہایت خوشی ہے کہ لوگوں کو اِس طرف توجہ تو ہوئی وہ کچھ کرنے تو لگے کیا عجب ہے کہ رفتہ رفتہ اُس راہ پر بھی جا پڑیں جو فی الحقیقت سیدھی اور ٹھیک ہے اور جس راہ سے منزل مقصود پر پہونچنا ممکن ہے نا سے ہاں تو شروع ہوئی ٭

یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ان مدرسوں کے اخراجات میں بھی نہایت دل سے مدد کرتے ہیں اور اُن کا قایم رہنا دل سے چاہتے ہیں گو ہم اُن کے اس شوق اور اس فیاضی کو نقش بر آب اور ایک نہایت حقیر خصلت انسانی سمجھتے ہیں جسکو ہم خود غرضی کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ بسبب اُن مقدس مولویوں کے جو اُن مدرسوں میں مصروف ہیں اور اُن کی قدوسیت کا خیال لوگوں کے دلوں میں جما ہوا ہے اور نیز اِس خیال سے کہ مذہبی کتابوں اور قرآن و حدیث اور عربی پڑھانے میں رقم بہ

روٹی ناچ بھیں دینے میں بڑا ثواب ہوگا اُن مدرسوں میں روپیہ دیتے ہیں اور مدد کرتے ہیں یہ کرنا کچھ کرنے میں داخل نہیں ہے اور اس سے قومی عزت حاصل نہیں ہوتی ہے اور اسی سبب سے ہم اس کی نہ کچھ زیادہ قدر سمجھتے ہیں اور نہ خوش ہوتے ہیں ہاں اُس دن خوش ہوں گے جبکہ ہماری قوم نہ خدا کے واسطے اور نہ اپنے ثواب کے لیئے بلکہ صرف اپنی قوم کے لیئے کوشش کریگی اور کہیگی کہ میں اپنے ہاتھ۔ اپنے پاؤں۔ اپنی جان۔ اپنی محنت۔ اپنے روپیہ کے بدلے نہ خدا کو خریدنا چاہتا ہوں نہ بہشت کو بلکہ اپنی قوم کو۔ جبکہ اس طرح بلا خیال اپنے ذاتی نفع دینی و دنیوی کے لوگ اپنی قوم کی بھلائی پر متوجہ ہوں گے اُس وقت البتہ ہمکو خوشی ہوگی لیکن یہ بھی غنیمت ہے جو ہو رہا ہے اور اُمید ہے کہ آیندہ اور بھی اچھا ہو ؏

اثر مذہبی خیالات پر

اس پرچہ میں ہمکو عقاید و مسائل مذہبی سے بحث کرنا مقصود اصلی نہیں ہے مگر چونکہ مسلمانوں نے مثل ہندوؤں کے مذہب اور تمدن و معاشرت کو متحد سمجھ رکھا ہے اس لیئے بہ مجبوری اُن مسائل مذہبی سے بحث اُٹھانی ہے جو ہمارے مقصود سے علاقہ رکھتے ہیں ؏

مگر ہماری قوم عجیب حالت مذہبی میں گرفتار ہے۔ ہم اہل سنت و جماعت کا ذکر کرتے ہیں جن کے دو فرقے القاب وہابی و بدعتی سے ملقب ہیں۔ پہلے حضرت بلا شبہ عقاید میں نہایت درست اور قریب حق کے ہیں الا ظاہری خیال اور سختی اور سنگدلی اور قساوت قلبی اور تعصب پر اسقدر سرگرم ہیں کہ اندرونی نیکی ایک بھی اُن میں نہیں رہی اور ٹھیک ٹھیک وہی حال ہے جو علمار یہود کا تھا جو دن رات ظاہری رسومات مذہبی میں مبتلا تھے اور دوسرے حضرت اگرچہ اندرونی نیکیوں کی جانب بھی کسیقدر متوجہ ہیں الا رسوم آبائی کے اس قدر پابند ہیں اور بدعات محدثہ کے اسقدر پیرو ہیں کہ دوسرے مشرکوں کے قدم بقدم ہوگئے ہیں بلکہ اُن کو بھی مات کر دیا ہے پس یہ دونوں باتیں ہمارے مقصود کی ہارج ہیں اور ہم ان دونوں باتوں کو اپنے سچے دل سے مذہب اسلام کے بھی بخلاف سمجھتے ہیں اور ترقی تہذیب مسلمانوں کا بھی مانع قوی جانتے ہیں اور اس لیئے مسلمانوں میں جہاں تک کہ یہودیت اور رومن کیتھولیکیت آگئی ہے اُسکو مٹانا اور روکنا چاہتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ بغیر سچا اسلام بے میل اختیار کیئے کسی چیز کی بھلائی ممکن نہیں ؏

رسومات کو اور خصوصاً مذہبی رسومات کو مٹانا کچھ آسان کام نہیں ہے اور نہ ہمکو کچھ توقع ہے

کہ ہم اس میں کچھ کر سکتے ہیں مگر تاہم لوگوں کو اس سے متنبہ کرتے جاتے ہیں اور کیا عجب ہے کہ کوئی دل نرم بھی ہوا ہو یا آیندہ ہو ⁂

ہمکو ہمارے شفیق نیچرل اسٹ یا دہریہ کہتے ہیں اس سبب سے کہ ہم نے اپنی تصنیفات میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ جو مذہب نیچر کے برخلاف ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اسی کے ساتھ اپنا یہ یقین بھی ظاہر کیا ہے کہ ٹھیٹ مذہب اسلام جبکہ وہ بدعات محدثہ سے پاک ہو بالکل نیچر کے مطابق ہے اسی لیے کہ وہ سچا ہے اور اس لیے وہ سچا ہے ۔ اگر یہی وجہ ہمارے دہریہ ہونے کی ہو تو ہم پکے دہریہ سہی ۔ بلاشبہ ہمارا یہ دلی عقیدہ ہے کہ نیچر خدا کا فعل ہے اور مذہب اس کا قول اور سچے خدا کا قول و فعل کبھی مخالف نہیں ہو سکتا اس لیے ضرور ہے کہ مذہب اور نیچر متحد ہو اور بلاشبہ یہ بھی ہمارا اعتقاد ہے کہ انسان بسبب ذی عقل ہونے کے احکام مذہبی کا مکلف ہوا ہے پس اگر وہ احکام عقل انسانی سے خارج ہوں تو معلول خود اپنی علت کا معلول نہ ہوگا ہاں یہ بات ممکن ہے کہ وہ احکام ہماری تمہاری عقل سے خارج ہوں الا عقل انسانی سے خارج نہیں ہو سکتے اور زمانہ جوں جوں انسان کی عقل و علوم کو ترقی دیتا جاویگا ووں ووں اُن کی خوبی زیادہ منکشف ہوتی جاویگی مگر یہ اُسی وقت ہوگا جبکہ تعصب کی پٹی آنکھوں سے کھلی ہوگی ورنہ کولھو کے بیل کی طرح بجز دن رات پھرنے اور کچھ نہ جاننے کے اور کچھ نہ ہوگا ⁂

کوئی مذہب ایسا دنیا میں نہیں ہے جو دوسرے مذہب پر گو وہ کیسا ہی باطل کیوں نہو اپنی ترجیح بہمہ وجوہ ثابت کر دے مگر یہ رتبہ صرف اُسی مذہب کو حاصل ہے جو نیچر کے مطابق ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ وہ صرف ایک مذہب ہے جسکو میں ٹھیٹ اسلام کہتا ہوں اور جو بدعات محدثات سے اور غلط خیال اجماع سے اور خطا اجتہادات سے اور ڈھکوسلا قیاسات سے اور شکنجہ اصول فقہ مخترعہ سے مبرا و پاک ہے ۔ پس میں تو اپنے تئیں بڑا حامی اسلام سمجھتا ہوں گو سارا زمانہ مجھکو دہریہ کیوں نہ سمجھے ⁂

نمیگیرم درین گلشن گل و باغ و بہار از من
بہار از یار و باغ از یار و گل از یار و یار از من
نمیدانم ز منع گریہ مطلب چیست ناصح را
دل از من دیدہ از من آستین از من کنار از من

ذکر مدرسۃ العلوم مسلمانان

اِس سے زیادہ عجیب بات کونسی ہوگی کہ ہمنے جو مسلمانوں کی ترقی تعلیم و تربیت کے لیئے مدرسۃ العلوم کی بنا ڈالی ہے اُس میں بھی ہمارے چند ہموطنوں نے ہم سے مخالفت کی ہے۔ ہمارے مخدوم مولوی حاجی سید امداد العلی صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر کے مرسلہ رسالہ میں لکھا ہے کہ "میرا گمان یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی سچی رائے کو بھی اُن کے (یعنی مجھ گنہگار کے) ذریعہ سے صحیح اور درست نہیں سمجھ سکتا" اگر درحقیقت مسلمانوں کا یہی حال ہو تو وائے بر مسلمانی و وائے بر مسلمانان۔ نیک طینت آدمیوں کا یہ کام نہیں ہے وہ تو بدوں میں بھی جو نیک بات ہوتی ہے اُسکو پسند کرتے ہیں بلکہ در و دیوار سے نصیحت لیتے ہیں۔ کما قال

مرد باید کہ گیرد اندر گوش

ور نوشت است پند بر دیوار

ہمارے مکرم معظم جناب مولوی علی بخش خاں بہادر سب آرڈینیٹ جج گورکھپور نے اپنے رسالہ شہاب ثاقب کے صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیطان کے شاگرد ہوئے اور عمل آیۃ الکرسی کا اُس سے سیکھا (نعوذ باللہ منہا) پس اے میرے بھائیو یعنی ملحد۔ مرتد۔ زندیق۔ کافر۔ کرسٹان۔ شیطان بھی مگر جو اچھی بات بتاؤں اور تمہارے فائدہ کی بات کہوں۔ دلسوزی سے تمہاری ہمدردی کروں میری وہ بات تم کیوں نہ مانو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تو نعوذ باللہ منہا شیطان سے بھی نیک کام سیکھنے میں عار نہیں کی سبحان اللہ کیا شان اسلام رہ گئی ہے کہ جو شخص اِن باتوں پر یقین کرے وہ تو پکا مسلمان اور جو یہ کہے کہ میاں وہ حدیث ثابت نہیں ہے یا وہ کوئی چور شیاطین الانس میں سے ہوگا تو نیچرل اسٹ کافر کرسٹان۔

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ دارد

وائے گر در پس امروز بود فردائے

کیا اِس سے زیادہ بدقسمتی اور بداقبالی۔ کم نصیبی مسلمانوں کی ہو سکتی ہے جو ایسے عمدہ کام یعنی مدرسۃ العلوم کے قایم ہونے میں مخالفت کرتے ہیں۔ اگر اُن کی مخالفت میری ذات کے سبب سے ہے تو کیسی نادانی ہے کہ ایک شخص کے سبب جو یقینی ایک دن نابود ہونیوالا ہے ہمیشہ کے لیئے اپنی تمام قوم کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں۔ اگر انتظامی امور اور فروعی باتوں میں مجھ سے مختلف الرائے

ہیں تو اپنی رائے کی خوبی اور عمدگی ثابت کر کر بغلبہ رائے ممبران کمیٹی میری رائے کو معدوم کر سکتے ہیں۔ اگر وہ اس کام کے انجام کے لائق ہیں تو مجھ کو اُس سے علیحدہ کر کر خود آپ تمام کام اپنے اختیار میں لے سکتے ہیں اور میں بخوشی و منت و احسانمندی اس بوجھ سے سبکدوش ہو سکتا ہوں بشرطیکہ اَور کوئی اُسکو انجام دے پھر مخالفت معنی چہ حقیقت میں یہ نشان بد اقبالی اور ہماری قوم سے خدا کی ناراضی کا ہے کہ نہ خود آپ اپنی قوم کے لیئے کچھ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں اور نہ اُسکی سمجھ رکھتے ہیں اور جو دوسرا کوئی کرتا ہے تو اُس میں وسوسے ڈالتے ہیں ؛

اُن مخالفت کرنے والوں کو اگر ہم یہ دیکھتے کہ اپنے ذاتی امور اور روزمرہ کے برتاؤ میں نہایت پابند شریعت اور متبع سنت ہیں تو جو کچھ وہ کہتے ہم سر جھکا کر سُنتے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے ذاتی معاملات میں تو سب کچھ روا ہے تو پھر ہم ایسے مہمل اور بے مغز گندم نما و جو فروش باتوں کو پسند نہیں کرتے ؛

اگر ہم دیکھتے کہ ہمارے مخالف قومی ہمدردی اور قومی عزت کے جوش میں سرگرم ہیں اور مدرسۃ العلوم مسلمانان کے قایم ہونے میں عرق ریزی کر رہے ہیں مگر مدرسہ میں لال ترکی ٹوپی اور انگریزی جوتہ پہنانے سے ناراض ہیں ہم خود شرمندہ ہوتے اور کہتے کہ گو وہ غلطی پر ہیں مگر اُن کی کوشش اور ہمدردی قومی اسکی مقتضی ہے کہ اُن کی خاطر سے طالب علموں کو تہ بند باندھنے اور نعلین پہننے کا مدرسہ میں حکم دیا جاوے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمدردی کا ان میں نشان نہیں۔ قومی عزت کا اُن کو خیال ہی نہیں بجز مخالفت مجسم کے (نہ کسی کینہ و عداوت سے بلکہ بمقتضائے طبیعت کے) اَور کچھ نہیں تو ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ بولیاں ہمارے مخالف نہیں بولتے بلکہ مُسلمانوں کی بداقبالی اور اُن کا ادبار چہچہا رہا ہے ؛

ہم ان تمام مخالفتوں سے کچھ اندیشہ نہیں کرتے اور خدا سے اپنی استقامت چاہتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ اگر خدا نے ہمکو استقامت بخشی تو ہم ضرور انشاء اللہ العزیز اس کام کو پورا کرینگے ؛

اے ناخداترس مسلمانو۔ تم اتنی ہی سی بات پر غور کرو کہ اگر ہماری قومی سعی سے ہمارا یہ قومی دارالعلوم قایم ہو جاوے تو بمجرد اُس کے قایم ہونے کے بلا انتظار اُس کے فواید عظیمہ کے تمام دنیا میں اور تمام دنیا کی قوموں میں اور خصوصاً سولیزڈ قوموں اور سولیزڈ ملک میں ہماری قوم کی کس قدر عزت قایم ہوگی اور ہماری قوم کو اس کام کے انجام پر کیسا کچھ فخر ہو گا ورنہ وہی انڈین آبزرور میں آرٹیکل لکھنے والے کا قول صادق آویگا کہ سُور کے بالوں سے کوئی ریشم نہیں

بناسکتا۔ او خدا تو ہماری مدد کر۔ آمین ✦

اے بھائیو۔ ابھی پچھلے پرچہ میں طریقہ انتظام و سلسلہ تعلیم مسلمانان مشتہر ہوا ہے تم اُس پر بخوبی غور کرو اور سمجھو کہ کیا بغیر اُس طریقہ کے ہماری قوم میں اعلےٰ درجہ کی تعلیم پھیل سکتی ہے اور کیا بغیر اُس طریقہ کی تعلیم کے قومی عزت حاصل ہو سکتی ہے اور کیا ان ٹٹپونجیوں عربی مدرسوں سے جو جابجا قایم ہوئے ہیں جن کے طالب علم مسجدوں میں پڑے ہوئے مانگ کر ٹکڑے کھاتے ہیں ہماری قوم کو کچھ فایدہ اور ہماری قومی عزت ہونیوالی ہے۔ حاشا و کلّا۔ میری غرض اس تقریر سے اُن مدرسوں کی ہجو کرنا نہیں جن کو نیک آدمیوں نے اپنی نیک دلی اور سچی نیت سے قایم کیا ہے اور نہ میری یہ خواہش ہے کہ اُن میں کچھ فتور آوے بلکہ اس تقریر سے میرا مطلب اپنی قوم کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ جو کچھ تم نے کیا ہے اور کرتے ہو اُس سے بہت کچھ زیادہ تمکو کرنا ہے۔ خدا ہم سب کو اُس کے انجام کی توفیق دے اور پھر خود اُسکو انجام دے۔ آمین ✦

یہ بات بھی کچھ کم تعجب کی نہیں ہے کہ ہمارے مُلک کے بعض اخباروں نے بھی (خصوصاً جن کے ایڈیٹر مسلمان تھے اور جن کا فرض اپنی قومی ترقی میں کوشش کرنا تھا) اس مدرسۃ العلوم سے کافی مخالفت کی ہے گو اُس کا کچھ اثر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر اُنھوں نے اپنے مُلک اور اپنی قوم کے لیے ایک ترشیز ہونے میں بلاشبہ بلند نامی حاصل کی ہے۔ باایں ہمہ ہمارے مُلک کے بہت سے نامی اخباروں نے ہمارے ساتھ صرف اپنی قومی خیر خواہی اور پیٹریاٹزم کے جوش سے ہمدردی بھی کی ہے پس ہم اُن اخباروں کا اور اُن کے ایڈیٹروں کا جن میں سے ہمکو پنجابی اخبار لاہور اور کلکتہ اُردو گائیڈ اور بہار اخبار اور علیگڈھ سینٹیفک سوسئیٹی اخبار اور اودھ اخبار کا نام لینا چاہیئے دلی شکریہ ادا کرتے ہیں ✦

درحقیقت ہم اودھ اخبار کے اُس آرٹیکل کے جو اُس کے ایڈیٹر عالی قدر نے نہایت نیکی اور صاف دلی محبت قومی سے اپنے اخبار مطبوعہ ۲۱ جنوری ۱۸۷۳ء میں چھاپا ہے بہت کچھ ممنون ہیں ✦

ہم اپنے ملک کے اسٹیٹ پیپر پایونیر الآباد کی مہربانیوں کو کبھی بھول نہیں سکتے جس نے ہمیشہ وقتاً فوقتاً ہمارے مدرسۃ العلوم کے حالات مشتہر کرنے سے ہماری بڑی مدد کی ہے ✦

ذکر ترقیات دیگر

جو کچھ گذشتہ جلسوں میں کمیٹی مسلمانان نے کوشش کی اُس کا بڑا نتیجہ خاص مسلمانوں کے حق میں یہ ہوا ہے کہ گورنمنٹ مدراس و بنگال و بمبئی نے نسبت ترقی تعلیم مسلمانان خاص خاص احکام جاری کیے ہیں جن کے لیئے تمام مسلمانوں کو شکر ادا کرنا چاہیئے چنانچہ تینوں گورنمنٹوں نے اپنی مہربانی سے تمام کاغذ جو اس سے متعلق ہیں ہمکو مرحمت فرمائے ہیں چنانچہ ہم آیندہ کسی پرچہ میں وہ سب حال چھاپینگے۔ علاوہ اسکے جو عام نتیجہ کمیٹی مسلمانان کے مباحثہ سے ہندوستان کو ہوا وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ نے تسلیم کر لیا کہ جو تعلیم ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی تھی وہ کافی نہ تھی اہل ہند کو اَور زیادہ تعلیم دینی چاہیئے چنانچہ اس کے لیئے خاص کمیٹی بیٹھی ہے جو اُس کا تصفیہ کریگی پس ہمارے ہموطن بھائی ہندو بھی ہماری کمیٹی کے ممنون احسان ہیں۔ علاوہ اس کے سب سے بڑا فایدہ ہماری کوششوں کا یہ ہوا ہے کہ گورنمنٹ نے تمام علوم و فنون کی کتابوں کا جن کی فہرست ہمنے مشتہر کی تھی دیسی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا ہے اور اُمید ہے کہ ہمارا مُلک آیندہ نسلوں تک اِن کوششوں کے فائدوں کو یاد رکھیگا ✦

مہذّب قوموں کی پیروی

چھوٹا بچا اپنے سے بڑے لڑکے کی باتوں کی پیروی کرتا ہے اور کم سمجھ والا اُسکی جس کو وہ اپنے سے زیادہ سمجھدار سمجھتا ہے اور ناواقف اُسکی جس کو وہ اپنے سے زیادہ واقف کار جانتا ہے اسی طرح نامہذّب قوم کو تہذیب یافتہ قوم کی پیروی کرنی ضرور پڑتی ہے۔ مگر بعضی دفعہ یہ پیروی ایسی اندھا دھندی سے ہوتی ہے جس سے بجائے اس کے کہ اُس پیروی سے فایدہ اُٹھادیں اُلٹا نقصان حاصل ہوتا ہے اور جس قدر ہم نامہذّب ہوتے ہیں اُس سے اَور زیادہ ناشایستہ ہوجاتے ہیں ✦

نامہذّب آدمی جب تربیت یافتہ قوم کی صحبت میں جاتا ہے تو اُن لوگوں کو بہت عمدہ پاتا ہے اور ہر بات میں اُن کو کامل سمجھتا ہے۔ ہر جگہ اُن کی تعریف سنتا ہے مگر اُن میں جو خراب عادتیں ہیں اُن کو بھی دیکھتا ہے۔ مثلاً شراب پینا جُوا کھیلنا وغیرہ پس شخص ان باتوں کو بھی اُن کے کمالوں ہی میں تصور کر لیتا ہے۔ اُن میں جو خوبیاں اور کمالات درحقیقت ہیں اُنکو تو وہ حاصل نہیں کرتا اور نہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر جو بُری باتیں اُن میں ہیں اُن کو

بہت جلد سیکھ لیتا ہے ۔

ایسا کرنا درحقیقت اس آدمی کی غلطی ہے کہ اُس نے اُن کے نقصوں کو اُن کا کمال سمجھا ہے ۔ وہ لوگ بسبب کسی دوسرے کمال و لیاقت اور خوبی کے جو اُن میں ہے اور بسبب دوسری عُمدہ خصلتوں کے جو اُنھوں نے حاصل کی ہیں مہذب و شایستہ کہلاتے ہیں نہ بسبب اُن باتوں کے جن کو اُس نے سیکھا ہے ۔ بلاشبہ مہذب آدمیوں کی بُرائیاں اُن کی بہت سی خوبیوں اور کمالوں کے سبب چھپ جاتی ہیں اور لوگ اُن پر بہت کم خیال کرتے ہیں تاہم وہ بُرائیاں کچھ ہُنر نہیں ہو جاتیں بلکہ جو بُرائی ہے وہ بُرائی ہی رہتی ہے گو کہ ایک مہذب قوم ہی میں کیوں نہو ۔

ہمکو یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی قوم وہ کیسی ہی عمدہ اور مہذب ہو مگر جو بُرائیاں اُس میں ہیں وہ اُس کے وصف نہیں ہیں بلکہ اُن کے کمال کی کمی ہے جس کی پیروی ہمکو کرنی نہیں چاہیئے ۔ اگر ایک خوبصورت آدمی کے مونھ پر ایک مسّہ ہو تو ہمکو خوبصورت بننے کے لیئے ویسا ہی مسّہ اپنے مونھ پر نہ بنانا چاہیئے کیونکہ وہ مسّہ اُسکی خوبصورتی نہیں ہے بلکہ اُس کی خوبصورتی کا نقصان ہے ۔ ایسی حالت میں ہمکو یہ خیال کرنا مناسب ہے کہ اگر یہ مسّہ بھی اُسکے مونھ پر نہ ہوتا تو کتنا اَور خوبصورت ہو جاتا ۔

ہم بلاشبہ اپنی قوم کو اپنے ہموطنوں کو سولیزڈ قوم کی پیروی کی ترغیب کرتے ہیں مگر اُن سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اُن میں جو خوبیاں ہیں اور جن کے سبب وہ معزز اور قابل ادب سمجھی جاتی ہیں اور سولیزڈ شمار ہوتی ہیں ان کی پیروی کریں نہ اُن کی اُن باتوں کی جو اُن کے کمال میں نقص کا باعث ہیں ۔

اسی سبب سے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہماری قوم نے کسی سولیزڈ قوم کی عُمدہ خصلتوں اور عادتوں میں پیروی کی تو ہمکو بہت خوشی ہوتی ہے اور جب یہ سُنتے ہیں کہ اُس نے اُن کی بُرائیوں کی پیروی کی اور شراب پینی شروع کی اور پکا متوالا ہو گیا اور جُوا کھیلنا سیکھا اور بے قید ہو گیا تو ہمکو نہایت افسوس ہوتا ہے ۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہماری قوم عمدہ باتوں کو سیکھے گی اور بُری باتوں کو ہمیشہ بُرا سمجھے گی ۔

مسایل متفقہ

باوجود اتحاد قلبی کے پیارے مہدی کو ہمسے متعدد مسایل میں اختلاف ہے جیسا کہ ہمارے پرچہ تہذیب الاخلاق کے ناظرین کو اُن کی تحریروں سے ظاہر ہوا ہوگا مگر مفصلۂ ذیل وہ مسایل ہیں جن میں ہمارے مخدوم مولوی مہدی علی صاحب کو بھی ہمسے اتفاق ہے۔ شیطان کا مونھ کالا انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ اَور مسایل میں بھی بعد تحقیق و تدقیق وہ متفق ہونگے ٭

(۱) لا تحریف فی الکتب المقدسۃ الا معنویا ٭

(۲) لیس الاسترقاق فی الاسلام ٭

(۳) لا وجود للسموات جسمانیاً ٭

(۴) ما کان الطوفان عاما ٭

(۵) الاجماع لیس بحجۃ ٭

(۶) التقلید لیس بواجب ٭

(۷) کل الناس مجتہدون لانفسہم فیما لم ینصص فی الکتاب والسنۃ ٭

(۸) کل ما نزل من القرآن فہو ما بین الدفتین ٭

(۹) ما نسخت تلاوۃ آیۃ من آیات القرآن ٭

(۱۰) لیس النسخ فی القرآن ٭

(۱۱) لیس خلافۃ النبوۃ بعد النبی صلعم ٭

اختتام سال سنہ ۱۲۹۰ ہجری

و

شروع سال سنہ ۱۲۹۱ ہجری

از بندہ خضوع و التجامی زیبد

بخشایش بندہ از خدامی زیبد

گر من کنم آنکہ آں مرا نازیبا است
توکن ہمہ آنکہ آں ترا می زیبد

الحمد للہ کہ سنہ نوے پورا ہوا اور سنہ اکیانوے شروع ہوگیا۔ ہمارے اِس پرچہ کو جاری ہوئے سوا تین برس ہوگئے ۔

پچھلا سال بھی خندہ گل و نالہ بلبل سے خالی نہیں گیا۔ ہمارے آہ و نالہ نے بدستور غلغلہ رکھا اور ہمارے ناصحان شفیق کا بھی شور و ضعف کم نہوا ۔

حسن شہرت عشق رسوائی تقاضا میکند
جرم معشوق و گناہ عاشق بیچارہ نیست

ناصحان شفیق نے ہمکو کبھی کچھ کہا اور کبھی کچھ۔ آخرکار ہمکو کافر و ملحد ٹھہرا ہی دیا۔ دُور و نزدیک کے مولوی صاحبوں سے کُفر کے فتووں پر مُہریں چھپوا ہی منگوائیں اور ہمارے کُفر پر ہمارے ناصح شفیق جناب مولوی حاجی سید امداد العلی صاحب نے ایک رسالہ چھاپ ہی دیا اور امداد الآفاق اُس کا نام رکھا۔ بھلا اور کچھ ہوا یا نہ ہوا بیچارے غریب چھاپے والے کو تو فایدہ ہوگیا ۔

اسی سال میں ہماری تحریرات کی تردید میں مولانا علی بخش خاں بہادر نے (جو اُمید ہے کہ اَب تک حاجی بھی ہوگئے ہوں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ سے اُن کو بھی حاجی لکھا کرینگے) دو رسالے تحریر فرمائے ہیں جن میں سے ایک کا نام شہاب ثاقب ہے اور دوسرے کا نام تائید الاسلام ۔

اخباروں میں نور الانوار تو اپنا نور عالم میں برساتا ہی تھا مگر اُس سے ایک اور پرچہ اُن کے گھر کا اوجالا مسمی بہ نور الآفاق لدفع ظلمۃ اھل النفاق پیدا ہوا ہے جو نہایت ہی دلچسپ ہے اور ہمارے اِس پرچہ تہذیب الاخلاق کے جواب میں نکلا ہے اُس کے مضامین ظاہر تو جناب حاجی مولوی سید امداد العلی صاحب بہادر کے طبعزاد معلوم ہوتے ہیں مگر بعضے لوگ اُن مضامین کو لے پالک بتاتے ہیں۔ بہرحال ہمکو اس سے کیا کہ وہ میاں نذیر کے ہیں یا میاں بشیر کے کسی کے ہوں مگر دلچسپ ہیں۔ خُدا اُسکی بھی عمر دراز کرے ۔

ہمنے بھی اپنے مضامین لکھنے اور قومی بھلائی کی کوشش میں کمی نہیں کی اگرچہ پچھلے سال میں کارروائی مدرسۃ العلوم مسلمانان کی اکثر چھپتی رہی الا مضامین دل نشین سے بھی یہ پرچہ خالی نہیں رہا۔ ہمارے غمزدہ و دل شکستہ دوست مولوی سید مہدی علی کا مکرم مسلمانوں کی تہذیب پرچو اِس سال

کے پرچوں میں چھپا درحقیقت ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی قدر وہی لوگ جانتے ہیں جو اُس کی قدر جانتے ہیں - ہمارے ہمعصر اڈیٹر اودھ اخبار نے اُس کی ویسی ہی قدر دانی کی ہے جسکا وہ مستحق ہے - ہمکو نہایت فخر ہے کہ ایسا عالی مضمون ہمارے اِس ناچیز پرچہ کے ذریعہ سے مشتہر ہوا ہو جو ہماری قوم کی اگلی حالت کو یاد دلاتا ہے اور پچھلی حالت بتا کر شرمندہ کرتا ہے اور پھر آیندہ کی بہتری کی توقع سے دل و جان کو تقویت دیتا ہے +

بڑی مبارکی اِس سال میں ہمارے پرچہ کو یہ ہوئی ہے کہ جناب مولوی چراغ علی صاحب نے بھی اس میں مضمون لکھنے شروع کیئے ہیں - ایک آدھ مضمون اُن کا پچھلے سال میں چھپا ہے اور آیندہ اور بہت سے عُمدہ مضامین کے چھپنے کی توقع ہے +

ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری تحریروں کے سمجھنے میں جو کبھی کبھی نسبت مسایل مذہبی لکھی جاتی ہیں اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں - وہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے اُصول کیا ہیں اور کن اصولوں پر ہماری تحریریں مبنی ہیں اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس سال کے شروع میں ہم اپنے اُن اُصول کو لکھدیں تا کہ لوگ اُن اصول کی صحت وسقم پر غور کریں اگر وہ اُصول صحیح ہیں تو اُمید ہے کہ جو تحریریں اُن پر متفرع ہیں اُن میں بھی کچھ غلطی نہ ہوگی - بااینہمہ یہ قول نہایت صحیح ہے -

کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

اور وہ اصول یہ ہیں :-

اوّل - خدائے واحد ذوالجلال ازلی و ابدی خالق و صانع تمام کائنات کا ہے +

دوم - اُس کا کلام اور جس کو اُس نے رسالت پر مبعوث کیا اُس کا کلام ہرگز خلاف حقیقت اور خلاف واقع نہیں ہوسکتا +

سوم - قرآن مجید بلاشبہ کلام الٰہی ہے - کوئی حرف اُس کا نہ خلاف حقیقت ہے اور نہ خلاف واقع +

چہارم - قرآن مجید کی اگر کوئی آیت ہمکو بظاہر خلاف واقع یا خلاف حقیقت معلوم ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اُس آیت کا مطلب سمجھنے میں ہم سے غلطی ہوئی ہے یا جسکو ہم نے حقیقت اور واقع سمجھا ہے اُس میں غلطی کی ہے - اِس کے برخلاف کسی مفسر یا محدث کا قول ہمارے نزدیک قابل تسلیم نہیں ہے +

پنجم - جس قدر کلام الٰہی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ سب بین الدفتین

موجود ہے ایک حرف بھی اُس سے خارج نہیں ہے - اس لیئے کہ اگر ایسا مانا جاوے تو کوئی ایک آیت بھی قرآن مجید کی بطور یقین قابل عمل نہ ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی آیت خارج رہ گئی ہو جو آیات موجودہ بین الدفتین کے برخلاف ہو ❖

نہ ملنا کسی ایسی آیت کا اُس کے عدم وجود کی دلیل نہ ہوسکیگا ❖

ششم - کوئی انسان سوائے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسا نہیں ہے جس کا قول و فعل بلا سند صحیح قول و فعل رسول کے دینیات میں قابل تسلیم ہو یا جس کی عدم تسلیم سے کفر لازم آتا ہو - اس کے برخلاف اعتقاد رکھنا شرک فی النبوت ہے ❖

مقصود یہ ہے کہ جس طرح اُمت و پیغمبر میں تفاوت درجہ ہے اسی طرح اُن کے قول و فعل میں بھی جو دینیات سے متعلق ہیں درجہ و رتبہ کا تفاوت ہے ❖

ہفتم - دینیات میں سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت میں ہم مجبور ہیں اور دُنیاوی امور میں مجاز ❖

اس مقام پر سُنت کے لفظ سے میری مراد احکام دین ہے ❖

ہشتم - احکام منصوصہ احکام دین بالیقین ہیں اور باقی مسائل اجتہادی اور قیاسی اور وہ جن کی بنا امر ظنی پر ہے سب ظنی ہیں ❖

نہم - انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں ہو سکتا - پس اگر وہ ایمان پر مکلف ہے تو ضرور ہے کہ ایمان اور اُس کے وہ احکام جن پر نجات منحصر ہے عقل انسانی سے خارج نہوں ❖

مثلاً ہم خدا کے ہونے پر ایمان لانے کے مکلف ہیں مگر اُس کی ماہیت ذات کے جاننے پر مکلف نہیں ❖

دہم - افعال مامورہ فی نفسہ حسن ہیں اور افعال ممنوعہ فی نفسہ قبیح ہیں اور پیغمبر صرف اُن کی خواص حسن یا قبح کے بتانے والے ہیں جیسیکہ طبیب جو ادویہ کے ضرر اور نفع سے مطلع کردے ❖

اِس مقام پر لفظ افعال کو ایسا عام تصور کرنا چاہیئے جو افعال جوارح اور افعال قلب وغیرہ سب پر شامل ہو ❖

یازدہم - تمام احکام مذہب اسلام کے فطرت کے مطابق ہیں اگر یہ نہ ہو تو اندھے کے حق میں نہ دیکھنا اور سوجاکے کے حق میں دیکھنا گناہ ٹھہر سکیگا ❖

دوازدھم ۔ وہ قویٰ جو خدا تعالیٰ نے انسان میں پیدا کیئے ہیں اُن میں وہ قویٰ بھی جو انسان کو کسی فعل کے ارتکاب کے محرک ہوتے ہیں اور وہ قوت بھی ہے جو اُس فعل کے ارتکاب سے روکتی ہے ان تمام قویٰ کے استعمال پر انسان مختار ہے ۔ مگر ازل سے خدا کے علم میں ہے کہ فلاں انسان کن کن قویٰ کو اور کس کس طور پر کام میں لاویگا ۔ اُس کے علم کے برخلاف ہرگز نہوگا مگر اس سے انسان اُن قویٰ کے استعمال یا ترک استعمال پر جب تک کہ وہ قویٰ قابل استعمال کے اُس میں ہیں مجبور نہیں متصور ہوسکتا ✦

سیزدھم ۔ دین اسلام اُن مجموع احکام کا نام ہے جو یقینی من اللہ ہیں ✦

چہاردھم ۔ احکام دین اسلام دو قسم کے ہیں ۔ ایک وہ جو اصلی احکام دین کے ہیں اور بالکل فطرت کے مطابق ہیں ۔ دوسرے وہ جن سے اُن اصلی احکام کی حفاظت مقصود ہے مگر اطاعت اور عمل میں اُن دونوں کا رتبہ برابر ہے ✦

پانزدھم ۔ تمام افعال اور اقوال رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بالکل سچائی تھے مصلحت وقت کی نسبت رسول کی طرف کرنی سخت بے ادبی ہے جس میں خوف کفر ہے ✦

مصلحت وقت سے میری مراد وہ ہے جو عام لوگوں نے مصلحت کے معنی سمجھے ہیں کہ دل میں کچھ اور کہنا یا کرنا کچھ یعنی ایسے قول یا فعل کو کام میں لانا جو درحقیقت بیجا تھا مگر بندۂ وقت بنکر اُسکو کہدیا یا کرلیا ✦

ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ اصول پانزدہ گانہ ایسے ہیں کہ جن سے کوئی مسلمان انکار اور اختلاف نہیں کرسکتا اور جب وہ لوگ جو ہم سے اختلاف رائے رکھتے ہیں ان اصولوں پر غور کرینگے اور یہ بھی سمجھینگے کہ ہماری تحریریں ایسے سچے اصولوں پر مبنی ہیں تو کیا عجب ہے کہ وہ بھی ہم سے متفق ہوجاویں ✦

تہذیب قومی

اصلی مقصود تو ہمارے اس پرچہ کا تہذیب قومی ہے ۔ مسایل مذہبی کی بحث بمجبوری آجاتی ہے ۔ اس سال میں بھی جہاں تک ہوسکا ایسے مضامین جو قومی تہذیب سے علاقہ رکھتے ہیں اس پرچہ میں لکھے گئے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ اُن مضمونوں نے کسی کے دل پر اثر بھی کیا ہو مگر ہمکو بہ نسبت اسکے کہ ہمارے مضمونوں نے کسی دل کو نرم کیا ہے اس بات سے زیادہ خوشی ہے کہ ہم

اپنے فرض کو ادا کرتے ہیں اور یہی ہمارا مقصد ہونا چاہیئے کیونکہ بندہ کا کام صرف سعی کرنا ہے اور اُسکو پورا کرنا اور اثر دینا خدا کا کام ہے السعی منی و الاتمام من اللہ تعالیٰ ایک مشہور مقولہ ہے پس شکر ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہم اپنا فرض ادا کرتے ہیں ❖

مگر نہایت افسوس ہے کہ ہماری قوم ایسے جہل مرکب میں گرفتار ہے کہ اُسکو اپنا بھلا یا بُرا مطلق نہیں سوجھتا۔ جو بات قومی بھلائی کی کہو اُسکو اُلٹا سمجھتے ہیں۔ قومی بھلائی پر کوشش کرنے والے خیال کرتے ہیں کہ تقدیر پلٹ گئی ہے ادبار چھا رہا ہے بھلائی کی بات کیونکر خیال میں آسکتی ہے مگر توقع نہیں توڑتے خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ پر بھروسا کر کر کوشش کیئے جاتے ہیں ❖

ابھی دو تین ہفتوں میں پاینیر نے ایک نہایت عمدہ آرٹیکل میں ایک مضمون قریب قریب اس مضمون کے لکھا تھا کہ قومی باتیں جب ہی ترقی پر ہو سکتی ہیں جبکہ قوم میں قومیت کی شرطیں بھی موجود ہوں یعنی

۱۔ عام لوگوں میں وہ قوت موجود ہو جس سے کسی عمدہ بات کی قدر کی جاتی ہے ❖

۲۔ آپس کے میل جول میں آزادی اور ہمسری ہو ❖

۳۔ خیال سب کے آزاد ہوں ❖

۴۔ اور سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ بہت سے ایسے دل موجود ہوں جن سے اُس ترقی اور ایجاد کرنے والی قوت کے جواب میں جو زمانہ کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے صدا نکلے ❖

ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ہماری قوم میں نہیں ہے پس ترقی ہو تو کیونکر ہو مگر خدا سے اُمید ہے کہ کوئی زمانہ ایسا آویگا جو لوگ ان باتوں کو سمجھینگے اور اپنی قوم کو قوم بنا دینگے اور اُس کی بہتری و ترقی میں کوشش کرینگے ❖

مدرسۃ العلوم

ان سب باتوں کو قوم میں پیدا کرنیوالا ہماری دانست میں مدرسۃ العلوم ہوگا جس کے قایم کرنے پر نہایت دل سے کوشش ہو رہی ہے ❖

ہمکو اس بات کے کہنے سے نہایت خوشی ہے کہ بہت سے دل رفتہ رفتہ مدرسۃ العلوم مسلمانان کی طرف مایل ہوتے جاتے ہیں اور ہر ایک کے دل میں یہ خیال کہ ایسے مدرسۃ العلوم کی بلاشبہ نہایت

ضرورت ہے پیدا ہوتا جاتا ہے۔ جن بزرگوں کو ہمارے ذاتی افعال و اقوال کے سبب مدرسۃ العلوم سے نفرت تھی وہ بھی برسر انصاف آتے جاتے ہیں اور اس بات کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ ہمارے ذاتی افعال و اقوال کو مدرسۃ العلوم سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ کیا عجب ہے کہ کسی دن ہماری قسمت ایسی بھی یاور ہو جاوے کہ جناب مولوی حاجی سید امداد العلی صاحب بھی ہماری شامت اعمال سے قطع نظر فرما کر مدرسۃ العلوم مسلمانان کے حامی اور سرپرست بن جاویں۔ آمین +

ہماری ان کوششوں نے ہمارے ہموطن بھائی اہل ہنود کے دل میں بھی بہت بڑا اثر کیا ہے باوجودیکہ سرکاری مدارس اُن کی تعلیم کے لیئے نامناسب نہیں ہیں اسپر بھی اُن کو اپنی پاک زبان اور متقدس کتابوں کے چرچے کا دل میں شوق اٹھا ہے اور وہ بھی مثل ہمارے مدرسۃ العلوم کے ایک قومی مدرسہ جاری کرنے پر آمادہ و مستعد ہوئے ہیں۔ جا بجا نہایت سرگرمی اور بڑی کامیابی سے چندہ جاری ہے۔ ہم سُنتے ہیں کہ جس قدر چندہ ہم نے ایک سال میں ہزاروں محنتوں سے جمع کیا ہے انہوں نے اُس سے زیادہ ایک مہینے میں اکٹھا کرلیا ہے۔ ہماری نہایت خوشی ہے کہ ہندوستان کی دونوں قومیں ساتھ ساتھ ترقی کرتی جاویں۔ ہمارے ہموطن ہندو صاحبوں کی کامیابی میں ہمکو شبہ نہیں ہے۔ وہ ہم سے تعداد میں زیادہ ہیں۔ ہم سے دُور اندیش زیادہ ہیں۔ ہم سے دولتمند زیادہ ہیں۔ ہماری مانند پُر فساد نہیں ہیں۔ مثل ہمارے حسد و بغض و تعصب نہیں رکھتے اتفاق قومی اُن میں ہے۔ ہندوستان میں اُن کی قوم کے بڑے سردار و والیان ملک موجود ہیں۔ ہماری قوم کے اوّل تو سردار ہی کم ہیں اور جو ہیں وہ کچھ پرواہ تک نہیں کرتے۔ گویا ہندوؤں کے مربی و سرپرست زندہ و سلامت ہیں۔ اور ہمارے مربی و سرپرست دنیا سے تشریف لیگئے ہیں۔ وہ باسر ہیں اور ہم بے سر۔ پس اُن کی کامیابی میں کچھ شبہ نہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہمکو اپنی کامیابی میں شبہ ہے ہاں اگر ہماری قوم کو بھی غیرت آوے اور خدا اُن کے دل کو سیدھا کرے اور پُر فساد خیالات کو اُن کے دماغ سے نکالے اور قومی ہمدردی اُن کے دل میں ڈالے تو ہمکو بھی اپنی کامیابی میں کچھ شبہ نہیں ہے +

اے برادران دینی۔ اب یہ وقت نہیں ہے کہ ہم آپس کی تکرار و فساد میں پڑیں تو تو میں میں کرکر کسیکو کافر اور کسی کو ملحد بنا دیں اور کم و بیش جو کوشش و سعی کہ ہم سے ہوسکتی ہے اُس کو بھی آپسکے اختلاف سے بیکار کردیں پس اُمید ہے کہ ہماری قوم میری اس صدا کو توجہ سے سُنیگی اور مدرسۃ العلوم کی امداد میں دل و جان سے سعی و کوشش کریگی۔ واللہ المستعان +

مسلمانانِ یارقند

مسٹر رابرٹ شا صاحب یارقند اور اُس کے گرد نواح کے مُلکوں کا حال دریافت کرنیکو ۱۸۶۸ء میں اُس طرف گئے تھے اور اُنھوں نے اپنے سفر کا حال ایک کتاب میں لکھا ہے جو ۱۸۷۱ء میں لنڈن میں چھپی ہے۔ ہم اُس کتاب سے اُس نواح کے مسلمانوں کا حال انتخاب کر کر ذیل میں لکھتے ہیں اور اس انتخاب کے لکھنے سے ہمارا مقصد اپنی قوم کو دو باتوں سے متنبہ کرنا ہے۔ ایک یہ کہ ہماری قوم جو ہندوستان میں رہتی ہے وہ سمجھے کہ اُس نے کس قدر عادتیں ہندؤں کی سیکھ لی ہیں اور کھانے اور پینے اور غیر قوموں سے ملنے میں ایک خیالی وہم اور جھوٹ جس کی اصل نہ شرع میں ہے اور نہ اَور مُلکوں کے رہنے والے مسلمانوں میں ہے اختیار کی ہے۔ دوسرے اس بات پر افسوس دلانا ہے کہ ہماری قوم کے لوگ کیا ہندوستان کے رہنے والے اور کیا اَور مُلکوں کے رہنے والے کیسے بے علم اور واقعات تاریخی سے جو دُنیا میں گذرے ہیں کس قدر بیخبر اور واہیات زٹل اور بیہودہ کہانیوں پر یقین اور اعتبار کرنے والے ہیں جس سے اُن کی نادانی۔ بے علمی بخوبی ثابت ہوتی ہے۔

انتخاب سفرنامہ رابرٹ شا صاحب

صاحب موصوف نے کانگڑہ سے اپنا سفر شروع کیا اور جب وہ شہر لہیہ میں پہنچے جو لداخ سے آگے جانب شمال میں واقع ہے تو وہاں کے لوگوں کا حال اُنھوں نے اس طرح پر لکھا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ جب میں لہیہ میں پہنچا تو میں نے تبت کے باشندوں کے چال چلن اور رسم رواج کو تحقیق کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب کہ میں پہلے پہل شہر کی سیر کو نکلا تو وہاں کے لوگوں کے حالات دریافت کرنے کا جو جوش تھا وہ سب جاتا رہا اور اُس کے عوض میں ایک دوسری بات کا شوق دل میں اُٹھا کیونکہ جو لوگ اُس مُلک میں تھے یعنی تبتی اُن سے بالکل مختلف قسم کے لوگ ترکی بازار میں چلتے پھرتے یا خاموش قطاروں میں میٹھے ہوئے نظر آئے۔ اُن کے سروں پر بڑے بڑے سفید عمامے تھے۔ لنبی ڈاڑھی اور جُبہ زمین تک لنبا سامنے سے کھلا ہوا نیچے صدری پہنے تھے اور پاؤں میں کالے چمڑے کے موٹے موٹے بُوٹ تھے۔ ان سب باتوں سے اُن کا ایک رُعب معلوم ہوتا تھا اور اُن کا برتاؤ نہایت شستہ تھا جس سے لوگوں کے دل میں اُن کا ادب پیدا ہو

اُن میں ہندوستانیوں کی سی خوشامد نہ تھی اور نہ تبتیوں کی سی نقالی تھی۔ اِس سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا
بندروں کے بیچ میں آدمی ہیں۔ جب مَیں اُن سے ملا تو اُن کا مزاج بالکل خوفناک نہ پایا جیسا کہ اُن کے
ہموطنوں کا سُنتا تھا۔ وہ لوگ ہمارے خیمہ میں آ کر بیٹھتے اور بذریعہ مترجم کے دوستانہ بات چیت کرتے
تھے اور نہایت مزے سے ہماری چار پھونک پھونک کر جرعہ جرعہ کر کر پیتے تھے برخلاف ہمارے
ہندوستان کے ڈرپوک مسلمانوں کے جو اِس قدر ہندو ہو گئے ہیں کہ ایسا کرنے سے اُن کی ذات
جاتی رہتی ہے۔ ہمارے مہمان دراصل بہت اچھے لوگ تھے ہنسی مذاق سے خوش ہوتے اور جواب بھی
مذاق کے ساتھ دیتے تھے۔ آزادی کے ساتھ گفتگو کرتے مگر کبھی حدِ مناسب سے تجاوز نہیں
کرتے تھے۔ اِن باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بھی عزت کرتے ہیں اور جس سے گفتگو کرتے
ہیں اُس کی بھی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ جب رخصت ہوتے تو مؤدب طور پر سلام کر کے رخصت
ہوتے۔ رنگ میں اہلِ یورپ سے کچھ کم نہیں ہیں۔ لال ہونٹ اور گلاب کے رنگ کا سا چہرہ ہوتا ہے
جب ہم پہلے پہل وہاں پہونچے تھے تو ایک شخص عمدہ پوشاک اور اونچی اڑی کا جوتہ پہنے ہوئے
ہمارے پاس آیا۔ اُس کی ڈاڑھی اور مونچھوں کے بال بھورے تھے اور چہرہ بہت گورا اور صاف
تھا۔ اُس نے مجھ کو اس طرح سے دیکھا جیسے انگریز دیکھتے ہیں۔ مَیں نے اُس کو انگریز سمجھ کر اُس سے
بات کرنا چاہا تھا کہ اتنے میں وہ مڑ کر میرے مُسلمان نوکروں کے پاس جا بیٹھا۔ معلوم ہوا کہ یارقند کا
رہنے والا ایک حاجی تھا۔ جب ہم روکشین میں پہونچے تو وہاں کے مُسلمانوں سے قرآن و مذہب کی
نسبت بہت سی گفتگو ہوئی۔ عیسائیوں کو وہ نصاریٰ کہتے ہیں اور مُسلمانوں کی نسبت کچھ ہی کم
سمجھتے ہیں کیونکہ عیسائی اہلِ کتاب ہیں اور اُن کے لیئے توریت موسیٰؑ اور زبور داؤدؑ اور انجیل عیسیٰؑ
بھیجی گئی ہے اور اُن کے خاص پیغمبر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام درجہ میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم
سے دوسرے ہیں ہندو اور اَور بُت پرستوں کو ایسا نہیں سمجھتے۔ اسی مقام پر محمد نذر بیگ یارقند
کا ایلچی ہندوستان میں آیا تھا ملاقات ہوئی۔ اُس نے اور اُس کے ہمراہیوں نے میرے ساتھ
چاء پی اور رخصت ہوئے ؎

جب مسٹر شا صاحب چنگ چموین میں پہونچے تو وہاں یہ بات دریافت ہوئی کہ گرد نواح کے
مُلک میں جس قدر چاول ایک بکرے پر لد سکتے ہیں اُن کی قیمت میں آٹھ تولہ سونا یعنی بارہ پونڈ کے
برابر ملتا ہے جس کے ایک سَو بیس روپیہ چہرہ شاہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح سفر کرتے ہوئے
مقام شہید اللہ پر پہونچے جہاں ایک چھوٹا سا قلعہ ہے اور شا صاحب کے آنے کی خبر سُن کر

شاہ یارقند نے چند سپاہی اور افسر ایک مہینہ پہلے سے وہاں متعین کر رکھے تھے وہ لوگ مسٹر شا صاحب سے نہایت دوستانہ طور پر ملے۔ اُن کے ساتھ چارپی کھانا کھایا۔ شا صاحب نے بھی ایک روز اُن کی دعوت کی۔ اُن لوگوں نے شا صاحب کے آنے کی خبر یارقند کو بھیجی اور جب تک یارقند سے روانگی کی اجازت نہ آئی وہیں ٹھہرے رہے مگر اُس قیام کے عرصہ میں اکثر آدمی یارقند سے شا صاحب کی مدارات کے لیئے آتے جاتے رہے اور نہایت خاطرداری کے ساتھ اُن کو وہاں رکھا۔ آخرکار جب اجازت روانگی کی آئی تو سب لوگ روانہ ہوئے۔ راستہ میں اہلکار شا صاحب کے استقبال کے واسطے آتے تھے۔ جبکہ یارقند کے قریب پہونچے تو ایک اہلکار جس کو مہماندار کہتے ہیں پیشوائی کو آیا اور تعظیم و تواضع کے ساتھ ملا۔ مہماندار نے اپنے ہمراہیوں کو سواری پر سے اُتار کر شا صاحب کے ملازموں کو جو پیادہ تھے سوار کرایا اور نہایت تپاک سے شا صاحب کی مزاج کی خیر و عافیت پوچھی اور مصافحہ کیا اور اُن کے گھوڑے کے برابر اپنا گھوڑا لاکے ساتھ ساتھ آگے کو چلا۔ ایک سوار سب سے آگے گھوڑا دوڑاتا اور بندوق چھوڑتا جاتا تھا۔ یہ گویا شا صاحب کی تعظیم کے لیئے سلامی کی شلک ہوتی جاتی تھی۔ کچھ تھوڑے سے آگے بڑھنے پر ایک اور جماعت ملی جو شا صاحب کے استقبال کے لیئے ٹھہری ہوئی تھی اُن سے ملکر اور اُن کے ساتھ چارپانی پی کر آگے بڑھے تب یوزباشی وزیر یارقند کا بھائی آکر ملا اور شا صاحب سے راستہ کی خیر و عافیت پوچھی۔ مقام شہیداللہ میں جہاں اُن کو بہت دنوں تک ٹھہرنا پڑا تھا اُسکی معذرت کی۔ آخرکار اُسی روز سہ پہر کو شا صاحب یوزباشی کے خیمہ میں اُس سے ملنے کو گئے اُس نے بہت اعزاز کے ساتھ قالین پر بٹھایا۔ چار منگوائی۔ دسترخوان بچھوایا۔ جب شا صاحب اُس سے رخصت ہوکر اپنے خیمہ میں آئے تو تھوڑی ہی دیر بعد یوزباشی اُن سے ملنے کو آیا۔ اُنھوں نے زرد رنگ کی ریشمین کشمیری پگڑی یوزباشی کی نذر کی ۔

اثناء راہ میں ایک روز وزیر نے یوزباشی کے پاس ایک خط بھیجا اور اُس میں مہمان یعنی شا صاحب کی خیر و عافیت دریافت کی اور لکھا کہ اُن کے لیئے کسی بات کی دقت یا کوتاہی نہو اسی طرح ہر روز قاصد آتے جاتے رہے جو ہر مرتبہ عمدہ اور نیا خلعت پہن کر آتے تھے۔ شا صاحب اپنی ایسی عزت و توقیر دیکھکر نہایت خوش ہوئے حقیقت یہ تھی کہ والیٔ ملک اپنے مہمان کے قریب پہنچنے کی خبر سن سن کر اس قدر خوش ہوتا تھا کہ قاصدوں کو انعام اور خلعت دیتا تھا۔ جب کسی قدر اور یارقند کے قریب پہونچے تو ایک جماعت سواروں کی ملی جن کا سردار سیاہ پوشاک پہنے

ایک مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ یوزباشی نے شاصاحب سے کہا کہ یہ بیگ یعنی حاکم سنجرآپ کے استقبال کے واسطے آیا ہے۔ جب نزدیک پہونچے تو یوزباشی نے شاصاحب اور بیگ سے ملاقات کرائی۔ دونوں باہم گلے ملے اور نہایت تعظیم اور تواضع کے ساتھ بات چیت ہوئی۔ بیگ کی سیاہ پوشی کی وجہ یہ تھی کہ اُن کی بی بی نے وفات پائی تھی۔ اُن کے ماتم میں وہ سیاہ پوش تھے۔

یارقند کے قریب سڑکوں اور پرانے پُلوں کی مرمت کرائی گئی تھی اور نہروں اور چھوٹی چھوٹی ندیوں پر نئے پُل بنائے گئے تھے۔ شاصاحب لکھتے ہیں کہ مجھ کو اس قدر اپنے قدر و منزلت کی ہرگز اُمید نہ تھی۔ یارقند والوں نے میرے منشی دیوان بخش سے پوچھا تھا کہ جب کوئی معزز مسافر آتا ہے تو اُس کی آمد میں کیا اہتمام ہوا کرتا ہے۔ منشی نے معمولی تیاریاں سڑکوں کی مرمت وغیرہ جو یہاں ہوا کرتی ہیں بیان کی تھیں۔ اِس پر اُنھوں نے ایسی تیاریاں کیں کہ پلوں کے پُرانے شہتیر بھی بدلوا دیئے تاکہ شاصاحب کے ساتھ جو سوار آویں تو اُن کے گھوڑوں کے ٹاپوں کے صدمہ سے وہ پورانے شہتیر ٹوٹ نہ جاویں۔ شاصاحب اس بات کا اقبال کرتے ہیں کہ سب طیاریاں جو اُن کے لیئے ہوئیں اور اِس قدر اُن کی قدر و منزلت جو ہوتی تھی اُس کا اُن پر بار گذرتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر بستی میں اُس ضلع کا حاکم میرے استقبال کے واسطے آتا تھا۔ جب مقام کارغلی تین میل کے فاصلہ پر رہا تو وہاں کا بیگ مجھ سے ملنے آیا اور نہایت خاطرداری سے ملا۔ چند درختوں کے سائے میں فرش بچھوا کر دسترخوان بچھایا گیا اور اُس پر شوربا اور پلاؤ اور بڑی بڑی روٹیاں اور میوے چُنے گئے۔ سب نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ بعد کھانا کھانے کے لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ اُسی جگہ ایک بخارا کے حاجی سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے ہندوستان۔ عرب اور روم تک کا سفر کیا تھا۔ اُس سے فارسی میں بہت گفتگو ہوئی۔ دو گھنٹہ تک میرے پاس بیٹھا رہا۔ چاء پیتا جاتا تھا اور سفر کا حال کہتا جاتا تھا۔

شاصاحب لکھتے ہیں کہ جب ہم لوگ مقام نکلاک کے ریگستان میں پہونچے تو یوزباشی نے وہاں کی ایک روایت اس طرح پر بیان کی کہ یہاں کافر آباد تھے۔ ایک بزرگ مسمی شاہ جلال الدین صاحب نے اُن کے روبرو اسلام کا وعظ کیا۔ اُنھوں نے اِس شرط پر مسلمان ہونا قبول کیا کہ اُن کے مکان سونے کے ہو جاویں۔ شاہ جلال الدین نے کچھ دُعا پڑھی۔ اُن کے سب مکان سونے کے ہوگئے مگر وہ سب کافر اپنے اقرار سے پھر گئے اور کہا کہ جو کچھ ہم چاہتے تھے وہ ہمیں مل گیا۔ اب ہم کیوں

مسلمان ہوں وہ بزرگ یہ سُن کر چلے گئے۔ زمین سے ریت اُبلا اور کافروں کے تمام مکان وغیرہ اُس میں غرق ہو گئے۔ یہاں کے خزانوں کی بہت جستجو کی گئی۔ مگر کوئی ایسا جادو ہے کہ جو کوئی اس ریگستان میں پھرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اگر میں ایلچی ہوتا تو اس سے کچھ زیادہ میری خاطرداری نہ ہوتی بلکہ میں اُن لوگوں کا دوست اور ہموطن بھی ہوتا تب بھی اس سے زیادہ مجھ پر مہربانی نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک یوزباشی نے مجھ سے کہا کہ اے شاہ صاحب اگر آپ فرنگی نہ ہوتے تو ہم اور آپ بھائی ہوتے اور یکجا رہتے۔ یارقند سے تین میل ورے دوسرا یوزباشی نہایت زرق برق پوشاک پہنے ہوئے تیس سواروں کے ساتھ مجھ سے ملنے کو آیا۔ میں اور وہ دونوں گھوڑوں پر سے اُترے اور مشرقی مُلکوں کی رسم کے موافق گلے ملے۔ یوزباشی صاحب نے اس زور سے میرا گلا دبایا کہ میرا دم گھٹنے لگا اور خیر و عافیت مزاج کی پوچھی۔ پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوئے۔ دونوں یوزباشی میرے دونوں پہلوؤں میں چلتے تھے۔ جب شہر کے اندر پہونچے تو ایک ایسے مکان میں جس کو قالین اور فرش بچھا کر خوب آراستہ کر رکھا تھا اور آگ روشن کر رکھی تھی مجھ کو اُتارا اور یوزباشی نے کہا کہ یہ مکان آپ کا ہے۔ آپ آرام فرمائیے۔ اُس کے بعد دسترخوان بچھا کھانے کے بعد شاغوال یعنی وزیر کا بھائی مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اپنی خاطرداری کی نسبت ممنونی ظاہر کی۔ اُس نے جواب دیا کہ بادشاہ کے مہمان کی ہم کتنی ہی تعظیم اور تواضع کیوں نہ کریں کسی طرح کافی نہیں ہو سکتی۔ اُس کے واپس جانے پر تھوڑی دیر بعد میں شاغوال یعنی وزیر سے ملنے کو گیا۔ جب اُس کے مکان پر پہونچا اور وزیر سے آنکھیں چار ہوئیں میں نے جھک کر سلام کیا۔ وزیر وہاں سے اُٹھ کر دروازہ تک آیا اور مجھ سے ملا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لیگیا اور آتش خانہ کے قریب اپنے مقابلہ میں مسند پر بٹھایا۔ نہایت خاطر کی۔ اور بہت سی باتیں پوچھیں میرے آنے کی خوشی ظاہر کی۔ اور کہا کہ سلطان روم اور انگریزوں کے باہم جو محبت اور دوستی ہے اُسکو میں جانتا ہوں اور انگریزوں کو اپنا دوست سمجھتا ہوں۔ آپ نے جو اسقدر دُور و دراز سفر اختیار کیا اور ہمارے بادشاہ سے ملنے کے واسطے ایسی تکلیف گوارا کی یہ ایک عمدہ ثبوت اُس دوستی کا ہے۔ دوستی سے ہر ایک چیز ترقی پاتی ہے اور دشمنی سے مُلک ویران ہو جاتے ہیں میں نے ان سب باتوں کا مناسب جواب دیا اور کہا کہ مجھ کو اُمید ہے کہ میرا یہاں آنا دونوں ملکوں کے باہم دوستانہ برتاؤ اور آمد و رفت کا باعث ہو گا کیونکہ انگریز لوگ ترکوں کی نسبت نیک خیال ہے اور جبکہ اس تمام خاطرداری اور مہمان نوازی کا حال جو میری نسبت

ترکستان میں ہوئی ہے ہماری ملکہ سُنینگی تو نہایت خوش ہوں گی۔ اسی گفتگو میں دسترخوان بچھا اور چار میرے روبرو پیش کیگئی۔ اُس کے بعد میں نے اُٹھنا چاہا مگر شاغوال نے میرے شانے پر ہاتھ رکھکر پھر مجھے بٹھالیا اور اُن کے ایک ملازم نے ایک عمدہ ریشمین چغہ میرے شانوں پر ڈال دیا تب میں رخصت ہوا۔ شاغوال بھی میرے ساتھ اُٹھا اور مجھکو دروازہ تک پہونچا گیا ✦

میرے یارقند میں پہونچنے سے پہلے میرے واسطے میز اور کرسی طیار کرالی گئی تھی۔ کئی دن کے بعد میں پھر شاغوال کی مُلاقات کے لیئے گیا اور وہ اُسی طرح عزت اور خاطر سے پیش آیا۔ ایک ریشمین چُغہ عنایت کیا۔ اُس کے بعد پھر کئی مرتبہ چغہ اور ٹوپیاں وغیرہ مجھکو بھیجیں ✦

یارقند میں کافروں کے لیئے حکم ہے کہ پگڑی نہ باندھیں اور کمر میں ایک سیاہ ڈوری باندھے رہا کریں مگر میرے ہندو نوکروں کو مسلمانی پوشاک پہننے کی اجازت تھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات میرے حال پر نہایت بڑی مہربانی ہونے کے سبب سے تھی ✦

ایک روز میرا منشی شاغوال کا ایک رقعہ لیکر آیا جس میں اِس بات کی شکایت تھی کہ تمھارے نوکروں نے روپیہ کے لیئے کچھ جنس بازار میں فروخت کی ہم سے روپیہ کیوں نہ طلب کیا اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ بدخواہ لوگ کہیں گے کہ ایک مہمان انگریز کی مہمانداری کی نسبت مناسب توجہ نہیں ہوئی تب میں نے اپنے منشی کو اُن کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ کچھ کپڑا میں نے نوکروں کے لیئے خریدا تھا۔ اس پر وزیر نے کہا اگر یہ بات بادشاہ کے کان تک پہونچ جاوے تو مجھ پر حد سے زیادہ عتاب ہو ✦

ایک روز رمضان کے دنوں میں میں وزیر کی مُلاقات کو گیا اُس روز وزیر صاحب نے اپنے ہاتھ سے میرے لیئے چار طیار کی ایک دن یوزباشی نے مجھ سے کہا کہ آپ یہاں کوئی چیز ہرگز نہ خریدیئے میں نے کہا کہ تھوڑی تھوڑی چیزوں کے مانگنے میں مجھکو شرم آتی ہے۔ یوزباشی نے کہا کہ جو چیز آپ کو درکار ہو خواہ وہ ہزار طلائی ہو خواہ ایک پھول کی اُس کے مانگنے میں ہرگز شرم نہ کیجیئے۔ شاغوال کو میں نے ایک مُلاقات میں ایک بندوق رائفل اور ایک ریوالور اور ایک ریشمین پگڑی اور کچھ کپڑا اور ایک سو بیس پونڈ چار نذر دی جس کو اُنھوں نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔ جب ہمارا بڑا دن قریب آیا تو میں نے اپنے نوکروں کو گوشت خریدنے کا حکم دیا مگر شاغوال کے ہاں سے پیغام آیا کہ آپ بازار سے کچھ نہ خریدیں۔ سب چیزیں مہیا ہو جاوینگی۔ بڑے دن کو شاغوال نے ایک بڑا بھاری دسترخوان اور عمدہ ریشمین چغہ اور ایک ٹوپی بھی بھیجی۔ وزیر نے میری تعظیم کے لیئے

گانے بجانے والے بھی تعین کیے تھے ۔

ایک روز میں نے اپنے دوستوں کی دعوت کی جس میں میرا منشی دیوان بخش اور یوزباشی اور مہماندار اور چار پنجاباشی شریک ہوئے۔ اُن لوگوں نے پہلی روٹی کا ٹکڑا نمک کے ساتھ کھا کر روزہ کھولا۔ پھر کھانا کھایا۔ کھانے میں کچھ انگریزی اور کچھ اُن کا کھانا تھا۔ یوزباشی کو اس بات کی بڑی تشویش تھی کہ کون سی چیز کھائیں اور کون سی نہ کھائیں کیونکہ کمبخت کشمیری اور ہندوستانیوں نے جو شاہ یارقند کے ملازم تھے ترکوں سے ہماری شکایت کی تھی اور یہ کہدیا تھا کہ سوائے سُور کے گوشت کے یہ اور کچھ نہیں کھاتے ہیں کسی مسلمان کو اُن کے ساتھ کھانا کھانا نہ چاہیئے اس لیئے یوزباشی نے میرے اور مہمانوں سے کہہ رکھا تھا کہ منشی پر نظر رکھیو۔ جس چیز کو وہ نہ لے اُس کو ہاتھ نہ لگائیو۔ مجھ کو اس بات کی کچھ خبر نہ تھی بعد کو خبر ہوئی۔ پھر میرے منشی نے اُن کو سمجھا دیا کہ رذیل انگریز کبھی کبھی سُور کا گوشت کھاتے ہیں شاصاحب کو میں نے کبھی کھاتے نہیں دیکھا اس بات سے سب خوش ہو گئے ۔

شاہ یارقند کاشغر میں تھے وہاں میرے آنے کی خبر بھیجی گئی اور جب تک مجھے وہاں آنے کی اجازت نہ ملی میں یارقند میں رہا۔ جس وقت اجازت آئی وزیر صاحب نے مجھ سے دریافت کرایا کہ بادشاہ کی نذر کے واسطے اگر کچھ چیزیں درکار ہوں تو ہم پہونچا دی جاویں۔ میں نے کہلا بھیجا کہ سب آپ کی نوازش ہے میں بادشاہ کے حضور میں وہی چیزیں نذر گذراننا چاہتا ہوں جو خاص میری اور میرے مُلک کی ہیں اس پر بھی وزیر نے یوزباشی کی معرفت کچھ روپیہ اور چند خلعت میرے پاس بھیجے اور کہلا بھیجا کہ بادشاہ کے اہلکاروں کو دینے کے لیئے لیتے جائیے۔ اتفاق سے میری گھڑی کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا تو میں نے ایک شیشہ منگوایا تھا مگر وزیر صاحب نے بجائے شیشہ کے اپنی گھڑی میرے پاس بھیجدی تھی۔ اب جو میں کاشغر کو جانے لگا تو وہ گھڑی میں نے اُن کے پاس واپس بھیجی۔ وزیر صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ گھڑی مجھے پھر دکھاؤ گے تو میں سخت ناراض ہوں گا جو چیز میرے پاس سے جاتی ہے وہ پھر کر نہیں آیا کرتی اگر شاصاحب اسکو اپنے لایق نہ سمجھیں تو اور کسی کو دیدیں۔ آخر کار یارقند سے کاشغر کی طرف روانہ ہونے کا سامان درست ہو گیا اور صبح کے وقت نہایت عمدہ خوبصورت گھوڑا دادخواہ یعنی وزیر کے اصطبل سے میری سواری کے لیئے آیا اور میرے سب نوکروں اور اسباب کیواسطے بھی گھوڑے ملے اور وہاں سے روانہ ہوئے محمد اسحاق جان برادر دادخواہ شہر کے دروازہ تک مجھے رخصت کرنے کو میرے ساتھ آیا کاشغر میں

پہونچنے کے بعد مَیں نے اُن سب چیزوں کی درستی کی جو بادشاہ کی نذر کے لیئے مَیں لیگیا تھا اور اُن کو کشتیوں پر رکھا۔ قریب ۹ بجے صبح کے بہت سے اہلکار مجھے بُلانے آئے اور مَیں اُن کے ساتھ بادشاہ کی ملازمت کے لیئے چلا۔ میرے ہمراہ دو یوزباشی اور محرم باشی وغیرہ تھے اور تیس یا چالیس آدمی نذر کی چیزیں لیئے ہوئے تھے مَیں جس مکان میں فروکش تھا اُس کے دروازہ سے بادشاہی محل کے دروازہ تک ایک چوتھائی میل کا فاصلہ سڑک کے دونوں طرف لوگوں کا ہجوم تھا جو اپنے مختلف رنگوں کی پوشاک کے باعث سے زندہ تصویروں کی مانند معلوم ہوتے تھے دروازہ کے اندر پہونچکر کئی بڑی بڑی ڈیوڑھیوں میں سے گذرا ہر ایک ڈیوڑھی پر عُمدہ عُمدہ کپڑے پہنے ہوئے پہرہ کے سپاہی خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی اُس عمارت کے جزو ہیں اُنکے سوا اور لوگ قطار کی قطار ریشمین لباس پہنے بیٹھے تھے۔ اُن میں جو لوگ کچھ اعلےٰ درجہ کے تھے اُن کی پوشاک اَوروں سے زیادہ عُمدہ تھی۔ پہلے پہل مَیں نے کالمک قوم کے سپاہی دیکھے جنکے پاس تیر و کمان و ترکش تھا۔ اندر کے صحن میں چند چیدہ مصاحب نظر آئے۔ یہاں سوائے ایک یوزباشی کے جو کل میرے پاس گیا تھا اور کوئی میرے ہمراہ نہ رہا مَیں ایک دالان میں سے گذر کر ایک دروازہ میں گیا پھر ایک کوٹھڑی میں سے ہوکر دربار کے کمرہ میں پہونچا۔ اس کمرہ میں دریچہ کے قریب ایک شخص کو تنہا بیٹھا پایا۔ مَیں نے قیاس سے جانا کہ یہی بادشاہ ہے۔ تب مَیں اکیلا آگے بڑھا اور جب قریب پہونچا تو بادشاہ اپنی مسند سے گھٹنوں تک اُٹھے اور دونوں ہاتھ مصافحہ کے لیئے بڑھائے مَیں نے ترکوں کے دستور کے موافق مصافحہ کیا اور اُن کی اجازت سے اُن کے روبرو بیٹھ گیا۔ پھر حسب قاعدہ مزاج پُرسی کے لیئے اُٹھا مگر بادشاہ نے اُٹھنے نہ دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا اور زیادہ تر اپنے قریب کر لیا۔ پھر میری مزاج پُرسی کی اور فرمایا کہ اُمید ہے کہ سفر آرام سے ہوا ہو گا اسکے جواب میں مَیں نے عذر کیا کہ مَیں فارسی زبان بخوبی نہیں جانتا۔ بادشاہ نے ہنسکر فرمایا کہ بخوبی سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے بعد ایک لمحہ خاموشی رہی۔ مَیں منتظر تھا کہ بادشاہ کچھ فرماویں اور بادشاہ منتظر تھے کہ یہ کچھ کہے۔ آخرکار بادشاہ نے انگریزوں کی طرح موسم کی گفتگو شروع کی۔ مَیں نے اُس کا مناسب جواب دیا اور یہ کہا کہ میرے ہموطنوں کو اِس بات کے سُننے سے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے کہ ہمارے دوست سلطان روم اور اُن کی رعایا کے بھائیوں نے اہل چین کو نکال کر جن کے ساتھ ہماری تین لڑائیاں ہو چکی ہیں ترکستان میں ایک نئی سلطنت قایم کی ہے اور اپنی نسبت میں نے یہ کہا کہ مجھے لاٹ صاحب نے نہیں بھیجا ہے اور نہ کوئی خط دیا ہے مَیں صرف آپ کے نام کی شہرت

سُنکر اپنی خوشی سے آیا ہوں ۔ بادشاہ میری باتیں سُن کر سر ہلاتے جاتے تھے ۔ پھر فرمانے لگے کہ جب ہم نے یہ خبر سُنی کہ شاہ صاحب دوستی کی نظر سے میری سلطنت میں آتے ہیں مجھ کو بڑی خوشی ہوئی ۔ لاٹ صاحب تو بہت بڑے شخص ہیں میں اُن کے مقابلہ میں حقیر اور ناچیز ہوں میں نے جواب دیا کہ لاٹ صاحب تو بڑے ہیں مگر ہماری ملکہ جو اُن کی آقا ہیں اُن سے بھی بہت بڑی ہیں ۔ اِس پر بادشاہ میری طرف دیکھنے لگے تب میں نے کہا کہ مجھ کو اُمید ہے کہ اِن دونوں قوموں کے باہم دوستی اور محبت مستحکم ہو جاوے گی اور دوستوں کے درمیان بڑائی چھوٹائی کی کچھ بحث نہیں ہوتی پھر میں نے عرض کیا کہ میں اپنے ساتھ انگلستان کی چند بندوقیں بطور نمونہ حضور کی نذر کیواسطے لایا ہوں اُمید ہے کہ وہ قبول فرمائی جاویں ۔ بادشاہ ہنسے اور فرمایا کہ ہم تم تو دوست ہیں ہمارے تمہارے بیچ میں نذر نذرانہ کی کیا ضرورت تھی ۔ تمہارا خیریت سے پہونچنا ہی بڑی خوشی کی بات ہے اسی کے ساتھ بادشاہ نے اپنے دونوں ہاتھ کی انگشت شہادت کو جوڑ کر ٹیڑھی کر کے اظہار دوستی کیا اور میرے رخصت ہونے کے وقت بادشاہ نے فرمایا کہ چند روز آرام کر کے سپاہیوں کو دیکھو اس جگہ کو اور جو کچھ اس میں ہے سب کو اپنا سمجھو ۔ اب تیسرے روز پھر ہم سے اور آپ سے ملاقات اور بات چیت ہوگی ۔ پھر خدمتگار کو اشارہ کیا اُس نے ایک ساٹن کا چغہ میرے شانہ پر ڈالا اس کے بعد نہایت مہربانی سے بادشاہ نے مجھ کو رخصت کیا +

پچیسویں جنوری کی شام کو مجھ سے یوزباشی سے مُلاقات ہوئی ۔ یہیں کاشغر میں محرم بھی ہوا ۔ یہاں کے لوگوں نے حضرت سکندر یعنی سکندر اعظم کی نسبت عجیب واقعات بیان کیے یعنی اُن کی دارالسلطنت سمرقند میں تھی اور اُنہوں نے مُلک چین پر اِس غرض سے کہ وہاں کے لوگوں کو دین اسلام کی طرف پھیریں فوج کشی کی ۔ راہ میں ایک مقام پر اپنے سپاہیوں کو حُکم دیا کہ ہر شخص اِس جگہ ایک ایک پتھر رکھدے ۔ وہاں ایک بڑا ڈھیر پتھروں کا ہوگیا ۔ جب چین میں پہونچے تو شاہ چین نے اُنکی اطاعت قبول کی اور بغیر مقابلہ خراج گذار ہوگیا ۔ سکندر کے سپاہیوں نے اُس مُلک کی عورتوں سے شادی کی اور حضرت سکندر نے اس مہم کے مطلب کو پورا کر کے اللہ اکبر کہا اور وہاں سے کوچ کیا ۔ جب پتھروں کے اُس انبار کے پاس آئے جو سپاہیوں سے جاتے وقت جمع کرایا تھا تب حُکم دیا کہ ہر شخص ایک ایک پتھر اُٹھالے ۔ سب نے ایک ایک پتھر اُٹھالیا لیکن ہزارہا پتھر وہاں پر باقی رہ گئے اُن پتھروں کے شمار کرنے سے تعداد اُن سپاہیوں کی معلوم ہوئی جو چین میں اپنی چینی بیبیوں کے ساتھ رہ گئے ۔ اُن لوگوں سے دو قومیں پیدا ہوئیں ایک ٹینگانی جو مسلمان ہیں (ٹینگانی ترکی لفظ

ہے اس کے معنی ہیں رہ جانا) دوسری کا ملک جو اب بھی چین کے راستے کے قریب ملکوں میں
بستی ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ حقیقت میں یہ داستان تاتار کے قصیابوں میں سے کسی کی ہے
لیکن عام غلطی سے سکندر کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ شمالی تاتار میں ایک میدان ہے جو سنتاش
کے نام سے مشہور ہے اور اُس میں اب بھی ایک بہت بڑا انبار پتھروں کا موجود ہے اور اسکی نسبت
یہی یا اسی قسم کی کہانی مشہور ہے۔ ٹینگانیوں کی روایت سے بھی بیان مذکورہ کی تصدیق ہوتی ہے
وہ لوگ کہتے ہیں کہ تیمور لنگ کے کچھ سپاہی اُس مُلک میں رہ گئے اور ہم اُنھیں کی اولاد ہیں لیکن
تیمور لنگ کبھی اُس مُلک میں نہیں گیا) جب مشرقی ترکستان کا تذکرہ چلا تو لوگوں نے بیان کیا کہ
چار ہزار اسّی برس اب سے پیشتر اس ملک کے باشندے کافر یعنی بُت پرست تھے۔ حضرت سلطان
نامی ایک بادشاہ پیدا ہوا اور اُس نے سب کو مسلمان کیا۔ میرے منشی نے اُن لوگوں سے پوچھا
کہ اُسکو کس نے مسلمان کیا تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ وہ خود مسلمان ہوا منشی نے کہا نہیں نہیں
کوئی استاد اُس کا ہوگا۔ میں نے منشی سے کہا چپ رہو۔ یہ لوگ جس طرح پر کہتے ہیں کہنے دو جب
تم نے ان لوگوں سے یہ سُنا کہ تین ہزار برس تمھارے پیغمبر صاحب سے پیشتر مسلمان بادشاہ حکومت
کرتے تھے تو ان سے تاریخی واقعات کی صحت کی کیا اُمید ہے۔ اِسپر یوزباشی اور اُس کے محرم
نے اپنی یادداشت کا مقابلہ کیا اور دیکھا تو منشی کی بات صحیح تھی۔ اور پھر بیان کیا کہ حضرت سلطان
کافر بادشاہ تھا اُسکو عبدالنصر سامانی بغداد کے ایک مولوی صاحب نے مسلمان کیا ہے۔ جب
سلطان بچہ تھا اُس وقت میں اُس کے باپ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مسلمان ہوگا۔ اس پر اُس کا
ارادہ اپنے بیٹے کے قتل کرنے کا ہوا لیکن جب اپنی بی بی سے مشورہ کیا تو اُس نے کہا کہ ابھی قتل
مت کرو پہلے اس کا امتحان کر لو یعنی بُتکدہ میں لیجاؤ۔ اگر وہ ہمارے طریقہ پرستش کو قبول کرے
تو زندہ رہنے دو ورنہ قتل کر ڈالو۔ آخر لڑکے یعنی سلطان کو بُت کے سامنے لے گئے وہ اُس کی
پرستش میں شریک ہوا اس لئے اُسکو قتل نہیں کیا گیا۔ لیکن جب مسلمان اُستاد کی تعلیم اُس کو خفیہ
ہوئی تو وہ اپنے دل میں بہت متردد ہوا اور جب اُس کے باپ نے ایک مندر بنانے کا اُسکو
حکم دیا تو وہ اَور بھی زیادہ متردد ہوا۔ اُس نے اپنے اُستاد سے مشورہ کیا۔ درویش نے کہا کہ اپنے
باپ کی اطاعت کرو مگر دل میں یہ سمجھو کہ مسجد بنوا رہے ہیں۔ جبکہ تمھارا مقصد نیک ہوگا تو صرف
بتخانہ کے نام سے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جب وہ مندر بنوا چکا تو ایک اَور بھی بڑی مشکل پیش آئی
یعنی اُس کے باپ نے اُسی مندر میں ایک بُت نصب کیا اور اُس کی پرستش کا اُس کو حکم دیا

اُس درویش نے شل پشیتر کے پھر اُس نوجوان مسلمان کو سمجھا دیا کہ کاغذ کے دو پرچوں پر اللہ کا نام لکھکر اپنے ہاتھوں کی گھائیوں میں رکھو جب بُت کے سامنے ہاتھوں پر سر رکھکر سجدہ کروگے تو وہ خدا کی عبادت ہوگی نہ اُس بُت کی چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا ہے اور ان تدبیروں سے اُسکا نیا عقیدہ بھی درست رہا اور اُس کے والدین کے دل میں بھی کسی طرح شک نہ آیا اسی عرصہ میں چالیس لڑکے امیروں اور سرداروں کے اُس نے اپنے ساتھی کرلیئے اور اُن کے ساتھ تیراندازی اور فنون سپہ گری کی مشق کی جب یہ سب سیکھے سکھائے آدمی اُس کے قابو اور اختیار میں ہوگئے تو وہ دفعتاً اپنے باپ کے روبرو آیا اور اُسکو حکم دیا کہ مسلمان ہو۔ بادشاہ نے انکار کیا تب اُسکے ساتھیوں نے بادشاہ کو گرفتار کرلیا اور اُس کا مونہہ آسمان کی طرف کیئے ہوئے پکڑے رہے اِسپر بھی وہ انکار کرتا رہا۔ پھر اُسکو زمین پر کھڑا کیا۔ اُس کے پاؤں تلے زمین پھٹنے لگی اور وہ رفتہ رفتہ دھنسنے لگا تب بھی اُسکے بیٹے نے دین اسلام قبول کرنے کی ہدایت کی مگر اُس نے انکار ہی کیا یہانتک کہ وہ بالکل زمین میں غایب ہوگیا اور اُس کا بیٹا یعنی سلطان بادشاہ ہوا۔ لوگ کہتے ہیں کہ مقام ارتاش میں یہ جگہ اب بھی نمک کے غار کی مانند نظر آتی ہے۔ ارتاش کاشغر سے بیس میل شمال کیطرف واقع ہے اس ملک کا وہی پشیتر دارالخلافت تھا۔

پہلی فروری کو یوز باشی اور محرم باشی نے دوپہر کے وقت میرے ساتھ پلاؤ کھایا اُس کے بعد میرے ملازم مسمی کبیر نے نماز نہ پڑھی اِس لیئے لوگوں نے اُسکو ملامت کی اور محرم باشی نے کہا کہ جو کوئی شخص کسیوقت کی نماز قضا نکرے تو چوری اور جھوٹ اور قتل سے اسکا کچھ ہرج نہیں ہوتا کبیر نے نماز قضا کرنے پر عدم فرصتی کا عذر کیا لیکن محرم باشی کے اس مسئلہ پر کہ نماز سے ہر قسم کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں بحث کی۔ دونوں میرے منشی کے پاس گئے۔ منشی نے محرم باشی کے دعویٰ کے برخلاف تصفیہ کیا اور وہ مسئلہ اسلام کا بیان کیا جس کا یہ مطلب ہے کہ خداتعالےٰ کے تمام گناہ مثل شراب خواری قماربازی وغیرہ اُس شخص کے معاف ہونگے جو برابر بلاناغہ نماز پڑھتا رہیگا اور مکہ شریف کے حج کو جاویگا لیکن انسان کے مقابلہ کے گناہ مثلاً چوری۔ زبردستی۔ بیرحمی وغیرہ حج کرنے سے بھی معاف نہ ہونگے جب تک گنہگار حتی الوسع اُس کا معاوضہ دیکر مظلوم سے معافی نہ حاصل کرلے پس صرف نماز سے ایسے گناہ معاف نہیں ہوسکتے۔ اُسی دن منشی نے متعجب ہوکر مجھ سے کہا کہ ترک لوگ غیر مذہب والوں سے نہایت آزادی کے ساتھ ملتے جلتے ہیں میں نے کہا ہاں یہ لوگ دنیا کے اور سب لوگوں کی مانند ہیں منشی ہنسا اور مجھ سے پوچھا کہ اِس کا کیا مطلب ہے

مَیں نے جواب دیا کہ تم ہندوستان کے لوگ اپنے مُلک کے پہاڑوں کے اندر بند رہتے ہو اور باقی دنیا کے انسانوں کی نسبت تمھارے خیالات بالکل مختلف ہو رہے ہیں صرف تمھی لوگ خواہ ہندو خواہ مسلمان اَور لوگوں کے ساتھ کھانے پینے میں تعصب رکھتے ہو۔ سوائے ہندوستان کے اَور کہیں یہ بات پائی نہیں جاتی اور ہندوستان میں جب انگریز تم سے یہ بات کہتے ہیں تو تم اعتبار نہیں کرتے۔ مگر دیکھو ہندوستان سے نکلکر پہلے ہی قدم پر ایک سخت مسلمانی مُلک میں خود تمہیں کو ایسے تعصبات کے نہونے پر تعجب ہوتا ہے۔ یہی حال تمام دنیا کا ہے۔ منشی نے اِس بات کو قبول کیا اور کہا کہ مَیں بھی ہندوستان میں جاکر اپنی رائے تبدیل کردوں گا؛

کاشغر میں پانچویں اپریل کو بادشاہ سے دوسری مُلاقات ہوئی جس کا مَیں مدت سے منتظر تھا یعنی سہ پہر کے وقت سرکار نے آکر کہا کہ یا تو کوئی بڑا سردار تم سے باتیں کرنے کے لیئے آویگا یا تم ہی بادشاہ کی مُلاقات کے لیئے بلائے جاؤ گے۔ مَیں نے جواب دیا کہ جو کچھ اتالیق غازی کا حکم ہو اُسپر مَیں راضی ہوں۔ بعد چند منٹ کے پھر سرکار نے آکر کہا کہ طیار اور آمادہ رہو شام کو بُلائے جاؤ گے اُس کے جانے کے بعد دو بندوقیں مَیں نے صاف اور درست کیں آٹھ بجے شام کو میری طلبی ہوئی چنانچہ مجھ کو لوگ محل کے سامنے سے بڑے پھاٹک میں لے گئے وہاں توپیں لگی ہوئی تھیں پھاٹک کھول کر ہم لوگ چوک میں پہونچے جہاں چین کی لالٹینیں روشن تھیں اُس کے مقابلہ میں دیوانخانہ تھا جس میں نہایت عُمدہ روشنی ہو رہی تھی۔ میرا رہنما مجھ کو دیوانخانہ کی سیڑھیوں پر چھوڑ کر چلا گیا مَیں اکیلا کمرہ سے اندر گیا۔ اتالیق غازی ایک گوشہ میں بیٹھے تھے۔ مجھ کو دیکھکر ہاتھ بڑھایا اور یہ کہکر کہ آرام سے بیٹھو اپنے روبرو بٹھایا۔ بعد مزاج پرسی کے ایک ہندوستانی جمعدار ترجمان بنایا گیا تمام گفتگو لفظ بلفظ تو مَیں نہیں بیان کرسکتا کیونکہ گھنٹہ بھر سے زیادہ مَیں بیٹھا رہا اور گفتگو ہوتی رہی تھی۔ خلاصہ تمام گفتگو کا یہ ہے:۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اِس مُلک میں آپ کے آنے سے مَیں اپنی بڑی عزت سمجھتا ہوں اور مَیں انگریزوں کے مقابلہ میں طاقت اور مرتبہ میں بہت کم ہوں۔ مَیں نے جواب دیا کہ آپ کے اور انگریزوں کے باہم ایسی ہی دوستی ہو جانے کی مجھے اُمید ہے جیسی کہ سُلطان روم اور انگریزوں کے درمیان میں ہے اور دوستوں کے درمیان میں کمی بیشی کا کوئی خیال نہیں کیا کرتا۔ بادشاہ نے کہا خدا ایسا ہی کرے اور مجھ کو بھائی کہکر فرمایا کہ میری رعایا سب تمہاری غلام ہے جب قرب وجوار کی قومیں تمہارے یہاں آنے کا حال سُنینگی تو میری اَور بھی عزت بڑھ جاویگی مَیں نے جواب میں عرض کیا کہ نہ مجھ کو ملکہ نے بھیجا ہے نہ لاٹ صاحب نے مَیں آپ کی ناموری سُنکر

خود آیا ہوں۔ مجھ سے آپ کو صرف اسیقدر فائیدہ ہو سکتا ہے کہ مَیں اپنے مُلک اور اپنے بادشاہ کا حال بتا دوں۔ بادشاہ نے کہا کہ تم ہمارے بھائی ہو اور بہت سے اَور بھی تعظیمی کلمے کہے اور فرمایا کہ مَیں نے اِس سے پیشتر کبھی کسی انگریز کو نہیں دیکھا تھا گو اُن کی طاقت اور سچائی کا حال سُنتا رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ انگریزوں سے سوائے بھلائی کے کوئی مضرات ظہور میں نہ آویگی مَیں تمکو اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔ جو کچھ تم صلاح دو۔ وہ مَیں کروں۔ میرا ارادہ تمہارے مُلک میں ایلچی بھیجنے کا ہے۔ تمہاری کیا صلاح ہے۔ مَیں نے جواب دیا کہ آپ کا ارادہ نہایت عُمدہ ہے اور ایلچی بھیجنا بہت مناسب ہے۔ پھر بادشاہ نے کہا کہ مَیں ایلچی بھیجوں گا اور اُس کے ہاتھ ایک خط اِس درخواست سے بھیجوں گا کہ وہ اُسکو ملکہ کی خدمت میں روانہ کر دیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ یہ بہت بہتر تدبیر ہے بادشاہ نے پوچھا کہ کب بھیجنا چاہیئے۔ مَیں نے کہا جب آپ کی مرضی ہو۔ میرے ساتھ خواہ مجھ سے پہلے یا میرے بعد روانہ فرمائیے مگر میری رائے یہ ہے کہ جو کچھ کرنا ہو جلد کیجئے۔ تب بادشاہ نے فرمایا کہ میرا ایلچی بے شک تمہارے ساتھ جاوے گا اَب مَیں یہاں پر تمکو تین دن اَور ٹھہراؤں گا پھر یارقند کو چلنا پڑے گا اور ایلچی کو مَیں یا تو یارقند میں یا یانگ حصار میں تمہارے سپرد کروں گا۔ مَیں نے کہا بہت اچھا اگر ارشاد ہو تو جو کچھ باتیں اُس سے پوچھی جاویں گی وہ سب مَیں اُسکو بتا دوں گا اور پھر وہ ایلچی اُن سب امور کی نسبت حضور کی اجازت حاصل کرلیگا ورنہ جب وہ ہمارے حاکموں کے روبرو جاوے تو گفتگو کرنے میں شاید اُس کو وقت پیش آوے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ہاں سب باتیں اُسکو بتا دیجیو اور کل شام کو اور پھر یانگ حصار میں ہم سے تم سے گفتگو ہوگی اور کہا کہ ملکہ انگلستان مثل آفتاب کے ہیں جس پر اُن کی شعاع پڑتی ہے اُسکو گرمی پہونچتی ہے مَیں سردی میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ اُن کی کچھ شعاعیں مجھ پر بھی پڑیں مَیں ایک چھوٹا سا آدمی ہوں چند برسوں میں خداوند کریم نے اتنا بڑا مُلک عطا کر دیا ہے تم آئے میری بڑی عزت ہوئی مجھ کو اُمید ہے کہ تم اپنے مُلک میں میری اعانت کروگے جو کچھ مجھ سے تمہاری خدمت ہونی ممکن ہو اُس کے لیئے ارشاد کرو اور اسی طرح میرے ساتھ بھی پیش آنا اَب کہو واپس جاکر میرا کیا حال بیان کروگے۔ مَیں نے کہا مَیں کہوں گا کہ جو کچھ آپکی شہرت ہندوستان تک پہونچی ہے وہ اصل حقیقت سے نصف ہے۔ یہ سُنکر بادشاہ ہنسے اور مصافحہ کرنے کو ہاتھ بڑھایا۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے آدمی ترکستان میں تجارت کے لیئے بھیجا کرو ملکہ اپنا ایلچی یہاں بھیجیں یا نہ بھیجیں مگر خاص تمہارے آدمی آیا جایا کریں۔ پھر پوچھا کہ سال بھر میں ایک آدمی بھیجو گے مَیں نے عرض کیا کہ اگر حضور کی

اجازت ہے تو ضرور بھیجوں گا۔ بادشاہ نے فرمایا سب قسم کی سوداگری کی چیزیں بھیجنا اور ہمارے نام خط لکھنا اور جو کچھ تمھیں درکار ہو ہم سے طلب کرنا۔ تمہارے بخیریت پہونچنے کا خط ہمارے واسطے ایک نعمت ہوگا۔ مَیں نے جواب دیا کہ بے شک اِس ذریعہ سے آپ کی خیر و عافیت کا حال مجھے معلوم ہوتا رہیگا جس سے مجھ کو بڑی خوشی ہوگی مَیں دُعا کرتا ہوں کہ آپ کی سلطنت صد ہا برس قایم رہے۔ الحاصل اسی قسم کی گفتگو کے بعد مَیں نے چار پی اور مجھ کو خلعت مرحمت ہوا جس کے بعد کچھ تھوڑی ہی دیر بیٹھکر مَیں رخصت ہوا۔ ایک شہزادہ مجھ کو صدر دروازہ تک پہونچا گیا سب لوگوں نے مجھ کو مُبارکباد دی ؁

چھٹی اپریل کو بادشاہ کے ہاں سے روپیہ اشرفیاں اور کچھ سونے کے ریزے کاغذ میں لپٹے ہوئے سرکار لایا اور کہا کہ یہ آپ کے ذاتی اخراجات کے لیئے ہیں۔ وہ سب مالیت تخمیناً چھ سو نوے پونڈ یعنی چھ ہزار نو سو روپیہ کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وُہی شخص پھر آیا اور پینتالیس پونڈ یعنی چار سو پچاس روپیہ منشی کے لیئے لایا۔ اور پھر ایک زردوزی سُرخ ساٹن کا چُغہ اور ایک اونچی مخمل کی ٹوپی میرے لیئے اور کچھ کپڑے منشی اور میرے ملازموں کے لیئے آئے۔ تھوڑے عرصہ بعد ایک گھوڑا نہایت عُمدہ اسباب سے سجا ہوا آیا اور اُس کی باگ میرے ہاتھ میں دی گئی اور دُعائیں پڑھی گئیں۔ شام کو مَیں پھر بادشاہ کی ملازمت کے لیئے گیا۔ معمولی گفتگو کے بعد بادشاہ نے پھر یہی کہا کہ بمقابلہ ملکہ کے جو ہفت اقلیم کی حکمران ہیں میری کچھ حقیقت نہیں۔ اِس کے بعد انگلستان کے ساتھ دوستی کا تذکرہ آیا خصوصاً میری دوستی کا بادشاہ نے فرمایا کہ جب مَیں تمہارا مونھ دیکھتا ہوں میرے دل میں ایک نیک شگون کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ آپ کی بے انتہا نوازش ہے مَیں اس کا مستحق نہیں ہوں اور مجھ پر کیا منحصر ہے آپ میری تمام قوم اور ملکہ پر بھی ایسی ہی مہربانی فرماتے ہیں۔ یہ سُنکر بادشاہ نے سمجھا کہ جو چیزیں صبح کے وقت مجھے عطا فرمائی تھیں اُن کی نسبت گویا مَیں نے یہ کہا کہ وہ میری قوم اور ملکہ کیواسطے ہیں چنانچہ فرمانے لگے کہ نہیں نہیں وہ سب چیزیں خاص تمہارے لیئے ہیں تمہاری ملکہ کے لیئے مناسب تحفہ مَیں مہیا کروں گا مَیں تمہارے مُلک کے دستوروں سے ناواقف ہوں مگر تم ہمارے دوست ہو ہمکو بتاؤ گے کہ ملکہ کے لیئے کیا کیا چیزیں بھیجنی مناسب ہوں گی۔ ملکہ کا مرتبہ بہت اعلےٰ ہے مَیں بے حقیقت ہوں مَیں تم سے کوئی بات نہیں چھپاتا تم میرے مُلک کے حال سے واقف ہو یہاں اُونی کپڑا اور اسی قسم کی اَور چیزوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا پس تمکو چاہیئے کہ تم مجھ کو صلاح دو۔ مَیں نے جواب دیا کہ بادشاہوں کے لیئے

دوستی اور اتحاد ایک بہت بیش بہا تحفہ ہے جو وہ آپس میں ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں لیکن اگر میری مصلحت کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ یہ امر میں تمھیں پر چھوڑتا ہوں جب یانگ حصار میں ملاقات ہوگی تب اس کا انتظام کرینگے۔ یہاں کام کی کثرت ہے روس اور قوقان اور بخارا وغیرہ سب طرف سے لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں لیکن یانگ حصار میں سب کام چھوڑ کر تم سے مشورہ کروں گا۔ جو کچھ تم صلاح بتلاؤگے وہ کروں گا خواہ خط لکھیں گے یا ایلچی بھیجیں گے یا اور جو کچھ تم کہوگے سو کرینگے۔ میں نے کہا کہ ایلچی بھیجنے کی رائے بہت عمدہ ہے اس کی تعمیل میں جو کچھ تائید مجھ سے ممکن ہے اُس کے لیئے میں حاضر ہوں۔ پھر بادشاہ نے انگلیوں پر شمار کرکے فرمایا کہ کل چہارشنبہ ہے پرسوں پنجشنبہ اور اترسوں جمعہ کو میں اپنے لڑکے کو یہاں چھوڑ کر یانگ حصار کو روانہ ہوں گا دو دن تم یہاں اَور رہو میرا مُلک اور میری سب رعایا تمہاری ہے اور جمعہ کے روز یانگ حصار میں مجھ سے ملو۔ مجھ کو اُس جگہ سے نہایت اُنس ہے کیونکہ اس مُلک میں میں نے پہلے پہل اسی شہر کو فتح کیا تھا میرا ارادہ ہے کہ جمعہ کی نماز وہیں جاکر ادا کروں۔ اُس کے بعد سب بندوبست ہوگا اور میں دو یا تین عقلمند رئیس بھی تمہارے ساتھ کردونگا وہ لوگ تمکو ہاتھوں ہاتھ آرام سے میرے مُلک میں سے لیجاویں گے اور تمھارے مُلک میں تمھارے ہمراہ جاوینگے۔ اس کے بعد بادشاہ نے فرمایا کہ میں نہایت محجوب اور شرمندہ ہوں کہ اس سے پیشتر اس مُلک میں ایک انگریز آیا تھا اُسکو ولی خاں ڈاکو نے مار ڈالا۔ میں نے جواب دیا کہ ہم لوگ خوب جانتے ہیں کہ آپ کا اُس میں ایما نہ تھا اور نہ ہم آپ پر اُس کا الزام لگاتے ہیں وہ مسافر انگریز نہ تھا جرمنی تھا مگر پھر بھی ہم لوگوں کو اُس کے مارے جانے کا بڑا رنج ہے کیونکہ وہ ہندوستان میں ہمارا مہمان تھا اور وہیں سے ترکستان میں آیا تھا۔ پھر بادشاہ نے چھ انگلیاں اُٹھا کر فرمایا کہ اتنے برس سے میرا اختیار اس مُلک پر ہے اس سے پیشتر میں کچھ بھی نہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ جو بادشاہ باستحقاق موروثی بادشاہت حاصل کرتے ہیں اُس میں اُن کی کچھ لیاقت نہیں سمجھی جاتی بلکہ جو لوگ مثل تیمور اور سکندر کے اپنی قوت بازو سے بڑی بڑی سلطنتیں حاصل کرتے ہیں وہی قابل تعریف ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا خدا تمہارا قول سچا کرے اور یہ بھی کہا کہ ایک اَور انگریز یارقند میں آیا تھا تم اُسکو جانتے ہو۔ میں نے کہا کہ ایک انگریز مجھ کو تبت میں ملا تھا اور اُس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ مجھ کو اپنے ساتھ لیچلو مگر میں نے انکار کیا کیونکہ میں نے صرف اپنے ہی لیئے حضور سے درخواست کی تھی۔ بادشاہ نے کہا خیر لیکن جو کوئی انگریز یہاں آوے میں اُس سے خوش ہوں اس کے بعد میں

رخصت ہوا نیچے اوپر تین بھاری بھاری چُغہ جو بادشاہ نے عطا فرمائے تھے پہنے ہوئے تھا اس لیے
گرمی کے مارے مَیں گھبرا گیا تھا۔

مَیں نے چاہا کہ اُس سرکار کو جو بادشاہ کے حضور میں سے میرے لیئے نقد و جنس لایا تھا کچھ
دوں مگر اُس نے انکار کیا اور کہا کہ اگر مَیں مہمان سے ذرا سی بھی کوئی چیز لے لوں تو بادشاہ میری
گردن ماریگا۔ اپریل کی بارھویں تاریخ صبح کو بادشاہ سے رخصت ہونے کو گیا۔ ملازمان شاہی
مجھ کو قلعہ میں لے گئے جس کے اندر جا کر ایک صحن کی صدر پر بادشاہ کو بیٹھے پایا حسب معمول مَیں روبرو
بٹھایا گیا اور ترجمان طلب ہوا۔ باہم مزاج پُرسی کے بعد لمبی گفتگو ہوئی جس کا پورا پورا لکھنا ممکن
نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ بادشاہ نے فرمایا ایک معزز سید کو مَیں بطور ایلچی تمھارے ساتھ روانہ کرنا چاہتا
ہوں جب اپری کاٹ میوہ کی فصل آوے تب تم روانہ ہو کیونکہ اُسی وقت راہ کھلی رہتی ہے
اور یارقند اور شہید اللہ و کشمیر اور تبت سے اپنی خبر بھیجو پھر فرمایا کہ مہاراجہ کشمیر کے نام بھی کوئی
خط لکھوں یا نہیں اس میں تمھاری کیا صلاح ہے۔ یہ کہکر میرے مونھ کی طرف دیکھنے لگے مَیں نے
چاہا کہ اس کا کچھ جواب نہ دوں لیکن جب بادشاہ نے مکرر پوچھا تو مَیں نے کہا کہ بڑے بڑے بادشاہوں
کو با جگذار رئیسوں سے خط کتابت کرنا مناسب نہیں۔ بادشاہ نے کہا میں بھی جاننا چاہتا تھا
مَیں تمھارے ساتھ ایک شخص ایسا بھیجوں گا جو بالکل تمھارے حکم کے تابع رہے اُسکو تم کشمیر سے
جب جی چاہے واپس کر دیجیو۔ پھر پوچھا کہ کشمیر میں کوئی ایسا تاجر مقرر کروں جو وہاں کے حالات
لکھتا رہے۔ مَیں نے کہا بیشک رکھنا چاہیئے اور اُمید ہے کہ آپ لاہور میں اپنا ایک وکیل رکھنے کا
بہت جلد اہتمام فرماوینگے۔ یہ سب باتیں میں نے بہت رُک رُک کر کہیں اور یہ بھی کہدیا کہ ایسے
امور میں صلاح دینا میرا کام نہیں ہے آپ اپنی تجویز سے کام کیجئے مگر بادشاہ سب باتوں میں ولایتی
کا حوالہ کر کے کہتے تھے کہ تم ہندوستان کے حال سے واقف ہو اور جبکہ تم سا دوست ایسی باتوں میں
بھی صلاح نہ دے جن سے وہ واقف ہے تو اُس سے اَور کیا ہونا ہے۔ پھر ملکہ کی عظمت اور بزرگی کا
تذکرہ ہوا اور بادشاہ نے کہا ملکہ مثل آفتاب کے ہیں جس کی کرنوں سے ہر چیز کو گرمی پہونچتی ہے
ایسے بڑے بادشاہ کی دوستی کے لائق تو مَیں نہیں ہوں مگر یہ اُمید رکھتا ہوں کہ مجھ کو بھی اُن کی شعاعوں
کی دھوپ کھانے کی اجازت ملے اور یہ بات مَیں اس لیئے چاہتا ہوں کہ میرے چاروں طرف
دشمن ہیں۔ اِس کے بعد پھر میری دوستی کا ذکر ہوا اُس پر مَیں نے عرض کیا کہ میرا دل آپ کے
دل کے ساتھ وابستہ ہے۔ آپ نے جو کچھ الطاف اور نوازش میرے حال پر فرمائی ہے اُس کا حال

میں اپنے مُلک کے لوگوں سے کہوں گا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ کسی منشی کو یا کسی اَور ملازم کو میرے پاس بھیجا کیجیو اور اپنی خیر و عافیت کا حال لکھتے رہیو۔ مَیں بھی اپنا حال تمکو لکھوں گا اور اِسملک کی جو چیز مطلوب ہو وہ طلب کیجیو یہ سب تمھارا ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ ضرور ایسا ہی کروں گا۔ اِس گُفتگو میں بہ نسبت پیشتر کے بادشاہ کی طرف سے مہربانی کا زیادہ اظہار ہوتا تھا بات چیت ہنس ہنس کر نہایت آسان فارسی میں کرتے تھے اور ہر جملہ پر جھک کر یہ کہتے۔ شاصاحب سمجھے آخر کار چار کے بعد مجھ کو خلعت مرحمت ہوا اَور میں رخصت ہوا۔ بادشاہ نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہا خدا حافظ اور پھر ہاتھ اُٹھا کر عربی میں میری خیر و عافیت کے لیئے دُعا پڑھی اور چہرہ پر سے ڈاڑھی تک ہاتھ پھیر کر کہا اَللّٰہُ اَکبر۔

یارقند کو واپس آتے ہوئے پندرھویں اپریل کو ہم ایک گانوں میں ناشتہ کے لیئے اُترے وہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا یعنی مَیں یوزباشی اور پنجاباشی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور چمارو نام میرا ملازم میرے لیئے کوئی چیز لایا۔ یوزباشی میرے آدمیوں پر بہت مہربان رہتا تھا۔ اُس نے پنجاباشی سے ہنسکر کہا کہ دیکھو یہ ایک ہندو ہے ہندو کسی دوسری قوم کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ پنجاباشی کی طبیعت ذرا آزادکم تھی۔ اُس نے حقارت کے ساتھ چمارو کی طرف دیکھکر ترشی سے کہا کہ تو ہندو ہے۔ چمارو نے یا تو جلدی میں یا یوزباشی کی مہربانی کے خیال سے ہنس کر جواب دیا۔ نہیں مَیں مسلمان ہوں۔ اُس پر دونوں شخص اُچھل پڑے اور بولے کہ دیکھو اُس نے اپنے مونھ سے کہا کہ مَیں مسلمان ہوں۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولے کہ ہم دونوں آدمی اِس بات کے گواہ ہیں۔ مَیں چُپ رہا۔ پھر ہنس کر جواب دیا کہ ہاں مَیں نے بھی سُنا لیکن خیر اَب اِس بات کو جانے دیجیے آئیے کھانا کھائیے کھانا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ وہ لوگ متعجب ہو کر بیٹھ گئے مگر وُہی تذکرہ کرتے رہے مَیں نے دو ایک باتیں ہنسی کی کہکر اُس بات کو ٹالا لیکن دیر تک مَیں بھی مشوش رہا کیونکہ وسط ایشیا کے متعصب مسلمانوں کی سختی کے حال سے مَیں واقف تھا یہ مسلمان کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اتفاق سے بھی ایکمرتبہ یہ کہدے کہ مَیں مسلمان ہوں یا صرف یا اللہ کہے تو ہم اُسکو پھر بُت پرستی نہیں کرنے دیتے یا وہ اسلام اختیار کرے یا موت۔ یوزباشی نے پھر مجھ سے کہا کہ چمارو خوب بچا کہ اس موقع پر میرے اور پنجاباشی کے سوا اَور کوئی نہ تھا ہم آپ کے سبب سے اِس بات کو دبائے دیتے ہیں تاکہ قاضی کے کان تک نہ جائے۔

شام کے وقت مجھ سے اور پنجاباشی داد خان سے ایک پرانی عمارت کا تذکرہ ہوا۔ یہ عمارت

کاشغر اور توقان کی راہ پر مقام اراون میں جو اُس سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے واقع ہے اور
اُس میں سے ایک پہاڑ میں کو پورانی سیڑھیاں ہیں جن پر سے ایک ایسے درہ کی راہ ہے جس کا
دروازہ نہایت تنگ اور چھوٹا ہے اور درہ بہت وسیع ہے - یہ سیڑھیاں اور عمارت چہل ستون
کہلاتی ہے یہاں کے لوگ اِس عمارت کی نسبت بجز اِس بات کے کہ یہ عمارت قدیم ہے اَور کوئی
روایت نہیں رکھتے ✦

شہر یارقند کی کُل آبادی میرے اندازہ سے پچھتّر ہزار آدمیوں سے کم نہیں ہے نیا شہر یعنی
قلعہ بہت چھوٹا قریب ہزار گز مربع کے ہے - اُس کی آبادی پانچ ہزار سے کم نہ ہوگی پس کُل آبادی
شہر اور قلعہ کی اَسّی ہزار آدمیوں کی ہوگی گو تعلیم ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہے مگر انتظام تعلیم بہت اچھّا
ہے - جہاں مسجد ہے وہاں اُس کے ساتھ ایک ابتدائی مدرسہ بھی ہے - زیادہ عُمر کے طالب علموں
کے لیئے یعنی پندرہ برس سے بیس برس کی عُمر کے طالب علموں کے لیئے پچاس یا ساٹھ مدرسہ
ایسے ہیں جن میں بہ حساب اوسط سَو طالب علم تعلیم پا سکتے ہیں اور اُن مدرسوں کے لیئے زمین عطا
ہوئی ہے ہر ایک طالب علم بھی تھوڑی سی فیس دیتا ہے مگر تعلیم وہاں صرف اسیقدر ہوتی ہے کہ کچھ
لکھنا پڑھنا آجاوے اور قرآن شریف پڑھ سکیں بعض اوقات قرآن شریف با معنی بھی پڑھایا جاتا
ہے - اِسی تعلیم کی بنا پر لوگ اپنے آپ کو مُلا لکھتے ہیں - اہل چین کے زمانہ کی نسبت اَب مدرسوں کی
تعداد زیادہ ہوگئی ہے - بالفعل اتالیق غازی نے بھی دو مدرسے جدید یارقند میں تعمیر اور قایم کیئے ہیں
جن کے ساتھ بڑے بڑے تالاب بھی سایہ دار بنائے ہیں - اندجان والوں اور اتالیق غازی کے
عہد سے اسلام کا ویسے ہی سختی اور تشدد کے ساتھ برتاؤ ہے جیسا کہ بخارا میں تھا محتسب گلی کوچوں
میں پھرتا ہے اور جس مرد کو بلا دستار اور جس عورت کو بغیر بُرقعہ کے دیکھتا ہے سزا دیتا ہے - جہاں کہیں وہ
گذرتا ہے ہر شخص راستہ چھوڑ کر اِس خوف سے کھڑا ہوجاتا ہے کہ کہیں میری کوئی خطا نہ نکل آوے - میں نے
سُنا ہے کہ اتالیق غازی سوائے ایسے شخص کے جو مُلک میں فساد برپا کرے لڑائی کے قیدیوں کو کبھی
قتل نہیں کرتا - چوروں کی عام سزا پھانسی ہے اور بدکاروں کی گردن ماری جاتی ہے ✦

گیارھویں مئی کو دادخواہ نے میرے لیئے یوزباشی کی معرفت ایک گھوڑا بھیجا اور کہلا بھیجا کہ میں نے
سُنا ہے آپ کوئی گھوڑا خریدنا چاہتے ہیں - اگر آپ خریدینگے تو میری میزبانی میں بٹّہ لگ جاوے گا
یہ وُہی عُمدہ گھوڑا تھا جس کی میں نے ایک مرتبہ تعریف کی تھی - پھر یوزباشی نے مجھ سے پوچھا کہ
دادخواہ دریافت کرتے ہیں کہ آپ کو اَور بھی گھوڑے کی ضرورت ہے میں نے کہا کہ میری تو زبان

بند ہے کیونکہ جب میں گھوڑا خریدنے کی اجازت چاہتا ہوں داد خواہ اپنے پاس سے عنایت کر دیتے ہیں۔ بہت سی چیزیں مثل خچر اور ریشم وغیرہ کے میں خریدنا چاہتا ہوں لیکن اگر بلا اجازت خریدوں تو داد خواہ ناراض ہو جاویں گے اور جو اجازت چاہتا ہوں تو وہ خود ہی عنایت کر دینگے۔ پس شرم کے سبب سے میں تو کچھ کہہ نہیں سکتا چپ ہوں ؛

بارھویں مئی کی صبح کو داد خواہ کا ایک رقعہ منشی لیکر آیا اور مجھ سے کہا کہ آپ اپنے لیئے چیزیں خرید کرتے ہیں اس سے داد خواہ بہت ناراض ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھ کو کیوں نہیں اطلاع دیتے جو میں سب چیزیں مہیا کر دوں یہ بات دوستی کے برخلاف ہے۔ تب میں نے منشی سے اُس رقعہ کے جواب میں لکھوایا کہ داد خواہ کی نوازش میرے حال پر اس قدر ہے کہ وہ مجھکو صرف وہی چیزیں نہیں عنایت کرتے جن کی میں درخواست کرتا ہوں بلکہ وہ چیزیں بھی مرحمت فرماتے ہیں جن کی میں دل میں خواہش کرتا ہوں۔ پس میں نے اب اپنے دل میں بھی کسی چیز کی خواہش کرنا ترک کر دیا ہے میں اُن کے بارِ احسان سے دبا جاتا ہوں اور مجھ کو بڑی شرم آتی ہے ؛

بیسویں مئی کی صبح کو یوزباشی داد خواہ کے پاس سے یہ خبر لایا کہ اب وقت روانگی کا قریب آگیا سامان سفر گھوڑے وغیرہ تیار کرنا چاہیئے اور جو چیزیں درکار ہوں وہ خرید لینی چاہئیں اور مجھ سے پوچھا کہ داد خواہ آپکے دوست ہیں آپ اُن سے کیا تحفہ لیجیئے گا۔ میں نے جواب دیا کہ ہمارے ملک میں دوست سے تحفہ لینے کا رواج نہیں ہے۔ اُس نے کہا آپ اپنے مُلک میں نہیں ہیں جہاں ہیں وہاں کا دستور برتنا چاہیئے اور اگر آپ کسی تحفہ کے لیئے اپنی خواہش ظاہر نہ کرینگے تو داد خواہ ناراض ہو جاویں گے ؛

بائیسویں مئی کی صبح کو میں یوزباشی کے ساتھ داد خواہ سے ملنے گیا وہاں موسم کی گرمی کا تذکرہ ہوا۔ داد خواہ نے کہا پانی نہیں برستا جو ہوا ٹھنڈی ہو۔ اندجان میں گرمی بہت ہوتی ہے لیکن وہاں اکثر پانی برستا ہے اس لیئے وہاں کی گرمی برداشت ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا شاید اندجان کی آب و ہوا ہمارے مُلک انگلستان کی آب و ہوا کے موافق ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ اندجان میں جاڑے کے موسم میں برف کثرت سے پڑتی ہے اور گرمی میں پانی افراط سے برستا ہے یہی حال ہمارے مُلک کا ہے۔ داد خواہ نے کہا ہاں یہی حال ہے شاید اندجان کے ٹھیک مغرب اور مقابل میں انگلستان ہے جس کے سبب سے دونوں کی آب و ہوا یکساں ہے۔ تب میں نے سمجھایا کہ انگلستان اندجان سے شمال کی طرف واقع ہے اور قطب کے قریب ہے نسبت یہاں کے

انگلستان سے وہ ستارہ آسمان پر زیادہ بلند نظر آتا ہے - دادخواہ نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ ہفت اقلیم میں سے کس اقلیم میں آپکا ملک ہے اور وہاں دن کتنے گھنٹہ کا ہوتا ہے کیا سولہ گھنٹہ کا ہوتا ہے - میں نے جواب دیا کہ ہم دنیا کو ہفت اقلیم پر تقسیم نہیں کرتے - ہمارے نزدیک دنیا کے پانچ حصہ ہیں - پس میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا ملک کس اقلیم میں ہے لیکن سب سے بڑے دنوں میں دن رات کے چوبیس گھنٹہ میں سے اٹھارہ یا انیس گھنٹے کا دن ہوتا ہے - دادخواہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا کہ تم تو اقلیم پنجم کے کنارہ پر ہو - میں نے کہا کہ اس سے بھی اور شمال کی طرف جہاں ہمارے جہاز بڑی بڑی مچھلیاں پکڑنے جاتے ہیں وہاں گرمی کے موسم میں آفتاب شب و روز افق سے نیچے نہیں اترتا - دادخواہ نے پوچھا کہ وہاں کس قسم کے لوگ آباد ہیں اور کہا کہ ہمارے قاعدہ کے موافق ایسی آب و ہوا سے جسم میں بڑی طاقت پیدا ہوتی ہے - میں نے وہاں کے باشندوں کا حال بیان کیا اور کہا کہ ان کے قد ہمارے سینہ سے اونچے نہیں ہوتے اسپر دادخواہ نے کہا کہ وہ سردی سے ٹھٹھر گئے ہونگے میں نے پھر کہا کہ ہمارے ملک سے اکثر جہاز اور ذی علم لوگ ملکوں کی تحقیقات کے لیئے جایا کرتے ہیں - دادخواہ نے کہا کہ عقلمند گورنمنٹ کا یہی طریقہ ہے کہ سب باتوں سے مطلع رہے ؛

شا صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے ملک اور آب و ہوا کا تذکرہ اس بات کے ظاہر کرنے کے لیئے لکھا ہے کہ دادخواہ ذہین اور عالم شخص ہے کیونکہ ایشیا کے رہنے والوں کو جو یورپ کے علوم سے ناواقف ہیں اس بات کی واقفیت نہیں ہوتی کہ جس قدر شمال کی طرف جائیں اسی قدر دن اور رات میں فرق ہوتا جاتا ہے گو میں نے صرف اتنی ہی بات کہی تھی کہ قطب کے قریب کے ملکوں میں گرمی کے موسم میں ہر وقت آفتاب موجود رہتا ہے اور اس بات کو میں کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ سردی میں آفتاب مطلق طلوع نہیں ہوتا تاہم دادخواہ نے فوراً سمجھ لیا کہ وہ ملک سرد ہوگا ؛

اٹھائیسویں مئی کو یوزباشی نے آکر یہ خبر دی کہ پرسوں کی تاریخ آپ کی روانگی کی قرار پائی - ظہر کی نماز کے بعد میں دادخواہ سے ملنے کو گیا اور ان سے پوچھا کہ ہندوستان سے میں آپ کے لیئے کیا چیز بھیجوں - اُنھوں نے جواب دیا کہ میں سپاہی ہوں سوائے بندوق کے اور کس چیز کی مجھے خواہش ہے مگر میں تمہاری خیر و عافیت چاہتا ہوں اور پھر بندوق کے لیئے درخواست کرتا ہوں جو ایلچی میرے ساتھ روانہ ہونیوالا تھا میں نے اُس کا حال دریافت کرنا چاہا مگر دادخواہ نے بالکل لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ اب آپ نے دروازہ آمد و شد کا کھولا ہے آپ کی دوستی اور آپ کا نام میرے

دل پر نقش کالجر ہے جو بجز موت کے مٹ نہیں سکتا - اس کے بعد میں سب سے رخصت ہوا؛

علامات قراءت

اس مقام پر لفظ قراءت سے ہماری مراد قرأت مصطلحہ قرآن مجید نہیں ہے بلکہ اس کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی پڑھنے کے نشان ؛ انگریزی میں چند علامتیں مقرر ہیں جن کو پنکچوئیشن کہتے ہیں - انگریزی عبارت میں وہ نشان ہمیشہ لگائے جاتے ہیں؛ ان سے فایدہ یہ ہے کہ عبارت کو فصیح طور پر پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے - ان نشانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ کہاں ختم ہوا کہاں سے دوسرا مطلب شروع ہوا، کون سے لفظ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، کون سے علیحدہ ہیں، عبارت پڑھنے میں کس جگہ ٹھہرنا چاہیئے، کس جگہ ملا کر پڑھنا چاہیئے، تاکہ مطلب پڑھنے والے اور سننے والے کی سمجھ میں بخوبی آتا جاوے - اس کے سوا ان نشانوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت میں کونسا جملہ معترضہ ہے اور کونسا استفہامیہ کونسا اقتباسیہ اور کونسا ندائیہ کس مقام پر مصنف نے کوئی بات تعجب انگیز لکھی ہے، اور کس مطلب پر مصنف نے پڑھنے والے کی زیادہ توجہ چاہی ہے علیٰ ہذا القیاس - اس میں کچھ شک نہیں کہ علامات قرأت نہایت عمدہ چیز ہیں اور علم ادب کی ترقی کے لیئے نہایت مفید ہیں - تمام ملکوں میں جہاں علوم وفنون، علم ادب وانشاء، تہذیب وشایستگی کی ترقی ہے ان علامات کا استعمال ہوتا ہے - ہم مسلمانوں نے اپنی تحریروں میں کوئی علامتیں اس قسم کی معین نہیں کیں؛ صرف قرآن مجید میں جس کو ہم نہایت عزیز وقابل ادب سمجھتے ہیں، اور جس کی تلاوت میں ہمکو بڑا اہتمام ہے، بعض ایسی علامتیں، جو قرأت قرآن مجید سے مخصوص ہیں، مقرر کی تھیں؛

سنسکرت زبان کی تحریر میں بھی کچھ علامتیں اس قسم کی مقرر نہ تھیں، لیکن اس زمانہ میں جن لوگوں نے اپنی زبان کی ترقی اور درستی کی فکر کی ہے انھوں نے اپنی اپنی تحریروں میں ان علامتوں کا رواج شروع کیا ہے - بنگالی زبان کی تحریر میں تو یہ علامتیں نہایت خوبی سے مروج ہوگئی ہیں، اور اُودیا اور گجراتی اور ناگری میں بھی مروج ہوتی جاتی ہیں، مگر اردو زبان کی تحریر میں اس کا بہت کم رواج ہے - کبھی کبھی ہم اپنے تہذیب الاخلاق میں کوئی کوئی علامت اس قسم کی لگا دیتے ہیں، یا آگرہ اخبار کے ایک صاحب معاون اپنے آرٹکلوں میں نہایت خوبی اور اسلوبی سے ان علامتوں کا استعمال کرتے ہیں +

کچھ کم دو برس کا عرصہ ہوا ہوگا کہ جناب منشی غلام محمد صاحب متوطن بمبئی نے اس پر بہت توجہ کی اور اُردو زبان کی تحریر میں بھی ان علامتوں کا مروج ہونا ضرور سمجھا، اور اِس باب میں ایک رسالہ موسوم بہ نجوم العلامات، تحریر فرمایا جو درحقیقت اپنی خوبی اور حسن بیان میں بے نظیر ہے اس رسالہ میں جناب موصوف نے ہر قسم کی علامتیں مقرر کی ہیں جو علامات قرأت قرآن مجید سے اخذ کی گئی ہیں۔ اور اکثر حروف مفردہ تہجی باضافہ ایک لکیر مثل زیر کے اُن علامتوں کے لیئے مقرر کیئے ہیں، اور ہر ایک علامت کا بیان نہایت خوبی اور خوش بیانی اور وضاحت سے کیا ہے ؛

ہمکو جناب ممدوح کی تمام تجویزوں سے دل سے اتفاق ہے، مگر جو علامتیں اُنھوں نے مقرر کی ہیں اُن سے بوجوہات مفصلہ ذیل ہمکو اختلاف ہے :۔

اوّل۔ ہم نہیں پسند کرتے کہ جو علامتیں مدت سے قرآن مجید کی تحریر میں مخصوص ہو گئی ہیں وہ اَور تحریروں میں مروج کی جاویں، اور آیت اور مطلق جو خاص قرآن مجید کی اصطلاحات ہیں، اَور تحریروں پر بولی جاویں، گو شرعاً و عقلاً اس میں کچھ قباحت نہ ہو، الا تعظیماً للقرآن المجید ایسا کرنا ہم پسند نہیں کرتے ؛

دوئم۔ علامتیں جو حروف مفردہ تہجی سے مقرر کی گئی ہیں وہ اُردو زبان کی تحریر میں حروف عبارت سے مشتبہ ہو جاتی ہیں، اور پڑھنے میں شبہ پڑتا ہے کہ وہ حرف بھی منجملہ حروف عبارت ہے، اس لیئے ضرور ہے کہ علامات مذکورہ صرف نقوش ہوں حروف نہوں ؛

سوئم۔ علامات مذکورہ ایسی ہونی چاہئیں کہ جو پتھر اور ٹیپ دونوں قسم کے چھاپہ میں مستعمل ہوسکیں۔ پس اگر ہم ایسی علامتیں مقرر کریں جو ٹیپ میں بنی ہوئی مروج نہوں تو بالفعل ہمکو نہایت مشکل پڑے گی۔ اور کسی طرح ہمکو نہ اُن علامتوں کا ہاتھ آنا میسر ہوگا نہ اُن کو بنا سکیں گے ؛ اس لیئے نہایت مناسب ہے کہ جو علامتیں انگریزی میں مروج ہیں وُہی ہم اُردو تحریر میں بھی اختیار کریں۔ اُن علامتوں کا ٹیپ ہر قسم کا بنا ہوا دستیاب ہوتا ہے۔ پتھر کے چھاپہ میں نہایت آسانی سے تحریر میں آسکتی ہیں، اور اُن کی شکل ایسی ہے کہ کسی حرف کے ساتھ مشابہ نہیں ہے، صرف ایک علامت ہے جو حرف واؤ کے مشابہ ہے، لیکن اُسکو اُلٹ دینے سے وہ التباس بالکل زایل ہو جاتا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم تہذیب الاخلاق میں اُن علامتوں کا رواج دیں۔ اگر اَور لوگ بھی اُسکو پسند کرینگے تو اُمید ہے کہ اُردو زبان میں بھی اُس کا رواج ہو جاویگا۔ اب ہم مناسب

سمجھتے ہیں کہ جناب منشی غلام محمد صاحب کے رسالہ کی خوشہ چینی سے اُن علامتوں کا اس مقام پر کچھ بیان کریں ◆

مُفصلہ ذیل علامتیں ہیں جو اُردو زبان کی تحریر میں مستعمل ہو سکتی ہیں

(،) کاما یعنی علامت سکتہ - انگریزی میں اس کی یہ شکل ہے (,) مگر یہ حرف واؤ کے مشابہ تھا اس لیئے اُس کو اُلٹ دیا تاکہ حرف مفرد تہجی سے مشابہت نہ رہے ◆

(؛) سمیکولن یعنی علامت سکون - انگریزی میں اسکی صورت یوں (;) ہے - اس کو بھی اُلٹ دیا ہے ◆

(:) کولن یعنی علامت وقفہ ◆

جہاں علامت سکتہ ہو اُس لفظ پر پڑھنے میں ذرا ٹھہرنا چاہیئے ، اور جہاں علامت سکون ہو وہاں ذرا اُس سے زیادہ ، اور جہاں علامت وقفہ ہو وہاں ذرا اُس سے بھی زیادہ ◆

(.) فلسٹاپ یعنی علامت وقفہ کامل ۔ یہ علامت اس بات کی ہے کہ یہاں فقرہ پُورا ہو گیا ◆

(؟) نوٹ آف انٹروگیشن یعنی علامت استفہام یا علامت سوال ◆

(!) نوٹ آف اکسکلامیشن یعنی علامت تعجب و حیرت و فرحت ۔ اگر یہی نشان برابر دو (!!) کر دیئے جاویں یا تین (!!!) کر دیئے جاویں تو زیادہ تعجب و حیرت یا مسرت پر دلالت کرتے ہیں ◆

(-) ھائی فن یعنی علامت ترکیب ◆

(—) ڈیش یعنی خط یا لکیر ◆

( ) پرنتھسز یعنی علامت جملہ معترضہ ◆

(" ") کو ٹیشن یعنی علامت اقتباس ۔ انگریزی تحریر میں یہ علامت اس طرح پر لکھی جاتی ہے ، (" ") مگر ہمنے دونوں کو اُلٹا رہنے دیا ہے ◆

لفظوں کے اوپر لکیر کر دینا ، یہ قدیم علامت نقل یا اقتباس کی ہے ؛ جیسے کہ شرح میں متن کی

عبارت پر لکیر کر دی جاتی ہے +

ـــــ انڈرلین یعنی علامت توجہ - جن لفظوں کے نیچے لکیر کر دی جاتی ہے وہ اس بات کا نشان ہے کہ پڑھنے والا اُسپر زیادہ توجہ کرے +

(*) اسٹار یعنی نجم - کسی جُملہ یا عبارت منقولہ کے بیچ میں دو یا تین نجم لگا دینا اس بات کا نشان ہے کہ اس مقام پر سے کچھ لفظ یا عبارت جو مطلب سے متعلق نہ تھا یا اُس کی نقل ضروری نہ تھی چھوڑ دی گئی ہے، اور ایک نجم علامت حاشیہ کی ہے +

(* † ‡ ||) ان میں سے ہر ایک حاشیہ کی علامت ہے +

علامت سکتہ

اس علامت سے جملہ کے ایسے حصّے علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتے ہیں جو مطلب میں تو ملے ہوئے ہیں مگر پڑھنے میں اُن مقاموں پر ذرا سکتہ کرکر پڑھنا چاہیئے +

۱ - جب کسی مفرد جملہ میں مبتدا اور خبر مرکب ہوں، تو اُن کے بیچ میں علامت سکتہ لگانی چاہیئے +

مثال - کسی چیز کیطرف مستقل اور پوری توجہ ، اعلٰے طبیعت کی نشانی ہے +

۲ - جملہ مرکبہ کے اجزاء مفردہ بذریعہ علامت سکتہ علیحدہ کرنے چاہئیں، تاکہ پڑھنے میں الگ الگ پڑھے جاویں +

مثال - جب اچھائی نہیں رہتی، تو لوگوں کی توجہ بھی نہیں رہتی +

بہادروں نے جب دشمنوں کا حال سُنا ، تو اُن پر نہایت دلیری سے حملہ کیا +

مگر جب جملہ کے اجزاء ایسے ہوں کہ خود اُنھی سے اُن میں ترکیب پائی جاتی ہو، تو وہاں علامت سکتہ کا لگانا کچھ ضرور نہیں ہے +

مثال - خود ہمارا دل بھی سوچتا ہے کہ اصلی نیکی کیا ہے +

۳ - معطوف و معطوف علیہ میں جب حرف عطف موجود ہو، تو وہاں بھی علامت سکتہ لگانی ضرور نہیں +

مثال - زمین اور چاند دونوں سیارے ہیں +

عقلمند آدمی وقت کی قدر کرتا ہے اور اُس کو ضایع نہیں کرتا +

کامیابی اکثر ہوشیاری اور ہمت سے کام کرنے پر منحصر ہوتی ہے ٭

مگر جب معطوف و معطوف علیہ میں حرف عطف موجود نہ ہو،

تو وہاں علامت سکتہ لگانی ضرور ہے ٭

مثال۔ عقل، ہوش، علم، ہنر، سب وقت پر کام آتے ہیں ٭

وہ تو سیدھا، سادھا، ایمان دار، آدمی ہے ٭

مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان میں بھی علامت سکتہ کا لگانا ضرور ہے ٭

مثال۔ وہ شخص ایماندار ہے، مگر سست ٭

بہت بڑا عالم ہے، مگر بے عمل ٭

پرہیزگار ہے، مگر ظاہری باتوں میں ٭

جب متعدد صفتیں کسی اسم کی بغیر حرف عطف کے بیان کی جاویں تو وہاں علامت سکتہ لگانی ضرور ہے ٭

مثال۔ زید نہایت دانا، ہوشیار، عالم، فاضل ہے ٭

مگر جب دو یا دو سے زیادہ ایسی بیان کی جاویں کہ ایک صفت دوسری صفت کی تشریح کرتی ہو، تو اُن میں علامت سکتہ لگانی نہیں چاہیئے ٭

مثال۔ بھورا سیاہی مایل کپڑا ٭

ہلکا زردی مایل سبز رنگ ٭

اگر حرف عطف موجود ہو، مگر جملہ کے اجزا لنبے لنبے ہوں، تو بھی اُن میں علامت سکتہ لگانی چاہیئے ٭

مثال۔ بے اعتدالی ہمارے جسم کی قوت کو ضایع کرتی ہے، اور ہمارے دل کی جرأت کو ٭

۴۔ جبکہ تین یا تین سے زیادہ الفاظ ایک ہی جزو کلام میں ہوں، اور اُس میں حرف عطف ہو خواہ نہ ہو، اُن لفظوں کے اخیر میں بھی، سوائے اُس لفظ کے جو سب سے اخیر ہو، علامت سکتہ لگانی چاہیئے، لیکن اگر وہ اخیر کا لفظ اسم ہو تو اُس کے بعد بھی علامت سکتہ ہونی چاہیئے ٭

مثال۔ نظم، موسیقی، مصوری، عمدہ ہنر ہیں ٭

خورم ایک دلیر، دانا اور دُور اندیش شہزادہ تھا ۔

جبکہ جملہ میں دو دو لفظ ساتھ ساتھ ہوں، تو ہر دو کے بعد علامت سکتہ ہونی چاہیئے ۔

مثال ۔ بے بندوبستی اور بدانتظامی، مفلسی اور محتاجی، تکلیف اور مصیبت، ویرانی و بربادی، آپس کی نااتفاقیوں کا نتیجہ ہے ۔

۵ ۔ جملہ ندائیہ کے بعد بھی علامت سکتہ ہونی چاہیئے ۔

مثال ۔ میرے پیارے، میری بات سُن ۔

او جانے والے، اِدھر ہوتا جا ۔

جاگنے والو، جاگتے رہیو ۔

۶ ۔ جملہ بیانیہ فقرہ مفرد کے شروع میں ہو، خواہ بیچ میں، خواہ اخیر میں، اس کے ساتھ بھی علامت سکتہ ہونی چاہیئے ۔

مثال ۔ اُن کی نیکی، احسانمندی سے، مجھے یاد ہے ۔

اُن کی نیکی مجھے یاد ہے، نہایت احسانمندی سے ۔

احسانمندی سے، اُن کی نیکی مجھے یاد ہے ۔

۷ ۔ جبکہ کسی جملہ میں دو اسم آویں، اور پچھلا اسم، مع اپنے متعلقات کے، اُسی شخص یا چیز پر دلالت کرے جس پر پہلا اسم دلالت کرتا ہے، تو اُن کے درمیان میں بھی علامت سکتہ لگانی چاہیئے ۔

مثال ۔ احمد، خیرخواہ معاندان ۔

مگر جب کئی لفظ ملکر ایک مرکب اسم بنے، تو ان لفظوں کے درمیان میں علامت سکتہ نہ ہونی چاہیئے ۔

مثال ۔ شاہجہان آباد ۔ اکبرآباد ۔ الہ آباد ۔ چیتور گڈھ ۔ مشکل کشا ۔ نبی آخرالزمان ۔ مشکلکشا علی ۔

۸ ۔ اگر اسمار موصول کے بعد بھی جملہ بیانیہ ہو، تو اُس کے پہلے علامت سکتہ لگانی چاہیئے ۔

مثال ۔ وہ، جو خم ہو کر پھر سیدھی ہو جاوے، اصل تلوار ہے ۔

مگر جبکہ اسمار موصولہ اسم کے ساتھ ملے ہوئے ہوں، تو اُس وقت اُن کے پہلے علامت سکتہ

کا لگانا ضرور نہیں ؞

مثال - جو تلوار خم ہو کر سیدھی ہو جاوے، اصیل ہے ؞

۹ - جب کسی جملہ کی ترکیب اُلٹ دی جاوے تو اُس کے بیچ میں علامت سکتہ لگانی چاہیئے ؞

مثال - خدا کے نزدیک کوئی چیز مشکل نہیں ہے ؞

اس مثال میں علامت سکتہ کی ضرورت نہیں ہے مگر جب اس کی ترکیب اُلٹ دو تو علامت سکتہ کی ضرورت ہوگی ؞

مثال - کوئی چیز مشکل نہیں ہے، خدا کے نزدیک ؞

۱۰ - جب کوئی فعل محذوف ہو، تو وہاں علامت سکتہ لگانی چاہیئے ؞

مثال - پڑھنے سے آدمی پورا انسان ہوتا ہے؛ اور اچھی گفتگو سے، لایق؛ اور لکھنے سے، قابل ؞

۱۱ - کاف بیانیہ یا تردیدیہ کے پہلے علامت سکتہ لگانی چاہیئے ؞

مثال - ذوالفقار خاں آوینگے، کہ نہیں ؞

نیک ہو، تاکہ خوش رہو ؞

علامت سکون

یہ علامت فقرہ کے ایسے اجزا علیحدہ کرنے کو لگائی جاتی ہے جو، بہ نسبت اُن اجزا کے جن میں علامت سکتہ لگاتے ہیں آپس میں کم مناسبت رکھتے ہیں ؞

۱ - جبکہ پہلا حصہ نقرہ کا پورا کلام ہو، مگر اُس کے بعد کا حصہ ایسا ہو کہ اُس سے کوئی نتیجہ پایا جاوے، یا پہلے حصہ کا مطلب بتاوے، تو اُن میں علامت سکون لگانی چاہیئے ؞

مثال - ایمانداری سے اپنا کام کرو؛ کیونکہ اس سے تمہاری عاقبت سنوریگی ؞

۲ - جب کئی چھوٹے چھوٹے جملے ایک دوسرے کے بعد آویں، اور باہم اُن کے کچھ ضروری مناسبت نہ ہو، تو اُن میں بھی علامت سکون لگانی چاہیئے ؞

مثال - ہر چیز پرانی ہوتی ہے؛ وقت گذر جاتا ہے؛ ہر چیز فنا ہونیوالی ہے ؞

۳ - جب کسی فقرہ میں کچھ تفصیل ہو، تو اُس کے اجزا علامت سکون سے الگ

کرنے چاہئیں ؎

مثال - حکیموں کا قول ہے کہ نیچر کے بے انتہا کام ہیں ؛ اُس کا خزانہ معمور ہے ؛ علم ہمیشہ ترقی پر ہے ؛ اور آیندہ نسل کے لوگ ایسی باتیں دریافت کریں گے ، جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ؎

علامت وقفہ

اس علامت سے فقرہ کو دو یا زیادہ حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے - جو حصّے علامت سکون سے علیحدہ کیئے جاتے ہیں ، بہ نسبت اُن کے ان حصّوں میں جو علامت وقفہ سے علیحدہ ہوتے ہیں ، اَور بھی کم مناسبت ہوتی ہے ، مگر ایسی بھی نہیں ہوتی کہ اُن پر مطلب ختم ہو گیا ہو ؎

ا - جب کوئی جزو فقرہ کا اپنی ترکیب اور معنی بتانے میں پورا ہو ، مگر اُس کے بعد کا جُملہ بیانیہ ہو ، تو ایسی جگہ علامت وقفہ لگانی چاہیئے ؎

مثال - غور کرنے کی عادت ڈالو : کہ اِس سے زیادہ عُمدہ کوئی تعلیم نہیں ؎

۲ - جب کہ ایک فقرہ کے کئی جُملے علامت سکون سے علیحدہ کیئے جاویں ، اور اُن کا نتیجہ اخیر فقرہ یا فقروں پر منحصر ہو ، تو اخیر فقرہ سے پہلے علامت وقفہ لگانی چاہیئے ؎

مثال - نیکی سے خدا خوش ہوتا ہے ؛ بُرے کاموں سے خُدا ناراض ہوتا ہے ؛ نیکوں کو عاقبت میں جزا دیگا ؛ بدکاروں کو قیامت کے دن سزا دیگا : یہ ایسے خیالات ہیں کہ دنیا کو خوف و رجا میں رکھتے ہیں ، نیکی پر رغبت دلاتے ہیں ، گناہوں سے باز رکھتے ہیں ؎

علامت وقفہ کامل

ا - جب کوئی مفرد جُملہ چھوٹا ہو ، تو اُس کے اخیر میں علامت وقفہ کامل لگانی چاہیئے ؎

مثال - زندگی کی کوئی حالت تکلیف سے خالی نہیں ؎

۲ - جب کوئی فقرہ ترتیب معانی میں پورا ہو جاوے ، تو وہاں بھی علامت وقفہ کامل لگانی چاہیئے ؎

مثال - نااُمیدی سے ، اور آزمایش میں پڑنے سے ہمارے دلوں کا جوش کم ہو جاتا ہے ؎

۱۳ - جب کسی لفظ کو اختصار کر کر لکھیں، تو اُس کے بعد بھی علامت وقفہ کامل لگانی چاہیئے ✦

مثال - آلخ ۔ جو اختصار ہے اِلٰے آخرہ کا، ھف - جو اختصار ہے ہذا خلف کا۔ بی اَے - جو اختصار ہے بیچرل آف آرٹ کا ۔ ایم - اے ۔ جو اختصار ہے ماسٹر آف ارٹ کا ۔ سی - ایس - آئی - جو اختصار ہے کمپینین آف دی آرڈر آف دی سٹار آف انڈیا کا ✦

بیچلر

علامت استفہام یا سوال

یہ علامت ایسے فقرہ کے اخیر میں لگائی جاتی ہے جس میں کوئی بات پوچھی گئی ہو ✦

مثال - تم اپنے کام سے کیوں غفلت کرتے ہو ؟

آپ کا مزاج کس طرح ہے ؟

کیا ہمنے تم سے نہیں کہا تھا ؟

علامت تعجب

جبکہ فقرہ میں کوئی ایسا کلمہ جس سے دفعتاً جوش، یا مسرت، یا خوف، یا تعجب وغیرہ پیدا ہوتا ہو تو، اُس کے اخیر میں یہ علامت لگائی جاتی ہے ✦

مثال - او ازلی وابدی خدا !

او خوش کرنیوالے اور خوف دلانے والے خیال !

مَیں نے شیخ کلو سے پوچھا کہ تم کون ہو، اُس نے کہا کہ گیدڑ !!

علامت ترکیب

جب دو لفظ مرکب کیئے جاویں تو اُن کے درمیان میں یہ علامت لگا دیتے ہیں، تا کہ کوئی اُن کو جُدا جُدا نہ سمجھے ✦

مثال - کتب - خانہ ✦ شراب - خانہ ✦ فیل - خانہ ✦ منشی - خانہ ✦

خط یا لکیر

کبھی تو اِس خط سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ ایک لفظ سے دوسرے لفظ میں فرق ہو جاوے، اور کچھ مطلب نہیں ہوتا؛ مگر در اصل اس کا استعمال ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں دفعتاً فقرہ ٹوٹ جاتا ہے، یا دفعتاً خیال پھر جاتا ہے ؛

مثال - خدا نے کہا - کیا؟ - اے زمین نگل جا اپنا پانی ! اور اے آسمان تھم جا برسنے سے ؛

کبھی اِس علامت کا بطور کنایہ کسی محذوف لفظ کے استعمال ہوتا ہے ؛

مثال - وہ تو ---- سے بھی بدتر ہے ! یعنی وہ تو شیطان سے بھی بدتر ہے ؛

مَیں جاتا تھا ---- مجھ سے ملا ؛

اس مقام پر کسی ایسے شخص سے کنایہ ہے ، کہ جسکو پڑھنے والا جانتا ہے ، یا لکھنے والے کو اُس کا نام ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے ؛

علامت جملہ معترضہ

جب کسی فقرہ میں کوئی جُملہ معترضہ آجاوے ، تو اُس جملہ معترضہ کے شروع و اخیر میں یہ علامت لگانی چاہیئے ، جس سے معلوم ہو کہ وہ ایک علیحدہ جُملہ ہے جو مطلب کے بیچ میں آگیا ہے ؛

مثال - اِس بات کو بخوبی جان لو (اور تمکو اتنا ہی جاننا کافی ہے) کہ انسان کے لیئے صرف نیکی ہی اصلی خوشی ہے ؛

علامت اقتباس یا نقل

جبکہ تحریر میں کسی دوسرے کا قول آجاوے ، یا کسی دوسرے مصنف کی بعینہ عبارت اپنی تحریر میں ملا دی جاوے ، تو اُس کے اوّل اور آخر میں یہ علامت لگا دینی چاہیئے ؛

مثال - باغ کی تعریف اس سے بہتر نہیں ہو سکتی " تو گوہی خوردہ مینا بر خاکش ریختہ و عقد ثریا بر تاکش آویختہ "

جب تک آدمی خود اپنا کام آپ نہ کرے ، بہ خوبی کام نہیں ہوتا : مشہور قول ہے کہ " آپ کام مہا کام " ؛

رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ "عمل نیت پر منحصر ہیں" حدیث کے یہ لفظ ہیں "انما الاعمال بالنیات"

علامت توجّہ

جس لفظ یا عبارت کے نیچے لکیر کی جاتی ہے اُس کا یہ مطلب ہے کہ اُس پر زیادہ توجّہ درکار ہے ؛

مثال ۔ ذوالفقار خاں کشتی پر جاتے تھے ، کتاب ہاتھ میں تھی ، نادانی سے گر پڑی ، اور ڈوب گئی ۔

علامت نجم

اس بات کی نشانی ہے کہ نقل کرنے میں بیچ میں سے غیر ضروری عبارت چھوڑ دی گئی ہے ۔

مثال ۔ "شبے تامل ایام گذشتہ میکردم ، و بر عمر تلف کردہ تاسف میخوردم ، و سنگ لاخہ دل را بالماس آب دیدہ می سفتم * * تا یکے از دوستان کہ درکجاوہ غم انیس من بود ، و در حجرہ ہم جلیس ، برسم قدیم از در در آمد"

علامت حاشیہ

شخصے نزد فقیہے آمد و پرسید کہ آں کدام زن * مجوسی † بود ، کہ دختر ششں ‡ را گرگاں خوردہ بودند || ؟ فقیہہ جواب داد ، کہ بابا تو تمام تر غلط گفتی ، من کدام غلط ترا صحیح کنم از پیش من برو ۔

---

* آں زن نہ بود بلکہ مرد بود ۔

† مجوسی نبود بلکہ حضرت یعقوب نبی بنی اسرائیل بودند ۔

‡ دختر نہ بود بلکہ پسر بود ۔

|| گرگاں نخوردہ بودند بلکہ برادرانش غلط گفتہ بودند ۔

مسلمانوں کا افلاس

"الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا"

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمکو محتاج اور فقیر کردینے کا توشیطان وعدہ کرتا ہے اور بُرے کام کرنے کو حکم دیتا ہے، اور خدا اپنی بخشش کا اور نعمت دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ اس زمانہ میں یہ ٹھیک مثل اُن لوگوں کی ہے جن کا پیشہ یقولون ما لا یفعلون ہے۔ یعنی خود تو دنیا کے بندے ہیں اور کسی مرید و معتقد کی نذر تک نہیں چھوڑتے، مگر زبان سے دنیا کی بے ثباتی اور دنیا کا ہیچ ہونا کہتے ہیں؛ اپنی جیب میں دنیا بھرتے ہیں اور لوگوں کو اُس کے چھوڑنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ جو کام مسلمانوں کی بھلائی و بہتری اور ترقی کا سوچا جاتا ہے، یا کیا جاتا ہے، یہ عقل کے دشمن، خدا کے دشمن، رسول کے دشمن، مسلمانوں کے دشمن، ایک نہایت مسکینی سے ٹھنڈے سانس بھر کر کہتے ہیں، ہاں دنیا چند روز ہے؛ دولتمند ہوئے تو کیا غریب ہوئے تو کیا؛ محل میں بھی گذر جاتی ہے درخت کے سایہ میں بھی گذر جاتی ہے؛ موٹے کپڑے سے بھی بدن ڈھک جاتا ہے مہین بھی پھٹ جاتا ہے؛ اچھا کھانے سے بھی پیٹ بھرتا ہے جو کی روٹی سے بھی بھرتا ہے؛ ایسی بات کرو جو وہاں کام آئے؛ دنیا تو گذر ہی جاتی ہے۔ ہاں جتنی دنیا ہوگی اُتنا ہی زیادہ حساب دینا پڑے گا؛ تقدیر پر شاکر رہو؛ انسان کو خدا بھوکا اُٹھاتا ہے پر بھوکا سلاتا نہیں۔ یہ لوگ حقیقت میں اس آیت کے مصداق ہیں، اور وہ ٹھیک ٹھیک وہی وعدہ کرتے ہیں جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔

مگر ہم تمام مسلمانوں کی دین و دنیا کی بھلائی چاہتے ہیں؛ یہ خواہش کرتے ہیں کہ احکام شریعت حقہ کے بجالاویں، ممنوعات و محرمات سے بچیں، مباح کے مزے اڑاویں؛ نیک طریقہ اور اچھے پیشہ اور مباح وسیلوں سے دنیا کمائیں؛ اور پھر جس طرح خدا کی مرضی ہے نیک کاموں میں اُسکو صرف کریں؛ کہ یہی مرضی خدا کی اور یہی حکم شریعت مصطفےٰ کا ہے۔

مگر نہایت افسوس ہے کہ مسلمانوں کا حال روز بروز بدتر ہوتا جاتا ہے؛ مفلسی اُن کو گھیرتی جاتی

ہے ؛ جرایم میں وہ مبتلا ہوتے ہیں یا جیلخانے اُن سے بھرے جاتے ہیں ؛ بیدیں اُن کے چوتڑوں پر لگتی ہیں ؛ ڈگریوں میں وہ پکڑے جاتے ہیں ؛ جائدادیں اُن کی فروخت ہوتی جاتی ہیں ؛ مگر وہ بے رحم اُن کے حال پر رحم نہیں کرتے ، اور اُن کو بہکانے سے باز نہیں آتے۔ وہ اپنے اس قول پر " فبعزتک لاغوینہم الی یوم الدین " جمے ہوئے اور ثابت قدم ہیں۔ حال کے ایک انگریزی اخبار انڈین پبلک اُپینین لاہور میں ، مسلمانوں کا حال چھپا ہے ، اُس کا ماحصل اس مقام پر لکھتے ہیں ، شاید مسلمان متنبہ ہوں +

اخبار مذکور نے مسلمانوں کے حالات پر غور کر کر یہ اصول قایم کیا ہے "کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کو ضرور مفلس ہونا چاہیئے۔ مسلمان کسانوں کا بتدریج مفلس ہونا ، جسکو ہم اس ضلع میں زیادتی مقدمات کا ایک سبب قرار دے چکے ہیں ، قابل لحاظ و غور کے ہے۔ جو رپورٹیں اور حالات کہ اخبار میں چھپے ہیں ، اُن سب سے پایا جاتا ہے کہ عام ہندوستان میں یہ افلاس ترقی پر ہے۔ اس ضلع میں ۱۸۷۳ء میں جتنی نالشیں نقدی کی مہاجنان و دوکانداران نے کیں اُن میں سے نصف نالشیں مسلمان کسانوں پر ہوئیں اور بمقابلہ کل مقدمات قسم مذکورہ کے بحساب اوسط فی صدی چونتیس مقدمے ہوتے ہیں۔ جب ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ منجملہ آٹھ شخصوں کے ایک شخص بحساب اوسط عدالت کی لڑائی میں مشغول رہتا ہے ، تو تعداد اُن کسانوں کی خیال کرنی چاہیئے کہ کتنے لوگ روپیہ پیسہ کے معاملات میں مبتلا ہو کر عدالت کی لڑائی میں حیران پریشان رہتے ہیں۔ رجسٹرار جنرل پنجاب کی اخیر رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرہ لاکھ اسّی ہزار پونڈ ، یعنی ایک کروڑ اڑتیس لاکھ روپیہ کی جائداد غیر منقولہ مسلمانوں کی ۱۸۷۳ء میں بیع و رہن ہوئی مسلمانوں کا مذہب صرف لڑائی اور لوٹ مار کے مناسب ہے ؛ تقدیر پر اندھا دھندی سے اعتبار و تکیہ کرنا جیسا یہ مذہب سکھلاتا ہے ، اور اُس کے معتقدوں کو خوش خوش ایسے موقع کی طرف لیجاتا ہے جسمیں یقینی بربادی کا سامان ہوتا ہے ، اَور کوئی مذہب نہیں سکھلاتا مگر وہی خیال کہ تقدیر کبھی نہیں ٹلتی تمام جرأت اور ہمت کو کھو دیتا ہے ، اور ترقی و بہبودی کو پژمردہ کر ڈالتا ہے " +

تقدیر کے مسئلہ کی نسبت جو کچھ صاحب اخبار نے لکھا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ موجودہ حالت مُسلمانوں کی ایسی ہی ہے ، اور خود غرض لالچی مولویوں نے درحقیقت ایسا ہی اُن کو سکھلایا ہے ، الّا مذہب اسلام کا یہ مسئلہ نہیں ہے ، خود قرآن میں خدا فرماتا ہے " لیس للانسان الا ما سعیٰ " +

ایک دوسرے اخبار مدراس ٹائیمز نے مسلمانوں کی موجودہ حالت کی نسبت نہایت عُمدہ مضمون لکھا ہے، اُسکو بھی ہم لکھتے ہیں وہ لکھتا ہے کہ "مسلمان یورپین کے بادشاہوں کے مشابہ ہیں، جو نہ گذشتہ بات کو بھولتے ہیں اور نہ کسی بات کو جو آیندہ اُن کے لیئے مفید ہو سیکھتے ہیں، یہ لوگ ہر بات میں ساکن رہتے ہیں، حرکت کرنے کی کبھی اُن کو خواہش نہیں ہوتی۔ یہ لوگ دَوڑ میں پیچھے پڑ گئے، اور گو ممکن ہے کہ بڑی کوشش سے آوروں کے برابر جاویں، مگر وہ کوشش کرنے کی خواہش اُن کو معلوم نہیں ہوتی، اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ بلحاظ قومیت اور مرتبہ و اختیار کے، مُسلمان بالکل گم ہو جائینگے۔ اب یہ لوگ گویا اپنے امتحان پر ہیں، اور اگر چُوکے تو ممکن نہیں کہ دوسرا موقع اُن کو مل سکے۔ یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ ان لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ یہ لوگ سابق میں اس مُلک کے فتح کرنیوالے تھے، اور اب اُن کو مفتوحوں میں اپنا شمار ہونے کا بالج نج ہوتا ہے۔ مذہبی تعصب اور غرور، اور تعلیم کا جھوٹا خیال مُسلمانوں کو اپنی ترقی کے اُس میدان میں پیر رکھنے سے باز رکھتا ہے جس میدان کو اُنھیں طے کرنا ضرور ہے۔ بیشتر اس کے کہ بمقابل اپنے ہوشیار ہمسائیہ ہندؤں کے نوکری یا اپنی روٹی پیدا کرنے کی اُمید کریں۔ جو قوم کہ تھوڑا عرصہ گذرا اُن کے تابع تھی اُس کے ساتھ مقابلہ کرنے میں اُن کے فخر کو سخت ضرر پہونچتا ہو، مگر اُن کو چاہیئے کہ اپنی حالت کو قبول کرنے کے لیئے کافی ہمت اور اُس مقابلہ میں سخت کوشش کرنے کے لیئے کافی جرأت اور اپنی ذات کی عزت کا خیال رکھنے کے لیئے پوری ہمت کریں اگر تجربہ کی نصیحتوں کو صحیح صحیح نہیں پڑھ سکتے، یا نہ پڑھینگے، تو ضرور تکلیف میں رہینگے۔ منجملہ اُن بڑے بڑے اسباب کے جن سے مُسلمانوں کی خرابی ہوئی ہے، روزینہ داری اور لاخراج داری بھی، جس کے وہ بہت گرویدہ ہیں، ایک بڑا سبب ہے۔ یہ طریقہ کاہلی پیدا کرتا ہے، اور کاہلی سے افلاس ہوتا ہے، اور افلاس موجب ہے ناخوشی کا" ٭

بلاشبہ ملکی ہونا اور روزینہ دار ہونا انسان کے لیئے بہت بڑی آفت ہے۔ اس زمانہ میں ملکی معافیدار و روزینہ دار سب سے زیادہ خراب و بُری حالت میں ہیں، مگر میری دانست میں ایک اور فرقہ بھی ایسا ہی ہے، یعنی وہ لوگ جو پیر بن کر شہر بشہر اپنے مریدوں سے ٹیکس وصول کرتے پھرتے ہیں، یا منبر پر بیٹھکر جھوٹے سچے قصہ سُنا کر اور واعظ بن کر لوگوں سے روپیہ لیتے پھرتے ہیں، اور بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں کسی پیر فقیر کے خاندان کا بیان کر کر، کسی درگاہ کا خادم کہکر، یا مکہ معظمہ کا مطوف اور مدینہ منورہ کا زیارت کرنیوالا بتا کر روپیہ مانگتے پھرتے ہیں

جو مسلمان کہ ان لوگوں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، درحقیقت اپنی قوم کے یعنی مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ نامہذب خیرات نہایت بُری چیز ہے، اس سے قوم میں مفلسی اور ناشایستگی، بے حیائی اور بے غیرتی پھیلتی ہے ؛

سراب حیات

صُبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عُمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

کیوں کس خیال میں ہو آج آپ کی طبیعت کچھ متفکر معلوم ہوتی ہے ؛

نہیں کوئی بات نہیں ہے یوں ہی سست ہے۔ آدمی کو کبھی کچھ خیال ہوتے ہیں کبھی کچھ اُنہی خیالات سے کبھی آپ ہی آپ خوش ہوتا ہے کبھی آپ ہی آپ متفکر ہوتا ہے ؛

بھلا کہئیے تو سہی کہ کن خیالات نے آپ کو متفکر کیا ہے ہم بھی تو سنیں ؛

چند روز ہوئے کہ مَیں نے ایک گھنٹہ اپنے کمرہ میں لگایا ہے اُس کا لنگر ٹوٹ گیا تھا وہ بند تھا نہ چلتا تھا نہ آواز دیتا تھا۔ ایک دوست نے مہربانی سے اُسکو بنا دیا وہ چلنے لگا اور آواز دینے لگا مَیں دیکھتا ہوں کہ وہ دن رات چلتا ہے۔ ایک سے اپنا دَورہ شروع کرتا ہے اور بارہ پر ختم کر دیتا ہے۔ اُسکی ایک اُلٹ پھیر میں دن رات ختم ہو جاتا ہے۔ جب ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمنے کیا کیا۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ کُچھ نہیں۔ یہی دھن کئی دن سے مجھے لگی ہوئی تھی۔ اور اسی خیال میں غلطاں پیچاں تھا کہ یکایک ہمارے دوست پادری رجب علی صاحب نے ایک کتاب بھیجی جس کے سر پر لکھا تھا "سراب حیات" مَیں بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ شاید اس سے کچھ عُقدہ حل ہوگا ؛

یہ کتاب دراصل انگریزی میں ہے اور جانسن نے بڑی فصاحت وبلاغت سے لکھی ہے اُس کا ترجمہ پنڈت بشمبر ناتھ صاحب نے کچھ کمی بیشی کے ساتھ نہایت قابلیت سے اُردو زبان میں کیا ہے ؛

اِس کتاب میں مصنف نے نہایت لایق اور مشہور اور عقلمند اور دولتمند اور فصیح وظریف وشاعر فیاض وبخیل آدمیوں کا جو ہمارے زمانہ سے تھوڑے ہی دن پہلے ابھی دنیا میں موجود تھے ذکر کیا ہے اور پھر دکھایا ہے کہ کس طرح حسرت وافسوس سے اس دنیا سے گئے تمام مال و دولت

چھوڑ گئے۔ نہ وہ عقلمندی کام آئی اور نہ وہ متاعِ دنیا زبانِ حال سے یوں کہتے کہتے مر گئے۔

کس لیئے آئے تھے کیا ہم کر چلے

تہمتیں چند اپنے ذمّہ دھر چلے

اس کتاب نے بعوض سلجھانے کے میرے خیالات کو اور اُلجھا دیا اور یہ سوال دل میں پیدا ہوا کہ "کس لیئے آئے تھے؟" اسی سوچ میں تھا کہ مَیں نے اپنے کمرہ کا دروازہ کھولا ایک خوش نما ندی اور سرسبز درخت اور شاداب کھیتی پر میری نظر پڑی۔ مَیں نے دیکھا کہ ندی کا پانی بہا چلا جاتا ہے۔ پچھلا آتا ہے اور اگلا چلا جاتا ہے۔ درختوں کو مَیں نے دیکھا کہ پرانے جاتے ہیں اور نئے آتے ہیں۔ پکی کھیتی کاٹی جاتی ہے اور نئی بوئی جاتی ہے۔ یہی آواگون لگ رہا ہے۔ یہ کس لیئے آئے تھے اور کس لیئے گئے کیا یہ بھی کچھ حسرتیں لے گئے ٭

کچھ سمجھ میں نہیں آیا مگر میں نے غور کیا کہ شاید یہ مسئلہ کہ "کس لیئے آئے تھے اور کیا کر چلے" متحرک جانداروں سے متعلق ہوگا۔ مَیں نے سب کی حالت پر اپنا خیال دوڑایا۔ میں نے شیر کا خیال کیا جو سب سے زیادہ خوبصورت۔ سب سے زیادہ شان دار۔ سب سے زیادہ شجاع۔ سب سے زیادہ غیور ہے۔ مگر سب میں موذی اور زندبار آزار مشہور ہے۔ جب اُس کی مُردہ لاش کا مَیں نے دھیان کیا تو دیکھا ایک بے حرکت لاشہ پھول کر پیٹ پھٹا ہوا انتڑیاں گیدڑوں کی کھائی ہوئی سُنہری کھال خاک میں ملی ہوئی گوشت گلکر زمین پر پڑا ہوا ہڈیوں کا ڈھانچا ہی ڈھانچا تھا اور غالباً وہ بھی چند روز کو ٭

مَیں سمجھا۔ کہ یہ تو اُسی قسم کا جانور تھا جس قسم کے آدمیوں کا سراب حیات میں جانسن نے ذکر کیا ہے کسی اس سے عُمدہ جانور کو دیکھو ٭

اتنے میں کتے کا مجھے خیال آیا۔ مَیں سمجھا کہ سب جانوروں میں یہی خدا رسیدہ ہے۔ قناعت محبت۔ رفاقت۔ دوستی۔ وفاداری۔ اپنے مالک کی اطاعت اور سب سے زیادہ کسرِ نفسی اسی پر ختم ہے۔ سب دُور دُور کرتے ہیں۔ مثلاً مولوی تو نجس العین بتاتے ہیں مگر یہ غریب سب کے سامنے عاجزی اور کسرِ نفسی سے دُم ہلاتا اور سر جھکاتا ہے۔ مگر جب وہ بھی مرا تو ایک لاشہ بے حرکت تھا نہ وہ دُم کا ہلانا تھا نہ سر کا جھکانا۔ نہ وہ رفاقت تھی نہ وہ اطاعت۔ چند روز میں اُسی طرح ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ موہنہ کھلا۔ جبڑا نِنگا۔ دانت اور کچلیاں کھلی ہوئیں۔ اور ہزاروں چیونٹیاں اُس میں گھسی ہوئی۔ مَیں نہایت متعجب ہوا اور کہا کہ میاں انجام تو

دونوں کا ایک سا ہی ہوا ۔

مَیں نے کہا نہیں کسی مقدس جانور کو لو۔ مَیں نے کبوتر کا خیال کیا جو دنیا میں سب سے مقدس شمار ہوتا ہے۔ بھولی بھولی صورت۔ پیاری پیاری باتیں۔ جورو خصم میں نہایت محبت۔ دونوں کا سوشیل برتاؤ نہایت میٹھا تقدس میں بھی سب سے بڑھا ہوا۔ نوحؑ کے لیئے زیتون کی مُبارک ٹہنی لانیوالا مسیحؑ کے لیئے روح القدس بن کر اترنیوالا۔ مکہ معظمہ میں کعبہ کا طواف کرنے والا۔ تمام خانقاہوں کا مجاور ہو کر رہنے والا۔ اپنے پروں کی ہوا سے بیماروں کو شفا بخشنے والا۔ تمام ہندوؤں اور بودھست لوگوں کو جی کے بچاؤ کی ہدایت کرنے والا مگر جب اُس کا بھی انجام دیکھا تو اس سے زیادہ کچھ نہ پایا کہ پر نچے ہوئے کہیں پڑے ہیں۔ چونچ کہیں اور پنجے کہیں۔ چند روز تک سینہ کا ڈھانچا پڑا ہے۔ پھر وہ بھی نہیں ۔

مَیں نے اپنے خیال کو انسان کی طرف پلٹا کہ یکایک میرے سامنے سُلطان عبدالعزیز خان کا ماجرا آموجود ہوا جو نہایت مشہور اور بہادر شخص تھا۔ لڑائیوں میں نہایت دلیری و دانائی سے لڑا تھا۔ پندرہ برس سے قسطنطنیہ کے تخت شاہی پر جلوس کرتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ نہایت فضول خرچ تھا۔ عورتوں پر بہت فریفتہ تھا۔ تریپن کشتیاں عورتوں کی بھری ہوئی اُسکی حرم سرا میں تھیں۔ مُلک میں روپیہ کی کمی تھی۔ شاہی خزانہ خالی تھا۔ باغیوں سے سلطنت میں آفت برپا تھی۔ مگر اُس نے کئی کروڑ روپیہ اپنے خزانہ میں عیاشی کے لیئے چھپا رکھا تھا۔ اپنی پیاری جورو کی خوشی کے لیئے ترکوں کی ولیعہدی کی پُرانی رسم کو توڑنا چاہتا تھا۔ اُس جورو سے جو بیٹا تھا اُسکو ولیعہد بناتا تھا۔ اور مُلک کی بربادی کا کچھ خیال نہ کر کر اس کام کے پورا ہونیکو مُلک کے دشمن آدمیوں کو اپنا دوست بناتا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے جرموں میں اُسی کی سلطنت کے لوگوں نے اُس پرورش کی تخت سے اُتار دیا اور محل سے نکال ایک چھوٹے سے مکان میں قید کر دیا۔ سلطنت جانے کی حسرت نے اُس کے دل کو بیتاب کر دیا اور اپنے تئیں آپ مار مرا۔ میرے خیال نے جھٹ ہاتھ دوڑایا۔ پہلے تو ماتھے پر رکھا پھر نتھنوں کے سامنے لے گیا کہ شاید کچھ سانس چلتی ہو۔ سینہ کو ٹٹولا۔ ہاتھ کو دیکھا۔ پاؤں کو دیکھا۔ چاروں طرف غور کی۔ بجز ایک لاش کے کچھ نہ پایا۔ سینہ پر کان لگایا کہ شاید وہ ہڈیاں اُچھل رہی ہوں مگر کچھ پتا نہ لگا۔ میں سمجھا کہ اَب اس میں کچھ نہیں۔ چند روز میں یہ گوشت و پوست بھی نہ ہوگا صرف ہڈیوں کا ڈھانچا رہ جاویگا اور چند روز بعد وہ بھی نہ ہوگا۔ مجھے جانسن کی سراب حیات یاد آئی اور سمجھا

کہ دنیا کی حسرت میں مرا اِس لیئے اس کا یہ حال ہوا +

مجھ کو اشتیاق ہوا کہ کسی بڑے خدا رسیدہ دنیا کی طرف سے پژمردہ مرے ہوئے کا حال دیکھوں - پنجاب کا ایک نہایت متبرک شخص میری آنکھوں میں پھر گیا - اُس کے دیکھنے سے مَیں بہت خوش ہوا - خدا کے سوا اَور کچھ کلام نہ تھا - عبادت کے سوا اَور کچھ کام نہ تھا - دنیا اور اُسکا عیش محض بے حقیقت تھا - جو لو تھی وہ خدا سے وعقبیٰ سے لگی ہوئی تھی - اتفاقات سے اُن کا بھی آخری وقت آ پہونچا - اپنی اوّل منزل کی اُنھوں نے وصیت کی اور اپنے دوستوں کو نصیحت - نہایت شاداں و فرحاں سفر کی تیاری کی اور بغیر کسی ارمان و حسرت کے جان دی - میرے خیال نے جھٹ ہاتھ بڑھایا - ماتھے پر رکھا - نتھنوں کے سامنے کیا - دل ٹٹولا - سینہ ٹٹولا - ہاتھ دیکھا - پاؤں دیکھا - کچھ نہ تھا - سینہ پر ٹکٹکی باندھی کہ اُس کے اندر سے ضرور کچھ روشنی جھلکتی ہوگی پر کچھ نہ تھی - مَیں گھبرایا اور بے اختیار بول اُٹھا کہ اجی حضرت کچھ بولو تو سہی وہاں کیا تھا - سانس بھی نہ تھی - مَیں نے کہا کہ یہ تو ویسا ہی معاملہ ہوگیا جیسا کہ ان سے پہلوں کے ساتھ ہوا تھا - دنیا کی حسرت لیجانے اور عبادت کے شوق میں مرجانے میں تو اَب تک کچھ فرق نہیں دکھائی دیا +

اتنے میں لوگ اُن کی تجہیز و تکفین کرنے لگے - قدیم خانقاہ میں اگلے سجادہ نشینوں کی قبروں کے برابر قبر کھودنے لگے - میں نے گھبرا کر کہا کہ دو چار دن رہنے تو دو - مجھے سمجھ تو لینے دو کہ یہ کیا ماجرا ہے - لوگوں نے کہا باولا ہوا ہے - کوئی مُردوں کو رکھتا بھی ہے تمام کھال پکس جاوے گی گوشت گل پڑیگا - ہڈیوں کا ڈھانچہ نکل آویگا - کوّے اور چیلیں منڈلانے لگیں گی - ہڈیوں کے ڈھانچے سے لوگ ڈر کر بھاگنے لگینگے - یہ سُن کر تو مَیں ششدر رہ گیا - تمام اگلے لاشے میری آنکھوں میں پھر گئے - مَیں نے کہا کہ میاں اَور سب کا بھی تو یہی حال ہوا تھا - کیا یہی بات سچ ہے -

چو آہنگِ رفتن کُند جان پاک
چہ بر تخت مُردن چہ بر روئے خاک

مَیں نہایت متردد و متفکر - حیران و ششدر وہاں سے اُٹھا اور دل بہلانے کے لیئے اپنے باغ میں گیا جو ایک بہت بڑا باغ تھا اور جوانی اور ولولہ کے زمانے میں مَیں نے اُس کو از سرِ نو نہایت خوبصورت و خوش نما آراستہ کیا تھا اور وہاں اکثر دوستوں کا اور بڑے بڑے نامی اور

باکمال لوگوں کا مجمع ہوتا تھا۔ غالب کی دلکش و محبت آمیز بزرگانہ باتوں سے۔ آزردہ کی دلچسپ ودلربا فصاحت سے رشیفتہ کی متین و نیم خندہ زن وضع سے۔ صہبائی جانواز کے میخانہ محبت سے دل شاد و شاد رہتا تھا۔ اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ ایک چمن میں پہونچا جس کی نئی کھدائی ہوئی تھی مٹی میں ایک ہڈی دکھائی دی جس کو میں بکرے کی سری سمجھا۔ میں نے ٹھوکر مار کر پرے پھینک دیا جب وہ نکلی تو بکرے کی سری نہ تھی بلکہ آدمی کی کھوپری تھی۔ میں نے اپنے دل سے کہا کہ ایکدن اسیطرح کوئی شخص میری کھوپری کو بھی ٹھوکر مار یگا۔ میں نے دوڑ کر اُسے اُٹھالیا اور دیکھا کہ صرف ہڈیاں جوڑی رہ گئی ہیں۔ پیشانی کی ہڈی پر خط خط میں شاید وُہی نوشتہ تقدیر ہو پر پڑھی نہیں گئی۔ آنکھوں کی جگہ ایک گڑھا اور حلقہ تھا۔ اُنگلی ڈالو تو کچھ نہیں۔ ناک کی خوبصورتی بالکل تھی ایک شکستہ تھوڑی سی اونچی نہایت بدنما ہڈی کا نشان تھا اور اُس کا سوراخ نہایت ہی بُرا معلوم ہوتا تھا۔ دانت جن کو موتی اور اولوں کی بار کہتے تھے ایسے ہیبت ناک دکھائی دیتے تھے کہ دل کانپتا تھا +

میں نے اپنی بے ادبی کی جو نادانستہ ہوئی۔ معافی چاہی اور پوچھا کہ تم کون ہو کیا مذہب تھا عالم تھے۔ فقیر تھے۔ دنیا کی حسرت میں مرے یا خدا کی عبادت میں۔ ہر چند پوچھا۔ کچھ جواب نہیں ملا۔ پھر میں اُسکو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا کہ شاید کچھ نشان بھلائی بُرائی کا ملے۔ کچھ نہ ملا۔ ایک بڈھا باغبان میری اِن سب باتوں کو دیکھ رہا تھا کہ میاں کیا دیکھتے ہو۔ اچھے بُروں کا۔ گیدڑ بھیڑیے کا مرے پر سب کا ایک سا حال ہو جاتا ہے۔ میں سخت متعجب ہوا۔ اور جانسن کی سراب حیات کو یاد کیا کہ پھر اُس نے کیا کہا ؟

میرے دوست نے کہا کہ تمہارے خیال بھی نہایت خام ہیں اور تمہارے متفکر ہونے پر بھی نہایت افسوس ہے۔ تم اس مٹی کے ڈھیر اور سڑنے والے گوشت اور گلنے والی ہڈیوں میں کیا ڈھونڈتے تھے۔ جو چیز دیکھنے کی تھی وہ تو اُس میں تھی ہی نہیں +

میں نے پوچھا کہ پھر وہ کہاں تھی۔ اُس نے کہا کہ معلوم نہیں۔ پھر پوچھا کہ کیسی تھی۔ بولا کہ معلوم نہیں۔ پھر پوچھا کہ دیکھائی دیتی تھی۔ کہا نہیں۔ پھر پوچھا کہ کہاں گئی۔ کہا معلوم نہیں +

اس جواب سوال سے میں اَور بھی متحیر ہوا کہ جس چیز کا کسی طرح پر علم نہیں اُسکی نسبت کہتا ہے کہ تھی۔ بولا کہ خدا نے کہا ہے۔ میں نے کہا سچ "ولکن لیطمئن قلبی" یہ سُنا اور سُنکر خاموش ہو رہا۔ میں نے کہا کہ یہ سب تمہارے خیالات ہیں کہ وہ شخص دنیا کی حسرت میں مرا اور وہ شخص

خدا کی عبادت میں مرے - پر سب برابر ہیں - جو بات سچ ہے وہ آپس کی ہمدردی - قومی اعانت - قومی بھلائی ہے - جبکہ ہماری قوم کا دنیا میں یہ حال ہے کہ ذلت و خواری نکبت و جہالت میں مبتلا ہے تو اگر کوئی دنیا کی حسرت میں مر کر جہنم میں گیا تو ہماری جوتی سے - اور عبادت کر کر بہشت میں گیا تو ہماری بلا سے - اُن کا کیا رونا ہے - جیتوں کو روؤ جو مردوں سے بھی بدتر ہیں +

خود غرضی

اور

قومی ہمدردی

پہلا لفظ تو بہت پُرانا ہے مدت سے ہم سُنتے چلے آئے ہیں مگر یہ پچھلا لفظ شاید چند روز سے پیدا ہوا ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یکم شوال ۱۳۰۱ نبوی کے بعد اس کی پیدایش ہوئی ہے مگر ضرور ہے کہ پچھلے زمانہ میں بھی اس کی جگہ کوئی اور لفظ بولا جاتا ہوگا +

پچھلے زمانہ پر جب ہم نگاہ کرتے ہیں تو قومی ہمدردی کی بہت سی نشانیاں پاتے ہیں - جدھر جاؤ اودھر ہزاروں کھنڈرات مسجدوں اور پلوں اور کنوؤں اور مہان سراؤں کے پاؤ گے ہزاروں لاکھوں روپیہ لگا کر لوگوں نے قوم کے آرام کے لیئے مہان سرائیں بنوائی تھیں - مسجدیں بنوائی تھیں - کنوئیں کھدوائے تھے - پُل بنوائے تھے جن کے نشانات اب بھی پائے جاتے ہیں - سُنہری مسجدیں بنوائیں جن کے بڑے بڑے بُرج سونے کے کام سے مغرق تھے - نرے سنگ مرمر کی مسجدیں بنوائیں جو موتی مسجدوں کے نام سے مشہور ہوئیں - چینی کی کامدار سراؤں کے دروازے مسجدوں کے گنبد طیار کرائے جو آج تک اُسی آب و تاب سے موجود ہیں - اس سے بھی زیادہ کیسی بڑی بڑی عالیشان خانقاہیں تعمیر کیں - اُن کے بنانے میں لاکھوں روپیہ خرچ کیئے - دیہات معافی کے جاگیر میں دیئے جن کی لاکھوں روپیہ کی آمدنی قومی ہمدردی میں صرف ہوتی تھی - ہاں مدرسہ وغیرہ بنانے کا اُس قدر خیال نہ تھا مگر پھر بھی مدرسے جاری کیئے تھے - جب تاریخ کی کتابوں کی بہت تلاش کرو تو معلوم ہوگا کہ فیروزشاہ کے وقت میں کوئی مدرسہ تھا اور کچھ زیادہ نشان نہیں ملتا - دلی کے پرانے کھنڈرات میں تلاش کرو تو اکبر کے عہد میں ماہم انگہ کی بنائی ہوئی مسجد اور اُس کے گرد کوٹھریاں پائی جاتی ہیں جس کو لوگ ماہم انگہ کا مدرسہ مشہور کرتے ہیں - غالباً اُس میں چند اندھے قرآن حفظ

کرتے ہوں گے۔ نہایت مشہور اور پر رونق شاہجہان کے عہد میں بھی چند لداؤ کی کوٹھڑیاں شاید پچیس تیس ہوں جامع مسجد کے نیچے بنی ہوئی تھیں جو دار البقا کے نام سے مشہور تھیں اور لوگ کہتے ہیں کہ شاہجہانی مدرسہ تھا اور غالباً جس قدر ختم ادعیہ مثل ختم خواجگان وختم بخاری اور ختم دلایل الخیرات واسطے سلامتی شاہجہان کے ہوتے تھے وہ سب اسی میں ہوتے تھے۔ اس سے زیادہ مدرسوں کے بنانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ بہت سے طالب علم متفرق مسجدوں میں رہتے تھے تیل بتی اُن کو مطالعہ کے لیئے ملتی تھی سندر نیاز مُردوں کی فاتحہ سویم چہلم کے بیماروں کے صدقوں کی بہت روٹیاں مسجدوں کے طالب علموں کو مل جاتی تھیں۔ اس کا نمونہ ہمارے زمانہ تک بھی موجود تھا۔ فتحپوری اور پنجابی کٹھرہ اور کشمیری کٹرہ کی مسجدوں اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ اور حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ میں سے بہت سے طالب علم مُردوں کی روٹیاں کھانے اور فاتحہ درود پڑھنے کو ملتے تھے۔ اَب بھی قومی ہمدردی میں کچھ کسر نہیں ہے۔ دیکھو اِس گئے گذرے زمانہ میں بھی مسلمانوں نے کیسی ہمّت کی ہے کس قدر روپیہ خرچ کر کر جامع مسجد دہلی کی مرمّت کی ہے۔ دلّی کی پُرانی عیدگاہ کا چبوترہ بڑھایا جاتا ہے اُس کا فرش درست کیا جاتا ہے تاکہ قوم کو نماز پڑھنے میں زمین کی اُچان نیچان تکلیف نہ دے۔ سہارنپور میں دیکھو کئی لاکھ روپیہ خرچ کر کر جامع مسجد نئی بنائی ہے اور پُرانی جامع مسجد کو چھوڑ دیا ہے۔ دیوبند میں دیکھو کیسی عالی شان مسجد بنائی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں اگلے زمانوں سے بھی زیادہ مدرسے جاری ہوتے جاتے ہیں۔ دیکھو پنجاب میں کتنے مدارس اسلامیہ جاری ہوئے۔ دہلی میں اسلامی مدرسہ جاری ہوا۔ لکھنؤ میں مدرسہ ایمانیہ قایم ہوا۔ دیوبند کے مدرسہ کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ افتخار العلماء و فخر الکملا امام اعظم عہد شیخ زمان و صاحبین دَوران مدرس و مہتمم ہیں۔ پھر سہارنپور میں انبیٹہ میں مدارس اسلامی موجود ہیں۔ غرضکہ بہت سی جگہ مدارس جاری ہیں۔ پھر قومی ہمدردی کے لفظ کو نیا لفظ کہنا صحیح نہیں ہاں شاید یہ ترکیب لفظی نئی ہو مگر اسی مضمون کا پہلے بھی ضرور کوئی لفظ ہوگا جو ہماری یاد سے جاتا رہا ہے۔ جبکہ ہم یہ باتیں سُنتے اور خیال کرتے ہیں تو دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ بے شک ہم لوگوں میں قومی ہمدردی قدیم سے چلی آتی ہے اور اَب بھی بہت پائی جاتی ہے۔ مگر جب زیادہ غور کر کے دیکھتے ہیں تو وہ سب دھوکا ہی دھوکا پایا جاتا ہے (قطع نظر اس بحث کے کہ یہ کام قوم کو مفید ہیں اور قوم کو اُس کی ضرورت ہے یا اس سے زیادہ اَور چیزوں کی ضرورت ہے) جب اُن لوگوں سے جنھوں نے یہ کام کیئے اور کر رہے ہیں دل سے پوچھو تو معلوم ہوگا کہ وہ یہ تمام کام اُس

خیالی جوش میں کر رہے ہیں کہ ہم بڑے ثواب کے کام میں مصروف ہیں اور ثواب کی گٹھریاں باندھ رہے ہیں۔ مرتے ہی یہ سب کام ہمکو بہشت میں لیجاویں گے اور بہشت میں بڑے بڑے درجے پاویں گے۔ تاج ہمارے سر پر ہوگا اور ایک موتی کا محل جنت میں ملیگا۔ حوریں تصرف کو ہونگی جن کو ہمارے سوا کسی نے چھوا بھی نہوگا۔ پھر اُن کی تعداد چار پر بھی محدود نہ ہوگی۔ بے انتہا جتنی چاہو۔ غلمان بھی نہایت خوبصورت معلوم نہیں تصرف یا خدمت کو ملینگے۔ باغ ہوگا۔ میوہ ہوگا۔ نہریں ہونگی۔ شراب ہوگی۔ پئیں گے اور چَین کرینگے اور کہا کرینگے کہ حافظ نے کیسا غلط یہ شعر کہا تھا۔

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنارِ آب رُکنا باد و گلگشتِ مُصلّےٰ را

ہم بھی نہایت ادب اور صدق دل سے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہوگا۔ خدا ہمکو بھی نصیب کرے مگر یہ تو فرمائیے کہ یہ سب کام خود غرضی کے ہیں یا قومی ہمدردی کے۔ کوئی کہے مَیں تو نمانوں کہ یہ کام قومی ہمدردی کے ہیں۔ یہ تو بالکل ایسے ہی کام ہیں جیسیکہ ایک رند مشرب دنیا میں انہی عیشوں کے حاصل کرنے کو کرتا ہے۔ اُس میں اور اُن میں اتنا فرق ہے کہ اُنھوں نے نقد کو نسیہ پر چھوڑا ہے اور دوسرے جہاں میں ان عیشوں کے حاصل کرنے کی لالچ سے یہ کام کیئے ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ باغبانوں سے اپنے چین کے لیئے مزدوری دیکر باغ لگوانا۔ مزدوروں کو مزدوری دیکر اپنے آرام کے لیئے محل چنوانا۔ کلال کو دام دیکر اپنی عیاشی کے لیئے شراب کھچوانا۔ اور علاوہ اِس کے روپیہ خرچ کر کر سامان عیش و رلذایذ نفسانی کا جمع کرنا کیا قومی ہمدردی گنی جاوے گی۔ نعوذ باللہ ہرگز نہیں یہ تو عین خود غرضی ہے۔ پھر وہ باتیں جو ثواب کے لالچ سے کی جاتی ہیں کیوں قومی ہمدردی گنی جاویں گی۔ اور اگر ہمسے پوچھو تو ثواب بھی نہیں۔ گدھے کھایا کھیت جس کا پاپ نہ پن ۔

اسلام کا صحیح مسئلہ یہی ہے کہ اُسی کام کے کرنے میں ثواب ہے جس کی ضرورت ہے۔ دیکھو کوئی اجر ہجرت سے زیادہ نہ تھا جس کی اُس وقت بڑی ضرورت تھی فتح مکہ کے بعد کچھ بھی نہ تھا جیش اسامہ کی تجہیز کے لیئے جو چار ٹکے کا اسباب ابوبکر صدیق رضہ نے حاضر کیا جسکی ضرورت تھی مگر اب اُس کی برابری کوہ احد کے برابر سونا بھی نہیں کرسکتا۔ یہ سچا اصول مذہب اسلام کا ہے مگر کوئی بھی اس کی پروا نہیں کرتا ۔

قوم کی حالت اور اسلام کی حرمت کیسی ہی خراب ہوتی جاوے اُس کے اسباب پر غور کرنے اور اسکے رفع کرنے کا کسی کو خیال نہیں ہے - اپنے خیالات کے موافق جو اپنے ثواب اور دوسرے جہان میں اپنے چین کرنے کے کام سمجھتے ہیں وہ کرتے ہیں - پھر کس طرح خیال ہو سکتا ہے کہ وہ قومی ہمدردی کے کام ہیں بلکہ بحیثیت خود غرضی ہے اور اُمید ہے کہ وہ بھی حاصل نہ ہوگی ✦

شروع سال

سنہ ۱۳ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۳ ہجری

عرب میں بزمانہ جاہلیت بہت سے سنہ مروج تھے - اوّلاً سنہ بنائے کعبہ رائج تھا - پھر عمر بن ربیعہ کی ریاست سے سنہ شروع ہوا - اصحاب الفیل کے واقعہ تک وُہی سنہ جاری رہا - پھر عام الفیل سے نیا سنہ شمار ہونیلگا - عرب کے قبیلوں میں بھی متعدد سنہ رائج تھے - جس قبیلہ میں کوئی بڑا واقعہ پیش آتا تھا اُسی واقعہ سے نیا سنہ شمار کرنے لگتے تھے - آن حضرت صلعم کے وقت میں کسی سنہ کے مقرر کرنے کا خیال نہیں ہوا کیونکہ یہ ایک امر تمدن سے متعلق تھا - کوئی مذہبی بات نہ تھی - حضرت عمرؓ کے وقت میں اسکی ضرورت پیش آئی - ابو موسیٰ اشعری حاکم یمن نے لکھا کہ فرمان مورخہ شعبان جو آیا ہے اُس سے نہیں معلوم ہوتا کہ کون سی شعبان کا لکھا ہوا ہے - اسپر خیال ہوا کہ کوئی سنہ مقرر کرنا چاہیئے چونکہ تمام مہاجرین و انصار مدینہ منورہ کے باشندے ہو گئے تھے اور مہاجرین پر ہجرت سے بڑا کوئی واقعہ نہیں گذرا تھا اور مدینہ منورہ میں آں حضرت صلعم کے تشریف لانے اور سکونت اختیار کرنے سے بڑھکر کوئی واقعہ نہ تھا اس لیئے عرب کی عادت کے موافق ہجرت سے سنہ کا شمار ہونے لگا - درحقیقت یہ سنہ بہ نسبت عام اُمت محمدیہ کے خاص مہاجرین اور انصار سے اور ساکنین مدینہ منورہ سے زیادہ تر تعلق رکھتا تھا - مگر جُوں جُوں اسلام کو اور حکومت اسلامیہ کو وسعت ہوتی گئی اور دُور دُور ملکوں میں پھیلتا گیا اسی سنہ کا رواج ہوتا گیا یہانتک کہ اب یہی سنہ مسلمانی سنہ تصور کیا جاتا ہے ✦

ایک زمانہ کے بعد مُلکی انتظام کے لیئے یہ سنہ مناسب نہ معلوم ہوا اور جب مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں آئی تو کسی طرح مُلکی انتظام ان سنوں سے نہ ہو سکا ۔ اکبر کے عہد سے پہلے جسقدر مسلمان

گذرے اُنھوں نے سنہ تو ہجری قایم رکھا مگر ملکی سنہ کو دو ہجری سنوں سے ترکیب دیکر بنایا اور نصف مہینہ ایک سنہ کے اور نصف مہینہ دوسرے سنہ کے لیکر ایک برس قایم کیا اور کاغذات ملکی میں اس طرح پر تحریر ہونیلگا۔ مثلاً خریف ۹۲ ہجری و ربیع ۹۳ ہجری +

یہ کارروائی بھی ملکی انتظام کے لیئے کافی نہتھی اس لیئے کہ ہجری سنہ کے مہینہ قمری تھے اور ملکی پیداوار شمسی مہینوں پر موقوف تھی۔ قمری سال میں دن کم تھے اور شمسی سال میں دن زیادہ تھے اور ماہ محرم جو ہجری سال کا پہلا مہینہ تھا کبھی ربیع میں آجاتا اور کبھی خریف میں اس لیئے اکبر کے عہد میں یہ کارروائی ہوئی کہ سنہ تو وہی ہجری قایم رکھا مگر اُس کے مہینہ بجائے عربی کے جو قمری تھے ہندی قمری کردیئے جو تیسرے سال کبیسہ یعنی لوند کا مہینہ بڑھنے سے شمسی ہوجاتے تھے اور اُس کا فصلی سنہ نام رکھدیا۔ اَور ملکوں میں بھی اسی طرح کچھ کچھ تبدیل ہوئی مگر مذہبی اُمور میں بجنسہٖ وُہی سنہ اور وُہی مہینے قایم رہے +

ادنےٰ غور سے ہر شخص جان سکتا ہے کہ سنوں کے حساب پر کوئی مذہبی امر متعلق نہیں ہے۔ صرف مہینوں کے حساب سے امور مذہبی متعلق ہیں۔ مثلاً رمضان میں روزے رکھنے ہونگے اور ذیحجہ میں حج کرنا ہوگا۔ اس سے کچھ بحث نہیں ہے کہ کون سے سنہ کا رمضان یا ذیحجہ ہے +

پس ہجری سنوں سے بجز اس کے کہ زمانہ کا شمار قایم کیا جاوے اَور کچھ مطلب نہیں ہے۔ جبکہ ثابت ہوا کہ ہماری مذہبی کارروائی صرف قمری عربی مہینوں پر منحصر ہے تو ہمکو نہایت اچھا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کا شمار بھی ہم اپنی خاص مذہبی کارروائی سے کریں یعنی اُس وقت سے جبکہ آنحضرت صلعم نے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا۔ اور جبریل امین نے خدا کی طرف سے کہا "اقراء بسم ربك الذي خلق خلق الانسان من علق اقراء وربك الاكرم الذي علم بالقلم علم الانسان مالم يعلم" +

اگر اس خیال پر ہم زمانہ کا شمار قایم کرنا چاہیں تو اول ہمکو یہ تحقیق کرنا پڑتا ہے کہ یہ نعمت عظمیٰ کب شروع ہوئی اور کس مہینہ سے اُس کے سال مبارک کا آغاز ہوتا ہے تو ہمکو قرآن مجید سے اس کا صاف پتہ ملتا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے "شهر رمضان الذي انزل فيها القرآن" یعنی رمضان وہ مہینہ ہے جس میں ہم نے قرآن نازل کیا۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے "انا انزلناه في ليلة القدر" یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا شب قدر میں + ان دونوں آیتوں سے دو باتیں معین ہوگئیں۔ ایک یہ کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا۔ دوسرے یہ کہ جس رات قرآن نازل ہوا اور اسی کے سبب شب قدر

اُس کا نام پڑا وہ شب رمضان میں تھی پس اگر تحقیق ہو جاوے کہ شب قدر کب تھی یعنی شب نزول قرآن کب تھی تو شروع سال نبوی بھی تحقیق ہو جاویگا ؛

شب قدر کی نسبت جو روایتیں کتب احادیث میں مندرج ہیں وہ نہایت مختلف ہیں۔ اول اسبات میں بحث ہے کہ شب قدر ایک دفعہ ہو چکی یا ہر رمضان میں پھر پھر کر آتی ہے۔ اہل سُنت وجماعت وشیعہ امامیہ کا یہی عقیدہ ہے کہ ہر سال پھر پھر کر آتی ہے اور سُنی وشیعہ امامیہ دونوں اُس کی تلاش میں راتوں کو جاگتے اور اوراد و وظایف پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ ہم بھی بہت راتوں جاگے ہیں مگر ہماری بدبختی سے ہمکو تو نہیں ملی ؛

قسطلانی شرح صحیح بخاری میں امام فاکہانی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ شب قدر صرف ایک ہی برس جناب رسول خدا صلعم کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ ہم اتنا اَور اس پر زیادہ کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید نازل ہوا تھا اور ہم بھی امام فاکہانی کی تحقیق کو صحیح و درست سمجھتے ہیں ؛

> وحكي الفاكهاني انها خاصة بسنة واحدة وقعت في زمنه عليه السلام
> (قسطلاني جلد ۳ صفحہ ۳۴۷)

خیر اس بحث کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس باب میں کہ وہ رمضان میں کب ہوئی تھی توجہ کرنی چاہیئے تمام روایتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ تو بخوبی نکلتا ہے کہ رمضان کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں ہوئی تھی اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ شب اخیر رمضان میں ہوئی تھی اور اگر وہ مہینہ اُنتیس کا سمجھا جاوے تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اس اختلاف سے ہمارے مقصد میں کچھ ہرج نہیں پڑتا کیونکہ جب مذہبی امور کا انجام قمری مہینہ پر ہے جو چاند دکھلائی دینے سے شروع ہوتا ہے تو بعد رمضان جو پہلا چاند دکھائی دیگا وُہی شروع سال ہوگا مگر ہم شب اخیر رمضان کو شب قدر سمجھتے ہیں جس میں قرآن مجید نازل ہوا اور یکم شوال روز عید للمومنین کو شروع سال نبوی ؛

ہجرت واقع ہوئی تھی ربیع الاول ۱۳ نبوی میں یعنی نبوت سے بارہ برس پانچ مہینے بعد مگر تاریخ ہجری دو مہینے قبل سے شروع ہوتی ہے پس یکم محرم سنہ ایک ہجری مطابق تھا یکم محرم ۱۳ نبوی کے۔ اور یکم شوال ۱۳ نبوی مطابق تھا یکم شوال سنہ ایک ہجری کے اور یکم شوال ۱۳۰۱ نبوی مطابق تھا یکم شوال ۱۲۸۶ ہجری کے جس روز ہم نے تہذیب الاخلاق جاری کیا ؛

ابتدا ہی سے ہمارا ارادہ تھا کہ ہمارا تہذیب الاخلاق سال نبوی کے حساب سے جاری رہے

اور شوال ہی سے اُس کا شروع سال ہو مگر ہم اُس زمانہ میں نسبت اجرائے پرچہ تہذیب الاخلاق کے اپنے ایک مقدس سر گھٹے ٹخنے کھلے ماتھے پر گٹہ پڑے دوست کے دست بیع ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے نہ مانا اور کہا اجی حضرت یہ بھی کوئی بات ہے جو سنہ صحابہ کے وقت سے متفق علیہ چلا آتا ہے اور جس پر اجماع اُمت ہو چکا ہے اُسی کو رکھنا چاہیئے نیئے سال کی کیا ضرورت ہے۔ لاچار ہمارا کچھ بس نہ چلا اور اُنہوں نے تہذیب الاخلاق کی جلدوں کے ٹکڑے کر دیئے۔ پہلی جلد صرف تین مہینہ کی رہ گئی ہم بھی وقت تک رہے تھے۔ اب کہ تمام اُمور پرچہ تہذیب الاخلاق کے ہمارے ہاتھ میں ہیں اس لیئے ہم اپنا قدیم ارادہ پورا کرتے ہیں اور یکم شوال روز عید سعید سے نئی جلد شروع کرتے ہیں ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۱ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۸۷ ہجری سے لغایت ۱۵ رمضان سنہ ۱۳۰۱ نبوی مطابق ۱۵ رمضان سنہ ۱۲۸۸ ہجری ایک جلد پوری ہوئی ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۲ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۸۸ ہجری سے لغایت ۱۵۔ رمضان سنہ ۱۳۰۲ نبوی مطابق ۱۵۔ رمضان سنہ ۱۲۸۹ ہجری دوسری جلد پوری ہوئی ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۳ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۸۹ ہجری سے لغایت یکم رمضان سنہ ۱۳۰۳ نبوی مطابق یکم رمضان سنہ ۱۲۹۰ ہجری تیسری جلد پوری ہوئی ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۴ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۰ ہجری سے لغایت یکم رمضان سنہ ۱۳۰۴ نبوی مطابق یکم رمضان سنہ ۱۲۹۱ ہجری چوتھی جلد پوری ہوئی ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۵ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۱ ہجری سے لغایت یکم رمضان سنہ ۱۳۰۵ نبوی مطابق یکم رمضان سنہ ۱۲۹۲ ہجری پانچویں جلد پوری ہوئی ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۶ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۲ ہجری سے لغایت یکم رمضان سنہ ۱۳۰۶ نبوی مطابق یکم رمضان سنہ ۱۲۹۳ ہجری چھٹی جلد پوری ہوئی ؛

یکم شوال سنہ ۱۳۰۷ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۳ ہجری سے یہ ساتویں جلد شروع ہے اور خدا سے اُمید ہے کہ بخیر و خوبی انجام پاوے اور اُس کے ذریعہ سے حقیقت دین محمدی و اسرار دین احمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام لوگوں کے دلوں پر منقش ہوں اور مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت میں ترقی ہو۔ آمین ؛

سُلطان

جدید روم بھی ہندوستان کے مقدّسوں

کے نزدیک

بحکم حدیث

من تشبہ بقوم فھو منھم

کافر نکلے

اب تو مُسلمانوں کا کہیں ٹھکانا نہیں رہا۔ نئے سُلطان عبدالحمید خاں خلد اللہ ملکہم بھی من تشبہ کی لپیٹ میں آہی گئے۔ بچارے مُسلمانوں پر کیسی مشکل آن بنی ہے۔ آج عید کا دن ہے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس منبروں پر کِس کا خطبہ پڑھیں۔ کیا سُلطان عبدالحمید خاں کا (جسکو خدا بہت ہی عیدیں نصیب کرے) وہ تو من تشبہ بقوم کی جھپیٹ میں آگیا۔ اور نعوذ باللہ کافر ہو گیا *

مدراس کا شمس الاخبار مطبوعہ ۹ م۔ شعبان ۱۲۹۳ ہجری لکھتا ہے کہ سلطان عبدالحمید خاں کو ۱۸۶۷ء میں اُن کے باپ (چچا) پیرس (دارالخلافہ فرانس) میں واسطے دکھلانے نمایشگاہ کے لائے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نمایش گاہ نے عبدالحمیدخاں کی آنکھیں کھول دیں۔ اُن کو کمال شوق فرانس کی زبان سے پیدا ہوا اور اُنھوں نے وہ زبان سیکھی اور اُن کو یوروپین قواعد اور لباس بھی نہایت پسند ہوا۔ لہذا اُس زمانہ سے اور اب تک اُن کا ویسا ہی برتاؤ ہے یعنی یوروپین پوشاک پہنتے ہیں اور یوروپین قاعدوں کا برتاؤ کرتے ہیں * * اور اشیاء منشی سے اُن کو کچھ شوق نہیں (جو ہمارے نزدیک ایک معزز تمغہ مُسلمانوں کا ہے) * * اُن کی بی بی بھی ایک ہی ہے جس کے ساتھ یہ ایک عمدگی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں (جو ہمارے نزدیک ٹھیک ٹھیک سچا مسئلہ ٹھیٹ اسلام کا ہے)

کیا دارالاسلام کے شیخ الاسلام بھی کافر ہوگئے ہیں جو کالا بوٹ اور بٹن لگی پتلون اور انگریزی یا فرانسیسی کوٹ اور لال پھندنے دار ٹوپی پہننے والے میز کرسی پر بیٹھنے والے چھری کانٹے سے کھانیوالے کو امیرالمومنین اور سلطان حرمین شریفین بنایا ہے یا اب مکہ معظمہ میں بھی کوٹ پتلون اور پھندے دار لال ٹوپی پہننے والوں کا خطبہ پڑھا یا جاتا ہے۔ خدا ہمچنیں کند، چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار !!!

مُبارک باد عید

السّلام علیکم و علیکم السّلام۔ حضرت مبارک باشد، مل تو لیجیے۔ معانقہ تو فرمائیے، آئیے آئیے تشریف رکھیے۔ دل ملے ہوئے ہیں۔ معانقہ کیا ہے، کیا آپ معانقہ عید کو جائز نہیں سمجھتے؟ جناب مَیں کوئی مولوی مُلاں، مفتی تو ہوں نہیں کہ جائز ناجائز سے بحث کروں۔ اِس جھگڑے کو جانے دیجیے۔ بیٹھیے مزے مزے کی دل خوش کُن باتیں کیجیے، نہیں صاحب پہلے اسی بات کا تصفیہ کر لیجیے کہ عید کا معانقہ جائز و مستحب ہے یا نہیں، حضرت میری رائے جب آپ سُنینگے تو چونکینگے او متعجب ہونگے اور فرماوینگے کہ یہ تو سب سے انوکھی بات ہے، خیال کیجیے کہ جائز و ناجائز مستحب و غیر مستحب یہ سب قسمیں افعال مذہبی کی ہیں۔ عید کا معانقہ کوئی مذہبی افعال میں سے نہیں ہے جسپر جائز یا ناجائز کا اطلاق ہو سکے، یہ بات صرف باہم معاشرت کی ہے۔ اگر اسپر بحث ہو سکتی ہے تو یہ ہو سکتی ہے کہ آیا یہ طرز معاشرت قابل پسند اور مہذب ہے یا نہیں، اُس کا حال یہ ہے کہ جبتک قوم کے خیالات نہیں بدلتے اور تعصب دُور نہیں ہوتا اُس وقت تک جو رسمیں اُس قوم کی ہیں گو وہ کیسی ہی نا مہذب ہوں مہذب ہی معلوم ہوتے ہیں، اُس کا فیصلہ کرنے کے لیے کوئی پیمانہ نہیں ہے جس سے اُس رسم کا مہذب یا نا مہذب ہونا ناپ لیا جاوے۔ اگر کوئی پیمانہ اس کے لیے ہو سکتا ہے تو صرف ترقی علوم و فنون سے ہو سکتا ہے، گو یہ مثل مشہور ہے کہ لیلےٰ را بچشم مجنوں باید دید ہر ایک شخص اپنے معشوق کو سب سے زیادہ خوبصورت سمجھتا ہے مگر خوبصورتی بھی درحقیقت کوئی شے ہے جو فی الواقع حسن ہے۔ اُس کے تصفیہ کا پیمانہ اگر ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے علم مصوری میں کمال بہم پہونچایا ہے اور انسان کے اعضا اور چہرہ کی مناسبتوں پر کامل غور کی ہے اُس کے لیے اصول اور مقداریں قایم کی ہیں اور اُس کی ساخت و خط و خال کے قواعد مقرر کیے ہیں

وہ جس نقشہ کو خوبصورت بتا دیں وہ خوبصورت ہے جسکو بدصورت بتائیں وہ بدصورت ہے گو کہ حبشی اپنے کالے چکول رنگ اور ناند کے کناروں سے موٹے ہونٹ اور پستہ کی سی چھوٹی زرد آنکھوں کو خوبصورت سمجھا کریں ۔ اسی طرح حسن معاشرت نتیجہ ہے تمام دنیا کے علوم وفنون کے نتایج کے مجموعہ کا ، پس اگر حسن معاشرت کے اچھے یا بُرے ہونے کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے تو اُسی قوم کی معاشرت سے ہو سکتا ہے جن میں ہر قسم کے علوم وفنون اعلےٰ درجہ کی ترقی پر ہوں ؀

یہ پیمانہ کچھ آج کا بنایا ہوا نہیں ہے ہمیشہ سے حسن معاشرت کا یہی پیمانہ رہا ہے - ایک زمانہ میں یہ پیمانہ مصریوں کے گھر میں تھا پھر یونانیوں اور ہندوؤں کے گھر میں آیا ۔ چند روز مسلمانوں کے گھر میں رہا ۔ اب اُن لوگوں کے گھر میں ہے جو ہر قسم کے علوم وفنون میں ترقی کیئے ہوئے ہیں - اگر آپ میرے اس اصول کو صحیح تصور فرماتے ہوں تو خود ہی اس طرز معاشرت کے حسن وقبح کا فیصلہ فرما لیویں - کسی طرز معاشرت پر عیب نکالنا (مثلاً معانقہ ہی کی نسبت یہ کہنا کہ یہ تو دو سانپوں کا سا گتھنا یا دو کھڑے نیولوں کا آپس میں لڑنا سا ہے) مَیں پسند نہیں کرتا کیونکہ ہر ایک طرز کی حسن معاشرت پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے مگر جب ہمارے پاس بجز اس پیمانہ کے جو مذکور ہوا اَور کوئی پیمانہ ہی نہیں ہے تو ہمکو اُسی طرز معاشرت کے اچھا کہنے میں مجبوری ہے جو اُس پیمانہ کے مطابق ہے ؀

یہ بات کہ ہر ایک مُلک کے لیئے حسن معاشرت جُداگانہ ہے میری سمجھ میں ایک محض غلط خیال ہے - معاشرت بشرطیکہ اُس کے معنی سمجھنے میں غلطی نہ کرو تو ایک امر حقیقی ہے امر نسبتی نہیں ہے - پس وہ کسی مُلک میں مختلف نہیں ہو سکتا گو کہ اُس کے حصول کے ذریعے مختلف ہوں اسی غلط فہمی کے سبب لوگوں کے خیال میں ہے کہ یہ رسم فلاں مُلک کی ہے ہمارے مُلک کی نہیں - اگر یہ اصول تسلیم نہ کیا جاوے تو ایک ہی شئے کا ایک ہی حیثیت سے ایک جگہ اچھا اور ایک جگہ بُرا ہونا لازم آتا ہے - دیکھیئے دیکھیئے معاشرت کے معنی سمجھنے میں کچھ غلطی نہ کیجیئے گا پہلے اُس کے معنی خوب سمجھ لیجیئے پھر اگر کچھ کہنا ہو تو کہیئے ؀

بہت اچھا آپ معانقہ نہ کیجیئے مصافحہ تو کیجیئے یہ تو سُنت ہے - دیکھیئے پھر آپ نے وہی سی بات کہی - اگر لفظ سُنت سے آپ کی مُراد یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب اور احباب سے مصافحہ فرمایا ہے - اور اس لیئے یہ سنت عادی یا رسم

ملک عرب کی ہے تو تو میں اُسکو تسلیم کرتا ہوں اور اگر آپ نے اُس کو کسی مذہبی خیال سے سُنت فرمایا ہے تو میں مصافحہ کو داخل مذہب نہیں سمجھتا بلکہ اُس کو حسن معاشرت میں داخل سمجھتا ہوں مگر آپ مذہبی خیال سے عید کا مصافحہ کرنا چاہتے ہیں اس لیئے مَیں ہاتھ نہیں بڑھاتا آپ مہربانی سے معاف فرماویں +

خیر صاحب اس کو جانے دیجئے۔ آپ تو جھاڑ ہو کر اولجھ گئے۔ یہ تو فرمائیے کہ آپ نے عید کی نماز کہاں پڑھی ؟ مسکرائے ! اور کہا کہ حضرت مَیں تو کہیں نہیں گیا۔ دلّی میں جب تھا جب بھی کچھ التزام نہ تھا۔ کبھی عیدگاہ اور کبھی جناب مولانا مولوی محمد مخصوص اللہ مرحوم کے سبب سے قاضی واڑہ کی مسجد میں چلا جاتا تھا۔ غدر کے بعد سے بلکہ برس دو برس پہلے سے مجھے یاد نہیں آتا کہ عید کی نماز کو کہیں گیا ہوں +

آپ کہاں تشریف لے گئے تھے ؟ جناب مَیں تو عیدگاہ میں گیا تھا۔ جب تک مَیں نجاتا نماز کیسے ہوتی۔ امام کو گیارہ روپیہ اور دوشالہ۔ متولّی کو سات روپیہ اور پگڑی۔ مؤذن کو پانچ روپیہ اور دوپٹہ کون دیتا۔ مَیں تو گیارہ ہی بجے چلا گیا تھا۔ اگر مَیں شام تک نجاتا تو نماز نہ ہوتی۔ آپ کو نہیں معلوم کہ اِس قصبہ کا مَیں ہی رئیس گنا جاتا ہوں جب مَیں امام کو پگڑی باندھ لیتا ہوں تب اَور ہمہ شمہ پگڑیاں باندھتے ہیں اور نذریں دیتے ہیں۔ امام کو متولّی کو مؤذن کو خدا کے فضل سے بہت کچھ مِل جاتا ہے +

افسوس اگر ہم بھی امام ہوتے تو آج خوب کماتے !

بھلا صاحب ۔ وہاں اَور کیا کیا ہوا۔ حضرت بڑا اژدحام خلایق کا تھا۔ تِل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ مجھ کو جانے میں ذرا دیر ہو گئی تھی۔ دھوپ میں ذرا تیزی آگئی تھی۔ عیدگاہ میں پُورا فرش تو ہے نہیں۔ لوگوں کو اتنا مقدور نہیں کہ مصلّے خریدیں۔ ہزاروں آدمی زمین پر دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دھوپ میں بھی بلا کی تیزی تھی۔ گرد بھی اُڑنی شروع ہو گئی تھی۔ اُس وقت میرا پہونچنا لوگوں کو غنیمت ہو گیا۔ معلوم نہیں اتنے آدمی کہاں سے اُمنڈ آئے تھے +

حضرت اُن میں ہندو بھی تو بہت ہوں گے ۔ واہ کیا آپ کا بھی ذہن رسا ہے۔ ماشاء اللہ عید کی نماز میں اور کہتے ہیں کہ ہندو بھی ہوں گے ۔ نے جناب سب مسلمان تھے اور مسلمانوں ہی کی یہ کثرت تھی ہاں دو چار نوجوان ہندو بھی نہایت عُمدہ گھوڑوں پر سنہری روپہلی ساز لگائے بھرتے کارچوبی غاشیہ گھوڑوں پر ڈالے ہوئے نہایت عُمدہ و نفیس کپڑے پہنے زمرد و یاقوت

اور موتیوں کی مالائیں اور کنٹھے گلے میں ڈالے ہوئے نہایت نفیس سُرخ رنگ اور طلائی تِلّا کا چیرہ باندھے ہوئے سیر کرتے پھرتے تھے۔ دو چار رنگ بنگالی بھی نظر پڑتے تھے۔ سیاہ نفیس دو اشرفی کا ولایت کا بنا ہوا بوٹ۔ سفید پتلون اور کالا کوٹ اور دفلیا ٹوپی ہاتھ میں خوبصورت پتلی سی پھوندنا پڑی چھڑی لیئے انگریزی میں غٹ پٹ کرتے لوگوں کو دیکھکر مُسکراتے پڑے پھرتے تھے ✦

جناب حقیقت میں بڑا بھاری میلہ تھا۔ آپ نے خوب سیر کی۔ ثواب کا ثواب کمایا اور تماشے کا تماشا دیکھا۔ آپ کا دل بہت خوش ہوا ہو گا۔ آہ۔ ایک ٹھنڈی لمبی سانس بھری۔ اور کہا کہ ہاں صاحب ثواب تو ہوا خدا تیسوں روزے اور دونوں دوگانیں اور فطرہ کے گیہوں اور آنے جانے کی ٹوکیں سب قبول کرے مگر دل تو خوش نہیں ہوا ✦

کیوں خیر باشد۔ کیا امام نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھائی۔ خطبہ اچھا نہیں پڑھا۔ نہیں صاحب یہ تو کچھ بات نہیں۔ امام کمبخت تو ہمیشہ کا بدآواز ہے۔ جاہل الحمد بھی تو صحیح نہیں پڑھتا نماز پڑھانے میں اِدھر اُدھر کن آنکھوں سے دیکھتا جاتا ہے کہ کتنے آدمی پگڑیاں لاتے ہیں میرے خدمتگار کو تکتا جاتا ہے کہ دوشالہ بھی آگیا یا نہیں۔ خطبہ وہ نہیں پڑھتا متولی صاحب پڑھتے ہیں وہ تو عالم آدمی ہیں اور نہایت خوش آواز ہیں۔ دُور تک آواز جاتی ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہتے ہیں۔ کبھی اونچی کبھی نیچی۔ کبھی موٹی اور کبھی پتلی آواز تو آتی تھی مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ توبہ توبہ خدا معاف کرے کبھی راگ رس خان الاپتے تھے جس میں صرف آواز ہی آواز ہوتی تھی ویسا ہی سا معلوم ہوتا تھا ✦

ارے میاں توبہ کرو توبہ کرو خطبہ میں تو خدا کے اوصاف نماز روزہ کے احکام۔ علم و اخلاق کی باتیں لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں۔ یہ تم نے کیا کہا۔ جناب خدا کسوں کچھ جو سمجھ میں آتا ہو لوگ کہتے تھے خطبہ پڑھا جاتا ہے خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے۔ عربی میں پڑھنا ثواب بتاتے تھے۔ میں نے کہا کہ ثواب کیا خاک پتھر ہے سمجھ میں تو ایک حرف بھی نہیں آتا لوگوں نے کہا چُپ چُپ گناہ ہوتا ہے۔ میں چپ ہو رہا اور متعجب ہوا کہ کہوں سچی بات اور ہووے گناہ۔ ایسے گناہ سے بھی خدا کی پناہ۔ مگر جناب مسئلہ کی بات میں کون دم مارے۔ جو بولے وُہی کافر ہو ✦

پھر آپ کا دل کیوں خوش نہیں ہوا؟ ارے میاں وہاں ہزاروں مسلمان تھے مگر ایک سے ایک

بدتر حالت میں۔ آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں عید کا دن بڑی خوشی کا ہے۔ ہر ایک مسلمان
اپنے مقدور بھر اچھے سے اچھے کپڑے پہنتا ہے۔ پسنہاری بھی دو دو کوڑی جمع کر کر عید کے
لیئے اپنے بچے کو نیا جوڑا بنا دیتی ہے لیکن اگر تم جاتے اور مسلمانوں کے غول کو دیکھتے تو انکی
تباہی کا حال جانتے۔ میاں میں نے ہزاروں پر نظر ڈالی۔ کسی کے گلے میں بجز گزی اور ادھوتر
کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ کپڑے تو سب کے دھوئے اور اُجلے تھے مگر ہزاروں آدمیوں کے
انگرکھے میں پیوند لگے ہوئے تھے اگر کسی کے گلے میں گزی کا نیا انگا تھا تو یقین جانیئے کہ پورانا
پیجامہ تھا جس میں چھلنی کے سے چھید تھے۔ جوتے تو کسی کے پانوں میں ثابوت نہ تھے۔ بہتوں
نے رسی یا چیتھڑے سے باندھ لیئے تھے کیونکہ پانوں سے نکل نکل جاتے تھے۔ بھلا بڑے
بوڑھوں کا کچھ ذکر نہیں بچوں کو عید کے دن اچھے اچھے کپڑے پہننے کا کھلونوں کے لینے کا
بڑا شوق ہوتا ہے کسی بچے کا یکساں لباس نہ تھا۔ اگر سر پر چھوٹے گوٹے کی ٹوپی ہے تو پانوں میں
جوتہ نہیں۔ پیجامہ نیا ہے تو انگا پرانا ہے۔ لنگ لاٹ کا پیجامہ اور دھوتر کا انگرکھا نینوں کا انگا
اور گزی کا پیجامہ ہر ایک پر ایسے مبارک اور خوشی کے دن میں بھی نہایت افلاس اور مصیبت
برستی تھی۔ کسی کا دل اندر سے خوش نہ تھا۔ ہر ایک غمگین۔ روتی صورت۔ بسورتی شکل۔ تیوری
چڑھی ہوئی۔ ڈاڑھی پر گرد پڑی ہوئی۔ پیادہ پا چلنے سے پسینہ میں شور بور۔ نہایت پریشان و
متفکر نظر آتے تھے۔ چند قصائی جو چمڑا چربی بیچتے ہیں اور چند ملانے جو وعظ کہہ کہہ کر لوگوں کا
مال مارتے ہیں اور دو ایک ڈپٹی کلکٹر اور صدر الصدور اور وکیل جو انگریزوں کے صدقہ سے روٹی
کماتے ہیں آسودہ حال دکھائی دیتے تھے۔ ہاں تین چار مسلمان جو گھوڑوں کے آگے دوڑتے
جاتے تھے وہ بھی آسودہ حال معلوم ہوتے تھے۔ جب میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو معلوم ہوا
کہ لالہ چھنامل کے بیٹے سیر کو آئے ہیں اُن کے سائیس ہیں۔ انھوں نے عید سے پہلے کہا تھا
کہ مہاراج ہمارا تہوار ہے اگر تنخواہ پیشگی مل جاوے تو بڑی پرورش ہوگی۔ مہاراج نے روکڑیئے
کو کہا تھا کہ یہ مسلا تہوار تہوار پکار رہا ہے آنہ روپیہ بیاج کا کاٹ کر اس مسلے کو پیشگی تنخواہ دیدو
سن بے اگر تو دوسرے ظلمی تہوار کو کچھ مانگنے آیا تو ناک کاٹ لوں گا۔ میں نے سنا ہے کہ دلی کے
ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کی خستہ حالی پر بڑی مہربانی کی ہے اور یہ ٹھہرا لیا ہے کہ گھوڑوں پر
تمام مسلمان سائیس رکھے جاویں +

عیدگاہ کے باہر جو میں نکلا تو ایک غول بھیک منگوں کا نظر پڑا جو دو دو کوڑی مانگتے تھے

اور پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ بیسیوں مُسلمان سڑک پر کپڑا بچھائے بیٹھے تھے اور پکار رہے تھے کچھ خیرات دیتے جاؤ تیسوں روزے قبول۔ ایک طرف سینکڑوں عورتوں کا غول تھا اور اُن میں بیسیوں بُرقعہ اوڑھے ہوئے چلا رہی تھیں کہ اے بیٹا ہم سیدانی ہیں فاطمہ بی بی کا دانہ کھانیوالی ہیں۔ اشراف گھرانے کی ہیں۔ ہم پر مصیبت پڑی ہے۔ اپنے بال بچوں کا صدقہ۔ خاتونِ جنّت کا صدقہ کچھ دیتا جا۔ جب تمام قوم کا یہ حال تھا تو مجھ کو عید اور عید میں جانے کی کیا خوشی ہوتی ؟

بھائی اُس وقت تو میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اُس کا فرزند سید احمد کی جو علیگڈھ میں آن کر بیٹھا ہے بات یاد آگئی۔ بھائی خدا مارے یا چھوڑے۔ وہ مُسلمان ہو یا کرسٹان۔ مگر کہتا سب سچ ہے۔ میرے دل میں تو اُس کی سب باتیں بیٹھتی جاتی ہیں۔ میرا تو کئی دفعہ دل چاہا کہ اُس کے پاس جاؤں اور اُس کے کاموں کی جو مُسلمانوں کی قومی ترقی کے لیئے کر رہا ہے مدد کروں۔ مگر جناب مولوی محمد یعقوب آٹھویں خاتم النّبیین پاس حضرت جبرائیل خدا کے پاس سے وحی لائے ہیں کہ وہ تو دجّال ہے۔ میرے دل سے پوچھو تو ایسے نبیوں سے تو دجّال ہی بہتر ہے ؟

اجی یہ آٹھویں خاتم النّبیین کیسے ؟ آپ نے نہیں سُنا کہ مولوی یعقوب صاحب اور اُن کے ساتھی سات خاتم النّبیین تو زمین کے اوپر اور اندر بتلاتے ہیں اور اب اُن پر وحی آنی شروع ہوئی ہے پھر آٹھویں ہوئے کہ نہیں ؟

حضرت آپ اتنے کیوں رنجیدہ ہوئے۔ آپ نے اپنے مُسلمان بزرگوں کی اور واعظ مولویوں کی نصیحتیں نہیں سُنیں وہ کہتے ہیں کہ مُسلمان اسی لیئے دنیا میں پیدا ہوئے ہیں کہ تکلیفیں اور مصیبتیں بھگتیں۔ آپ نے سُنا ہے کہ دنیا مسلمانوں کے لیئے دوزخ ہے اور کافروں کے لیئے بہشت پس جس قدر مُسلمان مفلس محتاج تباہ ہوتے جاویں اُتنی ہی خوشی کی بات ہے کہ اب پورے مُسلمان ہوئے ؟

یہ سُن کر بہت خفا ہوئے اور درشتی سے بولے کہ میاں یہ کون کہتا ہے ؟ حضرت مولوی خفا ہو کر بولے کہ جھوٹے ہیں۔ تمام دھنئے جولاہوں قصابوں سے نذریں لے لیکر مال مارتے ہیں روپیہ جمع کرتے ہیں۔ چار چار جوروئیں کرتے ہیں۔ اُن کے لیئے گہنے پر گہنا بناتے ہیں مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ دن رات پلاؤ قورمہ خیرات کی روٹیاں کھاتے ہیں اور لوگوں کو سمجھاتے ہیں کہ

مسلمانوں کے لیئے دنیا دوزخ ہے۔ جھوٹے مکار یقولون ما لا یفعلون۔ مگر یہ تو بتلائیے کہ آپ نماز کو تو گئے نہیں مگر عید کے دن آپ نے اپنا مکان تو خوب سجایا ہے۔ جناب یہ تو خدا کی عنایت سے ہمیشہ یوں ہی رہتا ہے۔ یہاں تو دن عید و رات شب برات رہتی ہے ✦

کیا آپ کے نزدیک عید کے دن کو کچھ فوقیت نہیں ہے اور مسلمانوں کے لیئے خوشی کا دن نہیں ہے؟ جناب کیوں نہیں مگر جس طرح آپ سمجھتے ہیں اُس طرح نہیں ✦

یہ اَور ہوئی ہے۔ ہم کس طرح سمجھتے ہیں؟ حضرت آپ تو عید کو یہی سمجھتے ہیں کہ ماہ مبارک رمضان تشریف لیگئے۔ خدا خدا کر کے تیسوں روزے پورے ہوئے۔ دن کو نہ حقہ پی سکتے تھے نہ پان کھا سکتے تھے۔ سستی سے جان تنگ تھی۔ کچھ کام نہیں ہو سکتا تھا۔ جمائیوں پر جمائیاں آتی تھیں۔ ہاتھ پاؤں میں غوث و ابدال کا مرتبہ تھا۔ خدا خدا کر کے وہ دن کٹے لو اب عید کرو ✦

جو حضرات مقدس و خدا پرست ہیں انھوں نے ماہ مبارک کو غنیمت سمجھا تھا۔ دن کو روزہ رکھتے تھے رات کو تراویح پڑھتے تھے۔ شب قدر کی تلاش میں راتوں جاگتے تھے ملے یا نہ ملے دوگانہ پر دوگانہ پڑھکر ایک ایک کے ستر ستر گنتے تھے۔ ثواب کی گٹھڑیاں باندھ باندھکر رکھتے جاتے تھے جیسے کہ تجارت کے موسم میں سوداگر اپنا مال بیچکر دوگنے چوگنے کما لیتا ہے۔ جب خوب مال یا ثواب جمع ہو لیا تو اب برس بھر کو نچنت ہو لیئے اور عید منائی۔ سارے دن کہیں فطرہ کے گیہوں بٹ رہے ہیں کہیں اُس کے عوض نقد بھیجا جاتا ہے کہیں سوّیاں بٹ رہی ہیں۔ پیروں کو۔ مولویوں کو۔ واعظوں کو نذریں دی جاتی ہیں۔ یہ تو آپ کی عید ہے۔ ایام جاہلیت میں بھی رمضان آتا تھا۔ اسی مہینہ میں تیس روزے رکھے جاتے تھے۔ اسی طرح چاند دیکھکر روزوں کے ختم ہونے کی خوشی ہوتی تھی۔ پس آپ کی عید میں اور زمانہ جاہلیت کی عید میں تقصیر معاف ہو کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا ✦

بھلا صاحب آپ کی عید کس طرح کی ہوتی ہے؟ طرح کیا میاں سورج نکلا یکم شوال آئی عید ہوئی بھلا اپنا خیال تو بتلائیے کہ عید کیا ہے؟ میاں یکم شوال کا نام عید ہے۔ اجی حضرت آپ نے کہا تھا کہ عید خوشی کا دن ہے وہ کیسی خوشی ہے؟ ہاں آپ یہ پوچھتے ہیں۔ جناب رمضان کے روزوں کا حکم ہے جس نے روزے رکھے اُس نے خدا کے حکم کی اطاعت کی۔ رمضان کے بعد دوسرا مہینہ شروع ہوا اس خیال سے تو عید کے دن کو خوشی کا دن قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اگر ہم کو یہ خیال ہو کہ برس میں کا یہ وہ پہلا دن ہے جس میں رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ

مَیں خدا کا پیغمبر ہوں - تمام دنیا کے لئیے خدا نے میرے پاس رحمت بھیجی ہے - مجھ پر وحی نازل کی ہے اور قرآن اُتارا ہے - ایک خدا کو مانو اور اُسی پر ایمان لاؤ - خدا کے سوا کسی کو مت پوجو تو بلاشبہ یہ اُس اصلی دن کی یادگاری کا جو سنہ ایک نبوی میں آیا تھا دن ہے - اُسکی یادگاری میں ہمکو خدا کا شکر کرنا اور اپنا نیاز بذریعہ دوگانہ نماز کے اُس کی جناب میں ادا کرنا لازم ہے - مگر ابھی تک خوشی کی کوئی بات نہیں ہوئی کیونکہ یہاں تک جو خیال میں نے بتایا وہ تو صرف شکر کا تھا نہ خوشی کا - اَب ہمکو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اس پچھلے برس میں اُس گروہ کا جس نے اُس پیغمبر رحمۃ للعالمین کی بات کو مانا تھا کیا حال رہا - اُس کی امانت کو اُنھوں نے کس طرح برتا - اُس کے مقاصد کو کس طرح پُورا کیا - رحمت اور شفقت اور محبت - سچائی - نیکی - خداترسی - ہمدردی - قومی ہمدردی - رحم - کرم - صبر - تحمّل نے کس طرح اُن کے دلوں میں ترقی کی - تہذیب و شایستگی میں کس طرح اُنھوں نے قدم بڑھایا - علوم و فنون میں جو سب سے اعلےٰ ذریعہ قدرت کاملہ صانع حقیقی پر یقین کرنے کا ہے کیا ترقی کی - اُنھوں نے اپنی حالت - اپنی عادت اپنی عبادت سے کس طرح دنیا میں اسلام کی صورت کی تصویر بناکر دکھائی - اگر اِس طرح پر گذشتہ سال کا ریویو کرنے سے قوم کی حالت اچھی معلوم ہو تو عید کا دن خوشی کا دن ہے ورنہ محرم سے بدتر ہے ؛

ظاہری حالت قوم کی جو تھی وہ تو خود آپ نے ہی بتادی - اگر باطنی حالت قوم کی پوچھوگے تو شیطان بھی پناہ مانگیگا - کینہ و نخوت اپنے تقدّس و بزرگی و خداپرست ہونے کا گھمنڈ مقدس لوگوں میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا پائیے گا - اگر دنیا میں شیطان کو ڈھونڈتے پھرو تو بجز مقدسین کے جُبّہ و دستار مُبارک کے اَور کہیں پتہ نہیں ملیگا - اُن سے اُتر کر جو لوگ ہیں اگرچہ اُن کے پاس شیطان کے آنے کی ضرورت نہیں ہے مگر سب کو کذب و افترا - دغا و نفاق میں بھرا پائیے گا - ہم بچارے دنیا کے کُتّوں - کافر - مُرتد - دجالوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں - پس جبکہ یہ حالت ہے تو عید کے دن کو خوشی کیسی - ہر ایک کو جو خدا اور اُس کے رسُول کو اور اُس کی اُمّت کو دوست رکھتا ہے اپنے اپنے گھر میں بیٹھکر رونا چاہیئے - خوشی منانا کیسی ؛

یہ سُن کر میرے خیالی دوست آنسو بھر لائے اور کہا کہ میاں تم کہتے تو سچ ہو پھر چاہے کوئی مانے یا نہ مانے - والسّلام ؛

ایک تدبیر
یتیم اور لاوارث بچّوں کی پرورش کی

ہندوستان میں قحط کی بلا اکثر آتی ہے اور خصوصاً اس بلا میں اور نیز دیگر واقعات میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے صغیر السن بچے یتیم اور لاوارث رہ جاتے ہیں جن کی پرورش کا کچھ ٹھکانا نہیں ہوتا۔ گورنمنٹ کوئی ایسی تدبیر نہیں کرسکتی نہ ایسا خرچ اختیار کرسکتی ہے جس کے ذریعہ سے اُن کی پرورش اور نیز اُن کی تعلیم ہو اور اس لیئے گورنمنٹ ایسے یتیم لاوارث بچوں کو اُن لوگوں کے سپرد کردیتی ہے جو اُن دونوں باتوں یعنی اُن کی پرورش اور اُن کی تعلیم ضروری کے ذمہ دار ہوں +

پادری صاحبان جو ہمارے ملک میں ہر جگہ موجود ہیں اور عیسائی قومیں اپنے مذہب کی ترقی کے لیئے لاکھا روپیہ چندہ کرکر اُن کو دیتی ہیں۔ اُن کو ایسے یتیم و لاوارث بچوں کے عیسائی بنا لینے کا خوب موقع ملتا ہے اور وہ اُن کی پرورش اور تعلیم کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور لیجاتے ہیں۔ اور فی الفور اُس معصوم بچے کو اصطباغ دیکر عیسائی بنا لیتے ہیں اور اب بہ سبب حادثات پے درپے کے اس امر ناواجب اور نامناسب کی ایسی کثرت ہوگئی ہے کہ قحط کے یتیم اور لاوارث عیسائی کیئے ہوئے بچوں سے گانوں کے گانوں آباد ہوگئے ہیں +

اگر جوان عاقل و بالغ آدمی کسی مذہب کا عیسائی ہوجاوے یا مسلمان ہوجاوے تو کوئی الزام یا افسوس کی بات نہیں ہے مگر صغیر السن یتیم لاوارث بچوں کو ایسی مصیبت و صغر کی حالت میں عیسائی کرلینا جس کے سبب سے وہ اپنی تمام قوم و برادری اور رشتہ مندوں سے شل مردہ کے منقطع ہوجاتے ہیں اور تمام عمر کے لیئے اُس خوشی سے جو اپنی قوم میں شامل رہنے سے ہوتی ہے مجبوراً بلا اپنی مرضی کے محروم ہوجاتے ہیں نہایت افسوس اور نہایت نفرت کے لایق بات ہے اور رحم اور انسانیت اور رنیکی اور نیک دلی سے نہایت بعید ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ہرگز یتیم بچوں پر رحم نہیں کرتے بلکہ خود غرض متصور ہوتے ہیں اور درحقیقت اُن یتیم بچوں پر اُن کی بیکسی کی حالت میں ظلم کرتے ہیں جو بغیر اُن کی مرضی جایز کے اُن کو ہمیشہ کے لیئے اُن کی قوم سے منقطع کردیتا ہے +

جو شخص رحمدل ہوگا اور یتیم بچوں پر بغیر کسی نفسانی خواہش کے صرف اس وجہ سے رحم کرتا ہوگا
کہ بمقتضائے انسانیت اُن پر رحم واجب ہے وہ ایسے فعل کو جیسا کہ اب ہو رہا ہے اور جس پر
پادری صاحبوں کا عملدرآمد ہے اور جس کا ظہور ایک نہایت سختی اور بے رحمی کے ساتھ مدراس
کے قحط میں پادری صاحبوں کی جانب سے ہوا ہے جو اخباروں میں مندرج ہے نہایت بیرحمی
تصور کرتا ہوگا اور جو لوگ ہر ایک کام کو بہ نظر ثواب عقبیٰ کیا کرتے ہیں وہ بھی اس بات کو نہایت
ناپسند کرتے ہونگے کیونکہ کوئی مسلمان یا ہندو اس بات سے خوش نہ ہوگا کہ یتیم لاوارث بچے
ہندو یا مسلمان کے ایسی بیرحمی سے عیسائی بنائے جاویں۔ پس میں نہایت عجز و انکسار اور
دلی جوش حب وطنی سے مسلمانوں اور ہندوؤں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خدا کے واسطے
رام جی کے واسطے اپنی قوم کے یتیم اور لاوارث بچوں پر رحم کرو اور اُن کی پرورش کے لیئے اُن
تدبیروں میں میرے ساتھ شریک ہو جو مدت ہائے دراز سے میں نے سوچی ہیں اور جن کے پورا
کرنے کی میری کمال آرزو ہے اور وہ تدبیریں حسب مندرجہ ذیل ہیں ٭

۱۔ ضلع علیگڈھ میں جس کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے کسی مقام پر جو شہر سے فاصلہ پر ہو اور کسی
قصبہ یا گانوں کے قریب ہو زمین لیجاوے اور وہاں مکانات مناسب یتیم بچوں کے رکھنے اور
پرورش پانے کے لیئے بنائے جاویں ٭

۲۔ ہندو اور مسلمان دونوں اس کام میں شریک ہوں اور ہر قوم کے یتیم و لاوارث بچوں کے
پرورش پانے کے لیئے وہ مکان تصور ہو ٭

۳۔ یتیم بچے جو اس میں پرورش پاویں وہ ایسی تدبیر سے پرورش پاویں کہ کسی بچے کی
ذات میں اور کسی بچے کے مذہب میں جو اُس کے ماں باپ کا ہو ذرا فرق نہ آنے پاوے مسلمان
بچوں کی پرورش کے لیئے مسلمان مرد و عورتیں مقرر ہوں اور ہندو مذہب کے بچوں کی پرورش
کے لیئے بلحاظ اُن کی ذات و مذہب کے برہمن وغیرہ مقرر ہوں ٭

۴۔ اُسی مقام پر جہاں وہ بچے پرورش پاویں ایک مکتب ہو جس میں اُردو ہندی کی
ضروری تعلیم لڑکوں کو دی جاوے اور اُسی مقام پر کچھ کام سکھلانے کا مثل درزی بافی۔ قالین بافی یا
نجاری لوہاری وغیرہ پیشوں کا کارخانہ ہو اور وہ لڑکے اُس کارخانہ میں کوئی پیشہ سیکھ لیں
اور جب وہ جوان ایک حد معین تک پہونچ جاویں اور خود اپنے لیئے آپ کمانے کے لائق ہوجاویں
جب [illegible] کیئے جاویں ٭

۵ - اسی طرح اور اسی فایدہ پر یتیم لڑکیوں کی بھی پرورش و تعلیم و تربیت ایک جدا مکان میں جو اُسی جگہ ہو کیجاوے - لڑکیاں جب جوان ہو جاویں تو وہ دفعتاً خارج نہ کر دی جاویں بلکہ اُن کے نکاح بیاہ شادی کی کوئی تدبیر کر دی جاوے تاکہ نیکی اور نیک بختی سے وہ اپنی زندگی بسر کریں ؛

۶ - اِس کام کے لیئے ایک کمیٹی مقرر ہو جس میں ہندو و مسلمان سب شریک ہوں اور اسی کمیٹی کے ذریعہ سے اُن سب چیزوں کا انتظام اور عملدرآمد کیا جاوے ؛

۷ - تمام لوگ ہندو و مسلمان اِس کام کے لیئے چندہ دیں اور جو ذی مقدور ہیں وہ کچھ مہینہ مقرر کر دیں - جو زمیندار و تعلقہ دار ہیں وہ غلہ سے - لکڑی سے - برتنوں سے ہمیشہ اِس یتیم خانہ کی مدد کیا کریں اور یہ یتیم خانہ ایسا مستحکم اور مستقل ہو جاوے جس کے قیام پر بخوبی بھروسا ہو اور ہم گورنمنٹ کو بتلا سکیں اور کہہ سکیں کہ اس کے قیام کی تدبیریں ایسی مستحکم ہو گئی ہیں جن کے قایم رہنے اور بخوبی چلنے میں کچھ شبہ نہیں ہے ؛

۸ - اگر یہ تدبیر جیسا کہ میں نے کہا کامل ہو جاوے تو اُس وقت گورنمنٹ کے سامنے نہایت ادب اور عاجزی سے درخواست پیش کیجاویگی کہ ہماری کمیٹی یتیم و لاوارث بچوں کی پرورش کو موافق اُن کی ملت و مذہب کے موجود ہے آیندہ سے جو یتیم و لاوارث بچے ہندو یا مسلمان کے ہوں وہ اس کمیٹی کے سپرد کیئے جاویں اور پادری صاحبوں کو اُن کی سپردگی جو صرف بغرض اُنکے عیسائی بنانے کے لیتے ہیں نہ حقیقتاً یتیموں پر رحم کرنے کو بند ہو جاوے ؛

۹ - میں نہایت اعتماد اور نہایت بھروسہ اور اپنے یقین کامل سے جو مجھ کو گورنمنٹ کے عدل و انصاف پر ہے اور اس یقین کامل سے کہ گورنمنٹ کی مرضی کسی قسم کی مداخلت مذہبی کی نہیں ہے اور اس امر کے یقین سے کہ بہ مجبوری یتیم بچے پادریوں کے سپرد ہوتے ہیں گورنمنٹ کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ وہ یتیم بچے عیسائی بنائے جاویں میں یقین رکھتا ہوں کہ فی الفور گورنمنٹ اس درخواست کو منظور کرے گی اور پادریوں کو یتیم بچوں کا سپرد ہونا قطعاً بند کر دیگی بشرطیکہ ہم ہمدستی سے اُن کی پرورش کا سامان مہیا کر لیں ؛

۱۰ - میں دوبارہ اپنے ہموطنوں کو یقین دلاتا ہوں کہ درخواست کے منظور ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہے اور یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اس امر کی پیروی میں جہاں تک ذاتی پیروی درکار ہے میں کروں گا - میں یہاں تک اقرار کرتا ہوں کہ اس درخواست کو ملکہ معظمہ انگلستان و قیصر ہندوستان کے

پایۂ تخت پر رکھنے کی ضرورت ہو تو مَیں خود لنڈن جا کر حضور ممدوح کے پایۂ تخت پر رکھوں گا مگر کبھی خیال کرنا نہیں چاہیئے کہ ایسی ضرورت پڑیگی +

۱۱- پس مَیں اس کمیٹی کا قایم ہونا چاہتا ہوں اور ضلع علیگڈھ کے تمام ہندو مُسلمان رئیسوں سے درخواست کرتا ہوں کہ جو صاحب اس تجویز کو پسند کرتے ہوں وہ علیگڈھ میں بتاریخ بیسویں مئی ۱۸۶۶ء وقت سات بجے صُبح کے سین ٹیفک سوسئیٹی ہال میں تشریف لاویں اور اس تجویز کو کامل و جاری کرنے کے مقصد سے جو جو قواعد و تجویزیں اور ابتدائی تدبیریں کرنی مناسب ہوں اُن کو تجویز کریں اور کمیٹی قرار دیدیں اور اُس کے ممبر مقرر ہو جاویں تاکہ آیندہ کارروائی شروع ہو۔ اور جو صاحب شہرہائے دُور دراز کے رہنے والے ہیں وہ اپنی تحریریں اس باب میں تاریخ مذکورہ سے پہلے راقم آثم پاس بھیجدیں تاکہ وہ سب تحریریں اُس مجلس میں پڑھی جاویں +

نور الآفاق

ہمکو نہایت رنج و افسوس ہے کہ ہمارا ناصح مشفق جس سے ہمارے خیالات کو زیادہ عُمدہ ہونے کا موقع ملتا تھا اور ہمارے نفس امارہ کی اُس سے سر کوبی ہوتی رہتی تھی اور ہمارے دلی اخلاق اُس سے وسعت پاتے تھے دنیا سے جاتا رہا یعنی نور الآفاق جو بجواب مضامین تہذیب الاخلاق کانپور میں چھپتا تھا اُس کے مہتم نے اپنے پرچہ مطبوعہ ۷- رجب ۱۲۹۴ ہجری مطابق ۱۴- جولائی ۱۸۷۷ء کے مشتہر کر دیا کہ آیندہ سے نور الآفاق کا چھپنا موقوف ہوا۔ وجہ موقوفی یہ لکھی ہے کہ نور الآفاق کے جواب دینے پر کوئی متوجہ نہیں ہوا اور یہ کہ " دربار دہلی میں سی- ایس- آئی سید احمد خاں صاحب بہادر نے سید امداد العلی خاں بہادر ڈپٹی کلکٹر مراد آباد سے بصدق دل یہ اقرار فرمایا کہ اب ہم کبھی کوئی مباحثہ مذہبی تہذیب الاخلاق میں نہ چھاپینگے جب بفضل اللہ تعالےٰ سید صاحب موصوف کو یہ خیال آیا اور اُن کا دل جانب حق مَیلان پایا پس اب ہم بھی اس اخبار نور الآفاق کو موقوف کرتے ہیں کہ مقصود اصلی ہمارا یہی تھا کہ حق ظاہر ہو جاوے اور حق تعالےٰ اہل اسلام کو اغوائی فرقہ نیچریہ سے بچاوے " خیر سبب موقوفی کچھ ہی ہو مگر ہمکو اپنے ناصح مشفق کے نہ رہنے کا افسوس ہے +

مولوی سید امداد العلی خاں بہادر سی- ایس- آئی ہمارے قدیم دلی دوست ہیں گو اُن کے

مزاج میں ذرا غصہ ہے مگر ہم نہایت صدق دل سے بیان کرتے ہیں کہ ایسے یکرنگ دوست ظاہر و باطن۔ حاضر و غایب یکساں جیسیکہ ہمارے مولوی سید امداد العلی خاں بہادر سی ایس آئی ہیں ویسے بہت کم دُنیا میں ہیں گو اُنھوں نے ہمارے عقاید کو یا ہمارے مسائیل کو یا ہمارے اجتہاد کو یا ہمارے خیالات کو ناپسند کیا ہو اور کیسا ہی غصہ اُن کو ہمپر آیا ہو مگر کبھی ہمارے خیال میں بھی یہ بات نہیں گذری کہ ہماری اور اُن کی دوستی میں کچھ بھی فرق ہوا ہو اور جو دوستانہ محبت اُن کو ہمارے ساتھ ہے اُس میں کچھ کمی ہوئی ہو۔ اور ہم نے کبھی کسی مجلس و موقع میں حاضر و غایب بجز اُن کے ادب و تعظیم کے اور کوئی کام نہیں کیا ہمنے ہزاروں آدمیوں کے سامنے کہا اور شاید لکھا بھی کہ اگر مولوی سید امداد العلیخاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی ہمپر اس لیئے غصہ ہیں کہ ہم اُن کی دانست میں کوئی بات خلاف مذہب اسلام کرتے یا کہتے ہیں تو اُن کا غصہ ہونا نہایت قابل تعریف و توصیف ہے اور ہمکو اُس سے خوشی ہونی چاہیئے اور اُن کا احسان ماننا چاہیئے نہ رنجیدہ ہونا لیکن اُسی کے ساتھ ہمکو خدا کا شکر بھی کرنا چاہیئے کہ ہم اپنی دانست میں تو نہیں کرتے جو ہمارے شفیق دوست نے تصور کیا ہے ؂

ہمکو نہایت آرزو ہے کہ تمام مسلمان قومی بھلائی کے کاموں میں ہر قسم کے تفرقہ کو اُٹھا ڈالیں اور قومی کام میں مدد کریں کیونکہ جب تک قوم قوم نہ ہوگی اُس وقت تک کوئی بھلائی کی صورت نظر نہیں آنے کی ہمنے اپنی دانست میں مدرستہ العلوم قومی بھلائی کے لیئے قایم کیا ہے اور اگر ہماری قوم اُسپر متوجہ ہوگی اور اُس کی پوری تکمیل کر دیگی تو ضرور فواید عظیمہ ہماری قوم کو اُس سے حاصل ہونگے پس ہماری آرزو یہ ہے کہ تمام قوم کے اعلےٰ و ادنےٰ درجہ کے لوگ اُس میں مدد کریں ؂

مولوی سید امداد العلی خاں بہادر جو فضل الٰہی سے ہماری قوم میں ایک بہت بڑے اعلےٰ افسر و رئیس ہیں اور ہمارے بہت بڑے شفیق دوست ہیں مدرستہ العلوم میں اُن کے شریک نہونے سے ہمکو نہایت رنج ہے اور نیز قوم کی بھلائی میں نقصان ہے اور ہم جب اُن سے ملتے ہیں مدرستہ العلوم میں شریک ہونے کی التجا کرتے ہیں۔ دربار دہلی میں بھی ہمنے اُن سے التجا کی اُنھوں نے فرمایا کہ دو شرط سے ہم شریک ہوں گے۔ اوّل یہ کہ تہذیب الاخلاق کا چھاپنا بند کرو یا اُس میں کوئی مضمون متعلق مذہب مت لکھو۔ دُوسرے یہ کہ اپنے عقاید و اقوال سے جو برخلاف علمائے متقدمین ہیں توبہ کرو۔ پچھلی بات تو میرے اختیار سے باہر تھی کیونکہ جس بات پر میں یقین رکھتا ہوں جب تک وہ یقین زایل نہو کیونکر اُس کو دل سے مٹا سکتا ہوں پس جبتک

دل پر یقین نہ ہو زبانی توبہ کے لفظ بے سُود ہیں ہاں پہلی بات میرے اختیار میں ہے اگر آپ
مدرستہ العلوم کی تائید میں دل سے شریک ہوں تَیں آج ہی تہذیب الاخلاق کو بند کر دوں گا
کیونکہ میری رائے میں جناب مولوی سید امداد العلی خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی کا دل سے
مدرستہ العلوم کی تائید کرنا بہ نسبت جاری رہنے تہذیب الاخلاق کے قوم کے لیئے بہت زیادہ مفید
ہے پس ہم اُسی اپنے اقرار کو تحریرًا مؤکد کرتے ہیں اور خدا سے دُعا مانگتے ہیں کہ ہمارے پُرانے
دوست مولوی سید امداد العلی خاں بہادر کا دل خدا مدرستہ العلوم کی طرف مہربان کر دے وہ ہمارے
ساتھ شریک ہوں اور مدرستہ العلوم کی تکمیل کے لیئے چندہ جمع کریں جس طرح کڑکی کے چندہ
میں اُنھوں نے ثواب کمایا اسی طرح اس میں بھی کمادیں ہم آج تہذیب الاخلاق کا چھاپنا بند
کر دیں گے وما ابرء نفسي ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربي ہمکو کچھ نفسانیت
نہیں ہے۔ ہماری سمجھ میں قوم کی بھلائی کے لیئے جو بات آتی ہے وہ کرتے ہیں شاید اُس میں
غلطی ہو مگر جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بات کے ترک ہونے سے دوسری بات زیادہ مفید قوم کو
میسر ہوتی ہے تو ہمکو اُس کے ترک میں کیا عذر ہے۔ تامل ہے تو یہی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھ
نہ آوے اور یہ بھی جاتی رہے اور وُہی چوبے کی نقل ہو جاوے کہ چھبے ہونے گئے تھے دوبے
رہ گئے ٭

اختتام سال سنہ ۱۲۹۱ ہجری
و
شروع سال سنہ ۱۲۹۲ ہجری

سوا چار برس بخیریت گذر گئے۔ اب پھر نیا سال شروع ہوا۔ گذشتہ برسوں میں جو کچھ ہنگامے
ہونے تھے ہو لیئے۔ اب دُم باقی رہ گئی ہے۔ چاند کی بُڑھیا کی کہانی ہے کہ ہاتھی نکل گیا پر دُم باقی
ہے۔ آج اگر ہم اپنی قسمت پر فخر کریں تو بھی بجا ہے اور اگر اپنی قوم کے اقبال کی فصل بہار کی آمد کی
خوشیاں منائیں تو بھی زیبا ہے۔ جو کچھ کہ اس سوا چار برس میں ہوا۔ کیا ایسے قلیل زمانہ میں اُس کے
ہونے کی ہمکو توقع تھی۔ توبہ۔ توبہ۔ کیا ہمکو ایسا جلد ان ناچیز پرچوں سے اپنی قوم کے جگانے اور
اُٹھانے کی جو مدت دراز سے غفلت کے تاریک گڑھے میں پڑی ہوئی بے خبر سو رہی تھی توقع

تھی۔ استغفراللہ ۔

وہ عید کا مبارک دن یعنی یکم شوال سنہ ۱۳۰۰ نبوی اور سنہ ۱۲۸۷ ہجری جبکہ ہمارا پہلا پرچہ نکلا۔ اُمید ہے کہ ہماری قوم کی تاریخ میں کبھی بھولا نجا دے گا۔ ہماری قوم کی جو کچھ بد اقبالی تھی وہ یہی تھی کہ کچھ نہ تھے۔ اور جانتے تھے کہ ہم سب کچھ ہیں۔ اس غفلت کے دارو نے بیہوشی نے اُن کے کانوں کو بہرا کر دیا تھا۔ ان کی آنکھوں کو پتھرا دیا تھا۔ دل پتھر ہو گئے تھے۔ دماغ قابو میں نہیں رہا تھا۔ ہاتھ پانوں سست ہو گئے تھے۔ زندہ تھے پر مُردوں سے بدتر تھے۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے۔ پھرتے تھے۔ پر کچھ نہ کرتے تھے۔ اسی تھوڑے عرصہ میں وہ حالت بہت کچھ بدل گئی۔ کچھ لوگ بخوبی ہوشیار ہو گئے۔ وہ سمجھے کہ ہماری کیا حالت ہے۔ اور ہم پر کیا مصیبت ہے۔ لبوں پر جان ہے۔ پھر اگر جان نہیں تو جہان نہیں۔ کچھ لوگ ہوشیار ہوئے۔ پر ابھی آنکھیں ملتے ہیں ۔

بہت سونے اور اندھیرے میں پڑے رہنے سے آنکھوں میں چیپڑ جما ہوا ہے۔ کچھ کُھلتی ہیں مگر روشنی سے چوندھیا جاتی ہیں۔ کچھ لوگ ابھی تک نیند کے خمار میں ہیں۔ کچھ حرکت تو اُن میں آئی ہے مگر ابھی انگڑائی لیکر اور کروٹ بدل کر پھر غافل ہو جاتے ہیں۔ چُپ پھر جھنجوڑو تو ہاں۔ اچھا کہہ کر دوسری کروٹ لیتے ہیں اور پھر غافل ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ابھی بدستور غافل پڑے سوتے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں کہ ہوشیار ہوئے ہیں مگر بدمزاجی اور تند خوئی سے ضد میں آکر کمل تانے پڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاں ہم نہیں اُٹھنے کے۔ تمہارا کیا چارہ ہے۔ ہم یوں ہی پڑے رہیں گے۔ بعضے اُن میں سے اپنے پاس والوں کو کہتے ہیں کہ تم بھی پڑے رہو مت اُٹھو۔ سید احمد کون ہے جو جگاتا پھرتا ہے۔ ہم اسی بات کو سُن کر خوش ہوتے ہیں۔ اور دُور ہی سے کھڑے کہتے ہیں کہ وہ اُٹھے۔ وہ کلبلائے۔ خدا نے چاہا تو اب سمجھدار بھی ہو جاوینگے یہی رست و خیز ہماری قوم کے اقبال کی نشانی ہے۔ پتھر پسیجا تو سہی۔ اب کسی نہ کسی طرف بہہ نکلیگا۔ لوہا پگلا تو سہی۔ اب کچھ نہ کچھ ڈھل رہیگا۔ بند پانی سے بجز سڑ جانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ پانی کو بہنا چاہیئے۔ پھر کوئی نہ کوئی اپنا رستہ بنالے گا۔ اس وقت ہماری ساری قوم میں اس بات کا غلغلہ ہے کہ ہماری حالت اچھی نہیں۔ قوم کے لیئے کچھ کرنا چاہیئے۔ کیا یہ صدا اُن لوگوں کے دلوں میں جو قومی بھلائی چاہنے والے ہیں جان نہیں ڈال دیتی ہے؟ سولزیشن جس کے نام سے لوگوں کو نفرت تھی کیا اب اُس کا چرچا ہر گلی کوچہ میں نہیں ہے۔ کیا نیچر کا قافیہ کیچر ٹکتے ہوئے اب لوگوں کو شرم نہیں آتی ہے (معاف کیجئے اُن ضدی سونیوالوں کا ذکر نہیں ہے) کیا

قومی ہمدردی کی کسی نہ کسی قدر تحریک اب ہر ایک کے دل میں نہیں ہے۔ کیا چار دانگ ہندوستان کے اخباروں میں تہذیب۔ تہذیب۔ سولزیشن سولزیشن۔ قومی ہمدردی قومی ہمدردی پیٹریاٹزم پیٹریاٹزم کا غلغلہ نہیں ہے۔ کوئی اخبار اٹھاؤ اُس میں۔ اُن میں سے کسی نہ کسی پر کوئی نہ کوئی چھوٹا موٹا آرٹیکل دیکھ لو۔ جس گلی کوچہ میں جاؤ سید احمد کے تہذیب الاخلاق کا جھگڑا سُن لو۔ مکہ میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ۔ مدینہ میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ۔ بُرا کہو خواہ بھلا کہو۔ مگر ہم دُعا گوؤں کو مت بھولو۔

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

یہ ولولہ اور غلغلہ اور ہر ایک بات کا چرچا در اصل ہماری قوم کی بھلائی کی نشانی ہے۔ اسپر ہمکو ذرا بھی خیال نہیں ہے کہ کسی کی کیا رائے ہے اور کسی کی کیا۔ کیونکہ جو بات ٹھیک نہیں ہے وہ آج نہیں کل۔ کل نہیں پرسوں سب کو معلوم ہو جاوے گی۔ اور سب اُسی پر یقین کرینگے۔ اور اُسی پر متفق ہوں گے۔ ضرور ایک دن آویگا جو قوم کہے گی کہ ہاں سید بھی کوئی دیوانہ تھا پر بات ٹھکانے کی کہتا تھا۔ اگر ہمارا یہ خیال صحیح ہو اور درحقیقت ہماری قوم میں ایسی تحریک آگئی ہو۔ تو ہمارے اس ناچیز پرچہ نے اپنا کام پُورا کرلیا اور اُس کی مراد پُوری ہوگئی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

مگر ہمارے بعض محب وطن جو دل سے اپنی قوم کی بھلائی اور قومی ترقی چاہتے ہیں کبھی غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ جب کبھی ان کو کسی سولیزڈ یعنی مہذب و تربیت یافتہ شایستہ قوم میں سے کسی کی کوئی وحشیانہ حرکت معلوم ہوتی ہے تو اُسکو بہت طمطراق سے بیان کرتے اور لکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب اُس قوم میں ایسی وحشیانہ حرکتیں ہوتی ہیں تو ہماری قوم کو کیوں بُرا کہا جاتا ہے۔ مگر اُن کو سمجھنا چاہیئے کہ اگر ہم کسی دوسرے کی آنکھ کی پھلّی کو ٹٹولیں تو اُس سے ہماری آنکھ کا ٹینٹ نہیں چھپتا۔ ہمکو اپنی آنکھ کے ٹینٹ کا علاج کرنا چاہیئے۔ دوسرے کی آنکھ میں پھلّی ہو یا نہ ہو۔ باینہمہ وہ لوگ اس باب میں ذرا انصافانہ بھی نظر نہیں کرتے۔ قوم کی محبت انصاف کو چھپا دیتی ہے۔ جس قوم کے کسی شخص کی وحشیانہ حرکت کی ہم گرفت کرتے ہیں اُس وقت اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اُس قوم میں خوبیاں کتنی ہیں۔ ہماری قوم میں وہ عیب تو ہیں اور وہ خوبیاں کسی میں نہیں۔ اصلی محبت اور سچی خیر خواہی قوم کی یہی ہے کہ اُس کے نقصانوں کو دیکھے اور اُن کے مٹانے کی فکر کرے۔ جو لوگ نہایت ہمدردی اور قومی محبت سے اپنی قوم کے عیبوں اور

نقصانوں سے مطلع کرتے ہیں اُن کا دل اپنی قوم کی حالت پر بہ نسبت اُن کے جو قوم کی طرفداری کرتے ہیں اور اُس کے عیبوں کو چھپاتے ہیں بہت زیادہ جلتا ہے اور حقیقت میں وہی لوگ مُحبِ وطن و مُحبِ قوم ہیں۔ وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

ترقی علم انشاء

جہاں تک ہم سے ہو سکا ہمنے اُردو زبان کے علم ادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں کے ذریعہ سے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ جہاں تک ہماری کج مج زبان نے یاری دی الفاظ کی درستی۔ بول چال کی صفائی پر کوشش کی۔ رنگینی عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوتی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اُس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ پرہیز کیا۔ تک بندی سے جو اس زمانہ میں مقفیٰ عبارت کہلاتی تھی ہاتھ اُٹھایا۔ جہاں تک ہو سکا سادگی عبارت پر توجہ کی۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لُطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری یہ کوشش کہاں تک کارگر ہوئی۔ اور ہمارے ہموطنوں نے اُسکو کس قدر پسند کیا۔ مگر اتنی بات ضرور دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے خیالات میں ضرور تبدیل آ گئی ہے اور اُس کی طرف لوگ متوجہ بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اخباروں کی عبارتیں نہایت عمدہ اور صاف ہوتی جاتی ہیں۔ وہ پہلا ناپسند طریقہ ادائے مضمون کا بالکل چھوٹتا جاتا ہے۔ بھاری بھاری لفظوں اور موٹے موٹے لغتوں سے اُردو زبان کا خون نہیں کیا جاتا۔ صفائی اور سادگی روز بروز عبارتوں میں بڑھتی جاتی ہے۔ خیالات بھی بالکل بدلے ہوئے ہیں۔ بہت کم اخبار ایسے ہوں گے جن میں ہر ہفتہ کوئی نہ کوئی آرٹیکل عُمدہ و سلیس عبارت میں کسی نئی کسی مضمون پر نہ لکھا جاتا ہو۔ صرف اس بات کی کمی ہے کہ وہ سامان ہمارے پاس موجود نہیں ہے جس سے ہمارے معلومات زیادہ ہوں اور ہمارے خیالات کو وسعت ہو۔ جو مضمون ہم لکھنا چاہیں اُن کے ماخذ اور اُن کے حالات اور جو بحثیں کہ اُن پر ہو چکی ہیں اور جو امور اُن کی نسبت متحقق ہو چکے ہیں اُن سے آگاہی ہو۔ اور یہی سبب ہے کہ بعض دفعہ ہماری قوم کے آرٹیکلوں میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اور جن اُمور کا تصفیہ ہو چکا ہے اُنہی کو پھر کہے جاتے ہیں۔ یہ نقص اُسی وقت رفع ہو گا جبکہ انواع اقسام علوم و فنون کی کتابیں ہماری زبان میں موجود ہو جاویں گی۔ اور ہماری قوم کو عموماً اُن پر دسترس

ہوگی - سینٹیفک سوسیٹی علیگڈھ نے اِس کام کے پورا کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ قوم
کو اس طرف توجہ نہیں ہے اور اسی سبب سے اُس کا کام اُدھورا پڑا ہے ٭

نئی اُردو نے درحقیقت ہماری مُلکی زبان میں جان ڈالدی ہے - میر و درد و ظفر نے اُردو
اشعار میں جو کچھ سحر بیانی کی ہوکی ہو - میر مومن دہلوی نے کوئی کہانی شُستہ بول چال میں کہدی ہو کہدی
ہو - جو اُس سے زیادہ فصیح و دلچسپ و بامحاورہ نہ ہوگی جو ایک پوپلی بُڑھیا بچوں کے سلاتے وقت
اُن کو کہانی سُناتی ہے - مضمون نگاری دوسری چیز ہے جو آج تک اُردو زبان میں نہ تھی - یہ اِسی
زمانہ میں پیدا ہوئی اور ابھی نہایت بچپن کی حالت میں ہے - اگر ہماری قوم اس پر متوجہ رہیگی اور
ایشیائی خیالات کو نہ ملائے گی - جو اب حد سے زیادہ اجیرن ہو گئے ہیں تو چند روز میں ہماری مُلکی
تحریریں بھی میکالی واڈیسن کی سی ہوجاوینگی ٭

بعض لوگوں کو شکایت ہے کہ جو لوگ اس زمانہ میں اُردو لکھتے ہیں وہ انگریزی لفظ اپنی تحریروں میں
ملاتے ہیں مگر اُن کو غور کرنا چاہیئے کہ زندہ زبان میں ہمیشہ نئے نئے لفظ ملتے اور بنتے ہیں - اور
جب کوئی زبان محدود ہوجاتی ہے مُردہ کہلاتی ہے - غیر زبان کے الفاظ کو اپنا کرلینا اہل زبان کا کام
ہے مگر اُن کا ملالینا آسان کام نہیں - اہل زبان غیر زبان کے لفظ کو ایسی عُمدگی سے ملا لیتے ہیں
جیسے تاج گنج کے روضہ میں سنگ مرمر پر عقیق و یاقوت و زمرد کی پچی کاری ہے - بے شک وہ دوسرا
پتھر ہے - مگر ایسا وصل ہوا ہے کہ غور سے دیکھنے پر بھی اوپر سے جڑا ہوا نہیں معلوم ہوتا - اُسی
میں سے پیدا ہوا معلوم ہوتا ہے - یہ بات اہل زبان کے سوا دوسرے سے نہیں ہوسکتی اور نہ سب
اہل زبان سے - بلکہ صرف اُس سے جسے خدا نے ایسا ملکہ دیا ہو ٭

یہ بات بھی غور کرنی چاہیئے کہ اہل زبان کو دوسری زبان کے لفظوں کے لے لینے کی کیوں ضرورت
پڑتی ہے - اس کے متعدد اسباب ہوتے ہیں - ایک مؤرخ کسی مُلک کی تاریخ لکھتا ہے اُس کو ضرور
ہوتا ہے کہ اُس مُلک کے تاریخی الفاظ یعنی جو تاریخ سے متعلق ہیں اور مُلکوں کی تقسیم اور مناصب
اُسی مُلک کی زبان میں قایم رکھے کیونکہ اگر اُن کے لیئے اپنی زبان کے الفاظ او اصطلاح بدل دے تو وہ
تاریخ نہایت نکمی اور غیر مفید ہوجاوے گی - ٹونس میں جو تاریخیں غیر مُلکوں کی عربی زبان میں ترجمہ
ہوتیں تصنیف ہوئی ہیں - اُن کو دیکھو کہ کس قدر غیر زبان کے الفاظ معرب و غیر معرب اُن میں شامل ہیں
عربی اخبار الجوائب کو دیکھو اُس کا کیا حال ہے - قرآن مجید کو پڑھو اور دیکھو اُس میں کس قدر الفاظ
دوسری زبانوں کے داخل ہیں - اگر عربی زبان کے علم ادب اور علوم و فنون میں الفاظ جدیدہ شامل

ہونے بند ہوجاتے تو وہ زبان بھی مثل عربی و سنسکرت و ژند کے مُردہ زبان ہوجاتی +

علوم و فنون پر کتابیں لکھنے والا بعض دفعہ مجبور ہوتا ہے کہ جس زبان سے اُس علم کو لیا ہے اُسی زبان کے بعض الفاظ اور مصطلحات بدستور قایم رکھے - دیکھو یونانی زبان سے جو علم طب عربی میں ترجمہ ہوا کس قدر یونانی الفاظ اُس میں شامل ہیں - اگر کسیکو لیٹر غرض نہ ہو تو ضرور اسکو تسلیم کریگا - عربی زبان سے کمسٹری انگریزی میں گئی - آج تک بہت سے عربی لفظ انگریزی زبان کی کمسٹری میں شامل ہیں +

پوچھو کہ اس مقام پر میں نے کیوں لفظ کمسٹری بولا - اور کیمیا کا لفظ جس سے خود انگریزوں نے لفظ کمسٹری بنایا ہے کیوں نہ بولا - اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں میں کیمیا کے لفظ کے ساتھ چاندی سونا بنانے کا خیال پیدا ہوتا ہے جو ایک محض غلط خیال ہے - اب وہ شخص جو اپنی قوم کی ہمدردی رکھتا ہے اور اُن غلط خیالات کو مٹانا چاہتا ہے کسی جگہ کمسٹری اور کسی جگہ کیمیا کا لفظ بول جاتا ہے تا کہ کمسٹری کا لفظ اُس غلط خیال کو نہ آنے دے اور کیمیا کا لفظ کمسٹری اور کیمیا کے ایک ہونے کا خیال پیدا کرے +

لٹریچر یعنی علم ادب اہل زبان کے لیئے نہایت وسیع جولان گاہ ہے - اُس میں وہ اپنی طبیعت کا زور دکھلاتا ہے - اُسی کے ذریعہ سے وہ اپنے دل کی بات دُوسرے کے دل میں ڈالتا ہے اپنی شُستہ تقریر اور مناسب مناسب الفاظ سے لوگوں کے دلوں کو جس بات پر چاہتا ہے لُبھاتا ہے - اُنہی لفظوں سے کبھی ہنساتا ہے اور کبھی رولاد یتا ہے - پُرانے دقیانوسی خیالوں کو مٹاتا ہے اور نئے نئے خیالات دلوں میں ڈالتا ہے - کبھی واحد کے بدلے جمع اور جمع کے بدلے واحد کے صیغے بولتا ہے - کبھی حاضر کو غایب اور غایب کو حاضر کہدیتا ہے - کبھی ترکیب جُملہ کی دوسری زبان کی ترکیب پر گھڑ دیتا ہے - اور اس سب میں ایک لطف اور ایک قسم کا مزا رکھتا جاتا ہے - اگر وہی چال وہ چلے جو اہل زبان نہیں ہے تو سینکڑوں ٹھوکریں کھاتا ہے - یہ مطلب نہیں ہے کہ اہل زبان جو کہے سو صحیح ہے - اور غیر اہل زبان وہ چال چلے تو غلط ہے - نہیں درحقیقت اُس کا کہنا صحیح اور اس کا بولنا غلط ہوتا ہے اور اہل زبان ہی اُس میں تمیز کرسکتا ہے +

دوسری زبان کے لفظوں کو اپنی زبان میں بولنا کبھی عبارت کا لطف بڑھانے کے لیئے ہوتا ہے کبھی اپنی زبان کو وسعت دینا اور نئے لفظوں کو اُس میں داخل کرنا مقصود ہوتا ہے - کبھی سامعین کو مطلب کی طرف زیادہ متوجہ کرنے کے لیئے بولا جاتا ہے - کبھی اُس مطلب کی عظمت جتانے کو کہا جاتا

ہے جو عظمت اُس مرادف لفظ سے جو اُس زبان میں مستعمل ہے دل میں نہیں بیٹھتی - مثلاً بعض اہل زبان
اپنی تحریر و تقریر میں مناسب موقع پر جس کی مناسبت کو اہل زبان ہی جان سکتے ہیں جنٹلمین کا لفظ
بولتے ہیں - اگر وہ اُس کی جگہ شریف یا شریفوں کا لفظ بولیں تو اُس لفظ یا مطلب کی عظمت خاک
میں مل جاتی ہے - اس لیئے کہ ہماری زبان اور عام استعمال میں لفظ شریف کا ذلیل ہو گیا ہے - اُس سے
بجز اس خیال کے کہ اُس کی حسب و نسب میں کچھ نقصان نہیں ہے شیخ - سید - مُغل - پٹھان ہے اَور
کوئی خیال پیدا نہیں ہوتا مگر اُس لفظ کے بولنے والا اُس خیال سے زیادہ تر وسیع اور اعلےٰ خیال
دل میں بٹھانا چاہتا ہے - وہ اس لفظ سے ایسا شخص بتانا چاہتا ہے جو رذیل آدمیوں کی نسبت
خاندان میں - تعلیم میں - حیثیت میں - اطوار میں افضل ہو - اُس کی تعلیم و تربیت - اُس کا چال چلن
اچھا ہو - نیک اور خوش اخلاق ہو - وہ ہر بات میں جو اُس سے متعلق ہو حلیم ہو - چال چلن میں -
حوصلہ و مزاج میں - خواہش و ارادہ میں سلیم ہو - ایسا ہونا تعلیم سے شروع ہوتا ہے - اور بڑے
کو گنتا اور نیک صحبت میں بیٹھنا اُسکو پورا کرتا ہے - اگرچہ شریف کے بھی یہی معنی ہونے چاہئیں مگر
جو کہ اُس کا استعمال ایک خاص بات پر ہو گیا ہے تو یہ پُورا پُورا خیال اُس لفظ سے دل میں نہیں آتا
بس ایک مُحب قوم اہل زبان اُن خیالوں کو دل میں ڈالنے کے لیئے اپنی زبان کو وسعت دیتا ہے -
اور دوسری زبان کا نیا لفظ اپنی زبان میں ملاتا ہے تاکہ نئے لفظ کے ساتھ نیا خیال دل میں پیدا ہو یہی
حال اس قسم کے اَور لفظوں کا ہے - اگر ہم اُن سب کی تفصیل لکھیں تو ہمارا یہ آرٹیکل لغت یا اصطلاحات
کی ایک کتاب ہو جاوے - اسی نمونہ سے ہمارے ہموطن خیال کر سکینگے کہ ہماری قوم کو اپنی زبان
کی نسبت بھی کیا کیا کرنا ہے - اور ان لغو خیالات کو چھوڑ دینگے کہ وہ شخص تو انگریزیت پر مرتا ہے -
انگریزی ہی لفظ بولتا ہے - اپنی واقفکاری انگریزوں کی جتاتا ہے - کیونکہ کسی جنٹلمین کو ایسے ذلیل
خیالات کسی جنٹلمین کی نسبت کرنے زیبا نہیں +

اُردو نظم

ہم نے جو نیچر کی بہت ہائے پُکار کی تو اب اُس کا قافیہ کیچڑ تو نہیں رہا - بلکہ شاعروں نے اُس کی
طرف توجہ کی - ہماری زبان کے علم ادب میں بہت بڑا نقصان یہ تھا کہ نظم پُوری نہ تھی - شاعروں نے
اپنی ہمت عاشقانہ غزلوں اور واسوختوں اور مدحیہ قصیدوں اور ہجر کے قطعوں اور قصہ و کہانی کی
مثنویوں میں صرف کی تھی - ہم یہ نہیں کہتے کہ ان مضامین کو چھونا نہیں چاہیئے تھا - نہیں وہ بھی نہایت

عُمدہ مضامین ہیں - اور جُودت طبع اور تلاش مضمون کے لیئے نہایت مفید ہیں - مگر نقصان یہ تھا کہ ہماری زبان میں صرف یہی تھی - دُوسرے دوسری قسم کے مضامین - جو درحقیقت وُہی اصلی مضامین ہیں اور نیچر سے علاقہ رکھتے ہیں نہ تھے - نظم کے اوزان بھی وُہی معمولی تھے - ردیف و قافیہ کی پابندی گویا ذات شعر میں داخل تھی - رجز اور بے قافیہ شعرگوئی کا رواج ہی نہیں تھا اور اب بھی شروع نہیں ہوا - ان باتوں کے ہونے سے حقیقت میں ہماری نظم صرف ناقص ہی نہ تھی بلکہ غیر مفید بھی تھی - مگر نہایت خوشی کا مقام ہے کہ زمانہ نے اسکو بھی رفارم کیا - اور اہل پنجاب اس نقص کے رفع کرنے پر متوجہ ہوئے - اُردو زبان کے علم ادب کی تاریخ میں ۱۸۷۴ء کا وہ دن جب لاہور میں نیچرل پوئیٹری کا مشاعرہ قایم ہوا ہمیشہ یاد رہیگا ۔

ہز آنر لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب اور مسٹر ہالراؔیڈ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب نے اس مشاعرے کے قایم ہونے پر بڑی توجہ کی ہے - جس کی شکر گزاری ہماری قوم پر واجب ہے - ہماری قوم کے لایق و فایق لوگوں نے بھی اس پر بخوبی توجہ کی ہے - مولوی محمد حسین آزاد پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور نے اس مشاعرہ کے بقا اور قیام میں سب سے زیادہ ہمت مصروف کی ہے - اُنکی طبیعت کے زور اور پاکیزگی مضامین اور شوکت الفاظ اور طرز ادا سے ہم لوگ فایدہ اُٹھاتے ہیں - اُن کی مثنوی خواب امن جو آفتاب پنجاب میں چھپی ہمارے دلوں کو خواب غفلت سے جگاتی ہے - مولوی خواجہ الطاف حسین حالی اسسٹنٹ ٹرانسلیٹر محکمہ ڈایرکٹر پنجاب کی مثنویوں نے تو ہمارے دلوں کے حال کو بدل دیا ہے - اُن کی مثنوی حُبّ الوطن اور مثنوی مناظرہ رحم و انصاف جو پنجابی اخبار میں چھپی ہیں درحقیقت ہمارے زمانہ کے علم ادب میں ایک کارنامہ ہیں - اُن کی سادگی الفاظ صفائی بیان عمدگی خیال ہمارے دلوں کو بے اختیار کھینچتی ہے - وہ مثنویاں آب زلال سے زیادہ خوشگوار ہیں بیان میں - زبان میں - آمد میں - الفاظ کی ترکیب میں - سادگی و صفائی ہے یہی عمدہ ہیں کہ دل میں بیٹھی جاتی ہیں - ہاں یہ بات سچ ہے کہ ہمارے ان باعث افتخار شاعروں کو ابھی نیچر کے میدان میں پہونچنے کے لیئے آگے قدم اُٹھانا ہے - اور اپنے اشعار کو نیچرل پوئیٹری کے ہمسر کرنے میں بہت کچھ کرنا ہے - مگر ان مثنویوں کے دیکھنے سے اتنا خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ خیالات میں کچھ تبدیل ہوئی ہے - اور اُس کا بھی تصور ہو سکتا ہے کہ اگر ہماری قوم اس عمدہ مضمون نیچر کی طرف متوجہ رہے اور ملٹن اور شکسپیئر کے خیالات کی طرف توجہ فرمائے اور مضامین عشقیہ اور مضامین خیالیہ و مضامین بیان واقع اور مضامین نیچر میں جو تفرقہ ہے اُسکو دل میں بٹھالے تو ان بزرگوں کے سبب ہماری قوم

کی لٹریچر کیسی عمدہ ہو جاوے گی اور ضرور وہ دن آویگا کہ ہم بھی اپنی قوم کے کسی نہ کسی پر ایسا ہی فخر کریں گے جیسے یورپ کے لوگ ملٹن اور شکسپیئر پر ناز کرتے ہیں۔ مضامین بیان واقع اور مضامین نیچر ایسے پاس پاس ہیں کہ اُن میں دھوکا پڑ جاتا ہے۔ مگر در حقیقت پہلا دوسرے سے بالکل علیحدہ ہے۔ پہلا تو ایک بیرونی حالت ہے اور دوسرا اندرونی۔ اسی پچھلے میں وہ طاقت ہے جو دل میں اثر کرتی ہے۔ ابھی تک ہماری قوم کا کلام بیرونی حالت سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ مگر ہمکو اُمید ہے کہ بہت جلد وہ اندرونی حالت تک بھی پہونچ جاویگا۔

ہماری حالت

ہمارا حال تو اُس بڑھیا کا سا ہوگیا ہے جس کو بازار کے لونڈے چھیڑا کرتے تھے۔ اور جب وہ چھیڑنے والے نہ ہوتے تھے تو بڑھیا کہتی تھی کہ کیا آج بازار کے لونڈے مر گئے۔ ہمارے کاموں کی بہ نسبت ہماری ذات اور ہمارے ذاتی خیالات سے لوگوں نے بہت بحث کی لیکن اب بھی وہ بہت ٹھنڈی ہوگئی ہے۔ بہت لوگ سوائے چند متعصبین کے سمجھ گئے ہیں کہ ہم اسلام کی اور مسلمانوں کی کیسی خیر خواہی کرتے ہیں۔ آفتاب اسلام کو جس کی شعاعیں گرد و غبار کے سبب دھوندلی ہوگئی ہیں اور جس کی کرنیں ہم تک نہیں پہونچتیں کس طرح روشن اور چمکتا ہوا کرنا چاہتے ہیں۔ اصلی سرچشمہ حیات جاودانی کو جو بہت سے نالے ندیوں کے ملجانے سے گدلا اور میلا ہوگیا ہے کس طرح پاک و صاف کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ اسلام جس کا مزا صرف لوگوں کی زبان پر رہ گیا ہے اور حلق سے نیچے نہیں اُترتا اُس کا اثر دل تک پہونچایا جاوے۔ ہماری آرزو ہے کہ اسلام جسکو ہم سب سے زیادہ عزیز اور سب سے عمدہ سمجھتے ہیں اُس کا اثر مسلمانوں کے دلوں میں۔ اُن کے اخلاق میں۔ اُن کے چال چلن میں۔ اُن کے معاملات میں۔ اُن کے برتاؤ میں سب میں پایا جاوے۔ اسلام کو صرف زبان ہی سے نیک نیک نہ کہا جاوے بلکہ مسلمانوں کو اُس نیکی کا نمونہ کر دکھایا جاوے۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی حاجی کہلانے کے لیئے حاجی بنے۔ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ حج کا جو اثر دل میں ہونا چاہیئے اُس کو حاصل کرے۔ اندھے والا حاجی بننے سے تو اسلام کو کچھ عزت نہیں ہو سکتی۔ اُن کے لیئے تو یہی کہنا بس ہے۔ کہ رحمت بر اخلاقِ حُجاج باد۔

نماز سے اگر صرف ماتھے پر گٹا ڈال لینا مقصود ہے تو وہ تو پوری رُوسیاہی ہے۔ نماز سے نیاز پیدا کرنا چاہیئے۔ دل پر اُس کا اثر بٹھانا چاہیئے۔ اگر طہارت کو صرف ہاتھ پاؤں دھونے پر منحصر سمجھا

تو اسلام کی کچھ پیروی نہیں کی - ظاہری طہارت تو باطنی طہارت کا اشارہ کرتی ہے - پھر اگر باطنی طہارت حاصل نہیں ہوئی تو یہ ظاہری طہارت نجاست سے بدتر ہے - ہم چاہتے ہیں کہ اسلام کے جو روحانی نتیجے ہیں وہ مسلمانوں کو حاصل ہوں ورنہ بکرے کی سی ڈاڑھی اور بکرے کی طرح وظیفوں کی جگالی اور بلی کی سی طہارت اور مکری کے سے فریب سے کچھ فائدہ نہیں - واللہ متم نورہ ولو کرہ المنکرون *

مدرسۃ العلوم اسلامی

مدرسۃ العلوم کے کاروبار کی ترقی اور آپس کی موافقت میں جہاں تک ممکن تھا اس سال میں بھی کافی کوشش ہوئی اور خدا کا شکر ہے کہ دونوں میں کسی قدر کامیاب ہوئے - مدرسۃ العلوم کا چندہ اس سال قریب دو لاکھ روپیہ کے پہونچگیا - کمیٹی اس کی تعمیر کے شروع کرنے کی تدبیروں میں مشغول ہے - اس کا پہلا درجہ جس کا نام صرف مدرسہ ہے جاری کردینا بالکل تجویز ہوگیا ہے جو انشاء اللہ العزیز بہت جلد ظہور میں آتا ہے - اور یہ سب حالتیں ایسی ہیں جن کے ایسے جلد ہونے کی توقع ہرگز نہ تھی اور جو جدید اُمیدیں اس کالج کی تائید کی اس سال پیدا ہوئی ہیں اور جن کا ذکر ابھی مناسب نہیں ہے وہ بھی نہایت تسلی بخش ہیں - اور سب سے زیادہ ہمکو ہمارے خدا کی رحمت تسلی دینے والی ہے جسکی رحمت سے ہمکو دعوی ہے کہ وہ ضرور ہمارے کاموں کا مددگار رہوگا - آمین *

ہمنے اپنے ہموطنوں اور اپنی قوم کے بزرگوں سے بھی التجا کرنے میں کچھ دریغ نہیں کیا - غایت التجا ہماری یہ تھی کہ ہم نے اُن سے عرض کیا کہ جن امور کی خرابی کا ہمارے ہاتھ میں رہنے سے اندیشہ ہے اُن کو آپ اپنے ہاتھ میں لے لیجئے - اُس کے جواب میں ہمارے قدیم مخدوم جناب حاجی مولوی سید امداد علی صاحب نے لکھا کہ تم اپنے افعال و اقوال سے توبہ کرو اور ہم سے ہوجاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں - اگرچہ اس امر کو اس بات سے جو پیشتر کی تھی کچھ تعلق نہ تھا مگر با این ہمہ میں اسکو قبول بھی کرلیتا مگر مجھے خیال ہوا کہ اگر ہمارے محب قلبی منشی چراغ علی صاحب مجھ سے کہیں کہ تم ہم سے ہوجاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں تو پھر میں کیا کروں گا - بقول شخصے کہ "گوری کا جوبن چٹکیوں میں ہی جائے" میرا تو یوہیں تکا بوٹے ہولیگا - میرے افعال و اقوال سے اور مدرسۃ العلوم سے کیا تعلق ہے - مدرسۃ العلوم میں تعلیم مذہبی بلاشبہ اہل سنت و جماعت کو موافق مذہب حنفی کے - اور شیعہ امامیہ کو موافق اُن کے مذہب کے اصول مسلمہ کے ہونی چاہیئے - اس باب میں جہاں تک کوئی شخص طمانیت چاہے اور

پختگی کرے سب بجا ہے۔ مگر کسی شخص کے ذاتی مذہب یا اُس کے خاص خیالات سے کیا بحث ہے ؟

جناب مولوی محمد قاسم صاحب اور جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے جو متعصبانہ جواب دیا اُس سے ہر شخص جس کو خدا نے عقل اور محبت قومی اور حب ایمانی دی ہوگی نفرت کرتا ہوگا شیعہ مذہب کی تعلیم کا سلسلہ بالکل علاحدہ ہے جس سے اہل سنت وجماعت کو کچھ تعلق نہیں پس یہ کہنا کیسا بیجا تعصب ہے کہ ہرگاہ اُس مدرسہ میں شیعہ بھی ہوں گے اس لیئے ہم شریک نہیں ہوتے۔ خدا کرے کہ وہ یہ خیال فرماکر کہ ہندوستان میں بھی شیعہ رہتے ہیں مکہ معظمہ کو سدھاریں مگر افسوس ہے کہ مَیں سنتا ہوں کہ حج وطواف میں بھی شیعہ موجود ہوتے ہیں ؟

افسوس ہے کہ شیعہ وسُنّی میں اس زمانہ میں بنسبت اُس زمانہ کے جبکہ امام محمد اسمٰعیل بخاری شیعوں سے روایت کرنے میں کچھ مضایقہ نہیں فرماتے تھے نفاق اور شقاق بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ مگر حالت زمانہ کی ایسی ہے کہ اگر شیعہ اپنے تعصب سے سُنّیوں کو چھوڑیں اور سُنّی اپنے تعصب سے شیعوں کو چھوڑیں تو دونوں غارت اور برباد ہوجاویں گے۔ ہندوستان میں مسلمان تعداد میں کم ہیں۔ دولت میں کم ہیں۔ عُہدوں میں کم ہیں۔ اگر پھر اُن میں بھی شیعہ وسُنّی وخارجی وناصبی اور وہابی وبدعتی کا تفرقہ پڑے تو بجز برباد اور غارت ہونے کے اَور کیا نتیجہ ہے۔ ارے کمبخت متعصبو! تم آپس میں لڑا کرنا اور ایک دوسرے کو کافر کہا کرنا۔ مگر جو بات سب کے فائدے کی ہے اُس میں کیوں ایک ہوکر شریک نہیں ہوتے۔ عالمگیر نے ایک عامل کی بددیانتی کا ذکر نظیراً کسی دوسرے عامل سے کیا۔ اُس نے عرض کیا کہ حضور ایک ہاتھ میں پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہیں۔ عالمگیر نے کہا۔ بلے مگر بوقت خوردن ہمہ برابر می شوند۔ پس اے بزرگو اُس بات میں کیوں تعصب کو کام فرماتے ہو جس میں سب کا فائدہ مشترک ہے ؟

جناب مولوی محمد علی صاحب مرادآبادی کی خدمت میں بھی التجا کی۔ مگر کچھ جواب نہ پایا۔ ردالشقاق فی جواز الاسترقاق لکھنے کا کچھ مضایقہ نہیں۔ قومی بھلائی وقومی ہمدردی کے کاموں میں شریک نہ ہونا البتہ مضائقہ ہے ؟

جناب سید الحاج مولنا حاجی علی بخش خاں صاحب سے جو معاملہ پیش آیا وہ تو طشت از بام ہے اُن کی وہماری تو وُہی مثل ہوگئی ہے۔

من تُرا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

یعنی وہ ہمکو بدعہد کہتے ہیں ہم اُن کو بدعہد کہتے ہیں - بہرحال کسی نے بدعہدی کی ہو - وہ بات جس سے کھنڈت پڑ گئی اس قدر ہے کہ تمام امور تعلیم مذہبی تنہا جناب ممدوح کے کیوں نہ سپرد کیئے گئے - دیگر بزرگان دین کو کیوں شریک کیا - وما هذا الاشقاق مبین ٭

مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ مرحلہ بھی جس طرح پر ہوا طے ہو گیا یعنی ساتویں جنوری ۱۸۷۵ء کو علیگڈھ میں بہت اعزہ اسلام جمع ہوئے - اور اُن سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ تعلیم مذہبی کا کلی انتظام اُن سات بزرگوں کے اختیار میں دیدیا جاوے جن کے نام نامی حاشیہ پر ثبت ہیں -

محمد عنایت اللہ خاں صاحب رئیس بھیکم پور ٭
محمد عبد الشکور خاں صاحب رئیس بھیکم پور ٭
محمد مسعود علی خاں صاحب رئیس دانا پور ٭
مولوی محمد اسمعیل صاحب رئیس علیگڈھ ٭
سید فضل حق صاحب رئیس علیگڈھ ٭
محمد اسمعیل خاں صاحب رئیس دناولی ٭
مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب رئیس دہلوی ٭

اور وہی اس بات کے مجاز ہیں کہ اَور جس کو چاہیں اپنے ساتھ شریک کر کر کمیٹی مدیران تعلیم مذہب اہل سنت وجماعت مقرر کرلیں - اور جس طرح چاہیں تعلیم مذہبی کا انتظام کریں - ان ساتوں بزرگوں نے اس کام کو منظور کیا اور ظاہرا اب کسی کو کوئی مقام کلام باقی نہیں رہا گو کہ کہنے والے کی زبان نہیں پکڑی جاسکتی - اِس تجویز کو کمیٹی خزینۃ البضاعۃ نے بلاعذر تسلیم کیا اور جو خط کہ کمیٹی کی جانب سے بنام اُن ساتوں بزرگوں کے لکھا گیا ہمارے اس آرٹیکل کے اخیر میں بعینہ مندرج ہے جس سے ہر کوئی جان سکتا ہے کہ نسبت تعلیم مذہبی کے بانیان مدرسۃ العلوم کی کیسی نیک نیتی ہے اور اُن کے مخالفوں نے جو یہ امر مشہور کیا تھا کہ مدرستہ العلوم میں تعلیم مذہبی میں خرابی ڈالی جاویگی وہ محض جھوٹ اور افترا تھا - اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے جو لوگ فتوے لائے تھے اور ہندوستان میں جو سوالات استفتاء علماء کے سامنے پیش ہوئے تھے وہ کیسے اتہامات کے بھرے ہوئے تھے - اب ہماری دُعا خدا سے یہ ہے کہ سب کے دل میں قومی ہمدردی کا درد پیدا ہو اور سب متفق ہو کر اُس کام میں مدد کریں جس میں کل قوم کی بھلائی متصور ہے - ومن اللہ التوفیق ٭

شکریہ اعانت اخبارات

شکر خدا کا کہ ہمارے اس قومی کام کی مدد ہمارے مُلکی اخبارات نے بھی کی ہے جن کا شکر ادا کرنا

ہمپر واجب ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب صرف تین اخبار ہمارے مخالف رہ گئے ہیں۔ نور الآفاق۔
نور الانوار جو کانپور میں چھپتے ہیں۔ اور آگرہ اخبار جو آگرہ میں چھپتا ہے۔ نور الآفاق کو ہمنے مدت سے
نہیں دیکھا اور نور الانوار کو تو آج تک کبھی دیکھا ہی نہیں۔ آگرہ اخبار البتہ ہمارے دیکھنے میں آتا
ہے۔ اُس اخبار کو دل لگی کی عادت ہے۔ وہ ہمارے افعال و اقوال کا مخالف اور ہمارے شامت
اعمال کا ناصح شفیق ہے۔ ایسے اخبار کو ہم اپنے کام کا یعنی مدرسۃ العلوم کا مخالف نہیں سمجھتے بلکہ
ہمکو خیال ہوتا ہے کہ شاید مدرسۃ العلوم کو وہ بھی اچھا جانتا ہے اور اُس کی ضرورت بھی تسلیم کرتا
ہے۔ جو اندیشہ کہ تعلیم مذہبی کی خرابی کا تھا غالباً اب وہ نہ رہا ہوگا۔ ہاں جو عظیم الشان تدبیر سوچی
گئی ہے اور جس میں لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہے اُس کے انجام میں آگرہ اخبار کو شبہ ہے اور اسلیئے
وہ کبھی اُسکی ہنسی اڑا دیتا ہے۔ اور خیالی مدرسہ یا شیخ چلی کا سا منصوبہ کہتا ہے۔ مگر آگرہ اخبار کا ایسا
کہنا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ جو بد اقبالی مسلمانوں کی ہے اور خدا کی جو نامہربانی اُن پر ہے اور جسقدر
نفاق آپسمیں ہے اور قومی ہمدردی کا جو اُن میں مطلق نشان نہیں ہے۔ اگر اُن سب پر نظر کیجاوے۔ تو
ہماری اس تدبیر کی اگر ہنسی نہ اڑائی جاوے تو اَور کیا کیا جاوے۔ ہم مسلمانوں کی بدبختی کی یہی ایک نشانی
کیا کم ہے کہ آگرہ اخبار جو ایک قومی اخبار ہے اور جس کے دو ایڈیٹر نہایت لائق مولوی و منشی ہیں خود اپنی
قوم کے کام کی اس وجہ سے کہ ایسے عظیم الشان کام کے انجام دینے کے لائق ہماری قوم نہیں ہے ہنسیاں
اُڑاوے۔ اور مثل اُن دو بھائی طالب علموں کے جو ایک دوسرے کی ماں کو من حیث انہ تیری ماں
ہے گالی دیتا تھا یہ خیال نکرے کہ یہ ہنسی کس کی اُڑائی جاتی ہے۔ اگر یہ کام درحقیقت قومی بھلائی کا تھا اور
بے صرف کثیر وہ انجام نہیں پا سکتا تھا۔ تو اُسپر ہنسی سے زیادہ بہتر تھا کہ اُس کی امداد میں کوشش کیجاتی
اگر اُس کے انتظام اور اُسکی کارروائی میں کچھ اندیشہ تھا تو ہم اپنی قوم کے لیئے نہایت مبارک دن وہ سمجھتے
کہ جناب مولوی خواجہ محمد یوسف صاحب کا ایک عنایت نامہ کمیٹی میں آتا اور وہ کمیٹی میں اس لیئے شریک
ہونا چاہتے کہ جو جو خرابیاں اُس کے انتظام اور اُسکی کارروائی میں ہوں اُن کو دور کریں اور اصلاح فرماویں
ورنہ بولی ٹھٹھولی کسکو نہیں آتی جس کے سونہہ میں زبان ہے کچھ نہ کچھ کہہ ہی لیتا ہے۔ مگر ہم خدا کا
شکر کرتے ہیں کہ اب ہم اُن کو بھی مدرسۃ العلوم کی نسبت مہربان پاتے ہیں۔ اور بالتخصیص اُن کے اُس
آرٹیکل کا جو انھوں نے اخبار مطبوعہ ۲۰۔ جنوری ۱۸۷۶ء میں ارقام فرمایا ہے دل و جان سے شکر ادا
کرتے ہیں۔ اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ جو اخلاق ذمیمہ اور افعال قبیحہ ہمارے [illegible] ہمارے [illegible]
کالائے بد بریش خاوند۔ مگر جو بات اچھی اور قومی بھلائی کی ہے اُس میں شریک ہو۔ اور جو قباحتیں

اُس میں ہوں اُن کی اصلاح کرو ٭

پنجابی اخبار لاہور۔ کوہ نور۔ سینٹیفک سوسٹی علیگڈھ۔ اُردو گائیڈ کلکتہ کا تو ہمارا بال بال احسانمند ہے کہ اُنھوں نے ابتدا سے ہمارے ہر قومی کام کی جسقدر تائید کی ہے اُس کا شکریہ ہم کسی طرح ادا نہیں کر سکتے اُس اجڑے شہر کے اخباروں کا بھی جس کا نام لیتے دل بھر آتا ہے ہم دل سے شکر ادا کرتے ہیں میو موریل گزٹ نے ہمدردی قومی کے سوائے حُبّ وطنی بھی برتنی شروع کی ہے۔ جو آرٹیکل کہ اُنھوں نے مدرسۃ العلوم کی نسبت اپنے یکم اکتوبر ۱۸۷۶ء کے اخبار میں لکھا ہے ہم اُس کے نہایت شکرگزار ہیں ٭

ناصر الاخبار دہلی کی عنایتوں کو اور بالتخصیص اُس عنایت کو جو خاص محاکمہ کے ایک آرٹیکل لکھنے میں کی ہے ہم بھول نہیں سکتے۔ ہمارے وطن کے اخبار ہم سے اس لیئے ناراض ہیں کہ مدرسۃ العلوم دلّی میں کیوں نہ مقرر ہوا۔ بھائی کہاں ہے وہ دلّی اور کہاں ہیں وہ دلّی والے۔ جو نقش کہ مٹ گیا اُس کا اب کیا نام لینا ہے۔ مرثیہ پڑھا کرو اور دلّی اور دلّی والوں کو رویا کرو ٭

اودھ اخبار اور اُس کے مالک اور شفیق اڈیٹر صاحب تو دل و جان سے مدرسۃ العلوم کے حامی ہیں اُن کے شکریہ میں یہی کہنا بس ہے کہ ہم اُن کا شکر ادا نہیں کر سکتے ٭

مرقعہ تہذیب لکھنؤ نے جو کچھ اعانت ہمارے قومی کاربار میں کی ہے وہ درحقیقت ایک قدر عنایت ہے اور یہی نہیں ہے کہ صرف اخبار ہی میں چند کلمۃ الخیر لکھنے پر بس کی ہو۔ بلکہ اُس جلسہ کے بعض بزرگوں نے قلم و قدم و درم سے بھی کوشش کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ جو مضمون کہ ۱۲۔ جولائی ۱۸۷۶ء کو ضمیمہ اخبار مذکور میں چھپا اُس کے لیئے کمیٹی خزینۃ البضاعت حد سے زیادہ ممنون ہے ٭

ہم اپنے دکھنی دوستوں یعنی میسور اخبار کے اُس آرٹیکل کے لیئے جو چھٹی ۶ اگست ۱۸۷۶ء کے پرچہ میں چھپا۔ اور قاسم الاخبار کے اُس آرٹیکل کی بابت جو شرھویں اگست کے پرچہ میں چھپا دل سے شکرگزار ہیں مسلمانوں کی ایسی حالت ہے کہ جب تک دور و نزدیک کے سب مسلمان شریک ہو کر مدد نہ کریں اور ایک خزانہ آب حیات کا نہ جمع کر لیں جس کی نہریں بہ کر تمام ملک کو سیراب کریں۔ اُس وقت تک قومی بھلائی اور قومی ترقی ناممکن ہے۔ اور اگر لوگ یہ خیال کریں کہ ہم اپنے اپنے لیئے جُدا جُدا گڑھا کھود لیں اور گو اُس میں پانی کا کچھ رساؤ بھی ہونے لگے۔ مگر یقین جان لیں کہ وہ رساؤ بہت جلد خشک اور بند ہو جاویگا۔ جب تک کہ ہم ایک سرچشمہ نہ بنالیں جس کی سوتوں میں کبھی کمی نہو۔ اُس وقت تک قوم کی سرسبزی جو بمنزلہ ایک نہایت وسیع باغ کے ہے غیر ممکن ہے ٭

شمس الاخبار مدراس کا شکر کیئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ وہ بھی اس قومی بھلائی میں کلمۃ الخیر کہے بغیر

نہیں رہتا - اس ہماری مختصر شکر گزاریوں سے اسقدر ثابت ہو سکتا ہے کہ اب تمام ہندوستان کے اخبار ہمارے اس قومی بھلائی کے کام میں ممد و معاون ہیں اور بالاتفاق تمام ہندوستان کو اس بات کا یقین ہے کہ مسلمانوں کی حالت اچھی نہیں ہے - اُن کی صلاح و فلاح میں کچھ کرنا چاہیئے - اور اس بات کو بھی سبنے - دوست اور دشمن نے - یار و اغیار نے - مخالف و موافق نے تسلیم کیا ہے کہ اس کام کے لیئے مدرستہ العلوم سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہے - مگر جو کہ ہم مسلمانوں کی بدبختی سے چند باتوں کی ہم میں کمی ہے اس لیئے اب تک یہ کام پورا نہیں ہوا - قومی کام میں ہماری قوم کو توجہ کم ہے - روپیہ فضول کاموں میں خرچ کرنے میں اندھے ہیں - الّا قومی بھلائی میں خرچ کرنے کی عادت نہیں - ایک کام کا ولولا اُٹھتا ہے وہ قایم نہیں رہتا اور اُس کے پورا کرنیکا بہت جلد خیال جاتا رہتا ہے - محنت کی اور جو کام شروع کیا ہے اُسپر کد و کاش کرنے کی عادت نہیں ہے - مگر ہمکو خدا سے اُمید ہے کہ آیندہ کو بہ نسبت گذشتہ کے ہماری قوم اس قومی کام کے پورا کرنے میں زیادہ تر توجہ کریگی +

اِس مقام پر جہاں اخباروں کا شکریہ ہمنے ادا کیا یہ نہ سمجھا جاوے کہ ہم اپنے مُلک کے بے نظیر اخبار النفع العظیم لاھل ھذا الاقلیم کو بھول گیا - وہ اخبار ہمارے ہندوستان کا فخر اور ہمارے اخباروں کا سرتاج ہے - اسکی زبان سے ہمارا دل و جان زندہ ہوتا ہے - اُس کے شیریں الفاظ اور موزونی کلام سے ہمکو ہماری پچھلی باتیں سب یاد آتی ہیں - اُس نے جو کچھ ہمدردی اس قومی بھلائی کے کام میں کی ہے اُس کو سب سے اخیر اس لیئے بیان کیا ہے کہ ہمارے انجام مقاصد کے لیئے شگون نیک ہو - جو آرٹیکل یکم دسمبر کے پرچہ میں چھپا ایسا درد آمیز و محبت خیز ہے جس کے اثر کا نقش ہر صاحب کے دل پر ہوتا ہے - ہم ہزار ہزار زبان سے اُس کا شکر ادا کرتے ہیں - اور اُس آرٹیکل کو بعینہٖ اس مقام پر نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارا یہ ناچیز پرچہ بھی اُس لعل درخشاں کی روشنی سے منوّر ہو +

وھو ھذا

الکلام فی حالۃ المسلمین الھندیین وایقاظھم عن نعاس الغفلۃ فی ھذا الحین

لما نری الاسلام ضعیفا واھلہ فی حضیض المذلۃ وضیعا کان لو شریفا یاخذنا الاسف الشدید واللھف المزید وکذلک یعارضنا الغبطۃ اذ نشوف الھنود (ای عبدۃ الاصنام) عابرین علی المعارج العظیمۃ من حیث الثروۃ والرخاء وما کان ذلک لھم الا بسبب ترقیھم وسعیھم فی

اخذ العلوم وتحصيل الفنون فانا لا نجد في المدارس من اطفال المسلمين الا عددا يسيرا بخلاف
الهنود فان اطفالهم بالرغبة والكثرة يتعلمون العلوم الحكمية والفنون الرياضية بلغة
انكليزية فيكيدنا احوال جميع المسلمين لاسيما حالة الهنديين فانهم مصرون على اخذ
الرذائل وترك الفضائل لا يجاملون بانفسهم واولادهم فكيف بالاغيار ولا يعبرون بشيء
من الحوادث الكائنة في هذه الاعصار لا يعلمون اطفالهم الا البطالة ولا يرغبون اولادهم
الا الى السفاهة او الجهالة فتعودوا على ترك الاشغال والحرف الجيدة واستعمال الملاهي
والملاهب وانهماك في المعاصي والمعائب ونبذ الرغائب وادخار العيوب ولا عوار
والمثالب لا يرون الى عبدة الاصنام كيف يبالغون في الاحترام وتحصيل الحرف والصنائع
بتعلمهم لسان الحكام حتى انهم يصعدون على المشارف العالية العظيمة دوما ويصلون المراتب
الضخيمة من العز والتمكين والثروة يوما فيوما - واهل الاسلام مالهم وقع عند الحكام
ولا عزة بين الانام وهذه العصور عصور ترقي العلوم ودهور اشاعة العمل على المعلوم
واهل الاسلام في هذه الايام ايضا راقدون في رقدة الغفلة والبطالة او ما يشهد هؤلاء
النائمون في نعاس الجهالة ان امة انكليزية كيف بالغوا في اختراع الآلات العجيبة والادوات
الغريبة المساعدة على التمدن والعمران في هذه الاوان فاشرقت ممالكهم باشراق شوارق
العلم والكمال وبرعت امتهم في ايجاد العجائب وابداع الغرائب بانهماكهم في تلك الاعمال فسبقوا
الامم السالفة في العلم والعمل وفازوا فوزا عاليا في الفطانة والفضل وقد كانت امة انكليزية
في العصور الخالية والدهور الماضية هائمة في فيافي السفاهة والهمج والهوان و
غائصين في البحار الجهالة والامتهان حتى اخذوا من العلوم ما اخذوا وعملوا على ما
علموا الى ان برعوا واخترعوا اشياء كثيرة باذهان صافية وعقول وافية فيا لهم من عقول
واذهان استولوا بها على البلاد الفسيحة اعني هندوستان وقد مضت مدت من
الازمان على ان امة انكليزية استولت على البلاد الهندية وبالغت في اشاعة العلوم
والفنون في هذه البلاد فقلدهم عبدة الاصنام واخذوا في تحصيل العلوم حتى امتازوا
الى المناصب الجليلة ولكن مسلمي الهند لا يلتفتون الى تعلم العلوم ليخرجوا من ظلمات
الذل والجهل الى نور العقل والعلم والفضل فلو رغبوا الى تحصيل العلوم والفضائل
لفازوا الى المشارف العظيمة والمناصب الجليلة الضخيمة وحصل لهم العز

والاعتبار والتمكين ومن وقعهم لبان على الناس وقع الاسلام فالمسلمون الهنديون
قد استهونوا الاسلام بامتهانهم وصغروا الايمان بهوانهم وانا نتيقن على انهم ان مالوا الى
تحصيل العلوم والفنون في هذا الحين فيظهر فضلهم في قلائل الايام على العالمين اذ نهم اذهانهم
اصفى وقلوبهم اذكى من اذهان الهنود وقلوبهم فلا بد لهم ان يقلدوا امة انكليزية في
اخذ العلوم واستعمال الصنائع وامة انكليزية انما تريد تعليم رعيتها قاطبة لا خصوصية
فيه للهنود ولكن نحن لا نجد الى ذالك سبيلا اذ المسلمون لا يجمعون على امر يكون فيه
صلاحهم واصلاحهم ولا يرغبون الى شئ يوجد فيه فلاحهم ونجاحهم ولا يتفكرون
في انه قد جاء زمان انتكاسهم وطلاحهم وقربت ايام ذلهم وهوانهم وكسر طماحهم - قد
استحوذ عليهم الحمق والطيش فضاق عليهم العيش ودار العجز دليلهم وسد سبيلهم
حتى انهم من يريد لهم خيرا يزعمونه معاندا وذلك الخير لا نفسهم شرا وضيرا - واعظم
الشواهد على ذلك احوال الجناب نجم الهند السيد احمد خان بهادر الذي بالغ في حماية
الاسلام والمسلمين واراد ان يوصلهم الى المناصب الجليلة والمراتب الجميلة بتعليم
العلوم الدينية والفنون الدنيوية على طراق مستحسنة فاستجمع المسلمين على ان
يحشدوا ويمارقوا وافرا من المصاريف لمدرسة اسلامية لذلك فتشاخسوا في هذا الامر
تشاخسا كثيرا منهم من قام لتكفيره ومنهم من سعى في قطع تدبيره ورد ابراه من غير تدبر
حتى وقع الشغب العظيم في المسلمين وبعض مخالفيه اشتهروا في الجرنالات مطاعن الموما
اليه الى ان تاخر كثيرا من الناس من نصرة المدرسة الموصوفة بل اصروا في تضييق بانيها
وهدم مبانيها ولم ينظروا الى عوايدها ولم يفهموا فوايدها واقامة تلك المدرسة في
هذا الزمان من الواجبات اذ الدهر العسوف قد استصعب على المسلمين في ذل رقابهم وجبينهم

ليس البلية في ايامنا عجبا + بل السلامة فيها اعجب العجب
ليس الجمال باثواب يزينها + ان الجمال جمال العلم والادب
ليس اليتيم الذي قد مات والده + ان اليتيم يتيم العقل والحسب
ايها الفاخر جهلا بالنسب + انما الناس لام واب
هل تريهم خلقوا من فضة + ام حديد ام نحاس ام ذهب
هل تريهم خلقوا من فضلهم + هل سوى عظم ولحم وعصب

انما الفخر لعقل ثابت ✦ وحیاء وعفاف ادب

وانالا نشك في ان اقامة المدرسة الاسلامية الموصوفة انفع للمسلمين من شغبهم هذا اذ لا طائل تحت شغبهم وكدحهم الى تكفير الباني وتفسيقه ابداً الا انهم يوخرون باقوالهم الباطلة الفاسدة وارائهم الكاسدة عن النفع العظيم والربح الجسيم الذي يحصل لاطفالهم بتعلم العلوم الجديدة في المدرسة الموصوفة فيا ايها المسلمون ادركوا زمانكم هذا واجتهدوا والتعليم اطفالكم واحشدوا المصاريف لاقامة المدرسة الاسلامية رافة على اولادكم لكي يبلغوا بعد تعلم العلوم والفنون الى المشارف العالية والمناصب الجزيلة والا فستندمون بعد قلائل الازمان حيث لا ينفعكم الندم ✦

العلم زين فكن للعلم مكتسبا ✦ وكن له طالبا ما كنت مقتبسا

واركن اليه وثق بالله واغن به ✦ وكن حليما رضين العقل محترسا

لا تيأسن فاما كنت منهمكا ✦ فالعلم يوما واما كنت منغمسا

وكن فتى ناسكا محض التقى ورعا ✦ للدين مقتبسا للعلم مفترسا

فمن تخلق بالاداب ظل بها ✦ رئيس قوم اذا ما فارق الرؤسا

واعلم هديت بان العلم خير صفا ✦ اضحى لطالبه من فضله سلسا

واما الذين يكفرون الباني فلا بد له ان لا يبالي بهم اذا اسفهاء لا محالة اعداء للكملاء وهذه عادة جارية من قديم الزمان تراب على راس الزمان فانه زمان عقوق لا زمان حقوق فكل رفيق فيه غير موافق وكل صديق فيه غير صديق ✦

نقل خط

جو کمیٹی خزینۃ البضاعۃ سے اُن سات بزرگوں کے نام جاری ہوا جنھوں نے اہتمام تعلیم مذہب اہل سُنّت وجماعت کا اپنے ذمّہ لیا ہے۔

مخدوم و مکرم معظم و محتشم مطاع بندہ سلامت –

بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ روئداد اجلاس کمیٹی خزینۃ البضاعۃ مورخہ ۱۱ جنوری ۱۸۷۵ء بذریعہ نیاز نامہ ہذا خدمت عالی میں بھیجتا ہوں۔ اُس سے ظاہر ہوگا کہ جو تجویزیں ۷- جنوری ۱۸۷۵ء کو بمقام علیگڈھ آپ نے بشمول دیگر مسلمانان کی تھیں وہ سب حسب ضابطہ روئداد میں مندرج ہوگئیں

اور جن لوگوں کو آپ نے کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سُنّت و جماعت کا ممبر ہونا تجویز فرمایا تھا
اُن کے نام نامی حسب ضابطہ روئیداد میں مندرج ہوگئے۔ منجملہ اُن صاحبوں کے سات بزرگوں نے اپنی
منظوری ممبر ہونے کی ظاہر کردی تھی۔ مگر نواب محمد محمود علی خاں صاحب رئیس چھتاری اور حاجی
محمد فیض احمد خاں صاحب رئیس دتاولی اور محمد ارشاد علیخاں صاحب اور مولوی محمد لطف اللہ صاحب اور
مولوی عبدالقیوم صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وہاں موجود نہیں تھے۔ اُن بزرگوں نے جنھوں نے
ممبر ہونا منظور کرلیا تھا یہ بات فرمائی تھی کہ ہم بطور خود تحریراً خواہ تقریراً اُن لوگوں سے منظوری حاصل
کرلینگے۔ پس اُمید ہے کہ آپ بزرگان مذکورہ بالا سے نسبت منظوری ممبری کے طے فرمالیں اور اُن میں
سے جو صاحب ممبر ہونا منظور کریں اور جو نا منظور کریں اُن کے اسماء مُبارک سے مطلع فرماویں۔ تاکہ
بنظر اطلاع دیگر ممبران مندرج روئداد کیئے جاویں۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ بموجب تجویز مذکورہ بالا کے
یہ امر بھی طے ہوگیا ہے کہ اُن سات بزرگوں کو جنھوں نے ممبر ہونا منظور کرلیا ہے اس بات کا بالکلیہ
اختیار ہے کہ جس جس کو چاہیں کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سُنّت و جماعت کا ممبر مُقرر کریں۔ پس
آپ ساتوں صاحب باہم صلاح اور مشورہ کر کر جس جس کو کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سُنّت و جماعت میں
داخل کرنا چاہیں داخل فرماویں۔ کسی کو اس میں کچھ مداخلت نہیں ہے۔ اور اپنی کمیٹی کی کارروائی کے
لیئے بھی جو قواعد کہ مناسب ہوں تجویز فرماویں۔ صرف اتنی بات چاہیئے کہ جو قواعد آپ تجویز کریں اُسکی
ایک نقل اور اپنے اجلاس کی روئداد ہمیشہ دفتر کمیٹی خزینۃ البضاعۃ میں ارسال فرماتے رہیں تاکہ بنظر
اطلاع ممبران کمیٹی خزینۃ البضاعۃ کے وہ کاغذات بھی چھپتے رہیں ؂

دوسرا امر قابل عرض یہ ہے کہ علیگڈھ میں جو یہ گفتگو ہوئی تھی کہ ممبران کمیٹی مدبران تعلیم مذہب
اہل سُنّت و جماعت کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اپنی کمیٹی کے کسی ممبر کو جس وقت چاہیں کثرت رائے
سے موقوف کرسکیں اسکی نسبت یہ التماس ہے کہ آپ اپنی کمیٹی جمع کرکے اس امر پر اور اُسکے نیک و بد
پر بہ خوبی غور فرمالیں اور جو تجویز قطعی اور اخیر نسبت امر مذکورہ کے ٹھہرے اُس سے مطلع فرمائیے۔ تاکہ
اُس کی تعمیل کے لیئے حسب ضابطہ کارروائی کیجاوے ؂

تیسری عرض یہ ہے کہ تمام معاملہ تعلیم مذہب اہل سُنّت و جماعت کا اُن ساتوں بزرگوں کے جنھوں نے
ممبر ہونا قبول کرلیا ہے اور اُن کے جن کو کہ آیندہ وقتاً فوقتاً آپ اپنا شریک کرینگے سپرد ہے۔ اور
اُنھیں کو اُسکی نسبت اختیار کامل حاصل ہے۔ وُہی لوگ مدرسان تعلیم مذہبی تجویز کرینگے اور وُہی لوگ
سلسلہ کُتب مذہبی مقرر کریں گے۔ پس اُمید ہے کہ آپ سب صاحب متوجہ ہوں اور جو قواعد کہ آپ نے

اپنے ذمہ اختیار کیئے ہیں اُن کا انتظام اور انصرام فرما دیں +

چوتھی عرض یہ ہے کہ سلسلہ کُتب درسی مذہبی کا جو آپ مُقرر فرما دیں اُس کے چار درجے حسب تفصیل ذیل ہونے چاہئیں - اوّل سلسلہ عام ضروری درسی کتابوں کا - یہ سلسلہ صیغہ مدرسہ سے متعلق ہوگا جس کا ذکر طریقہ تعلیم کی دفعہ ۸ میں مندرج ہے - اس درجہ میں جو لڑکے تعلیم پاویں گے اُن کی مدت تعلیم جُملہ علوم کے لیئے پانچ برس مُقرر ہے - اس درجہ میں ہر طالب علم کو مذہبی کتابوں کا پڑھنا ضرور ہوگا - اس درجہ کے طالب علموں کی استعداد اس درجہ تک پہونچے گی کہ وہ عربی اور فارسی عبارت معہ قواعد صرف و نحو بخوبی پڑھ سکتے ہوں گے اور عربی و فارسی عبارت کے معنی اور مطلب بخوبی سمجھ سکتے ہونگے پس اس صیغہ کے لیئے ایسے درجہ کی کتابیں عربی زبان کی تجویز کی جاویں جو رفتہ رفتہ اُس قدر استعداد کے طالب علموں کے مناسب ہوں - اور یہ بھی تجویز کیا جائے کہ صرف اور نحو کے کس درجہ تک پہونچ جانے کے بعد عربی سلسلہ مذہبی کتابوں کا پڑھنا شروع کرایا جاویگا +

علاوہ اس کے اسی درجہ کی لیاقت کے موافق ایک دوسرا سلسلہ مذہبی کتابوں کا فارسی زبان کا منتخب ہونا چاہیئے تاکہ جو لوگ عربی زبان کی تعلیم اختیار نہ کریں گے اور فارسی زبان میں تعلیم ہونا چاہیں گے اُن کو وہ سلسلہ مذہبی تعلیم کا پڑھنا پڑیگا +

اس کے سوا اسی قسم کا ایک تیسرا سلسلہ مذہبی کتابوں کا اُردو زبان میں مرتب ہونا چاہیئے تاکہ جن لوگوں نے یورپ کی زبانیں اختیار کی ہونگی اُن کو اُس اُردو سلسلہ کے ذریعہ سے مذہبی تعلیم حاصل کرنی ضرور ہوگی +

دوم سلسلہ اُس سلسلہ سے اعلےٰ درجہ کی مذہبی کتابوں کا مقرر ہونا چاہیئے - کیونکہ یہ سلسلہ مدرسۃ العلوم کے ادنےٰ درجہ سے علاقہ رکھیگا جس کا ذکر دفعہ ۱۰ طریقہ تعلیم میں ہے اور اس درجہ میں بشمول دیگر علوم کے چار برس تک تعلیم ہوگی +

اس درجہ میں دینیات کی ایسی کتابیں عربی کی منتخب ہونی چاہئیں جو ایک مستعد طالب علم کے پڑھنے کے لائق ہوں اور جو عموماً اعلےٰ درجہ کے طالب علموں کے درس تدریس میں داخل ہوں اگر اس درجہ کے لیئے فارسی زبان کی کتابوں کا بھی کوئی سلسلہ منتخب ہو تو نہایت مناسب ہوگا بلکہ اس درجہ کے لائق اُردو زبان میں بھی کوئی سلسلہ پیدا کیا جاوے تو مسلمانوں کے حق میں نہایت مفید ہوگا - اور اگر آپ کی کمیٹی توجہ فرمائے گی تو بذریعہ تصنیف اور ترجمہ کُتب بزبان اُردو ایسا سلسلہ مرتب ہو جانا کچھ مشکل نہ ہوگا +

تیسرا سلسلہ اِس سلسلہ سے بھی اعلےٰ درجہ کی مذہبی کتابوں کا مُقرر ہونا چاہیئے کیونکہ یہ سلسلہ مدرسۃ العلوم کے اعلےٰ درجہ کی تعلیم سے علاقہ رکھتا ہے جس کا ذکر دفعہ ۱۱ طریقہ تعلیم میں ہے۔ اس سلسلہ میں ایسی مشکل اور دقیق کتابیں داخل ہونی چاہئیں جو ایک پُورے اور کامل فاضل ہونے کے لیئے درکار ہیں اور اگر اِس درجہ کے لیئے بھی فارسی اور اُردو زبانوں کا سلسلہ بھی مرتب کیا جائے تو نہایت عمدہ بات ہوگی +

چہارم۔ یہ تینوں سلسلے اس لحاظ سے مرتب ہوں گے کہ طالب علموں کو اَور علوم کے پڑھنے کا بھی جس کے ساتھ یہ سلسلہ مذہبی پڑھایا جائے گا موقع رہے۔ لیکن بعض طالب علم ایسے ہونگے جن کی خواہش یہ ہوگی کہ صرف دینیات ہی میں اعلےٰ اور کامل درجہ کی تعلیم پاویں۔ پس اُن کے لیئے ایک عُمدہ سلسلہ خاص صرف عربی زبان کا مرتب کرنا چاہیئے جس میں کتابیں ہر ایک درجہ میں کسی قدر زیادہ اور بہ نسبت کتب سلسلہ ہائے مذکورہ بالا زیادہ مشکل اور زیادہ دقیق ہوں کیونکہ جو لوگ صرف دینیات ہی میں اعلےٰ درجہ کی تعلیم پاویں پس اُن کے لیئے ایک عمدہ سلسلہ خاص صرف عربی زبان کا مرتب کرنا چاہیئے جسمیں کتابیں ہر ایک درجہ میں کسیقدر زیادہ اور بہ نسبت کُتب سلسلہ ہائے مذکورہ بالا زیادہ مشکل اور زیادہ دقیق ہوں۔ کیونکہ جو لوگ صرف دینیات ہی میں اعلےٰ درجہ کی تعلیم چاہینگے اُن کو پُوری کامل درجہ کی اور دقیق تعلیم ہونی چاہیئے +

یہ تمام سلسلے جن کا اوپر مذکور ہوا مذہب اہل سُنّت وجماعت کے مطابق حنفی مذہب کے مُنتخب ہونے چاہئیں کیونکہ تمام اہل ہند سُنّی حنفی مذہب ہیں اور مدرسۃ العلوم میں حنفی مذہب کی تعلیم ہوگی تعلیم دینیات میں علوم مفصلہ ذیل داخل ہیں۔ فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ اصول فقہ۔ اصول حدیث۔ اصول تفسیر۔ علم عقائد۔ علم کلام۔ پس انہیں علوم کی کتابیں سلسلہ تعلیم علوم مذہبی میں جس طرح کہ مناسب ہوں داخل کیجاویں۔ یہ سب تفصیل مَیں نے اس لیئے التماس کی ہے کہ جو درجات تعلیم مدرسۃ العلوم میں مقرر ہوئے ہیں اُن سے آپ کو بلا تکلف اطلاع رہے۔ اور اُسی مناسبت سے سلسلہ کُتب درسیہ مذہبی کا قرار دینے میں آسانی ہو +

اس امر کی اطلاع کرنی بھی مجھ کو ضرور ہے کہ آپ بہت جلد اور سب سے اوّل جن لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرنا منظور ہو اُن کو شامل کر کے اپنی پوری کمیٹی کر لیجیئے اور سب سے اوّل اور نہایت جلد وہ کتابیں جن کا ذکر سب سے پہلے سلسلے میں ہوا ہے منتخب اور تجویز فرمائیے۔ اور اُن کی فہرست سے کمیٹی خزینۃ البضاعۃ کو مطلع فرمائیے تاکہ یہ کمیٹی اُن کے بہم پہونچانے میں

سعی و کوشش کرے۔ کیونکہ جب تک یہ سلسلہ مرتب نہ ہو جاوے گا اور سب کتابیں بہم نہ پہونچائی جاوینگی تعلیم شروع نہ ہوسکیگی۔ والسلام +

آخری پرچہ

تہذیب الاخلاق

سوتوں کو جھنجوڑتے ہیں تاکہ جاگ اُٹھیں۔ اگر اُٹھ کھڑے ہوتے تو مطلب پورا ہوگیا۔ اور اگر نیند میں اُٹھانے سے کچھ بڑبڑائے اور کچھ جھنجلائے۔ ادھر ہاتھ جھٹک دیا اُدھر پیر جھٹک دیا اور جھنجلاہٹ میں اینڈے پڑے رہے تو بھی توقع ہوئی کہ تھوڑی دیر بعد جاگ اُٹھیں گے۔ شاید ہمارے بھائیوں کی اس اخیر درجہ تک نوبت آگئی ہے اگر یہ خیال ٹھیک ہو تو ہمکو بھی زیادہ چھیڑنا نہ چاہیئے اور تہذیب الاخلاق کو بند کرکر دُور سے نیند کے اُن خمار آلودوں کا جواب صرف جھنجلاہٹ سے اینڈے پڑے ہیں اُٹھنا اور ہوشیار ہونا دیکھنا چاہیئے۔ بچے اُٹھاتے وقت کہہ اُٹھتے ہیں کہ ہمکو اُٹھاتے جاؤ گے تو ہم اَور پڑے رہیں گے تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اُٹھ کھڑے ہونگے بچہ کڑوی دوا پیتے وقت بسور کر ماں سے کہتا ہے کہ بی یہ مت کہے جاؤ کہ شاباش بیٹا پی لے پی لے تم چپ ہو رہو مَیں آپ ہی پی لوں گا۔ لو بھائیو۔ اَب ہم بھی نہیں کہتے کہ اُٹھو اُٹھو۔ پی لو پی لو۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ مَیں اپنے کو ناصح مشفق سمجھتا ہوں بلکہ جو ہٹ اور جو حالت ہماری قوم کی ہے اُس کو جتلانا چاہتا ہوں +

ایک دن تھا کہ ہم بھی اُسی رنگ میں مست تھے۔ ایسی گہری نیند سوتے تھے۔ کہ فرشتوں کے بھی اُٹھائے نہ اُٹھتے تھے۔ اب ہماری یہ مثل ہے۔

لو آج ہیں مسجد جامع کے ہیں امام
داغ شراب دھوتے تھے کل جانماز کا

کیا کیا خیالات ہماری قوم میں ہیں جو ہم میں نہ تھے۔ اور کیسی کیسی کالی گھٹائیں ہماری قوم پر چھا رہی ہیں جو ہم پر نہ تھیں۔ جب رند تھے تو فرہاد سے بڑھ کر تھے۔ جب زاہد خشک بنتے تو نہایت ہی اکھڑ تھے۔ جب صوفی بنتے تو رومی سے برتر تھے۔ اب خاکسار ہیں اور اپنی قوم کے غمخوار۔ تم کو کس نے جگایا؟ دل اور زمانہ نے۔ دل کی کمبخت ایسی تھی جس میں ہمیشہ غمخواری تھی۔ پر سوتا تھا۔ زمانہ نے جھٹکا دیا اور جگایا۔ دفعۃً دیکھا کہ دنیا الٹ گئی اور رنگ برنگ کی پھلواری سب اجڑ گئی۔ قوم کی حالت وہ دیکھی کہ خدا کسی کو نہ دکھلائے۔ اسلام کی وہ صورت پائی کہ خدا کرے کافر بھی نہ پائے۔ اس بربادی کے سبب کا غیر قوم کو تو اَور ہی خیال ہوا۔ پر غلط ہوا۔ اور مجھ کو جو ہوا وہ خود اپنی قوم کی حالت کا ابتر ہوتا تھا۔ قوم کیا دنیا کی باتوں میں اور کیا دین کے کاموں میں ایسے تاریک گڑھے میں پڑی تھی کہ اِدھر اُدھر کی چیزیں تو درکنار وہ اس گڑھے کو بھی نہ دیکھ سکتی تھی جس میں پڑی تھی۔ پھر میرا دل آخر دل ہی تھا پتھر نہ تھا جو نہ پگلتا اور اپنی قوم کی حالت پر غم نہ کرتا۔ ایک مدت تک اسی غم میں پڑا سوچتا رہا کہ کیا کیجیئے۔ جو خیالی تدبیریں کرتا تھا کوئی بن پڑتی نہ معلوم ہوتی تھیں۔ جتنی اُمیدیں کرتا تھا سب ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں۔ آخر یہ سوچا کہ سوچنے سے کرنا بہتر ہے۔ کرو جو کچھ کر سکو ہو یا نہو اسی بات پر دل ٹھہرا ہمت نے ساتھ دیا اور صبر نے سہارا اور اپنی قوم کی بھلائی میں قدم گاڑا۔ اس میں خدا کی طرف کا بدلہ تو نہ جب معلوم تھا اور نہ اب معلوم ہے۔ مگر قوم کی طرف کا بدلہ اسی وقت سے معلوم تھا جو اب ظاہر ہے۔ کافر۔ مرتد۔ ملحد۔ زندیق۔ اسلام کا دشمن۔ مسلمانوں کا ہاجی۔ قوم کا عیب جو۔ دین دنیا سے آزاد۔ کہنا اور نام پر دو چار صلواتیں سنا دینا۔ اور ہم پر اس مثل کا صادق آنا کہ "دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا" مگر شکر ہے کہ ان کی کسی بات نے ہمارا دل نہیں دکھایا۔ اور ہمیشہ ہمارے دل میں یہی آیا کہ اے خدا ان پر رحم کر کیونکہ وہ نہیں جانتے۔

اُنہی قومی بھلائی کے ولولوں میں سے تہذیب الاخلاق کا نکالنا بھی ایک ولولہ تھا جس کا اصلی مقصود قوم کو اُس کی دینی اور دُنیاوی ابتر حالت کا جتلانا اور سوتوں کو جگانا بلکہ مُردوں کو اُٹھانا اور بند سڑے ہوئے پانی میں تحریک کا پیدا کرنا تھا۔ یقین تھا کہ سڑے ہوئے پانی کو ہلانے سے بدبو زیادہ پھیلے گی۔ مگر حرکت آہستہ سے پھر تو [illegible]

ہوجانے کی توقع ہوتی تھی - پس کیا ہمنے جو کچھ کرنا تھا - اور پایا ہمنے جو کچھ کہ پانا تھا مگر خدا سے آرزو ہے کہ اگر ہمنے وہ نہیں کیا جو ہم کو کرنا تھا تو وہ وہی کرے جو اُس کو کرنا ہے -

ازبندہ خضوع و التجا می زیبد
بخشایش بندہ از خدا می زیبد
گر من کنم آنکہ آں مرا نازیباست
تو کن ہمہ آنکہ آں ترا می زیبد

سات برس تک ہمنے بذریعہ اپنے اس پرچہ کے اپنی قوم کی خدمت کی مذہبی بیجا جوش سے جس تاریک گڑھے میں وہ چلی جاتی تھی اُس سے خبردار کیا - دنیاوی باتوں میں جن تاریک خیالات کے اندھیرے میں وہ مبتلا تھی اُس میں اُن کو روشنی دکھلائی مذہب اسلام پر ناوانی کی جس قدر گھٹائیں چھا رہی تھیں اُن کو ہٹایا اور اُس کے اصلی نور کو جہاں تک ہم سے ہو سکا چمکایا - اُردو زبان کا علم ادب جو بدخیالات اور موٹے وبھدے الفاظ کا مجمع ہو رہا ہے اُس میں بھی جہاں تک ہم سے ہو سکا ہمنے اصلاح چاہی - یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمنے اس میں کچھ کیا - مگر ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنی دانست میں ان باتوں میں بقدر اپنی طاقت کے کوشش کی - قومی ہمدردی قومی عزت - سلف انر یعنی اپنے آپ عزت کا خیال اگر ہمنے اپنی قوم میں پیدا نہیں کیا تو ان لفظوں کو تو ضرور اُردو زبان کے علم ادب میں داخل کیا - ہمنے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر ہر طرف سے تہذیب و شایستگی کا غلغلہ سُنا - قومی ہمدردی کی صداؤں کا ہمارے کانوں میں آنا - اُردو زبان کے علم ادب کا ترقی پانا - یہی ہماری مرادیں تھیں جن کو ہمنے بھر پایا - اب بہت لوگ ہیں جو ان باتوں کو پکارتے ہیں گو اس وقت ٹھہری ٹھہری لہریں لکھاتے ہیں مگر پانی میں حرکت ہی آجانا کافی ہے پھر وہ خود اپنی پنسال میں آپ چورس ہو رہیگا - اس لیئے مناسب ہے کہ اب ہم بس کریں اور پانی کو آپ ہی آپ چورس ہونے دیں ٭

ہمارے دوست ہماری اس خاموشی کا کوئی سبب دُور از کار نہ خیال کریں گے اور نہ اُس پر التفات کریں گے جو ہمارے ناصح نور الآفاق نے اپنے اخیر پرچہ میں

ہا تھا بلکہ یہ خیال کریں گے کہ ہم کسی دوسری قومی بھلائی کے کام میں مصروف ہونگے جو اس سے بھی زیادہ قوم کو مفید ہوگا - خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے " ما ننسخ من آیۃ اوننسھانأت بخیر منہا او مثلہا " اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے بہت سے ایسے دوست ہیں جو اس پرچہ کے بند ہونے سے نہایت ہی شکستہ خاطر ہوں گے مگر ہم اُن سے معذرت کرتے ہیں اور اب اس پرچہ کو اُن سے رُخصت کرتے ہیں اور وہ دن بھی اَب آنے والا ہے کہ ہم خود ہی اُن سے رُخصت ہوں گے +

ہم نے اپنے اس ارادہ سے اپنے بعض دوستوں کو مطلع کیا تھا - اور جب اُن کو معلوم ہو گیا کہ ہم نے یہ ارادہ مصمم کر لیا ہے تو اُنھوں نے ہمارے ان سات برس کے پرچوں کے ریویو لکھے ہیں جن کو ہم نہایت احسانمندی و شکر گزاری سے اس اپنے اخیر پرچہ میں درج کرتے ہیں - والسلام +